شازیہ مصطفیٰ
چاہت دل کی چاہت

شازیہ مصطفیٰ
پہلی قسط
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

''میں عنائیہ کو لے کر جا رہا ہوں، اماں جی کی بہت طبیعت خراب ہے''۔ جواد احمد نے انہیں صرف اتنا بتایا' وہ تن فن ہی ہوگئی تھیں۔

''جب تمہاری ماں کو میں پسند نہیں ہوں تو کیوں میری اولاد کو اتنا چاہتی ہیں''۔ لہجے میں نفرت' حقارت' نخوت اور ناگواری سب ہی تھا۔

''یہ مت بھولو کہ یہ میری اولاد بھی ہے''۔ گویا انہوں نے جتایا۔

''تمہاری ماں کے ناشروع سے یہ بیماری کے ڈرامے ہیں''۔

''بند کرو بکواس اور احترام سے نام لو میری ماں کا' آج اگر تم یہاں موجود ہو تو صرف میری ماں کی وجہ سے ورنہ میں منت نہ لگاؤں''۔ وہ اپنی ماں کی شان میں ایسے الفاظ تو کبھی برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔

''اونہہ..... شروع سے وہ اور تمہارا خاندان جلتا ہے' مجھے کبھی قبول نہیں کیا انہوں نے''۔

''انہوں نے یا تم نے' تمہیں سوائے بننے سنورنے اور اپنے پارلر سے فرصت ہی کب رہی ہے''۔ انہیں سمیرا کا یہ غرور و تکبر شروع سے ناگوار ہی گزرتا جو بھری محفل میں بیٹھ کے اپنی خوبصورتی کی خود ہی قصیدہ گوئی کرتی رہتی تھیں اور پھر اس پر ان کا بیوٹی پارلر جس نے انہیں مزید تباہ کیا ہوا تھا۔

''یہ میرا شوق ہے اور تم سب ہو ہی بیک ورڈ''۔ وہ پھنکاریں۔

''اس وقت میں تمہارے ساتھ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ کمرے سے نکلنے ہی لگے تھے۔

باہر عنائیہ اور وشہ کھڑی تھیں' انہیں دیکھ کر وہ خجل سی ہوگئیں تھیں۔

''بیٹا! یہ تمہاری ماں کا روز کا تماشا ہے' کیوں باہر کھڑے ہو کے سنتے ہو' تمہاری ماں کو تو شروع سے ایسی آواز میں بولنے کی عادت ہے''۔ لہجے میں دکھ' طنز سب ہی کچھ تھا' سمیرا تو اندر ہی اندر گرم گھونٹ اتارنے لگیں' دونوں بیٹیاں ان کے سامنے تھیں۔

''جواد احمد! یہ مت بھولو یہ میری بیٹیاں ہیں''۔

''اچھا..... تمہیں بھی یاد ہے تمہاری بیٹیاں ہیں ورنہ تو تم خود ابھی تک یہ قبول ہی نہیں کر پائی ہو کہ جوان بیٹیوں کی ماں ہو''۔ پھر طنز میں ڈوبا تیر پھینکا' کیونکہ اشارہ ان کے بنے سنورے میک اپ سے مزین سراپے کی جانب تھا جو فیشن میں اتنی اندھی ہوگئی تھیں کہ اپنی عمر اور بچوں تک کا خیال نہ تھا۔

''جواد! تم میری انسلٹ کر رہے ہو''۔ وہ تو شیر کی طرح بپھریں۔

''ارے..... انسلٹ تو میری ہوتی ہے جہاں تم جاتی ہو سر اٹھانے کا نہیں رکھتی ہو''۔

عنائیہ اور وشہ دونوں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں' سمیرا کو ان کا بولنا اور غصہ ہی دلا رہا تھا۔

''شروع سے میری خوبصورتی سے تم اور تمہارا خاندان جلتا ہے''۔

''پتہ نہیں کس نے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے تمہیں کہ تم خوبصورت ہو' جب ہمارا باطن خوبصورت نہیں تو ایسی ظاہری خوبصورتی پر لعنت ہے''۔ وہ ان کی دل کھول کر تضحیک کر رہے تھے اور یہ آج کا نہیں روز کا معمول تھا' سمیرا ان سے ایسے ہی الجھتی تھیں' انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں اور جواد احمد جواب میں انہیں ایسے ہی سناتے تھے۔

''اونہہ..... تم سب ہی نفسیاتی ہو''۔

''شکر ہے' ہم سب ہی ہیں' تم تو ایک صحیح ہونا پھر کوئی اچھی خاصیت تو بتاؤ''۔ لہجہ فہمائشی اور تمسخر زدہ ہی تھا۔

''ابو! کب تک چلنا ہے''۔ عنائیہ ڈرتی ہوئی آئی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی''۔ سمیرا نے جھٹ کہا۔

''یہ مت بھولو کہ باپ ہوں میں اس کا' سارے اختیارات رکھتا ہوں۔ عنائیہ! تم اپنے ایک دو دن کے لئے کپڑے بھی رکھ لو' کیونکہ اماں جی نے کہا ہے کہ تمہیں کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دوں''۔ وہ اس سے پیار بھرے لہجے میں بولے۔ وہ سر ہلانے لگی اور اندر اپنے روم میں گھس گئی' مبادا سمیرا پھر کچھ نہ کہہ دیں۔ سمیرا جلے پیر کی بلی کی طرح تن فن کرتی ہوئی کمرے میں گھس گئی تھیں۔

''دیکھو وشہ! معارج سے کہنا امی کو تنگ نہ کرے''۔ وہ جاتے ہوئے وشہ کو ہدایت بھی دینے لگی۔

''آپی! میرا بھی دل چاہ رہا ہے جانے کو''۔

''تم معارج کے ساتھ آ جانا کسی دن' کیونکہ تم بھی جاؤ گی تو امی کو اور غصہ آئے گا''۔ وہ اپنے کپڑے بیگ میں رکھ چکی تھی۔

''پتہ نہیں آپی' امی کب دادی جان سے معافی مانگیں گی' کب آپ کی شادی محریب بھائی سے ہوگی''۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''اچھا زیادہ منہ لٹکانے کی ضرورت نہیں ہے' امی جیسے ہی پارلر جائیں تم ان کا کمرہ سیٹ کر دینا' ماسی سے نہیں کروانا ابو کی چیزیں اِدھر اُدھر کر دیتی ہے''۔ وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگی جو خاموش سی ہوگئی تھی۔ عنائیہ خود بیس بائیس سال سے یہ جنگ اپنے والدین میں دیکھ رہی تھی اور پھر چار سال پہلے ہی جواد احمد نے گھر بھی الگ کر لیا' محض سمیرا کی وجہ سے جو آئے دن کوئی نہ کوئی تماشا لگائے رکھتی تھیں۔

............☆............

''جانے کب سمیرا کو عقل آئے گی' وہ ہم سب کو غلط سمجھتی ہے''۔ دادی جان مسلسل روئے جا رہی تھیں' سارے ہی ان کے کمرے میں جمع تھے۔

''دادی جان! آپ کی پھر طبیعت خراب ہوگئی''۔ محریب نے ان کے ہاتھ تھامے...

''بیٹا! میں کیا کروں میرا جواد کیسا بکھر گیا ہے' اس کے بچے ڈرے سہمے رہتے ہیں''۔

''دادی جان! عنائیہ بھابھو آ گئی ہیں''۔ مائز کی خوشی سے بھرپور آواز نے ان کی توجہ مبذول کروائی' اسی وقت محریب بھی سیدھا ہوا۔ عنائیہ پنک پلین کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس جھٹ دادی جان کے گلے آ کے لگ گئی۔

''میں تو سوچ رہی تھی جانے تو آئے گی بھی یا نہیں''۔

''آپ بلائیں اور میں نہ آؤں''۔ اس نے مسکرا کے ہی کہا۔ محریب قدرے فاصلے پر بیڈ پر ہی بیٹھا تھا اور وہ دادی جان کے سرہانے ہی بیٹھ گئی تھی۔

''اماں جی! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' جواد احمد نے فکرمندی سے ان کے مزاج پوچھے' وہ روز ہی یہاں کا چکر لگاتے تھے مگر آج تو دو تین بار لگائے تھے۔

''طبیعت اب کہاں ٹھیک ہوگی' میری آنکھوں کے سامنے تم لوگ میرے ان بچوں کی شادی کر دو''۔ وہ رونے ہی لگی تھیں۔

عنائیہ نے پہلو بدلا جبکہ محریب بھی گھبرا گیا' جو کل سے ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھیں کہ شادی ہو جائے۔

''اماں جی! کیسی مایوسی والی باتیں کرتی ہیں' آپ ٹھیک رہیں گی اور دیکھیئے گا عنائیہ اور محریب کی شادی آپ کے سامنے ہی ہوگی''۔ انہوں نے تسلی دی۔

M-7

''سمیرا کب مان رہی ہے''۔

''کم آن دادی جان! آپ تو بالکل ہی چانس ختم کر دیتی ہیں' سمیرا چچی سب مانیں گی کیا کمی ہے ہمارے بھیا میں''۔ مائز نے اپنے لمبے چوڑے ڈیسنٹ سے بھائی کے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے' وہ جھینپ ہی گیا۔ ایسے افسردہ ماحول کو اکثر مائز اپنی شوخ باتوں سے کچھ رنگین بنا دیتا تھا' سب ہی ان کی دلجوئی میں لگے تھے۔

''کمی تو لگتا ہے ہم سب میں ہے' جو اسے ہم بُرے لگتے ہیں''۔ جواد احمد ایک دم ہی تلخ ہو گئے تھے۔ عنائبہ سے اپنے ابو کا رنجور چہرہ دیکھا نہیں جاتا تھا' وہ کتنے بے بس سے ہو جاتے تھے' صرف اپنے بچوں کی خاطر۔

''یہ بتائیے بھابھو! رُکیں گی نا آپ؟'' مائز نے مسکرا کے پوچھا' عنائبہ نے سر ہلایا۔ مائز تو اسے شرارت میں اسی نام سے ہی پکارتا تھا اور پھر وہ اس کے بھائی کی بچپن کی منگیتر تھی' سب ہی گھر کے بچے واقف بھی تھے۔

''اچھا اماں جی! میں کل آؤں گا''۔ جواد احمد گھڑی میں ٹائم دیکھنے لگے' نو بج رہے تھے انہیں پتہ تھا سمیرا حسب معمول اپنے بیوٹی پارلر میں ہی ہوں گی۔

''ارے جواد! کھانا لگ رہا ہے کھا کے جانا''۔ نزہت نے انہیں روکا۔

''بھابی! ابھی مجھے کچھ ضروری کام بھی ہے' پھر دشا اور معارج اکیلے ہوں گے''۔ وہ عذر پیش کر کے سب سے ہی رخصت لے کر چلے گئے تھے' محریب گیٹ تک چھوڑنے کے بعد دادی جان کے کمرے میں ہی آ گیا تھا' عنائبہ انہیں سوپ پلا رہی تھی' ایک اچٹتی نگاہ ضرور اٹھائی' محریب چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔

''جانے کب میرا ارمان پورا ہو گا اپنی بچی کو میں یہاں اس گھر میں دیکھوں گی''۔ دادی جان پھر افسردگی سے گویا ہوئیں۔

''ارے سارے ارمان پورے ہوں گی اور دیکھیے گا آپ پڑدادی تک بنیں گی''۔ محریب نے انہیں خوش کرنے کے لیے ہی کہا' عنائبہ تو شرم سے نگاہ نہ ملا پائی۔

''کتنے سکون سے میرے بچے یہاں تھے' سمیرا کو جانے کیا سوجھی کہ الگ گھر میں چلی گئی''۔ انہیں یہ قلق بھی مارے ڈالتا تھا۔ محریب جب یہاں سے گیا تھا' سب ہی تو ساتھ رہتے تھے اب جبکہ وہ کچھ سال بعد امریکہ سے آیا تو سب ہی کچھ بدلا ہوا تھا۔ وہ انہیں سوپ پلانے کے بعد برتن لے کر کمرے سے باہر نکل گئی' اسے محریب کی موجودگی شروع سے ہی پزل کرتی تھی' وہ تھی بھی کم گو اور ڈری سہمی سی کچھ بچپن سے اپنے ماں باپ کی لڑائیوں نے بھی اس کی شخصیت پر اثر ڈالا تھا۔

''خیریت' کیا سوچا جا رہا تھا؟'' مائز نے اسے دیکھا جو کوریڈور میں پڑے بیتھ کے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''کک...... کچھ نہیں''۔ وہ ہڑبڑا ہی گئی۔

''ارے...... آپ تو ڈر جاتی ہیں''۔ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے مسکرایا۔ عنائبہ جھینپ گئی' دادی جان کے کمرے سے نکلتے فان کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس محریب کو دیکھ کر گڑبڑا ہی گئی۔

''لو پھر ڈر رہی ہیں' ارے یہ آپ کے بچپن کے منگیتر ہیں کوئی نئے نہیں''۔

''ہر وقت ہانکتے رہتے ہو''۔ وہ جھینپی ہوئی جانے لگی۔

محریب کو یہ کومل سے نقش و نگار والی لڑکی بچپن سے ہی اچھی لگتی تھی' سب کزن اس سے فری تھے ایک یہ بالکل الگ مزاج کی تھی' کم بولتی تھی' کم ہنستی تھی اور زیادہ اس سے چھپی ہوئی ہی رہتی تھی' اس کا شرمایا لجایا انداز اسے اور منفرد و خوبصورت بناتا تھا۔

............☆............

وہ یہاں آ کر دادی جان کے ہی کمرے میں گھسی رہتی تھی' مگر مائز تو اسے چھوڑتا ہی نہ تھا اور سب کزن کے درمیان لا کر بٹھا دیتا تھا۔

''یار! آپ کس صدی کی لڑکی ہیں' ارے بولڈ بنیئے''۔

''زیادہ فضول مت بکا کرو''۔ فوراً ہی اس نے مائز کو تھپڑ دیا۔ سارے ہی ہال کمرے میں محفل جما کے بیٹھے تھے مگر محریب کے علاوہ جو ابھی تک آفس میں ہی تھا۔

''تمہاری طرح مجھ سے بولڈ نہیں بنا جاتا ہے''۔ عنائبہ نے اس کے بولنے پر ہی اشارہ کیا جو ہر ایک کو ہر بات پُر اعتماد انداز میں کہہ دیتا تھا۔

''ابھی میری بولڈنیس دیکھی کب ہے آپ نے' دیکھیئے گا اچانک ہی دھماکہ ہو گا''۔ وہ ذومعنی لہجے میں بولا۔

''خیریت ہے کیا سوچی ہوئی ہے بولڈنیس''۔ فائق نے سرگوشی میں ہی پوچھ لیا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہ ہی تھے کیونکہ دونوں ہی ایم بی اے کر رہے تھے لائن بھی ایک ہی تھی۔

''مائز بھائی! کہیں کوئی لڑکی کا چکر تو نہیں ہے''۔ رافع نے بھی لقمہ دیا۔

''تم چپ کرو آئے بڑے ٹکڑے لگانے والے''۔ اس نے فائق کی بیک سے کشن نکال کر رافع پر ہی اچھالا جو اسے تو نہ لگا کارنر ٹیبل پر رکھے ڈیکوریشن پیسز کو شہید کر گیا۔

''اب پڑے گی ڈانٹ آپ کو بڑی امی سے''۔ رافع تو خوش ہو گیا۔ عنائبہ ان سب کی نوک جھونک سنگل صوفے پر بیٹھی لیمن کلر کے کپڑوں میں ملبوس دیکھ رہی تھی' اسے اپنے زندہ دل سے سارے کزن ہمیشہ اچھے لگتے تھے۔

''بڑی امی' بڑی امی''۔ رافع نے تو تیز آواز میں پکارنا شروع کیا' مائز نے اس کی گدی پر دو تھپڑ لگائے' وہ بڑی امی سے مخفی نہ رہ سکے تھے۔

''یہ سب کس نے کیا؟'' ان کے کڑے اور فہمائشی تیوروں نے مائز کی سٹی ہی گم کر دی کیونکہ شک انہیں اس پر ہی تھا۔

''امی! غلطی میری نہیں اس رافع کی ہے' کیوں ہٹا سامنے سے جو یہ سب شہید ہو گیا''۔ وہ منمنانے کے ساتھ سر کھجانے لگا۔ عنائبہ کرسٹل کے باؤل اور گلدان کی کرچیاں سمیٹنے بیٹھ گئی تھی۔

''نہیں سدھرنا تم' کتنے بڑے گھوڑے ہو رہے ہو''۔

''پھر جلدی سے میرا بھی رشتہ طے کریں' بے چاری کتنا انتظار کرے گی''۔ وہ سرد آہ بھر کے دہائی ہی دینے لگا تھا' نزہت نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''بکواس نہیں کرو''۔

''یار امی! میں کیا ایسے ہی خوار رہوں گا' ہماری سمیرا چچی آخر کیسے مانیں گی' جو پھر میرا بھی نمبر آئے''۔ وہ پھر رونے کے ساتھ اداسی کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''تمیز سے میری امی کا نام لیا کرو''۔ عنائبہ اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''محترمہ! میں نے سمیرا چچی کہا ہے ادب و احترام سے''۔

''السلام وعلیکم''۔ احد کی آواز پر سب ہی چونکے۔ کوریڈور میں وہ کھڑا تھا شامین اور حسنہ بھی ساتھ ہی تھیں' سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

''اوہ...... تو آپ کو بھی فرصت مل گئی''۔ مائز نے اب اپنا رُخ ان کی جانب کر دیا۔ حسنہ نے تو عنائبہ کو گلے ہی لگا لیا' وہ خود اپنی بھتیجی کو اتنے دنوں بعد دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے سوچا کہ سب ساتھ ہی چلتے ہیں' اماں جی کی طبیعت پوچھ آئیں گے"۔

"دادی جان تو اس دن سے ایک دم ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں جس دن سے بھابھو آئی ہیں"۔ مائرہ نے اس کی جانب اشارہ کیا جو حسنہ پھپھو کے پہلو میں ہی بیٹھی تھی۔

"اماں جی کو سب سے زیادہ محبت بھی تو اسی سے ہے"۔

"کیا کریں اب لڑکی ہی اتنی پیاری ہے کہ ہر کوئی محبت میں ڈوب جاتا ہے"۔

"یہ ہر کوئی تو واضح کرو جلدی' ورنہ محریب کے ہاتھوں کوئی نہیں بچے گا"۔ احد نے شوخی سے کہا' تو سب ہی قہقہہ لگا کے رہ گئے' عنایہ بے چاری جھینپ ہی گئی۔

"ایک تو مجھے اپنے بگ برادر پر حیرانگی ہوتی ہے کہ کسی بھی موسم کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے"۔ مائرہ نے سرد آہ تفکر زدہ انداز میں ہی بھری تھی۔

"تمہارے بھائی پر واقعی کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے"۔ احد نے بھی تائید کی' محریب بھی آ چکا تھا' عنایہ تو کھسک ہی لی تھی کیونکہ شامین کو ریان تنگ کرنے لگا تو وہ اس کے ساتھ دادی جان کے کمرے میں جانے لگی تھی۔

"السلام وعلیکم بھابی! کیا بات ہے بھول گئی ہیں"۔ محریب نے شامین کو روک لیا' وہ مسکرانے ہی لگی۔

"ارے کیسی بات کرتے ہیں"۔

"شامین! اسے تو ایسی دیسی بھی نہیں آتی ہے' جانے دیسی کرے گا بھی یا نہیں"۔ احد نے شامین سے سرگوشی میں ہی کہا جو محریب نے بھی سنا' وہ جواب میں گھورنے لگا' ریان نے رونا شروع کیا تو شامین اندر چلی گئی۔

"بہت ہی فضول بکواس کرتے ہو یار! بھابی کے سامنے تو نہ کیا کرو"۔ دونوں کو تنہائی ملی تو محریب نے احد کو ٹوکا۔

"یار! شامین میری بیوی ہے اور ہم دونوں ایک بچے کے والدین ہیں اس لئے بکواس کر سکتے ہیں"۔ اس نے محریب کی پشت پر چپت رسید کی۔

"سن عنایہ آئی ہوئی ہے کچھ پیار و محبت کی باتیں بھی کیں یا نہیں؟"

"وہ یہی سب کرنے تو آئی ہے"۔ وہ تپ ہی گیا۔

"یار! کس مٹی کے بنے ہو' ذرا دل نہیں کرتا کہ جلدی شادی ہو' جبکہ مجھ سے ایک سال بڑے ہی ہو"۔ اس نے گویا محریب کو اس کی بڑھتی ہوئی عمر کا احساس دلایا۔

"تمہاری طرح بے صبرا نہیں ہوں' ہر کام کو تسائل پسندی سے کرنے کا عادی ہوں"۔ اس نے احد کو طنزیہ ہی کہا۔

"ہاں مجھ پر آ جایا کر اپنی محرومی نہ عیاں کر"۔ وہ بُرا مان گیا۔ دونوں میں کافی دیر تک بحث و مباحثہ بھی چلتا رہا تھا' یمنی سب کے لئے چائے وغیرہ بنا کے لائی تو ان دونوں کو بھی بلا لیا جب کہیں جا کر دونوں کی تکرار بھی ختم ہوئی تھی۔

............☆............

"وشہ! فون کرو اپنی دادی کے گھر' کہو ان سے عنایہ کو بھیج دیں"۔ یمیرا نے گویا خاصے ناگوار اور درشت لہجے میں اسے حکم دیا' وہ کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتی تھی' کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ رُک گئی۔

"ابو کہہ رہے تھے کہ وہ خود لے آئیں گے"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہی کہا۔

"عنایہ کوئی نوکر نہیں ہے جو ان کی دیکھ بھال کے لیے چلی گئی' اتنے لوگ ہیں وہ کم ہیں کیا ان کے لیے"۔ ڈائننگ ٹیبل پر وہ بیٹھی تھیں' اپنے پارلر سے وہ لنچ کے لئے آ گئی تھیں ورنہ اکثر لنچ بھی وہ گول کر دیتی تھیں کلائنٹ کی وجہ سے ہی آج موقع ملا تو چلی آئی تھیں۔

"جلدی کرو فون اور ہاں معارج آئے تو اسے کہنا کہ گھر پر ہی رہے مجھے اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لئے لے کر جانا ہے"۔ نیا آرڈر نافذ کیا۔

وشہ تو صبر کے گھونٹ اندر اتارتی ہی رہتی تھی' کبھی بھی تو انہیں پیار و محبت سے مخاطب کرتے نہ سنا تھا' کتنی حسرت تھی کہ وہ بھی اس کی فرینڈز کی امی کی طرح ان سے دوستانہ انداز میں بات کیا کریں' وہ لاؤنج میں آ گئی تھی آنکھوں میں نمی بھی آ گئی تھی۔

"میں پارلر میں جا رہی ہوں' تم چاہو تو سو جانا مگر گیٹ کو لاک کر کے"۔ وہ اپنا موبائل اٹھا کر ڈائننگ ہال سے باہر نکلی تھیں' پارلر ان کا گھر کے پچھلے حصے میں ہی بنا ہوا تھا' چند ورکرز بھی رکھی تھیں پھر ہر وقت رش بھی بہت رہتا تھا' اس لئے گھر کا گیٹ الگ رکھا ہوا تھا۔

وشہ نے نمبر ڈائل کر لیا تھا' حالانکہ اس کا بھی دل کر رہا تھا کہ وہ بھی ان سب کے درمیان چلی جائے' یہاں ایک ہفتے سے اسے بوریت ہو رہی تھی' تھرڈ ایئر میں تھی' کچھ وقت تو اچھا اس کا کالج میں گزر جاتا تھا۔

"ہیلو السلام وعلیکم! میں وشہ بول رہی ہوں"۔ دوسری جانب سے آواز آئی تو سلام کر ڈالا۔

"ارے وشہ بیٹی"۔ چھوٹی تائی تھیں ان کا شہد آگیں لہجہ ہوتا تھا۔

"چھوٹی تائی! وہ آپی سے بات ہو سکتی ہے"۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا بات کرے' اس لئے جھٹ اپنا مدعا بیان کر دیا' کچھ ہی دیر میں عنایہ پھر فون پر آ گئی تھی۔

"کیسی ہو وشہ! گھر میں سب خیریت تو ہے؟" اس نے خاصی فکرمندی سے پوچھا۔

"آپی! امی بہت غصہ ہو رہی ہیں' وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کو کہوں کہ گھر آ جائیں' آپ جانتی ہی ہیں وہ جب بولنے پر آتی ہیں تو کچھ نہیں دیکھتی ہیں"۔ اس کی تیز اور بے زار سی آواز اُبھری تھی۔

"اچھا میں آ جاؤں گی' تم ایسا کرو امی سے کہنا کہ میں آج یا کل آ جاؤں گی' دادی جان کی طبیعت کچھ بہتر تو ہوئی ہے لیکن وہ مجھے پتہ ہے جانے نہیں دیں گی"۔ وہ بھی جانتی تھی کہ دادی جان کا تو دل نہیں کرتا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔

"پھر بھی آپی! آپ آنے کی کوشش تو کریں"۔ عنایہ نے اسے تسلی دی کہ وہ آنے کی پوری کوشش کرے گی' وشہ اس سے بات کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی' معارج بھی کالج سے ابھی نہیں آیا تھا' اسے اور ہی بوریت ہو رہی تھی' وہ آرام کیا کرتی دوبارہ فون اٹھا کے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

"میں وشہ بات کر رہی ہوں"۔ دوسری جانب گمبھیر سی آواز پر کچھ اچھل سی گئی۔

"جی یہ تو مجھے بھی پتہ ہے کیونکہ عنایہ بھابھو تو ادھر ہیں' اُدھر صرف تم ہی فون کر سکتی ہو' جبکہ آپ کی والدہ محترمہ کو حسن جمع کرنے سے فرصت نہیں"۔ اس نے اپنی پرشوخ آواز کے ساتھ کچھ طنز کے ساتھ ہی کہا۔

"پلیز! آپ میری امی کو کچھ نہ کہا کریں"۔ وہ سمجھ گئی تھی مائرہ ہے اور اکثر اس کی مائرہ سے لڑائی بھی اسی بات پر ہوتی تھی۔

"ہاں' وہ سب کو کہہ لیں' انہیں کوئی کچھ نہ کہے محترمہ وشہ جواد! آپ کی والدہ میری چچی بھی لگتی ہیں اور چچی بھتیجے کی نوک جھونک چلتی ہی رہتی ہے"۔ وہ فوراً ہی بولا۔

"آپ پلیز یمنی کو یا آپی کو بلا دیں"۔ وہ جیسے کھسیا گئی ہو۔

"ندرت آپی آئی ہوئی ہیں ان کو بلا دوں"۔ مائرہ نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسے زچ کر کے ہی چھوڑے گا' پھر ہوتا بھی یہی تھا وہ چڑ جاتی اور لڑائی ہو جاتی۔

''آخر آپ اتنا کیوں بولتے ہیں؟''

''کیا کروں وقت وقت کی بات ہوتی ہے' آج میں بول رہا ہوں کل صرف تم ہی بولو گی'' ۔لہجہ میں حسرت و افسردگی پنہاں تھی۔

''کیا بکواس ہے''۔اس کے تو خاک بھی پلے نہ پڑا۔

''ارے مطلب واضح ہے کہ تم اپنی شادی کے بعد اپنے میاں کی بولتی بند نہیں کرا دو گی''۔

''یہاں میری شادی کا کیا ذکر''۔وہ تنک ہی گئی۔

''ذکر کرکے یہ ہوگا کہ تم بھی سوچنا شروع کردو گی''۔

''اتنا فضول بولتے ہیں شروع سے ہی''۔اس نے اکتاہٹ اور بے زاری سے فون ہی کریڈل پر پٹخ دیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی' آج کا دن تو تھا ہی خراب' وہ بدمزہ سی لاؤنج میں آکر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔

............☆............

وہ زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا' سب کی استفہامیہ اور فہمائشی نگاہوں نے اسے گھورا تھا' نزہت کو تو اس کی ہر وقت کی چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق بہت ہی برا لگتا تھا۔

''کس کا فون تھا؟'' وہ اسے کڑے تیوروں کے ساتھ گھورنے کے بعد استفسار کرنے لگیں' مائز کے قہقہہ کو ایک دم بریک لگا فوراً ہی کارڈلیس کرسٹل کے کارنر پر رکھا' وہ یونیورسٹی سے آکے ہال کمرے میں کارپٹ پر فلور کشن پر لیٹ گیا تھا۔

''وہ وشہ تھی''۔

''فون کیوں بند کیا' ضرور بکواس کی ہوگی تم نے''۔وہ اس کی عادت سے واقف تھیں' جو وشہ کو چھیڑنے کا کوئی بھی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا۔

''امی! آپ اتنا غصہ نہیں کیا کریں' ذرا اچھی نہیں لگتی ہیں' کل کو آپ کو ساس بھی بننا ہے' پھر دادی بھی بننا ہے سب کیا کہیں گے کہ ساس کتنی غصہ والی ہیں' ارے بیٹا آپ کی دادی کتنا غصہ کرتی ہیں''۔وہ تو نان اسٹاپ اپنی ہانکنے شروع ہوگیا تھا' ندرت نے مائز کے دھپ لگائی' وہ صبح سے بچوں سمیت آگئی تھیں ہفتہ کو چھٹی تھی اس لئے وہ اتوار کی شام کو چلی جاتی تھیں۔

''مائز! کتنا بولتے ہو''۔

''آپی! آپ ہی بتایئے میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا''۔وہ خاصے زنانے انداز میں ہاتھ ہلا کے بول رہا تھا۔

''ابھی دیکھ لیا یا سن لیا نا تمہارے ابو نے سیدھا کرکے رکھ دیں گے''۔انہوں نے گویا اسے الرٹ ہی کیا' وہ تو کسی سے بھی نہیں جھجکتا تھا' اکثر اپنے ابو سے بھی مذاق شروع کردیتا تھا۔

''بڑی امی! مجھے آج گھر جانا ہے''۔عنائبہ نے فوراً مداخلت کی تاکہ وہ مائز کو ڈانٹنا بھول ہی جائیں۔

''لو نہیں جانے کی پڑ گئی ہے''۔مائز کو اعتراض ہوا۔

''عنائبہ! میں تو آج ہی آئی ہوں' کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی''۔ندرت نے اسے ڈانٹ دیا' وہ لب بھینچ کے ہی رہ گئی۔

''امی! آپ ان کا اور بھائی جان کا نکاح کیوں نہیں پڑھا دیتی ہیں کم از کم یہ آنے جانے کا چکر تو ختم ہو اور میرے بھائی کا بھی انتظار ختم ہو''۔وہ پھر اپنی ہانکنے لگا۔

''میری تو خود یہی خواہش ہے جلدی سے عنائبہ یہاں آجائے''۔

''پھر آج ہی یہ عمل کریں دیکھیئے گا سمیرا چچی دوڑی آئیں گی اور پھر نئی جنگ تیار ہوگی''۔اس پر عنائبہ نے غراتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تمیز تو نام کو نہیں ہے اس لڑکے کو''۔نزہت ایک دھپ اس کی پشت پر رسید کرکے چلی گئیں' وہ ان کے پیچھے ہی دوڑی تھی کیونکہ آج وہ ہر صورت جانا چاہتی تھی۔

''پلیز بڑی امی! مجھے آپ مائز کے ساتھ گھر بھیج دیں''۔

''اچھا ٹھیک ہے' میں کہتی ہوں ابھی تو دیکھو یونیورسٹی سے آیا ہے بلکہ ایسا کرو محریب کے ساتھ چلی جانا''۔ انہوں نے کہا۔

''ان کے ساتھ نہیں' آپ مائز سے کہیں''۔وہ شرمگیں لہجے میں بولی۔

''میرا بیٹا بہت شریف ہے تم ڈرو نہیں''۔وہ اسے چھیڑنے لگیں۔عنائبہ کے رخساروں پر خون ہی چھلک پڑا۔

''تم فکر نہیں کرو مائز سے ہی کہہ دوں گی''۔عنائبہ پھر فوراً ہی دادی جان کے کمرے میں چلی گئی' ان کی شائد آنکھ لگ گئی تھی' وہ بھی ان کے قریب ہی لیٹ کے سو گئی تھی' شام میں اٹھی تو گھر میں ایک ہلچل تھی' پھر ندرت کے دونوں بچے عروب اور منان اودھم مچائے ہوئے تھے۔

وہ اپنی ساری پیکنگ کرکے بیٹھ گئی' دادی جان کو اس نے ابھی بتایا نہیں تھا وہ کمرے سے نکلی تو سامنے ہی ہال کمرے میں محریب پر نگاہ پڑ گئی' جو عروب کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا' باقی سب بھی اپنی خوش گپیوں میں لگے ہوئے تھے۔مائز کی رگ ظرافت پھڑکی تو وہ اٹھا۔

''بھائی جان! وہ آپ سے بھابھو کچھ کہنا چاہتی ہیں''۔اسی وقت چونک کر محریب نے نگاہ اٹھائی' عنائبہ تو گھبرا گئی پھر مائز کی شرارت بھی سمجھتی تھی۔

''مم......میں......میں تو کچھ نہیں کہہ رہی''۔محریب کی پرشوخ اور دلچسپ نگاہوں نے نازک موہنے سے سراپے کا طواف کرنا شروع کردیا تھا' وہ تو اسے آنکھ تک ملا کر بات نہیں کرتی تھی کجا وہ اور محریب سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

''کیوں مائز عنائبہ کی جان نکلوانے کے درپے ہو' وہ تو پہلے ہی محریب کو دیکھ کر پسینے پسینے ہوجاتی ہے''۔ندرت نے مسکرا کے معنی خیز سی نگاہ ڈالی اور عنائبہ کا رکنا دوبھر ہوگیا' سب ہی اس کی جانب ہوگئے تھے' وہ فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئی تھی' لاکھ اس نے کہا کہ جانا ہے مگر دادی جان نے تو رونا شروع کردیا' تو اسے ناچار رکنا پڑا' مگر اسے گھر میں وشہ اور معارج کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

............☆............

''تمہاری ماں نے میری بیٹی پر بالکل ہی قبضہ جما لیا ہے' کتنے دن ہوگئے ہیں اسے وہاں گئے ہوئے''۔وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے اسٹول پر بیٹھی ہوئیں اپنے لمبے ناخنوں سے کیوٹکس ریموو کر رہی تھیں۔جواد احمد نے ناگوار اور نخوت سے بھرپور نگاہ تھنے پھلا کر ڈالی' وہ سونے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر سمیرا کی تو زبان جب چلتی تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی' وہ جتنے کڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہے تھے یہ وہی جانتے تھے' دو منٹ میں سمیرا کو باہر کا راستہ دکھا سکتے تھے مگر صرف اپنے بچوں کی خاطر یہ گرم گرم گھونٹ اندر اتار رہے تھے' بائیس تیئس سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے' جو انہوں نے ان کے ساتھ گزارا تھا' کسی سے بھی تو بنا کے نہ رکھی تھی اور ہمیشہ ان کے گھر والوں کو برا بھلا ہی کہا تھا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں''۔وہ تو تنک ہی گئیں۔

''مجھے بھی خبر ہے کہ کتنے دن ہوگئے ہیں وہ کسی غیر کے گھر نہیں بیٹھی ہے''۔

’’لیکن بیٹھی تو تمہاری ماں کے گھر ہے نا‘‘۔ وہ جب بھی بات کرتی تھیں ان کا انداز اتنا بُرا ہوتا تھا کہ جواد احمد مٹھیاں بھینچ کے رہ جاتے تھے۔

’’کاش سمیرا بیگم! تم نے میک اپ سیکھنے کے ساتھ خوبصورت اخلاق کی بھی ٹریننگ کرلی ہوتی‘‘۔ طنزیہ اور کٹیلا لہجہ تھا۔ وہ تو تلملا ہی گئیں کیونکہ میک اپ ریموو کرچکی تھیں کاٹن ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکی اور سیدھی ان کے سامنے تن کے کھڑی ہوگئیں۔

’’میرا اخلاق جیسا ہے ویسا رہنے دو تم کون سا مجھ سے پیار و محبت کے بول بولتے ہو پچھتا رہی ہوں تم سے شادی کرکے‘‘۔ وہ جیسے اپنی غلطی پر افسردگی دکھانے لگی تھیں۔

’’پیار و محبت ہمیشہ وہاں ہوتا ہے جہاں دلوں میں کدورت نہ ہو میل نہ ہو کینہ نہ ہو تم خود کو اس قابل تو بنالو‘‘۔

’’تم لمحہ لمحہ میری توہین کرتے ہو‘‘۔ وہ تو بھنانے لگیں۔

’’کیوں توہین کرنے کا پرمیشن لیٹر تمہیں ہی ملا ہے‘‘۔ انہوں نے گھورا۔

’’تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے‘‘۔

’’اونہہ...... جواب نہیں ملا تو بات کو ہی فضول کہہ دو‘‘۔ پھر طنز کے ساتھ سلگایا۔

’’میں کہے دے رہی ہوں عنائبہ کو وہاں سے بلالیں‘‘۔

’’آجائے گی اور پھر ایک دن اسے وہاں جانا ہی ہے‘‘۔ انہوں نے گویا کچھ یاد دلایا۔

’’لینف جواد احمد! میری بیٹی کی زندگی کا فیصلہ تم نہیں کروگے میں کبھی بھی اس کی شادی تمہارے بھتیجے سے نہیں ہونے دوں گی‘‘۔

’’تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو بچپن سے طے ہے کہ عنائبہ محریب کی ہی ہے‘‘۔

’’جیسے تم ویسے تمہارے سو کالڈ گھر والے میں اپنی بیٹی کی شادی اپنی مرضی سے کروں گی‘‘۔

’’زیادہ مجھ سے بحث نہیں کرنا سمیرا بیگم! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ابھی جا کر اس کا نکاح پڑھوا دوں محریب سے‘‘۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھے۔ سمیرا تو حق دق سی رہ گئی تھیں کیونکہ وہ اتنے سنجیدہ اور برہم لگ رہے تھے وہ آگے سے کچھ نہ بولیں۔

’’روز تم رات کو تماشا لگاتی ہو فضول بکواس کرتی ہو میں صرف بچوں کی وجہ سے تمہیں برداشت کررہا ہوں ورنہ مجھے ذرا شرم نہیں ہوگی کہ اس عمر میں تمہیں کاغذ تھماؤں‘‘۔

’’ہاں یہ کسر رہ گئی ہے‘‘۔ وہ روہانسی ہوگئی تھیں اور مزید انہوں نے جواد احمد سے بات ہی نہ کی بلکہ کمرے سے نکل گئی تھیں۔

معارج اور وشہ لاؤنج میں بیٹھے تھے فون ان کے پاس رکھا تھا دونوں چونک کے ہی کھڑے ہوگئے۔

’’تم دونوں یہاں اتنی رات کو کیا کررہے ہو؟‘‘ خاصے درشت لہجے میں پوچھا۔

’’امی! اصل میں میں آپی سے بات کررہا تھا فون پر وہ ندرت باجی بھی آئی ہوئی ہیں ان سے بھی بات کرنے لگا‘‘۔ معارج پرجوش اور خوش باش لہجے میں بتانے لگا۔

’’تمہیں صبح کالج نہیں جانا ہے جو یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کررہے ہو‘‘۔ وشہ تو پہلے ہی ڈر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی البتہ معارج ان سے تھوڑا اٹک جاتا تھا کیونکہ اکلوتا ہونے کا بھرپور فائدہ بھی اٹھاتا تھا۔

’’یہ وقت ضائع نہیں کررہے تھے ہم ان سے باتیں کررہے تھے ایک تو آپ کو ہر ایک پر اعتراض ہوتا ہے‘‘۔

’’معارج! تمیز سے میں ماں ہوں تمہاری‘‘۔ گویا انہوں نے جتایا۔

’’اچھی طرح یاد ہے‘‘۔ وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

’’جیسا باپ ویسا ہی بیٹا بالکل ویسی گفتگو کرتا ہے دو کوڑی کی عزت کردی ہے جواد احمد تم نے میری‘‘۔ وہ لب کچلتی ہوئی اپنی حرماں نصیبی پر آنسو بہانے لگی تھیں۔

’’امی! کیا ہوا؟‘‘ وشہ نے انہیں روتا دیکھ لیا تھا۔

’’آجاؤ اپنی ماں کا تماشا دیکھ لو تمہارا باپ روز بناتا ہے اولادوں نے بھی کسر نہیں چھوڑی‘‘۔

’’امی! آخر بات کیا ہوئی ہے معارج نے کچھ کہا ہے‘‘۔ وشہ کو اپنی ماں پر کبھی غصہ آتا تو ساتھ ہی افسوس بھی ہوتا تھا کہ وہ آخر اتنا منفی کیوں سوچتی ہیں اور الزام سامنے والے کو ہی دیتی ہیں۔

’’تم سب اپنے باپ کے حمایتی ہو اپنے ددھیال کے حمایتی ہو میری اولاد بھی تو میری نہیں ہے‘‘۔ وہ باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں۔ وشہ ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی رات کے ایک بجے وہ اپنے کمرے سے باہر تھیں ضرور ابو سے ہی جھگڑا ہوا ہوگا۔

’’آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں ہم آپ کے ہی ہیں‘‘۔

’’وہ تمہارا باپ اسے فیصلے کرنے کی عادت ہے میری ہی اولاد کو میرے دشمنوں میں بیاہ رہا ہے ایک دن تمہیں بھی دے دے گا‘‘۔

’’سمیرا بیگم! بند کردو یہ رونا دھونا‘‘۔ جواد احمد کمرے سے نکل آئے تھے وشہ ڈر گئی اب ضرور گھمسان کا رن پڑے گا وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

سارے ہی محفل جما کے بیٹھے تھے عنائبہ کو جمائیاں آنے لگی تھیں معارج سے بات کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں ہی آگئی تھی سنگل صوفے پر وہ سکڑ سمٹ کے سو رہی تھی پر بھڈ لیمن کلر کا سوٹ اس کی شہابی رنگت پر دمک رہا تھا روئی زبالوں کی چوٹی سائیڈ پر پڑی تھی اتنی بے خبر تھی وہ کہ اسے محریب کی گہری نظروں کی تپش تک نے نہ اٹھایا وہ بھی اپنے کمرے میں سونے کے لئے جارہا تھا کہ اس کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو وہ دروازے پر رک کر کھڑا ہوگیا۔

’’کیا ہوا برادر! بھابھو کو دیکھ رہے ہیں‘‘۔ مائز بوتل کے جن کی طرح نمودار ہوا تھا۔

’’بکو مت‘‘۔ وہ جھینپ کر آگے بڑھ گیا۔

’’یار بھائی جان! آپ کے تو موسم ہی پتہ نہیں چلتے ہیں کہ کیا ہیں‘‘۔ اس نے مسخرے پن سے ہی تمسخر اڑایا محریب نے دونوں ہاتھ پشت پر رکھے اور اسے گھورنے لگا دونوں آمنے سامنے کوریڈور میں کھڑے تھے۔

’’کیوں تم محکمہ موسمیات میں جانے کا سوچ رہے ہو اپنی اسٹڈی کے بعد‘‘۔

’’مجھے وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے ہمارے خاندان میں ہی مختلف موسموں کے لوگ موجود ہیں تو جیسے گرمی کا موسم ہیں ہماری سمیرا چچی‘‘۔ اس نے بڑے پراعتماد اور تمسخر زدہ لہجے میں ایسے بتایا کہ یہ بھی کوئی ٹیلنٹ ہی ہے کسی کے مزاج کے بارے میں بتانے کا۔ اسی وقت عنائبہ کی نیند ٹوٹی اور وہ ہڑبڑا کے اٹھ کر باہر آگئی دونوں کو راہ میں محو گفتگو دیکھا تو جھجک کے رُک گئی محریب اور مائز نے بھی حیرانگی سے دیکھا وہ بے چاری کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی۔

’’بڑی جلدی آنکھ کھل گئی جبکہ ہم تو آہستہ آواز میں بات کررہے تھے‘‘۔ مائز نے معنی خیزی سے کہا۔

’’وہ میری بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی‘‘۔ وہ کچھ خجل سی بھی ہوئی۔

’’بھائی جان! بعد میں تو یہ آپ کی ہلکی سی آہٹ پر بھی اٹھ جائیں گی‘‘۔ محریب کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی اور وہ تو شرم و حیا کا پیکر لب بھینچ کر رہ گئی۔

''مجھے تو کچھ دیر اسٹڈی کرنی ہے' یہ فائق ضرور انتظار کر رہا ہوگا''۔ مائزا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ محریب سینے پر بازو لپیٹے دلچسپ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا جو راستہ روکے جانے کی وجہ سے تذبذب کا شکار کھڑی تھی کہ کیسے اس کی سائیڈ سے نکلے۔

''پلیز! مجھے جانا ہے راستہ دیں''۔

''تم تو تمام راستوں سے اندر آ چکی ہو اب کہاں جانا ہے''۔ شوخ ساذومعنی جملہ عنایہ کے تو پسینے ہی چھڑانے لگا' وہ کب اتنی بے تکلف تھی اس سے کہ ایسے معنی خیز باتیں کرے۔

''مجھے دادی جان کے کمرے میں جانا ہے''۔ جھٹ اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا۔

''میرے کمرے میں کب آ رہی ہو؟''

''جی''۔ وہ تو گڑبڑا ہی گئی' رخساروں پر سرخ رنگ بکھر گیا' نگاہ میں استعجاب تھا کہ کتنی بے باکی سے وہ گویا ہوا تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ میرا کمرہ بھی برا نہیں ہے' کبھی میری غیر موجودگی میں آ جا سکتی ہو''۔

''جی اچھا''۔ وہ پھر رکی نہیں' گھبراہٹ کے ساتھ دل نے دھڑکنا بھی شروع کر دیا' محریب کی معنی خیز نگاہیں اس نے تو آج دیکھی تھیں۔

............☆............

دوسرے دن سنڈے تھا' سب دیر سے ہی اٹھے تھے مگر وہ تو صبح ہی فجر کی اذان کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی' دادی جان اسے بھی ساتھ ہی جگا دیتی تھیں' نماز کی وہ بہت پابند تھی قرآن پاک بھی باقاعدگی سے پڑھتی تھی' صبح ہی نہا کر وہ تیار بھی ہو گئی تھی' اسکائی بلیو کاٹن کے پلین سوٹ پر پرنٹڈ دوپٹہ شانوں پر ڈالے اپنے گیلے بالوں میں برش چلا رہی تھی' ناشتہ تو اس نے دادی جان کے ساتھ ہی کر لیا تھا' جانے کی تیاریوں میں لگی تھی۔

''میری بچی میرا تو دل ہی نہیں کر رہا ہے کہ تو جائے''۔ دادی جان مغموم سے لہجے میں بول رہی تھیں' عنایہ نے مسکرا کے انہیں دیکھا اور ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''میں پھر آ جاؤں گی''۔ اس نے تسلی دی۔

''پتہ نہیں کب تک ایسے چلے گا' آ جائے جواد میں اس سے بات کروں گی رخصت کرے تمہیں' محریب کو بھی امریکا سے آئے دو سال ہو چکے ہیں''۔ وہ تو مصمم ارادہ باندھ چکی تھیں' عنایہ نے پہلو بدلا کیونکہ محریب کے قدم اندر ہی اٹھے تھے' پستئی کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح ڈیسنٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا' لمبا چوڑا بھی اتنا تھا کہ عنایہ تو اس کے آگے چھوٹی سی بچی ہی لگتی تھی۔

''دادی جان! کیسی طبیعت ہے؟'' وہ چیئر گھسیٹ کر قریب لے آیا۔ جبکہ عنایہ اپنا بیگ ٹھیک کرنے کھڑی ہو گئی' لمبے سیاہ آبشار کی طرح بال اس کی پشت پر پھیلے ہوئے تھے' اس نے اپنا آنچل کھول کر سر پر پھیلایا۔

محریب کبھی کبھی یہ سوچتا تھا کہ کیا ساری زندگی وہ اس سے گھبراتی جھجکتی ہی رہے گی' نگاہ تک تو ملا کر بات نہیں کرتی تھی۔

''طبیعت کا کیا ہے ذرا میں ٹھیک ہے تو ذرا میں خراب ہو جاتی ہے' اب میری طبیعت جب ہی ٹھیک ہوگی جب تم دونوں کو ایک ساتھ شادی کے بعد دیکھوں گی''۔ محریب مسکرا دیا جبکہ عنایہ نے لب بھینچ لیے' وہ پشت پھیرے ہوئے بیڈ پر بیٹھی بیگ میں اپنی چیزیں رکھ رہی تھی۔

''ارے جب قسمت میں ہوگی تو ہو جائے گی''۔

''لو محریب! تم یہاں بیٹھے ہو' میں نے مائز کو باہر بھیجا دیکھنے کہ شاید تم کسی سے ملنے پڑوس میں رک گئے ہو''۔ نزہت حیرانگی سے بولتی ہوئی اندر آئی تھیں۔

''ابھی جانے ہی والا تھا احمد سے ملنے''۔

''چلو پھر تم عنایہ کو بھی گھر چھوڑتے جانا' جواد نے فون پر کہا تھا کہ گھر میں کسی بھی لڑکے سے کہہ دیجئے گا وہ چھوڑ جائے گا''۔

''بڑی امی! مائز کے ساتھ چلی جاؤں گی''۔

''تمہیں میری شرافت پر کیا شک ہے؟'' محریب کو ناگوار گزرا اس کا انداز' وہ جز بز سی ہو گئی' نزہت کو ہنسی آ گئی۔

''ارے اس کا مطلب ہے کہ تم کام سے جا رہے ہو''۔ انہوں نے جواب دیا۔

''امی! ایک تو میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیوں ہر ایک کی سائیڈ لیتی ہیں''۔

''لڑکے تیرا دماغ تو درست ہے' عنایہ ہر ایک نہیں اس گھر کی بیٹی ہے' اور کل کو تیری بیوی بھی بنے گی''۔ دادی جان کو تو سن کے ہی غصہ آ گیا۔

محریب کو اس وقت عنایہ کی حالت پر مزا آ رہا تھا جو بری طرح نروس ہو رہی تھی' بھولے سے نگاہ بھی نہیں ڈال رہی تھی۔

''اچھا تم اسے چھوڑ کے آنا''۔ نزہت نے اس کے شانے پر تھپکی دی تھی۔ محریب ویسے بھی کافی ٹھنڈے مزاج کا تھا' غصہ اسے کم ہی آتا تھا مگر آتا تو ایسا آتا کہ سب سے زیادہ مائز کو پریشانی ہوتی تھی۔

''میں باہر ہی ہوں''۔ وہ اپنا موبائل کان سے لگا کے کمرے سے نکلا تھا۔ عنایہ نے پھر جلدی تیاری کی۔ دادی جان کا تو دل ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ جائے' ندرت نے بھی ناراضی کا اظہار کیا کہ کم از کم ان کے سامنے تو رک جاتی وہ' سب سے اجازت لے کر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی' دوپہر کے کھانے پر بھی وہ نہ رکی تھی کیونکہ اسے گھر کی بھی فکر ہو رہی تھی۔ محریب بڑی مستعدی اور خاموشی کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا' وہ اس کے پہلو میں فرنٹ سیٹ پر ہی بیٹھی تھی' آج پہلی بار وہ اس کے ساتھ یوں تنہا نکلی تھی۔ اسے اپنی امی کی طرف سے بھی فکر تھی کہ وہ محریب کو دیکھ کر کیسا ناگواری والا سلوک کریں گی اور وہ کتنی شرمندگی محسوس کرتی تھی۔

''ایک بات پوچھوں تم سے؟'' محریب کی گمبھیر آواز نے اسے چونکا دیا۔ نگاہ ترچھی کی' بس ایک نظر ہی ڈالی۔

''تم اگر تھوڑا سا خود میں اعتماد پیدا کر کے سمیرا چچی سے کہو کہ تم شادی کرنا چاہتی ہو''۔

''جج......جی''۔ وہ غیر متوقع بات سن کے تو بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی۔

''کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ دادی جان کو یہ دھڑکا ہے کہ کہیں سمیرا چچی تمہاری اور میری شادی نہ ہونے دیں''۔

''پلیز! میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی''۔

''کیوں نہیں کرنا چاہتی ہو' کرو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہو جانی چاہیے''۔ وہ تیز لہجے میں بولا تھا' اسی وقت گاڑی گھر کے مین گیٹ کے باہر رکی' عنایہ نے لب بھینچ کر تاسف بھری نگاہ ڈالی۔

''میں ایسے شادی نہیں کرنا چاہتی''۔ وہ بس اتنا بولی۔

''تم کیا سمجھ رہی ہو' مجھے ضرورت ہے شادی کی' محترمہ! بس دادی جان کی وجہ سے کہہ رہا ہوں''۔ چہرے پر اطمینان ہنوز ہی رکھا۔ وہ بولتی بھی مزید تو کیا بولتی' محریب اس کی جانب دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''آپ سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں''۔

''بتانا پسند کرو تو پتہ بھی چلے کہ کیا چاہتی ہو''۔ وہ معنی خیزی سے مبہم سا مسکرایا تھا' عنایہ جھینپ گئی۔ (جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر2
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

”پتہ ہے عنایہ! یہ زندگی ہمیں قدرت کا انعام ہے‘ اس لئے جتنی اچھی اور خوش کن ہم گزار سکتے ہیں یہ زیادہ اچھا ہے“۔

”مطلب؟“ وہ جیسے سمجھی نہیں۔

”یہی کہ تم سمیرا چچی کو سمجھانے کی کوشش کرو“۔

”سوری میں ابھی اتنی بے باک نہیں ہوں اور نہ ہی اتنی پُراعتماد کہ آپ کی طرح خود سے یہ بات کروں“۔ اس نے طنز ہی کیا۔ محریب تو لاجواب ہی ہو گیا‘ وہ اس ریزرو لڑکی کے جذبات تک سے ناآشنا تھا‘ وہ نہ گرجتی تھی اور نہ ہی برستی تھی‘ بچپن سے ذرا سہا اور کم گو ہی دیکھا تھا‘ یا پھر یہ سب اس کی شخصیت میں ماحول کا ہی اثر تھا کہ شروع سے والدین کی کھٹ پٹ ہی دیکھی تھی عنایہ نے اس سے اندر تک آنے کو نہ کہا اور نہ وہ کچھ بولا تھا۔

............☆............

”فائق یار! میں پریشان ہوں‘ چھڑا میری جان اس بلا سے“۔ وہ اِدھر سے اُدھر پشت پر ہاتھ لگائے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا اور فائق تو ہنس ہنس کے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

”خاصے کمینے اور خبیث انسان ہو‘ وہ میری جان کو چمٹ رہی ہے‘ تجھے ہنسی کے دورے پڑ رہے ہیں“۔ اس نے مکہ ہی تان لیا۔ فائق اسی کے بیڈ پر نیم دراز تھا‘ کمبائن اسٹڈی کرتے تھے اس لئے درمیان میں کبھی کبھی باتیں بھی کر لیتے تھے۔

”کیوں تم نے اس کی تعریفیں کی تھیں بھگتو اب“۔

”یار! مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ گلے ہی پڑ جائے گی“۔ مائز تھک کر اب سنگل صوفے پر بیٹھ چکا تھا‘ یونیورسٹی میں اس نے اپنی ایک کلاس فیلو کی تعریف کیا کر دی محترمہ اس کے پیچھے ہی لگ گئی تھیں۔

”تم کہہ دو اسے کہ تم انگیج ہو“۔ فائق نے مشورہ دیا۔

”پوچھے گی نہیں کس سے“۔

”از چسپل کہنا کہ اپنی کزن سے ہوں“۔ وہ عام لہجے میں بول رہا تھا۔

”اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ میں اس سے انگیج ہوں“۔ اس نے فائق کو بتایا ہوا تھا کہ وہ وشہ کو پسند کرتا ہے لیکن یہ بات صرف ان دونوں تک ہی محدود تھی اور پھر ابھی تو محریب اور عنایہ کا بھی تو معاملہ اٹکا ہوا تھا۔ سمیرا چچی ان کی شادی کے لئے راضی نہیں ہو رہی تھیں۔

”اپنے لئے جان کا عذاب خود پیدا کیا ہے‘ کس نے کہا کہ اس لڑکی کو پسند کرو‘ ایک بے چارے محریب بھائی پریشان ہیں‘ پتہ نہیں ان کی بیل منڈھے کب چڑھے گی“۔

”اے سنو! وہ بھائی جان ہیں اور میں ان کا چھوٹا لاڈلا بھائی ہوں‘ میں تو وہ طریقے نکالوں گا کہ سمیرا چچی کی عقل ٹھکانے آ جائے گی“۔ وہ جیسے چڑ گیا ہو‘ فائق نے استفہامیہ اور رشا کی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

”جانے یہ لوگ آخر سمیرا چچی سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں“۔

”ہمارے خاندان میں وہ چیز ہی ایسی ہیں“۔ وہ بولا۔

”اچھا سب چھوڑ دیہ بتاؤ وشہ کو بھی بتایا یا نہیں؟“

”ہاں اسے بتا دوں تاکہ دوسرے دن میرے ابا جان سب کے سامنے مرغا بنا دیں‘ ویسے ہی وہ میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں‘ اگر ذرا بھی بھنک پڑ گئی تا خیر نہیں ہوگی“۔ وہ ابو سے ڈرتا بھی تھا مگر وہ تو محریب کی وجہ سے اس کی بچت ہو جاتی تھی۔

”میں تو یہ سوچتا ہوں کہ بھائی جان کی شادی پتہ نہیں کب تک ہوگی‘ ہم سب کزنز میں سب سے کول مائنڈڈ میرے بھائی جان ہیں“۔

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں“۔ فائق نے بھی تائید کی۔

”میں سوچ رہا ہوں فائق! ایسا کچھ کرنا چاہیے کہ بھائی جان کی شادی جلد سے جلد ہو جائے‘ مجھے ڈر ہے کہ سمیرا چچی کہیں مسئلہ نہ کھڑا کر دیں“۔ اسے ہر وقت یہ بھی فکر رہتی تھی‘ سمیرا چچی کو شروع سے ہی سب نے لڑتا جھگڑتا ہوا ہی دیکھا تھا‘ کسی کی بھی بات کو وہ سمجھتی ہی نہیں تھیں۔

”عنایہ باجی بے چاری وہ خود ڈری سہمی ہوئی رہتی ہیں“۔ فائق نے پھر کچھ تفکر زدہ لہجے میں کہا۔

”جب تک بھائی جان کی شادی نہیں ہوگی یار فائق! میری تو کوئین اٹکی رہے گی‘ کہیں ایسا نہ ہو سمیرا چچی کا بھتیجا راہ میں آ جائے“۔

”وہ چغد ساجبران“۔ فائز کے منہ کا ذائقہ جیسے کڑوا ہی ہو گیا۔

”یاد ہے معارج کی برتھ ڈے پر تم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا“۔ فائق زوردار ہنسی کے ساتھ یاد دلانے لگا۔

”ہاں یار! بچ گیا بس دم لگانے کی دیر تھی‘ پورا بندر لگ رہا تھا اچھلتا ہوا“۔

”آج تک کسی کو بھی نہیں پتا چلا کہ تم نے اس کی کالر میں کھجلی کا پاؤڈر ڈالا تھا“۔ فائق نے اس کے زانو پر ہاتھ مارا۔ اسی دوران دروازے پر دستک دے کر رافع چلا آیا‘ دونوں کی گفتگو رک گئی۔

”مجھے بڑے ابو نے بھیجا ہے یہ دیکھنے کے کہ آپ دونوں پڑھائی کر رہے ہیں یا......؟“ آنکھیں گھما کے اس نے باقی جملہ منہ میں ہی داب لیا۔

”نہیں ڈانس کر رہے تھے‘ بتا دو چغلی لگا دو ساری عورتوں والی عادت گھسالی ہیں تم نے خود میں“۔ مائز اس کے گھورنے پر چڑ کر ہی گویا ہوا۔

”آپ تو ہر وقت منہ سے آگ نکالتے رہتے ہیں‘ کبھی پیار سے بھی بول لیا کریں“۔ وہ بھی خاصا بدمزہ سا ہو کر پورے کمرے میں چکر ہی کاٹنے لگا۔

”تم تو جیسے پھول جھاڑتے ہو‘ پورے بی جمالو ہو اِدھر اُدھر کی کرتے ہو“۔

”مائز بھائی! خدا کو مانیئے‘ ابھی تک بڑے ابو کو میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ کے پیچھے کوئی لڑکی پڑی ہے“۔

”رافع! ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا ہے اور مائز تم سے بڑا ہے‘ ذرا تمیز سے بولا کرو“۔ فائق نے اسے سرزنش کی۔

”یہ جیسے بہت تمیز سے بولتے ہیں“۔

”یار فائق! اسے نکال دو ورنہ میرے ہاتھوں آج بچے گا نہیں“۔ جھنجلایا ہوا تو وہ پہلے ہی سے تھا‘ رافع کی درگت بنانے وہ آگے بڑھ چکا تھا۔

............☆............

جب شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو سب سے پہلے اسے یہ بات ہی باور کرائی گئی تھی کہ عنایہ محریب سے منسوب ہے پھر وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی محریب کو ہی سوچتی گئی‘ پھر محریب پانچ سال کے لئے ہائر اسٹڈی کے لئے امریکہ چلا گیا تو وہ اس وقت خود کو ایسا محسوس کرنے لگی تھی کہ جیسے کوئی چیز گم ہو گئی ہو۔ محریب اسے بہت کم مخاطب کرتا تھا اور وہ تو

سامنے ہی نہیں آتی تھی محض اس لئے کہ امی کو پسند نہ تھا' اس کا یہ رشتہ بچپن سے طے تھا' وہ چھپ چھپ کے روتی آئی تھی مگر سوچتی کہ آخر کب تک یہ دراڑ رہے گی۔ وہ محریب کی دار فتگیاں' معنی خیزی سب ہی تو سمجھتی تھی مگر کبھی رسپانس نہیں دیتی تھی' لیکن کل سے تو ذہن و دل الجھ کر رہ گئے کہ وہ کیسے ایسی بات کرے وہ بھی اپنی ماں سے وہ تو اسی دن ہی یہ رشتہ توڑ دیں گی۔

''آپی' آپی''۔ معارج اسے پکارتا ہوا چلا آیا' جو اسٹڈی روم میں صوفے پر سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔

''آں...... ہاں کیا بات ہے؟'' اس نے اپنا دوپٹہ شانوں پر درست کیا اور بغور اسے دیکھنے لگی' جو اس کے سامنے نیچے ہی کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

''آپی! ادھر دیکھیں''۔

''تم کیوں پکار رہے تھے؟'' اس نے اپنے بکھرے دراز بالوں کو سمیٹا اور کیچر لگا لیا' معارج کی پر تجسس نگاہیں اپنی بہن کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔

''آپ پہلے مجھے یہ بتایئے کہ اداسی کا پھر دورہ پڑ گیا ہے نا''۔

''ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے''۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

''ایسی ہی بات ہے کیونکہ آپ جب بھی دادی جان سے مل کر آتی ہیں آپ پر اداسی کا بسیرا ہو جاتا ہے''۔

''لڑکے تم تو پیچھے ہی پڑ جاتے ہو' کیا کام تھا''۔ وہ چپل پاؤں میں ڈالتے ہوئے کھڑی ہوگئی' معارج بھی کھڑا ہو گیا مگر وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔

''آپی! پلیز مجھ سے اپنے بھائی سے بھی نہیں کہیں گی''۔ اس نے عنایہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ابھی تو کچھ نہیں کہہ رہی میں' کیونکہ رات کے کھانے کی تیاری کرنی ہے' امی بھی آنے والی ہیں''۔ اس نے لاؤنج میں لگی گھڑی پر نگاہ ڈالی جہاں سات بج رہے تھے۔

''آپ کو پتہ ہے' آج رات کو ابو کو دادی جان نے گھر بلایا ہے' کوئی ضروری بات کرنی ہے''۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' کچن میں جاتے جاتے وہ رُک گئی' چونک کر معارج کو دیکھنے لگی تھی' دل بھی دھڑک اٹھا تھا' ضروری بات کہیں وہی تو نہیں جو محریب نے کی تھی عجیب گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

''مجھے ابو نے آج موبائل پر کال کی تھی کہ نو بجے تک گھر میں ہی رہوں' دادی جان سے ملنے جانا ہے''۔

''ضروری بات وہ کیا کہنی ہے''۔ وہ آہستگی سے بولی۔

''آپی! آپ تو فوراً ڈرنے لگتی ہیں' مجھے پتہ ہے وہ ضروری بات کیا ہوگی''۔ اس نے فریج کھولا' پانی کی بوتل نکالی اور کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

''آپی! رات کو کیا بنا رہی ہیں''۔ وشہ اپنے اسائمنٹ کمپلیٹ کرنے کے بعد کچن میں چلی آئی۔

''سوچ رہی ہوں کہ دال بنا لیتی ہوں' ابو اور معارج تو دادی جان کی طرف جا رہے ہیں' یہ لوگ پھر وہیں کھائیں گے''۔

''ہیں...... ابو دادی جان کی طرف جا رہے ہیں' میں بھی چلوں گی معارج''۔ وہ سن کے خوش ہوگئی۔

''ابو سے پوچھ لیجئے گا''۔ وہ پانی پینے کے بعد کاؤنٹر سے اُترا۔

''تم پھر کسی اور دن چلی جانا' امی پھر ابو سے کہیں گی تو لڑائی ہی ہوگی''۔

''آپی! آخر ہم اپنے کزنز سے کیوں نہیں مل سکتے' لڑائی امی کی تو فضول ہی ہے' ہمیں کیوں روکتی ہیں''۔

کھسیانے کے ساتھ روہانسی بھی ہو رہی تھی۔

''آہستہ بولو' امی کے آنے کا وقت ہے سن لیا نا تمہاری خیر نہیں ہے''۔ عنایہ نے اسے تنبیہ کی' کیبنٹ سے دالوں کے ڈبے نکال کر وہ کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔

معراج کچن سے نکل گیا تھا' وشہ سنک میں پڑے برتن دھونے لگی تھی' دونوں نے مل کر رات کے کھانے کی تیاری کی تھی' سمیرا بیگم اپنا پارلر بند کر کے آ چکی تھیں' جدید اسٹائلش ریڈ اور بلیو کنٹراسٹ سوٹ میں اپنے شولڈر کٹ بالوں کی پرمنگ کئے' میک اپ سے مزین کہیں سے بھی تو وہ تین بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں' پھر فیشن اور میک اپ کی تو شروع سے دلدادہ تھیں اور انہوں نے اپنا یہ شوق شادی کے بعد بھی جاری رکھا تھا۔

وشہ نے کھانا لگانا شروع کر دیا تھا کیونکہ سمیرا بیگم آتے ہی پہلے کھانا کھاتی تھیں' جواد احمد اور معارج کی غیر موجودگی انہیں اچنبھے میں مبتلا کر گئی۔

''یہ تمہارے ابو اور معارج کہاں ہیں؟'' پلیٹ میں وہ دال نکالنے لگی تھیں۔ وشہ اور عنایہ دونوں آمنے سامنے کی چیئر پر بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں' سمیرا بیگم نے بھی بغور دیکھا۔

''کچھ پوچھا ہے میں نے تم دونوں سے''۔ تیز لہجے میں ہی آ گئیں۔

''وہ دادی جان کی طرف گئے ہیں''۔

''تمہارے باپ کا تو بس نہیں چلتا کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر ابھی رخصت کر دے' وہ تو میں ہوں جس کی وجہ سے وہ دبا ہوا ہے''۔ وہ اتنے ناگوار لہجے میں بول رہی تھیں کہ ان کا چہرہ تک بگڑا ہوا لگتا تھا۔

''دادی جان نے بلایا تھا انہیں''۔ وشہ کو بُرا لگا تو گویا ہوئی۔

''تینوں ہی اولادیں پوری باپ پر گئی ہیں''۔ وہ کھانے میں بھی مصروف تھیں اور اپنے جلے دل کے پھپھولے بھی پھوڑ رہی تھیں۔

''سن لو تم کان کھول کے' تمہاری شادی قطعی میں اپنے دشمنوں میں نہیں ہونے دوں گی' تمہیں خود سے منع کرنا ہو گا اس رشتے کے لئے اپنے باپ کو''۔ وہ چیئر دھکیل کے کھڑی ہوگئی تھیں' عنایہ تو متوحش زدہ سی ہوگئی تھی۔

''امی! آپ آپی کے ساتھ یہ ظلم کر رہی ہیں' ان کا رشتہ بچپن سے طے ہے محریب بھائی سے''۔ وشہ تو تڑپ ہی گئی۔ عنایہ لب کچل رہی تھی' وہ تو ان کے سامنے بولنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتی تھی' شروع سے ہی ان کی غصے والی آواز سنتی تھی۔

''تم چپ کرو' ہر بات میں مت بولا کرو''۔ کڑے تیوروں کے ساتھ اسے بھی گویا سرزنش ہی کیا۔ وہ لب کچلنے لگی جبکہ عنایہ کا تو دل ایسا لگا کہ دھڑ دھڑ کر کے باہر آ جائے گا۔

''تم خود ہی اپنے ابو سے کہو اور یہ معاملہ ختم کرو' جو خاندان مجھ سے جلتا ہو وہ میری بیٹی کو خاک خوش رکھے گا''۔

''امی! آپ یہ غلط بول رہی ہیں''۔ وشہ سے تو برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''پھر تم بولیں''۔ عنایہ نے اسے اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا' سمیرا بیگم ٹھک ٹھک کرتی ہوئیں اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھ گئی تھیں' عنایہ نے رُکا ہوا سانس بحال کیا' وشہ نے ایک افسردہ نگاہ ڈالی۔

''آپی! یہ تو بہت بُرا ہوگا''۔

''ہاں یہی تو میں سوچ رہی ہوں''۔ وہ خود پریشان ہوگئی تھی۔

''آپی! ایک حل ہے آنی سے بات کرتے ہیں''۔

"آنی سے"۔ وہ زیر لب بولی۔

"ہاں آپی! آنی ہی کچھ امی کو سمجھا سکتی ہیں"۔

"مجھے پھر ان کے گھر جانا پڑے گا کیونکہ آنی سے یہاں بات ممکن نہیں ہے اور پھر امی اور آنی کی ہر دفع لڑائی ہو جاتی ہے"۔ عنایہ اپنی ماں کی تنک مزاجی اور غصہ کو بھی جانتی تھی' شروع سے ہی اس نے یہ دیکھا تھا کہ امی کی اور آنی کی کبھی نہ بنی تھی لیکن ہمیشہ غلط امی ہی ہوتی تھیں' آنی ان کی بات کا بُرا ابھی نہیں مانتی تھیں ہمیشہ ہی' عنایہ اور وشہ سے ان کی محبت زیادہ تھی' کسی بھی محفل میں سمیرا بیگم جاتیں تو کبھی بیٹیوں کو ساتھ نہ لے جاتی تھیں اس لئے کہ انہیں اپنی شان اور فیشن میں کمی لگتی تھی۔

"آپی! آپ ایسا کرنا ابو سے کہیئے گا' وہ آفس جاتے ہوئے آنی کے گھر ڈراپ کر دیں گے"۔ وشہ نے چٹکی بجا کے کہا۔

"اونہہ...... یہ ٹھیک ہے"۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی' لیکن ذہن بھی بھٹک رہا تھا کہ دادی جان نے پتہ نہیں کیوں ابو کو بلایا تھا' کیا بات کرنی تھی' سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ عشاء کی نماز کے لئے کھڑی ہو گئی تھی۔

............☆............

دادی جان کے کمرے میں بڑے ابو' تایا ابو' بڑی امی' تائی امی اور حسنہ پھپھو موجود تھیں' جواد احمد سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"جواد! سوچ لو اب کرنا کیا ہے؟" ریحان احمد نے ان کی جانب دیکھا۔

"ارے کرنا کیا ہے لگے ہاتھوں جلدی شادی کر دو' میری بچی میرے پاس آ جائے گی"۔ دادی جان نے جھٹ کہا۔

"نہیں جواد اور ریحان اتنی جلدی نہیں کرو' جب تک سمیرا کی مرضی نہیں ہو گی' ہم عنایہ کو رخصت نہیں کر سکتے ہیں"۔ نزہت بڑے غور وخوض کے بعد بولی تھیں۔

"بھابی! آپ اگر سمیرا کی مرضی کے لئے انتظار کریں گی تو پھر مشکل ہی ہو گا"۔ جواد احمد کو گویا ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔

"نہیں جواد! تمہاری بھابی ٹھیک کہہ رہی ہے کیونکہ دیکھو سمیرا ہم سب سے پہلے ہی ناراض ہے' مبادا اگر ہم اس کی مرضی ومنشا کے بغیر عنایہ کو رخصت کرا بھی لیتے ہیں تو بعد میں عنایہ ہی خوش نہیں رہے گی"۔

"بھائی صاحب! عنایہ میری بیٹی ہے وہ اپنی ماں کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہے' ہر بات کو سچویشن کو بہت جلد سمجھ جاتی ہے' مجھے اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے"۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئے۔

"جواد! تم پھر بھی سمیرا سے بات کر لو' کیونکہ دیکھو وہ ماں ہے اور پھر ماں سے مشورہ بھی کرنا چاہیے"۔ ناظمہ خاتون بھی تائیدی گویا ہوئیں۔

"چھوٹی بھابی! یہ مشکل ہے"۔

"پوچھ لینے میں حرج نہیں ہے"۔ ریحان احمد پرسوچ لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس سے تم سب پوچھو گے تو وہ بالکل راضی نہیں ہو گی"۔ دادی جان کو تو یہ فکر اور پریشانی الگ مارے ڈال رہی تھی۔

"اماں جی! آپ فکر مند نہ ہوں' اللہ بہتر کرنے والا ہے' اگر محریب اور عنایہ کا جوڑ اوپر والے نے لکھا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی ہے"۔ نزہت نے انہیں تسلی دی جو باقاعدہ رونے ہی لگی تھیں۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں' انشاء اللہ تعالیٰ عنایہ! آپ کے سامنے ہی رخصت ہو کر آپ کے پاس آئے گی"۔ جواد احمد ان کے دونوں ہاتھوں کو دبائے تسلی دینے کے ساتھ مطمئن بھی کرنے لگے۔

وہ سب کمرے سے چلے گئے تھے' جواد احمد اپنی ماں کے پاس ہی کچھ افسردہ سے بیٹھے ہوئے تھے' دادی جان کو اپنا یہ چھوٹا بیٹا بہت پیارا تھا' دنیا میں آیا بھی نہیں تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا' وہ کتنا بیمار بھی ہوئی تھیں ایسے میں ان کے بڑے بیٹوں نے سنبھالا تھا' جواد احمد ان سب کے ہی لاڈلے بیٹے تھے جواد احمد کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی' پھر تھے بھی لمبے چوڑے اور ہینڈسم سے' وہ چاہتی تھیں کہ ان کے خوبرو بیٹے کی شادی بھی اسی کی طرح خوبصورت لڑکی سے ہی ہو' پھر انہیں ایک محفل میں سمیرا نظر آئیں تو وہ تو پیچھے ہی پڑ گئیں' سمیرا تین بہن بھائی تھے وہ سب سے چھوٹی تھیں انہوں نے ہی تو اسے خوبصورت بول بول کے سر پر چڑھایا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سمیرا کی زبان لمبی ہو گئی' ہر جگہ اور ہر محفل میں بے تکان بولتی تھیں' اور ہر ایک کو یہ بتانا ضروری سمجھتی تھیں کہ انہیں پسند کیا گیا ہے جبکہ جواد احمد خود ان سے کم نہ تھے پھر بھی وہ انہیں خاطر میں نہ لاتی تھیں' انہوں نے اپنا ایک بیوٹی پارلر بھی کھول لیا تھا' کتنا منع کیا تھا سب نے مگر وہ تو لڑنے پر اُتر آئی تھیں۔

جواد احمد گہری سوچ سے باہر نکلے اور متاسف سانس بھری' وہ جب ماضی سوچتے انہیں تکلیف ہی ہوتی تھی۔

"جواد! میں اپنی بچی کو اپنی آنکھوں کے سامنے اس گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں"۔ وہ ان کی چپ سے کچھ ڈرنے سی لگی تھیں۔

"اماں جی! ایک بات کہوں' آپ نے ہی سمیرا کو سر پر چڑھایا تھا اور آج دیکھیے وہ ہم سب کے سروں پر چڑھ گئی ہے"۔

"مجھے کیا پتہ تھا میرے بچے کہ وہ ایسی نکلے گی' اس سے اچھی اس کی بڑی بہن کتنی گنوں والی ہے' ہر چیز میں طاق ہے"۔ وہ سمیرا کی بڑی بہن ثمینہ کی تعریف کرنے لگی تھیں۔

"جب ہی میری بچیاں بھی ثمینہ سے زیادہ قریب ہیں"۔ جواد احمد نے بھی تائید کی۔

"کاش اماں جی! سمیرا کی شکل کے ساتھ عادت واخلاق بھی اچھے ہوتے' وہ تو اماں جی اچھی بیوی تو کیا ماں بھی ثابت نہیں ہوئی ہے' میرے بچے اس سے دور دور ڈرے ڈرے رہتے ہیں"۔

"شروع سے سمیرا نے اپنے فیشن کے آگے بچوں تک کو نہ لگایا تھا' یاد ہے عنایہ کو چھوڑ چھوڑ کر جاتی تھی' کتنا میری بچی روتی تھی"۔ انہیں گزری باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

"اماں جی! اسے بس ہر وقت اپنے حسن کی تعریفیں پسند تھیں اور ہیں' مجھے اتنی شرمندگی ہوتی ہے اس کا حلیہ دیکھ کر' اماں اسے ذرا بھی فکر نہیں ہے وہ کس دھارے پر جا رہی ہے"۔ انہیں اکثر یہ فکر دُکھ ہی پریشان کرتا تھا۔

"چل چھوڑ' اب ہم کیا کر سکتے ہیں تو اپنا دل خراب نہ کر' ایک نہ ایک دن اسے احساس ہو گا"۔ انہوں نے فوراً جواد احمد کو خود ہی تسلی دی' حالانکہ کچھ لمحوں پہلے وہ خود خاصی رنجور ہو رہی تھیں۔ جواد احمد پھر زیادہ رُکے نہیں کھانا تو انہوں نے سب کے ساتھ ہی کھایا تھا اماں جی سے اجازت لے کر وہ باہر آ گئے تھے۔

"چاچو! کبھی وشہ کو بھی یہاں چھوڑ جائیں' کتنے دنوں سے آئی نہیں ہے"۔ یمنیٰ نے ان سے کہا جو سب سے اجازت لے رہے تھے۔

"وشہ بجو کہہ رہی تھیں آنے کو آج بھی' مگر ابو نے کہا کہ وہ کسی چھٹی والے دن صبح سے چھوڑ جائیں گے"۔ معارج نے جواب دیا۔ مائز کے لب مسکرانے لگے' وہ خود وشہ کو دیکھنے کو مچل رہا تھا مگر خود کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔

"ارے بھئی' آپ سب لوگ آیئے نا کسی دن"۔ جواد احمد کو خیال آیا کہ وہ لوگ بھی تو کتنے دنوں سے نہیں آئے تھے۔

"ہاں آئیں گے بھئی کیوں نہیں"۔ نزہت اور ناظمہ نے ایک آواز میں کہا اور سر ہلایا تھا۔

جواد احمد یہاں سے نکلے تو بہت زیادہ افسردہ اور انتشار کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ سمیرا بیگم سے بات کرنا دیوار سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا' وہ کسی طور نہیں مانیں گی اور سوائے لمبی بحث اور لڑائی کے کچھ نہ ہوتا' بچے تینوں الگ سہم کر بیٹھ جاتے تھے۔

............☆............

دوسرے دن اس نے ناشتے کے بعد جواد احمد سے کہہ دیا تھا کہ اسے آنی کے گھر ڈراپ کر دیجئے گا اور واپسی پر لے لیجئے گا یا پھر معارج کو بھیج دیجئے گا' سمیرا بیگم تو بارہ بجے ہی اپنے پارلر میں چلی جاتی تھیں' وشہ اور معارج کالج چلے جاتے تھے مگر آج وشہ نے جان بوجھ کر چھٹی کر لی تھی تاکہ عنائبہ بے فکری سے آنی سے بات کر سکے۔

"تم نے مجھے رات کو ہی فون کیوں نہیں کیا"۔ ثمینہ نے اس کا ستا ہوا فکرمند سا چہرہ دیکھا جو زرد کپڑوں میں مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"آنی! مجھے تو رات ہی پتہ چلا ہے' معارج نے وہاں سے آنے کے بعد بتایا کہ ابو کس سلسلے میں دادی جان کے پاس گئے تھے"۔ وہ نگاہ نیچی کئے بیٹھی تھی۔

"جواد بھائی نے ابھی سمیرا سے بات نہیں کی؟" انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا' عنائبہ نے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔

"آنی! آپ خود سوچیئے بچپن سے میری بات طے ہے اور پھر میرے ذہن و دل میں شروع سے یہی ہے' تو میں کیسے بولوں ابو سے"۔ وہ بے بس اور روہانسی ہونے لگی۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"کیسے نہ ہوں آپ بتایئے' برسوں پرانا رشتہ لمحوں میں کیسے توڑ دوں"۔ وہ تیز لہجے میں بولی' ثمینہ نے اپنی پیاری اور کم گو سی بھانجی کو اپنے شانے سے لگا لیا۔ وہ تو خود حیران ہوتی تھیں کہ سمیرا جیسی عورت کی اتنی پیاری فرمانبردار اور اخلاق سے مالا مال لڑکیاں تھیں' اتنی سادہ تھیں' عنائبہ میں تو ذرا بھی نمود و نمائش نہ تھی نہ ہار نہ سنگھار کرتی تھی' ہمیشہ سادہ ہی رہتی تھی۔

"پتہ ہے عنائبہ! جب بندوں سے کوئی کام کوشش کے باوجود بھی پورا نہ ہو تو اسے اللہ پر چھوڑ دینا چاہیئے' وہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ وہ بھی بہتر ہی کرے گا' تم کیوں اتنا ڈر رہی ہو"۔ انہوں نے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"امی کی آپ ضدی طبیعت جانتی ہی ہیں' وہ جو کرنے کی ٹھان لیں کرتی ہیں"۔

"تم اپنی سوچوں کو ارادوں کو مضبوط رکھو اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھو' دیکھنا تم فیصلہ تمہارے حق میں ہو گا"۔

"لیکن آنی! اکثر مجھ پر کفر کا غلبہ بھی ہو جاتا ہے' میں پھر توبہ کرتی ہوں"۔

"یہ جو تم ناامیدی والی کوئی بات سوچتی ہو گی کفر بھی اسی وقت ہوتا ہے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے"۔

"لیکن آنی! میں یہ سوچتی ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی اور اپنے بندوں کو اس دنیا میں بھیجا قسمت اور نصیب تو وہ پہلے ہی بنا لیتا ہے پھر ہم بندے کیوں اس کی باتوں سے انکار کرتے ہیں"۔ وہ اپنی اس الجھن کو بھی شیئر کرنے لگی۔

"اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں اپنے اختیار میں رکھی ہیں اور کچھ باتیں انسانوں کے لئے رکھی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کوشش تم کرو اور ہمت و حوصلہ میں پیدا کر دوں گا"۔ قدرے توقف کے لئے وہ رکی تھیں۔

"اگر ہم اپنے دل میں یہ پختہ ایمان اور یقین رکھ لیں کہ ہمیں اللہ نہیں بلکہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں' تو پھر دیکھنا یہ ناامیدی اور کفر کی کیفیت سب ختم ہو جائے گی"۔

"ہم اپنے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ پر چھوڑیں لیکن یہ فیصلے جو اوپر سے لکھ کر آئے ہیں' تو ہم بندے اسے کیوں نہیں مانتے ہیں' کیوں اللہ کے حکم کی پاسداری نہیں کرتے"۔

"اس لئے کہ کچھ لوگوں کے دلوں سے اللہ کا خوف ہٹ چکا ہوتا ہے' وہ بس اپنا فیصلہ مسلط کرنا چاہتے ہیں' اپنی بات اونچی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں"۔ انہوں نے اس کا ملیح چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور پیشانی پر لب رکھ دیئے۔

"آنی! مجھے کبھی کبھی یہ حیرانگی ہوتی ہے کہ امی آپ کی بہن ہیں لیکن آپ کی اور ان کی سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' وہ کیا شروع سے ایسی تھیں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"دیکھو! اگر میں سمیرا کے متعلق کچھ کہوں گی تو یہ بُرائی میں آئے گا اور مجھے اللہ سے ہر وقت ہر لمحہ ڈر لگا ہے اور لگتا ہے بس اتنا کہوں گی شاید سمیرا یہ سب باتیں سوچتے ہوئے جانتے بوجھتے پھر بھی کرتی ہو"۔

"میرا دل اتنا چاہتا ہے کہ امی سے میں اپنے دل کی تمام باتیں کروں' مگر امی کا غصہ اور پھر ابو سے ان کی جھڑپ یہ تو روز کا معمول ہے' بتایئے ایسے میں' میں کس سے کہوں' وشہ اور معارج خود چھوٹے ہیں' وہ خود پریشان رہتے ہیں"۔

"عنائبہ! مجھے خوشی ہوتی ہے کہ تم ہر بات سمجھتی ہو اور کبھی غصہ بھی نہیں کرتی ہے' اور پتہ ہے جس نے غصہ کو قابو میں رکھا' سمجھو اس کی جیت ہوتی ہے"۔ وہ اسے اتنے پیار و محبت سے سمجھاتی تھیں کہ عنائبہ حیرانگی سے ان کا چہرہ تکے جاتی تھی وہ اتنی اچھی سوچوں اور خیالوں کی مالک تھیں کہ ان کا چہرہ تک عنائبہ کو لگتا کہ جیسے بھٹکے ہوئے کو روشنی دکھا رہا ہو' اور وہ اس روشنی میں آگے بڑھتا جا رہا ہو۔

"نماز تو باقاعدگی سے پڑھتی ہو نا؟" انہوں نے پوچھا۔ عنائبہ نے اثبات میں سر ہلایا' ثمینہ نے مسکرا کے اس کا رخسار چھوا۔

"سمیرا چاہے کتنا ہی بولے کہ تم جواد احمد سے اس رشتے سے انکار کرو' تم قطعی کچھ نہیں بولو گی' سمجھیں"۔

"آنی! اگر امی نے مجھے مجبور کیا تو؟"

"پھر غلط بات سوچتی ہو لڑکی اچھی بات ذہن میں رکھو جتنا غلط اور الٹا سوچو ویسا ہی ہوتا ہے' تم اپنے دماغ میں یہی سوچو کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا اور ہاں عشاء کی نماز کے بعد "یاحیّ یا قیوم" کی ایک تسبیح پڑھ لیا کرو اور چلتے پھرتے بھی پڑھتی رہا کرو"۔ انہوں نے بتایا۔

"آنی! میں تو دو نفل حاجات بھی تہجد میں پڑھنے لگی ہوں کہ کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ ابو اور امی کے غصے کو کم کر دے"۔

"تم نے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کیا ہے نا' دیکھنا سارے مسئلے حل ہوتے جائیں گے اور پھر دیکھنا ایک دن تم محریب

کی دلہن بنی اس کے پہلو میں بیٹھی ہوگی"۔ وہ مسکرانے لگیں' عنایہ نے جھینپ کے لب بھینچ لئے۔

"چلو اب تم ذرا میرے ساتھ کچن میں چلو' میرے بچے اسکول سے آنے والے ہوں گے' تمہیں پتہ ہے تمہاری آنی وقت کی کتنی پابند ہے"۔ وہ فوراً ہی کھڑی ہوگئیں۔

ثمینہ کی شادی اکبر علی سے ہوئی تھی' وہ بھی اس طرح کہ ان کے بھائی کے دوست تھے' وہ اپنی والدہ کے ساتھ ملنے آئے' اکبر علی کو سلجھی ہوئی گفتگو کرنے والی ثمینہ بہت پسند آئی تھیں' جھٹ رشتہ بھیج دیا' ثمران کی قسمت اتنی اچھی تھی کہ اکبر علی قابل بزنس مین تھے دو بڑی بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے' ثمینہ نے تو آتے ہی گھر کو جنت ہی بنا دیا تھا' ان کے اخلاق اور لب و لہجے کی وجہ سے وہ اپنے سسرال میں سب کی پسندیدہ ہوگئی تھیں۔ بڑے ہوں یا بچے ہر ایک سے بڑی دلچسپی اور لگاؤ سے پیش آتی تھیں' اس لئے تو بچے تک ان کے دوست تھے جو کوئی بھی آتا سب سے پہلے ان سے اپنے مسئلے شیئر کرتا تھا اور ہر ایک کو اپنی محدود سوچ کے مطابق مخلصانہ مشورہ ضرور دیتی تھیں' عنایہ ان سے بہت قریب تھی جہاں کوئی مسئلہ ہوا یا اُلجھن وہ فوراً سلجھانے ان کے پاس چلی آتی تھی۔ شکر تھا سمیرا نے یہاں آنے کی کوئی پابندی نہیں رکھی تھی ورنہ دادی جان کے گھر یوں آزادانہ جانے کی اجازت ہی نہ تھی' تینوں بہن بھائیوں میں ثمینہ کی عادت صلح جو تھی' جبکہ سمیرا اتنی ہی تنگ مزاج تھیں' کسی کی بھی کوئی سمجھانے والی بات نہیں سنتی تھیں۔

............☆............

وہ دو دن سے بہت جھنجلایا ہوا تھا' مگر غصہ وہ کم ہی کسی کو دکھاتا تھا البتہ جب اسے چپ لگ جاتی تھی بس کام کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا' نزہت تو ماں تھیں وہ بیٹے کی اس خاموشی کو بھی نوٹ کر رہی تھیں' جو صبح اٹھتا ناشتہ کرتا اور رات کو آتے ہی کمرے میں چلا جاتا تھا یا پھر کچھ دیر دادی جان کے پاس بیٹھتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنے کمرے میں ہی جا رہا تھا کہ مائز نے اس کا راستہ روک لیا' نزہت کی جانچتی اور تشویش بھری نگاہیں اس پر تھیں۔

"بھائی جان! ایک بات تو بتایئے' کہیں چپ شاہ کا روزہ تو نہیں رکھ لیا"۔ وہ شرارتی لہجے میں پوچھنے لگا۔ محریب نے چتون سکیڑے اور اسے گھورا' مائز ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا' لمحوں میں وہ بندے کو ہنسا دیتا تھا۔

"کیوں تمہیں ایسا کیوں لگا؟" بلیک اور آف وائٹ شرٹ میں تھکا تھکا محریب الٹا سوال کر بیٹھا۔

"وہ اس لئے کہ گھر میں آپ کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں' آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے"۔

"مجھے ایسی کوئی خاص خوشی نہیں ہے"۔ وہ بے زاری سے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ نزہت کو تو الگ اس کی فکر بھی تھی کہ وہ تو اپنے دل کی بات بھی کم ہی کسی سے شیئر کرتا تھا' انہیں مائز کی فکر نہ ہوتی اس کی زیادہ ہوتی تھی۔

وہ کمرے میں آ کر دھڑے سے گرنے کے انداز میں بیڈ پر لیٹا ہی تھا' ذہن و دل بہت بوجھل بھی ہو رہے تھے' اسے کبھی کبھی عنایہ کی بے رُخی لاتعلقی غصہ دلاتی تھی مگر پھر وہ خود کو کنٹرول میں کر لیتا تھا۔ زندگی کے پانچ سال اس نے امریکہ میں گزارے تھے مگر ایسی بے چینی تو اسے وہاں دور رہ کر بھی نہ ہوئی تھی جتنی یہاں آ کر ہوئی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گیا اور پھر اٹھ کر بیٹھا' ادھ کھلے دروازے سے جھانکتا مائز کا مسکراتا سراپا نمودار ہوا۔

"خیریت"۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے' نیند نہیں آتی ہے' راتوں کو عجیب بے کلی سی ہوتی ہے' کبھی سوچتا ہوں کہ کسی کو تو یہ کیفیت بتا دوں' شاید کسی کے پاس اس کا حل ہو"۔ اس کی زبان نان اسٹاپ چلنے لگی تھی۔ محریب نے مبہم سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھا جو اَب پورے کمرے میں ٹہل رہا تھا' وہ اس کا اشارہ سمجھ رہا تھا۔

"لگتا ہے ڈانٹ آج کل نہیں پڑ رہی ہے"۔

"ارے وہ کون سا دن نہیں ہوتا جو ہمارے والد صاحب نہ ڈانٹیں لگتا ہے یقیناً چنگیز خان سے ان کا تعلق تھا' ہر وقت لڑنے مرنے پر تیار رہتے ہیں"۔

"مائز! تمیز سے ابو ہیں وہ"۔ محریب نے سرزنش کرنے کے ساتھ شرمندہ بھی کیا۔

"دیکھیے گا میں ابو بنوں گا نا اپنے بچوں کو مکمل آزادی دوں گا' بیٹا جب دل چاہے گھر میں آؤ اور جاؤ یہ تمہارے گھومنے پھرنے کے ہی دن ہیں"۔

"واہ بیٹا واہ' شاباش ہے کیا خیالات اور سوچ ہے میرے اس بیٹے کی"۔ نزہت نے سنا تو وہ فہمائشی انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ دونوں بھائی گڑبڑا گئے جبکہ مائز فوراً مودب بن گیا' اب تو ضرور امی کی لعن طعن سنے گا۔

"تم کچھ سبق دے دیا کرو صاحبزادے کو' بچپنا ہی نہیں جا رہا ہے اس کا"۔

"یار امی! میں ویسے بھی بھائی جان سے چھوٹا ہوں' اس لئے میرا بچپنا جانا مشکل ہے"۔ وہ ہاتھ اٹھا کر ایسے بولا کہ جیسے بہت مشکل کام ہو' جسے کرنا ممکن ہی نہ ہو۔

"جب تک بھائی جان کے چھوٹے چھوٹے پیارے بچے نہیں آ جائیں گے میں تو ایسے ہی کروں گا"۔

"بہت فضول ہانکتے ہو تم"۔ محریب جھینپ کے اس کی پشت پر ہلکا سا مکہ جڑ گیا۔

"میں کوئی فضول نہیں ہانکتا ہوں"۔ وہ اب دھرنا دے کر بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔ محریب نے حیرانگی سے اس کا اطمینان دیکھا جو پھیل کے بیٹھ گیا تھا' نزہت کی تنقیدی اور گھورتی ہوئی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"بھائی جان! امی آپ سے ضروری بات کرنے آئی ہیں اور وہ چاہ رہی ہیں کہ میں یہاں سے کھسک لوں"۔ وہ اپنی ماں کے تیور دیکھنے لگا۔

"اٹھو اور فوراً نکلو یہاں سے' بک بک کرتے رہتے ہو' اتنی لمبی زبان ہے تمہاری سوچتی ہوں کہ جانے میں نے کیا کھایا تھا جو تجھ میں یہ اثر آیا"۔

"واہ میری ماں کا تو جواب نہیں ہے' ویسے امی! راز کی بات ہے دوسری بار ہم عنایہ بھابھو کو آزما کے دیکھیں گے کہ دقعی ایسا ہی ہوتا ہے کہ میری طرح زبان لمبی ہوتی ہے' بس آپ انہیں وہ چیز کھلا دیجیے گا"۔

"مائز! ذرا شرم لحاظ نہیں ہے کیسے بولے جا رہا ہے"۔

"کیا کریں کمپیوٹر اور کیبل نے خراب کیا ہے"۔ اس نے ٹکڑا لگایا۔

"اچھا جاؤ' صبح پھر اٹھنا مشکل ہوگا"۔ انہوں نے ذرا درشت لہجے میں اسے جانے کا اشارہ کیا' محریب مسکرا رہا تھا' اسے اپنا یہ شرارتی سا بھائی منٹوں میں ہنسا دیتا تھا حالانکہ عمروں میں بھی خاصا فرق تھے۔

"کیا بات ہے تمہیں دیکھ رہی ہوں تین چار دن سے چپ چپ سے ہو"۔

"بس کچھ آفس میں کام کا لوڈ ہے' ایسی تو کوئی بات نہیں"۔ اس نے خود کو فریش ظاہر کیا' پھر وہ اپنی کوئی پریشانی بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"آفس کے کام کی وجہ سے تم کبھی نہیں گھبراتے ہو' یہ میں جانتی ہوں کیونکہ اپنے ابو سے تم بڑے آرام سے باتیں کرتے ہو"۔ وہ جیسے مطمئن نہ ہوئی ہوں۔

"دیکھو محریب! تم اگر اپنی شادی سے پریشان ہو تو یہ ٹینشن بالکل نہیں لو کیونکہ ہم سب نے جواد سے بات کی ہے' ہوسکتا ہے کہ سمیرا مان جائے"۔

''امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ معاملہ آپ بڑوں کا ہے' میں کیوں ٹینشن لوں''۔ وہ مسکرایا۔

''تمہاری دادی جان کو بہت جلدی ہے کہ تمہارے سر پر سہرا دیکھ لیں' عنایہ کو اپنے سامنے ہنستا بستا دیکھ لیں''۔

محریب سر جھکائے بیٹھا تھا' وہ ان سے بولتا بھی تو کیا' جب سب کچھ ہی اس کے سامنے تھا' پھر اس نے عنایہ کا رویہ بھی دیکھ لیا تھا جب وہ چھوڑنے جا رہا تھا اسے وہ کتنی روڈ سی لگ رہی تھی۔

''عنایہ سے بھی پوچھا جائے گا کیونکہ جواد کہہ رہا تھا کہ وہ بھی مشکل سے مانے گی' اپنی ماں کی وجہ سے مجبور ہے''۔

''اس کی کوئی مرضی نہیں ہے''۔ لہجے میں حسرت و یاس پنہاں تھی۔

''وہ بھی خود مجبور ہے' ماں کی بات مانے یا اپنے ددھیال کی''۔

''پھر ایسا کریں اسے اپنی ماں کی بات ماننے دیں' خوامخواہ آپ سب مجبور کر کے شادی کے لئے رضامند کر بھی لیں گے' وہ خوش نہ رہے گی''۔ اسے عنایہ کی بات سن کے غصہ آیا' جو بچپن کے رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں کہ جب تک سمیرا رضامند نہ ہو تو ہم زبردستی بھی نہیں کریں گے' عنایہ اس کی بیٹی ہے پھر بیٹی جب رخصت ہوتی ہے تو اسے ماں سے چھٹنے کا زیادہ غم ہوتا ہے جبکہ وہ بچی جن حالات میں ہے وہی جانتی ہے''۔ وہ مغموم سے لہجے میں بول رہی تھیں' محریب نے لب بھینچ لئے۔

''آپ لوگوں کو یہ رشتہ بچپن میں کرنا ہی نہیں چاہیے تھا''۔

''محریب! کیا بات ہے بیٹا تم نے تو آج تک ایسی بات کبھی نہیں بولی' آج کیسے بولنے لگے''۔ ان کے لہجے میں استعجاب تھا۔

''پہلے کبھی احساس نہیں ہوا نا' لیکن اب ہو رہا ہے اس لئے زبردستی یہ رشتہ نہ کریں' پلیز سوچیئے مجھے آپ سب کا فیصلہ جیسا بھی ہوگا منظور ہوگا''۔ وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا نزہت کو اتنا ترحم آمیز لگا کہ وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

............☆............

''مجھے تمہیں صرف بتانا تھا بتا دیا ہے''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا' میری مرضی کے بغیر تم میری بیٹی کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود کر دو گے؟'' وہ تو تن فن کرتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آہستہ بولو' بچے لاؤنج میں ہی ہیں تمہاری آواز وہاں تک جا سکتی ہے''۔ جواد احمد کو ان کا جاہل عورتوں کی طرح چیخنا چلانا سخت طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔

''کاش سمیرا! تم جتنی محنت خود کو ظاہری طور پر سنوارنے کے لئے کرتی ہو اگر تھوڑی محنت اپنا اخلاق اور عادت کو سنوارنے میں لگا دو تو کیا ہی اچھا ہو''۔ طنزیہ اور ناگوار انداز تھا وہ تو تنک ہی گئیں۔

''شروع سے تم سب میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو''۔

''خود کو دیکھ بھی تو لو کیا ہو' مجھے اتنی شرمندگی ہوتی ہے تمہیں دیکھ کر' سمیرا! کچھ تو خیال کر لو' بچے ہمارے جوان ہو گئے ہیں' لوگ دس طرح کی باتیں بناتے ہیں''۔

''مجھے نہیں پرواہ لوگوں کی میری زندگی ہے اپنی مرضی سے گزاروں گی''۔ وہ ریش ہو گئیں تھیں۔

''پھر عنایہ کی بھی زندگی ہے' اس سے پوچھ کر ہی کوئی فیصلہ ہوگا''۔

''عنایہ کی میں ماں ہوں' میں بہتر فیصلہ کر سکتی ہوں' نہیں خوش رہ سکے گی وہ تمہارے بیک ورڈ گھر والوں کے ساتھ''۔ لہجے میں جتنی حقارت اور اہانت تھی جواد احمد دانت پیس کے رہ گئے' ان کے گھر والوں کو انہی کے سامنے اتنا برا بھلا کہتی تھیں مگر وہ ضبط کا ہی مظاہرہ کرتے تھے۔

''میں اس کا باپ ہوں اور عنایہ کا رشتہ بچپن سے طے ہے' اس لئے توڑنے کا جواز ہی نہیں ہے' محریب پڑھا لکھا ہینڈسم سمجھدار لڑکا ہے''۔

''لیکن مجھے نہیں پسند وہ' سنا تم نے''۔ وہ زور دے کر بولیں۔

''تمہیں تو اپنی ذات کے علاوہ کچھ پسند نہیں ہوتا' نہ اپنے سے زیادہ خوبصورت لوگ تمہیں پسند ہیں اور نہ کسی کی تعریف کرنا پسند ہے''۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے''۔ وہ کھسیا سی گئیں۔

''لیکن میری ناں ہے اور ناں ہی رہے گی' مجھے نہیں کرنی ہے اپنی بیٹی کی شادی اس گھر میں جہاں مجھ پر تنقیدیں کی گئی ہیں''۔

''تمہاری سن بھی کون رہا ہے' میں عنایہ سے پوچھ کر ہی قدم اٹھاؤں گا''۔ وہ جیسے ان کی بات کو نظر انداز کر گئے تھے۔

''جواد! اگر تم نے ایسا کچھ کیا ناں تو اچھا نہیں ہوگا''۔

''کیا کر لو گی' اس گھر سے نکل کر چلی جاؤ گی' اپنی ماں کے گھر' ارے میں تو شکر ادا کروں گا جان چھوٹی تم سے''۔ وہ بیڈ پر لیٹنے کے لئے چلے گئے تھے۔

''تمہاری تو یہی خواہش ہے کہ میں اس گھر سے نکل کر چلی جاؤں لیکن اپنے بچوں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی''۔ وہ تو چلبلا ہی گئیں۔

''آج تمہیں بچوں کی محبت بہت یاد آ رہی ہے' یاد کرو جب چھوٹے تھے تم انہیں اپنے سے دور دور رکھتی تھیں کہ تمہاری شان میں کمی آتی تھی' تمہیں شادی شدہ ہو کر غیر شادی شدہ بننے کا بہت شوق تھا''۔ وہ تو جیسے تمام حساب کتاب کرنے پر تلے ہوئے تھے' سمیرا تو لاجواب سی ہو کر لب بھینچنے لگی تھیں کیونکہ جواد احمد جو بھی بات کرتے تھے بالکل نپی اور کھری کرتے تھے۔

''تم چاہے مجھے کچھ بھی کہو لیکن میری بات یاد رکھنا میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں ہرگز نہیں ہونے دوں گی''۔ وہ سیخ پا ہی ہو گئیں۔

''اب فیصلہ عنایہ کرے گی' اس کا جو فیصلہ ہوگا وہی مانا جائے گا''۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلے تھے' سمیرا بیگم تو دانت پیسنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا ورشہ اور معارج تو ٹی وی دیکھ رہے تھے البتہ عنایہ نہیں تھی۔ انہیں پتا تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر تک تسبیح وغیرہ پڑھتی تھی۔ وہ ناک کر کے کمرے میں چلے آئے عنایہ انہیں دیکھ کر چونک گئی کیونکہ وہ اور اس کے کمرے میں' تسبیح اس نے بیڈ کی سائیڈ پر رکھی۔

''ابو! خیریت تو ہے؟'' اپنا پنک آنچل قرینے سے اپنے سر پر اوڑھا' اس کے چہرے پر اتنی پاکیزگی تھی کہ جواد احمد نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی' انہیں اپنی یہ صابر و شاکر بیٹی بہت عزیز تھی جو کبھی کسی بات کا شکوہ تک نہ کرتی تھی' شروع سے اسے انہوں نے اسے اماں جی کی آغوش میں ہی دیکھا تھا' سمیرا کو تو اپنے فیشن سے فرصت نہ تھی کہ بیٹی پر کچھ توجہ دیتیں۔

"بیٹا! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے اور میں چاہ رہا تھا کہ تم سے اکیلے میں بات کروں"۔ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے۔ عنائبہ کی چھٹی حس تو ویسے ہی تیز تھی اور وہ جانتی بھی تھی کہ انہیں بات کیا کرنی ہے' وہ تو خود ... رہی تھی' مگر پھر آنی کے سمجھانے پر اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا' وہ نہ اپنے باپ کو ناراض کر سکتی تھی اور نہ ہی ماں کو کر سکتی تھی مگر دادی جان کی خواہش کا بھی اسے احترام تھا' لیکن وہ اس تذبذب کا شکار تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے۔

"بیٹا! تم سمجھتی ہو اور مجھے فخر بھی ہے کہ میری بیٹی بہت سمجھدار ہے' ہر بات وہ جلدی سمجھ بھی جاتی ہے"۔

"ابو! آپ تمہید نہ باندھیئے آپ کہیئے"۔ اس نے مسکرا کے جواد احمد کے ہاتھوں پر اپنے نرم ملائم ہاتھ رکھ کر گویا ان کی ہمت بڑھائی۔

"دیکھو عنائبہ! میں چاہتا ہوں کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیئے کیونکہ محریب کو امریکہ سے آئے ہوئے بھی دو ماہ ہو گئے ہیں' سب کی ہی خواہش ہے کہ تم اب رخصت ہو جاؤ"۔

"ابو! مجھے نہ پہلے اس رشتے پر اعتراض تھا اور نہ اب ہے' لیکن میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ ہم کچھ عرصہ اور رُک نہیں سکتے' میرا مطلب ہے کہ میں ......" وہ بولتے بولتے رک گئی' جواد احمد نے اپنے دھیمے سروں والی بیٹی کی یہ جیل وجحت دیکھی' وہ سب سمجھتے تھے وہ اپنی ماں کی وجہ سے اس طرح کہہ رہی ہے۔

"عنائبہ! میں کہتا ہوں کہ ہر کام کا وقت ہوتا ہے اور پھر بیٹا تم اس قابل ہو کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے"۔ انہوں نے عنائبہ کے سر پر ہاتھ رکھا' وہ سر جھکائے لب کچل رہی تھی' وہ تو بس کچھ وقت کا انتظار کرنا چاہ رہی تھی کہ شاید سمیرا بیگم اور جواد احمد میں مفاہمت ہو جائے اور جو رشتے زندگی بھر کے لئے قائم کئے جانے ہیں' اگر وہ سب کی رضامندی اور خوشی سے کئے جائیں تو زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

"ابو! میں کچھ وقت چاہتی ہوں"۔ اسے بولتے ہوئے شرم بھی آ رہی تھی۔

"عنائبہ بیٹا! اگر تم اپنی ماں کی وجہ سے پریشان ہو کہ وہ کچھ کہے گی یا راضی نہیں ہو گی تو بے کار ہے کیونکہ وہ عقل سے پیدل ہے' شروع سے اپنی من مانی ہی کی ہے' ہر ایک کو وہ بُرا سمجھتی ہے"۔

"پلیز ابو! آپ تو نہ بولیئے ـــــ سب کو پتہ ہے امی کیسے مزاج کی ہیں' لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم کسی بھی شخص کو بُرا کہہ کر اور اس کی برائی میں اضافہ کریں' آپ یہ نہیں سمجھیئے گا کہ میں آپ کو خدانخواستہ بُرا کہہ رہی ہوں"۔

"نہیں میری بچی مجھے تمہاری ہر بات شروع سے ہی اچھی لگی ہے کیونکہ وقت سے پہلے ہی تم اتنی سمجھدار ہو گئی ہو کہ مجھے تو کچھ کہنا نہیں پڑتا' میری بیٹی ہر بات سمجھ جاتی ہے"۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ لئے گویا ہوئے۔

"بس ابو! میں اتنا کہنا چاہوں گی آپ ان سب سے کہہ دیں کہ کچھ وقت اور رُک جائیں' شاید فیصلہ ہمارے حق میں ہو لیکن مجھے اپنے اللہ پر قوی امید ہے کہ وہ ہمارے حق میں اچھا فیصلہ کرے گا"۔ وہ ایک جذب سے بولتی اتنی معصوم اور سادہ لگ رہی تھی کہ جواد احمد گنگ رہ گئے۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی' میں کہہ دوں گا ان سے لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہیں اپنی ماں کی باتوں میں نہیں آنا ہے"۔

"ابو! آپ اطمینان رکھیئے' ایسا کچھ نہیں ہو گا امی مجھ سے کچھ نہیں کہیں گی' کیونکہ امی میں بس ضد اور غصہ ہے مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ سب بھلا دیں گی"۔ عنائبہ کے لہجے میں اور آواز میں ایک یقین تھا۔ اس نے اپنے سارے فیصلے اوپر والے پر چھوڑے تھے اور اسے یقین تھا کہ فیصلہ اچھا ہی ہو گا۔ جواد احمد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا

اور مسکرا دیئے' عنائبہ ان کے شانے سے لگ گئی' اسے اپنے باپ اور ماں دونوں کی ہی انا اور عزت عزیز تھی۔

............☆............

ادھر جب سب کو جواد احمد نے یہ کہا کہ کچھ ماہ اور رُک جائیں کیونکہ عنائبہ کی خواہش ہے مگر سب سے زیادہ افسوس اور رونا جو آیا دادی جان کو تھا' محریب سے دادی جان کا رونا بلکنا نہیں دیکھا جا رہا تھا' حالانکہ وہ چپ تھا نہ پہلے اسے اس رشتے پر اعتراض تھا اور نہ ہی آج تھا مگر جانے کیوں عنائبہ کی بات پر اسے غصہ ہی آ گیا' جب یہ رشتہ دادی جان نے جوڑا تھا تو پھر وہ کیوں اتنا اکڑ دکھا رہی تھی' سیدھا آفس سے وہ گھر آیا تھا' سوچا تھا کہ عنائبہ سے بات کرے گا لیکن اس کے لئے عنائبہ سے ملنا ضروری تھا اور وہ وہاں جاتا بھی کم ہی تھا' کیونکہ سمیرا بیگم کا ناگوار انداز اسے دکھ بھی دیتا تھا' مگر آج وہ لنچ ٹائم میں آ گیا تھا' ہمت بھی کر لی تھی کہ اسی کے گھر میں جا کے بات کرے گا مگر کیسے' وہ حسنہ پھپھو کی طرف چلا آیا تھا۔ دوپہر سے شام ہو گئی تھی' احد بھی آفس سے آ چکا تھا اور اپنی ساری بات بھی اس سے کہہ دی تھی۔

"یار! کسی طرح بھی اسے یہاں بلائے' مجھے دوٹوک بات کرنی ہے"۔ وہ بلیو پینٹ پر اسکائی بلیو کاٹن کی شرٹ میں خاصا جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔

"آج پہلی بار میں تمہیں اتنا ٹینس اور غصے میں دیکھ رہا ہوں' ورنہ تو تمہیں مسکراتے ہوئے ہی دیکھا تھا"۔ احد نے شوخی سے کہا۔

"یہاں میری جان پر بنی ہے' تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں"۔ وہ جھینپ گیا۔

"ارے یار! اس میں اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو' امی سے کہہ دیا ہے نا وہ بلا لیں گی عنائبہ کو یہاں"۔

"ارے محریب! تم کھڑے کیوں ہو بیٹا بیٹھو"۔

"امی! اسے اپنی لیلیٰ سے ملنے کی زیادہ بے چینی ہے"۔ احد نے شرارت سے کہا۔

"احمد! بکو مت یار"۔ وہ حسنہ پھپھو کے سامنے جھینپ گیا۔

"وہ پھپھو! میں اب چلتا ہوں"۔

"بالکل نہیں' اتنا کچھ میں نے بنایا ہے' کبھی کبھی تو آپ آتے ہیں"۔ شامین لوازمات سے بھری ٹرے اٹھائے چلی آئی تھی اور کرسٹل کی سینٹرل ٹیبل پر رکھی۔

"بھابی! میں گھر سے لنچ کر کے نکلا تھا"۔ اسے تو اس وقت کھانے پینے سے زیادہ عنائبہ سے ملنے کی بے چینی تھی۔

"لیکن لنچ آپ نے دوپہر میں کیا ہو گا' ٹائم دیکھیئے چھ بج رہے ہیں"۔ وہ اس کی سن ہی نہیں رہی تھی' لوازمات سے پلیٹ بھر دی جو ناچار محریب کو لینی ہی پڑی' احد کو اس کی حالت پر ترس بھی آ رہا تھا اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔

"محریب بھائی! آپ کو پہلے ہی بتا رہی ہوں' آیان کی برتھ ڈے آ رہی ہے' اگلے مہینے آپ کو آنا ہو گا' کبھی کوئی کام نکال لیں"۔ شامین نے یاد دلایا۔

"اس وقت تو محریب کو کچھ یاد نہیں ہے"۔ احد سموسہ منہ میں ڈالنے لگا' جبکہ محریب اسے ہی گھور رہا تھا۔

"محریب! تم ابھی جانا نہیں' میں عصر کی نماز پڑھ لوں وقت نکل جائے گا"۔ پھپھو کھڑی ہو گئی تھیں' محریب بھی ایزی فیل کرنے لگا تھا کہ ان کے سامنے بات کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"شامین! تم نے عنائبہ کو فون کر دیا ہے نا' آ جائے گی وہ یا میں لینے جاؤں"۔ احد نے ہی کہا تھا کہ وہ عنائبہ کو کسی کام کے بہانے بلا لے۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 3
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

”فون تو کر دیا ہے منع کر رہی تھی لیکن میں نے ڈانٹ کے کہا تو پھر آنے کو رضامند ہوئی ہے آپ ایسا کریں اسے جا کر لے آئیں کیونکہ کہہ رہی تھی کہ معارج کوچنگ سے دیر سے آتا ہے کس کے ساتھ آئے گی“۔ اب وہ چائے کپوں میں نکالنے لگی تھی۔

”پھر ٹھیک ہے ایسا کرنا محریب! تم رات کو دس بجے تک آ جاؤ میں اسے لے آؤں گا“۔

”یار خیال سے پھپھو کو نہیں پتہ چلے کہ میں نے اسے بلانے کو کہا ہے“۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا پھر ویسے اس کی ریزرو طبیعت تھی ایسے کام وہ کرتا نہیں تھا مگر دادی جان کی وجہ سے وہ رنجور ہوا تھا۔

”محریب بھائی! جانے کی کیا ضرورت ہے کھانا کھا کے جایئے گا“۔

”بھابی! ابھی مجھے کچھ ضروری کام بھی ہیں کیونکہ آج آفس سے جلدی آ گیا تھا امی سے بھی کچھ نہیں کہا تھا سیدھا یہاں آ گیا ہوں“۔ پلیٹ اس نے ٹیبل پر رکھی اور چائے کا کپ اٹھا کر جلدی جلدی گھونٹ اندر اتارنے لگا۔

”محریب بھائی! آپ بھی چھوٹے ماموں سے کہتے نا مجھے تو ابھی کرنی ہے شادی“۔

”محریب! سوچ لے اگر عنائیہ نہیں مانی تیرے سمجھانے کے باوجود بھی“۔ احد کو ڈر بھی تھا کیونکہ جیسا کہ سب ہی جانتے تھے کہ سمیرا بیگم کی قطعی مرضی نہیں ہے۔

”یہ اس کے بعد سوچوں گا کہ کیا کرنا ہے“۔

”مجھے یار! تو پہلے ہی بتا دے کیا کرے گا“۔ احد راز داری سے سرگوشی میں پوچھنے لگا۔ شامین کی ہنسی چھوٹ گئی وہ دونوں ہی جز بز سے ہو گئے۔

”زندگی میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھ پر یہ وقت بھی آئے گا“۔ محریب خود پر ہی افسوس کرنے لگا۔

”یار! کیا کریں سمیرا مامی نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھا ہوا ہے عنائیہ بے چاری جائے تو جائے کہاں“۔ وہ بھی افسوس ظاہر کرنے لگا۔ شامین کو ریان کی رونے کی آواز آئی جو وہ علینہ کو دے کر آئی تھی اسے جانا ہی پڑا۔

”پتہ ہے مجھ سے دادی جان کا رونا نہیں دیکھا جا رہا ہے“۔

”مخض تو نانی جان کی وجہ سے اس سے بات کرنا چاہ رہا ہے نا“۔ احد نے تائید چاہی۔

”جی ہاں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسا شادی وادی کا آرام سے زندگی گزر رہی ہے“۔ وہ جیسے تپ ہی گیا ہو۔

”مجھے کونسا تھی بس سمجھو کہ ہماری والدہ کو جلدی تھی کہ احد تمہاری شادی ہو جانی چاہیے“۔

”تمہارے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں تھا کہ بچپن سے رشتہ لگا ہو شامین بھابی پھپا جی کے دوست کی بیٹی تھیں پھپھو کو پسند آئیں اور ہو گئی شادی“۔ وہ بولا۔

”میں تو سخت خلاف ہوں بچپن کے رشتے طے کئے جانے پر“۔ احد نے کہا۔ محریب نے سر ہلایا۔

”میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ نانی جان کو تم میں ایسی کیا خوبی نظر آئی کہ عنائیہ جیسی معصوم پیاری سے لڑکی کو منسوب کیا“۔

”یہ تم اعتراض کر رہے ہو یا حیرانگی ظاہر کر رہے ہو؟“ محریب نے چتون تیکھے کئے اور مکہ لہرایا۔

”وہ...... وہ...... یار! میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ مجھے تو نہیں لگتا کہ تم شادی کر کے بھی چینج ہو تمہارے موڈ کا ایک ہی موسم ہوتا ہے“۔

”ایک تو میں پریشان ہوں تم یہ فضول ہانکنے لگے یہ نہیں کہ مجھے تسلی دو“۔ وہ کپ ہاسر میں رکھ کر کھڑا ہوا۔

”تسلی تو تمہیں اس دن دوں گا جب ضرورت پڑے گی“۔ احد کا لہجہ معنی خیز تھا اور شرارتی سا تھا محریب نے اس کے دو تین مکے پشت پر جڑ دیئے احد اسے چھیڑ کے مزے لیتا تھا اور جواب میں محریب اس کی خوب درگت بناتا تھا۔

”یار! گھر میں میری بیوی ہے لحاظ کر لے“۔ احد ہنس رہا تھا۔

”ابھی تو جا رہا ہوں رات کو آؤں گا“۔ وہ اپنی گاڑی کی چابیاں پاکٹ سے نکالتا ہوا جانے لگا احد سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”رات کو کیوں آؤ گے؟“

”زیادہ بکواس نہیں کرنا مجھے تو جانتا ہے اگر یہاں بھابی آ بھی جائیں گی میں ان کے سامنے بھی تیری ہڈی پسلی توڑ رہا ہوں“۔ محریب نے گویا وارننگ دی تھی احد نے کھل کر قہقہہ لگایا تھا۔

............☆............

”کیا کام پڑ گیا ہے شامین کو تم سے؟“ سمیرا کو تو ہمیشہ اعتراض ہی ہوتا تھا ان کے جانے سے دونوں ہی تیار کھڑی تھیں۔

”امی! شامین بھابی کہہ رہی تھیں کہ ریان کی برتھ ڈے آنے والی ہے وہ شاپنگ وغیرہ کا کہہ رہی تھیں“۔ عنائیہ نے کچھ ڈرتے جھجکتے ہوئے کہا۔

”اگر جانا تھا تو کل صبح جاتیں اس ٹائم جانے کی کیا تک ہے“۔ وہ کچن سے اپنے لئے چائے کا کپ لئے نکلی تھیں۔

”امی! کل تو سنڈے ہے ہم شام تک آ جائیں گے اتنے دنوں سے ہم پھپھو سے ملے بھی نہیں“۔ وشہ نے منہ بسورا۔

سمیرا بیگم کی تنقیدی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا جو پنک کاٹن کے ایمبرائیڈری کے لباس میں سادہ سی کھڑی تھی ان کی یہ دونوں ہی بیٹیاں میک اپ کے نام پر لپ اسٹک تک نہیں لگاتی تھیں نہ انہوں نے کبھی کہا ہی تھا کہ کچھ بج سنور کے جایا کریں۔

”شامین یہاں خود کیوں نہیں آ گئی“۔ وہ تو اعتراضات کے نکتے نکالے جا رہی تھیں عنائیہ کو ان کا ایسا روکھا اور سرد انداز بہت رُلاتا بھی تھا مگر وہ انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

”اگر امی! آپ پسند نہیں کر رہی ہیں تو ہم فون پر منع کر دیتے ہیں“۔ اتنے میں ڈور بیل ہوئی تو معارج لاؤنج سے نکل کر گیٹ کھولنے چلا گیا۔

”آپی! احد بھائی آ گئے ہیں“۔ اس کا پورچ سے ہی نعرہ بلند ہوا۔ احد ہنستا مسکراتا اندر آیا آتے ہی سمیرا بیگم کو زوردار پرجوش سلام کیا تھا سمیرا بیگم جز بز سی ہو گئی تھیں۔

”اور مامی! ٹھیک ٹھاک کیسا چل رہا ہے آپ کا کام؟“ اس نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا مگر جانے کیوں سمیرا بیگم کو ہمیشہ ایسا لگتا کہ ہر کوئی ان پر طنز ہی کر رہا ہو۔

”سب ٹھیک ہے اور تم سناؤ گھر میں خیریت تو ہے؟“ عنائیہ اور وشہ پہلو بدل کر کھڑی ہو گئی تھیں چہرے کو فریش ہی رکھا تھا کہ اسے محسوس نہ ہو کہ کچھ دیر پہلے کیا ماحول تھا۔

”سب فرسٹ کلاس ہیں شامین نے بلایا ہے اور مامی میں انہیں کل چھوڑ جاؤں گا“۔ وہ فوراً ہی کھڑا بھی ہو گیا۔

''یاراحد بھائی بیٹھیے تو''۔ معارج فریج سے کولڈ ڈرنک کی لیٹر بوتل اور گلاس لے آیا تھا۔
''پھر بیٹھوں گا اور ہاں مامی! امی نے کہلوایا ہے کہ کسی دن چکر تو لگالیں''۔
''ہوں...... آؤں گی ذرا مصروفیت کم ہوگی تو''۔ وہ ایک اپنی اس نند سے ہی ذرا خوشدلی سے مل لیتی تھیں ورنہ تو اپنی سسرال میں جانا انہیں ہمیشہ ناگوار ہی گزرا تھا۔
وہ ان دونوں کو لے کر چلا آیا تھا' سارے راستے عنایہ تو خاموش رہی البتہ دشہ پورے راستے احد سے باتیں ہی کرتی آئی تھی۔ جیسے ہی گھر پہنچی تھیں حسنہ پھپھو نے تو دونوں کو گلے لگالیا تھا' شامین کی کچھ عنایہ سے فرینڈ شپ بھی تھی وہ بھی شامین کی شادی کے بعد ہی ہوئی تھی' علینہ چھوٹی اس کی اگر بنتی تھی تو دشہ سے بنتی تھی' ابھی بھی آتے ہی علینہ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔
''کیا بات ہے اتنی خاموش سی کیوں ہو؟'' شامین کچن میں رات کا کھانا تیار کررہی تھی اور ڈشز بھی وہ چائنیز بنا رہی تھی کیونکہ محریب کو چائنیز رائس اور اسپیگٹی بہت پسند تھی' احد نے ہی خاص فرمائش سے یہ بنوایا تھا۔
''نہیں کوئی بات نہیں ہے''۔ دھانی کاٹن پر ایمبرائیڈری دھاگوں سے کڑھائی ہوئی تھی لانبے سلکی بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی میں وہ اتنی سادہ اور پروقار لگتی تھی کہ شامین تو رشک ہی کرتی تھی۔
''ارے بھئی شامین! کتنی دیر اور ہے کھانے میں' محریب آگیا ہے''۔ احد نے کچن کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھے۔ عنایہ تو گڑبڑا ہی گئی دل دھک دھک کرنے لگا' چہرے کا رنگ بھی بدل گیا' عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔
''تیار ہی ہے میں ٹیبل پر برتن لگواتی ہوں''۔ وہ سنک کا نل بند کرکے ایپرن سے ہاتھ پونچھنے لگی۔
''پلیز عنایہ! تم ذرا علینہ کو تو بلاؤ وہ کھانا لگوادے گی''۔
''وہ...... وہ...... بھابی! ام...... میں''۔ وہ محریب کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی' اسے خبر تھی محریب کو بھی اس کے انکار کی وجہ پتہ چل گئی ہوگی۔
''ارے عنایہ! محریب بھائی لاؤنج میں ہوں گے تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو''۔ وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی' جبکہ عنایہ تو نگاہ اٹھا کر اسے تک نہیں دیکھ رہی تھی۔
''میں ان کی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہوں''۔ وہ جھینپ گئی۔
''لڑکی' تمہارا بنے گا کیا' سوچتی ہوں کہ جب تمہاری باقاعدہ محریب بھائی سے شادی ہوجائے گی تم جب بھی ان سے ایسے ہی گھبراؤ گی''۔ وہ معنی خیز مسکراہٹ لئے گویا ہوئی۔
''پلیز بھابی! آپ ہر وقت تو مذاق نہ کیا کریں''۔ وہ بُرا مان کے گویا ہوئی۔
''میں مذاق نہیں کررہی ہوں' ایک بات تھی دل میں آئی تو کہہ رہی ہوں''۔ وہ برنر بند کرکے کچن سمیٹنے لگی تھی۔
عنایہ کچن میں ہی جم کر رہ گئی تھی' علینہ آگئی تو اس نے دشہ کو ساتھ لگا کر کھانا لگوایا' پھپھا جان بھی آگئے تھے' سب ہی ساتھ کھانا کھا رہے تھے لیکن عنایہ بہت جھجک رہی تھی' پھپھو نے زبردستی اپنے ساتھ بٹھالیا تھا' محریب نے بھولے سے بھی اس پر نگاہ نہ ڈالی تھی' عنایہ نے زبردستی ہی کھانا کھایا تھا۔
''چائے چلے گی؟'' احد نے محریب سے پوچھا جو کھانے کے بعد لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔
''چائے رہنے دو' مجھے جو کام ہے وہ کرنے دو یار! زبردستی تم نے کھانے پر روکا ہے' دل نہیں کررہا تھا''۔ وہ خاصا بےزار اور جھنجلایا ہوا تھا۔
''اچھا' اچھا اتنے بھی بےزار نہ ہو' تم اٹھو اور ایسا کرو گیسٹ روم میں چلے جاؤ' وہاں آسانی سے بات بھی کرسکتے

ہو' امی اور ابو تو اپنے کمرے میں ہیں فکر کی کوئی بات نہ ہوگی''۔ وہ کچھ سوچ کر اسے جگہ کا تعین کرکے بتانے لگا۔
''دیکھو جلدی بلاؤ اسے' مجھے گھر جانا ہے گیارہ بج رہے ہیں''۔ اپنی ریسٹ واچ آگے کی' کوریڈور سے گزر کر دہ رائٹ سائیڈ پر مڑ گیا تھا۔
''اٹھو لڑکی جلدی سے''۔ احد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خاصے بارعب انداز میں کہا' وہ ریان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔
''کہاں؟'' عنایہ جیسے سمجھی ہی نہیں۔ شامین کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی' وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد عنایہ کو اپنے بیڈروم میں لے آئی تھی۔ احد اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا باہر لے آیا' وہ حیران و پریشان تھی کہ آخر وہ لے جا کہاں رہا ہے' اسے لا کر گیسٹ روم کا دروازہ کھولا اور اندر لے آیا' محریب کمرے میں ٹہل رہا تھا' عنایہ اسے دیکھ کر تو بوکھلا ہی گئی' یعنی کہ یہ سب اس کے کہنے پر ہو رہا تھا۔
''محریب! آرام سے بات کرنا اور فکر نہیں کرنا کہ یہاں کوئی آئے گا''۔
''احد بھائی! مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی''۔ وہ تو غصے میں ہی آگئی۔
''دیکھو لڑکی' امیدیں اچھی رکھو اور اس وقت میں تمہارے لئے اتنا فکر مند ہوں جتنا ایک بھائی اپنی بہن کے لیے ہوسکتا ہے''۔ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ عنایہ نے بھی پشت گھمائی جانے کے لیے مگر اس کی بائیں کلائی محریب کے مضبوط بُرحدت ہاتھ میں آچکی تھی' وہ جھٹکا کھا کے رک گئی' جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی' دل لگتا تھا کہ پسلیاں توڑ کے باہر آجائے گا۔
''تم میری بات سنے بغیر نہیں جاسکتی ہو''۔
''کیسی بات؟'' وہ جان کر بھی انجان بن رہی تھی' اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑائی' محریب اس کے سامنے سراپا سوال بن گیا تھا' بلیو پرنٹ پر اسکائی بلیو شرٹ میں وہ اتنا مضمحل اور کھسیایا ہوا لگ رہا تھا کہ عنایہ نے نگاہ ہی جھکالی۔
''مجھے یہ بتادو کہ تم نے آخر کب تک کی مہلت مانگی ہے کہ شادی نہیں کروگی''۔
''جب تک امی اور آپ کے گھر والوں میں صلح نہیں ہوجاتی''۔ لہجے کو مضبوط اور پُراعتماد بنایا۔
''تم شادی لگتا ہے کرنا ہی نہیں چاہتی ہو تبھی ایسی شرط رکھ رہی ہو''۔
''یہ شرط نہیں ہے' میں ایسا چاہتی ہوں''۔ اسے دیکھنے سے گریز ہی کررہی تھی' مگر محریب کی گہری اور سحر انگیز آنکھیں اس پر تھیں۔
''تمہیں ذرا احساس نہیں ہے کہ دادی جان کو کتنا ارمان ہے ہم دونوں کی شادی کا''۔
''میں دادی جان کو سمجھالوں گی کچھ دن انتظار کرلیں گے''۔ اسے بولتے ہوئے حیا سی آنے لگی کیونکہ دونوں میں ایسی بےتکلفی کبھی رہی ہی نہیں تھی کہ وہ مستقبل کی پلاننگ کرتے۔
''عنایہ! تم کتنا انتظار کروگی' مجھے کیا اندازہ نہیں ہے کہ میری اچی کبھی مانیں گی بھی''۔
''مجھے لیکن اندازہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ ایک دن وہ مانیں گی''۔ اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا' اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا ہر حال کہتی تھی' اسے قوی امید تھی کہ ایک دن سب کچھ ٹھیک بھی ہوجائے گا۔
''تم ناممکن بات کررہی ہو''۔
''میں ناممکن کو ہی ممکن بنانا چاہتی ہوں''۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔

"دادی جان کا بھی نہیں خیال تمہیں"۔

"انہی کا ہی خیال ہے مجھے"۔ ترکی بہ ترکی بولی۔

"لیکن مجھے تمہاری ایسی کسی بات کو تو ماننا ہی نہیں ہے"۔ وہ دادی جان کا رونا دھونا روز ہی دیکھ رہا تھا' جب ہی تو اس سے بات کرنے کے لئے سوچا تھا۔

"اگر آپ کو شادی کی اتنی ہی جلدی ہے تو آپ اپنی پسند سے کسی بھی لڑکی سے کرلیں"۔

"عنایہ! سوچ سمجھ کر بولو کہ کیا بول رہی ہو"۔ وہ تو بھنا گیا۔

"سوچ سمجھ تو میں رہی ہوں' آپ ہی سوچ سمجھ نہیں رہے ہیں اس لئے اس کا یہی حل ہے کہ آپ کسی بھی لڑکی سے شادی کرلیں"۔ اس نے بغیر جھجکے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی' وہ خود بھی حیران تھی۔

"اگر مجھے کہیں اور شادی کرنی ہوتی نا یہاں پاکستان لوٹ کے نہیں آتا"۔

"کون روک رہا ہے چلے جایئے دوبارہ"۔ اتنی روکھی اور رُوڈ ہو رہی تھی کہ محریب کو افسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں خاصا سمجھدار سمجھتا تھا لیکن تم میری سوچ کے برعکس نکلی ہو"۔

"میں نے بھی آپ کو بہت کچھ سمجھا تھا"۔ لہجہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"عنایہ! آج کے بعد تم ہمیشہ میری یہ بات یاد رکھنا' تم نے جو کچھ سوچ کے شادی کو ملتوی کیا ہے اس کی ذمہ دار تم ہوگی کیونکہ میں اب تم سے شادی نہیں کروں گا' جب تم کہو گی' تمہارے پاس یہی مہلت ہے ابھی تو پھر کبھی نہیں"۔ وہ اتنا ئرڈ اور سرد مہر بن گیا کہ عنایہ تو گنگ رہ گئی' وہ کیا کہہ رہا تھا پہلے تو ایک ہی پریشانی تھی کہ امی ناراض تھیں اس کے ددھیال والوں سے اب تو یہ بھی ناراض ہو گیا تھا۔

"پلیز! آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"اب کوئی بات نہیں سمجھی جائے گی' میں شادی صرف دادی جان کی وجہ سے کر رہا تھا' ورنہ مجھے ایسا کوئی شوق بھی نہیں ہے نہ یہ رشتہ مجھ سے پوچھ کے طے کیا گیا تھا"۔ وہ پشت پھیر کر جانے لگا تھا' عنایہ کو تو لگا کہ اس کی دنیا ہی ڈول گئی ہو' اس کے جانے کے بعد وہ بہت روئی تھی' شامین چلی آئی تھی۔

"میں تو یہ سمجھی تھی کہ تم دونوں نے ایک دوسرے کی بات سمجھ لی ہوگی"۔

"شامین بھابی! آپ ہی بتایئے کیا میں نے غلط کہا ہے"۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

"میری شادی پر امی راضی نہیں ہیں' میں کیسے اپنی ماں کو اگنور کر دوں"۔

"اچھا' اچھا رو نہیں' تمہارے احد بھائی محریب بھائی سے بات کریں گے"۔ اس نے تسلی دی۔

"بھابی! وہاں دادی جان کے گھر سب کو پتہ چل جائے گا' وہ سب کو بتا دیں گے"۔ اسے یہ بھی ڈر لگ رہا تھا۔

"محریب بھائی نہیں بتائیں گے' اس کا مجھے اندازہ ہے باقی کی معلومات میں تمہیں دوں گی' پلیز اب خاموش ہو جاؤ' اگر امی آ گئیں نا وہ پوچھیں گی تم سے پھر"۔ شامین نے ٹشو بکس اٹھا کے اس کے آگے کیا' وہ مسلسل رو رہی تھی' محریب کی باتوں نے اسے کافی دُکھ دیا تھا' بچپن کا رشتہ قلب کے رشتے میں ڈھل گیا تھا کیسے اگنور کر دیتی۔

............☆............

اس نے عنایہ کو کہہ تو دیا تھا مگر اس کے دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا پوری رات اسے نیند نہ آئی تھی' وہ تو دوسرے دن سنڈے تھا تو وہ دیر تک سو بھی گیا تھا ورنہ تو سارا دن اس کا آفس میں بھی بوجھل گزرتا' گیارہ بجے اٹھا تھا ناشتے کے بعد

لاؤنج میں آ گیا اور اسپورٹس چینل لگا کے بیٹھ گیا۔ امی اور چچی جان بھی وہیں بیٹھی تھیں' دونوں جانے کیا باتیں کر رہی تھیں وہ بھی چپکے چپکے' محریب گاہے بگاہے ان پر نگاہ بھی ڈال لیتا تھا۔ مائز کی رگ ظرافت ہر وقت پھڑکنے کو تیار رہتی تھی' وہ دبے قدموں اندر آیا امی اور چچی جان کے قریب کان لے آیا۔

"کیا بدتمیزی ہے مائز؟" نزہت کو ہمیشہ اس کی الٹی سیدھی حرکتیں بُری لگتی تھیں۔

"امی! میں کب سے آپ دونوں کو دیکھ رہا ہوں' ایک دوسرے سے جانے آہستہ آہستہ کیا باتیں کر رہی ہیں"۔

"تمہیں کیا فکر ہے؟" انہوں نے مائز کے دھپ ہی لگا دی۔

"بھائی جان! آپ ادھر ہی بیٹھے ہیں' کچھ سنائی دے رہا ہے یا نہیں؟" اس نے سوچوں میں گم محریب کو مخاطب کیا وہ چونک گیا۔

"وہ تمہاری طرح نہیں ہے ٹی وی دیکھ رہا ہے"۔ انہوں نے محریب پر بھی نگاہ ڈالی۔

"یہ تو آپ کو لگ رہا ہے' کیا پتہ بھائی جان آپ دونوں کی باتیں سن رہے ہوں"۔ شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے مسکرا کے آنکھیں گھمائیں' بیٹھا وہ محریب کے سامنے ہی تھا۔

"یہ تو تمہیں لگ رہا ہوگا کہ میں باتیں سن رہا ہوں"۔ محریب نے ٹی وی کی آواز دھیمی کی۔

"کیا بات ہے بھائی جان! صبح سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کچھ خاموش سے ہیں"۔

"تمہاری طرح اس کی فضول بک بک کی عادت نہیں ہے"۔

"ایک تو امی! آپ میری ہر بات کو بک بک ہی کہتی ہیں"۔ وہ منہ بسورنے لگا۔

"مائز بھائی' مائز بھائی!" رافع اسے پکارتا ہوا چلا آیا۔

"چلیئے! میں تو کانوں کے پردے پھاڑتا ہوں' بڑے ابو آپ کو بلا رہے ہیں"۔ اس نے کچھ مسکرا کے گویا اسے چڑایا۔

"مگر! مگر کیوں؟" وہ کچھ چونک سا گیا۔

"مائز' مائز!" ریحان احمد کی گمبھیر اور گرجدار آواز پر وہ سب چونک گئے' مائز تو مودب بن کے کھڑا ہو گیا۔

"جی ابو!"

"رات کو کتنے بجے گھر آئے تھے؟"

"جی وہ......" مائز کی تو سٹی گم ہو گئی' صبح سے وہ ان سے بچتا پھر رہا تھا تاکہ ابو اس کی شامت نہ لے آئیں مگر اس کی بچت کب تک ہوتی۔

"میں گیارہ بجے تک آ گیا تھا"۔ سر کھجانے کے ساتھ کچھ منمنایا۔

"جھوٹ نہیں بولو' ساڑھے گیارہ پر محریب آیا تھا تم جب بھی نہیں آئے تھے"۔ وہ تیز لہجے میں اس سے استفسار کر رہے تھے اور وہ شرمندہ سا سر جھکا کر کھڑا تھا' محریب کو ہنسی آ رہی تھی' امی اور چچی جان بھی کچھ ڈری گئی تھیں۔

"وہ میں آ گیا تھا آپ بھائی جان سے پوچھ لیں"۔

"میں اس سے کیوں پوچھوں' تم سے پوچھ رہا ہوں"۔ وہ تو خاصے برہم ہو رہے تھے۔

"ابو Saturday تھا اتنا تو میرا حق بنتا ہے کہ میں دوستوں میں کچھ وقت گزاروں"۔ وہ بھی الٹا غصہ ہی دکھانے لگا۔

"تمہاری اور فائق کی حرکتیں خاصی مشکوک ہو رہی ہیں' کان کھول کر سن لو اگر کوئی الٹی سیدھی حرکت کی خبر ملی نا گھر

سے باہر نکال دوں گا“۔

”کیا مطلب الٹی سیدھی حرکت سے؟“ وہ بُرا ہی ماننے لگا۔

”ابو! معاف کر دیں میں اسے سمجھا لوں گا“۔ محریب کو مائز پر ترس آنے لگا‘ جو کچھ روہانسا اور پریشان سا بھی لگ رہا تھا۔

”تم کیا سمجھا لو گے‘ دو سال سے اس کی یہی حرکتیں ہیں‘ وہ تو میں ذرا اس پر نظر رکھتا ہوں تو گھر جلدی بھی آ جاتا ہے“۔

”ابو! مائز سمجھدار بچہ ہے“۔

”تم چپ کرو کیا اس کی طرفداری کر رہے ہو“۔ انہوں نے محریب کو بھی ڈانٹ دیا وہ بھی جز بز سا ہو گیا‘ مائز نے جب دیکھا کہ ابو کی توپوں کا رُخ محریب کی طرف ہو گیا ہے تو اسے شرمندگی ہوئی۔

”مائز! لاسٹ وارننگ ہے اگر تم نے اگلے ہفتے پھر یہی حرکت کی تو پھر میں کان سے پکڑ کر نکال باہر کروں گا“۔ وہ اسے گھورتے ہوئے چلے گئے۔ مائز نے رکا ہوا سانس بحال کیا‘ محریب نے اس کا جائزہ لیا‘ دھڑ سے وہ صوفے پر بیٹھا‘ امی نے خاصی تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔

”محریب! اسے سمجھا دو اگر باپ کا ذرا بھی اسے ڈر ہے تو اتنی رات تک باہر نہ رہا کرے“۔ امی کو خود اس کی یہ عادت سخت ناگوار گزرتی تھی‘ اس پر ریحان احمد کی ڈانٹ سے انہیں بہت ڈر لگتا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی‘ ویک اینڈ تو مجھے اپنی مرضی سے گزارنے دیا کریں“۔ وہ منہ بنانے لگا۔

”بے وقوف یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم ویک اینڈ نہ گزارو مگر یار ذرا ٹائم کا خیال کر لیا کرو‘ اتنے بڑے چھ فٹے کو اگر ابو کہیں کہ مرغا بنو تو اچھا لگے گا“۔ محریب نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

”اس پر بڑے ابو کہہ دیں انڈا دو‘ بتائیے کتنا بُرا لگے گا“۔ رافع کی برجستگی بے موقع ہی ہوئی تھی‘ مائز کی اور اس کی تو ویسے ہی کم بنتی تھی۔

”رافع! تمیز سے بڑا ہے وہ تم سے“۔ ناظمہ نے اسے سرزنش کی جو خفیف سا ہو گیا۔

”یہ تو جیسے بہت تمیز سے میرے ساتھ پیش آتے ہیں‘ ابو سے لگائی بجھائی کرتے ہیں بی جمالو کہیں کے“۔ اسے مائز سے الگ پُرخاش رہتی جو چچا جان سے اسے ڈانٹ پڑوا کر حساب برابر کرتا تھا۔

”بڑی امی! آپ کو دادی جان بلا رہی ہیں“۔ یمنٰی انہیں بلانے چلی آئی تھیں۔ نزہت اور ناظمہ نے ایک دوسرے کو دیکھا‘ محریب نے بھی پُرسوچ نگاہ اٹھائی۔

”اماں جی ضرور وہی پوچھیں گی کہ جواد نے کیا جواب دیا“۔

”امی! آپ نے دادی جان کو بتایا نہیں کہ عنایہ کی مرضی کیا ہے؟“ محریب کو حیرانگی بھی ہوئی کہ ان سے ابھی تک چھپایا ہوا تھا۔

”ارے بیٹا! کیسے بتا دیں‘ وہ تو رو رو کر اپنی طبیعت خراب کر لیں گی“۔ نزہت فکرمند لہجے میں گویا ہوئیں اور پھر جانے کے لئے کھڑی ہوئیں۔

”جو بات ہے آپ ان کو بتائیے تو“۔ محریب بضد تھا۔

”کیسے بتا دیں‘ جتنا انہیں ارمان تمہاری اور عنایہ کی شادی کا ہے شاید ہی انہیں اپنے کسی بیٹے کی شادی پر ہوا ہو“۔ وہ جھٹ بولیں۔

”لیکن امی! بھائی جان کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہیں کہ وہ تو آس لگا کے بیٹھی ہوں گی“۔ مائز نے بھی تائید کی۔

”آس لگانا بے کار ہے‘ آپ ساری بات بتایئے انہیں“۔

”مجھ میں تو ہمت نہیں ہے‘ جواد آئے گا میں اس سے کہوں گی وہ خود تسلی دے“۔ انہیں اماں جی کی بگڑتی حالت کا بھی اندازہ تھا۔

محریب لب بھینچ کے رہ گیا‘ مائز بھی وہاں سے کھسک لیا۔ اب وہ وہاں تنہا تھا‘ اسے اتنا غصہ تو کبھی نہیں آیا تھا جتنا اب آ رہا تھا عنایہ پر جو صرف اپنی امی کا سوچ رہی تھی‘ دادی جان کی ذرا پروا نہیں تھی‘ وہ کیا کیا ارمان دل میں رکھے ہوئے ہیں اس نے ابھی تک کسی کو اپنی اور عنایہ کی گفتگو کے متعلق احد اور شامین کو بتانے کو منع کیا تھا۔

............☆............

محریب سے بات کرنے کے بعد وہ اتنی ٹینشن میں آ گئی تھی کہ اس کی نیندیں لگ رہا تھا کہ اُڑ گئی ہوں‘ اسے یہ بھی ڈر لگ رہا تھا کہ محریب نے کہیں گھر میں سب کو نہ بتا دیا ہو‘ اگر دادی جان کو پتہ چل گیا تو وہ اور ہی رو رو کر اپنی حالت خراب کر لیں گی حالانکہ جواد احمد نے تو بڑے ابو کو کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ مہینے رک جائیں‘ کب سے وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی‘ وشہ بے خبر سو رہی تھی کیونکہ وہ بارہ بجے سو جاتی تھی صبح جلدی اٹھنا بھی ہوتا تھا‘ سائیڈ ٹیبل پر رکھے الارم سیٹ پر نگاہ دوڑائی 12:20 ہو رہے تھے‘ دل کہہ رہا تھا کہ محریب سے یہ تو ضرور پوچھے کہ اس نے گھر میں کسی کو بتایا تو نہیں ہے۔

وہ ٹیلی فون سیٹ کا کارڈلیس اپنے کمرے میں لے آئی اگر گھر کے نمبر پر کیا تو کوئی بھی اٹھا سکتا ہے‘ محریب سے پھر بھی بات نہیں ہو سکے گی‘ کارڈلیس واپس رکھا اور معارج کے روم میں چلی آئی کہ اس کے سیل سے ہی محریب کے سیل پر بات کرے گی۔

”خیریت آپی!“ معارج کمپیوٹر پر بیٹھا کام کر رہا تھا اسے دیکھ کر چونک گیا۔

”معارج! اپنا سیل دو گے مجھے کال کرنی ہے“۔ وہ کچھ جھجکتی ہوئی اندر آئی تھی‘ پھر اسے رات کے اس پہر سیل مانگنا بھی عجیب لگ رہا تھا کہ جانے وہ کیا سمجھے۔

”سیل؟“ وہ حیرانگی سے چونکا۔

”مجھے آنی سے بات کرنی ہے نا‘ ان کا فون لگتا ہے خراب ہو گیا ہے“۔

”آپی! اس ٹائم؟“ وہ اپنا موبائل ڈھونڈنے لگا جو بیڈ پر ڈال کے بھول گیا تھا۔

”ارے تو کیا ہوا ٹائم کا کیا ہے‘ آنی ویسے بھی دیر تک جاگتی ہیں“۔ اس نے سیل معارج سے لیا اور جلدی سے کمرے سے نکل گئی کہ وہ دوبارہ سوالات نہ شروع کر دے۔

کمرے میں آتے ہی وہ دھڑ سے اپنی ایزی چیئر پر بیٹھی‘ محریب کا نمبر تو اس میں فیڈ تھا ہی جلدی جلدی فون بک میں چیک کیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ کال کر ہی ڈالی‘ کچھ لمحوں میں ہی کال ریسیو بھی کر لی گئی۔

”ہیلو!“ عنایہ نے خود جلدی سے کہہ دیا تا کہ وہ معارج نہ سمجھ لے۔

”کون؟“ دوسری جانب خاصی حیرانگی تھی۔

”میں عنایہ بول رہی ہوں“۔ ڈرتے جھجکتے ہوئے گویا ہوئی۔

”خیریت‘ آپ کو کیا ایمرجنسی پڑ گئی کہ موبائل پر کال کی“۔ وہ روکھا سرد مہر سا طنز ہی کرنے لگا۔

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے کچھ ضروری“۔

''جو بھی بات کرنی ہے' آپ کال بند کریں میں آپ کے گھر کے نمبر پر کال کرتا ہوں' کیونکہ سیل معارج کا یوز کر رہی ہو تم' اس کے پاس اتنا بیلنس نہیں ہوگا کہ تمہاری ضروری بات پوری کر سکے''۔ یہ کہہ کر محریب نے لائن کٹ کر دی۔

عنائیہ کے تو پسینے ہی چھوٹ گئے' موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لاؤنج میں آ کر ٹیلی فون سیٹ کے پاس آ گئی پہلی بیل پر اٹھالیا' کارڈلیس لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''جی اب کہو کیا رہ گیا ہے کہنے سے کہ تمہیں اتنی ارجنٹ کال کرنی پڑ گئی''۔ وہ اسے اپنی خفگی دکھا رہا تھا۔

''مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ آپ......''

''کہ آپ اس دن کی باتیں پلیز گھر میں کسی کو نہ بتایئے گا' یہی کہنا تھا نا''۔ آگے کا جملہ محریب نے ادا کیا۔ عنائیہ تو گنگ رہ گئی' یعنی وہ سب ہی جانتا تھا اسے اور ہی شرمندگی ہوئی' آگے بات کیا کرتی جب وہ سب بول چکا تھا۔

''مس عنائیہ جواد احمد! میں آپ کی طرح بے وقوفیاں نہیں کرتا' کیا بات کرنی ہے اور کب کرنی ہے' کس سے کرنی ہے سب سمجھتا ہوں''۔ تیز لہجے میں جتایا۔ وہ لب کچلنے لگی' محریب کے لب و لہجے میں ناگواری اور غصہ بھی تھا۔

''دادی جان کی وجہ سے کہہ رہی ہوں میں''۔

''بہت پروا ہے نا تمہیں دادی جان کی جب ہی اپنا فیصلہ سنا کے یہاں روانہ کر دیا ہمیں اپنا لیٹر''۔ وہ پھر بولا۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ہے''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''جنہوں نے یہ رشتہ طے کیا ہے وہ سب غلط ہیں کیونکہ عقل تو آپ ہی رکھتی ہیں باقی تو سارے گھاس چر گئے ہیں''۔ محریب کو بھی آج اسے سنانے کا موقع مل گیا۔

''یاد رکھنا عنائیہ! لاکھ تم کہو اور چاہو میں شادی تاں اب نہیں' کبھی کروں گا''۔

''پلیز! آپ میری بات سمجھیے تو''۔

''تم زیادہ عقلمند ہو تم سمجھتی رہو میرا دماغ اتنا فضول نہیں ہے کہ تمہاری بے مصرف باتوں کو سمجھتا رہوں لیکن عنائیہ! یہ تم یاد رکھنا اگر دادی جان کو کچھ ہوا اس کی ذمہ دار تم ہو گی''۔ وہ چیخا ورنہ وہ کبھی کسی پر غصہ تک نہیں کرتا تھا۔ عنائیہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی' فون وہ بند کر چکا تھا' اس کی آنکھوں میں موتی آ گئے تھے' کتنی بڑی بات اس نے کہہ دی تھی' لب کاٹنے لگی وہ آخر کرے تو کیا کرے اپنی ماں کو اگنور کرے یا اپنی دادی جان کو اگنور کرے' وہ اس جگہ آ کر پھنس ہی گئی تھی' کسی سے کہتی بھی تو کیا الٹا اسے ہی سننے کو ملنا تھا' مگر اس نے اپنے اللہ سے خوب رو رو کے دعائیں مانگی تھیں کہ حالات اس کے حق میں کر دے۔

............☆............

''میری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے' اپنے آپ کو زیادہ ہی عقلمند سمجھتی ہے''۔ محریب نے ریسیور کریڈل پر زور سے پٹخا تھا اور اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا' ذہن اس وقت صرف اسے ہی سوچ رہا تھا جو دل کے ایوانوں میں بچپن سے بسی ہوئی تھی۔

''صرف ایک بار مجھے یہ تو کہتی کہ میں اور آپ مل کر اس خاندان کو جوڑیں گے لیکن تم نے خود ہی فیصلہ کیا' میری ذرا بھی اہمیت نہیں تھی تمہاری نظر میں''۔ وہ خود سے ہمکلام تھا' نیم دراز وہ بیڈ پر تھا فون کی بیل ہوئی تو محریب کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں' سی ایل آئی پر نمبر دیکھا تو سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''یس محریب اسپیکنگ''۔ لہجے کو کچھ سرد سا بنایا۔

''مم...... میں عنائیہ بول رہی ہوں''۔ ڈری سہمی اور جھجکتی ہوئی آواز ایئر پیس سے نکلی تھی۔

''خیریت...... اب کون سا فیصلہ سنانا ہے''۔ طنز سے باز نہ آیا۔

''دادی جان کی طبیعت کیسی ہے؟''

''اوہ...... مائی گاڈ عنائیہ! اتنی رات کو تم نے دادی جان کی خیریت پوچھنا مجھ سے ہی مناسب سمجھا اور لوگوں سے نہیں پوچھ سکتی ہو''۔ جھنجلائی کھسیائی ہوئی آواز میں گویا ہوا تھا۔

''جی وہ میں پوچھ سکتی تھی مگر پھر''۔

''سنو! اگر دادی جان کی اتنی ہی فکر ہے تو اپنے فیصلے مسلط کر کے بار بار یہ کیوں چیک کر رہی ہو کہ میرا موڈ کیسا ہے''۔ وہ تو جیسے ہر بات سے ہی آگاہ تھا۔

''جی ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے''۔ یہ کہہ کر لائن ہی کٹ کر دی۔

''بے وقوف لڑکی! اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے اب فکر بھی ہے''۔ وہ بڑبڑایا۔ اٹھا لائٹ آف کی اور سونے کی کوشش کرنے لگا' صبح آٹھ بجے وہ اٹھتا تھا' دوسرے دن بھی حسب معمول فریش چہرے کے ساتھ اٹھا تھا' تک سک سے تیار بلیو پینٹ پر اسکائی بلیو کاٹن کی کلف لگی شرٹ میں خاصا ڈیسنٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا' ناشتہ اور اخبار ساتھ ساتھ ہی ہوتا تھا۔

''محریب! تمہاری دادی جان تمہاری شادی کے متعلق ہی پوچھے جا رہی ہیں بیٹا تم انہیں تھوڑا سمجھا دو''۔ نزہت نے اس کے کپ میں گرم چائے ڈالی' اس نے اخبار سائیڈ پر رکھا اور سر ہلا کر رہ گیا۔

''جی اچھا''۔ جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا اور دادی جان کو سلام کرنے ان کے کمرے میں آ گیا' وہ لیٹی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر جیسے کھل ہی گئیں۔

''السلام وعلیکم دادی جان''۔ مسکرا کے انہیں دیکھا' دادی جان نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

''جیتا رہے ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رہے''۔ دل سے دعائیں دے ڈالیں۔

''یہ بتایئے طبیعت کیسی ہے؟''

''ارے بیٹا! طبیعت کا کیا ہے اب تو یہ زندگی کی ساتھی ہے' بس دعا ہے کہ اللہ محتاجی نہ دے''۔

''ارے آپ تو فوراً اداس ہو جاتی ہیں''۔ اس نے ان کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر تھپکے تھے۔

''یہ جواد بھی پلٹ کے نہیں آیا' کب تک کرے گا شادی؟''

''دادی جان! آپ کو اتنی جلدی بھی کیا ہے شادی کی''۔ وہ پہلو بدل کے گویا ہوا' اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ انہیں تسلی دے تو کیسے دے۔

''میری بچی کو اس گھر سے گئے دو سال ہو گئے ہیں' میں چاہتی ہوں کہ اب ہمیشہ کے لئے وہ اس گھر میں آ جائے''۔ ان کے چہرے اور انداز میں بے تابی تھی' محریب لب بھینچ کر رہ گیا تھا' اگر انہیں تسلی اور اطمینان کے الفاظ کہے بھی تو کیسے کیونکہ وہ رونے ہی لگتی تھیں۔

''سمیرا نے میرے بچوں کو مجھ سے دور کر دیا' ارے اسے کا ہے کی کمی تھی' آئے دن کے ہنگاموں سے جھنجلا کے ہی تو جواد خود الگ ہو گیا تھا کہ وہ سب کو ہی تنگ کرتی تھی''۔

''دادی جان! کیا پتہ عنائیہ بھی ان کی طرح ہو اور اگر اس نے بھی یہی کچھ کیا تو......''

''نہ میری بچی ایسی نہیں ہے' وہ تو اتنی خاموش سی ہے کہ اپنی ماں کے آگے تک بھی کبھی زبان نہ چلائی' ہاں البتہ

وشہ اور معارج کبھی ماں سے اڑ جاتے تھے"۔ وہ جھٹ اس کی نفی کرنے لگیں۔

"میری بچی تو اتنی صابر و شاکر ہے کہ کبھی منہ سے کسی بات کی شکایت نہیں کی ہے"۔ دادی جان کے لہجے میں عنایہ کے لئے شہد ہی ٹپک رہا تھا اور اس لمحے بس خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

"اچھا' آپ اتنی فکر مند نہ ہوں شادی بھی ہو ہی جائے گی"۔

"محریب! کہیں تو' تو کسی دوسری لڑکی کے چکر میں تو نہیں پڑ گیا' دیکھ میری بہت معصوم سی بچی ہے' اس کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کرنا"۔ انہوں نے محریب کو گویا ڈپٹ کے ہی کہا تھا۔

"ارے آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں؟" وہ ان کی سادگی پر مسکرایا۔ جتنی دیر وہ بیٹھا انہیں تسلیاں ہی دیتا رہا تھا' وہ انہیں کیا بتاتا کہ ان کی لاڈلی چہیتی پوتی کیا کچھ پلان کر کے بیٹھی تھی' وہ تو صبر کے گھونٹ اندر اتار چکا تھا' اس کی عادت بھی نہ تھی کہ کسی پر غصہ ظاہر کرتا لیکن کل سے وہ جس انتشار کا شکار تھا وہ ہی جانتا تھا' بچپن سے ہی وہ ڈری سہمی ہی نظر آئی تھی مگر اب تو اس کا روپ ہی دوسرا تھا' پُر اعتماد' پُر یقین سا' اسے عنایہ کو خفگی دکھانے کو دل چاہ رہا تھا کہ اگر وہ اس کے لئے فکر مند ہے تو اچھا ہے کم از کم اسے اس کی پرواہ تو ہے۔

............☆............

شامین نے اسے بازار جانے کے لئے بلوالیا تھا حالانکہ وہ کئی دنوں سے ڈسٹرب تھی' کیونکہ محریب کا سرد مہر انداز پھر اسے یہ بھی ڈر تھا کہ سب کو وہ بتا نہ دے' کتنی شرمندگی بھی ہوگی پھر دادی جان پر کیا گزرے گی۔

"سنو عنایہ! ایک دن پہلے سے آنا ہوگا تمہیں"۔ شامین نے اسے گم صم دیکھا جو شاپنگ کے دوران بھی غائب دماغی سے ہی مشورے دیتی رہی تھی۔

"اے لڑکی' کیا ہو گیا ہے کیوں اتنی سوچوں میں گم ہو؟" اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے کے بعد عنایہ کا جائزہ لیا' چہرہ کچھ پریشان تھا۔

"آں......ہاں کچھ نہیں"۔ فوراً ہی سنبھل بھی گئی۔

"بات تو خیر مجھے پتہ ہے کچھ ہے اور جانتی بھی ہوں کہ کسے سوچ رہی ہو"۔ وہ معنی خیزی سے استفسار کر رہی تھی جبکہ وہ پہلو بدل کر اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"جانتی ہیں تو کیوں پوچھ رہی ہیں"۔ دھیمی سی اس کی مسکراہٹ تھی۔

"دیکھو عنایہ! جب تم نے سب اللہ پر چھوڑ دیا ہے تو بے فکر ہو جاؤ' وہ بہتر ہی فیصلہ کرے گا"۔ اس نے اطمینان دلایا۔

"مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے ایک دن فیصلہ میرے حق میں ہی ہوگا"۔ لہجے میں یقین' اعتماد اور وثوق چھلک رہا تھا۔

"لیکن شامین بھابی! مجھے ان سے اس حد تک رُوڈ ہونے کی توقع نہیں تھی"۔

"محریب بھائی صرف نانی جان کی وجہ سے مجبور ہیں' ان کی خاطر ہی وہ یہ سب چاہ رہے ہیں کہ شادی جلدی ہو"۔

"دادی جان کا مجھے بھی خیال ہے اور پھر سب سے زیادہ میں ان کے قریب رہی ہوں' بچپن سے ہی انہیں ہی تو اپنے اطراف میں دیکھا ہے' میں ان کا خیال کر کے ہی تو کہہ رہی ہوں کہ کچھ دن رُک جائیں"۔ وہ نگاہ نیچی کئے لب کچلنے لگی۔

"تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ محریب بھائی جتنے ٹھنڈے مزاج کے ہیں اتنے ہی کم گو بھی ہیں' عنایہ! تمہیں ان کی بات جاننا ہوگی' ان کی بھی تو بات سنو"۔

"کیسے سنوں میں' جب انہوں نے اتنی بڑی بات کہہ دی کہ وہ اس رشتے پر کب خوش ہیں' کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے پوچھ کر کب کیا گیا تھا"۔ اسے ایک یہی احساس تو اور مارے ڈال رہا تھا کہ محریب نے اس کے دل و دماغ کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔

"وہ تو انہوں نے غصے میں کہہ دیا ہے' مجھے پتہ ہے وہ تمہیں پسند کرتے ہیں"۔

"بھابی! اس بات کے بعد تو میں اور ہی ٹوٹ گئی ہوں' لیکن مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ امی اور دادی جان میں صلح ضرور ہوگی"۔

"انشاء اللہ! ضرور ہوگی تم اپنا دل محریب بھائی کی طرف سے بدگمان نہیں کرنا' وہ بس نانی جان کی وجہ سے ایسا بولے ہیں"۔ شامین نے گویا اس کو تسلی دی۔

"کیا بات ہے کھانا لگا یا نہیں"۔ احد ریان کو لئے لاؤنج میں ہی آ گیا' دونوں خاموش ہو گئیں۔

"ابھی لگاتی ہوں' ساری چیزیں امی کو دکھا رہی تھی"۔ شامین بکھرے شاپرز سمیٹنے لگی تھی۔

ریان نے صوفے پکڑ کر لاؤنج میں چلنا شروع کر دیا تھا' عنایہ بھی لاؤنج سے بکھری چیزیں سمیٹوانے لگی' پھر اس نے علینہ کے ساتھ مل کر کھانا لگوایا کیونکہ عنایہ کو گھر جانا تھا' ریان کی برتھ ڈے سنڈے کو تھی۔ صرف ایک ہفتہ باقی تھا' احد نے ہوٹل میں ہی فنکشن ارینج کیا تھا' حالانکہ احمد منع بھی کر رہا تھا کہ اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کریں گے برتھ ڈے کا فنکشن وہ تو حسنہ نے کہا کہ ان کا پہلا پوتا ہے دھوم دھام سے برتھ ڈے اور عقیقہ ساتھ ہی کریں گے۔

کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ محریب کی آمد ہوئی' عنایہ تو جھجک سی گئی' لیمن کلر کے پرنٹڈ کاٹن کے لباس میں اپنے سادہ سراپے سمیت وہ اسے دیکھنے پر مجبور کر گئی۔

"میں تو سمجھا کہ تم نہیں آؤ گے"۔ احد نے شرارت سے کہا۔ وہ جھینپا ہوا ہال کمرے میں ہی ان سب کے درمیان بیٹھ گیا مگر چہرہ عنایہ کی جانب سے سپاٹ بنالیا۔

"محریب! گھر میں تو سب ٹھیک ہیں؟" حسنہ نے پوچھا۔

"الحمدللہ! سب ٹھیک ہیں' مگر دادی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کل بھی ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا"۔ اس نے گویا عنایہ کو ہی جتایا۔

"اماں جی کو ہر وقت جواد بھائی کی اور بچوں کی فکر رہتی ہے' جب سے وہ گھر سے گئے ہیں"۔ حسنہ تاسف سے گویا ہوئیں۔ محریب سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا' پھپھا جان سے کچھ دیر علیک سلیک کرنے کے بعد اسے احد نے گھیر لیا۔

"اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم نے اس وجہ سے بلایا ہے تو کبھی نہیں آتا"۔ اشارہ عنایہ کی جانب تھا جو اٹھ کر اندر چلی گئی تھی' اسے جانے کی جلدی تھی۔

"میں نے سوچا کہ ثواب حاصل کر لوں' کافی دنوں سے دیدار سے محروم ہو"۔

"فضول بکواس نہیں کیا کرو"۔ وہ جھینپ گیا۔

"احد بھائی! عنایہ باجی کہہ رہی ہیں کہ انہیں جلدی گھر چھوڑ آئیں' گھر سے وشہ کا فون آ گیا ہے"۔ علینہ اسے کہتے اندر آئی تھی۔

"اس سے کہو کہ تیار ہو کے باہر آئے"۔ احد نے ہانک لگائی۔

"سنو! تم اسے گھر چھوڑ کے آؤ' کیونکہ بہت ڈری ہوئی ہے تمہارے اس دن کے رُوڈ رویئے کی وجہ سے"۔

"میں نے کوئی ایسا رویہ نہیں رکھا تھا جو اصل بات تھی بیان کی تھی"۔ وہ تنک گیا۔

"یار! تم اس کی بات بھی تو سمجھو"۔ احد نے سر پیٹ لیا۔

"میں سمجھتا ہوں جو وہ چاہ رہی ہے لیکن احد! دادی جان اتنا انتظار تو نہیں کریں گی' ذرا سی طبیعت بگڑتی ہے مایوسی کی باتیں کرتی ہیں"۔ وہ رنجور اور دل گرفتہ بھی ہو رہا تھا۔

"جو بھی ہو تم نے عقل مندی سے یہ سب کرنا ہے' دیکھو عنایہ بہت صلح جو لڑکی ہے' جیسا تو ٹھنڈے مزاج کا ہے ویسی ہی وہ ہے' عام لڑکیوں کی طرح ذرا نخرہ نہیں ہے' شکر کرو جو اتنی اچھی لڑکی تجھے مل رہی ہے"۔ احد نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر گویا احساس دلایا تھا۔ اتنے میں وہ سر پر قرینے سے دوپٹہ اوڑھ کے چلی آئی تھی' محریب کو دیکھ کر نروس سی ہونے لگی۔

"سنو! موقع مل رہا ہے چھوڑ کے آ تو اسے"۔

"کیا میں......" وہ گھبرا گیا۔

احد نے اس کی بالکل نہ سنی' عنایہ کی بھی دھڑکن تیز ہو گئی' آج دوسری بار وہ اور محریب اتنے قریب تھے' مسلسل خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی' محریب بے گانگی رکھے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا' دل کی ہر دھڑکن عنایہ کو پکار رہی تھی جو اس کے اتنے پاس تھی کہ وہ محسوس کر سکتا تھا۔

............☆............

تمام سفر خاموشی کی نذر رہا تھا' دونوں میں سے کسی نے بھی بات نہ کی تھی' گاڑی خوبصورت سے بنگلے کے آگے رُکی تو عنایہ چونک گئی' گھر آ چکا تھا محریب فان کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس اتنا وجیہہ و شکیل اور سنجیدہ تھا کہ ایک نگاہ ضرور ڈال کر رہ گئی تھی' یہ کیا وہ بھی ڈرائیونگ ڈور سے نکلا اور گاڑی لاک کی اور آگے آ گیا' آج وہ کتنے عرصے بعد اندر قدم رکھ رہا تھا' بیل پر ہاتھ اسی نے رکھا تھا' رات کے دس بج چکے تھے' گیٹ معارج نے کھولا تھا۔

"السلام علیکم! آپ......" وہ خوشی سے بولا اور فوراً بغلگیر ہو گیا' عنایہ تو فوراً ہی اندر آ گئی' اسے امی سے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ محریب سے کیسے انداز میں ملیں۔

"ارے محریب بیٹا! کیسے ہو؟" جواد احمد تو حیرت زدہ ہی رہ گئے' وشہ بھی آ گئی تھی' محریب کو ڈائننگ روم سے ملحق لاؤنج میں ہی بٹھا دیا گیا تھا' سمیرا بیگم کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر چہل قدمی کر کے وہ پورچ سے اندر آ گئی تھیں' ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات واضح موجود تھے۔

"تم تو حسنہ کے گئی تھیں"۔ سمیرا بیگم کے لہجے میں طنز اور ناگواری چھلکی۔

"چچی جان! میں پھپھو کے گھر گیا تھا' میں نے سوچا کہ میں ڈراپ کر دیتا ہوں عنایہ کو"۔ محریب کو ان کا انداز چبھا۔ عنایہ تو لب کچل رہی تھی' وہ محریب کی بھی بے عزتی نہیں چاہتی تھی کہ سمیرا بیگم کریں۔

"چلو اچھا کیا بیٹا! تم اس بہانے آ تو گئے"۔ جواد احمد کو زیادہ خوشی ہو رہی تھی۔

"اور سمیرا چچی! آپ کیسی ہیں؟" اس نے فارمیلٹی نبھائی۔

"کیوں تم بھی پوچھنے آئے ہو؟" ایک تیر ہی پھینکا۔

"سمیرا! لہجے کو درست رکھو"۔

"کیوں میرا لہجہ ایسا کون سا بُرا ہے جو درست رکھوں"۔ وہ کلس کے گویا ہوئیں۔ محریب پہلو بدل کر ہی رہ گیا' وشہ لوازمات سے پُر ٹرے لے کے آئی تھی' وہ بھی تاسف بھری سانس بھر کے رہ گئی۔

"ارے چاچو! ایسی کوئی بات نہیں ہے' سمیرا چچی نے ٹھیک انداز میں پوچھا ہے"۔ اس نے ہی بات برابر کرنی چاہی۔ سمیرا کچھ خجل سی ہو گئیں کیونکہ محریب کی فراخ پیشانی پر ایک بل بھی نہیں آیا تھا۔

"ہر بات کی حد ہوتی ہے"۔

"ارے چاچو! آپ کیوں اتنا غصہ ہو رہے ہیں"۔ محریب انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کے قریب ہی بیٹھا تھا' وشہ نے لوازمات ٹیبل پر رکھنے شروع کر دیئے تھے' عنایہ کمرے سے باہر کھڑی لب کچلتی ہوئی سن رہی تھی' وہ محریب کے اتنے صلح جو انداز پر متحیر زدہ بھی رہ گئی تھی' اس نے ذرا بھی امی کی بات کا بُرا نہیں منایا تھا۔

"ایک تو بیٹا! تم کتنے دنوں بعد آئے ہو' مجھے شرمندگی ہو رہی ہے"۔ ندامت میں گھرنے لگے' سمیرا نخوت زدہ انداز میں انہیں دیکھتی ہوئی چلی گئی تھیں۔

"کوئی بات نہیں' مجھے کچھ بھی بُرا نہیں لگا ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"محریب بھائی! شروع کریں"۔ وشہ نے کسٹرڈ ایک پیالی میں نکال کر دیا' جو اس نے معارج کے کہنے پر آج بنایا تھا۔

"اس وقت گنجائش تو نہیں ہے' لیکن تم اتنے پیار سے لائی ہو اس لئے تھوڑا چکھ لیتا ہوں"۔ اس نے وشہ کے ہاتھ سے پیالی لی تھی۔ معارج بھی آ گیا تھا' وہ اس سے پڑھائی کے متعلق بات کرنے لگا تھا۔ اتنے میں عنایہ چائے بنا کے لے آئی تھی' محریب نے اچٹتی نگاہ ڈالی تھی' وہ سینٹرل ٹیبل پر ٹرے رکھ چکی تھی۔

"میں آنے کا بھی سوچ رہا تھا' آج کل ذرا آفس کی مصروفیت بھی بہت ہے"۔

جواد احمد نے بتایا انہوں نے لیدر فیکٹری دو سال پہلے ہی شروع کی تھی' اب انہیں کافی ترقی بھی ملی تھی کہ ان کے حالات اور نکھر گئے تھے۔

"آپ کو دادی جان بہت یاد کر رہی تھیں"۔ وہ چائے کے سپ لینے لگا۔ عنایہ اس کا کپ رکھ کر چلی گئی تھی' اس کا دل عجیب گھبراہٹ کا شکار تھا' اسے یہ ڈر بھی ہو رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ دادی جان کی طبیعت بگڑ گئی تو محریب پھر تو اسے بالکل ہی معاف نہیں کرے گا' وہ فوراً ہی عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی' اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب محریب گیا' کافی دیر تک پنج سورہ اور دیگر سورتیں پڑھتی رہی تھی' وہ تو وشہ اندر آئی تو پتہ چلا کہ محریب کافی دیر تک ابو سے باتوں میں مصروف رہے تھے لیکن اس نے یہ نہیں پوچھا کہ باتیں کون سی تھیں لیکن اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ موضوع وہی دونوں ہی ہوں گے۔

............☆............

احد کے بیٹے کی برتھ ڈے اور عقیقہ تھا اس لئے وشہ کو تو سب سے ملنے کی زیادہ خوشی تھی' شامین نے تو عنایہ' وشہ اور یمنٰی کو پہلے ہی بلا لیا تھا کیونکہ یہاں پر صرف علینہ تھی اس لئے سب مل کر محفل سجائے ہوئے تھے' فائق اور مائز بھی وہیں تھے تو اور محفل زعفران زار تھی۔

"سن مائز! آج ابھی تک لڑائی نہیں ہوئی وشہ سے؟" اس نے مائز کے کان میں سرگوشی کی۔

"دیکھو! ابھی سلگاتا ہوں"۔ مائز کی پُرشوخ نگاہیں وشہ کا طواف کرنے لگیں جو شاکنگ کھدر کے سوٹ میں اپنے شولڈر کٹ بالوں کو کیچر میں مقید کئے علینہ اور یمنٰی سے باتوں میں لگی ہوئی تھی۔

''تمہیں یہاں پھپھو اور بھابی نے ماڈلنگ کروانے کے لئے نہیں بلایا ہے بلکہ ہاتھ پیر چلانے کو بلایا ہے''۔ اس نے دشہ کے سر پر جا کر دھاوا ہی بولا' وہ دانت پیس کے مائز کو ناگواری سے دیکھنے لگی۔

''دیکھیے! یہاں میں آپ کے منہ لگنے نہیں آئی ہوں''۔ دشہ کے تو سر پر جا لگی۔

''کیوں ارادہ پہلے یہی تھا''۔ لہجہ معنی خیز اور شوخ ہو گیا۔

''پھپھو' پھپھو!'' دشہ نے حسنہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ حسنہ تو گھبرائی ہوئی چلی آئی تھیں کیونکہ سب ہی حیرانگی سے اسے چیختا ہوا دیکھنے لگے تھے۔

''آہستہ بولو''۔ مائز گڑبڑا ہی گیا۔

''کیا ہو گیا شروع ہو گئی لڑائی''۔

''پھپھو! انہیں سمجھالیں''۔ وہ منہ ہی بسورنے لگی۔

''دشہ! ذرا آواز کو آہستہ رکھو کیا شور مچانے لگی ہو''۔ عنایہ کو بھی ناگوار گزرا تھا۔

''آپی! انہیں بھی تو دیکھیں''۔

''بھابھو تو مجھے دیکھتی ہی رہتی ہیں لگتا ہے تم نے دیکھنا چھوڑ دیا ہے''۔ لہجہ شرارتی اور ذومعنی تھا' فائق دبی دبی ہنسی ہنس رہا تھا۔

''میں نے جوکروں کو دیکھنا چھوڑ دیا ہے''۔ نخوت سے منہ بنا کر بولی تھی۔

''بس کرو دشہ! مائز بھائی تو تمہیں مذاق میں کہہ رہے ہیں''۔ علینہ نے فوراً سائیڈ لی۔

''میں کوئی مذاق میں نہیں کہتا' ہر بات سیریس کہتا ہوں''۔ جھٹ نفی کی۔

''مائز! چپ کر جاؤ''۔ پھپھو بے زاری ہو گئیں تو اسے سرزنش کی۔

احد آیا تو مائز کو چپ کرایا کیونکہ دشہ تو تن فن ہو رہی تھی' عنایہ نے اسے بھی ڈانٹ کے بٹھا دیا تھا۔

عنایہ سب کے لئے ہی چائے بنا کے لائی تھی سارے پورے ہال میں پھیلے بیٹھے تھے ایسے میں پھر محریب کی بھی آمد ہو گئی کیونکہ احد نے اسے دھمکیوں کے بعد بلایا تھا۔

''عنایہ! ایک کپ اسپیشل سی چائے محریب کے لئے بھی لاؤ''۔ احد نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے محریب کو دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ بڑے صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنی توجہ ریان پر جما دی جو اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔

''بھابھو! پیار سے لائیے گا''۔ پیچھے سے مائز نے بھی ہانک لگائی۔ شامین کو ہنسی آ گئی وہ بھی کچن میں ہی چلی آئی تھی' عنایہ نے چائے کا پانی چڑھا دیا تھا مگر وہ سوچوں میں بھی گم تھی۔

''عنایہ! اگر تم چاہو تو محریب بھائی سے بات کروا دوں تمہاری؟''

''نہیں مجھے اب ان سے کوئی بات نہیں کرنی ہے' میں چاہتی ہوں کہ جو تھوڑا بہت بھرم ہے وہ تو رہے' خوامخواہ گھر کے بڑوں کو خبر ہو گئی تو شرمندگی الگ ہو گی''۔ وہ کپ کاؤنٹر پر رکھنے لگی' شامین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چیئر پر بٹھا دیا۔

''تمہیں محریب بھائی کا سرد رویہ دُکھ دے رہا ہے نا؟''

''بھابی! دکھ کی کیا بات کروں' مجھے تو یہ دکھ ہوتا ہے کہ ہم سب لوگ سب سے الگ ہیں' صرف امی کی وجہ سے''۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''اب کیا کر سکتے ہیں' امی کو جانے کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم سب ان سے خوش نہیں ہیں''۔ شامین نے بھی تاسف کا اظہار کیا۔

''کیا بات ہے بھئی' ایک کپ چائے میں کتنی دیر لگتی ہے''۔ احد نے اندر قدم رکھا تو دونوں ہی گڑبڑا گئیں' عنایہ نے پشت پھیر کر اپنے آنسو صاف کیے' احد نے اشاروں میں شامین سے پوچھا۔

''چائے تیار ہے؟'' شامین نے کہا۔ عنایہ ان دونوں کے درمیان سے نکل کر باہر چلی گئی کیونکہ اپنے تاثرات اس وقت کنٹرول کرنا مشکل ہی لگ رہا تھا۔

''محریب بھائی کی وجہ سے پریشان ہو رہی تھی''۔ شامین بولی۔

''ارے اس سے کہو فکر نہیں کرے' محریب ٹھیک ہے بس کچھ غصہ اور ناراضی ہے جو صرف اپنوں کو ہی دکھاتا ہے''۔ وہ شامین کو چائے نکالتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''وہ بہت حساس ہو رہی ہے''۔

''تم اسے اطمینان دلاؤ کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں محریب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس مزاج کا ہے' نہ وہ غصہ کرتا ہے اور نہ ہی دکھاتا ہے' ہاں البتہ نانی جان کے معاملے میں وہ اس بار زیادہ تلخی ہو رہا ہے''۔ اس نے ٹرے ہاتھ میں تھامی' دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے ہال میں آ گئے جہاں مائز اور دشہ کی محاذ آرائی جاری تھی۔

''مائز یار! چپ کر جاؤ''۔ محریب نے اسے اشاروں سے منع بھی کیا۔

''محریب بھائی! میں محض ان کی وجہ سے دادی جان کے گھر نہیں آتی ہوں''۔ وہ لمبے لمبے سانس لے کے گویا ہوئی۔

''وہاں کون سا کوئی تمہارے لئے مرا جا رہا ہے' نہیں آتی ہو تو نہ آؤ' ایک دن تو آنا ہی پڑے گا''۔ وہ عام سے لہجے میں بولتا ذومعنی انداز میں بولا تھا۔ فائق اس کی معنی خیزیاں سب سمجھتا تھا' وہ مسلسل ہنس ہی رہا تھا۔ احد نے محریب کو باہر لان میں بلایا' دونوں کین کی چیئر پر بیٹھ گئے تھے' اندر وہ سب اپنی اپنی خوش گپیوں میں لگے تھے' اس وقت رافع نہیں تھا ورنہ وہ اچھا خاصا فائز کو تپا ہی دیتا تھا۔

............☆............

''تم اپنے بکھیڑوں کو آج جلدی نمٹا دینا' حسنہ کے پوتے کی برتھ ڈے کا فنکشن ہے''۔ وہ انہیں گویا حکم دینے کے ساتھ یاد دلا رہے تھے۔ معارج سر جھکائے ناشتہ کر رہا تھا اس نے چونک کر سمیرا بیگم کے تاثرات دیکھے جو خاصے ناگواری لئے ہوئے تھے۔

''میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے''۔

''ضروری نہیں ہے لیکن جانا ضرور ہے' ایک ایک شخص تمہیں پوچھتا ہے''۔ جواد احمد نے ان کے چہرے کو دیکھا جو کاٹن کے زرد لباس میں اتنا اکڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں کہ انہیں کوفت ہی ہوتی تھی۔

''اب تمہارے گھر والوں کو کیا فکر رہتی ہے جو پوچھتے ہیں' نکالا بھی انہوں نے ہی تھا''۔

''انہوں نے نہیں نکالا تھا بلکہ میں تمہیں وہاں سے نکال کر لایا ہوں' سوائے تم مجھے ٹینشن دینے کے کرتی کیا تھیں''۔ وہ تیز لہجے میں بولے۔

''سب سے بڑی ٹینشن تمہاری ماں ہے''۔

''خبردار جو تم نے میری ماں کو کچھ بولا تو''۔ وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر غضبناک انداز میں دھاڑے تھے۔

''یہ جو تم آج یہاں نظر آ رہی ہو میری ماں کی بدولت نظر آ رہی ہو''۔

''پلیز ابو!'' معارج کھسیا کر کھڑا ہو گیا۔

''ذرا لحاظ نہیں کرتے ہو اولاد جوان ہے میری تضحیک کرتے رہتے ہو''۔ وہ جلبلانے کے ساتھ روہانسی بھی ہو گئیں۔

''امی' ابو آپ کا ہر طرح سے لحاظ کرتے ہیں لیکن آپ کبھی بھی دادی جان کا لحاظ نہیں کرتی ہیں' انہیں بُرا بھلا کہتی رہتی ہیں''۔

''تم چپ کرو' تینوں اپنے باپ کے حمایتی بن جاتے ہو''۔ وہ تو تنک گئیں۔

''تم نے سوائے بچوں کو جھڑکنے کے دیا کیا ہے''۔ جواد احمد چیئر گھسیٹ کے کھڑے ہو گئے' معارج تاسف سے سر ہلا کر کمرے سے ہی نکل گیا' آج تو ویسے ہی چھٹی تھی اس کا ارادہ بھی حسنہ پھپھو کی طرف جانے کا تھا۔

''میرے بچوں کے سامنے مجھے جھڑکتے ہو''۔

''تمہارے جواب میں جھڑکتا ہوں' کبھی تم سیدھے منہ بات کرتی ہو' مجھے یہ بتا دو تمہیں اپنی جوان بیٹی کی فکر ہے کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے اسے اس کے گھر کا کرو''۔ وہ اپنی لال انگارہ آنکھوں سے انہیں گھور رہے تھے۔

''مجھے اپنی بیٹی بھاری نہیں ہے''۔ وہ جیسے لاجواب ہی ہو گئی تھیں۔

''تم صرف اپنے متعلق سوچتی ہو' اپنی ایک دنیا بنا لی ہے' نہ دین کی فکر ہے نہ عمر کا لحاظ ہے''۔

''کیوں کیا ہو گیا ہے میری عمر کو' تم سے دس سال چھوٹی ہی لگتی ہوں' ابھی تک میں نے اپنا خیال رکھا ہوا ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے''۔ وہ تفاخر زدہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''اعتراض مجھے نہیں لوگوں کو ہے کہ ماں کو دیکھو بیٹیوں کے آگے بھی جوان بننے کی فکر رہتی ہے' سمیرا! ہوش کرو سوچو ہماری بیٹیاں جوان ہیں''۔

''تم ہو نہ سوچنے والے' سوچو مگر یہ بات یاد رکھنا عنایہ کی شادی میں کسی صورت بھی تمہارے بھتیجے سے نہیں ہونے دوں گی''۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''لیکن تم بھی یاد رکھنا' عنایہ کی شادی ہو گی تو محریب سے ہی ہو گی''۔

''میں قیامت تک نہیں ہونے دوں گی''۔ ضدی تو وہ شروع سے ہی تھیں' جب ہی تو سسرال والوں سے انہوں نے آج تک بنا کے ہی نہ رکھی تھی۔

''سن لو تم کان کھول کر وشہ کی بھی میں دیکھنا اپنے ہی کسی بھتیجے سے کروں گا''۔

''کیا دشہ کی' نہیں جواد احمد! تم ایسا نہیں کر سکتے ہو' اپنی بیٹیوں کو میں تمہارے بیک ورڈ گھرانے میں تو کسی طور پر جانے نہیں دوں گی''۔

''ابھی تو تم اس بحث کو چھوڑ دو لیکن آج کے لئے تیار رہنا ورنہ سوچ لو نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں''۔ وہ رعونت بھرے لہجے میں دھمکی دیتے ہوئے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے تھے' سمیرا بیگم تو تلملا کے ہی رہ گئی تھیں۔

معارج ان دونوں کی ساری باتیں سن چکا تھا اسے بھی اپنی ماں کی سوچوں اور ضد پر افسوس ہوتا تھا' بچپن سے ہی اس نے اپنی ماں کو دور ہی دیکھا تھا نہ کبھی وہ پاس بٹھا کر پیار کرتی تھیں اور نہ ہی کبھی ان کی باتوں سے دلچسپی رکھتی تھیں' شروع سے اس نے انہیں سجا سنورا اور فیشن زدہ ہی دیکھا تھا۔ ماں کے مقابلے میں اس کی دونوں بہنیں اتنی سادہ تھیں' عنایہ تو نماز کی اتنی پابند تھی کہ کبھی کوئی نماز قضا نہ کرتی تھی اور یہ اس کی ماں جس کو اس نے صرف جمعہ کی ہی نماز پڑھتے دیکھا تھا ہر وقت اپنی دنیا میں مگن ہی دیکھا تھا' جہاں سے نت نئے چہرے روغن زدہ ہی نکلتے تھے' اسے

بناوٹ زدہ زندگی سے الرجک تھی۔

............☆............

سارے لوگ ہی لان میں چلے گئے تھے' عنایہ کا دل ہی نہیں لگ رہا تھا' شاکنگ پنک جارجٹ کے وائٹ ستارے موتی سے مزین لباس میں اپنے دراز بالوں کی چوٹی بنائے وہ اپنے سادہ سے سراپے کے ساتھ گم صم سی چیئر پر بیٹھی تھی' مہمان بھی آنا شروع ہو گئے تھے لیکن اس کی منتظر نگاہیں اپنی ماں کے لئے تھیں کہ وہ آج بھی آتی ہیں یا نہیں' دادی جان صوفے پر بیٹھی تھیں' حالانکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی' مگر ماحول بدلنے کے لئے سب ہی انہیں یہاں لے آئے تھے۔

''کیا بات ہے اتنی افسردہ سی کیوں لگ رہی ہو؟'' ندرت نے جانچتی اور پرتشویش نگاہوں سے اس کے ملکوتی حسن کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔

''افسردہ تو نہیں ہوں''۔ وہ مسکرائی۔

''ایک تو تم مسکراتی بھی بہت سوچ سمجھ کے ہی ہو''۔ ندرت نے اپنی جھلملاتی پنک ساڑھی کا آنچل ہاتھ پر سمیٹا۔

''خیر ایسی بھی بات نہیں ہے''۔ وہ جھینپ گئی۔

''عنایہ! اگر آج تھوڑا سا میک اپ کر لیتیں تو آج تو سمجھو محریب گیا تھا کام سے''۔ انہوں نے معنی خیزی سے چھیڑا۔

''میک اپ مجھے پسند نہیں ہے''۔ محریب کے نام پر دل بھی دھڑکا تھا۔ اسی وقت محریب کی گہری نگاہوں نے اسے دیکھا جو اتنے سادہ سراپے میں پروقار اور منفرد لگ رہی تھی کہ وہ ایک ٹک دیکھے ہی گیا' وہ ندرت سے بات کرتی ہوئی اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ وہ اطراف کے منظر سے بے گانہ ہی ہو گیا۔

''عنایہ! دیکھو محریب دیکھ رہا ہے تمہیں''۔ ندرت' محریب سے دو سال چھوٹی تھی اس لیے اس کا نام ہی لیتی تھی۔ اسی وقت عنایہ نے بھی نگاہ ترچھی کی' وہ سامنے کی طرف ٹیبل پر پستئی کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس اسی کی جانب متوجہ تھا۔ عنایہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا' دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا' وہ جھینپ کر دوسری جانب دیکھنے لگی اسی وقت محریب نے بھی نگاہوں کا رُخ بدلا تھا۔

''عنایہ! سمیرا چچی آ رہی ہیں''۔ ندرت نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس نے جھٹ مین گیٹ کی جانب دیکھا جو ڈارک پرپل فل گولڈن ستارے اور کندن کے کام کی ساڑھی میں حسب معمول میک اپ سے مزین سراپے کے ساتھ بڑے پُر اعتماد انداز میں چلی آ رہی تھیں' عنایہ کی نگاہ شرمندگی کی وجہ سے جھک سی گئی۔

''السلام علیکم!'' ندرت نے انہیں سلام کیا۔ عنایہ تو انہیں دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھی' وہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے آگے بڑھنے لگی تھیں۔

''آؤ عنایہ!'' ندرت نے اس کی سوچوں کا رخ موڑا۔

''آتی ہوں''۔ وہ مرے مرے قدموں سے روش پر چلنے لگی تھی۔

سمیرا بیگم سب سے ہی مل رہی تھیں اگر نہ ملیں تو وہ اپنی بڑی جیٹھانی اور چھوٹی جیٹھانی سے' دادی جان سے تو وہ بات کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

''دیکھا اپنی ماں کو ذرا خیال نہیں کر رہی ہے کہ اس محفل میں سب ہی نوٹ کر رہے ہیں''۔ جواد احمد کے لہجے میں تاسف اور غصہ دونوں ہی تھا۔

مجھے پتہ نہیں کتنا شرمندہ کروائے گی"۔

"ابو! آپ پلیز اتنا غصہ نہ کریں"۔ اس نے دبے دبے لہجے میں گویا چپ کرایا۔ کچھ ہی دیر میں ریان کو گود میں اٹھائے اسٹیج کی جانب احد اور شامین بڑھ رہے تھے' عنایہ کا فنکشن میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا' وشہ تو علینہ اور یمنیٰ کے ساتھ خوب انجوائے کر رہی تھی اور وہ آنکھوں میں نمی لیے دادی جان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی' اسے سمیرا بیگم کا رویہ شرمندہ کر رہا تھا' بڑی امی اور تائی امی نے خود ہی ملنے میں پہل کی تھی مگر سمیرا بیگم کے انداز میں نخوت اور ناگواری سب ہی پنہاں تھی۔

............☆............

رات کو سب اتنی دیر سے آئے تھے تو صبح دیر سے ہی سب کی آنکھ کھلی تھی' فائق اور مائز کی بھی یونیورسٹی کی چھٹی ہو گئی تھی' محریب صبح ہی اٹھتا تھا' وہ تو ناشتہ کے بعد آفس چلا گیا' یمنیٰ کالج نہیں گئی تھی' رافع البتہ اسکول گیا تھا' پورا دن مائز نے تو سو کر گزارا تھا' فائق کسی دوست کی طرف نکل گیا تھا پھر وہ مغرب کے بعد ہی گھر آیا تھا۔

"تم سارا دن کہاں رہے؟" ناظمہ نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

"ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا"۔ وہ لاؤنج میں بڑے صوفے پر لیٹ گیا' محریب اور ریحان احمد دونوں وہیں چلے آئے' دونوں ہی لگتا تھا کسی گہری سوچ میں تھے' فائق اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ابو! وہ لڑکی بہت چھوٹی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی لڑکی ہم اپنے آفس میں رکھیں"۔ محریب گویا ہوا۔

"لیکن بیٹا! تم یہ بھی تو دیکھو اس کا باپ بھی نہیں ہے اور دو بہن بھائی چھوٹے ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ ہم اسے کمپیوٹر کے پورشن میں رکھ لیتے ہیں"۔

"ابو! آپ یہ دیکھیے وہ چھوٹی کتنی ہے' ہماری یمنیٰ اور وشہ کی عمر کی ہے"۔ محریب ان کی بات مان ہی نہیں رہا تھا۔ فائق ان دونوں کی بحث حیرانگی سے سن رہا تھا۔

"مجبور اور پریشان لڑکی ہے"۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن ابو! وہ بہت چھوٹی ہے اور پھر ہمارا پورا اسٹاف میل ہی ہے' میں اسے وہاں نہیں رکھ سکتا"۔ وہ ویسے بھی اس لڑکی کو ایسے ماحول میں نہیں رکھنا چاہ رہا تھا جہاں مرد صنف نازک کو گھور گھور کر دیکھیں۔

"تم ایسا کرو ابھی تو اسے یہ کہو کہ ہم اسے کال کر لیں گے"۔ ریحان احمد گویا ہوئے جیسے کسی بھی فیصلہ پر پہنچنے سے محریب کو روکا۔

"ہم یہ کر سکتے ہیں کہ انیکسی میں اسے کہہ دیتے ہیں رہنے آ جائے"۔

"ابھی ہم جاب بھی نہیں دے رہے انیکسی میں کیسے رکھ سکتے ہیں"۔ ریحان احمد کو اس کی یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"ابو! ہم فی الحال یہ کر سکتے ہیں کہ اسے رہنے کے لئے کہہ دیتے ہیں' بہت پریشان بھی تھی' میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنی ماں اور بہن بھائی کو لے کر در در بھٹکے"۔ محریب کو اس لڑکی کی معصومیت نے بھی متاثر کیا تھا' پھر تھی بھی کچھ ڈری سہمی سی' وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس لڑکی کی سادگی و معصومیت سے کوئی بھی فائدہ اٹھائے فائق وہاں سے اٹھ کر چلا گیا کیونکہ کسی لڑکی کا ذکر اکتاہٹ میں مبتلا کر گیا تھا۔

"کون لڑکی ہے وہ؟" نزہت تو کب سے سن رہی تھیں وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"ہے ایک مجبور و بے کس سی لڑکی"۔ محریب مسکرایا۔

"کہیں تم کسی لڑکی کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے ہو"۔ ان کے ماتھے پر تفکر کے جال بچھ گئے' محریب کو ہنسی آ گئی۔

"ارے تم بھی حد کرتی ہو' تمہارا بیٹا ایسا نہیں ہے کہ وہ ایسی حرکتوں میں پڑے' البتہ آپ کے دوسرے صاحبزادے سے سب توقع ہے"۔ ریحان احمد کی تنقیدی نگاہ مائز پر اٹھی جو ان لوگوں کو دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

"ابو کو ہمیشہ مجھ پر شک ہی رہتا ہے"۔ وہ بُرا ماننے کے ساتھ خفگی بھی دکھانے لگا' محریب مسکرایا۔

"صاحبزادے! میں آپ کی ہر سرگرمی سے واقف ہوں"۔

"ابو! خدا کو مانیے' میں ایسا ویسا بالکل نہیں ہوں"۔ وہ گویا یقین دلانے لگا۔

"ایسا ویسا ہونا بھی نہیں چاہیے ورنہ تم جانتے ہی ہو"۔ انہوں نے جتایا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں' دنیا میں دو ہٹلر آئے ایک وہ جو کبھی ہنسا نہیں دوسرے آپ"۔

"مائز! تمیز سے کس کو کہہ رہے ہو"۔ نزہت نے اسے سرزنش کی۔ ریحان احمد نے جیسے سنا نہیں تھا' وہ اپنا موبائل چیک کرنے لگے جہاں کال آ گئی تھی' مائز کی بچت ہو گئی۔

"یار مائز! کبھی تو ابو کو بخش دیا کرو"۔

"بھائی جان! آپ یہ بھی تو دیکھیے ابو کو مجھ پر اتنا شک ہے کہ کیا بتاؤں' اگر میں لڑکی ہوتا تو شاید مجھے گھر سے ہی نکلنے نہ دیتے"۔ وہ بولا۔

"تمہاری شرارتوں سے وہ خائف رہتے ہیں"۔

"دیکھیے گا ایک دن یہ شرارتیں اور بڑھ جائیں گی جب میں چاچو بنوں گا"۔ اس نے شرارت سے کہا۔ نزہت نے ہنس کر اس کے سر پر چپت لگائی' محریب نے اپنی ہنسی روکی' اکثر وہ ہر بات یوں ہی بے باکی سے بول دیتا تھا۔

"پتہ نہیں میری بھابھو ظالم جادوگرنی کی قید سے کب آزاد ہوں گی"۔

"مائز! کیا بکواس کرتے رہتے ہو' ذرا بڑے چھوٹے کا لحاظ نہیں ہے"۔ نزہت کو اس کی یہی باتیں اور غصہ دلا دیتی تھیں۔

"سوری امی!" جھٹ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ کچھ زیادہ ہی بول دیا ہے' محریب سر ہلا کر رہ گیا۔

"امی! آپ ذرا انیکسی کی جھاڑ پونچھ کروا دیجیے گا"۔ محریب کو یکدم ہی خیال آیا۔

"خیریت' انیکسی میں کون آ رہا ہے؟" مائز کو اچنبھا ہوا۔

"آ رہا ہے کوئی' ہر بات تمہیں بتانا ضروری ہے کیا"۔ محریب نے کہا۔

"پھر بھی بتائیے تو"۔ اسے تو ویسے ہی ہر بات کا تجسس رہتا تھا۔

"جو کوئی بھی آئے گا دیکھ لینا"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ مائز بھی نزہت کے پیچھے پڑ گیا کہ کون آ رہا ہے' انہیں خود نہیں پتہ تھا اس لئے اسے ٹال دیا۔

............☆............

"اب کب کا کہا ہے؟" مبینہ نے اس سے پوچھا۔ جو سوچوں میں گم تھی ایک ہفتے سے وہ "احمد اینڈ کو" کے چکر ہی لگا رہی تھی مگر اسے آثار نظر آ رہے تھے کہ جاب نہیں ملے گی۔

"کہہ رہے تھے کہ ہم خود انفارم کر دیں گے"۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"بیٹا! یہاں سے تو ہمیں جانے میں دن بھی کم رہ گئے ہیں' مالک مکان نے صرف ایک ہفتے کا ٹائم دیا ہے کہ گھر خالی کر دیں"۔

''آپ دعا کریں' کہیں تو ملے گا ٹھکانہ بھی''۔ تہذیب نے سرد سی سانس کھینچی۔

''آپی! میرے اسکول کی فیس بھی جمع نہیں ہوئی ہے''۔ حمزہ نے خاصے مغموم اور فکر مند انداز میں کہا۔

''چھوڑ دیہ پڑھائی وڑھائی' کیا کیا کرے گی یہ نوکری کا پتہ نہیں ہے مکان بھی ہمیں خالی کرنا ہے''۔ ان کے لہجے میں دکھ ومحرومی اتنی تھی کہ تہذیب نے افسردگی سے انہیں دیکھا۔

''امی! پڑھائی چھوڑنے سے کیا مجھے نوکری مل جائے گی' وہ اپنے وقت پر ہی ملے گی' حمزہ تم فکر نہ کرو تمہاری فیس کا بندوبست ہو جائے گا''۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو پیار سے تسلی دی۔

''آپی! میرا یونیفارم بھی خراب ہو رہا ہے''۔ حکمت نے منہ بسور کے کہا۔

''اس کا تم دونوں دماغ خراب کر دینا' ہم پہلے ہی پریشان ہیں اوپر سے تمہاری پڑھائیوں کا بوجھ' کتنے خرچے ہیں کچھ سوچا ہے''۔

''امی! آپ پریشان نہ ہوں' سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ تہذیب ہمیشہ انہیں اطمینان ہی دلاتی تھی۔

وقت سے پہلے ہی اس پر ذمہ داری پڑ گئی تھی' تین سال پہلے باپ کی وفات ہوئی' اس وقت وہ فرسٹ ایئر میں تھی' مشکل سے انٹر پورا کیا' پھر جو کچھ ابو کی جمع پونجی تھی وہ بھی خرچ ہو گئی' ابو کی بیماری کی وجہ سے گھر تک بیچنا پڑا تھا پھر تہذیب نے ایک اسکول میں جاب کی مگر وہاں کی تنخواہ سے بھی گزارہ مشکل ہوتا تھا' سوچا کہ کسی بھی کمپنی میں جاب کرے گی تو کچھ تو تنخواہ بڑھے گی اور گھر کا کرایہ وغیرہ نکل آئے گا' امی لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی تھیں مگر لوگ بھی ایسے تھے کہ ان کی غریبی اور مفلسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کم پیسوں پر سلائی کرواتے تھے' وہ بے چاری نہ ہونے سے ہونا بہتر کی بناء پر مان جاتی تھیں۔

''مجھے کیا خبر تھی کہ تمہارے ابو اتنی جلدی چلے جائیں گے' ابھی تو میرے بچے کسی مقام پر نہیں پہنچے تھے' میری بچی پر اتنی سی عمر میں اتنی ذمہ داریاں پڑ گئی ہیں''۔ وہ تو رونے ہی لگی تھیں' ایسے میں تہذیب کا انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''امی! آپ یہ سب نہ سوچا کریں' اللہ تعالیٰ نے جس کے ذمے جو کام لگایا ہے اسے کرنا ہے یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہے کہ اس نے مجھے اس قابل جانا کہ میں یہ ذمہ داریاں اٹھا سکوں''۔ وہ کبھی بھی مایوسی والی باتیں نہ کرتی تھی۔

''لیکن میرا دل تو دکھتا ہے نا جوان بیٹی کو گھر سے باہر نکلنا پڑ رہا ہے' لوگوں کی نگاہوں سے مجھے ڈر لگتا ہے''۔ وہ بھی روایتی ماؤں کی طرح سوچتی تھیں کہ اپنی بیٹیوں کو زمانے کی غلیظ نظروں سے چھپا کر رکھیں۔

''آپی! دیکھیے گا میں ایک دن جب نوکری کرنے لگوں گا تو آپ کو گھر سے نہیں نکلنے دوں گا''۔ حمزہ پُر عزم اور مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔

''میں چاہتی ہوں تم خوب ڈھیر سارا پڑھو بڑے آدمی بن جاؤ''۔

''آپی! آپ کی شادی بھی تو ہو گی''۔ حمزہ کو خیال آیا۔

''میری تو یہی دعا ہے کہ تمہاری آپی کی جلدی شادی ہو جائے' ارے میں کیسے اپنی بچیوں کو سنبھالوں گی''۔

''امی! آپ ایک دم مایوس ہو جاتی ہیں''۔ تہذیب نے تاسف بھری آواز میں ان کی مایوسی پر کہا۔

''مجھے کیا کچھ نظر نہیں آ رہا ہے' زمانہ کتنا آگے چلا گیا ہے' امیروں کے گھر گھستے ہوئے بھی لوگ نخرے کرتے ہیں ہم تو پھر رہ گئے غریب' کون اس در پر آئے گا' سب سے بڑی ذمہ داری ہو تم''۔

''شادی جب ہونی ہو گی تو وقت پر ہو ہی جائے گی' ابھی مسئلہ جاب کا ہے آپ دعا کریں وہ مل جائے''۔

''جو تھوڑی بہت رقم بچی ہے تمہارے ابو نے کہا تھا کہ تہذیب کی شادی پر لگانا''۔ وہ دکھ سے بولیں۔

مکان بیچنے کے بعد جو ابو کی بیماری سے رقم بچی تھی انہوں نے بینک میں جمع کرا دی تھی کہ یہ تہذیب کی شادی پر کام آ جائے گی' گھر کا گزارہ تو وہ تہذیب کی تنخواہ اور اپنی سلائی سے کر رہی تھیں۔

''آپ ایسا کریں یہ سب باتیں بند کریں بلکہ ختم کریں' حمزہ تم پڑھائی کرو میں تمہاری فیس پرسوں تک جمع کرا دوں گی اور ہاں حکمت تمہارا یونیفارم بھی آ جائے گا' تم دونوں فکر نہیں کرو''۔ اس نے اپنے دونوں چھوٹے بہن بھائی کو پیار سے سمجھایا تھا' مغرب کی اذانیں ہونے والی تھیں تہذیب اور مبینہ نماز کے لیے اٹھ گئی تھیں۔

............☆............

دادی جان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی' گھر میں ایک دم ہی پریشانیاں آ گئی تھیں' دادی جان کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دیا گیا تھا ان کا بی پی ہائی ہو گیا تھا اور ان کے دل پر بھی اٹیک ہوا تھا' سب ہی کے متفکر سے چہرے تھے' رضوان احمد' ریحان احمد اور محریب مستقل ہاسپٹل میں تھے۔ جواد احمد کو جیسے ہی خبر ہوئی تھی وہ بھی اپنے تینوں بچوں کو لے کر پہنچ گئے تھے' ان کے ساتھ معارج ہاسپٹل آ گیا تھا۔ عنایہ اور دشہ کو گھر ڈراپ کر دیا تھا تا کہ ان سب کے ساتھ رہیں۔ ندرت بھی آ گئی تھی' دادی جان کے لئے عنایہ نے تو ''یا سلام''۔ کا ورد پڑھوانا شروع کر دیا۔ اس کے دل پر بوجھ آ گیا تھا جیسے وہ دادی جان کی طبیعت خرابی کی وہی ذمہ دار ہے۔

''بڑی امی! دادی جان کو میرا بھی دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے''۔ اس نے نزہت سے کہا' وہ خاموش سی بیٹھی تھیں۔

''محریب منع کر رہا ہے کہ جب تک اماں جی روم میں شفٹ نہ ہو جائیں کوئی بھی ان سے ملنے نہ جائے''۔ عنایہ دل مسوس کے رہ گئی' محریب سے تو وہ خود آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہی تھی۔

''میرا بہت دل چاہ رہا ہے''۔

''عنایہ! محریب منع کر رہا ہے ورنہ میرا خود ارادہ تھا ہاسپٹل جانے کا''۔ ندرت گویا ہوئی۔

''امی' امی!'' مائز پکارتا ہوا چلا آیا۔

''کیا بات ہے؟'' نزہت ویسے ہی فکر مند سی بیٹھی تھیں۔

''دادی جان کو ہوش آ گیا ہے وہ بھابھو کو یاد کر رہی ہیں''۔ عنایہ چونک سی گئی' اس کے چہرے پر ایک رنگ الگ سا آ گیا تھا' کتنی بے چین اور بے تاب تھی وہ ان سے ملنے کو' فوراً ہی کھڑی ہو گئی مگر سامنے محریب کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹک کے رُک گئی۔

''دادی جان کی ابھی طبیعت مکمل ٹھیک نہیں ہے' عنایہ نہیں جائے گی''۔ وہ نزہت سے ہی گویا ہوا' ڈائریکٹ عنایہ سے بات نہیں کر رہا تھا۔

''بھائی جان! ابو نے کہا ہے کہ میں بھابھو کو ساتھ لے کر ہاسپٹل پہنچوں''۔ مائز نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا جو چہرہ پر اس بلا کی سنجیدگی لئے ہوئے تھا کہ عنایہ لب بھینچ کر رہ گئی' نگاہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''تمہاری بھابھو کے جانے سے کیا دادی کی بیماری ختم ہو جائے گی؟''

''محریب بیٹا! تم کیسی بات کر رہے ہو؟'' نزہت کو حیرانگی ہوئی کہ ان کا ایسا صلح جو بیٹا اور ایسی تلخ اور ناگوار بات کر رہا تھا۔

''امی! میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی بول رہا ہوں' عنائبہ وہاں جائے گی تو دادی جان اور روئیں دھوئیں گی اس سے ان کی طبیعت اور زیادہ خراب ہوگی' کیونکہ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ ان کا پہلے بلڈ پریشر نارمل لانا ہے' کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے جس سے ان کی دماغی حالت پر اثر پڑے''۔ بڑے مدبرانہ انداز میں لہجے کو کچھ نرم بنایا تاکہ امی کچھ اور ہی اخذ نہ کرلیں۔

''بات تو ٹھیک ہے''۔ نزہت نے تائید کی۔ عنائبہ خفیف سی ہو کر رہ گئی' محریب کی گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ بھی لیا جو چند دنوں میں مرجھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

''میں پھر ہاسپٹل جا رہا ہوں''۔ مائز نے اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی' شام کے چھ بج رہے تھے۔ محریب فریش ہونے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا' عنائبہ نے اپنا رُکا ہوا سانس بحال کیا' ندرت نے سارے ایکسپریشن دیکھ لئے تھے۔

''تم محریب کو دیکھ کر اتنا گھبراتی کیوں ہو؟''

''گھبراتی تو نہیں ہوں' البتہ مجھے ہمیشہ یہ ڈر ہی لگا رہتا تھا کہ مجھ سے کوئی غلط حرکت نہ ہو جائے' پھر وہ بعد میں کچھ کہیں''۔ وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''کسی کے متعلق اتنے غلط انداز میں کبھی نہیں سوچنا چاہیے''۔ محریب کو اپنی امی سے کچھ کام یاد آیا تو وہیں ہال کمرے میں چلا آیا تھا' عنائبہ تو گڑبڑا کر رہ گئی' ندرت بھی جز بز سی ہوگئی۔

''ویسے تو خاصی عقلمند اور سمجھدار بنتی ہو لیکن دوسروں کے متعلق اندازے ہمیشہ غلط ہی لگاتی ہو''۔ سنجیدگی سے وہ طنز کر رہا تھا۔

''ارے وہ تو عام سی بات کہہ رہی ہے''۔ ندرت کو اس کا طنز بُرا لگا۔

''لیکن کچھ لوگ عام سی باتیں بھی اتنے عام سے انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ بندہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ یہ بات کہی تو کیوں کہی' کیونکہ بولنے والے کی نظر میں وہ ہوتی تو عام ہیں لیکن دوسرے کے لئے وہ بہت خاص ہوتی ہیں''۔ محریب کے گمبھیر لہجے میں طنز اور ترشی کی آمیزش نمایاں تھی۔

''محریب! تم ہر بات کو ہی خاص بنا دیتے ہو''۔ ندرت کھسیا سی گئی۔ جبکہ عنائبہ شرمندگی اور اہانت میں جتلا نگاہ ہی نیچے کئے رہی کیونکہ وہ کسی کو بھی طنزیہ بات نہیں کہہ سکتی تھی۔

''کیا کروں عام سا بندہ ہوں' سوچتا ہوں کچھ باتوں کو خاص ہی بنا دوں''۔ وہ تمسخر اڑانے لگا۔

''تم سے تو جو بات کرو بندہ لاجواب ہو جائے''۔

''اچھا سب باتوں کو چھوڑو' امی کدھر ہیں میری''۔ تلاش میں نگاہیں کوریڈور سے لے کر ہال کمرے تک دوڑا دی تھیں۔

''فون آیا تھا وہ سننے گئی ہیں''۔

''آپی! یہ عروب کو سنجالئے بہت تنگ کر رہی ہے''۔ یمنیٰ چار سالہ عروب کا ہاتھ تھامے لے آئی تھی۔

''یہ تو ہے ہی ایک نمبر کی شرارتی''۔ ندرت عروب کے ساتھ لگ گئی تھی۔ عنائبہ عصر کی نماز پڑھنے کے لئے کمرے سے نکلی اسی وقت محریب بھی ساتھ ہی نکلا' عنائبہ ایک لمحے کو رُکی۔

''پلیز! میری بات سنئے''۔ وہ شرم و جھجک کے حصار میں جتلا نہ چاہتے ہوئے بھی اسے مخاطب کر گئی جو امی کے کمرے کی سمت بڑھ رہا تھا' محریب نے چتون تیکھے کئے اور اچٹتی نگاہ ڈالی۔

''اب کیا باقی رہ گیا ہے جو مجھ پر اپنا رعب دکھانا ہے''۔ پھر طنز کیا۔

''پلیز! آپ سب کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کریں''۔

''محترمہ! یہ باتیں کرنے کے لئے مجھے آپ نے مجبور کیا ہے' آپ میری بات یاد رکھیئے گا جو میں نے اس دن کہی تھی''۔ گویا یاد دلایا۔

''میری بھی تو مجبوری سمجھیئے''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

''تم میری مجبوری سمجھو' میں صرف دادی کی وجہ سے کہہ رہا تھا''۔

''صرف دادی جان کی وجہ سے''۔ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''فضول کی بحث ہے اور سچویشن بھی دوسری ہے' دادی جان کے لئے دعا کرو وہ خیریت سے روبصحت ہو کر گھر آجائیں''۔ وہ اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا' عنائبہ کو لگا دل میں کچھ ٹوٹا' کچھ خالی پن سا محسوس ہوا تھا۔

............☆............

اسے کیا خبر تھی کہ بچپن کے طے کئے گئے رشتے بھی سوچیں خیالات بدل دیتے ہیں' بچپن سے اس شخص کو اپنے نام کے ساتھ سنتی آ رہی تھی تو وہ اسے اپنے دل میں جگہ دے گئی تھی' اس سے چپکے چپکے دل کا تعلق باندھ لیا تھا مگر اپنے جذبوں کی تشہیر اس نے کسی سے بھی نہ کی تھی اور نہ ہی محریب کو محسوس ہونے دیا تھا کہ وہ اسے چاہ رہی ہے محبت جب ہوتی ہے تو بس سرپٹ بھاگنے پر مجبور کرتی ہے مگر اس کی محبت تو اتنی سادہ اور معصوم سی تھی کہ وہ ہر بات کو بھی سوچ سمجھ کر کرنے کی عادی تھی' اتنا ہی تو قصور تھا وہ اپنی ماں کو اس خاندان سے ملانا چاہتی تھی اور وہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔

''آپی' آپی!'' دشہ نے اسے دو تین بار ہلایا۔

''ہوں......ہوں''۔ وہ چونک گئی۔

''معارج آیا ہے''۔ عنائبہ سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گئی' دوپہر کے کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے یمنیٰ کے روم میں آکر لیٹ گئی تھی۔

''وہ چلنے کو کہہ رہا ہے''۔ اس کا منہ بسورا ہوا تھا۔

''ابھی تو دادی جان بھی ہاسپٹل سے نہیں آئی ہیں''۔ وہ اپنا پنک آنچل شانوں پر برابر کرتی کمرے سے نکل گئی' لاؤنج میں ہی سارے لوگ جمع بھی تھے۔

''بھابھو! آپ کو معارج لینے آیا ہے کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ کا پارہ ہائی ہے''۔ مائز نے جھٹ اطلاع دی۔

''معارج نے یہ تو کچھ نہیں کہا''۔ دشہ کو اکثر مائز کی طنزیہ باتیں وہ بھی اپنی امی کے متعلق ناگوار گزرتی تھیں۔

''لینے وہ اسی وجہ سے آیا ہے' کیوں معارج؟'' مائز نے اس سے تائید چاہی' جھٹ سر ہلایا ان سب سے کچھ چھپا ہوا ہی کب تھا۔

''آپی! میں بالکل نہیں جاؤں گی''۔

''چپ تو کر جاؤ' شور مچانے لگی ہو''۔ عنائبہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ اسی وقت محریب فریش ہو کے اپنے روم سے آیا بلیک پینٹ پر لائٹ اور نج کلر کی ٹی شرٹ میں نفاست سے سنورے بال چمکدار چہرہ خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

''آپ دونوں کو ہی امی نے بلایا ہے''۔ معارج بھی کچھ کھسیایا ہوا تھا۔ عنائبہ کی جانچتی اور پُرتشویش نگاہوں نے معارج کا جائزہ بھی لیا' وہ سمجھ گئی ضرور امی اور ابو میں پھر جنگ ہوئی ہے۔

''معارج! تم ذرا ادھر آؤ''۔

"آپی! آپ یقیناً یہی پوچھیں گی نا کہ ابو اور امی کی لڑائی تو نہیں ہوئی"۔ اس نے جھٹ کہا' عنایہ خجل سی ہو گئی کیونکہ وہاں سب ہی موجود تھے۔

"عنایہ بیٹا! تم چلی جاؤ"۔ نزہت ویسے جانتی تھیں سمیرا کو' ضرور وہ جواد کو تنگ بھی کر رہی ہوں گی' پہلے ہی وہ عنایہ کے رشتے کے خلاف تھیں۔

"آپی! آپ کو جانا ہے تو چلی جائیں میں تو نہیں جا رہی"۔ وشہ کو گویا ضد ہو گئی تھی' عنایہ نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں"۔ وہ مجبوراً جانے کو تیار ہوئی۔ محریب نے پیچھے ہو کر اسے جانے کا راستہ دیا' اس کے گزرنے سے لگا کہ کوئی بادِ صبا کا جھونکا گزرا ہو۔

"بڑی امی! میں تو ابھی ہاسپٹل جا رہا ہوں دادی جان کے پاس"۔ معارج بولا۔

"ٹھیک ہے عنایہ کو محریب واپسی میں چھوڑ دے گا"۔ نزہت نے خود ہی پروگرام سیٹ کر دیا۔ محریب کو کسی ضروری کام سے کسی این جی اوز سے ملنے جانا تھا۔ عنایہ فریش ہو کر آ گئی مگر چہرے پر ایک اداسی اور مایوسی بھی تھی' معارج تو مائز کے ساتھ ہی نکل گیا تھا۔

"تمہیں محریب چھوڑ دے گا' معارج ہاسپٹل گیا ہے"۔ وہ حیران بھی ہوئی کہ یکدم ہی معارج چلا بھی گیا مگر اس وقت وہ چپ تھی' دادی جان سے ابھی تک وہ ملی بھی نہیں تھی مگر اسے جانا پڑ رہا تھا۔ محریب کچھ کہے بغیر لاؤنج سے نکل گیا' عنایہ عجیب الجھن کا شکار ہو گئی' جتنا وہ محریب کی قربت سے بچنا چاہ رہی تھی اتنا ہی وہ اس کے قریب آ رہا تھا' سب کو اللہ حافظ کہہ کر وہ آ گئی تھی' فرنٹ سیٹ پر لب بھینچے ہوئے بیٹھی تھی' محریب نے گاڑی اسٹارٹ کر دی' گلابی کپڑوں میں شام کی سرمئی میں اس کا روپ سلونا لگ رہا تھا' مخروطی ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے جیسے وہ کسی گہری سوچ میں تھی' سوچوں میں ارتعاش محریب کے موبائل کی بیپ سے ٹوٹا۔

"یس محریب اسپیکنگ!" گاڑی سائیڈ پر روک کر وہ موبائل پر بات کرنے لگا پھر تھا بھی وہ خاصا محتاط بندہ' ہر کام اصول سے کرنے کا عادی تھا۔

"جی' میں آ ہی رہا تھا' دیکھیے لڑکی کا انٹرویو آپ خود کر لیجیے گا' خاصی سمجھدار اور ذمہ دار لڑکی ہے"۔ وہ اپنے گمبھیر لہجے میں بولا۔ عنایہ چونک گئی کہ وہ کس لڑکی کی بات کر رہا ہے۔

"نام اس کا تہذیب حسن ہے اور بیچلر کیا ہے سوشل ورک اس کا مین سبجیکٹ تھا"۔ وہ بتا رہا تھا۔

"او کے جی' میں خود آ کر ابھی آپ سے بات کرتا ہوں آدھا گھنٹہ لگے گا"۔ اس نے مختصر بات کی اور موبائل آف کر دیا' گاڑی پھر اسٹارٹ کر دی' عنایہ کا ذہن الجھ گیا' کون لڑکی ہے جس کے لئے وہ بات کر رہا تھا۔

"تم کل آ جانا کیونکہ دادی جان کل تک ڈسچارج ہو کر گھر آ جائیں گی"۔

"جی اچھا کوشش کروں گی"۔ وہ سر جھکا کے گویا ہوئی۔

"کوشش کروں گی' کیا مطلب ہے تمہیں آنا ہے"۔

"میں منع تو نہیں کر رہی ہوں"۔ جانے کیوں اس لمحے وہ کچھ چڑ سی گئی کیونکہ ایک تو اپنی امی کی ٹینشن سوار تھی کہ وہ پتہ نہیں کیا کیا اب کہیں گی' محریب نے فہمائشی نگاہ اس پر ڈالی وہ لب کچل رہی تھی۔

"خاصی سمجھدار ہو یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم خود سوچ سمجھ لو گی"۔ پھر وہ طنز پر اتر آیا' اتنے میں گھر بھی آ گیا۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے؟" فرنٹ ڈور کھول کے وہ اترنے لگی۔

"اندر تو ہم آ چلے ہیں' یہ دیکھنا ہے کہ تم کب آتی ہو"۔ لہجہ ذو معنی تھا۔ وہ مارے حیا کے نگاہ نہ اٹھا پائی۔

"عنایہ! ایک بات تم سے کرنی تھی"۔ وہ بغیر تمہید باندھے مخاطب کرنے لگا۔ وہ جو جانے کے لئے پشت گھما چکی تھی چونک کر رک گئی۔

"اگر دادی جان نے اس دوران شادی کی ضد کی تو سوچ کر رکھنا کہ اس بار تم کیا توجیہہ پیش کر کے رد کرو گی"۔ اس نے نگاہ ونڈ اسکرین سے باہر جمائی ہوئی تھی' عنایہ کا اس لمحے دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"کیونکہ میں ہمیشہ بزرگوں کی ہر بات کو اہمیت دیتا ہوں"۔ گویا پھر چوٹ کے ساتھ جتایا۔

"سوچ کر رکھنا کہ تمہیں آگے کرنا کیا ہے"۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شادی ہی مسئلے کا حل ہے؟" وہ الٹا سوال کر گئی۔

"آف کورس میری نظر میں تو سب سے بڑے مسئلے کا حل یہی ہے"۔

"لیکن میری نظر میں بالکل نہیں ہے"۔ وہ رکھائی پر اتر آئی۔

"حد سے زیادہ خود پسندی اور عقلمند ہونا بھی بدعقلی کی نشانی ہوتا ہے"۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا ابھی مزید بولنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ وہ جا چکا تھا' دل اس کا رونے لگا پھر وہ مرے مرے قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

............☆............

دوسرے دن دادی جان کو ڈسچارج ہو کے گھر آنا تھا' محریب کو آفس کے اور آؤٹ ڈور کے کام بھی تھے' صبح تو وہ جلدی اٹھ گیا' لنچ ٹائم میں گھر آیا تو دیکھا مائز اور فائق دونوں یونیورسٹی سے آ چکے تھے۔

"تم دونوں میں سے ایک شخص کو میرا کام کرنا ہوگا"۔ محریب نے باری باری دونوں پر نگاہ دوڑائی' مائز تو نیچے کارپٹ پر فلور کشن پر سر رکھے لیٹا تھا جبکہ فائق سنگل صوفے پر اپنے موبائل کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"بھائی جان! میں تو بہت تھکا ہوا ہوں میں تو بالکل نہیں"۔ مائز نے فوراً ہری جھنڈی دکھا دی' محریب نے اس کے شانے پر دھموکا جڑ دیا۔

"مائز! سستی اور کاہلی کی بھی ایک حد ہوتی ہے"۔

"آپ سمجھیے کہ میں حد کراس کر گیا ہوں"۔ ہر بات اتنے اطمینان سے بولتا تھا کہ سامنے والا بندہ سلگ ہی جاتا۔

"سدھر جاؤ مائز! اگر کچھ ڈھیل ملی ہے تو یہ میری وجہ سے"۔

"میرے بگ برادر کا احسان ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا"۔ وہ ہر بات مذاق میں ہی اڑاتا تھا۔

"یار! میں مجبور ہوں مجھے باہر کی بھی ایک میٹنگ دیکھنی ہے"۔ وہ کچھ کھسیایا۔

"فائق سے کہیے اسے بہت شوق ہے کام کرنے کا"۔ کروٹ لی اور آنکھیں بند کر لی تھیں سونے کا تو اسے ویسے ہی بہت شوق تھا۔

"اس سے تو میں بعد میں نمٹوں گا' یار فائق! تم میرے ساتھ چلو"۔

"ارے لڑکے' کھانا تو کھا لے"۔ نزہت اسے ڈھونڈتی ہوئی چلی آئیں۔

"امی! لنچ کا ٹائم نہیں ہے مجھے ضروری جانا ہے"۔ وہ یہ کہہ کر فائق کے ساتھ باہر نکلا' فائق نے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا کہ جانا کہاں ہے۔

"تمہیں اس ایڈریس پر پہنچنا ہے اور ہاں ساتھ بیٹھے رہنا ہے کیونکہ وہ لڑکی کچھ ڈری سہمی سی بھی ہے"۔ تفصیل بتانے کے بعد کارڈ تھمایا۔

"میرے ساتھ چلی جائے گی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"چلی جائے گی' ایسا کرو میری گاڑی تم لے جاؤ' میں تو آفس میں ہوں گا سات بجے پھر مجھے ہاسپٹل بھی پہنچنا ہو گا"۔ وہ اسے سمجھانے لگا۔ دونوں پہلے آفس پہنچے پھر فائق کو اس نے تہذیب کے گھر کا ایڈریس سمجھا دیا تھا۔ فائق نے گھر تلاش تو کرلیا تھا مگر اس کا یہ پہلا اتفاق تھا کسی لڑکی کے ساتھ جانے کا' وہ دروازے پر ناک کر رہا تھا کچھ دیر میں دروازہ کھلا۔

"میں فائق احمد ہوں' مجھے محریب بھائی نے بھیجا ہے تہذیب حسن کو لینے"۔ تہذیب کی امی کا چہرہ نمودار ہوتے ہی اس نے جھٹ اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔ ایک چھوٹی سی تنگ گلی تھی گاڑی بھی دور پارک کر کے اندر آیا تھا۔

"وہ خود نہیں آئے؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"انہیں کچھ کام تھا"۔ فائق نے مودب انداز میں جواب دیا۔

"بیٹا! اندر آ جاؤ"۔ وہ شاید فائق کی الجھن سمجھ گئی تھیں کہ اسے کھڑا ہونا کچھ معیوب سا لگ رہا تھا' دروازہ کھول کر وہ سائیڈ پر ہو گئیں' فائق نے اندر قدم رکھا چھوٹا سا گھر اور ایک چھوٹا صحن سامنے دو کمرے تھے' انہوں نے کرسی لا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں اندر تہذیب کو کہتی ہوں"۔ وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ چھوٹا سا گھر تھا مگر صاف ستھرا تھا' اندر سے ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا نکلا تو وہ جھجک سا گیا' لڑکے نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"یہ میرا بیٹا ہے حمزہ"۔ مبینہ نے خود ہی تعارف کرایا۔ فائق نے سر ہلایا کچھ ہی دیر میں وہ بھی چلی آئی جس کے انتظار میں وہ بیٹھا تھا' بلیک پرنٹڈ شرٹ اور کنٹراسٹ میں سی گرین قمیص دوپٹہ تھا چہرے پر اتنی سادگی تھی کہ وہ چونک سا گیا چھوٹی سی کومل سی لڑکی جس نے ابھی تک نگاہ نہ اٹھائی تھی۔

"السلام وعلیکم!" فائق نے جھٹ سلام کیا' تہذیب نے سر کے اشارے سے کچھ جھجک کے ہی جواب دیا۔

"محریب بھائی کی ایک ضروری میٹنگ تھی آفس میں' مجھے انہوں نے بھیج دیا ہے"۔ وہ خود ہی اس کی الجھن دور کرنے کے لیے بتانے لگا۔

"چلیں"۔ تہذیب نے گویا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ مبینہ نے اسے دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا' مجبور تھیں وہ گھر کے اخراجات اور پریشانیوں سے آج ان کی بیٹی کو غیروں سے مدد مانگنی پڑ رہی تھی' اپنے تو منہ چھپا کر ہی بیٹھے تھے' وہ تو محریب احمد نے ان کا خیال کیا تھا۔

پورے راستے وہ خاموش ہی رہی' تہذیب کا انٹرویو جب تک ہوتا رہا فائق اس کا انتظار کرتا رہا تھا' کیونکہ محریب نے ہی کہا تھا کہ وہ وہاں موجود رہے۔ تہذیب کا انٹرویو کامیاب رہا تھا' فوراً ہی اسے این جی اوز کا ممبر بھی بنا لیا گیا تھا' تنخواہ بھی معقول تھی پھر پورا اسٹاف خواتین پر ہی مبنی تھا۔ محریب اچھی طرح اس این جی اوز کو جانتا تھا جس کی صدر محریب کی ٹیچر رہ چکی تھیں اس وجہ سے ہی اس نے تہذیب کے لیے بات کی تھی۔

"محریب بھائی کو بتا دیجئے گا کہ میرا اسلیکشن ہو گیا ہے"۔ تہذیب بہت خوش تھی۔

آج اسے لگ رہا تھا کہ اس دنیا میں کوئی اپنا ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے اور پھر وہ اللہ کی ذات سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔

"آپ مطمئن ہیں؟" فائق نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"محریب بھائی نے اچھی طرح سوچ سمجھ کے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے' اس لئے میں مطمئن ہوں"۔ وہ دھیرے

سے مسکرائی۔ مسکراتی ہوئی وہ اور دلکش لگی تھی فائق چونک سا گیا تھا' یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ کسی لڑکی کے متعلق ایسا سوچ رہا تھا۔ فائق نے اسے گھر ڈراپ کیا اور خود آفس چلا گیا تھا مگر اسے لگا کہ اس کا دل و دماغ وہ لڑکی اپنے ساتھ ہی لے گئی ہو وہ کچھ مسمرائز سا ہو گیا تھا' وہ تو مائز پر ہنستا تھا مگر آج اسے کیا ہو گیا تھا۔

............☆............

"تمہاری ماں کے یہ روز روز کے ڈرامے ہیں"۔

"سمیرا! خدا کو مانو کیا بول رہی ہو"۔ جواد احمد تو تن فن ہو گئے۔

"میرے سامنے تو تم ان کا ذکر نہ کیا کرو"۔ وہ تنک ہی گئیں۔

"تمہیں اپنے علاوہ کسی کا ذکر کب پسند ہے"۔ انہوں نے اخبار زور سے ٹیبل پر پٹخا' صبح کا روز آغاز ان کی جھڑپ سے ہی ہوتا تھا۔ عنایہ کچن میں سے سب سن رہی تھی' اسے آئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے' دادی جان بھی ڈسچارج ہو کے گھر آ گئی تھیں' اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی کہ سمیرا اسے جانے کا بولے۔

"شروع سے تم نے مجھے اگنور کیا ہے اپنے گھر والوں کو اہمیت دی ہے"۔

"جو اہم ہوتے ہیں انہیں ہی اہمیت بھی دی جاتی ہے"۔ انہوں نے طنز کیا۔

"اگر تمہیں اپنے گھر والوں سے اتنی محبت تھی تو شادی ہی کیوں کی تھی"۔

"مجھے ایسا کوئی ارمان نہیں تھا کہ میری شادی ہو' میری ماں کو ہی تم جانے کیوں پسند آ گئیں"۔ وہ تپ کے بولے۔

"تمہاری ماں کو تو خوبصورتی چاہیئے تھی"۔

"ارے یہ غلط فہمی تمہیں کب سے ہو گئی کہ تم خوبصورت ہو"۔ آج انہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ ان کے دماغ کا یہ فتور نکال کے ہی رہیں گے۔

"تمہاری دونوں بھابیوں کے آگے میں ہی خوبصورت تھی' بلکہ اب تک ہوں"۔ ان کے انداز میں تفاخر اور اتراہٹ نمایاں تھی۔

"کاش تم نے ظاہری خوبصورتی کے علاوہ بھی سوچا ہوتا سمیرا بیگم! میری بھابیاں تم سے لاکھ درجے بہتر ہیں' ہر بات کی سوچ سمجھ ہے' اپنی اولاد کا خیال رکھتی ہیں"۔ ان کے تو دماغ پر ہی جا لگی۔

"اونہہ......تم ان کی حمایت کرتے رہنا"۔

"ابو! پلیز امی خاموش ہو جائیے"۔ عنایہ کی اب برداشت کی حد ہو گئی تو وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"تمہارے باپ کو ہی مجھ سے الجھنے کی پڑی رہتی ہے"۔ سمیرا کے لہجے میں حقارت تھی۔

عنایہ کو یہ الگ افسوس ہوتا تھا کہ سمیرا جواد احمد سے اتنے بُرے انداز میں بات کرتی تھیں کہیں سے بھی تو پڑھی لکھی نہیں لگتی تھیں۔

"کاش امی! آپ نے کچھ خوبصورتی اپنے لہجے میں اپنی سوچوں میں رکھی ہوتی"۔ عنایہ حسرت بھری نگاہ ڈال کر سوچ رہی تھی۔

"لڑائی ہمیشہ تم نکالتی ہو"۔

"میں نکالتی ہوں' کیوں کہتے ہو مجھے وہاں جانے کو جہاں میرا دل نہیں چاہتا"۔

"سمیرا! یہ مت بھولو وہ میرے اپنے ہیں' میری ماں ہے وہ جس کی وجہ سے آج تم یہاں ہو"۔ ان کا تو دل یہ کرتا

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 4
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

"میں نے جو سوچا ہوا ہے وہ سوچ لیا ہے"۔ وہ جیسے اس کے آگے کوئی بات سننے کو ہی تیار نہ تھیں۔

"شکر کرو ہمیں اتنا اچھا انسان ملا ہے اللہ تعالیٰ کو ہم گناہ گاروں کی کوئی تو بات پسند آئی ہو گی جو ہم پر مہربان ہے"۔ مبینہ عشاء کی نماز کے لئے وضو کرنے لگی تھیں۔

تہذیب لب کاٹتی ہوئی اندر چلی گئی اسے کل کے لئے بھی تیاری کرنی تھی اور ابھی تو اسے اپنے رب کے حضور شکرانے بھی ادا کرنے تھے جس نے اس کی سن لی تھی اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ساری پریشانی اور فکر کم ہو گئی ہو اس نے تشکر بھرا سانس لیا تھا دل سے محریب کو بھی دعائیں دے رہی تھی جس نے ان سب کا اتنا خیال کیا تھا۔

............☆............

کل سے وہ بالکل ہی گم صم سا ہو گیا تھا اس ماہ وش کی ہر ادا ہر انداز اس کے ذہن میں آ رہی تھی جو بھولے سے بھی تو اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی اس کی آواز میں ایسی نغمگی تھی کہ اس کی سماعتیں جیسے بس اس کی ہی ہو گئی تھیں پروقار انداز اور پرتمکنت پیشانی وقت سے پہلے ہی وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ داری کی باتیں کر رہی تھی ذرا بھی تو نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی ہے اس کے انداز میں اعتماد تھا مگر اس کی نگاہوں میں حیاء اور شرم بھی تھی جو خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹے اس کے پہلو میں بڑے محتاط انداز میں بیٹھی تھی کئی بار وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ڈسٹرب بھی ہوا تھا اس لئے کہ دل اکسا رہا تھا کہ اس ملکوتی حسن والی پری کو تکتا ہی رہے جو اپنے حسن سے لگتا تھا بالکل ہی بے بہرہ ہے۔

"کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں کل سے کچھ خاموش سے ہو؟" مائز نے پرتشویش انداز میں پوچھا فائق تو گڑبڑا ہی گیا۔

"نن......نہیں......تو......" وہ ہکلایا۔

"یار! کیا ہو گیا ہے"۔ وہ اس کے تو بوکھلانے اور گڑبڑانے کو فہمائشی انداز میں دیکھنے لگا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا"۔

"مجھے تو لگتا ہے اس بار کچھ واقعی ہو ہی گیا ہے جلدی بتا کون ہے کیسی ہے؟" مائز نے اس کے زانو پر ہاتھ پھیرا فائق تو بدک کے پیچھے ہی ہو گیا۔

"یار! یہ حرکت مت کیا کرو"۔

"تم تو ایسے بدکتے ہو جیسے کسی لڑکی نے ہاتھ لگا لیا ہو"۔ اس نے معنی خیزی سے تمسخر اڑایا۔

"بکواس نہ کر"۔ وہ جھینپ گیا۔

"اچھا چل اپنا موڈ ٹھیک کر یہ بتا کیا سوچ رہا تھا"۔ مائز ذرا آہستگی سے گویا ہوا۔

"کچھ نہیں"۔ وہ سیدھا ہو کر لیٹا۔

"کسی لڑکی کے بارے میں تو سوچ نہیں سکتا بقول تیرے 'تیرے پاس فضول ٹائم نہیں ہے'"۔

"اور کیا میرے پاس فضول بکواس تک کا ٹائم نہیں ہوتا ہے"۔ جھٹ نفی کرنے کے ساتھ تائید بھی کی۔

"میں تو فائق یہ سوچتا ہوں کہ تو اتنا خشک مزاج سا کیوں بنا رہتا ہے"۔

"ہاں تمہاری طرح فضول ہانکتا رہوں"۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

"اب ایسی بھی نہیں ہانکتا ہوں ہر بات بالکل ٹھیک اور سچ کہتا ہوں"۔ وہ گہری سوچ کے ساتھ گویا ہوا۔

"اور تم دیکھنا دشہ کو میں ہی لے کر اڑوں گا"۔

"تم دونوں کی بنتی تو ایک لمحے کو نہیں ہے ساری زندگی کیسے بنے گی"۔ فائق نے تمسخر اڑایا۔

"بنا تو میں لوں گا پہلے اپنی لائف کو بنا لوں پھر ہی تو آگے کی بتاؤں گا؟" وہ ہنسا۔

فائق نے کچھ لمحے اسے بغور دیکھا ایک لڑکی کی محبت میں کتنا بدل سا گیا تھا اس کی ہر بات میں فیوچر پلاننگ تک میں دشہ کا ذکر ضرور شامل ہوتا تھا کیا محبت کرنے والے اتنے ہی بے فکر ہوتے ہیں۔

"مجھے کیوں اتنی غور سے دیکھ رہے ہو؟" مائز جھینپ گیا۔

"اس لئے دیکھ رہا ہوں کہ ایک آدمی کو ایک عورت کہیں کا نہیں چھوڑتی ہے"۔

"فضول بکواس نہ کر سن میں ابھی لڑکا ہوں اور وہ عورت نہیں لڑکی ہے"۔ برا ماننے کے ساتھ تصحیح بھی کی۔

"میں تو محاورتاً کہہ رہا ہوں"۔ فائق مسکرایا۔

"بے وقوف انسان اپنے آس پاس دیکھ کوئی تو تجھے پسند کرتی ہو گی یا تو ہی کرتا ہو گا مگر توجہ نہیں دے رہا ہے"۔

"شٹ اپ!" اس نے مائز کو ڈانٹ دیا۔

"دیکھتا ہوں کب تک تو نفی کرتا ہے اور ہاں سن اگر مدد لینے میرے پاس آیا نا تو پہلے تو تجھے اتنی سناؤں گا پھر کہیں جا کر مدد کروں گا"۔ مائز کو تو جیسے یقین تھا کہ فائق پر یہ واردات عنقریب ہی گزرے گی۔

"میں اول تو ایسی حرکت کروں گا نہیں اور اگر کبھی یہ سچویشن پیش آئی تو خود کو ہی ڈانٹ دوں گا"۔

"ہاں جیسے بہت آسان ہے ناں"۔ مائز نے تکیہ اٹھا کر اس پر پھینکا۔

"مسٹر! یہ سب اپنے اختیار میں ہے"۔

"ہاں تیرا اختیار دیکھتا ہوں جس دن بھی میں نے محسوس کیا تو کسی لڑکی کے چکر میں پڑا ہے دیکھ میں کیا حشر کروں گا"۔ گویا وارننگ دی۔

"میرے ساتھ ایسا بالکل نہیں ہو گا سن"۔ اس نے فائز کو یقین دلایا فائز نے اسے گھورا تھا۔

............☆............

اس دن وہ تمام کاموں سے جیسے ہی فارغ ہوئی آنی آ گئیں عنایہ ان کے آنے سے بہت ہی خوش ہوتی تھی وہ آتی بھی کم تھیں اس کی وجہ بھی امی کی تنگ مزاجی تھی وہ ان سے بھی تو بحث کرنے لگتی تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری ساس کی؟" انہوں نے سمیرا بیگم سے پوچھا جو اپنے پارلر سے کچھ ٹائم نکال کر آئی تھیں مگر وہ بھی جلدی میں تھیں۔

"فضول کے ڈرامے ہیں ان کے"۔

"سمیرا! تم کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو وہ بڑی ہیں بزرگ ہیں"۔ آنی نے انہیں ٹوک دیا سمیرا کڑوا سا منہ بنانے لگی تھیں۔ عنایہ نے تاسف بھری نگاہ ان پر ڈالی جو کسی کی جیسے سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں رہتی تھیں۔

"دیکھو ثمینہ! تم ہمارے معاملے میں نہیں بولو تو اچھا ہے"۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح ثمینہ کو سرد مہری اور اکھڑ پن سے جواب دیا۔

"میں تمہارے معاملے میں نہیں بول رہی ہوں جو تمہاری غلط بات ہے اس پر سمجھا رہی ہوں"۔ انہیں سمیرا کی سوچوں پر اکثر افسوس ہوتا تھا۔

"تمہیں کیا معلوم میں کتنا تنگ رہی ہوں اپنے سسرال والوں سے تم تو اکیلی ہو نا تمہیں کیا خبر"۔ انہیں اس پر بھی ان سے جلن ہی رہتی تھی کہ ثمینہ کو اتنی اچھی سسرال ملی تھی کہ نہ ساس نندوں کا جھگڑا بلکہ الگ گھر میں ہی رہتی تھیں۔

"مجھے سب خبر ہے تم ایک بار خود پر بھی نگاہ ڈالا کرو کہ تم کہاں غلط ہو کہاں صحیح ہو"۔

”میں بالکل صحیح ہوں تم سب میری بات سمجھتے ہی نہیں ہو“۔ سمیرا جب بھی بولتی تھیں اطراف کا بھی خیال نہیں کرتی تھیں کہ ان کی آواز کتنی اونچی ہو رہی ہے بالکل لڑاکا عورتوں کی طرح چیختی ہی رہتی تھیں۔

”اچھا بس کرو تم سے تو بحث ہی بے کار ہے“۔ ثمینہ نے ہی بات ختم کرنا چاہی عنایہ ان دونوں کی بحث و تکرار دیکھ رہی تھی مداخلت اس لئے بھی نہیں کرتی تھی کہ سمیرا اسے ڈانٹ دیتی تھیں۔

”میں جیسی ہوں ویسی ہی رہنے دو تم مت بولا کرو“۔

”سمیرا ذرا انہیں سوچتی ہو تمہاری بچیاں جوان ہو رہی ہیں آرزو عنایہ کی تم شادی کر دو کل تم نانی بن جاؤ گی“۔ انہوں نے ان کی عمر کی طرف خیال کروایا۔

”سن لو تم بھی میں عنایہ کی شادی کسی قیمت پر بھی وہاں نہیں ہونے دوں گی“۔

”تمہیں تو سمجھانا ہی بے کار ہے“۔ ثمینہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

”پھر کیوں سمجھاتی ہو رہنے دو میرے حال پر“۔ وہ تڑخ کے گویا ہوئیں۔

”میں سمجھاتی رہوں گی کیونکہ تمہارے غلط فیصلے کی بھینٹ عنایہ کو تو میں نہیں چڑھنے دوں گی“۔ انہوں نے بھی ارادہ باندھ لیا تھا کہ عنایہ کا رشتہ نہیں ٹوٹنے دیں گی۔

”عنایہ میری بیٹی ہے اس کا فیصلہ میں کروں گی کہ اس کی شادی کہاں ہونی ہے“۔ وہ اکڑ کر بولیں۔

”عنایہ سے بھی پوچھا ہے یہ کیا چاہتی ہے؟“ انہوں نے اپنے پہلو میں بیٹھی عنایہ کی پشت پر ہاتھ رکھا جو لب کچل رہی تھی۔

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ یہ کیا چاہتی ہے مگر میں جو چاہتی ہوں وہی کروں گی“۔ انہیں ضد سی ہو گئی تھی اور یہ ضد ان میں بچپن سے ہی تھی اپنی بہن اور بھائی سے ضد میں کرنا ثمینہ ہمیشہ کمپرومائز کر لیتی تھیں۔

عنایہ اسی وقت اپنے کمرے میں اٹھ کر چلی گئی ثمینہ کی ذومعنی نگاہ اس پر اٹھی تھی وہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں وہ احتجاج تک نہیں کرے گی۔

”سمیرا! پلیز تم ٹھنڈے دماغ سے سوچو آج اگر تم اپنی ساس کی خیریت پوچھ آؤ گی تو تمہاری شان تو کم نہیں ہو گی پھر یہ تو سنت رسول بھی ہے بیمار کی مزاج پرسی کرنا“۔ نرم سے لہجے میں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی حالانکہ سمیرا اتنی تلخ اور کڑوی باتیں بھی کہہ دیتی تھیں پر وہ اپنے ماتھے پر شکن تک نہیں لاتی تھیں۔

”جب میرا دل ہی نہیں کر رہا ہے تو میں کیوں جاؤں“۔

”اگر تم نہیں جا رہی ہو تو عنایہ کو کیوں روک رہی ہو اسے تو جانے دو“۔ انہوں نے افسوس سے کہا۔

”عنایہ ان کی نوکر نہیں ہے کہ جب طبیعت خراب ہوئی اسے بلا لیتے ہیں“۔

”سمیرا! یہ مت بھولو عنایہ ان کی پوتی ہے وہ حق رکھتی ہیں بلا سکتی ہیں“۔ ثمینہ نے تیز لہجے میں گویا انہیں جتایا۔

”حق کی بات مت کرو سارے اختیارات جواد کی ماں نے میرے چھین لئے ہیں میری بیٹی کا زبردستی بچپن میں رشتہ طے کیا جواد کو ہر وہ بات کہتی ہیں جو انہیں منوانی ہوتی ہے مجھے شروع سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی ہے“۔

”ادھر تم غلط بول رہی ہو تم چھوٹی بہو ہو ان کی سب نے ہاتھوں ہاتھ رکھا تھا لیکن تمہارے ہی مزاج نہیں ملتے“۔ ثمینہ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری۔

”ان کی دونوں بڑی بہوئیں شروع سے مجھ سے جلتی ہیں میں اگر ذرا اچھا پہن اوڑھ لیتی تھی جھٹ یہی کہتی تھیں کہ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھو میک اپ لائٹ کر لو میری زندگی تھی وہ کیوں روک ٹوک کیا کرتی تھیں“۔ شروع سے انہیں

اپنی دونوں جیٹھانیوں سے پرخاش تھی۔

”تم نے لگتا ہے کبھی سنجیدہ ہو کر سوچا ہی نہیں۔ ہے کہ تم کتنے فٹ کپڑے پہنتی تھیں اور آج بھی تمہارا وہی حال ہے۔ کچھ تو خیال کرو تمہاری بیٹیاں جوان ہیں“۔

”اچھا بس مجھے تمہاری یہی باتیں شروع سے ناگوار لگتی ہیں نہ کسی کو برا کہتی ہو اور نہ کہنے دیتی ہو بلکہ میرے پیچھے لگ جاتی ہو“۔ ہاتھ اٹھا کر انہیں آگے بولنے سے روکا تھا۔

”برا کہنے سے کوئی خوشی ملتی ہے یاد رکھو سلوں رہتا ہے میں تو کہتی ہوں آپ اچھے تو سب اچھے ہیں“۔

”یہ تمہاری لوجک ہو گی خود اچھے تو سارے اچھے ہیں میں نے تو اپنے بھی برے دیکھے ہیں“۔ وہ کسی طور پر ماننے کو تیار نہیں تھیں۔

”سمیرا! تمہارے پاس ایک موقع ہے آنکھوں سے اور دل سے نفرت نکال کر دیکھو سب اچھا لگے گا سب سے بڑی بات جواد کو دیکھو وہ کتنے اچھے ہیں اچھا شوہر ملنا بھی اللہ کی طرف سے ایک انعام ہی ہوتا ہے“۔

”اونہہ...... انعام اس انسان نے مجھے کبھی خوش نہیں رکھا ہے“۔ وہ دھتکارنے ہی لگیں ثمینہ نے تاسف بھری سانس کھینچی اور پھر وہ خاموش ہو گئیں کیونکہ عنایہ اشارے سے انہیں خاموش ہونے کا کہہ رہی تھی وہ ویسے بھی سمیرا کی سسرال ان کی ساس کی عیادت کو جا رہی تھیں سوچا تھا کہ سمیرا کو بھی ساتھ لے لیں شاید وہ چلے مگر وہ تو گیلی لکڑی کی طرح اکڑی ہوئی تھیں

☆......☆......☆

دادی جان کی طبیعت قدرے بہتر تھی انہیں ہاسپٹل سے آئے ہوئے بھی ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہ گھر چلی گئی تھیں مگر عنایہ اس دن سے آئی ہی نہیں تھی وجہ سب ہی جانتے تھے مگر محریب کو اس وقت اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ دادی جان اسی کی آس لگائے بیٹھی تھیں وہ کافی دیر تک ان کی دلجوئی کرتا رہا تھا مگر اسے تہذیب کی طرف بھی جانا تھا نزہت کو وہ ساتھ لے جا رہا تھا۔

”امی! آپ تیار ہیں تو چلیں ہم“۔ محریب نے ان سے پوچھا۔

”ہوں...... تیار ہوں“۔ آف وائٹ بنارسی کے ریشم کی کڑھائی کے کپڑوں میں وہ پروقار لگ رہی تھیں۔

محریب سیدھا باہر نکل گیا تھا مگر ذہن اس کا منتشر ہی تھا اس سے دادی جان کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا بھر ڈاکٹر نے سخت ہدایت کی تھی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھیں نزہت اس کے ساتھ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں وہ لب بھینچے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

”واپسی پر جواد کی طرف ہو آئیں گے عنایہ نہیں آئی ہے کافی دنوں سے“۔ انہوں نے ہی خاموشی کو توڑا۔

محریب نے سر ہلایا حالانکہ دل اس کا بھی یہی کر رہا تھا کہ عنایہ کو جا کے لے آئے مگر خود سے کیسے کہے دونوں میں تو بالکل بھی بے تکلفی اور دوستی تک نہ تھی کہ وہ دونوں باتیں کرتے تہذیب کا گھر آ گیا تھا گاڑی مین روڈ پر ہی سائیڈ پر پارک کی اور وہ انہیں لئے گلی میں آ گیا نزہت کو ساتھ لانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ اگر وہ اکیلے جائے گا تو لوگ الٹی سیدھی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

”ارے بیٹا...... آؤ آؤ“۔ مبینہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا محریب کو دیکھ کر خوش دلی سے بولیں اور اندر آنے کا راستہ دینے لگیں۔

نزہت نے ہی پہلے سلام کر کے اندر قدم رکھے تھے محریب بھی مودب انداز میں اندر آ گیا تھا ”آنٹی! یہ میری

امی ہیں''۔ محریب نے تعارف کرایا۔

''میں سمجھ گئی تھی''۔ مبینہ نے انہیں اپنے کمرے میں ہی بٹھایا تھا محریب کچھ جھجکا ہوا بیٹھا تھا نگاہ اس نے جھکائی ہوئی تھی۔

''تہذیب بیٹی نہیں ہے بھئی مجھے تو اس سے ملنے کا بہت ہی اشتیاق ہے' محریب نے بتایا تھا کہ بڑی معصوم سی بچی ہے''۔ اتنے میں تہذیب بھی آ گئی تھی سرمئی آنچل قرینے سے سر پر جمائے اس نے دونوں کو سلام کیا تھا نزہت نے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

''اور کیسی لگی میری بہن'' ہ محریب نے پوچھا۔

''بہت اچھی اور میری توقعات کے برعکس اتنی چھوٹی سی گڑیا ہے''۔ نزہت نے تہذیب کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا وہ جھینپ سی گئی۔

''آنٹی! محریب بھائی نے مجھے اپنی بہن کہا ہے اور دیکھیے گا میں بہن ہونے کا حق ادا کروں گی' میں بالکل انہیں اپنے سگے بھائی کی طرح سمجھتی ہوں''۔

''امی! مجھے تو مفت میں بہن مل گئی''۔ محریب مسکرایا تھا۔

حکمت لوازمات سے پر ٹرے اندر لے آئی اور تپائی درمیان میں رکھ کر اس پر ٹرے رکھ دی تھی۔

''امی! ہماری ایک چٹی منی سی بہن یہ بھی ہے''۔ محریب نے حکمت کو مسکرا کر دیکھا نزہت نے اسے بھی ساتھ لگا کر پیار کیا۔

''بیٹا! آپ کس کلاس میں پڑھتی ہو؟''

''7th میں پڑھتی ہوں''۔ حکمت نے کچھ جھجک کر بتایا۔

''حمزہ کدھر ہے؟'' مبینہ کو حمزہ نظر نہ آیا تو پوچھا۔

''امی! وہ کہہ کر گئے ہیں کہ کسی دوست سے کچھ اسکول کا کام لینا ہے''۔ حکمت نے بتایا۔

''دیکھیے مبینہ بہن! اب تو یہ بچے ہمارے ہیں اس لئے کوئی تکلف نہیں چلے گا محریب کل ہی ان کی شفٹنگ کروائے''۔

''آنٹی! اچھا نہیں لگ رہا ہے' محریب بھائی نے پہلے ہی اتنا کچھ کیا ہے''۔ وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

''بے وقوف لڑکی! اپنوں سے کوئی تکلف نہیں چلتا' تم بہن ہو میری اور اب ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے بالکل نہیں سنوں گا''۔ محریب نے کچھ ڈپٹ کے ہی کہا تھا وہ خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ان دونوں نے پھر اجازت لے لی تھی کیونکہ جواد احمد کی طرف بھی جانا تھا جس وقت وہ پہنچے تھے آٹھ بج رہے تھے۔ عنائبہ اور وشہ کے تو خوشی سے پاؤں نہیں جم رہے تھے کیونکہ بڑی امی خود آئی تھیں۔

''جواد! تم نے تو میری بچی کو بھیجنا ہی چھوڑ دیا ہے''۔ وہ عنائبہ کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے تھیں جبکہ محریب لب بھینچے خاموش ہی بیٹھا تھا۔ سمیرا بیگم مارے باندھے ان کے درمیان بیٹھی تھیں۔

''بڑی امی! وہ گھر کی کچھ مصروفیت تھی''۔ عنائبہ نے خود ہی عذر پیش کیا اسی وقت محریب کی اچٹتی نگاہ اس پر پڑی بلیو کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے سادہ سے حسن سے بے پرواہ وہ اتنی معصوم اور دلکش لگتی تھی کہ وہ کئی لمحے مبہوت زدہ سا رہ جاتا تھا۔

''بھابی! میں سوچ رہا تھا کہ عنائبہ کو اماں جی کے پاس کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دوں گا میری بھی کچھ آفس کی

مصروفیت بڑھ گئی''۔ جواد احمد سمیرا پر جلتی کلستی نگاہ ڈال کر گویا ہوئے تھے۔

سمیرا بیگم دنیا جہاں کی بے زاری سموئے اپنے میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں کیونکہ انہیں وہ زبردستی ان کے پارلر سے بلا کر جو لائے تھے۔ عنائبہ پھر کچن میں چلی گئی کھانا وغیرہ تو تیار ہی تھا اور پھر اسے محریب کے سپاٹ انداز سے بھی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''آپی! محریب بھائی پانی مانگ رہے ہیں''۔ معارج کچن میں آ گیا تھا۔

''یہ گلاس ہے فریج سے بوتل نکال لو اور لے جاؤ''۔

''میں ابھی آیا''۔ وہ یہ کہہ کر کچن سے نکلا۔

جب تک عنائبہ برتن وغیرہ سیٹ کرنے لگی تھی دیر کافی ہو گئی تو محریب خود ہی آ گیا' وہ تو بوکھلا ہی گئی نگاہیں تو لرز ہی گئیں وہ اپنی توانا اور مردانہ شخصیت لئے اس کے روبرو تھا۔

''شاید میں نے پانی مانگا تھا معارج سے''۔ گویا اس نے طنز کے ساتھ جتایا۔

''سوری وہ پتہ نہیں کدھر نکل گیا''۔ جلدی سے فریج سے بوتل نکالی اور پانی انڈیل کر گلاس میں نکال رہی تھی کہ سمیرا بیگم تنقیدی اور ناگوار انداز نے عنائبہ کے ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے محریب الگ تھم خجل سا ہو گیا' گلاس لیا اور چلا گیا۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''ج......جی......کچھ نہیں کہہ رہے تھے پانی لینے آئے تھے''۔ وہ تو شرم سے گڑ گئی۔

''دیکھو عنائبہ! میں جو کچھ تمہارے ساتھ کروں گی بھلے کے لئے کروں گی' زیادہ محریب کے آگے پیچھے ہونے کی ضرورت نہیں ہے' مجھے جب تمہاری شادی وہاں کرنی ہی نہیں ہے تو تم بھی اپنے قدم روک لو''۔ عنائبہ نے حسرت بھری نگاہ ڈالی کتنی آسانی سے وہ ہر بات کہہ دیتی ہیں انہیں ذرا احساس نہیں کہ بچپن کے رشتے پل میں تو نہیں توڑے جاتے بلکہ وہ شروع سے اپنے نام کے ساتھ محریب کا نام سنتی آ رہی تھی اتنی آسانی سے کیسے وہ اسے بھول جائے جبکہ وہ اس کی نس نس میں بسا تھا' کبھی تو وہ ان سب کو کھلے دل سے قبول کریں گی' پورا وقت وہ پھر افسردہ رہی تھی۔

فجر کی نماز پڑھ کے وہ پنج سورہ لے کر پڑھنے لگی تھی صبح ہی وہ اٹھنے کی عادی تھی کوئی نماز اپنی قضا نہیں ہونے دیتی تھی گھر کے تمام کام نمٹانے کے بعد دوپہر میں ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر سوتی ضرور تھی وشہ اور معارج دونوں کالج چلے جاتے تھے سمیرا بیگم وہی دن چڑھے اٹھتی تھیں پھر اس کے بعد ان کی وہی روٹین پارلر ہوتا تھا جواد احمد نو بجے تک آفس کے لئے نکلتے تھے وہ اس دوران گھر میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔ کل رات سے اس کا ذہن اتنا پریشان تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے سمیرا بیگم کا رد کھا اور سرد مہر انداز بڑی امی اور محریب کے ساتھ اسے تفکرات میں ہی مبتلا کر رہا تھا۔

''اگر خدانا خواستہ محریب نے ہی یہ رشتہ توڑ دیا تو وہ کیا کرے گی''۔ نہیں وہ منفی تو سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی خود ہی اپنی سوچوں کو جھٹکا اور پنج سورہ پڑھنے کے بعد اسے چوم کر کیبنٹ میں رکھ دیا' کچن میں جا کر پہلے چائے کا پانی چولہا پر چڑھایا انڈے سیٹ کر کے باؤل میں رکھ دیئے وشہ اور معارج انڈے اور سلائس کا ناشتہ کر کے جاتے تھے اس دوران وہ ان دونوں کو بھی اٹھا دیتی تھی۔

''معارج! اٹھ جاؤ ٹائم دیکھو آٹھ بجنے والے ہیں''۔ اس کے کمرے میں چلی آئی جہاں وہ بے خبر چادر تانے سو رہا تھا اس کے منہ پر سے چادر ہٹائی۔

''اٹھ لڑکے''۔ عنائبہ نے اس کے رخسار پر چپت لگائی۔

''یار آپی! ابھی پانچ منٹ میں اٹھ رہا ہوں''۔

"کیسے اٹھ رہا ہوں ابھی اٹھو"۔ وہ اس وقت تک سر پر کھڑی رہتی تھی جب تک وہ بیڈ سے اٹھ نہیں جاتا تھا۔ پھر اس نے وشہ کو اٹھایا دونوں جب تک تیار ہو کے آئے وہ ناشتہ ریڈی کر چکی تھی اس وقت لاؤنج میں رکھا فون بج اٹھا عنایہ چونک گئی اتنی صبح کس کا ہے دل دھڑک بھی اٹھا معارج چیئر کھسکا کے فون اٹھانے اٹھا۔

"تم کالج کے لئے نکلو فون میں ریسیو کرتی ہوں"۔ وہ اسے روک کر ___ لاؤنج میں چلی آئی اس دوران وشہ اور معارج نکل گئے تھے وشہ کی تو وین آتی تھی جبکہ معارج خود بس سے ہی جاتا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم!" نمبر دیکھ لیا تھا دادی جان کے گھر سے تھا۔

"وعلیکم السلام!" مجیب کی گھمبیر آواز نے اسے چونکا ہی دیا کہ اتنی صبح اس نے کیسے فون کر لیا تھا۔

"حیران ہو رہی ہو گی کہ میں نے اتنی صبح کیسے فون کر لیا"۔ وہ خود ہی بول اٹھا۔

"مجھے خبر تھی بلکہ پتہ ہے کہ تم صبح اٹھنے والوں میں سے ہو یہی بات مجھے یاد رہی تو سوچا کہ یہ ٹائم زیادہ بہتر ہے کیونکہ تمہیں اپنی امی کا بھی ڈر نہیں ہو گا"۔

"جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔ اسے ناگوار گزرا مگر لہجہ پھر بھی نارمل تھا۔

"ایسی ہی بات ہے کیونکہ میں جب بھی آیا ہوں تم سمیرا چچی کے سامنے مجھ سے بچتی ہو"۔

"اچھا بتایئے صرف اس لئے فون کیا تھا"۔ وہ طنز کرنے لگی۔

"نہیں فون کی اور بھی وجہ ہے یہی کہ دادی جان کو تمہاری بہت یاد آ رہی ہے اس لئے کچھ دنوں کے لئے آ جاؤ تاکہ انہیں تسلی ہو جائے"۔ جھٹ مجیب نے روکھے انداز میں مدعا بیان کر دیا تھا۔

"جی کوشش کروں گی"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"کوشش نہیں کرو گی تمہیں آنا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور وہیں پٹخ دیا تھا عنایہ کو اس کا سرد اور روکھا رویہ اکثر تکلیف دیتا تھا اس دن کے بعد سے وہ کچھ طنزیہ بھی ہو گیا تھا۔

پورا دن اس نے کام نمٹائے سمیرا بیگم کے تو اپنے پارلر سے چکر لگتے رہتے تھے عنایہ لیکن وہاں نہیں جاتی تھی کیونکہ اسے وہاں جانا شروع سے اچھا نہیں لگتا تھا پھر اسے دیگر لڑکیوں کی طرح بننے سنورنے کا بھی ایسا شوق نہیں تھا رات کا کھانا وہ تیار کر چکی تھی۔ رات کا کھانا سب ساتھ ہی کھاتے تھے عنایہ کی سمیرا کے سامنے جواد احمد سے کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ دادی جان کے پاس جانا چاہتی ہے۔

"آپی! آپ ابو سے تو کہہ دیں جا کر کہ آپ کو جانا ہے"۔ وشہ اس کے پیچھے کچن میں چلی آئی وہ کچن سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔

"امی کے سامنے کیسے کہوں؟" وہ منمنائی۔

"آپ اگر ایسے ہی ڈرتی رہی نا تو ہو گیا گزارہ میں ہی ابو سے کہتی ہوں"۔ وشہ کو تو جوش ہی چڑھ گیا۔

"وشہ! رکو تو"۔ عنایہ نے پکارا بھی مگر وہ رکی کہاں لاؤنج میں چلی گئی جواد احمد ٹی وی پر نیوز لگا کے بیٹھے تھے جبکہ معارج اپنے کمپیوٹر روم میں تھا۔

"وشہ بیٹا! چائے تو پلا دو بنا کے"۔ انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

"میرے لئے بھی بنانا بہت تھکن سی ہو رہی ہے"۔ سمیرا بیگم بھی وہیں چلی آئیں تھیں وشہ کچھ گڑبڑائی بھی تھی۔

"ابو! آپی کو دادی جان کے پاس تو بھیج دیں ان کا فون آ رہا ہے"۔ وشہ نے ایک جھٹکے میں ہی کہہ دیا۔

"عنایہ کو میں نے جانے سے منع کیا ہوا ہے نہیں جائے گی"۔ سمیرا بیگم تو سن کے ہی مشتعل سی ہو گئی تھیں۔

"تم ہوتی کون ہو اس پر پابندی لگانے والی"۔ جواد احمد کو غصہ آ گیا۔

"ماں ہوں اس کی کوئی نہیں جائے گی عنایہ"۔

"سمیرا! جب تمہاری میرے آگے چلتی نہیں ہے تو کیوں مجھ سے ضد باندھتی ہو"۔ جواد احمد نے ٹی وی آف کیا اور اپنی قہر برساتی نگاہیں ان پر ڈالیں۔

"لیکن اب چلے گی"۔

"امی! آپ اس طرح غلط کرتی ہیں آپ کو نہیں ملنا تو نہ ملیے مگر ہم لوگوں کو نہ روکیں"۔ وشہ نے مداخلت کی۔

"تم چپ کرو بڑوں کے معاملے میں مت بولا کرو"۔ انہوں نے اسے جھڑک دیا۔

"جب بڑے غلط بات کر رہے ہوں تو چھوٹوں کو بولنا ہی پڑتا ہے"۔ جواد احمد نے طنز کا تیر اچھالا۔

"عنایہ سے کہو وہ تیار ہو جائے"۔

"ابو! میں نہیں جاؤں گی"۔ عنایہ ان کی بحث و تکرار سن کے پریشان سی چلی آئی تھی جواد احمد نے حیرانگی سے دیکھا۔

"کیوں نہیں جاؤ گی؟"

"امی کو اچھا نہیں لگتا ہے"۔

"ارے تمہاری ماں کو اپنے علاوہ کبھی کچھ اچھا لگا ہے تئیس سال سے میں یہی دیکھتا آ رہا ہوں اپنے آگے اسے کوئی نظر نہیں آتا ہے"۔

"جواد......!" سمیرا بیگم کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"بند کرو اپنی بکواس یہ گھر میرا ہے یہ اولاد میری ہے سنا تم نے یا اور کچھ بتاؤں شوہر ہوں تمہارا کوئی ملازم نہیں جو تم چیختی رہتی ہو"۔ جواد احمد بھی پھٹ پڑے۔

وشہ اور عنایہ دونوں ہی لب کچل رہی تھیں وہ کس کو سمجھاتیں جبکہ سمیرا بیگم کی ہر بات ہی غلط تھی وہ انہیں بھی ٹوک نہیں سکتی تھیں جواد احمد کی ہر بات ہی معقول تھی وہ سب سوچتے سمجھتے تھے مگر ان میں ایک خامی تھی انہیں غصہ جلدی آ جاتا تھا' دونوں ہی افسردگی میں مبتلا وہاں سے ہٹ گئیں کہ مزید وہ ان دونوں کی تکرار نہ دیکھ سکتی تھیں نہ ہی سن سکتی تھیں جبکہ یہ تو روز کا ہی معمول تھا۔

☆

جواد احمد اپنی ماں کے پاس گھٹنوں میں بیٹھ گئے تھے وہ اتنے اور مجبور اور لاچار تھے کہ وہ فیصلے پر آ گئے تھے ان کے دونوں بھائی اور بھاوج حق دق سے رہ گئے تھے کیونکہ آج تک ان کے خاندان میں نہ ایسا ہوا اور نہ ہی دیکھا تھا۔

"جواد! تم ہوش میں تو ہو کیا کہہ رہے ہو"۔ رضوان احمد نے انہیں ٹوکا۔

"بھائی جان میں بہت عاجز آ گیا ہوں"۔ بےزاری ان کے چہرے سے واضح تھی۔

"عاجز آ گئے ہو تو تم یہ کرو گے' اولاد جوان ہے تمہاری کیا اثر پڑے گا"۔

"میری اولاد سب دیکھتی رہتی ہے' ہماری صبح ہوتی ہے تو آغاز لڑائی سے ہوتا ہے رات ہوتی ہے تو لڑائی ہوتی ہے"۔ وہ مضمحل سے تھے۔

"اس کا یہی حل ہوتا ہے کہ ایک فریق خاموش رہے"۔ نزہت نے انہیں سمجھایا۔

"بھابی جان! میں طویل عرصے سے خاموش ہی ہوں لیکن اب برداشت کی حد ہو گئی ہے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے بس ضد سوار ہے آپ سب سے"۔ جواد احمد نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”پھراس کا تو یہی حل نکلتا ہے ہم محریب اور عنائیہ کی شادی کر دیتے ہیں شاید سمیرا کے رویہ میں لچک آ جائے“۔ ناظمہ بولیں۔

”عنائیہ ہی راضی نہیں ہوگی‘ اسے بھی یہی ضد سوار ہے کہ اس کی ماں راضی خوشی اسے رخصت کرے گی تو شادی کرے گی ورنہ نہیں“۔ اندر آتے قدم کچھ لمحے کو محریب کے رکے وہ جواد احمد کی بات سننے لگا۔

”سمیرا تو ساری عمر ہی نہیں چاہے گی“۔ پھر گویا ہوئے۔

”عنائیہ کو ہم سب سمجھا سکتے ہیں“۔ ریحان احمد ٹھہری سوچ کے بعد گویا ہوئے کیونکہ کافی دیر سے وہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”کیا فائدہ وہ سمجھانے پر راضی تو ہو جائے گی دل سے نہیں ہوگی اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بچی شادی کے بعد پریشان رہے کیونکہ سمیرا اسے چین سے نہیں رہنے دے گی“۔ محریب الٹے قدموں ہال کمرے سے پلٹ گیا تھا‘ ذہن الجھ سا گیا تھا بات تو چاچو نے ٹھیک ہی کہی تھی کہ زبردستی اگر وہ شادی کے لئے راضی ہو گئی تو بعد میں خوش کب رہے گی وہ گہری سوچ میں گم لاؤنج میں بیٹھا جہاں رافع اپنا پسندیدہ چینل لگائے بیٹھا تھا اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

”محریب بھائی! خیریت تو ہے اتنے خاموش سے کیوں بیٹھے ہیں“۔ اس نے پر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

”ویسے ہی خاموش بیٹھا ہوں“۔ مبہم سا مسکرایا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا‘ ڈھیلے انداز میں وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا وہ آج کسی نا کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے اور عنائیہ کے رشتے کی وجہ سے دونوں گھرانوں میں الجھن اور انتشار بڑھ رہا تھا اور وہ اندازہ بھی کر رہا تھا کہ سمیرا چچی کبھی بھی ان دونوں کے رشتے کو قبول نہیں کریں گی اور عنائیہ اپنی امی کی رضامندی کے بغیر کبھی بھی شادی نہیں کرے گی لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اب عنائیہ سے ہی وہ آخری فیصلہ بھی سنے گا‘ آخر کب تک اسی طرح چلتا رہے گا اور پھر رشتے تو دل کی رضامندی سے ہی پروان چڑھتے ہیں کیا فائدہ وہ تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر شادی کر لے گا‘ مگر عنائیہ اسے کبھی قبول نہیں کرے گی‘ وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھا لمحوں میں ہی ذہن نے دل و دماغ کے ساتھ ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

”محریب بھائی‘ محریب بھائی!“ رافع نے متواتر اس کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی وہ چونک ہی گیا۔

”آ جاؤ یار!“ وہ اٹھ کر بیٹھا۔

”محریب بھائی! آپ کو بڑے ابو بلا رہے ہیں“۔

”اچھا آتا ہوں“۔ سر ہلا کر کہا رافع چلا گیا تھا۔ ہال کمرے میں آیا تو دیکھا جواد احمد نہیں تھے البتہ باقی افراد موجود تھے۔ نزہت تو خاصی مغموم سی بیٹھی تھیں۔

”ابو! آپ نے مجھے بلایا؟“ وہ مؤدب انداز میں پوچھتے ہوئے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”محریب! ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تمہاری اور عنائیہ کی شادی کر دی جائے“۔

”لیکن ابو! میں یہ کہتا ہوں کہ اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کریں“۔ اس نے بغیر رکے ہی جھٹ انہیں روکا۔

”جواد مجھ سے کہہ کر گیا ہے اور پھر اماں جی کی طبیعت کو تم جانتے ہو وہ بالکل نہیں مان رہی ہیں“۔

”ابو! ہم دادی جان کو سمجھا سکتے ہیں اور پھر میں کم از کم ہرگز بھی ایسے شادی نہیں کروں گا کہ عنائیہ راضی نہ ہو“۔ وہ ویسے ہی صاف گو آدمی تھا ہر بات کو کلیئر کرتا تھا جو اس کے دل میں ہوتا تھا وہی منہ سے بھی کہتا تھا۔

”عنائیہ کو جواد منا لے گا‘ پھر تمہاری امی بھی جا کر بات کریں گی“۔

”ہاں محریب! تم اس بات سے بے فکر ہو جاؤ“۔ نزہت نے بھی اسے گویا تسلی ہی دی محریب اسی لمحے لب بھینچ کر ہی رہ گیا زیادہ بحث نہ وہ کرتا تھا اور نہ ہی پڑتا تھا۔

”اماں جی کو سنبھالنا اس وقت مشکل ہو رہا ہے اور تم پھر جانتے ہو کہ ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے“۔ ریحان احمد اسے آگاہی دینے لگے۔

مگر محریب کو یہ دھوکے کی زندگی ذرا پسند نہ تھی جب وہ دل سے راضی نہیں ہوگی تو یہ شادی جیسا رشتہ کبھی مضبوط نہیں ہو سکتا۔

”سمیرا چچی کو آپ جانتے ہی ہیں“۔

”سمیرا کی جواد نے نہ پہلے سنی تھی اور نہ اب سنے گا وہی کرے گا جو اس نے یہاں بیٹھ کر طے کیا ہے اس وقت اماں جی صحت و زندگی کی زیادہ اہمیت رکھتی ہے“۔ انہوں نے کہا اور پھر وہ بات ختم کر کے کھڑے ہی ہو گئے تھے چچا جان نے محریب کے شانے پر تھپکی دی وہ جواب میں ان سے اور کیا کہتا جب وہ فیصلہ کر چکے تھے مگر ایک فیصلہ اسے بھی کرنا تھا جو بہت ضروری تھا ساری زندگی کا معاملہ تھا وہ ایک دوسرے سے آنکھ چرا کے زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا اس وقت اس نے چپکی ہی سادھ لی تھی۔

☆

دوسرے دن وہ حسنہ پھپھو کی طرف چلا گیا احد آفس سے آ چکا تھا دونوں نے پہلے ڈنر کیا اور پھر محریب اسے لے کر باہر لان میں ہی نکل گیا کیونکہ سارے رازوں سے وہ واقف تھا۔

”تمہارا کیا فیصلہ ہے؟“

”فیصلہ میں اسے سناؤں گا“۔ اس نے آسمان پر چمکتے ستاروں پر نگاہ جما کے کہا احد نے گہری اور پر تفکر نگاہیں اس پر گاڑ دیں۔

”محریب! کوئی گڑبڑ تو نہیں مچانے والے تم؟“

”جب میری زندگی ہی گڑبڑ ہو گئی ہے تو میں کیا گڑبڑ مچاؤں گا“۔ اب دونوں نرم نرم گھاس پر چہل قدمی کرنے لگے بڑا سا لان اور سائیڈ پر خوبصورت پھولوں کے پودے اور مین گیٹ کی سائیڈ پر آم کے بڑے بڑے درخت ہوا سے جھوم رہے تھے۔

”بس‘ بس زیادہ فلاسفر نہ بنو“۔ احد کو اس کی ایسی روکھی اور ثقیل گفتگو ہمیشہ بری لگتی تھی۔

”کیا مطلب لے کے کہاں جاؤ گے؟“ محریب کو اس کا سوالیہ انداز چڑا ہی گیا۔

”یہاں تو بات ہو نہیں سکے گی کیونکہ امی اور ابو دونوں ادھر ہیں اور پھر پچھلی بار کا قصہ تو تم بھی نہیں بھولے ہو گے“۔ اس نے محریب کو یاد دلایا جب اس نے بات کرنے کے لئے ہی عنائیہ کو حسنہ پھپھو کے گھر بلوایا تھا۔

”ہاں یاد ہے جب ہی کہہ رہا ہوں‘ میں اسے لانگ ڈرائیو پر لے جاؤں گا اسی طرح بات بھی ہو سکے گی“۔

”یار محریب! مجھے جانے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ اس بار تم کچھ غلط ہی کر دو گے یار سوچ لو وہ لڑکی خاندان میں سب سے الگ ہے‘ ایسے جارحانہ انداز وہ نہیں برداشت کر سکے گی“۔ احد رک کر کھڑا ہو گیا محریب نے تیکھے چتون کئے اور اسے گھورنے لگا۔

”جارحانہ انداز کیا بکواس کر رہے ہو یار؟“ وہ تو ایک دم پزل بھی ہو گیا۔

”یہی کہ تم اگر غلط طریقے سے اسے مجبور کرو گے شادی کے لئے تو یار خاندان کی عزت کا خیال کرو“۔

”لاحول ولاقوۃ ہمیشہ بے ہودگی ہی سوچنا“۔ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اسے سنانے لگا۔

”تم اس سے اکیلے میں ملن کو کہہ رہے ہو اور تمہارے دماغ کا پتہ بھی نہیں ہے‘ کیونکہ مجھے تو تمہاری آنکھوں میں کبھی بھی عنایہ کے لئے وہ جذبات نظر آئے جو ایک لڑکے کے اپنی اتنی خوبصورت منگیتر کو دیکھ کر ہوتے ہیں“۔

”ہر چیز کا اور ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے‘ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سب کے سامنے ایسی فضول حرکتیں کروں“۔ وہ جھینپ گیا دونوں چلتے چلتے تھک گئے تو گھاس پر لیٹ گئے‘ دودھیا روشنی پورے لان میں پھیلی ہوئی تھی ہوا چل رہی تھی پودے اور درخت جب ہلتے تو اور زیادہ ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے تھے۔

”یار! لڑکیاں پھول کی طرح ہوتی ہیں‘ اگر ان پر ذرا سی پیار بھری نگاہ کی پھوار برسا دو تو وہ کھل سی جاتی ہیں“۔ احد اسے بڑے مدبرانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے حیران کر رہا تھا۔

”جبکہ عنایہ تمہاری بچپن کی منگیتر ہے‘ اتنا تو اس بے چاری کا حق بنتا ہے کہ تم پیار بھری میٹھی نگاہوں سے ہی دیکھ لو چاہے بات نہ کرو کوئی رومینٹک سی“۔

”میں پھر تمہیں بتا دوں‘ جب وقت آئے گا اسے کوئی شکایت نہیں ہو گی لیکن وقت سے پہلے بالکل نہیں“۔ وہ عام لڑکوں کی طرح تو نہ تھا جو ہر وقت کے فضول ڈائیلاگ بولتے ہیں وہ اپنے جذبات چھپا کے رکھے ہوا تھا‘ کسی خاص موقع کے لئے تاکہ اس کے جذبات میں نیا پن تو اسے لگے‘ چاہے اسے پوری زندگی اس سے محبت بھرے رومینٹک ڈائیلاگ ہی کیوں نہ بولنے پڑیں‘ وہ بولے گا مگر وقت سے پہلے اپنے جذبات اس پر آشکار نہیں کرے گا۔

”پانچ سال تم نے امریکا میں گزارے ہیں لیکن اتنے دقیانوسی کیوں ہو“۔ احد کو اس پر غصہ آنے لگا اور پھر اٹھ کر بھی بیٹھ گیا۔

محریب کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ ٹھہر گئی کیونکہ احد اسے گھور رہا تھا۔

”میرے اصول الگ ہیں میں جو بہتر سمجھتا ہوں وہ کرتا ہوں“۔ تفاخر زدہ اس کا انداز تھا۔

”یہ جو تم لٹھ مار ہو نا تمہارے ایسے انداز پر تو وہ جھٹ سے انکار ہی کرے گی یار میرے‘ لب و لہجے میں انداز میں آنکھوں میں محبت سمو کر اس سے بات کر دیکھو قدموں میں پگھل کر وہ بیٹھ جائے گی فوراً شادی کے لئے رضامندی دے دے گی“۔

”بس رہنے دو میں جیسے اسے جانتا نہیں ہوں کتنی ہٹیلی ہے ایک انچ نہیں ہلے گی“۔

”پھر کیوں بات کر رہا ہے چھوڑ“۔ احد اپنی پینٹ کو ہاتھوں سے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”کل کے بعد چھوڑ دوں گا“۔

”کیا مطلب......؟“ احد نے چونک کر پوچھا۔

”ارے میرا مطلب ہے کہ آخری بار پوچھ لیتا ہوں اس کی مرضی کیا ہے پھر ہی تو بات آگے بڑھے گی خواہ مخواہ زبردستی شادی ہو گئی تو ساری زندگی مجھے الزام ہی دیتی رہے گی“۔ گڑبڑا کے اس نے جھٹ بات سنبھالی۔

”ویسے اس سے پوچھنا فضول ہی ہے ماموں جان نے اور ریحان ماموں نے تو تمہاری شادی کا سوچ ہی لیا ہے“۔

”ابھی اس قصے کو چھوڑ دو میں کل پانچ بجے گھر آؤں گا کیونکہ سنڈے ہے گھر پر تم بھی ہو گے میں بھی لیکن دھیان سے پھپھو کو نہ پتہ چلے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی“۔ اسے حسنہ پھپھو سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

”کیا بات ہے آپ دونوں کیا سارا ٹائم یہیں گزار دیں گے“۔ پنک کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں وہ مسکراتی ہوئی

آئی تھی دونوں کے لب بھینچ گئے۔

”بھابی! خیر سارا ٹائم تو نہیں گزاریں گے میں بھی چلتا ہوں“۔ محریب مسکرایا۔

”یار! کہاں ابھی چائے کا دور تو چلا ہی نہیں“۔

”تمہیں پتہ ہے میں رات میں چائے نہیں پیتا ہوں“۔ محریب نے یاد دلایا۔

”محریب بھائی! آپ کو تو ابھی سے عنایہ کو اپنی ساری پسند ناپسند سے آگاہ کر دینا چاہیئے“۔ شامین نے چھیڑا۔

”یہ نواب ہیں سارا کچھ اپنے محل میں کریں گے روبرو بیٹھ کر پہلے سے نہیں“۔ احد اکثر بے باک بھی ہو جاتا تھا۔

”بکواس کم کیا کرو“۔ محریب جھینپ گیا‘ شامین کو ہنسی آ گئی۔

”ویسے عنایہ کے مزاج کا بھی پتہ نہیں چلتا ہے کیا پسند ہے اور ناپسند ہے“۔ شامین نے سرد آہ بھری۔

”دونوں ہی روکھے پھیکے سے ہیں جانے آگے کریں گے کیا“۔ احد کو یہی پریشانی رہتی تھی۔

”وہی جو تم کر رہے ہو“۔ محریب نے مسکراتے ہوئے کان میں سرگوشی کی اور احد کی تو حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئیں کہ محریب اور ایسی معنی خیز بات اس سے پہلے وہ اسے پکڑتا محریب ان دونوں کو سلام کرتا ہوا نکل گیا‘ شامین احد کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

”یار! یہ تو اپنے ہی قبیلے کا ہے بس خود پر خول چڑھایا ہوا ہے“۔ وہ شامین سے مخاطب ہوا تھا۔

”سنو! کل تم نے عنایہ کو کسی طرح بھی یہاں لانے کے لئے راضی کرنا ہے محریب کو اس سے بات کرنی ہے“۔ احد چلتے ہوئے اسے ہدایت دینے لگا۔

”مشکل ہے‘ کہ وہ آئے“۔

”تمہیں اسے لانا ہے کیونکہ تم جانتی ہو دونوں کی شادی ہونے والی ہے اچھا ہے دونوں آپس میں بات کر لیں جو بھی چاہتے ہیں“۔

”کیوں آپ کو نہیں بتایا محریب بھائی نے؟“ شامین نے پوچھا۔

”خاصا گھنا ہے بتا کے نہیں دیا“۔

”محریب بھائی کچھ ریزرو سے رہتے ہیں“۔ وہ بولی۔

”دوسروں کے ساتھ میرے ساتھ بالکل نہیں اس کی رگ رگ بلکہ نس نس سے واقف ہوں“۔ وہ بتانے لگا۔

”پھر بتایئے کہ وہ کیا بات کریں گے عنایہ سے“۔ وہ استفسار کرنے لگی۔

”بات کیا کرنی ہے‘ گڑبڑ کرے گا اور مجھے ڈر ہے کہ بات سنبھلنے کے بجائے بگڑ نہ جائے‘ پھر سمیرا امی کو تو موقع ہی مل جائے گا“۔ احد نے محریب کی گفتگو سے کافی کچھ اخذ بھی کر لیا تھا۔

”سمیرا امی نے بھی الگ ہی ضد باندھی ہوئی ہے“۔ دونوں پھر کافی دیر تک ان پر ہی باتیں کرتے رہے تھے کیونکہ ایک سمیرا نے پورے خاندان کو ہلا کر ہی رکھا ہوا تھا‘ جو صرف دل سے سوچتی تھیں دماغ کا استعمال کم ہی کرتی تھیں۔

............☆............

”میں نے سوچا کہ آج تمہارے پارلر سے ہی اپنی کٹنگ کروا لوں گی‘ اس بہانے تم سے مل بھی لوں گی“۔ سمیرا بیگم کی کالج فیلو سائرہ ان سے ملنے چلی آئی تھیں۔ سائرہ بھی انہی کی طرح فیشن ایبل تھیں اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہلاتی ہی رہتی تھیں۔

"سمیرا! تم تو ابھی تک زیادہ عمر کی لگتی ہی نہیں ہو اور تمہاری بیٹیوں کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں ہے کہ تم جوان بیٹیوں کی ماں ہو"۔ انہوں نے مزید آسمان پر چڑھایا سمیرا بیگم کے پہلے ہی پاؤں زمین پر نہ تھے اور یہ کم عمر کے خطاب نے ان کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچایا ہوا تھا۔

"مجھے دیکھ کر ابھی تک بھی لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میری شادی نہیں ہوئی"۔ باہر بیٹھے جواد احمد سب سن رہے تھے اور ان کی سہیلی کی مبالغہ آرائی تو انہیں آگ ہی لگا رہی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمہاری ماں کو کم عمر بننے کا"۔ انہوں نے ٹرے لے جاتی عنائبہ سے کہا وہ لب کچلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"ارے سمیرا! عنائبہ کی تو تم نے بچپن میں منگنی کر دی تھی"۔ سائرہ کو یاد آیا تو پوچھا۔

عنائبہ سینٹرل ٹیبل پر لوازمات رکھ رہی تھی نگاہ اس نے جھکائی ہوئی تھی اپناذکر ویسے بھی اسے ناگوار ہی گزرتا تھا۔

"لیکن میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں نہیں کروں گی"۔ سمیرا ذرا فخر سے ہی گویا ہوئیں عنائبہ کو بھی جتایا وہ لب کچلنے لگی۔

"سمیرا! تمہیں اپنی بیٹی کی شادی اتنی جلدی کرنی بھی نہیں چاہیئے کیونکہ ابھی تمہاری ایسی کوئی عمر بھی نہیں ہے کہ ساس بنو پھر بعد میں نانی جلدی بن گئیں تو سارا ہی اسکوپ ابھی سے خراب ہو جائے گا"۔ سائرہ نے انہیں مزید حسن اور نفس کی قصیدہ گوئی کی تو وہ کچھ اکڑ کے ہی بیٹھ گئیں۔

"ارے اتنی جلدی تو میں بھی کرنے والی نہیں ہوں اور اپنی سسرال میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ انہوں نے ہاتھ چلا کر ہنکارا ابھرا۔

عنائبہ سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا آنکھوں میں نمی اور افسردگی لے کر ڈرائنگ روم سے نکلی تھی اس کی ماں اتنی خود غرض بھی ہو سکتی ہے اس نے صرف ابو کے منہ سے سنا ہی تھا مگر اس کا مظاہرہ بھی دیکھ لیا وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی مگر چھپ کر وشہ اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئی جو ڈائینگ روم میں تھی۔

"آپی! کیا بات ہے کیوں رو رہی ہیں؟" وشہ تو گھبرا ہی گئی۔

"کک...... کچھ نہیں"۔ آنسو چھپانے کی وہ ناکام کوشش کرنے لگی۔

"دیکھیے آپی! مجھ سے کچھ چھپایئے نہیں کیا بات ہے"۔ وشہ ویسے ہی دو دن سے پریشان بھی تھی کیونکہ جواد احمد نے گھر میں عنائبہ کی شادی کا جو کہہ دیا تھا اور اسے پتہ تھا کہ عنائبہ بالکل بھی رضامند نہیں ہوگی۔

"پلیز آپی! کچھ تو بولیے امی نے کچھ کہا ہے یا ابو نے"۔ وہ کھسیا ہی گئی۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا ہے؟"

"آپ بلاوجہ کبھی بھی اتنا نہیں روتی ہیں' آپ تو حالات کا مقابلہ کرتی ہیں اور مجھے حیرت ہے کہ رو رہی ہیں دوسروں کو تسلی دینے والی ہمت دینے والی اور مضبوط ارادوں والی کے آنکھوں میں آنسو"۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"وشہ! امی کبھی بھی میری شادی نہیں ہونے دیں گی"۔

"کیوں نہیں ہونے دیں گی ہوگی اور ضرور ہوگی ابو دادی جان کے گھر ساری بات طے کر آئے ہیں"۔ وہ اسے اطمینان دلانے لگی۔

"لیکن وشہ! میں چاہتی ہوں میری شادی پر امی خوشی خوشی شرکت کریں"۔ اس کے دل میں تو آج پھانس چبھ گئی تھی وہ سوچ سوچ کر حیران تھی کہ اس کی سگی ماں ایسی سوچ رکھتی تھی جبکہ وہ بیٹی ہو کر اپنی ماں کے متعلق ذرا بھی نہیں سوچتی تھی۔

"آپ کو اندازہ ہے امی کبھی بھی ایسا نہیں کریں گی"۔

"میں ساری زندگی انتظار کر دوں گی"۔ اپنے آنچل سے آنسو وہ خشک کر رہی تھی۔

"آپ نے محریب بھائی کے متعلق بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں کب تک انتظار کریں گے"۔ وشہ کو اس کی ضدی طبیعت سے اکثر چڑ ہوتی تھی۔

"بچپن سے ہی انتظار کر رہے ہیں مزید انتظار کر لیں گے تو کیا ہو جائے گا"۔ اسے تو ویسے ہی محریب کی ایسی تلخ اور سرد باتوں نے اور ہی مایوس کر دیا تھا وہ بھی تو اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

"آپی! محریب بھائی کا اس میں قصور کیا ہے آپ شادی کے بعد بھی تو امی کو منا سکتی ہیں اور دیکھیے گا جب آپ کی شادی ہو جائے گی تو امی خود بخود مان لیں گی"۔ وہ اسے سمجھانے لگی۔

"بعد میں اور پریشانیاں ہوں گی مجھے خبر ہے امی میری شادی کے بعد بھی وہاں قدم نہیں رکھیں گی یہ مجھ سے گوارہ نہیں ہوگا"۔ لب کچلنے لگی

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" سمیرا بیگم نے کڑے تیوروں سے دونوں کو دیکھا۔

وہ دونوں بوکھلا ہی گئی تھیں' عنائبہ کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھ لئے تھے وہ نگاہ جھکا کر رہ گئی۔

"میری باتیں بری لگی ہیں نا جب ہی رو رہی تھیں"۔ اس لمحے وہ اتنی سنگدل لگ رہی تھیں' وشہ تو دانت پیس رہی تھی۔

"وہ سب باتیں میں جان بوجھ کے کر رہی تھی میں تمہاری شادی وہاں بالکل نہیں کروں گی تمہیں آج ہی اپنے باپ کو فیصلہ سنانا ہے"۔ وہ تو اڑ ہی گئی تھیں۔

"امی! آپی کی منگنی بچپن کی ہوئی تھی"۔ وشہ نے جھٹ مداخلت کی۔

"میں نے شروع سے اس منگنی کو نہیں مانا ہے"۔

"پلیز امی! آپ آپی کے ساتھ یہ ظلم نہ کریں"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"میں اس کا اچھا برا سمجھتی ہوں یہ ظلم نہیں ہے بلکہ ان سب کے ظلم سے بچا رہی ہوں بعد میں اسے یہی طعنے سننے کو ملیں گے"۔ عنائبہ آنچل ہونٹوں پر رکھ کر اندر چلی گئی کافی دیر تک وشہ اور سمیرا بیگم میں بحث ہی ہوتی رہی تھی پھر وشہ اور معارج عنائبہ کے مقابلے میں کچھ تیز طرار بھی تھے اس لئے ان کا مقابلہ کر لیتے تھے۔

............☆............

"یمنی! ذرا فون تو ملا میں اپنی بچی سے فون پر بات ہی کر لوں"۔ دادی جان نے یمنی سے کہا وہ ان کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھی۔

"جی اچھا"۔ فوراً حکم کی تعمیل کے لئے وہ اٹھی تھی۔

اسی اثناء میں محریب ان کے کمرے میں چلا آیا تھا' اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس اونچا لمبا محریب اس پر اس کی سوبر شخصیت اس کی وجاہت و وقار کو بڑھا دیتی تھی۔

"کیسی ہیں دادی جان؟" اس نے مسکراتے ہوئے ان کے ضعیف سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے تھے۔

"ویسی ہی ہوں تو کیسا ہے کہیں جا رہا ہے"۔ انہوں نے اس کے چہرے پر پیار بھری نگاہ ڈالی جو ابھی بھی مسکرا ہی رہا تھا۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر5 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express
your thoughts
beautifully
Junaid Ansar 96

"کچھ ضروری کام ہے"۔

"دادی جان! فون میں نے کیا تھا عنائبہ باجی سو رہی تھیں"۔ یمنیٰ انہیں اطلاع دینے چلی آئی محریب چونک گیا۔

"وشہ اور معارج اپنی آنی کے گئے ہوئے ہیں جواد چاچو نے فون ریسیو کیا تھا"۔

"میری بچی کو دیکھے ہوئے آنکھیں ترس سی گئی ہیں"۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

محریب حیران بھی تھا کہ اس نے تو احد سے کہا تھا کہ وہ عنائبہ کو پانچ بجے تک لے آئے گا باہر پھر وہ سو رہی تھی تیزی سے کمرے سے نکلا تاکہ احد کو کال تو کرے اور کوریڈور میں کھڑا ہو کر اپنے موبائل پر اسے کال کرنے لگا۔

"یار! تم گئے نہیں؟" محریب اس کی آواز سنتے ہی جھنجلا کر بولا۔

"تمہارا کام آرام سے ہو جائے گا' وشہ اور معارج اپنی آنٹی کے گھر گئے ہوئے ہیں اور سمیرا امی اپنی دوستوں میں نکلی ہوئی ہیں گھر میں صرف جواد ماموں اور عنائبہ ہیں"۔ احد اسے بتانے لگا۔

"جواد چاچو کے سامنے میں کیسے بات کر سکتا ہوں"۔ وہ منمنایا۔

"جواد ماموں تم لوگوں کی طرف آئے ہوں گے بڑے ماموں سے کچھ بات کرنے"۔

"یہ تمہیں اتنی تفصیل دی کس نے ہے؟" محریب کو حیرانی بھی ہوئی۔

"شامین کو فون کیا تھا وشہ سے تفصیل سے بات ہوئی تھی عنائبہ سے بھی ہوئی تھی۔

"پھر میں ابھی جاؤں یا رک کر؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ایسا کرنا چھ بجے تک نکلنا جواد ماموں جب تک گھر سے نکل ہی جائیں گے"۔ وہ اسے ہدایت دینے لگا۔

محریب کو گھبراہٹ سی ہونے لگی کہ گھر میں اکیلے میں عنائبہ سے ملنا پھر بات بھی ایسی تھی کہ جنگ تو ہونا لازمی ہی تھی وہ موبائل اپنی قمیض کی پاکٹ میں رکھ کر دادی جان کے کمرے میں ہی چلا آیا تھا۔ یمنیٰ ان کے مالش کرنے کے بعد تیل کی بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ گھر میں کچھ سناٹا تھا مائز اور فائق تو کہیں نکلے ہوئے تھے اور رافع کمپیوٹر پر بیٹھا تھا۔

"تو گیا نہیں ابھی؟" دادی جان نے اسے اپنے بیڈ پر نیم دراز دیکھا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

"ابھی جاؤں گا کچھ دیر آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتا کیا؟"

"کیوں نہیں مجھے تو اس دن اور خوشی ہوگی جب تیری شادی ہوگی تو اور عنائبہ ساتھ ساتھ میرے سامنے آکے بیٹھیں گے"۔ ان کی ہر بات میں عنائبہ کا ہی ذکر تھا محریب نے جھینپ کر انہیں دیکھا۔

"سوچ لیں دادی جان! اگر بھائی جان کو آتے ہی بھابھو نے قابو کر لیا تو آپ کے پاس بھی آنے نہیں دیں گی"۔ مائز کی غیر متوقع آمد ہوئی تو محریب چونک گیا۔

"فضول مت ہانکا کرو سب سے پہلے میرے لئے دادی جان اہمیت رکھتی ہیں تمہاری بھابھو کی کیا مجال کے مجھے قابو کرے"۔

"واہ...... سنا دادی جان! ان کی سوچ ورنہ تو بولتے ہی نہ تھے بولے بھی تو ایسا کہ انسان سوچ میں پڑ جائے کہ محریب احمد بھی بول سکتے ہیں"۔

"چل ہٹ میرے بچے کو مت تنگ کر وہ ایسا مذاق نہ کرتا ہے اور نہ پسند کرتا ہے"۔ دادی جان ہی اس کی حمایت میں بولنے لگی تھیں۔ اسی اثناء میں آگے پیچھے رضوان احمد' ریحان احمد' اور جواد احمد اندر آئے تو دونوں بھائی مؤدب ہو کر کھڑا ہو گئے دونوں نے انہیں سلام بھی کیا تھا محریب کو اطمینان ہو گیا کہ جواد احمد یہاں آ گئے ہیں تو اسے اب وہاں جانا تھا۔

"تم کہاں چلے؟" ریحان احمد نے اسے جاتا ہوئے دیکھا۔

"ابو! کسی سے ملنا ہے مجھے"۔ جواد احمد نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی محریب نگاہ چرا کر باہر نکل آیا تھا۔

............☆............

طبیعت اس کی اتنی گھبرائی تھی کہ وہ جواد احمد کے جانے کے بعد نہانے گھس گئی تھی رونے سے اس کا سر بھاری اور بوجھل ہو گیا تھا آنکھیں بھی کچھ سوج رہی تھیں' پیچ کلر کے کاٹن کے کپڑوں میں اس کا سراپا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا دراز بالوں سے پانی ٹپ ٹپ کر رہا تھا' وہ ہاتھوں اور پیروں پر بیڈ پر بیٹھ کر لوشن لگا رہی تھی کہ ڈور بیل سے چونک گئی پھر اس وقت وہ تنہا تھی سمجھ گئی کہ معارج اور وشہ ہوں گے کیونکہ دونوں نے چھ بجے تک آنے کو کہا تھا چھ بج ہی رہے تھے آنچل بائیں شانے پر جھول رہا تھا' گیلی گیلی زلفیں پشت پر بکھری ہوئی تھیں' باہر گیٹ تک آئی تو آہنی گیٹ کے لینس سے دیکھا محریب کھڑا تھا وہ تو گھبرا ہی گئی۔

"یہ اس وقت یہاں"۔ تذبذب کا شکار ہو گئی۔ ڈور بیل پھر متواتر بجنے لگی۔

"کک...... کون...... ہے؟" کچھ ہکلا کے ہی گویا ہوئی۔

"میں ہوں محریب"۔ گھمبیر آواز پر دل ہی دھڑک اٹھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گیٹ کھولے یا ان سنی کر دے لیکن اب تو پوچھ بھی لیا تھا وہ بوکھلاہٹ کا شکار بھی ہو گئی تھی۔

"مجھے پتہ ہے تم ہو اس لئے دروازہ کھولو"۔ ذرا تیز اور درشت لہجے میں محریب نے کہا۔

اسی وقت اس نے لاک گھما کر گیٹ کھولا تھا سامنے وہ وائٹ کلف لگے قمیض شلوار میں ملبوس اپنی شاندار پرسنیلٹی کے ساتھ کھڑا تھا' عنائبہ نے سائیڈ پر ہو کر اسے اندر آنے کے لئے جگہ دی اور پھر وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اندر آ گیا' عنائبہ نے اپنا آنچل شانوں پر درست کرنے کے ساتھ سر پر بھی ڈال لیا کیونکہ اس کے بال گیلے پشت پر پھیلے تھے سرخ و سپید نرم گداز اس کے ہاتھ پیر محریب کی بے اختیار نگاہوں سے بچے نہ رہ سکے تھے۔

"اندر تو جانے کی اجازت ہے یا باہر سے ہی لوٹانے کا ارادہ ہے"۔ طنز کے ساتھ تلخی بھی در آئی تھی۔

عنائبہ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا اثبات میں سر ہلایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی محریب نے بھی تقلید کی تھی سامنے سے گزرتے ہوئے پہلے لاؤنج ہی پڑتا تھا وہاں درمیان میں صوفہ سیٹ قرینے سے ہی پڑا ہوا تھا وہ بڑے صوفے کا انتخاب کر کے بیٹھ گیا جبکہ وہ لب کچلتی ہوئی کچن کی سائیڈ والے حصے پر کھڑی تھی۔

"اگر یہاں میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ گی تو میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا"۔ وہ اتنا تلخ تو نہ تھا مگر آج جانے کیوں دل یہ کر رہا تھا کہ عنائبہ کو خوب نخرے دکھائے۔

وہ جھجکتی ہوئی سائیڈ والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی دل کی دھک دھک بڑھ رہی تھی ہونٹ خشک ہو رہے تھے' نگاہ اٹھ نہیں رہی تھی ______ کل سے وہ ویسے ہی اتنا انتشار کا شکار تھی کہ پوری رات نیند نہ آئی اور آج کا سارا دن بھی روتے ہوئے ہی گزرا تھا۔

"میں آج آخری بار یہ پوچھنے آیا ہوں کہ جواد چاچو نے تم سے پوچھا کچھ ہماری شادی کے بارے میں"۔ وہ بغیر تمہید کے ہی گویا ہوا۔ عنائبہ کے تو پسینے ہی چھوٹ گئے کہ وہ صرف یہ پوچھنے آیا ہے وہ بھی اتنے جارحانہ انداز میں فوراً ہی نگاہ اٹھائی تصادم ہوا۔

"دیکھو! میں تمہاری خاموشی کے لمحے گننے نہیں آیا ہوں جلدی بتاؤ چاچو نے پوچھا تم سے کچھ؟"

"جی رات پوچھا تھا"۔

”کیا پوچھا تھا؟“ وہ اب اس کے منہ سے سننا چاہ رہا تھا کیونکہ اسے سامنے دیکھ کر تو اس کی بولتی ہی بند ہو جاتی تھی۔

”یہی کہ تمہاری شادی کر رہا ہوں اسی ایک ماہ میں“۔

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“ وہ مسلسل اسے اپنی نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوا تھا وہ گھبرا بھی رہی تھی۔

”یہی کہ میں امی کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کروں گی اگر انہوں نے زبردستی کی تو صرف ان کے فیصلے پر سر جھکا دوں گی ان کی خوشی کی خاطر“۔

”ہاں ان کی خوشی کی خاطر“۔ وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔

”اب تم میری بات غور سے سنو مجھے پتہ تھا تمہیں چاچو مجبور کریں گے تم مان بھی جاؤ گی لیکن میں اتنا مجبور نہ ہوا ہوں اور کبھی ہوں گا اس لئے ہو سکتا ہے مجھے بھی صرف دادی جان کی خاطر شادی کے لئے رضامندی دینی ہو لیکن یہ شادی تم رد کو گی سنا تم نے“۔ انداز اس کا پھر روڈ سا ہی تھا۔ عنائبہ ہکا بکا سی اسے دیکھنے لگی تھی اتنے خطرناک تیوروں میں تو اس نے محریب کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”کیا میں......؟“

”ہاں تم کیونکہ میرا اور تمہارا رشتہ پہلے بھی میری مرضی سے نہیں جوڑا گیا تھا اس لئے اگر میں کچھ انکار کروں گا تو چاچو کو زیادہ تکلیف ہو گی تم ان کی بیٹی ہو اس طرح ہمارے گھرانے کا بھرم کچھ تو قائم رہے گا“۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں اس طرح بھرم برقرار رہے گا؟“ الٹا تنک کے ہی سوال کر ڈالا۔

”یہ اب تمہیں سوچنا ہے لیکن شادی میں اب تم سے نہیں کروں گا“۔ عنائبہ کے دل میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا وہ تو صرف چند لمحے مہلت کے ہی تو مانگ رہی تھی اپنی ماں کو منانے کے اور وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

”میں نے شادی سے انکار تو نہیں کیا ہے“۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

”تم نے ابھی کیا کہا کہ تم صرف چاچو کے فیصلے پر ان کی خوشی کی خاطر سر جھکاؤ گی لیکن میں ایسی دوغلی زندگی نہیں گزار سکتا ہوں“۔ وہ اتنا سپاٹ اور سرد مہر لگ رہا تھا کہ عنائبہ کو رونا ہی آنے لگا پہلے ہی وہ پریشان تھی اوپر سے مستزاد محریب کی باتیں سماعتیں بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔

”فرض کرو اگر شادی ہو بھی گئی تو تم اور میں دو کنارے ہوں گے“۔

”آپ میری مجبوری تو سمجھ سکتے ہیں“۔ وہ بے بسی سے رونے لگی۔

”کیا مجبوری سمجھوں ایک سمیرا چچی راضی نہیں ہیں تم نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا ہے لیکن میں تم سے شادی کر کے کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا“۔ دل کھول کر آج بھڑاس نکال رہا تھا۔

عنائبہ جو اپنے اندر محبت کو سینچ رہی تھی وہ تو اس سے ابھی لاعلم ہی تھا کتنی جلدی محبت کی سرزمین کو اس نے اپنے اتنے کڑوے اور تلخ جملوں سے بنجر کر دیا تھا کب سے وہ فصل بو رہی تھی اور اس نے اپنے زہریلے رویئے سے محبت کی فصل کو تباہ کر دیا تھا۔

”انکار تم کرو گی میں نہیں چاہے ساری زندگی تم میرے نام پر بیٹھی رہو لیکن میں تم سے شادی نہیں کروں گا اس ملک سے ہی چلا جاؤں گا“۔

”پلیز! آپ میری بات تو سنیئے“۔ وہ حواس باختہ ہی ہو گئی۔

”تمہیں صرف اپنی ماں کی فکر ہے وہ جو اتنے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں تمہیں چاہتے ہیں ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے دادی جان جن کی صبح تمہارا نام لے کر ہوتی ہے اور رات تمہارا نام لے کر ہوتی ہے اگر تمہیں ایک ہفتہ

ہو جائے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے نہ دیکھ لیں چین سے نہیں بیٹھتی ہیں وہ بھی تو کسی کی ماں ہیں ان کے جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے صرف تم اپنی ماں کی وجہ سے اتنے لوگوں کو اگنور کر رہی ہو مجھے بتاؤ کسی دن بھی سمیرا چچی نے اچھے الفاظ میں ہمارا ذکر کیا ہو“۔ وہ تو پھٹ ہی پڑا تھا۔

”ارے تمہیں تو رشتے نبھانے اور سنبھالنے ہی نہیں آتے تم اکیلی اپنی ماں کو منا لو گی بتاؤ“۔ وہ دھاڑا تھا۔

”عنائبہ! وہ ہمیں جدا تو کر کے خوش ہوں گی مگر ہمارے خاندان سے رشتہ جوڑ کے کبھی خوش نہیں رہیں گی“۔ عنائبہ کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے اس وقت ویسے بھی تنہا تھی محریب کو تکلیف تو ہو رہی تھی مگر وہ تو شروع سے ہی ریزرو طبیعت کا تھا وہ ایسی جسارت کیسے کر سکتا تھا کہ عنائبہ کے آنسو صاف کرے۔

”میں یہی کہنے آیا تھا لیکن اس بات سے بے فکر ہو جاؤ رشتہ میں تم سے کبھی نہیں توڑوں گا مگر شادی بھی نہیں کروں گا“۔ وہ پشت پھیر کے جانے لگا۔

”میری بات بھی تو سن لیں میں کیا چاہتی ہوں“۔

”تم صرف اپنی امی کو چاہتی ہو اور چاہتی رہو تمہیں تمہاری امی سے جدا کر کے گناہ گار نہیں بن سکتا ہوں“۔ ترخ کے طنز ہی کیا۔

”پھر ٹھیک ہے خاص شادی والے دن ہی میں اس ملک سے فرار ہو جاؤں گا“۔ اس نے دھمکی دی۔

عنائبہ وحشت زدہ ہی رہ گئی وہ اتنا سفاک اور سنگدل کب تھا یہ اچانک ہی محریب کے اندر اتنی خود سر اور خود غرض روح کہاں سے آ گئی تھی پھر وہ رکا نہیں چلا گیا اس کے دل پر بوجھ بڑھا کے وہ تو چاروں جانب سے ہی بے بس تھی فیصلہ اس پر ڈال کے گیا تھا کیا کرے کس سے کہے جواد احمد تو رات کو اسے اتنا سمجھا چکے تھے مگر وہ تو تب سے بھی انکار ہی کرتی رہی تھی۔

............☆............

جس وقت وہ گھر آیا گھر میں اسے ماحول ہی الگ لگا جواد احمد ابھی تک وہیں تھے سارے ہی ہال کمرے میں موجود تھے سب کے چہرے ایک الگ ہی رنگ کے نظر آ رہے تھے محریب کی نگاہ رافع پر پڑی جو مسکرا رہا تھا فائق بھی موجود تھا مگر نہیں تھا تو مائز ہی نہیں تھا۔

”لو آ گیا محریب اسے بھی ہم بتا دیتے ہیں کیونکہ آگے کا کام یہی سنبھالے گا“۔ ریحان احمد کی نگاہ حیرانگی میں ڈوبے محریب پر پڑی تو وہ چونک گیا۔ نزہت تو چہرے پر افسردگی طاری کیے بیٹھی تھیں اسے تشویش بھی ہو رہی تھی۔

”کیسا کام......؟“ وہ کچھ سمجھا نہیں اور ریحان احمد کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

”ہم نے آج مائز اور دشہ کی شادی کی تاریخ طے کر دی ہے“۔ کوئی دھماکہ تھا جو محریب کی سماعتوں پر ہوا تھا وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔

”اتنا حیران مت ہو سب کی رضامندی سے رکھی ہے اگلے مہینے کی چار تاریخ ہے کیونکہ دشہ کے بی اے فائنل کے پیپر ہو چکے ہوں گے“۔ وہ کتنے اطمینان سے بول رہے تھے۔

”ابو! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ جواد احمد سر جھکائے ہوئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ صرف اپنی ماں کی خوشی کے لئے ہی تو کیا تھا جبکہ ان کے گھر میں تو یہ خبر بم کی طرح ہی پھٹے گی۔

”ہم نے جو کہا ہے وہ ٹھیک کہا ہے کیونکہ عنائبہ اس وقت تک شادی کو منع کر رہی ہے جب تک سمیرا کا اور ہمارا میل نہیں ہو جاتا“۔

"مگر ابو! یہ آپ تو غلط کر رہے ہیں' دونوں ابھی چھوٹے ہیں اور پڑھ رہے ہیں"۔ محریب کے تو گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"کوئی اتنے چھوٹے نہیں ہیں پچیس سال کا مائز ہے اور انیس سال کی وشہ ہے اس عمر میں ہو ہی جاتی ہے شادی"۔ وہ اس کی نفی ہی کرنے لگے۔

"ساری شادی کی ذمہ داری تم پر ہے' مائز کو قابو تم نے کرنا ہے"۔ انہوں نے مائز کو سمجھانے کی بھی ذمہ داری اس پر ڈالی۔

"ابو! یہ تو سراسر زیادتی ہے اگر عنائبہ شادی سے منع کر رہی ہے تو آپ ان دونوں کو بھینٹ چڑھا رہے ہیں"۔

"محریب! عنائبہ میری بچی ہے وہ سادہ اور معصوم ہے میں اس کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا وہ مان بھی گئی تھی مگر بھائی صاحب نے کہا کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے"۔ جواد احمد گویا ہوئے۔

"اور یہ مائز اور وشہ کے ساتھ زبردستی نہیں ہے؟" وہ لاجواب کرنے لگا۔

"میں صرف اماں جی کی وجہ سے کر رہا ہوں ایسا' کیونکہ وہ سمجھ رہی ہیں کہ میرے بچے ان سے چھوٹ جائیں گے اس طرح انہیں تسلی بھی رہے گی کہ کوئی تو پوتی پاس ہے"۔

"مگر چاچو! یہ غلط ہے"۔

"یہ غلط نہیں ہے بالکل صحیح ہے"۔ وہ زور دے کر بولے۔

محریب تو بھنا ہی گیا ان بزرگوں سے کیا بحث کرتا سیدھا مائز کے کمرے میں گیا جہاں وہ منہ اوندھا کیے بیڈ پر پڑا تھا۔

"مائز! تم نے احتجاج کیوں نہیں کیا؟" وہ اس کی پشت پر کھڑا گویا ہوا۔

"کس بات پر؟" اس کا فریش اور ہشاش بشاش سا نسبت معمول مسکراتا انداز محریب کو حیرت وانبساط میں مبتلا کر گیا۔

"تمہاری شادی وشہ سے امیزنگ یار یہ سب کیا ہے؟" وہ تو اپنا دکھتا ہوا سر تھام کر حیرانگی سے اس کو دیکھنے لگا۔

"بھائی جان! میں خود حیران ہوں کہ اتنی جلدی میری شادی وہ بھی وشہ سے میں نے تو سوچا تھا کہ کم از کم تین چار سال تو مجھے انتظار کرنا ہوگا کہ میں اپنی پڑھائی سے فارغ ہوں' پھر کچھ سیٹ ہوں لیکن پھر یہ بھی دھڑکا تھا کہ اگر سمیرا چچی نے وشہ کی شادی اپنے بھتیجے سے کر دی تو میں تو مارا گیا نا"۔ وہ سرد آہ بھر کر تفصیل کے بعد گویا ہوا۔

"کیا......؟" اب محریب کو تو جھٹکا ہی لگا کہ مائز یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"یعنی تم......؟"

"یعنی میں وشہ کو کچھ پسند کرتا ہوں' لیکن اس چار سو چالیس والٹ کو پتہ نہیں ہے"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"شادی میں بھی اتنی جلدی نہیں چاہ رہا تھا مگر جب آپ اور بھابھو اپنی جگہ اڑے رہیں گے تو میری پھر کون فکر کرتا کیونکہ اپنے بارے میں آپ اور بھابھو تو سوچ نہیں رہے ہیں' اس لئے اب میں اور وشہ ہی مل کر آپ کو ٹھکانے لگائیں گے"۔ اس نے تو لمحوں میں پلاننگ بھی کر لی تھی۔

"کیا مطلب ہے......؟" وہ انجان ہی بنا اور نگاہ چرا کے باہر کھڑکی سے لان میں دیکھنے لگا۔

"مطلب واضح ہے بھابھو کے مقابلے میں وشہ بولڈ ہے وہ سمیرا چچی کا مقابلہ بھی کر لیتی ہے جبکہ بھابھو شروع سے سمیرا چچی سے ڈرتی ہی رہی ہیں"۔

"بٹ یار! ابھی تو تمہاری پڑھائی بھی مکمل نہیں ہے اور پھر تمہاری ابھی عمر بھی نہیں ہے"۔

"عمر سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس عقل ہونی چاہیئے"۔

"مجھے پتہ ہے تو میری وجہ سے قربانی دے رہا ہے نا"۔ محریب خود کو مجرم سمجھنے لگا۔

"یار بھائی جان! کوئی قربانی نہیں دے رہا ہوں میں' میں بہت خوش ہوں اور پھر ایسے نازک موقع پر دادی جان کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اگر ہم دوسروں کی خوشی کے لئے جئیں تو کتنا اچھا لگتا ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولتا محریب کے شانوں کو تھامے ہوئے تھا کتنا معتبر اور مدبر انداز تھا کہیں سے بھی لا ابالی مائز نہیں لگ رہا تھا۔

"پلیز! آپ خود کو اتنا افسردہ نہیں کریں بھابھو بھی مجبور ہیں انہیں سمجھیئے انہوں نے کیوں شادی سے انکار کیا ہے"۔

"یار! اس طرح تو مسئلہ حل نہیں ہوا نا"۔ وہ کھسیا ہی گیا۔

"سب مسئلے حل ہو جائیں گے' آپ اتنا دل برداشتہ نہ ہوں"۔

"پتہ ہے میرا کام تو اتنا آسان ہو گیا ہے میں جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے"۔ مائز کے چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

"مائز! ہو سکتا ہے ادھر وشہ نہ مانے کیونکہ اگلے ماہ اس کے ایگزام ہیں"۔

"یار بھائی جان! آپ فکر کیوں کرتے ہیں جواد چاچو ہیں نا وہ منا لیں گے باقی کا میں منا لوں گا"۔ لہجے میں معنی خیزی اور شرارت بھی تھی۔

"سوچ لو عنائبہ' چاچو سے کہہ سکتی ہے کہ وشہ کے لئے کہ وہ اس کی شادی کیوں کر رہے ہیں ضد کر کے روک سکتی ہے"۔

"اتنی ضدی لڑکی میں نے اپنے خاندان میں یہی دیکھی ہے"۔ مائز اکتا کے بولا۔

"ہوں......" محریب نے تائیدی سر ہلایا۔

محریب کو افسوس ہی ہو رہا تھا کہ مائز کے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے' وہ صرف اس کی خاطر یہ سب قبول بھی کر رہا ہے' اسے عنائبہ پر اور ہی غصہ آنے لگا اس کی وجہ سے وشہ بے چاری پر ابھی سے ذمہ داری بڑھ جائے گی رنجور اور مغموم سا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا کسی سے بھی اس سلسلے میں پھر بات ہی نہ کی تھی مائز خوش نظر آ رہا تھا' مگر محریب کو سب دکھاوا ہی لگ رہا تھا وہ اپنے بھائی کو سمجھتا تھا وہ تو کبھی بھی زبردستی کے تسلط کئے فیصلوں پر سر ہی نہیں جھکاتا پھر وہ کیسے راضی ہو گیا۔

دل پر ایک بوجھ ہی آن پڑا تھا ابھی تو اس کے بھائی کے کھیلنے کے دن تھے اتنی جلدی اس پر اتنی بڑی ذمہ داری سوچ سوچ کے ذہن تھک گیا تھا مگر کسی نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

............☆............

"بڑی امی! تہذیب کا بھائی حمزہ آیا ہے"۔ یمنیٰ نے انہیں اطلاع دی جو سوچوں میں گم ہال کمرے میں تخت پر بیٹھی تھیں کل سے ان کی طبیعت بے کل اور بوجھل ہو گئی تھی مائز کی شادی کا سوچ کر۔

"اچھا' اچھا بلاؤ میں محریب کو اٹھاتی ہوں' وہ بھی ابھی تک نہیں اٹھا"۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بولیں اور محریب کو اٹھانے اس کے کمرے میں چلی گئیں کھڑکیوں کے پردے برابر تھے کمرے میں ایک خاموشی ہی تھی آج تو وہ صبح اٹھا ہی نہیں تھا ورنہ جوگنگ پر ضرور جاتا تھا۔

"محریب بیٹا! گیارہ بج رہے ہیں تم تو کبھی اتنی دیر سوتے نہیں ہو"۔ نزہت کھڑکی سے پردے کھسکا کے سائیڈ پر

کرنے لگیں شیشے سے اندر سورج کی روشنی نے اجالا ہی کر دیا تھا۔ محریب کسلمندی سے اسی طرح بیڈ پر پڑا تھا انہوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا اور سرہانے بیٹھ کر پیشانی چھوئی جو محریب نے پکڑ لی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے مجھے ٹھیک ہوں''۔ آنکھیں بمشکل کھول کر بولا۔

''مجھے تو تشویش ہو رہی ہے نا کہ تم کبھی اتنی دیر تک سوتے نہیں ہو اور آج تو اتنی دیر ہو گئی ہے' ورنہ آفس تم عموماً نو بجے نکل جاتے ہو''۔ وہ پیار بھرے لہجے میں بولتی ہوئیں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے جا رہی تھیں۔

''کچھ سستی ہو رہی تھی''۔

''وہ ہاں تہذیب کا بھائی آیا ہے''۔ انہیں یاد آیا۔

''اوہ...... شفٹنگ کا میں نے کہا تھا وہی پوچھنے آیا ہوگا''۔ وہ سرعت کی تیزی سے اٹھا آف وائٹ قمیض شلوار تھا وہ رات کو چینج کئے بغیر ہی سو گیا تھا۔

''اوہ...... ینگ مین کیسے ہو؟'' حمزہ نے مسکرا کے ہاتھ ملایا محریب نے اس کے رخسار پر پیار بھری تھپکی دی۔

''محریب بھائی! وہ آپی یہاں شفٹ ہونے کو منع کر رہی ہیں''۔ وہ کچھ جھجک کے اور رک رک کے گویا ہوا نگاہ میں بھی افسردگی تھی۔

''تہذیب کی لگتا ہے مجھے کلاس لینی پڑے گی اس سے میں خود بات کرتا ہوں' تم لوگ سب آج ہی سارا سامان باندھ کے رکھو میں ابھی آتا ہوں آج ہی شفٹنگ بھی ہوگی''۔ محریب نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اتنے پیارے لوگوں کو یوں در در تو کبھی نہیں بھٹکنے دے گا۔

''ارے بیٹا! یہ تہذیب بھی غیروں والی بات کر رہی ہے''۔ امی نے بھی فوتڑا کیا' محریب جلدی جلدی تیار ہونے ہی چل دیا تھا۔ آفس آج اس نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا' کیونکہ شفٹنگ اسے آج ہی کروانی تھی امی کو ساتھ لے کر وہ چلا گیا تھا۔

''آنٹی! مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے محریب بھائی کے پہلے ہی احسان کم ہیں''۔

''محریب کو بھائی بھی کہتی ہو اور اس کی بات بھی نہیں مانو گی''۔ امی کے لہجے میں محبت اور چاشنی تھی وہ سر جھکائے تذبذب کا شکار تھی۔ مبینہ الگ گم صم تھیں کیونکہ وہ ان سے بھی تو ضد باندھے بیٹھی تھی کہ محریب کے گھر وہ نہیں جائے گی۔

''میں تمہارا بڑا بھائی اچھی طرح ڈانٹ سکتا ہوں فوراً کھڑی ہو جاؤ سامان آتا رہے گا''۔ محریب نے اتنی جلدی مچائی کہ تہذیب کی ناہاں میں بدل گئی تہذیب ایک خوددار لڑکی تھی وہ لوگوں کی باتوں اور نگاہوں کو بھی خوب سمجھتی تھی دامن بچا بچا کر چلتی تھی کہ کوئی بھی غلیظ چھینٹ اس پر نہ پڑ جائے رات تک ان کی شفٹنگ ہو گئی تھی' حکمت اور حمزہ سب سے زیادہ خوش تھے انیکسی بھی کشادہ تھی دو بڑے بڑے کمرے تھے' ایک لاؤنج' اوپن کچن تھا جو لاؤنج کے ساتھ ہی لمبائی میں بنا تھا ان لوگوں کا زیادہ سامان بھی نہیں تھا ایک بیڈ دو الماریاں اور ایک صوفہ سیٹ ہی تھا اس لئے بھی زیادہ مشکل نہ ہوئی تھی شفٹنگ میں محریب نے رات تک سب سیٹ بھی کروا دیا تھا۔ وہ کافی تھکن محسوس کرنے لگا تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھا امی کی نگاہیں اس پر تھیں چائے اور سلائس اس کے لئے لے کر چلی آئی تھیں۔

''تھک گئے ناں......؟'' انہوں نے پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''ہوں...... کچھ خاص نہیں''۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا اٹھ کر بیٹھا۔

''مجھے پتہ ہے تم کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ اپنے دونوں بیٹوں کے مزاجوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔

''کیا سوچ رہا ہوں؟'' مبہم سا مسکرایا ٹرے اپنے آگے کی اور سلائس کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔

''مائز کی وجہ سے کچھ پریشان ہو نا''۔ وہ اسے بغور دیکھنے لگیں۔

''آپ مجھے بتائیے کیا سوچنا نہیں چاہیے مائز کے تو ابھی کھیلنے کودنے کے دن ہیں امی! اس پر ایسی بھاری ذمہ داری''۔

''یہ تو تم سوچ رہے ہو نا کہ یہ اس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں جبکہ مائز جتنی عمر کے لڑکوں کی تو شادیاں ہو جاتی تھیں ہمارے دور میں تو''۔

''امی! وہ دور اور تھا' مگر اس دور میں تو ابھی تک اس عمر میں بچپنا ہی ہوتا ہے''۔ وہ ان کی بات کی نفی کرنے لگا۔

''اب کیا ہو سکتا ہے فیصلہ تو ہو گیا ہے تمہارے ابو نے اور جواد نے مل کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے کیونکہ عنایہ تو کسی طور پر مان ہی نہیں رہی ہے''۔ انہیں افسردگی سی ہونے لگی ان کی تو یہی خواہش تھی کہ پہلے ان کے بڑے بیٹے کی شادی ہو مائز کا تو ابھی سوچا تک نہ تھا۔

''فیصلہ بدلا بھی جا سکتا ہے''۔ چائے کا سپ لینے لگا۔

''اب جو ہو رہا ہے ہونے دو کیونکہ اماں جی کی حالت ایسی نہیں ہے کہ انہیں دکھ پر دکھ ملتے رہیں''۔ وہ بات ٹالنے لگیں۔

''مگر امی! آپ یہ بھی تو سوچیئے مائز اور وشہ کی پڑھائی چل رہی ہے اس لئے ان دونوں کو کیسے ایسے بندھن میں باندھ دیا جائے''۔ وہ اب کھسیاہٹ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''کوئی فرق نہیں پڑے گا دونوں کی پڑھائی شادی کے بعد بھی پوری ہو جائے گی''۔ وہ ہر ممکن طریقے سے محریب کو گویا تسلی ہی دے رہی تھیں۔

''یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے نا میں نے ہی انکار کر دیا' شادی سے کہ عنایہ کی مرضی کے بغیر نہیں کروں گا''۔

''بات یہاں تمہاری نہیں عنایہ کی بھی ہے''۔

''آپ جواد چاچو سے بولیئے کہ میں راضی ہوں' آپ کچھ بھی کریں اور عنایہ کو زبردستی راضی کریں اگر یہ قربانی دینی ہے تو میں ہی کیوں نہیں مائز تو بالکل نہیں''۔ محریب تو بھی ضد چڑھ گئی امی حیرانگی سے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگیں خود اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''محریب! کیا ہو گیا ہے میرے بچے؟''

''امی! یہ مائز کے ساتھ زیادتی ہوگی''۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

''یہ پھر تمہارے ساتھ بھی تو زیادتی ہوگی کہ عنایہ اپنی ماں کی رضامندی کے بغیر اگر تم سے شادی پر راضی ہو بھی گئی تو مجھے پتہ ہے تم دونوں ہی خوش نہیں رہو گے''۔ وہ ایک دور اندیش عورت تھیں ہر بات کو گہرائی میں جا کر سوچتی تھیں۔

''جو ہو رہا ہے ہونے دو اور پھر مائز خوش ہے اس رشتے پر''۔ وہ اپنے گھٹنوں پر زور دے کر کھڑی ہو گئیں' محریب لب بھینچ کر اپنے اندر کا انتشار دبانے لگا۔

............☆............

سارا سامان اس نے سیٹ کر لیا تھا دو کمرے اور ایک لاؤنج تھا اس کو ہی ڈرائنگ روم بھی بنا لیا تھا ایک کمرے میں تینوں ماں بیٹیاں ہوتی تھیں ایک کمرہ حمزہ کو دے دیا تھا ہر کونے اور ہر حصہ سے قرینہ جھلک رہا تھا سب ہی دیکھنے بھی

آ ئے تھے تہذیب کو شرمندگی بھی ہو رہی تھی کہ اپنا بوجھ ان سب پر ڈال دیا تھا۔
''تم لگتا ہے ابھی بھی ہمیں غیر سمجھ رہی ہو نا''۔ یمنیٰ کی تو اس سے جھٹ دوستی بھی ہو گئی تھی دونوں کی عمروں میں کچھ ہی فرق تھا۔
''نہیں ایسی بات نہیں ہے محریب بھائی کے تو اتنے احسانات ہیں مجھ پر کہ میں مر کر بھی نہیں چکا سکتی''۔ وہ کچن میں سب کے لئے چائے اور لوازمات تیار کر رہی تھی مبینہ سے ملنے سب ہی چلے آئے تھے۔
''مرنے کو تمہیں کہہ بھی کون رہا ہے زندہ رہ کر بھی چکا سکتی ہو''۔ اس نے مسکرا کر کہا تہذیب جھینپ سی گئی۔ جلدی جلدی سب تیار کر کے وہ لے آئی تھی خواتین ساری تھیں لڑکوں میں مائز اور رافع وہاں موجود تھے۔
''واہ' واہ کیا خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں''۔ مائز کی تو کبابوں اور سموسوں کو دیکھ کر بھوک ہی چمک اٹھی تہذیب نے لوازمات سے پر ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی تھی۔
حکمت سب کے لئے چائے لے کر آئی تھی مبینہ کو خوشی تھی کہ یہ سب ان کے اپنے ہی بن گئے تھے کسی نے بھی ذرا اجنبیت نہیں دکھائی تھی اور پھر کہتے ہیں کہ رشتے چاہے خونی ہوں یا منہ بولے انہیں مضبوط خلوص محبت و اپنائیت بناتے ہیں۔
''محریب بھائی بھی آ جاتے تو اچھا لگتا اور......'' حکمت کو محریب کی کمی محسوس ہوئی تو بولے بنا نہ رہ سکی۔
''محریب کو آفس میں کچھ کام تھا دیر تک کہہ رہا تھا کہ لیٹ ہو سکتا ہے''۔ نزہت نے ہی ان سب کو بتایا۔
''رافع! دیکھ فائق ہے گھر میں کہہ کر آ کباب اور سموسے بھی ہیں چائے کے ساتھ''۔ مائز تو اتنا فری ہو کر یہاں بیٹھا تھا کہ جیسے برسوں سے ان سب سے ہی ان کی جان پہچان ہو۔
''میں تو نہیں جا رہا آپ ان کے موبائل پر کال کریں''۔ وہ خود مزے سے کھانے میں مصروف تھا۔
سب ہی خوش گپیوں میں معروف تھے کہ کافی دیر سے دروازے پر دستک ہو رہی تھی تہذیب ہی اٹھی' دروازہ کھولا تو وہ بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں ملبوس اپنی سنجیدہ شخصیت کے ساتھ کھڑا تھا وہ فائق کو دیکھ کر کچھ پزل سی ہو گئی۔
''آپ ذرا اندر جا کر کہیئے کہ فائق بلا رہا ہے''۔ وہ خاصا عجلت میں لگ رہا تھا۔
''کس سے کہوں؟'' معصومیت سے پوچھا۔
''میری امی سے کہہ دیں''۔ وہ جانے کو مڑ لیے
''آپ بھی اندر آ جائیں نا''۔ تہذیب نے جھجکتے ہوئے اس جلد باز شخص کو مخاطب کر لیا' جو جانے اسے کچھ الجھا الجھا لگ رہا تھا۔
''نو تھینکس' میں جلدی میں ہوں''۔ مروت تو وہ ویسے بھی نہیں برتتا تھا۔
''اوہو......تم آ ہی گئے''۔ مائز نے اسے دیکھ کر معنی خیزی سے آنکھیں گھمائیں تہذیب تو اچھل ہی گئی جھٹ سے راستہ دیا بلکہ اندر کی جانب بھاگ لی۔
''کیا باتیں کر رہے تھے؟''
''ہر وقت فضول مت ہانکا کرو''۔ فائق تو چڑ ہی جاتا تھا دونوں ہی اب اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئے تھے۔
تہذیب کا دل آج جانے کیوں اتنی زور زور سے کیوں دھڑک رہا تھا وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی ماتھے پر بھی پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے کچن میں جا کر اس نے اپنی حالت سنبھالی تھی۔
''کیا ہوا آپی! آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں''۔ حکمت پانی کا جگ بھرے کچن میں چلی آئی اسے دیکھا تو

چونک گئی جو اپنے سرمئی آنچل سے ماتھے کے نمودار ہوئے پسینے کے قطروں کو صاف کر رہی تھی۔
''کچھ نہیں آج گرمی کتنی ہے نا''۔ وہ کچھ گڑبڑا سی بھی گئی۔
''صبح سے آگ لگی ہوئی ہے' گرمی تو ہے ہی تھکن بھی ہو رہی ہو گی آپ سب کے پاس چل کر بیٹھیئے''۔ تہذیب کچن سے نکل گئی کیونکہ اس نے کافی حد تک خود کو سنبھال لیا تھا مگر وہ اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر حیران بھی تھی کہ اچانک ہی کیا ہوا تھا پہلی بار تو اس نے فائق کا سامنا نہیں کیا تھا پھر اس کے دل کی حالت کیوں بدلی' اتنی پریشان وہ ہونے لگی کہ کسی سے بھی ٹھیک طرح بات نہ کر سکی مغرب کی اذانوں کے بعد وہ سب ہی چلے گئے تھے وہ بھی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی آج اپنے رب کے حضور شکرانے ادا کرنے لگی کہ اسے اتنا بڑا محبت کرنے والا خاندان ملا تھا جہاں اجنبیت تک اسے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

............☆............

وشہ نے جہاں یہ سنا وہ تو سکتے میں ہی آ گئی اور عنائبہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواد احمد کو دیکھنے لگی کہ انہوں نے یہ ایسی غیر متوقع بات کیسے کر دی تھی۔
''میں سب بات طے کر کے آ گیا ہوں''۔
''ابو! آپ یہ بھی تو سوچیئے کہ وشہ ابھی کتنی چھوٹی ہے''۔ عنائبہ تو روہانسی ہونے لگی کہ اس کی وجہ سے وشہ کو یہ قربانی دینی پڑے گی۔
''بیٹیاں جتنی جلد اپنے گھر کی ہو جائیں تو اچھا ہے' یہ ایک فرض ہوتا ہے' جو ماں باپ دونوں کو ادا کرنا ہوتا ہے''۔ ان کا چہرہ اتنا سنجیدہ اور سخت لگ رہا تھا کہ عنائبہ نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے کے بعد لب ہی کچل ڈالے۔
''امی! تو بالکل نہیں مانیں گی''۔
''تمہاری ماں تمہارے رشتے پر کب مانی ہے جو وہ اب بھی مانے گی' دیکھتا ہوں کیسے وہ کچھ کہتی ہے''۔
''پلیز ابو! آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیئے یہ تو کوئی مسئلے کا حل نہیں ہوا نا''۔ اس نے جواد احمد سے ملتجی لہجے میں کہا جو اپنی اس معصوم اور سادہ سی بیٹی پر بھولے سے بھی نگاہ اس لئے نہیں ڈال رہے تھے کہ وہ کتنا ان کا خیال رکھتی تھی ماں و باپ دونوں کو وہ بہت چاہتی تھی۔
''کچھ مسئلے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اسی طرح حل کیا جاتا ہے اور مجھے پتہ ہے تمہاری ماں وشہ کو کسی سے بھی منسوب کر دے گی اور میں اپنی بیٹیوں کو ایسے کسی فضول لوگوں میں نہیں دینا چاہتا' جہاں وہ خوش نہ رہ سکیں''۔ ان کا انداز حتمی اور دو ٹوک تھا۔
''وشہ ابھی پڑھ رہی ہے''۔ عنائبہ کی ہر ممکن کوشش تھی یہ رشتہ ہونے سے روک دے۔
''دیکھو عنائبہ! تم اتنی پریشان نہ ہو''۔
''ابو! مجھے پتہ ہے آپ میری وجہ سے وشہ کی شادی کر رہے ہیں کہ میں نے جو ابھی کرنے سے منع کر دیا''۔ نگاہ اس کی شرم و حیاء اور شرمندگی سے جھکی ہوئی تھی۔
''نہیں بیٹا! یہ تو مجھے بہت اچھا موقع مل گیا ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی کی طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤں گا تم جانتی ہو نا اپنی ماں کو وہ ضد میں اور غصے میں ہمیشہ الٹے اور غلط کام کرتی ہے اس لئے بہتری اسی میں ہے تم چپ رہو جو ہو رہا ہے ہونے دو''۔ انہوں نے عنائبہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے خود کو وہ قصور وار سمجھنے لگی اسی کی وجہ سے ہی یہ سب ہو رہا ہے۔

"ابو! ہم ایسا بھی تو کرسکتے ہیں کہ وشہ اور مائز کی ابھی منگنی کردیتے ہیں شادی کو کچھ عرصے کے لئے روک دیں"۔ ذرا رک رک کے وہ گویا ہوئی۔

"ایسا بالکل نہیں سوچو تم! اگر منگنی کر بھی دی تو سمیرا اس پر اتنے ہنگامے کھڑے کرے گی کہ وہ منگنی توڑ کے ہی دم لے گی اس لئے بیٹا پکا کام ہونے دو تو اچھا ہے تمہارے لئے بھی اچھا ہے"۔ انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا عنائبہ ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

"ارے میرا بیٹا تو اتنا بہادر ہے وہ تو سب سے مقابلہ کرتا ہے اتنی سی بات پر رونے لگا"۔

"ابو! آپ کو مجھ پر ذرا بھی غصہ نہیں ہے میں نے آپ کی بات نہیں مانی"۔

"کم ان بیٹا! میں اپنے بچوں پر کبھی غصہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ میرے تینوں بچے میرے فرمانبردار ہیں"۔ انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔

"امی کو بتائیں گے نہیں کہ وشہ کی آپ شادی کررہے ہیں"۔

"بتاؤں گا مگر ابھی نہیں پہلے اپنی دوسری بیٹی کو تو منالوں جو دیکھو کتنی روتی دھوتی غصے میں گئی ہے"۔ انہیں وشہ کی بھی فکر تھی اسے بھی تو ابھی بتایا تھا۔

"میرے بچے میرے فرمانبردار ہیں' وہ ضرور مانے گی مجھے یقین ہے"۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

"دیکھو ساری تیاری وشہ کی پسند سے کرنا اور جو کہے وہ کرنا ہے"۔ انہوں نے گویا حکم دیا۔

"آپ وشہ کے پاس جائیں' میں جب تک کھانا لگاتی ہوں' معارج کوچنگ سے آنے والا ہوگا"۔ عنائبہ نے لاؤنج کی گھڑی میں ٹائم دیکھا نو بجنے والے تھے' عشاء کی نماز وہ سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اطمینان سے پڑھتی تھی سمیرا اپنے پارلر سے کچھ دیر پہلے ہی آئی تھیں وہ فریش ہورہی تھیں جب ہی اتنی دیر دونوں باپ بیٹی نے بات کرلی تھی ورنہ ان کے سامنے تو ممکن ہی نہ تھی۔

............☆............

وہ جس ٹینشن میں تھا یہ وہی جانتا تھا مائز کی طرف سے اسے اتنی فکر تھی کہ اس کا آفس تک میں دل نہیں لگ رہا تھا' عنائبہ پر الگ غصہ تھا کہ اسی کی وجہ سے تو مائز اور وشہ کو رشتے میں باندھا جارہا تھا' ابھی تو دونوں ہی ناسمجھ سے ہی ہیں انہیں کیا معلوم اس بندھن کے تقاضے بے مقصد وہ گاڑی دوڑاتا پھر رہا تھا آفس سے نکلے ہوئے بھی اسے تین گھنٹے ہوگئے تھے اور ایسے میں اگر اسے سنبھالتا تھا تو وہ احد ہی سنبھالتا تھا' ورنہ وہ کب کسی سے اپنی باتیں شیئر کرتا تھا۔

"یہ منہ تو نہ لٹکاؤ"۔ احد نے بغور اسے دیکھا۔

"یار! میں بہت ٹینشن میں ہوں"۔ وہ جھنجلا ہی گیا۔

"تم دونوں لوگوں نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا ہے"۔

"میں نے نہیں تمہاری کزن عنائبہ جواد نے"۔ وہ برامان کے گویا ہوا۔

"ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ پارہا ہوں کہ تم چاہ کیا رہے ہو"۔

"عجیب گھامڑ آدمی ہو اتنی دیر سے کیا بکواس میں کررہا تھا وہ سمجھ نہیں آئی"۔ محریب نے اپنی پشت سے کشن نکال کر اس پر دے مارا۔ احد کو اس کا چڑنا اتنا مزا دے رہا تھا کہ وہ اس سچویشن پر بھی مسکرادیا۔

"ہنس لو تمہیں ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے"۔ وہ فوراً ہی کھڑا ہوگیا۔

"یار! بیٹھو تو تم بھی تو ایسے بات کررہے ہو کہ جیسے میں ماموں جان سے کہوں گا اور وہ جھٹ سے میری بات مان

جائیں گے"۔

"خیر اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے تمہاری تو وہ بالکل نہیں مانیں گے جب میں کسی گنتی میں شمار نہیں ہوتا"۔ کچھ نرم سے لہجے میں تائید کرنے لگا۔

"اس کا بہت اچھا حل یہی ہے کہ مائز اور وشہ کی شادی ہونے دو اسی طرح پھر سمیرا مامی بھی قابو آجائیں گی"۔

"ایسے کیسے ہونے دوں مائز کا ابھی بچپنا گیا نہیں ہے اور وہ وشہ یار وہ ابھی خود بچی ہے' یہ شادی جیسی ذمہ داری بتاؤ ان کم عمر بچوں پر سوٹ کرے گی"۔ وہ تو کسی طور پر راضی ہی نہیں ہورہا تھا۔

"یار! اسی عمر میں تو رومانس زیادہ ہوتا ہے"۔ احد ہنسا۔

"حد ہوتی ہے بے ہودگی کی"۔ وہ گھورنے لگا۔

"زیادہ دادا ابا نہ بنو مائز اتنا کم عمر بھی نہیں ہے پچیس سال عمر ٹھیک ہوتی ہے کوئی بچہ نہیں ہے اس عمر میں اکثر گھرانوں میں شادیاں ہوجاتی ہیں اور رہی وشہ انیس سال کی ہے دونوں کی ٹھیک عمر ہے"۔

"تمہاری نظر میں ہوگی"۔ وہ تو تپ ہی گیا۔

"ارے شامین کے چچا کا بیٹا تیس سال کا تھا' گھر میں مجبوری تھی شادی کردی اور دیکھو ایک بچے کا باپ بن گیا ہے' سب سمجھ آجاتی ہے"۔ احد الگ اسے قائل کرنے میں لگا ہوا تھا۔

"تم تو ہو ہی گھامڑ"۔ وہ رکا نہیں کھڑا ہوگیا۔

"یار! سن تو"۔ وہ پکارتا ہی رہ گیا مگر محریب نے سنا ہی نہیں اور گاڑی آگے بڑھالے گیا۔

گھر آکر تو اس کی اور ہی طبیعت چڑچڑی سی ہونے لگی' مگر دادی جان کی طلبی ہوگئی تو اسے جانا پڑا۔

"آج سارا دن سے مجھے تو نے شکل نہیں دکھائی"۔ وہ جانچتی اور پرتشویش نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگیں تھیں وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح ان کے قریب ہی چیئر پر بیٹھا تھا بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں اس کی سوبری شخصیت اور ہی نمایاں ہورہی تھی۔

"حسنہ پھپھو کی طرف چلا گیا تھا"۔

"ایسے گیا کہ نہ گھر میں خبر دی تو نے موبائل فون بھی تو نے بند کیا ہوا تھا"۔

"جی وہ چارج پر لگا تا ہے"۔ عذر پیش کیا۔

"دیکھ محریب! تو میری طرف دیکھ کر تو بول"۔

"ارے دادی جان! آپ خواہ مخواہ فکرمند ہورہی ہیں"۔ وہ مسکرایا۔ زبردستی تاکہ وہ پلحواور ہی نہ سوچ لیں۔

"مجھے تیری اور عنائبہ کی رات دن فکر رہتی ہے"۔ ان کے اندر کا ڈر اکثر زبان پر آجاتا تھا۔

"اماں جی! اب تو آپ خوش ہوجائیں' ہمارے مائز کی شادی ہورہی ہے"۔ امی نے ماحول کو خوشگوار بنانے کو کہا۔

محریب نے اسی وقت پہلو بدلا اس وقت وہ اسی وجہ سے ہی تو پریشان تھا۔

"ہاں خوشی کی تو بات ہے' مگر میرے ان بچوں کی پہلے ہوتی تو زیادہ خوشی ہوتی"۔ حسرت تھی افسردگی تھی۔

"دیکھا امی! دادی جان بھی خوش نہیں ہیں ختم کریں یہ شادی کا قصہ"۔ محریب کو تو موقع مل گیا۔

"ہائے ہائے خدا نہ کرے میں خوش نہ ہوں تو ایسی بات تو نہ کر اور کیوں ختم کریں ہم یہ"۔ دادی جان تو جھٹ بولیں۔

''اچھا ہے نا میرے جواد کی دونوں بیٹیاں اس گھر میں تو آ جائیں گی ورنہ سمیرا کا مجھے پتہ ہے وہ دشہ کو کہیں بھی ٹھکانے لگا دے گی اور یہ مجھ سے برداشت نہ ہوگا''۔ محریب تو سر ہاتھوں میں تھام کر رہ گیا جسے دیکھو حمایتی بنا تھا مگر جانے کیوں اس کے دل پر بوجھ آن پڑا تھا کہ اس کے بھائی کو اس کی وجہ سے قربانی دینی پڑ رہی تھی۔

''بڑی دلہن! محریب کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' دادی جان نے محریب کو جاتے ہوئے دیکھا جس کے چہرے پر تھکاوٹ واضح تھی۔

''ہاں کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے اس سے کھانے کا بھی پوچھتی ہوں آپ یہ دودھ لے لیں''۔ وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ محریب کو ڈھونڈا وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں تھا انہیں فکر بھی ہوئی لاؤنج میں آئیں تو گلاس وال سے لان کا نظارہ واضح ہو رہا تھا' محریب کین کے بڑے صوفے پر ڈھیلے انداز میں لیٹا تھا وہ فکرمندی گلاس ڈور کھول کر باہر لان میں ہی آ گئیں مگر وہاں مائز کو دیکھ کر حیران ہی رہ گئیں کیونکہ مائز صوفے کی ایسی سائیڈ پر تھا کہ مائز تو نظر ہی نہیں آیا۔

''یہ تم دونوں ادھر بیٹھے ہو''۔ ذرا تیز لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔ محریب تو گڑبڑا کے اٹھ گیا مائز نے چونک کر سر اٹھایا۔

''مجھے پتہ تھا آپ اپنے لاڈلے بیٹے کو ڈھونڈتی ضرور آئیں گی''۔ مائز نے شوخی سے کہا۔

''بکو مت''۔ اسے ڈانٹ دیا۔

''محریب! تمہیں ہوا کیا ہے صبح کے نکلے تم اب گھر میں گھسے ہو موبائل تک تمہارا آف تھا ذرا احساس نہیں ہے کہ میں کتنی فکرمند ہو سکتی ہوں''۔ وہ تو ڈانٹنے ہی لگی تھیں۔

''سوری امی! موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی''۔ وہ منمنایا۔

''تم باپ بیٹوں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ مجھے تنگ کرتے رہو گے کیوں منہ بنا کے پھر رہے ہو''۔

''ارے امی! آپ تو نہ لیفٹ دیکھتی ہیں نا رائٹ اور ڈھائیں ڈھائیں شروع کر دیتی ہیں''۔ مائز نے انہیں سنبھالا۔

''تم تو نکلو یہاں سے''۔

''امی! آپ واقعی بہت غصے میں ہیں''۔ محریب گھبرا گیا۔

''مجھے بس یہ بتا دو کہ کب تک تم سوگ مناتے رہو گے''۔

''اللہ نہ کرے کہ میں سوگ مناؤں''۔ وہ کچھ خجل سا بھی ہو گیا۔

''بھائی کی اگر شادی ہو رہی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے کیوں مسئلے کھڑے کر رہے ہو''۔

''بھائی! امی کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے اس لئے سنبھالیئے''۔ مائز نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

''سدھر جاؤ تم بھی کل کو بیوی والے ہونے والے ہو''۔

''امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' مائز جھینپ گیا۔ محریب کی ہنسی نکل گئی کیونکہ امی غصے میں بھی انہیں ہنسنے پر مجبور کر گئی تھیں۔

''چلو اندر اور یہاں ختم کرو یہ سوگ''۔

''میری ماں کا تو جواب ہی نہیں ہے ایک لائن میں کھڑا کرتی ہیں اور سیدھا کر دیتی ہیں''۔ مائز نے ان کو دونوں شانوں سے تھام لیا۔

''سوری امی! آپ پر غصہ بالکل سوٹ نہیں کرتا ہے''۔ محریب نے کان پکڑے۔

''تم نے اتنے دنوں سے مجھے پریشان کیا ہوا ہے' میں تو ماں ہوں اولاد کو اگر غم زدہ دیکھوں گی تو خود بھی کب چین سے رہوں گی''۔ وہ رونے ہی لگیں۔

''لو کر لو کل میری ماں تو رونے ہی لگی''۔ مائز نے سنجیدگی طاری کی۔

''مجھے کیا فکر نہیں ہے تمہاری کتنی فکر ہے مجھ سے پوچھے کوئی تمہارے ابو کو شروع سے اپنے فیصلے کرنے کی عادت ہے انہوں نے جو سوچ لیا وہ ہو گا''۔

''امی! آپ کیا نہیں چاہتی ہیں کہ یہ رشتہ ہو؟'' مائز کے دل میں پھانس چبھی۔

''مجھے خوشی اس وقت زیادہ ہو گی جب میرے بڑے بیٹے کی بھی ساتھ ہی شادی ہوتی''۔

''ٹھیک ہے اب جبھی ہو گی جب بھائی کی ہو گی جب میری بھی شادی''۔ مائز تو خود الگ سر پھرے دماغ کا تھا۔

''زیادہ بکواس نہیں کرو''۔

''میں اب بالکل سنجیدہ ہوں''۔ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں! اندر بڑھ گیا محریب نے لمبی سانس بھری۔

''کرو تم دونوں ہی اپنی''۔ وہ بھی ناراض ہوتی ہوئی چلی گئیں تھیں محریب تو سٹپٹا ہی گیا کیونکہ مائز جو بدک گیا تھا۔

............☆............

جب سے وہ اسے یوں اگنور کر کے آیا تھا اس دن سے کچھ ڈسٹرب سا ہو گیا تھا وہ کبھی بھی یوں کسی بھی لڑکی کو دیکھ کر اتنا سیریس ہو کر سوچتا تک نہ تھا مگر اس دن سے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس کی انسلٹ کر کے آیا ہے بدلحاظ تو وہ اتنا نہ کبھی رہا تھا پوری یونیورسٹی میں اپنے سوبر اخلاق کی وجہ سے کافی مشہور بھی تھا اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور پھر پورے خاندان میں یہ اور محریب ہی تو خاصے سنجیدہ تھے۔

''کیا بات ہے اتنی دیر سے میں تمہیں پکار رہا ہوں جواب کیوں نہیں دے رہے ہو''۔ مائز اس کے سر پر کھڑا چیخنے لگا۔

''آں...... ہاں......'' وہ کچھ ہڑبڑا ہی گیا۔

''فائق! مجھے نا تو کچھ پراسرار سا لگ رہا تھا بتا دے کوئی واردات تو نہیں گزر گئی تیرے ساتھ''۔ انداز معنی خیز اور شرارتی سا تھا۔

''ہر وقت فضول گوئی مت کیا کرو''۔ اس نے مائز کو ڈانٹ دیا۔

''تو میری آنکھوں میں دھول جھونکتا رہے گا اور ایک دن تجھے پیار ہو جائے گا''۔

''یار! کیا بکواس کر رہے ہو جگہ تو دیکھ لو اگر سن لیا نا کسی نے خود کو تو جوتے پڑتے ہی ہیں مجھے بھی پڑوا دینا''۔ فائق برا مان کے ڈائننگ چیئر کو گھسیٹ کر کھڑا ہو گیا۔

''سچی بات تجھے ہمیشہ بری لگتی ہے یار مان کیوں نہیں لیتا کہ دنیا میں پیار محبت بہت ضروری ہے یہ اگر مل جائے تو زندگی اتنی خوبصورت اور رومینٹک ہو جاتی ہے کہ واہ واہ''۔ مائز تو لن ترانیوں میں ہی لگ گیا کیونکہ جب سے اس کی اور دشہ کی بات طے ہوئی تھی وہ اتنا خوش تھا کہ کل کی ہوتی شادی آج ہو جائے۔

''تم پر سب فلموں کا اثر ہو گیا ہے''۔ فائق نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی سوا نو بج رہے تھے اب تک تو دونوں کو یونیورسٹی میں ہونا چاہیئے تھا مگر آج کچھ دیر ہو گئی تھی۔

''یار! یہ زندگی ہے حقیقت ہے ضروری نہیں کہ محبت اور پیار صرف فلموں میں ہوتا ہے' تو دیکھنا تجھے ایسی محبت

ہوگی کسی سے کہ بس پھر پوچھوں گا تجھ سے"۔

"فائق احمد ان فضولیات میں کبھی نہیں پڑے گا محبت پیار کچھ نہیں ہوتا ہے سب ٹائم پاس ہوتا ہے"۔ وہ ہمیشہ سے ہی نفی کرتا آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے تم دونوں نے یونیورسٹی نہیں جانا ہے؟ جو محبت و پیار پر تقریریں ہو رہی ہیں"۔ محریب نے ان دونوں کی گفتگو سن لی تھی وہ بھی مسکرا کے چھیڑے بنا نہ رہ سکا دونوں ہی جھینپ گئے۔

"وہ بھائی! ہم تو......" حاضر جواب مائرہ بھی اس لمحے گڑبڑا سا گیا۔

"تم تو چپ رہو تمہیں جانتا ہوں"۔ اس نے مائز کا جائزہ لیا وہ کن انکھیوں سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"میں تو یونیورسٹی جا رہا ہوں اس کا لگتا ہے جانے کا آج موڈ نہیں ہے"۔ فائق فوراً ہی اپنا بیگ اٹھا کر نکلنے لگا۔

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے اس لئے نہیں جا رہا ہیں"۔ مائز نے جھٹ کہا۔

"فائق یار! تم تو گلشن سے گزارو گے نا وہ تہذیب کو چھوڑ دو اس کے آفس آج اس بے چاری کو بھی دیر ہوگئی ہے مجھے کہیں میٹنگ میں پہنچنا ہے"۔ محریب اسے کہتا ہوا ناشتے کے لئے ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھسکا کے بیٹھ چکا تھا اتنے میں امی اس کے لئے ناشتہ بھی لے کر آ گئی تھیں۔

"محریب بھائی! میں بائیک پر جا رہا ہوں یہ مائز نہیں جا رہا ہو ورنہ ہم دونوں پوائنٹ سے ہی جاتے ہیں"۔

"یار! تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو اس کے آفس ہی تو چھوڑنا ہے گاڑی لے جاؤ"۔ آج مائز کو اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی فائق آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے غصہ دکھا رہا تھا۔

"تم چپ کرو"۔ اس نے مائز کو ڈانٹ دیا۔

"یار فائق! پھر ایسا کرو ٹیکسی سے چلے جاؤ"۔ محریب ناشتہ کرنے لگا۔

"مگر جاؤ گے تم ہی"۔ مائز نے پھر لقمہ دیا۔

فائق ابھی بولنے کے لئے مزید کچھ منہ کھولتا محریب کی موبائل پر کال آ گئی وہ باہر نکل گیا فائق تلملانے لگا۔

"تم جتنا لڑکیوں سے دور بھاگو گے ایسا ہی ہوگا تمہارے ساتھ"۔ مائز کو اس کی حالت پر مزا آ رہا تھا۔

فائق بھی بھناتا ہوا باہر آیا دیکھا تو وہ لان میں تھی گلابی لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے خوبصورت اور معصوم سے سراپے کے ساتھ شرمائی گھبرائی کھڑی تھی محریب اسے شاید کچھ سمجھا رہا تھا۔

"فائق یار! جلدی آ جاؤ"۔ اس نے فائق کو تھپکی دی اور خود اندر چلا گیا فائق نے اس لمحے اس پر ایک بھی نگاہ نہ ڈالی مگر جانے کیوں دل کا دھڑکنا ایسا لگ رہا تھا کچھ انہونی ہونے والی ہو گرے پینٹ پر گرے ہی شرٹ میں ملبوس چہرے پر دنیا جہاں کی بے زاری لئے ہوئے تھا تہذیب نے محسوس کر لیا تھا کہ اسے ناگوار گزر رہا ہے۔

"ایکسکیوز می"۔ اپنی مہین اور نرم سی آواز میں مخاطب کیا۔ فائق کو ایسا لگا کہ کوئی جلترنگ سا بجا ہو لان کی نرم نرم گھاس پر کھڑی تھی مگر ابھی تک بھی اس نے پشت نہیں گھمائی۔

"وہ میں آج آفس نہیں جا رہی آپ چلے جائیے"۔ کچھ ڈرتے ڈرتے بھی گویا ہوئی فائق اسی لمحے ایڑھیوں کے بل گھوما وہ اسی طرح اس کی منتظر کھڑی تھی۔

"کیوں اچانک سے آفس جانے کا ارادہ کیوں ملتوی کر رہی ہیں"۔ فائق کے چتون تیکھے ہو گئے کیونکہ ایک تو اسے اسی کی وجہ سے روکا اوپر سے یہ نخرہ وہ یونہی ان لڑکیوں سے دور بھاگتا تھا کہ یہ نخرے وغیرہ خوب دکھاتی ہیں جہاں کسی لڑکے نے اہمیت دی اور سر پر چڑھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

"وہ اس لئے کہ مجھے کچھ ٹیمپریچر سا محسوس ہو رہا ہے"۔ جلدی میں جواب بھی تو نہیں بن رہا تھا ایک تو اتنی سی عمر میں ہی وہ اتنا ڈیسنٹ اور بارعب لگ رہا تھا کہ تہذیب کو ایسا لگ رہا تھا کہ مزید اس کے سامنے کھڑی رہی تو ضرور بے ہوش ہو جائے گی۔

"اچانک سے کیسے ہو گیا"۔ اسے غصہ بھی آنے لگا کتنی دیر اپنا ٹائم ضائع کیا۔

"مجھے کل سے ہی ہو رہا ہے"۔ نگاہ تک تو نہیں اٹھ رہی تھی۔

"پھر تو آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے تھا"۔ اس نے طنز کے ساتھ کہا۔

تہذیب کو اس لمحے ایسا لگا کہ وہ اس کی تضحیک کر رہا ہو وہ لب بھینچ کر رہ گئی حالانکہ وہ بولڈ تھی پر اعتماد تھی کل سے اس شخص کو سوچ سوچ کے تو اس کی ساری بولڈنیس اور پر اعتمادی جیسے بھاگ گئی تھی۔

"ج......جی......" اس نے وحشت زدہ سی اپنی ہرنی جیسی آنکھیں وا کی تھیں۔

"اوکے میں چلتا ہوں میرے پاس ٹائم نہیں ہے"۔ فائق اس کے دیکھنے پر تو گھبرا ہی گیا کہ کہیں وہ کمزور لمحے کی زد میں نہ آ جائے اپنے آپ کو بچا بچا کر وہ رکھ رہا ہے کہیں اس کے سارے ارادے اور سوچیں متزلزل نہ ہو جائیں۔

تہذیب نے ایک حسرت بھری نگاہ اس کی چوڑی پشت پر ڈالی جو اتنا رود تھا۔

"عجیب آدمی ہے"۔ خود سے ہمکلام ہوتی ہوئی وہ اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی مائز نے اوپر اپنے کمرے سے سارا منظر بغور دیکھا تھا۔ وہ سمجھ بھی گیا کہ فائق نے اپنی روکھی پھیکی طبیعت کی وجہ سے تہذیب سے کس طرح بات کی ہوگی یہ سب وہ جانتا تھا۔

☆

"جواد! تم میری بیٹیوں کو ایسے کسی بھی شخص کے پلے نہیں باندھ سکتے ہو"۔ ہمیرا کے تو پتنگے لگ گئے تھے وہ سر سے پیر تک کھول رہی تھیں جب سے انہیں جواد احمد نے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے وشہ کا بھی رشتہ طے کر دیا ہے۔

"میں نے اپنی بیٹی کو لائق فائق بھتیجے سے منسوب کیا ہے اس نے کیا اچھا ہے کیا برا میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں"۔

"تم نے پہلے بھی غلط فیصلہ کیا تھا اور اب بھی غلط ہی ہے میں اپنی دوسری بیٹی کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گی"۔ وہ چیخ رہی تھیں۔

تینوں بھائی بہن ان کے کمرے کے باہر کھڑے سب سن رہے تھے عنایہ کے چہرے پر زیادہ تفکر اور بے زاری چھلک رہی تھی وہ تو خود پہلے ہی اپنے معاملے میں ڈری ہوئی تھی۔

"بچے میرے ہیں یہ مت بھولنا تم نے شروع سے بچوں کو اپنے سے دور ہی رکھا ہے اور آج تمہیں ان کا خیال آ رہا ہے"۔

"کچھ بھی ہو میں وشہ کو تمہارے بھتیجے سے منسوب نہیں ہونے دوں گی"۔ ضدی تو وہ شروع سے ہی تھیں ان کی اس طبیعت کی وجہ سے ہی تو تینوں بچے بھی کچھ دور دور ہو گئے تھے۔

"میں نے دونوں کی بات طے کر بھی دی ہے بتایا تمہیں اس لئے تھا کہ جو ہنگامہ تمہیں کرنا ہے وہ ابھی کر لو تو بہتر ہے کیونکہ ایک دو ماہ میں وشہ کی شادی ہو جائے گی"۔

"کیا شادی......؟" ایک اور دھماکہ ہوا وہ تو گنگ رہ گئیں۔ وشہ نے عنایہ پر نگاہ ڈالی معارج الگ ڈانٹ پیس رہا تھا۔

"ہاں شادی...... اماں جی کی حالت ٹھیک نہیں ہے عنایہ تو تمہاری رضا کے بغیر شادی نہیں کرے گی"۔ جواد احمد کے لہجے میں اتنی حقارت اور ناگواری تھی عنایہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"تمہاری ماں کو تو شروع سے ڈرامے کرنے کی عادت ہے یہ الگ ڈرامہ لگایا ہوا ہے"۔

"سمیرا! بند کرو بکواس اپنی"۔ جواد احمد کی دھاڑتی آواز سے تینوں ہی اچھل گئے۔

"میں کیا بکواس بند کروں جواد! اگر تم نے میری اس بیٹی کی شادی میری مرضی کے بغیر کی تا میں بتا رہی ہوں برا ہو گا تمہارے لئے"۔

"تمہاری صورت میں اور کیا برا ہو سکتا ہے میرے ساتھ"۔ انہوں نے طنز کے ساتھ ایک سلگتی ہوئی نگاہ ڈالی۔

"یہ میں ہوں جو برداشت کر رہی ہوں"۔

"کیا برداشت کر رہی ہو ارے تمہیں تو میں برداشت کر رہا ہوں تم نے جتنی میری زندگی اجیرن کی ہے کوئی مجھ سے پوچھے"۔

"مجھ سے بھی کوئی پوچھے تم نے بھی کوئی پل سکون کا مجھے میسر نہیں کیا ہے شروع سے دھتکارہ ہے بے عزتی کی ہے"۔ وہ اتنی روہانسی اور بے بس سی لگ رہی تھی کہ عنایہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس سے رکا نہ گیا لب کچلتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی معارج اور دشہ کی استفہامیہ نگاہیں اٹھی تھیں۔

"لہجہ ہمیشہ تمہارا خراب ہوتا ہے میرا نہیں"۔

"پورے خاندان میں تم نے اور تمہارے گھر والوں نے مجھے بدنام کیا ہوا ہے"۔ وہ رو رہی تھیں۔

"یہ الزام تم میرے گھر والوں پر بالکل نہیں لگا ؤ ارے انہوں نے تو تمہیں جتنا آرام دینے کی کوشش کی تھی اتنا ہی تم ان کے سر پر چڑھی ہو"۔ وہ اپنے گھر والوں کے متعلق تو کوئی بھی ایسی فضول بات تو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔

"اونہہ...... آرام شروع سے روکا ٹوکی ہی کی ہے"۔

"جو بھی ہو یہ طے ہے کہ دشہ کی شادی میں طے کر چکا ہوں تم اس شادی میں بیٹھو یا نہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے"۔ وہ ویسے ہی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور دشہ کے معاملے میں تو بالکل ہی سخت بن گئے تھے دشہ بھی لب کچلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی دل تو اس کا بھی اداس ہو رہا تھا صرف ابو کے مان کی وجہ سے وہ اس رشتے پر سر جھکا گئی تھی ورنہ اسے تو مائز کا چڑانا اور لڑنا تو اور ہی غصہ دلاتا تھا اور اب ساری زندگی کے لئے اس کے ساتھ باندھا جا رہا تھا سوچ سوچ کے اسے تو گھبراہٹ ہو رہی تھی دونوں کی ایک دن بھی نہیں بنے گی پھر سب اسے بھی اس کی ماں سے ہی ملائیں گے کہ جیسی ماں ویسی بیٹی اور یہ وہ کسی پل گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔

"آپی! آپ رو رہی ہیں؟" اسے عنایہ کو سوں سوں کرتے دیکھ کر الگ فکر ہو رہی تھی اس کی بہن کی الگ زندگی خراب ہو رہی تھی۔

"انہی آنسوؤں پر تو میرا بس چلتا ہے جب دل چاہتا ہے میرا درد اور غم بٹانے تو میرے پاس آ جاتے ہیں"۔

"آپی! پلیز ایسی باتیں نہ کریں خدا نہ کرے کہ آپ یوں روتی رہیں اور آنسوؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اسے اپنے پاس بلائیں"۔ دشہ نے اس کے آنسو اپنے آنچل سے صاف کئے۔

"دشہ! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کیا ہو گا امی اگر......"

"آپی! آپ فکر نہ کریں اور اللہ جو چاہے گا وہ بہتر ہو گا"۔ وہ اسے تسلی دینے لگی۔

"امی! تمہاری شادی کے بعد اگر ایسا ہی کرتی رہیں تو......"

"کیا فرق پڑے گا انہیں ہم بیٹیوں پر کچھ بھی افتاد آئے صرف اپنے بارے میں سوچتی ہیں آپی! آپ نے بھی بہت غلط کیا ہے کیا تھا آپ محریب بھائی سے شادی پر راضی ہو جاتیں امی خود بخود ٹھیک ہو جاتیں"۔

"میں جانتی ہوں امی کو اور بالکل یہ گوارہ نہیں کروں گی کہ وہ میری شادی میں اپنی خوشی سے شریک نہ ہوں"۔ وہ ایسی دل گرفتہ اور افسردہ ہو رہی تھی کہ دشہ لب کچلنے لگی۔

"اب آپ بتایئے میری بھی تو شادی ان کی رضامندی کے بغیر ابو کر رہے ہیں میرا دل کتنا گھبرا رہا ہے اوپر سے وہ آپ کا دیور......" اسے رونا ہی آنے لگا۔

"تمہاری شادی ہو جائے گی تو ہو سکتا ہے امی کچھ بدل جائیں اور ہاں مائز کی طرف سے تم بے فکر رہو بہت اچھا اور زندہ دل لڑکا ہے ہر وقت ہنستا ہی رہے گا"۔ اس نے فوراً اپنے بڑے پن کا اسے احساس دلا کر سمجھایا۔

"مجھ سے تو جب بھی ان کی بات ہوئی ہے سوائے لڑائی اور بحث کے ہوا کیا ہے"۔ وہ منمنائی۔

"میں اسے سمجھا دوں گی کہ اگر میری بہن کو اس نے تنگ کیا تو خیر نہیں ہے اس کی"۔

"آپی! آپ بھی ابو سے کہہ دیں نا کہ شادی کرنے پر راضی ہیں آپ وہاں ہوں گی تو مجھے کم از کم حوصلہ تو رہے گا"۔ وہ اتنی معصومیت سے بول رہی تھی کہ عنایہ نے بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا۔

"کچھ چیزیں اپنے وقت پر اچھی لگتی ہیں میں نے جو سوچا ہوا ہے وہ پہلے کروں گی اور یہ شادی بعد میں"۔ وہ مسکرائی۔

"دادی جان تو سب سے زیادہ آپ کو اور محریب بھائی کو چاہتی ہیں اور ان کی خواہش بھی یہی ہے کہ پہلے آپ دونوں کی ہو"۔

"تم یہ غلط سوچ رہی ہو دادی جان ہم سب کو ہی چاہتی ہیں اور تمہاری بھی انہیں اتنی ہی فکر ہے جتنی میری ہے"۔ اس نے اسے یقین دلایا۔

دونوں بہنیں ایک دوسرے کا خیال بھی بہت رکھتی تھیں اور پھر دونوں میں فرق بھی تین سال کا تھا مگر عنایہ میں وقت سے پہلے بڑوں والی سمجھ داری آ گئی تھی پورے خاندان میں ہی سو برد اور کم گو مشہور تھی مائز تو اکثر کہتا تھا کہ سو سال پرانی روح آپ میں موجود ہے۔

☆

اس دن دادی جان نے اتنا غصہ دکھایا کہ دوائی تک نہیں کھا رہی تھیں یہی ضد تھی کہ عنایہ کو بلاؤ سب ہی فکرمند بھی تھے کہ ان کی طبیعت بگڑ بھی رہی تھی محریب مسلسل ان کے پاس بیٹھا تھا رات کے وقت ان کی اکثر زیادہ طبیعت خراب ہو جاتی تھی محریب اسی وقت اٹھا حسنہ پھپھو بھی آئی ہوئی تھیں ان سے بھی دادی جان نہیں سنبھل رہی تھیں۔

وہ اتنی تیزی سے گاڑی آہنی گیٹ سے لے کر نکلا تھا کہ تہذیب نے چونک کر دیکھا تھا وہ دادی جان کی طبیعت پوچھنے جا رہی تھی کہ پورچ میں رک گئی اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ محریب کے چچا الگ جگہ پر رہتے ہیں ان کی بیوی کا مزاج کچھ تیز ہے۔

جس وقت وہ وہاں پہنچا تھا ایک ویرانگی ہی تھی کچھ دیر پہلے ہی تو جواد احمد اور سمیرا بیگم میں جنگ چھڑی تھی اب وہاں ماحول ساکت تھا۔

"چاچو! دادی جان کی بہت طبیعت خراب ہے وہ عنایہ کو پکارے جا رہی ہیں"۔ محریب کے چہرے پر اتنی سختی اور ناگواری تھی کہ وہ نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔

"اوہ.....تم مجھے فون کر دیتے"۔ فوراً ہی وہ کھڑے ہو گئے۔

"میں عنایہ کو لے جاؤں؟" اس وقت سمیرا بیگم سامنے نہیں تھیں ورنہ ضرور وہ اور محاذ کھول لیتیں۔

"معارج! عنایہ کو بلاؤ سوئی تو نہیں ہے وہ"۔ جواد احمد کے چہرے پر بھی ایک فکر مندی جھلکنے لگی تھی۔

"نماز پڑھ کے وہ پنج سورہ پڑھ رہی تھیں دیکھتا ہوں"۔ وہ بھی حکم کی تعمیل کے لئے اٹھ گیا کچھ لمحوں میں ہی وہ گھبرائی ہوئی آ گئی تھی چہرہ اس کا اترا ہوا تھا آنکھیں بھی سوج رہی تھیں' کچھ دیر پہلے وہ اور وشہ کتنا روئی تھیں محریب نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ضرور ڈالی جو پنک لان کے کپڑوں میں ملبوس مرجھائی ہوئی بھی لگ رہی تھی۔

"عنایہ! تم محریب کے ساتھ گھر جاؤ میں بھی آتا ہوں"۔ جواد احمد عجلت میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

عنایہ نے ایک حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی معارج مکمل اس کی جانب متوجہ ہی تھی۔

"میں باہر ہوں تم آ جاؤ"۔ وہ گرے قمیض شلوار میں ملبوس اتنا تھکا ہوا لگ رہا تھا کہ عنایہ کو شرمندگی ہونے لگی کہ اسی کی وجہ سے دادی جان اور پھر وہ کتنا ڈسٹرب تھا۔

وہ وشہ کو بتا کے اپنا بیگ لے کر باہر چلی گئی تھی کتنے دنوں بعد وہ جا رہی تھی' فرنٹ ڈور کھول کے وہ بیٹھی محریب لب بھینچے ہوئے بیٹھا تھا اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی عنایہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا اس نے ایک لفظ تک ابھی ادا نہ کیا تھا۔

"دادی جان کی......؟"

"بس ایک لفظ نہیں بولنا"۔ اس کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ عنایہ کو روک دیا۔

"جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہاری اور میری وجہ سے ہو رہا ہے"۔

"میں کیا کروں آپ ہی بتایئے؟" روہانسی ہو گئی۔

"تم خود سمجھ دار ہو بہت بڑی ہو خود فیصلے کرتی ہو تمہاری مرضی جو دل کر رہا ہے وہ کر تو رہی ہو"۔ طنزیہ اور چبھتا ہوا لہجہ تھا عنایہ شرمندگی سے گڑ کے رہ گئی۔

"تمہارے بڑے جو سوچ رہے ہیں وہ تو غلط ہی سوچ رہے ہیں"۔ آج دل کھول کر وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔

"پلیز بس کریں"۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

محریب نے گاڑی ایک سائیڈ پر جھٹکے سے ہی روکی اور دانت پیسے وہ غصہ نہ پہلے کرتا تھا اور نہ کرنا چاہتا تھا مگر جب سے مائز کی شادی فکس ہوئی تھی اسے غصہ ہی آ رہا تھا اور اس کا سارا الزام عنایہ پر ہی ڈال رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے ہی مائز کو اس رشتے میں باندھا جا رہا ہے ابھی میرے بھائی کی ایسی عمر بھی نہیں ہے کہ اس کی شادی کی جائے"۔ وہ دھاڑا۔

"جی"۔ وہ ہکا بکا حواس باختہ سی رہ گئی۔

"بس جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے"۔

"آپ میری مجبوری نہیں سمجھ رہے ہیں"۔ سوں سوں کرتی وہ اسے اتنی قابل رحم لگ رہی تھی کہ محریب نے ونڈ اسکرین سے نگاہ باہر کی۔

"تمہاری مجبوری وہ فضول ہے اپنی ماں کا تم نے مسئلہ بنایا ہے"۔

"وہ میری ماں ہیں انہیں میں اگنور نہیں کروں گی"۔ لہجہ اس کا ترش ہو گیا۔

"آہ......سارے اگنور ہو جائیں"۔ تمسخر اڑا کے آہ بھری اور گاڑی اسٹارٹ کر دی گیارہ بج رہے تھے کافی دیر ہو گئی تھی اسے گھر سے نکلے ہوئے۔

"مجھے واپس گھر چھوڑ دیں نہیں جانا مجھے کہیں بھی"۔ فوراً ضدی بن گئی۔

"فضول کے نخرے نہیں دکھاؤ' کیونکہ میں نہیں برداشت کرتا یہ سب"۔ اتنا سخت گیر وہ تو نہیں تھا اچانک ہی محریب کی ذہنی رو بہکی تھی۔

"آپ کو دکھا بھی نہیں رہی ہوں مجھے گھر چھوڑ دیں"۔

"سوچ لیا کہ جب تم وہی کرو گی کہ جو تم نے سوچا ہے تو فضول کی اکڑ نہ دکھاؤ"۔

"اکڑ میں کب دیکھا رہی ہوں آپ میری بات سمجھتے ہی نہیں ہیں"۔ اتنا رونا آ رہا تھا اس پل اس دشمن جاں کی باتوں پر کے وہ بپھر ہی گئی۔

"میں نہیں سمجھتا یا تم نہیں سمجھ رہیں"۔ گاڑی گھر کے باہر روک دی تھی اور وہ آنچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی پہلے ہی وہ اتنا رو چکی تھی اوپر سے محریب کا انداز۔

"تم زندگی کو سمجھتی کیا ہو؟"

"یہ زندگی سوائے دکھ اور درد دینے کے دیتی کیا ہے؟" عنایہ کا لہجہ تلخ ہو گیا دل اتنا کبیدہ تھا کہ ایک دم ہی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں کرنے لگی۔

"یہ زندگی بہت خوبصورت ہے اسے دیکھو اور جانو"۔ وہ سمجھانے لگا۔

"اونہہ......اسے سمجھوں اور جانوں جب مجھے میرے اپنے ہی نہیں سمجھ رہے ہیں تو کیسے جانوں"۔ الٹا طنز ہی کیا۔

"تمہارے اپنوں میں تو صرف تمہاری والدہ محترمہ آتی ہیں باقی سب تو بے کار ہیں"۔ ڈرائیونگ سیٹ سے باہر نکلا اور فرنٹ ڈور کھولا وہ بھی اترنے لگی۔ مگر محریب راہ میں حائل رہا وہ جھجک کے کچھ پیچھے ہونے لگی محریب نے دونوں ہاتھ ہی گاڑی پر ٹیک دیئے وہ اس کے حصار میں آ گئی۔

"چہرہ صاف کرو سب پوچھیں گے کہ کیوں روئی ہو؟" اتنی لگاوٹ اور مخمور نگاہوں سے تو اس نے آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

جلدی جلدی آنچل سے آنسو خشک کئے وہ اس کے قریب ہو کے گاڑی میں رکھے ٹشو بکس سے ٹشوز دینے لگا عنایہ کا دایاں شانہ اس کی پشت سے جا لگا۔

سڑک سنسان تھی محریب جب ہی اتنے فری انداز میں اس کے قریب کھڑا تھا عنایہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' فسوں خیز آنکھیں سوج گئی تھیں سرخ و سپید رنگت پھیکی سی لگ رہی تھی۔ نازک ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑ رہی تھی آج سے پہلے ایسا تفصیلی جائزہ اس نے کبھی نہیں لیا تھا عنایہ کہ پسینے چھوٹنے لگے تھے' یہ دھوپ چھاؤں جیسا بندہ لمحوں میں ہی بدلا تھا۔

"چلو اندر"۔ وہ اس کی ہمراہی میں چلنے لگی تھی اندر جاتے ہوئے وہ تو پھر اجنبی بن گیا تھا دادی جان نے تو اسے خوب ہی لپٹا کے پیار کیا تھا' سب ہی مطمئن بھی ہو گئے تھے کہ عنایہ آ گئی تھی' ورنہ وہ اس دن سے آئی ہی کب تھی' دادی جان کے سرہانے وہ بیٹھ گئی تھی دوائی بھی کھلائی تھی جواد احمد آئے تو وہ بھی کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے تھے گھر میں ایک دم ہی برقی رو دوڑ گئی تھی سب کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ اپنی جگہ پر آ گیا ہو۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 6

سلسلے وار ناول

چاہت دل کی چاہت

''دیکھا دادی جان کو کتنی چمک آ گئی ہے آپ کے یہاں آنے سے''۔ یمنیٰ ان کے لیے گرم گرم دودھ میں اوولٹین ڈال کے لائی تھی' پوری نوجوان پارٹی اور ان کی والدہ وہاں موجود تھیں۔

''اور کیا' کیوں نہیں آئے گی میری بچی جیسے ہی یہاں آئی مجھے ایسا لگا کہ میری بیماری بھاگ گئی ہو''۔ دادی جان نے عنائبہ کے ہاتھوں کو پکڑا' وہ جھینپ سی گئی' سارے ہی اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

محریب اسے بغور دیکھ رہا تھا جو پنک کپڑوں میں شرمائی لجائی سی سب کے درمیان بیٹھی تھی اس کا ایک ایک نقش ایسا تھا کہ بندہ کھوسا جاتا' وہ ایسے کبھی اسے دیکھتا نہیں تھا مگر کل سے تو وہ مسلسل اسے متوجہ ہو کر دیکھ رہا تھا۔

''بھابھو! اس بار تو جلدی بھاگنے کے ارادے سے تو نہیں آئی ہیں''۔ مائز نے پوچھا۔

''آپ فکر نہ کریں وشہ کو بھی بلالیں گے''۔ رافع اسے چھیڑنے سے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

''تم فضول مت ہانکا کرو''۔ مائز نے ایک تکیہ اٹھایا اور اس پر اچھال دیا جو وارڈ روب سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا' دادی جان کے بیڈ پر عنائبہ اور بڑی امی بیٹھی تھیں جبکہ باقی کے افراد کارپٹ پر بیٹھے تھے۔

''مائز! تمیز تو کرلیا کرو''۔ نزہت نے فہمائشی اور خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے اسے سرزنش کی۔

''آپ لوگ اسے تو دیکھیں''۔

''ارے لوگ مجھے تو دیکھتے ہی رہتے ہیں وہ پڑوس کی شگو تو مجھے چھپ چھپ کے دیکھتی ہے موئی نہ ہو تو''۔ رافع نے تفاخر زدہ لہجے میں کچھ اکڑ کے ہی کہا۔

''کیا شگو......'' مائز تو اچھل ہی گیا۔

''رافع کیا حرکتیں چل رہی ہیں یہ''۔ فائق نے سنا تو فوراً ہی بڑے بھائیوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

''وہ......وہ......میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا''۔ وہ اچھا خاصا گڑ بڑا گیا' ساروں کی ہی ہنسی نکل گئی۔

''کتنے اچھے لگ رہے ہیں' میرے سارے بچے یہاں موجود ہیں''۔ دادی جان نے ان سب کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''آپ اماں جی! اطمینان رکھیئے ان بچوں کے بچے بھی دیکھیں گی''۔ تائی امی نے مسکراتے ہوئے کہا' عنائبہ کی تو شرم سے نگاہ جھک گئی۔

''انشاء اللہ تعالیٰ''۔ مائز نے جھٹ کہا۔

''حد ہوتی ہے یار! بے شرمی کی''۔ فائق کو تو ہمیشہ ایسی باتوں سے چڑ ہی ہوتی تھی اور وہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

''چچی جان! جلدی اسے بھی ٹھکانے لگائیے' مجھے یہ خالی پھرتا ہوا سخت بُرا لگتا ہے''۔ مائز نے اب اس کے پیچھے چچی جان کو لگایا۔

''ہاں' ہاں کیوں نہیں' جلدی ہم اس کی بھی کہیں بات لگا دیں گے''۔ چچی جان مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

''ہماری یمنیٰ کی کہیں بات طے ہو جائے گی تو اس کا نمبر بھی آ جائے گا''۔ دادی جان نے کہا۔

''کیا یمنیٰ کے بعد؟'' مائز اچھل گیا۔

''کیا ہو گیا آپ سب کو' یمنیٰ اس سے پانچ سال چھوٹی ہے''۔

''یار! سب ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ فائق کو مائز کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

محریب کا موبائل بپ دینے لگا تو وہ اٹھ کر باہر آ گیا تھا' عنائبہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا' کل سے تو اس کا

انداز سوچ سوچ کے پسینہ ہی آ رہا تھا' محریب کے انداز میں نہ کبھی لگاوٹ لگتی اور نہ ہی کبھی سرد مہری لگتی تھی' وہ یہ سوچتی تھی کہ وہ ایسا کیوں تھا۔

''چلو' چلو سب اپنے اپنے کمروں میں چلو' کافی دیر ہو گئی ہے' اماں جی بھی سوئیں گی''۔ نزہت نے ان سب کو اٹھنے کو کہا' سب ہی ایک ایک کر کے آگے پیچھے ہو کر نکل گئے تھے' عنائبہ صرف ان کے پاس تھی محریب بھی اندر آیا تو دیکھا دادی جان لیٹ گئی تھیں' عنائبہ نے اسے دیکھ کر پہلو بدلا تھا' محریب پھر رُکا نہیں کمرے سے نکل گیا تھا' عنائبہ نے دادی جان کے سونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھی تھی' اس کی کچھ طبیعت گھبرائی تو وہ لان میں ہی نکل گئی' چاروں جانب مہیب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اسی طرح کا سناٹا اسے اپنے اندر بھی پھیلا ہوا لگتا تھا' وہ سب سے الگ تھی اس کی ساری سوچیں مختلف تھیں' ابھی تک بھی کوئی اسے نہیں جان پایا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

بچپن سے ہی اپنی ماں کو اپنے سے دور دیکھا سوائے انہوں نے ڈانٹنے ڈپٹنے کے کچھ نہ کیا تھا' اسی وجہ سے وہ بہت ڈری سہمی سی ہو گئی تھی' ابو اس کا اتنا خیال رکھتے تھے دادی جان کے تمام ہی گھر والے اسے اتنا چاہتے تھے۔ یہ سب ہی اتنے اچھے تھے اس کی ماں کی آخر کیوں نہ بن سکی ان سب سے' دادی جان تو دعائیں دیتے نہ تھکتی تھیں' بڑی امی تائی امی دونوں ہی اسے ہاتھوں ہاتھ رکھتی تھیں' پھر اس کی ماں کیوں سب کو بُرا کہتی رہتی ہے۔ یہ سب تو محبتوں کا قلعہ ہیں جو بھی اس میں آ گیا وہ پھر نکلنا ہی نہیں چاہے گا۔

وہ خود کتنا سکون محسوس کرتی تھی ان در و دیوار سے تو اس کی تمام یادیں وابستہ تھیں' جب بھی دل اداس ہوتا تھا وہ لان میں آ کر بیٹھ جاتی تھی' سب کو ہی پتہ ہوتا تھا کہ وہ یہاں ہی ملے گی آج پھر اسے لگ رہا تھا وہ سب کچھ لوٹ آیا ہو' ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر وہ سوچوں کی یلغار میں پورے لان میں چہل قدمی کر رہی تھی' اسے یہ تک اندازہ نہ تھا کہ ٹائم کیا ہو رہا ہے۔

تیز ہوا کے جھونکے اس کے دل و دماغ کو کچھ سکون بخش رہے تھے مگر کہیں اندر ایک خوف بھی اپنا تسلط جمائے بیٹھا تھا' جانے کب وہ وا ہے اور خوف دور ہوں گے' کب وہ کھل کر مسکرائے گی' آخر کب تک وہ اِدھر اُدھر ہوتی رہے گی۔

کیا کسی کی سگی ماں اپنی اولاد کے معاملے میں بھی اتنی خود غرض ہو سکتی ہے' جو صرف اپنا سوچتی ہے اتنی عمر گزر گئی تھی مگر اس نے اپنی ماں کے رویے میں ذرا لچک نہ دیکھی تھی' کب تک وہ سب سے متنفر رہیں گی' اس نے اوپر کالے آسمان پر نگاہ جمادی جہاں 13 تاریخ کے چاند کو بادل کبھی چھپا دیتے تو کبھی سامنے لے آتے تھے' وہ رک کر کین کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اچانک ہی وقت گزرنے کا احساس ہوا تو فوراً ہی کھڑی ہو گئی کہ کسی نے بھی اسے یہاں دیکھا تو سب ہی پریشان ہوں گے مگر دو نگاہوں نے تو اسے کب کا دیکھ لیا تھا' ڈرائنگ روم کی گلاس وال کے پردے ہٹا کے اس نے بغور دیکھا تھا اور اب تک دیکھ رہا تھا' کتنی افسردہ سی وہ لگ رہی تھی' چہرے پر اس کے پریشانی اضطراب سب کچھ تھا' وہ سبک خرامی سے چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی' اسی وقت محریب نے پردہ برابر کیا اور اسے جاتے ہوئے دیکھا مگر وہ سامنے یوں نہیں آیا کہ اسے دیکھ کر وہ گھبرا جاتی اور وہ یہی نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ اس سے شیئر تو کرے مگر کرتی بھی تو کیسے' دونوں میں اتنی بے تکلفی کب رہی تھی۔

............☆☆☆............

صبح وہ کچھ دیر سے اٹھی تھی' سب ہی اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہو چکے تھے وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی' اسی وقت کوئی لڑکی کاسنی لان کے کپڑوں میں جھجکتی ہوئی اندر آئی تھی' عنائبہ نے حیرانگی سے اُسے دیکھا جو اِدھر اُدھر

بھی نگاہ دوڑا رہی تھی۔

"ارے تہذیب! آؤ بیٹا رک کیوں گئیں؟" نزہت نے اسے دیکھا تو مسکرا کے گویا ہوئیں' تہذیب نے جھٹ انہیں سلام بھی کر دیا۔

"وہ میں دادی جان کی طبیعت پوچھنے آئی تھی"۔ عنایہ کی سوالیہ نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی' محریب بھی اسی وقت ایزی سے قمیض شلوار میں ملبوس نکھرا نکھرا چلا آیا' عنایہ نے تو جھجک کے پہلو بدل لیا اور ناشتے میں لگ گئی۔

"اوہو...... آج تم آ ہی گئیں' ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا کہ تمہیں باقاعدہ دعوت نامہ بھیج کر بلوانا پڑے گا"۔ محریب نے تہذیب کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جی وہ میں کل بھی آ رہی تھی آپ جس وقت گھر سے نکل رہے تھے"۔ اس نے بتایا۔

"پھر تم واپس چلی گئی ہوگی' ہے نا' کیونکہ سارے رشتے تو مجھ سے بنتے ہیں تمہارے"۔ وہ چیئر کھسکا کے عنایہ کے بالکل سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"نن...... نہیں...... ایسی تو بات نہیں ہے"۔ وہ خجل سی ہوئی۔

"محریب! یہ ابھی بھی ہمیں اپنا نہیں سمجھتی ہے"۔ نزہت نے گویا شکایت کی۔

"دونوں کان پکڑ کر کھینچوں گا تو جب سمجھ آئے گی اسے تو"۔ محریب نے عنایہ کے بے زار سے اور اکتائے ہوئے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالی جو شاید خود کو اس وقت آکورڈ فیل کر رہی تھی۔

"چیئر کھسکاؤ اور بیٹھو امی! ناشتہ آپ تہذیب کے لیے بھی لائیے"۔

"نہیں' نہیں وہ میں نے صبح ہی کر لیا تھا' وہ میں آج آفس سے جلدی چھٹی لے کے اس لیے آئی تھی کہ حکمت اور حمزہ کے اسکول جانا تھا"۔ اس نے تفصیل سے بتایا' نزہت پھر بھی ناشتہ وغیرہ بنانے کے لیے کچن میں جانے لگیں' عنایہ اسی وقت اٹھنے لگی۔

"بیٹھو' تم کہاں جا رہی ہو؟" ذرا سرد اور درشت لہجے میں عنایہ پر استفہامیہ نگاہ ڈالی جو نگاہ تک ڈالنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"دادی جان کے کپڑے چینج کروانے ہیں"۔ اس نے کچھ طنز سے کہا۔ تہذیب اس کامنی اور خوبصورت سی لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی' گلابی رنگ اس پر کتنا کھل رہا تھا' نازک سا سراپا نرم و نازک سے ہاتھ' ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے موم سے بنی ہوئی ہو۔

"ابھی ٹائم ہے جانے میں' بیٹھو تم تہذیب سے تمہارا تعارف تو کروا دوں"۔ لہجہ اور آواز کچھ شوخ اور معنی خیز سی بنالی۔ تہذیب کے لب مسکرا رہے تھے' اسے خبر تو تھی کہ محریب کی بچپن سے ہی منگنی ہو گئی تھی۔

"لیکن مجھے پھر بھی جانا ہے"۔ وہ ٹرے اٹھا کر تیزی سے نکل گئی' محریب نے لب بھینچ لیے' وہ اس کا یہ انداز سمجھ رہا تھا۔

"تہذیب! یہ عنایہ تھی"۔ وہ مسکرایا۔

"میں سمجھ گئی تھی' بہت پیاری ہیں"۔ اس نے کھلے دل سے تعریف کی۔

"دادی جان کی لاڈلی اور چہیتی پوتی ہے"۔ وہ بتانے لگا۔ نزہت کچھ دیر میں ناشتہ لے آئی تھیں' تہذیب نے تو منع کر دیا تھا' وہ دادی جان کی خیریت پوچھنے ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ عنایہ ان کے کپڑے استری کرنے کے لیے کمرے سے نکل رہی تھی' وہ اسے دیکھ کر پھر بھی نہیں رکی تھی' جیسے ہی کوریڈور میں آئی محریب سے اس کا ٹکراؤ ہو

گیا' جس نے اس کی کلائی پکڑی اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا' عنایہ کو ایسا لگا کہ اس کا دل بند ہونے لگا ہو' وہ اچانک افتاد پر بوکھلا بھی گئی تھی' محریب نے اپنے کمرے میں لا کر ہی اس کی کلائی چھوڑی تھی' ٹھک سے دروازہ بند کیا' عنایہ کے حواس ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے' کشادہ کمرہ دروازے اور کھڑکیوں پر دبیز گولڈن کلر کے پردے وال ٹو وال کارپٹ درمیان میں رکھا بیڈ' بیڈ کی سائیڈ پر وارڈ روب تھی' ایک کرسٹل کی ٹیبل کے اوپر دیوار گیر بڑا سا آئینہ لگا تھا' ہر چیز سے قرینہ اور نفاست نمایاں تھی۔

"یہ تمہارا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟" وہ اس کے اتنے قریب آ گیا کہ جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔

"چھوڑیئے مجھے اور جانے دیں"۔

"تم میری بات کا جواب دیئے بغیر نہیں جاؤ گی"۔ اس کی آواز میں ہی نہیں اس کے چہرے پر بھی درشتگی تھی۔

"کیا جواب دوں؟"

"یہی کہ تم جو سمجھ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"میں کیا سمجھ رہی ہوں؟" الٹا انجان بن کے استفسار کیا' ہرنی جیسی آنکھیں اس پر گاڑ دی تھیں' محریب مبہوت زدہ سا ہو گیا۔ گلابی دوپٹہ اس وقت اس کے بائیں شانے پر پڑا تھا' وہ سب کچھ فراموش کیے غصہ ہی دکھا رہی تھی' وہ وارفتگی سے دیکھے جا رہا تھا' اس کی ہر ادا اور انداز میں الگ ہی چھب تھی' غصہ کرتی تو لگتا نہ کہ وہ غصے میں ہے اور جب اس سے شرماتی گھبراتی تو ایسا لگتا کہ ابھی اسے سامنے اتنی دیر کھڑا دیکھ کر اس کے قدموں میں ہی بے ہوش ہو جائے گی' وہ پانچ سال امریکہ جیسے بے باک ملک میں رہا تھا' وہاں قدم قدم پر اور جگہ جگہ ایسی اس نے بے باکیاں دیکھی تھیں کہ اس نے اپنے ملک میں ایسا اب تک نہیں دیکھا تھا یا پھر نظروں سے نہیں گزرا تھا' لیکن یہ بات تو بالکل درست ہے کہ ایک خوبصورت عورت مضبوط سے مضبوط نفس والے کا بھی ایمان ڈگمگا سکتی ہے لیکن اس نے اپنے نفس کی لگامیں کبھی بھی ڈھیلی نہ کی تھیں کہ وہ بھی اس برائی میں اترتا' کتنی ہی اس کی راہوں میں آئی تھیں' اپنا آپ نچھاور کرنے' وہ صرف اپنے خیالات اور سوچیں اپنا آپ اس ایک ہستی پر ہی نچھاور کرے گا جو اس کی اپنی ہوگی' اس کی سوچیں اور خیالات صرف اس کے لیے ہوں گے' لمحے تھے کہ رک گئے تھے لگ رہا تھا آج وہ بے ایمانی کرے گا اور اگر وہ کرے تو کیا گناہ کا مرتکب ہوگا' ایک قدم آگے بڑھایا' عنایہ تو لرزسی گئی' وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی' اس نے محریب کی آنکھوں میں ایسی وارفتگی اور والہانہ پن پہلے تو کبھی نہ دیکھا تھا' پھر وہ آج ایسا کیوں لگ رہا تھا۔

"مجھے جانا ہے' دادی کے کپڑے پریس کرنے ہیں"۔ وہ گھبرا سی گئی۔ محریب کا سکتہ اسی وقت ٹوٹا تھا' پشت پھیر کے وہ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے لگا' اگر آج وہ بہک جاتا تو یہ لڑکی تو ہمیشہ کے لیے اس سے بدظن ہو جاتی پھر کیا ہوتا۔

"تم پلیز میری بات کا یہ جواب دے دو کہ تم جو سوچ رہی ہو کہ تہذیب......؟"

"پلیز میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہوں"۔ اس نے بات ہی کاٹ دی۔

"پھر یہ تمہارا چہرہ تو اس کی عکاسی کر رہا ہے کہ تمہیں تہذیب سے میری بے تکلفی بہت بری لگی ہے"۔ وہ مسکرایا' خود کو اس نے لمحوں میں سمیٹا تھا۔

"مجھے ایسی فکر نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے"۔ انداز ذو معنی تھا۔ اس کی گھنیری پلکیں بار حیا سے جھکی ہوئی تھیں' دادی جان کے کپڑے اس کے ہاتھ میں ہی تھے' دراز بالوں کی چوٹی سے بال نکل کر اس کے رخسار سے کھیل رہے تھے۔

"کیسی فکر؟" اب اسے عنایہ کو تنگ کرنے میں مزا آیا۔

''دیکھیے! مجھے جانے دیں دادی جان کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جانا ہے ناں' یہ آپ کو یاد ہے''۔ وہ بات کاٹ کر گویا ہوئی۔

''یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے''۔

''پھر آگے سے ہٹیئے''۔ جانے کے لیے سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ وہ پھر راہ میں حائل ہو گیا' جانے کیوں آج محریب پر شوخی سوار ہو رہی تھی۔

''کیا کر رہے ہیں آپ؟'' جھنجھلائی' کھسیائی روہانسی ہونے لگی۔

''تم راضی ہو تو میں کرنا شروع کروں''۔ محریب جیسا بزرد شخص اور ایسی معنی خیز اور بے باک سے جملے۔ عنایہ کے تو پسینے ہی چھوٹنے لگے' اس کی سماعتیں یقین نہیں کر پا رہی تھیں' لب اس نے آپس میں بھینچ لیے۔

''وہ میرا مطلب ہے کہ......'' وہ بھی گڑبڑا گیا۔ عنایہ تو تیزی سے بھاگ لی تھی' پھر اسے یہ بھی تو گھبراہٹ تھی کہ وہ محریب کے کمرے میں تھی' اگر کسی کی نگاہ پڑ گئی تو کتنی شرمندگی ہوگی۔

............☆☆☆............

دادی جان کی ڈاکٹر سے اپائنمنٹ تھی' ان کا پندرہ دن میں چیک اپ ضرور ہوتا تھا' محریب ہی لے کر جاتا تھا' کبھی امی ساتھ ہوتی تھیں تو کبھی چچی جان' مگر آج عنایہ تھی لائٹ گرین کاٹن کے نفیس سے دھاگوں اور شیشوں کی کڑھائی کے سوٹ میں میچنگ ہمرنگ بڑا پرنٹڈ دوپٹہ' جس میں خود کو اس نے چھپایا ہوا تھا' اس کے ساتھ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی' اس وقت سے تو وہ اور ہی نروس ہو رہی تھی' محریب کی قربت سے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پگھل رہی تھی' کن انکھیوں سے اسے دیکھ بھی رہی تھی' محریب بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا' دادی جان پیچھے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

''محریب! ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر جب ہم آئیں گے حسنہ کی طرف چلنا''۔ دادی جان کا ایک دم ہی دل چاہنے لگا۔

''گڈ دادی جان! یہ آپ نے اچھی بات کی نا' اچھا ہے آپ کا دل بھی بہلے گا''۔ محریب خوش ہو گیا۔

ڈاکٹر سے چار بجے کا ٹائم تھا' چند مریضوں کے بعد ان کا نمبر آ گیا تھا ایک لمبی دوائیوں کی لسٹ لکھ کر دی تھی جو محریب نے واپسی میں پہلے وہ لیں پھر حسنہ پھپھو کی طرف گاڑی موڑ دی تھی۔ سب ہی دادی جان کو دیکھ کر خوش ہو گئے تھے کیونکہ اتنے ماہ بعد آئی تھیں' جب سے ان کی سیریس طبیعت خراب ہوئی تھی حسنہ پھپھو کی طرف بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔

''اماں جی! آپ نے بالکل ٹھیک کیا' ایک ہفتے سے پہلے تو بالکل نہیں جانے دوں گی''۔ حسنہ تو اپنی ماں کے گلے لگ کر خوش ہو کر گویا ہوئیں۔

''ہاں' میں بھی اب یہیں رکوں گی''۔ انہیں آرام سے بیڈ پر بٹھا دیا تھا' عنایہ خاموشی سے ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ شامین نے اسے اشارے سے باہر بلا لیا تھا کیونکہ حسنہ پھپھو اور شاہنواز پھوپھا وہاں بیٹھے تھے' احد تو پہلے ہی محریب کو گھسیٹ کر ڈرائنگ روم میں لے گیا تھا۔ علینہ' ریان کو لے کر لاؤنج میں بیٹھی اس کے ساتھ کھیل میں لگی ہوئی تھی۔

''آج تو اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ محریب بھائی سارے راستے تمہیں مڑ مڑ کے دیکھتے ہوئے ہی آئے ہوں گے''۔ شاہین نے ذرا شوخی سے کہا۔

''جی نہیں''۔ وہ جھینپ سی گئی۔

''تمہیں زیادہ پتہ ہے یا نہیں''۔

''بھابی پلیز! آپ کو پتہ ہے نا مجھے اس طرح کی باتیں اچھی نہیں لگتی ہیں''۔ دونوں اب شامین کے روم میں آ گئی تھیں کیونکہ دونوں ادھر بیٹھ کر بڑی بے تکلفی سے باتیں بھی کر لیتی تھیں' شامین سے عنایہ کی دوستی بھی شامین کی وجہ سے ہی ہو گئی تھی' وہ کچھ شوخ طبیعت کی اور فرینڈلی تھی' شادی کے بعد اس کی اگر سسرال میں اس کی دوستی ہوئی تھی تو عنایہ سے ہوئی تھی۔

''تمہیں چاہے اچھی نہ لگیں' میں تو کروں گی ایسی باتیں''۔ شامین نے شان بے نیازی سے کچھ اترا کے شانے اُچکائے۔

''مجھے پتہ ہے نانی جان ایک ہفتے سے پہلے تو یہاں سے جا ہی نہیں سکتی ہیں کیونکہ ہم لوگ انہیں جانے ہی نہیں دیتے ہیں' اس لیے تم بھی یہیں رُکو گی''۔ شامین نے اس کی حواس باختہ سی صورت دیکھی جو سن کے گھبرا سی گئی۔

''نہیں میں اتنے دن تو بالکل نہیں رُک سکتی ہوں' آپ کو پتہ ہے نا گھر میں مائزہ اور روشہ کی شادی کا بھی سلسلہ چل رہا ہے''۔ اس نے عذر سا پیش کیا۔

''شادی میں ابھی کچھ ٹائم ہے''۔

''مگر آپ کو پتہ ہے نا امی کا بھی''۔

''سمیرا مامی کو میں بھی جانتی ہوں' دیکھو عنایہ! اگر تم اس طرح ڈر ڈر کے زندگی گزارتی رہیں ناں تو ہو گیا تمہارا گزارہ' ارے لڑکی کچھ تو سوچو تم بھی کچھ ہمت کرو''۔

''شامین بھابی! ہم دوسری بات نہیں کر سکتے ہیں''۔

''ہاں کر سکتے ہیں بالکل کیوں نہیں''۔ زوردار آواز احد کی آئی تو دونوں ہی اچھل سی گئیں' عنایہ جھینپ سی گئی جبکہ شامین' احد کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''شامین! نانی جان تو اب یہیں رُکیں گی' تم ایسا کرو کچن سے ذرا جلدی فارغ ہو لو' محریب کو آج میں نے گھیر لیا ہے' ڈنر ہم چاروں باہر کریں گے''۔

''کون چاروں؟'' عنایہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''مسٹر احد اور مسز احد اینڈ مسٹر محریب اینڈ مستقبل کی مسز محریب''۔ احد خاصا شوخ ہو رہا تھا۔ عنایہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی' شرم سے اس کی نگاہ نہیں اٹھی۔

''احد بھائی! مجھے پھر گھر جانا ہوگا''۔

''بالکل نہیں' اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ لگی ہو بلکہ تم اور محریب بھائی دونوں کو آج میں نے اتنے عرصے بعد ساتھ دیکھا ہے''۔ شامین بڑی خوش ہو رہی تھی۔ احد اور شامین نے اس کی بالکل نہیں سنی تھی' گھر فون کر دیا گیا تھا کہ دادی جان حسنہ پھپھو کے یہاں ہی کچھ دن رُکیں گی' شامین نے جلدی جلدی رات کا کھانا وغیرہ تیار کر لیا' عنایہ کو اس طرح جانا عجیب الجھن میں بھی مبتلا کر رہا تھا' ایک تو اسے ہر وقت اپنی امی کا ڈر و خوف ایسے دل و دماغ پر بیٹھ گیا تھا' اگر وہ کہیں خوش بھی ہونا چاہتی نہیں ہو سکتی تھی' وہ کب محریب کو یوں اگنور کرنا چاہتی تھی مگر آج کا سین سوچ کے تو اس کے پسینے ابھی تک چھڑا دیتا تھا' کتنا محبت اور اپنائیت بھرا انداز تھا' کتنے قریب وہ اس کے تھا' اگر وہ ذرا بھی جذبوں سے مغلوب ہو کے بہک جاتا تو کیا ہوتا۔

............☆☆☆............

"اپنی مصروفیت کو کچھ کم کردو وشہ کی شادی کی میں تاریخ رکھ چکا ہوں"۔ جواد احمد نے ان کے میک اپ سے مزین چہرے کو دیکھا جو ناگواری اور نخوت اور غصہ لیے ہوئے بیٹھی تھیں' ان کا ایسا انداز اس میک اپ نے تو نہیں چھپایا تھا۔

"جب پوچھ کے مجھ سے شادی کی تاریخ طے نہیں کی ہے تو میں مصروفیت کیسے کم کروں؟" وہ جلی بھنی ہوئی تو پہلے ہی بیٹھی تھیں۔

"فضول اِدھر اُدھر آنا جانا ترک کرو' تمہیں کچھ خبر ہے کہ بیٹیاں کتنی بڑی ذمہ داری ہوتی ہیں ماں و باپ پر"۔

"بس کرو جواد! تمہارا روز کا یہی لیکچر ہوتا ہے"۔ وہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے جارہی تھیں جو امریکہ جارہی تھی۔

"میرا لیکچر تم پر اثر کب کرتا ہے' تمہارے ابھی تک وہی انداز ہیں"۔ انہوں نے خاصی قہر برساتی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا جو تیار ہونے کے بعد ریک سے اپنے سینڈل نکال رہی تھیں' وہ ہنوز اپنی تیاریوں میں مگن انہیں بھی جل جل کر جواب دے رہی تھیں۔

"تم کیا میرے انداز پر ٹوکتے رہتے ہو' میری زندگی ہے جب میں کسی کی زندگی میں دخل نہیں دیتی ہوں' نہ روکتی ٹوکتی ہوں' تم سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہو"۔ وہ چیخنے ہی لگی تھیں۔

"آواز اپنی نیچی رکھو' بچے گھر میں ہیں"۔ جواد احمد نے ڈپٹ کے آہستہ لہجے میں کہا۔

"جواد احمد! تم نے مجھے لمحہ لمحہ ٹارچر کیا ہے اور کررہے ہو' تم نے شروع سے وہی کیا جو تمہاری ماں نے تمہیں کہا"۔

"بند کرو بکواس' میری ماں ہمیشہ ٹھیک ہی بولتی تھیں"۔ وہ بولے۔

"میں بھی دیکھتی ہوں اس بار تم اپنی کیسے چلاتے ہو' میں وشہ کی تو کیا عنایہ کی بھی شادی کبھی نہیں ہونے دوں گی"۔ ان پر ضد ہی سوار تھی۔

"تم اور تمہارے گھر والوں کی چالاکیوں کو میں خوب سمجھ رہی ہوں' ایک بیٹی کو پہلے ہی تم نے اس گھر سے جوڑا ہوا تھا' اب دوسری کو بھی وہاں دینے کا سوچ رہے ہو' دیکھتی ہوں میں کیسے کرتے ہو تم شادی"۔

"ہاں دیکھنا تم' تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی میری بیٹیاں اس گھر میں رخصت ہوں گی"۔ جواد احمد اس بار ان کی کوئی چال چلنے نہیں دینا چاہ رہے تھے' وہ سوچ چکے تھے سمیرا بیگم کا غرور اور طنطنہ توڑ کے رہیں گے' وہ انہیں ان کی غلطیوں کا احساس دلائیں گے۔

"سمیرا! اتنی خود غرض نہ بنو کہ بعد میں تم سر پکڑ کر روؤ' شکر ادا کرو کہ تمہارے بچے تمہارے فرمانبردار ہیں"۔

"اونہہ...... فرمانبردار' تینوں تمہاری سائیڈ لیتے ہیں' اپنے ددھیال کی سائیڈ لیتے ہیں' اگر دشمن ہوں تو میں ہوں"۔ وہ اب غصے سے وارڈ روب کھول کے اس میں سے اپنا پرس نکال رہی تھیں' اس وقت ان کے دماغ میں آگ بھر رہی تھی' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب جگہ آگ لگادیں' جنہوں نے ان کی اولاد کو ان سے متنفر کیا تھا' اسے وہ اتنا سنائے کہ بس اور جواد احمد جو شروع میں ان سے اتنی پیار بھری باتیں کرتے تھے' وہ سب ان کی ماں اور گھر والوں کی وجہ سے وہ ان سے کبھی پیار سے بات تو کیا دیکھتے بھی نہ تھے' وہ اتنی ہی چڑچڑی اور ضدی ہوگئی تھیں۔

"یہ سب تمہاری سوچ کا پھیر ہے' تم کبھی تو ناگواری اور غصہ کی پٹی اتار کر دیکھو اور سوچو تمہارے بچے تمہاری کتنی پرواہ کرتے ہیں"۔ وہ نرم سے لہجے میں انہیں سمجھانے لگے۔

"تم اگر میری بیٹیوں کا رشتہ وہاں کرنے سے روک دو تو میں بھی اپنے رویہ میں تبدیلی لے آؤں گی"۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے"۔ جواد احمد کو وہ یہاں بھی خود غرض ہی نظر آئیں جو صرف اپنی پرواہ کرتی تھیں۔

"ہاں میرا دماغ خراب ہے' جب کوئی ایسی بات ہو تو مجھے کہتے ہو کہ بچے میرے فرمانبردار ہیں' کیسے ہوسکتے ہیں

وہ' صرف تمہاری مانتے ہیں تم ان کی مانتے ہو"۔ وہ بھنا ہی گئیں۔

"تم نے سمیرا! کبھی دماغ سے کچھ نہیں سوچا ہے' صرف دل کی کی ہے اور آج دیکھو تم کیا ہوگئی ہو"۔

"مجھے زیادہ کچھ کہنے کا تم اتنا حق نہیں رکھتے ہو"۔

"شٹ اپ"۔ انہوں نے جھڑک ہی دیا۔

"میں چاہوں نا تو تمہیں ابھی سیدھا کردوں مگر جوان بچوں کا خیال کرتا ہوں' اس عمر میں لوگ تمہیں ہی بُرا کہیں گے' جیسے تمہارے انداز ہیں"۔ ان کی نگاہوں میں طنز کاٹ اور شعلے ہی تھے' وہ اگر خیال کررہے تھے تو وجہ تھی ان کے بچے اور وہ اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔

............☆☆☆............

وہ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں ہی آگے پیچھے نکلے تھے' عنایہ لب بھینچے ہوئے بیٹھی تھی' محریب کے لب آج مسکرا رہے تھے جو بھولے سے بھی اس پر نگاہ نہیں ڈال رہی تھی' احد کی گاڑی آگے تھی' اس نے نگاہ وہاں جمائی ہوئی تھی' دونوں میں اب تک بات ہی نہیں ہورہی تھی' ڈیش بورڈ پر رکھا محریب کا موبائل بپ دینے لگا' اس نے اسکرین پر دیکھا احد کی کال تھی' گاڑی پہلے سائیڈ پر پارک کی۔

"ہوں...... کیا ہوا؟" وہ کچھ سنجیدہ سا انداز بنا کے گویا ہوا۔

"فضول بکواس نہیں کرو"۔

"اچھا...... اچھا"۔ محریب نے اس کی آگے سے کوئی بات ہی نہ سنی اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔ عنایہ نے نگاہ ترچھی کی اور اسے دیکھا' سمجھ گئی تھی احد ہی ہوگا جو شرارتی جملے ادا کررہا ہوگا۔ محریب نے گاڑی میں لگے ٹیپ ریکارڈر پر FM لگالیا' کسی چینل سے عدنان سمیع کا۔

"کبھی تو قریب آؤ
کبھی تو نظر ملاؤ"

یہ سونگ آرہا تھا' جو کئی بار کا سنا ہوا تھا مگر آج بھی یہ سونگ اچھا لگتا تھا' عنایہ کی شرم سے اب تو نگاہ تک نہیں اٹھ رہی تھی' دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے بیٹھی تھی' محریب تو اس گانے کی شاعری میں لگتا تھا کہ ڈوب سا گیا ہو' کچھ ہی دیر میں گاڑی ایک خوبصورت پارک کے آگے رُکی تھی' اب تو جگہ جگہ اتنے خوبصورت پارک بنادیئے گئے تھے کہ بچوں کے لیے پلے لینڈ بھی بنایا ہوا تھا' بچے اور بڑے ایک ہجوم ہی تھا' گاڑی اس نے احد کی گاڑی کے ساتھ پارک کی تھی۔

"اُترو"۔ محریب نے ڈرائیونگ ڈور سے نکلتے ہوئے کہا۔ وہ جھجکتی ہوئی اُتر گئی' اطراف میں دیکھا احد اور شامین کہیں نظر نہیں آرہے تھے' محریب بھی حیران تھا کہ ابھی تو ساتھ تھے' اچانک دونوں گئے کہاں۔

"میں احد کے موبائل پر ٹرائی کرتا ہوں"۔ محریب نے موبائل اپنی پاکٹ سے نکالا' عنایہ حیران و پریشان سی محریب کے پہلو میں ہی کھڑی تھی۔

"یہ احد بھی عجیب ہے' موبائل بھی اس کا بزی ہے"۔ وہ جھنجلا ہی گیا۔ محریب' عنایہ کا ہاتھ پکڑے واپس پارکنگ کی سائیڈ پر جانے لگا اسی وقت ایک گرے گاڑی دونوں کے آگے رُکی' دونوں چونک گئے اگر بروقت بریک نہ لگتا تو ضرور دونوں میں سے کسی کے بھی لگ سکتی تھی۔ محریب کی غصے میں تنی نگاہ ابھی سامنے گاڑی میں موجود افراد پر ہی پڑی تھی کہ وہ تو گنگ سا رہ گیا جبکہ عنایہ کا تو رنگ ہی اُڑ گیا' اسی وقت عنایہ' محریب کی چوڑی پشت کے پیچھے ہوگئی' ایک تو

وہاں کچھ لائٹیں کم تھیں' اسٹریٹ لائٹ بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔

''سنیئے! امی ہیں گاڑی میں اپنی فرینڈ کے ساتھ''۔ وہ آہستگی سے اس کی چوڑی پشت پر ہاتھ ٹکائے آہستگی سے بولی تھی۔ سمیرا بیگم نے شاید انہیں دیکھا نہیں تھا اسی لیے محریب گاڑی کے ڈرائیور کو سنانے کا ارادہ ترک کرکے آگے بڑھا' عنائبہ کی تو سانسیں بے ترتیب ہوگئی تھیں' پیر کہیں رکھتی اور پڑ کہیں رہا تھا' وہ پارک کا گیٹ کراس کرکے اندر آگئے' محریب نے اسے ایک بینچ پر بٹھایا تاکہ وہ اپنی دل کی گھبراہٹ پر کچھ قابو پاسکے' وہ سر جھکائے لب کچل رہی تھی' ذرا سی دیر میں اس کی رنگت اُڑی سی گئی۔

''عنائبہ! تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو' سمیرا چچی نے ہمیں نہیں دیکھا'۔ وہ اسے ریلیکس کرنے قریب ہی اس کے بیٹھ گیا۔

''اگر دیکھ لیتیں تو کتنی شرمندگی ہوتی مجھے' اٹھیئے مجھے گھر جانا ہے''۔ ایک دم ہی اس پر ضد سوار ہوگئی۔

''تم ساری زندگی ایسے ہی ڈرتی رہو گی اور مجھے بھی ڈراتی رہو گی''۔ آواز دھیمی تھی مگر لہجے میں طنز تھا۔

''میں چھپ کے ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی کہ بعد میں مجھے نگاہ ملانا مشکل ہوجائے''۔ پارک میں دوڑتے بھاگتے بچوں کا شور تھا۔

''تم نے ایسا کیا کام کیا ہے کہ جو نگاہ ملانا مشکل ہوجائے گا' اگر تم میرے ساتھ کچھ دیر کے لیے آؤٹنگ پر نکل آئی ہو تو یہ بُرا کام ہوگیا''۔ وہ خفگی سے دیکھنے لگا۔

''مجھے کوئی بھی کام چھپ کر کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا ہے''۔ وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''عنائبہ! میں جتنی کوشش کررہا ہوں کہ مسئلہ سلجھ جائے تم الجھا رہی ہو''۔ غصہ ہی آنے لگا۔

''مجھے گھر چھوڑ کے آئیے''۔ وہ کھڑی ہوگئی۔

''بیٹھو کوئی نہیں چھوڑ کے آرہا ہے تمہیں''۔ ہاتھ گھسیٹ کے واپس بٹھالیا۔

''تم اتنی ضدی ہو مجھے نہیں پتہ تھا''۔

''آپ بھی ایسے ہوں گے مجھے نہیں پتہ تھا''۔ ترکی بہ ترکی بولی۔

''دل کررہا ہے کہ تمہیں کچھ دنوں کے لیے ایسی جگہ پر لے جاؤں کہ ساری ضد ختم ہوجائے' پھر دیکھتا ہوں کیسے تم اپنی امی کی اتنی پرواہ کرتی ہو''۔ محریب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مضبوطی سے دبایا' وہ اس کی شدت پر متحیر سی رہ گئی۔

''ابھی تک تم نے میری نرمی دیکھی ہے' کسی دن بھی میرا دماغ گھوما تو تمہاری خیر نہیں ہوگی''۔ وہ گویا اسے دھمکی دینے لگا۔

''کیا گفتگو ہورہی ہے تم دونوں میں؟'' احد کی حسب معمول شوخ سی آواز ابھری' محریب نے عنائبہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''شکر ہے کچھ تم میں بھی رومینٹک روح گھسی''۔ معنی خیزی سے وہ بولتا ہوا عنائبہ کو دیکھنے لگا جو نگاہ جھکا کر رہ گئی۔

''عجیب کمینے خبیث آدمی ہو' تھے کہاں؟'' محریب تو نہ اطراف کا اور نہ شامین اور عنائبہ کا خیال کررہا تھا' احد پر چڑھ دوڑا۔

''یار! آرام سے اطراف کا خیال کرلو''۔ اس نے گھبرا کے لوگوں کی سمت اشارہ کیا' شامین تو مسکرا رہی تھی۔

''اسی وقت عنائبہ نے رونا شروع کردیا' اب تو تینوں ہی گڑبڑا گئے۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' احد کو تشویش ہوئی۔

''ہونا کیا ہے' سمیرا چچی ابھی نظر آگئی تھیں''۔ محریب نے جواب میں ساری تفصیل سنا دی' احد اور شامین بھی

سوچ میں پڑ گئے۔

''انہوں نے دیکھا تو نہیں ہے نا' پھر اتنا پریشان ہونے اور رونے کی کیا بات ہے''۔ شامین نے عنائبہ کو چپ کرانے کی کوشش کی۔

''دیکھ بھی سکتی تھیں''۔ روئی روئی آواز میں بولی۔

''یار محریب! اس لڑکی کا کچھ نہیں ہوگا بات کر ماموں جان سے اور مائز کے ساتھ ساتھ تم اپنا بھی نکاح پڑھواؤ تاکہ اس لڑکی کا خوف نکلے''۔ احد نے کچھ بےزاری سے ہی مشورہ دیا۔ عنائبہ کا دل تو اور ہی دھڑ دھڑ کرنے لگا' احد کیا کہہ رہا تھا۔

''میں تو تیار تھا' تمہاری کزن کے خیالات کچھ اور ہیں''۔ محریب نے افسردگی سے کہا۔

''ان کی ضد کی وجہ سے ہی میرے بھائی کو میری وجہ سے قربانی دینی پڑ رہی ہے' کیونکہ عقل مند تو یہ ہیں ہم سب باقی بےوقوف ہیں''۔

''محریب بھائی! آپ تو اُلٹا اسے سنانے ہی لگے' وہ بےچاری بھی مجبور ہے''۔ شامین کو محریب کا یہ انداز بہت بُرا لگا تھا۔

''سب کو ان محترمہ کا خیال ہے' غلط تو میں ہوں ان کی نظر میں اور میرے گھر والے''۔ وہ بھنا کے کھڑا ہوگیا تھا۔

''دیکھا آپ نے شامین بھابی! یہ ہمیشہ مجھے ایسے ہی بولتے ہیں''۔ عنائبہ نے گویا اس کی شکایت ہی لگائی۔

''تم عقلمند بنتی ہو' میں کچھ نہ بولوں''۔

''یار! کیا ہوگیا ہے آرام سے تو بات کرو''۔ احد نے اسے سمجھایا۔

''میں جتنا کول مائنڈڈ تھا ان محترمہ نے مجھ میں غصہ بھر دیا ہے''۔

''یہی مجھے بھی حیرانگی ہے کہ تم ایسے تو بالکل نہ تھے''۔ احد نے فہمائشی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا جو اتنا سرخ و انگارہ لگ رہا تھا۔

''سارے الزام مجھ پر ڈال لیے آپ''۔ عنائبہ سے بھی برداشت نہ ہوا' وہ بھی تیز لہجے میں بولی' بعض اوقات اسے محریب خودغرض لگتا تھا۔

''ضد تم کرتی ہو میں نہیں کرتا''۔ اس نے دھاڑ کے ہی کہا۔

میرے بھائی پر زبردستی کی جارہی ہے' تمہیں احساس ہے اس کا''۔

''میری بہن پر بھی تو کی جارہی ہے زبردستی' آپ کیا سمجھ رہے ہیں میں سکون سے ہوں''۔ وہ تو تنک ہی گئی۔ احد اور شامین دونوں کا جھگڑا دیکھ رہے تھے جو اس وقت دوبدو ہی تھے۔

''نہ تم ایسا کرتیں اور نہ ان دونوں پر زبردستی کی جاتی''۔

''یار محریب! کیا بچوں کی طرح تم لڑنے لگے''۔

''یار! تم دیکھ نہیں رہے ہو یہ کر کیا رہی ہے''۔ وہ کھسیا کر روہانسا ہوا۔

''محریب بھائی! آپ کی اور عنائبہ کی لڑائی سے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ آپ دونوں کی شادی ہوجائے''۔ شامین بولی۔

''میں اپنی امی کی مرضی کے بغیر بالکل نہیں کروں گی''۔ عنائبہ اکڑ گئی۔

''چیلنج کررہی ہو ناں کہ تم اپنی امی کی مرضی کے بغیر نہیں کرو گی''۔ عنائبہ نہ ہاں میں کچھ بولی اور ناں نہ میں'

محریب لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پارک سے نکل گیا' عنایہ نے رونا شروع کر دیا تھا' شامین اور احدان دونوں کو اکیلے رہنے کا موقع دینا چاہ رہے تھے کہ محریب پیار سے ہی اسے ہینڈل کرے۔

............☆☆☆............

وہ کب سے کھڑی تھی' کوئی بس بھی نہیں آ رہی تھی کہ وہ جلدی گھر پہنچتی' آفس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی پھر آج کل جو کیس چل رہا تھا اس کی بھی اس پر کافی ذمہ داری تھی' مسئلہ ایک کم عمر لڑکی کا تھا جس کی شادی ایک ادھیڑ عمر شخص سے کر دی گئی تھی' وہ اس آدمی سے جان چھڑانے کے لیے فرحت میڈم کے آفس آئی تھی۔ خود کو چادر میں سموئے لائٹ گرین پرنٹڈ جارجٹ کے کپڑوں میں ملبوس اپنے سادہ سے سراپے کے ساتھ کھڑی تھی' ذہن اس کا ابھی تک اس لڑکی کو ہی سوچ رہا تھا کتنا وہ رو رہی تھی۔ اسی وقت ایک گاڑی اس کے قریب رُکی تو وہ چونک گئی' چتون سکیڑ کے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھ کر نخوت سے منہ پھیر لیا کیونکہ اس دن کی تضحیک کب بھولی تھی۔

''غالباً آپ گھر جا رہی ہیں' آیئے میں بھی گھر ہی جا رہا ہوں''۔ فائق' حسنہ پھپھو کی طرف سے ہو کر آ رہا تھا' عینی اور ندرت باجی کو چھوڑ کے' کیونکہ دادی جان اور عنایہ ابھی تک وہیں تھیں۔

''سوری میں جا سکتی ہوں''۔ اسے اگنور کرتے آگے بڑھی' فائق کو اس کے انکار پر کوفت ہی ہوئی' ایک تو وہ لڑکی جیسی شے سے جتنا بچتا تھا وہ اتنا راہ میں حائل تھی اور یہ لڑکی شروع سے اس کے لیے مسئلہ ہی بن رہی تھی۔

''دیکھیے مس! فضول کے نخرے کر رہی ہیں آپ اور جہاں آپ کھڑی ہیں ادھر تو کبھی کوئی بس رُکی ہے اور نہ رُکتی ہے''۔ اس نے بس اسٹاپ سے اسے دور کھڑے دیکھ کر فہمائشی انداز میں طنز ہی کیا۔ تہذیب نے غصے سے دور فاصلے پر اسٹاپ دیکھا جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ کتنی دور کھڑی تھی' وہ آگے چلنے لگی۔ فائق کو جانے اس لمحے یہ اپنی بے عزتی ہی لگی تھی' وہ بھناتا ہوا ڈرائیونگ ڈور سے جارحانہ انداز میں نکلا تو تہذیب لرز ہی گئی۔

''اے سن لڑکی! تو نے اگر فاطمہ کا کیس لڑا یا ساتھ دیا تو یاد رکھنا اس شہر سے تجھے غائب کروا دوں گا''۔ ایک لمبا چوڑا ادھیڑ عمر شخص فائق سے پہلے آگے تھا' تہذیب تو کانپ سی گئی۔

''کون ہو تم؟'' آواز کو کچھ پر اعتماد بنایا۔

''میں جو بھی ہوں' تم مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہو اور انجان مت بنو''۔ وہ لمبا چوڑا آدمی جس کا انداز بگڑے ہوئے رئیس زادوں کی طرح تھا' تہذیب کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی' فائق دو قدم پیچھے رُک کر سب دیکھ اور سن رہا تھا۔

''آخری دفعہ کہہ رہا ہوں' اگر فاطمہ کا کیس تم نے لڑا تو میں کیا کر سکتا ہوں یہ بتا دیا ہے''۔ وہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں گاڑے ہوئے تھا۔

''اے مسٹر! کیا بدتمیزی ہے آپ کس لہجے میں ان سے بات کر رہے ہیں''۔ فائق کو تہذیب کا ڈر و خوف سے حواس باختہ چہرہ متفکر کر گیا۔

''ابھی میں نے بدتمیزی کی نہیں ہے' سمجھا دینا اسے کہ اگر اپنی عزت چاہتی ہے تو فاطمہ کو چلتا کرے''۔ وہ فائق اور تہذیب پر نگاہ ڈالتا ہوا اپنی پجارو میں بیٹھ چکا تھا۔

تہذیب کے تو پسینے ہی چھوٹنے لگے تھے' لوگ فہمائشی اور استفہامیہ نگاہوں سے سب دیکھ رہے تھے' تہذیب کو لگ رہا تھا کہ قدم ہی نہ اٹھ رہے ہوں' اگر فائق اسے تھام نہ لیتا تو ضرور گر جاتی' وہ اس کے سینے پر ہی جھول گئی' فائق بھی گھبرا سا گیا جو ٹھنڈی ہی پڑ گئی تھی' اس کے نرم نرم کومل سے ہاتھ فائق کے شانوں پر تھے' وہ بھی کچھ نروس سا

ہوا' اس کے وجود میں ایسا لگا کہ طوفان اُمڈ آیا ہو' ایسی سچویشن اس کے ساتھ پہلی بار ہوئی تھی کہ کوئی لڑکی اتنی قریب وہ بھی اتنی بے باکی سے' اس کے بھی پسینے چھوٹنے لگے' مشکل سے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا' تہذیب کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں' چادر ڈھلک کر اس کے شانوں پر پڑی تھی' دراز چوٹی سے بال نکل کر اس کے چہرے پر بکھر گئے' فائق نے اسی الجھن میں گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کہ وہ مکمل ہوش میں آئے' بہت سوچنے کے بعد گاڑی ریسٹورنٹ کے پاس روکی تاکہ اسے نارمل کر کے ہی گھر لے جا سکے ورنہ سب الٹا سیدھا ہی سوچیں گے اور پھر یہ لڑکی کی عزت کا سوال تھا' فرنٹ سیٹ سے اسے ہاتھ پکڑ کے نکالا' تہذیب کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے' فائز اکثر مائز کے ساتھ اس ہوٹل میں ڈنر وغیرہ کرنے آتا رہتا تھا' وہ ایک کونے کی سیٹ چوز کر کے وہاں بیٹھا تھا' شام کا وقت تھا اس لیے ہوٹل میں لوگ کم تھے' کچھ ہی دیر میں ویٹر سب سے پہلے ٹھنڈے پانی کی بوتل رکھ کے گیا' جو فائق نے نکال کے تہذیب کو پلایا' وہ کچھ حواسوں میں آئی' فائق آج بغور اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا۔ سرخ و سپید دودھیا رنگت' ہرنی جیسی آنکھیں' وہ بلاشبہ کافی حسین تھی' فائق نے نگاہ چرائی۔ پانی پینے کے بعد وہ کچھ بہتر ہوئی تھی' چادر ٹھیک طرح سے اوڑھی' بالوں کو دونوں ہاتھوں سے چادر کے اندر کیا' وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''گھر چلیے''۔ وہ اپنے حواسوں کو بحال کر کے گویا ہوئی۔

''چلتے ہیں بیٹھیے آپ''۔ کچھ ہی لمحوں میں ویٹر بک لے کے آ گیا۔

''دیکھیے! مجھے کچھ نہیں کھانا نہ میرا اس وقت دل کر رہا ہے''۔ وہ فوراً پھر کھڑی ہو گئی۔ فائق جیسے اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا' بک تو اس نے ٹیبل پر رکھی۔

''آپ صرف آئس کریم فالودہ لے آیئے''۔ ویٹر کو آرڈر کر چکا تھا اور وہ فوراً اپنا کام سرانجام دینے چلا گیا۔

''بیٹھ جایئے''۔ لہجے میں سختی تھی۔

''مجھے گھر جانا ہے''۔ روہانسی ہونے لگی۔

''ایک بار کہی بات میری آپ کے دماغ میں نہیں بیٹھتی کیا' ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے' بیٹھیے''۔ وہ غصہ میں ہی آ گیا۔ تہذیب اس کا ایسا درشت انداز دیکھ کر متوحش زدہ سی رہ گئی' دونوں یوں روبرو پہلی بار آئے تھے' نہ اتنی بات چیت ہوئی تھی' جب بھی ہوئی بات ناگواری میں مبتلا ہو کر ہوئی۔

''مجھے یہ بتایئے کہ کیا پرابلم چل رہی ہے آپ کے ساتھ آفس میں''۔ بلیک پینٹ اور اس پر گرے شرٹ میں اتنا سوبر اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا کہ تہذیب اس کی بارعب شخصیت کے آگے ایسا لگتا تھا کہ پگھلنے ہی لگی ہو' لب کپکپانے لگی تھی' اتنی بے تکلفی کب تھی جو اس سے اپنے پرابلم شیئر کرے۔

''کچھ نہیں ہے''۔ وہ بتانے سے گریز کرنے لگی۔

''میں نے جو پوچھا ہے وہ بتاؤ' کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ''۔ وہ آپ سے تم پر غصے میں ہی آ گیا۔ تہذیب نے حیرانگی سے اس سحر انگیز شخصیت والے شخص پر نگاہ ڈالی جو مکمل اسی جانب متوجہ تھا' ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جیسے سارے پرابلم اس سے شیئر ہی تو کرتی آ رہی ہو' اگر آج بھی نہیں کرے گی تو وہ اسی طرح ناراض ہوتا رہے گا۔

''میں اپنے معاملات کسی سے بھی شیئر نہیں کرتی ہوں''۔ ٹکا سا ہی جواب دیا' گویا اس دن کا بدلہ لینا چاہ رہی ہو۔ فائق نے اپنی گہری نگاہ اس کے چہرے پر ٹکا دی' آج وہ جان بوجھ کے یہ حرکت کر رہا تھا' بار بار اسے دیکھ رہا تھا اور ہر بار ہی اس کے چہرے پر انوکھا ہی رنگ نظر آ رہا تھا یا پھر اس کے دیکھنے کے سارے انداز بدل گئے تھے۔

''کسی سے بھی شیئر نہیں کرتی ہو' جنہیں تم اپنا بڑا بھائی کہتی ہو محریب احمد انہیں بھی کسی میں شامل کرو گی''۔ طنز کے ساتھ اس نے گویا لاجواب ہی کر دیا' وہ گڑبڑا سی گئی' پراعتماد اور نڈر انداز تو وہ فائق کا پہلے ہی دیکھ چکی تھی' کوئی بھی بات کہنے سے ذرا نہیں چوکتا تھا۔

''پلیز آپ محریب بھائی کو کچھ نہیں بتائیے''۔

''کیوں تم ان سے بھی چھپاؤ گی؟'' وہ چیئر سے ٹیک لگا کے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کے ٹھوڑی کے نیچے لگا کے گویا ہوا' تہذیب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان سے کیوں چھپاؤں گی؟''

''پلیز! آپ کیا میرے پیچھے پڑ گئے ہیں' کیوں آپ مجھ سے سوال جواب کر رہے ہیں''۔ چڑ کر تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''جب تک تم مجھے اپنی پرابلم نہیں بتاؤ گی جو میرے سامنے تھی' میں پوچھتا رہوں گا''۔

''آپ پوچھتے رہیئے' میں جا رہی ہوں''۔ وہ اپنا پرس اٹھا کر جھٹکے سے ہی اٹھی' ہوٹل کا خاموش سا ماحول اس کی تیز آواز میں کچھ ارتعاش پیدا کر گیا۔

''بیٹھ جاؤ' اگر ایک قدم بھی باہر نکالا تو سوچ لو تمہارے لیے بہت برا ہوگا''۔ فائق کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''کیا کر لیں گے آپ؟''

''کروں گا تو کچھ نہیں' بس سیدھا محریب بھائی کے پاس جا کے ابھی کی ساری سچویشن بتا دوں گا''۔

''اگر آپ نے ایسا کیا ناں اچھا نہیں ہوگا''۔ وہ بالکل ہی بے بس سی ہو گئی۔

''یہی تو میں سمجھا رہا ہوں' بالکل اچھا نہیں ہوگا جلدی سے مجھے بتا دو''۔ وہ جیسے ضد پر ہی اڑ گیا تھا۔

''کچھ بھی ہو جائے میں آپ کو نہیں بتاؤں گی' چاہے آپ محریب بھائی کو کیوں نہ بتا دیں' سب آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جہاں مجبور و بے بس کسی کو دیکھا بلیک میل کرنے پہنچ جاتے ہیں''۔

''شٹ اپ''۔ اس کے تو پتنگے لگ گئے۔

''انتہا سے زیادہ بدگمان اور غلط سوچ رکھنے والی لڑکی ہو تم''۔ ویٹر فالودہ آئس کریم لے کر آ چکا تھا' ٹیبل پر وہ رکھ کر چلا گیا۔

''بیٹھ جاؤ اور اسے ختم کرو' میرے پیسے فالتو نہیں ہیں کہ ضائع کروں میں ایسے''۔ ایک اور تحکم درشتگی سے ہی دیا وہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق بیٹھ گئی' فالودہ زہر مار کیا' وہ بھی آدھا۔

''پورا ختم کرو''۔ پھر بولا۔

''میرا دل نہیں کر رہا تو کیوں ختم کروں؟'' چمچ کپ میں پٹخ کر بولی۔

''میں تمہیں سلجھی ہوئی ٹھنڈے دماغ کی لڑکی سمجھتا تھا مگر تم تو پوری آگ کا شعلہ ہو''۔ وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''آپ بھی انتہا سے زیادہ بددماغ اور مغرور قسم کے ہیں' اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟'' اسے تو پہلے کی بے عزتی بھولی ہی نہیں تھی۔

''بہت کچھ اکثر سنتا رہتا ہوں لوگوں کے منہ سے' تمہیں کیا بتاؤں''۔ اب وہ اسے چڑانے ہی لگا۔

''آپ مردوں کا پتہ ہے مسئلہ کیا ہے' جہاں ایک لڑکی دیکھی اپنی شخصیت کا رعب ان پر جھاڑنے پہنچ جاتے ہیں''۔

''بڑا تجربہ ہے تمہیں مردوں کے متعلق''۔ طنز میں ڈوبا تیر پھینکا۔

''شٹ اپ' میں مردوں کی صنف سے پہلے ہی دور بھاگتی ہوں اور نہ ان لڑکیوں کی طرح ہوں جو الٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہیں''۔ اس کے تو دماغ پر ہی جا لگی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم نے طے کر لیا ہے کہ اپنی بے سروپا گفتگو میں الجھا کے وہ بات نہیں بتاؤ گی''۔ فالودہ وہ ختم کر چکا تھا' پیسے نکال کے پلیٹ میں رکھے۔

''آپ کو تو کبھی نہیں بتاؤں گی جو خود کو جانے کیا سمجھتا ہو''۔ نخوت و ناگواری سے منہ ہی گھما لیا۔

فائق نے مسکراہٹ روک کے اس کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھا' مشرقی حسن اور اداؤں سے مزین تھی جو پری پیکر کا وہ سوچتا تھا بالکل اس کے قریب ترین ہی تھی مگر اپنی یہ سوچیں مائز سے کبھی شیئر نہیں کی تھیں کیونکہ وہ پھر اسے اتنا تنگ کرتا' اسے بے باک اور الٹرا ماڈرن لڑکیاں بری لگتی تھیں' جب ہی تو وہ محبت جیسے جذبے کو ان پر نچھاور کرنا نہیں چاہتا تھا' محبت کی ہمیشہ سے وہ نفی کرتا تھا مگر آج اس مشرقی اور غصے سے بھرپور حسن کے آگے محبت مسکرا رہی تھی۔

............☆☆☆............

کل سے اسے عجیب سی فیلنگ ہو رہی تھی' پورا دن اس نے سو کر ہی گزارا تھا' دادی جان اسے جانے ہی نہیں دے رہی تھیں' محریب بھی کل سے نہیں آیا تھا' اسے رہ رہ کے اپنی کم مائیگی پر رونا آ رہا تھا' ہر چیز کا مورد الزام وہ اسے ہی ٹھہرا رہا تھا۔

''عنایہ! چائے لے آؤں' تم نے دوپہر بھی کچھ نہیں کھایا تھا' دیکھو اب شام کے سات بج رہے ہیں''۔ شامین کمرے میں چلی آئی تھی وہ علینہ کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں رہی تھی سلکی دراز بال پشت پر بکھرے تھے عجیب اُجاڑ سی حالت ہو گئی تھی۔

''بھابی! میرا موڈ نہیں ہو رہا ہے''۔

''یہ کھانا پینا چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے''۔ اس نے ڈپٹ کے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں سنانے کا' انہیں میں اب بری لگنے لگی ہوں''۔ کل سے اتنی رنجور مغموم اور افسردہ ہو رہی تھی۔

''یہ الٹی سیدھی سوچیں دماغ سے نکالو تم' ایسا کرو نہا کر فریش ہو جاؤ پھر ہم باتیں کرتے ہیں کیونکہ ندرت باجی تمہیں بار بار پوچھ رہی ہیں' آ جاؤ جلدی''۔ وہ اس کے شانے پر تھپکی دے کر جانے لگی تھی' عنایہ نے زبردستی خود کو فریش کیا کیونکہ اس بات کا احد اور شامین کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ تھا کہ محریب اور اس میں کوئی جھڑپ ہوئی ہے۔

نہا کر اس نے لائٹ اورنج کلر کا پرنٹڈ لان کا سوٹ پہنا' بالوں کو کیچر لگا کر کھلا چھوڑ دیا تھا' آنکھیں اس کی کچھ بھاری ہو رہی تھیں' دوپٹہ شانوں پر برابر کرتی باہر آئی تو دیکھا ہال کمرے میں تمام نوجوان پارٹی موجود تھی' محریب کو دیکھ کر اس نے خفگی سے منہ ہی گھما لیا' وہ دادی جانی کے پاس بڑے صوفے پر بیٹھا تھا' باقی کے لوگ کارپٹ اور صوفوں پر تھے۔

''ارے آ میری بچی' کیسی طبیعت ہے؟'' دادی جان نے اسے اپنے پاس بلایا' مائز نے زور سے کھانسنا شروع کیا' محریب نے گھورا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

''سر کا درد کچھ کم ہوا''۔ انہوں نے اپنے پاس بٹھا کے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا' محریب نے بھی اچٹتی نگاہ ڈالی ضرور' کل سے وہ خود کتنا پریشان ہو گیا تھا' پھر احد نے جو اسے سنایا اس کے بعد ہی وہ یہاں آیا تھا۔

''اب تو ٹھیک ہے''۔ آہستگی سے بولی۔

''بھابو! آپ کی والدہ محترمہ کو فکر ہو رہی ہے کہ ان کی بیٹی ہے کہاں؟''

''فون آیا تھا گھر سے''؟ وہ کچھ فکر مندی ہوگئی۔

''کیوں آپ نے نہیں کیا گھر فون؟'' اُلٹا اس نے سوال کر ڈالا۔

''نہیں' میں نے نہیں کیا''۔ نگاہ جھکا کے کہا۔

''شاہین! یہ احد کہاں ہے؟'' حسنہ نے پوچھا' شاہین اور علینہ سینٹرل ٹیبل پر لوازمات وغیرہ رکھ رہی تھیں۔

''ریان کے رونے کی آواز آئی تھی' میں کچن میں تھی اسے ہی لینے روم میں گئے ہیں''۔ احد نے ریان کو گود میں اٹھایا' پھر سنگل صوفے پر بیٹھا جو محریب کے قریب ہی تھا۔

''آ گیا میرا بیٹا''۔ شاہین نے ریان کو گود میں اٹھالیا۔

''عنائبہ پلیز! تم ذرا سب کو سرو کرو' میں ذرا صاحبزادے کو چیک کرلوں کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں مچائی ہوئی''۔ عنائبہ کو اس لمحے محریب کا سامنا انتہائی کوفت اور بے زاری میں مبتلا کر رہا تھا جو خود بھی سرد مہر اور بے نیاز سا لگ رہا تھا۔ علینہ نے اور اس نے مل کر سب کو لوازمات پلیٹ میں نکال دیئے تھے' محریب کو دیتے ہوئے وہ جھجک سی رہی تھی۔

''بھابو! میرے بھائی کو آپ کیا بھول گئی ہیں''۔ مائز نے تو اس دوران اپنی نگاہوں کا فوکس عنائبہ پر ہی کیا ہوا تھا۔

''نہیں یار! میں آفس سے آیا تھا تو امی نے چائے کے ساتھ کافی کچھ دیا تھا' کھانے کی خواہش نہیں ہے''۔ رکھائی زدہ لہجے میں ایک طنز تھا جو صرف عنائبہ ہی سمجھ پائی جبکہ احد نے پہلو بدل کر محریب کو دیکھا جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''مجھے پتہ ہے تو کتنا کھاتا ہے' چل خود اٹھ کر لے کیا کھانا ہے''۔ دادی اپنے پوتے کی ریزرو طبیعت کو جانتی تھیں۔

''محریب بھائی! کھا کر دیکھیے تو کباب مزے دار ہیں' ہے نا آپی''۔ رافع نے ندرت سے بھی تائیدی پوچھا جو عروب کو تیار کر کے لائی تھی۔

''ابھی میں نے چکھے کب ہیں؟'' وہ فلور کشن پر مائز کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''آپی! کھا کر دیکھیے اتنے لذیذ میں نے تو آج تک نہیں کھائے''۔

''او جھوٹے کچھ دنوں پہلے کیسے بیٹھا چچی جان سے کہہ رہا تھا کہ امی اتنے مزے دار کباب آج سے پہلے کبھی نہیں کھائے''۔ مائز نے برجستہ ہی اس کی مبالغہ آرائی پر ٹوکا۔

''وہ تو امی نے بنائے تھے اور یہ میرے خیال میں......'' اس نے نگاہ اُٹھائی۔

''یہ میں نے بنائے ہیں''۔ حسنہ مسکرا کے بولیں۔

''پھپھو! واقعی آپ تو کافی سگھڑ ہیں''۔ وہ پھر کباب کو کیچپ میں لگا کر منہ میں رکھ چکا تھا۔

''او...... یہ تو نے تیسرا کباب کھایا ہے''۔ مائز نے اب پلیٹ ہی اٹھالی۔

''ارے مائز' میں اور تل کے لاتی ہوں''۔

''پھپھو! آپ رہنے دیں یہ رافع کا بچہ سارے ہڑپ کر جاتا ہے''۔ مائز نے پلیٹ اب اپنے آگے رکھ لی تھی۔

''توبہ مائز! تم تو بالکل بچوں کی طرح لڑتے ہو''۔ ندرت نے اس کے سر پر چپت لگائی۔ سب ہی مسکرا رہے تھے' محریب کی پُرسوچ اور تفکر زدہ سوچیں مائز کے گرد گھومنے لگیں' جو خود ابھی بچہ لگ رہا تھا اور شادی اس کی ہونے والی تھی۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 7 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express your thoughts beautifully
Junaid Ansar 96
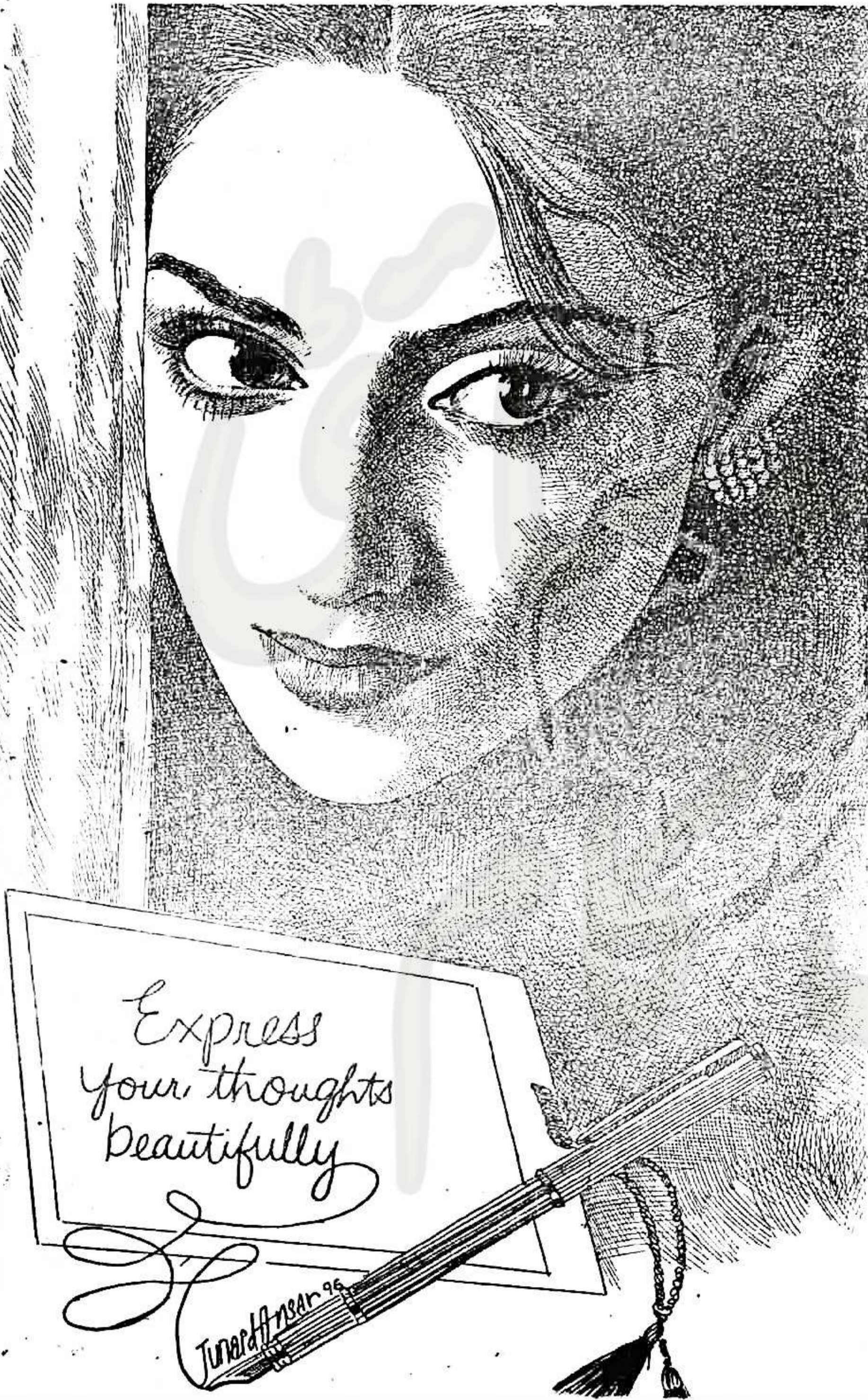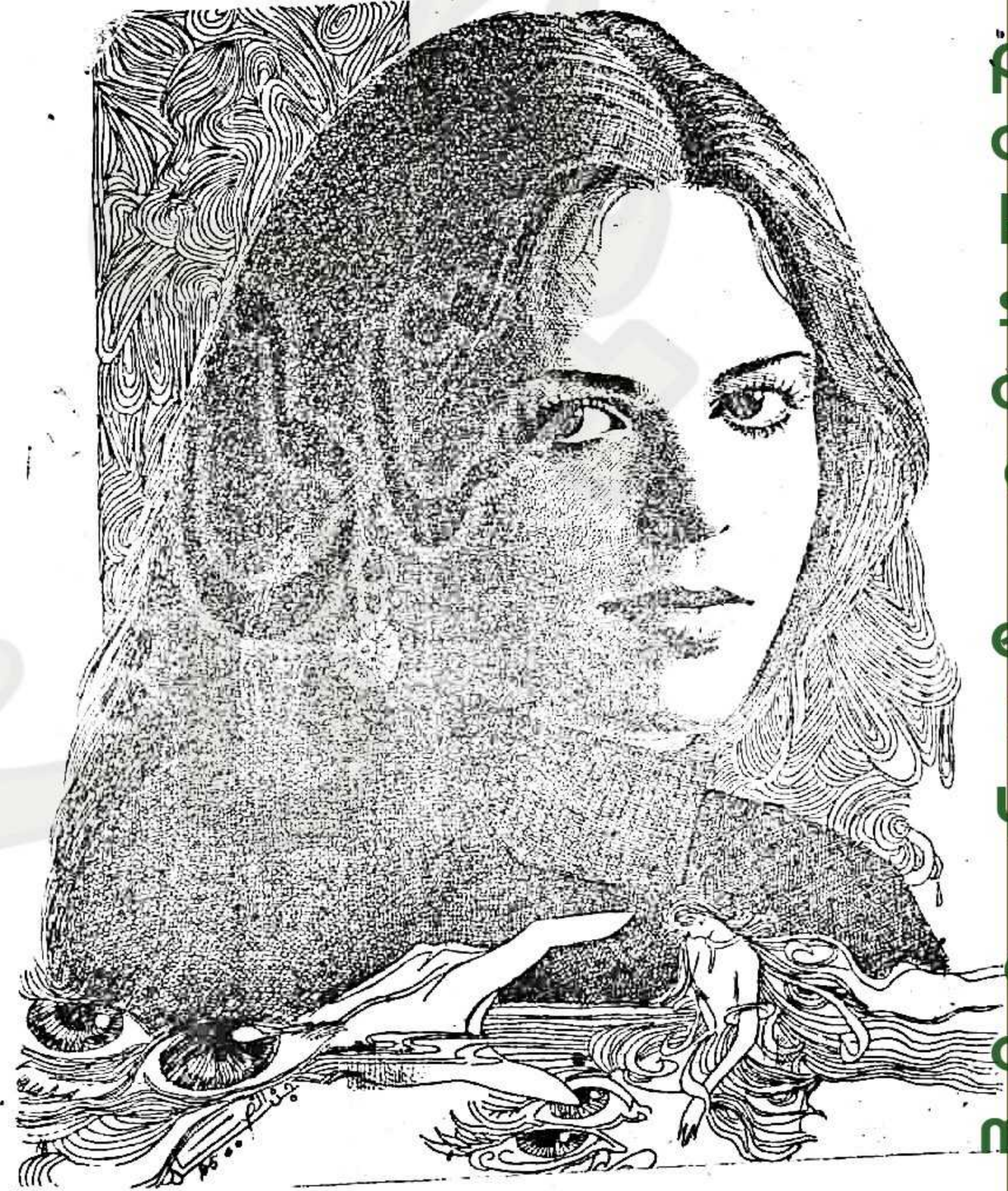
''آپی! کوئی فاطمہ آئی ہے''۔ حکمت نے اسے بتایا جو مغرب کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی۔

''فاطمہ......'' وہ چونک گئی بلکہ گھبرا بھی گئی۔

''ہاں آپی! میں نے اسے لاؤنج میں بٹھا دیا ہے' بڑی ڈری سہمی ہوئی لگ رہی ہیں''۔ وہ اسے تفصیل بتانے لگی۔ تہذیب نے پرسوچ انداز میں کمرے سے قدم باہر نکالے دیکھا تو فاطمہ بڑی کالی سی چادر میں خود کو لپیٹے ہوئے بیٹھی تھی۔

''فاطمہ تم......؟''

''تہذیب باجی! مجھے بچالیں''۔ وہ اس سے لپٹ ہی گئی۔

''ارے میں نے تمہیں باہر نکلنے کو منع کیا تھا ناں' کیوں نکلیں تم اور یہاں کیسے آگئیں؟'' وہ حیران بھی تھی کہ تہذیب کو یہاں کا ایڈریس کیسے پتہ چلا۔

''وہ باجی! مجھے اماں لے کر آئی ہیں' آپ کے آفس سے اماں نے ایڈریس لیا تھا''۔ وہ بتانے لگی۔ تہذیب تو یہ حیران تھی کہ اس نے تو خود یہاں کا کسی کو ایڈریس نہیں دیا تھا' ہوسکتا ہے فرحت میڈم نے دیا ہو کیونکہ وہ محریب کی ٹیچر بھی تو تھیں۔

''اچھا تم آرام سے بیٹھو' مجھے بتاؤ اب کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے فاطمہ کو شانوں سے تھام کے صوفے پر بٹھایا' اتنے میں حکمت اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی تھی کیونکہ وہ حواس باختہ سی بھی بہت لگ رہی تھی۔ تہذیب نے پہلے اسے کولڈ ڈرنک پلوائی تاکہ وہ اپنے حواسوں میں آئے' جب وہ نارمل ہوئی تو پوچھا۔

''ہاں اب بتاؤ تمہیں ایسا کیا مسئلہ ہوا کہ یہاں آنا پڑا' مجھے موبائل پر کال کرسکتی تھیں''۔ گلاس اس نے فاطمہ کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھا۔

''باجی! میرے پاس تو موبائل بھی نہیں ہے کیسے کال کرتی میں' وہ جاوید اپنے آدمیوں کے ساتھ کل رات کو گھر آیا تھا' ابا کو بھی بہت مارا ہے کہہ رہا ہے کہ میں اپنا کیس واپس لوں' وہ مجھے طلاق نہیں دے گا''۔ وہ ڈر ڈر کے اور روتے ہوئے بتانے لگی۔

''تم سے میں نے کہا ہے ناں کہ تم دارالامان چلی جاؤ''۔

''باجی! آپ کو نہیں پتہ وہ وہاں سے بھی مجھے نکال لے گا' کہتا ہے کہ کل میں نے تیری اس میڈم کو بھی دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے تیرا کیس لڑا تو اس کا انجام بھی برا ہوگا' باجی وہ کیا کل ملا تھا آپ کو؟'' فاطمہ کو اس کی بھی تو فکر ہو رہی تھی۔

''ہاں' ہاں ملا تھا''۔ تہذیب کو یکدم فائق بھی یاد آگیا اس نے ہی تو بروقت اسے بچایا تھا ورنہ وہ خود بے ہوش ہوسکتی تھی۔

''تم ڈرو نہیں' تمہیں ہم طلاق دلوا کر ہی رہیں گے' تم مزید ظلم برداشت نہیں کرو گی''۔ اس نے فاطمہ کو تسلی دی۔

''اچھا باجی! میں چلتی ہوں' اماں باہر کھڑی ہے' میں نے اندر اس لیے نہیں بلایا کہ کہیں جاوید یہاں بھی نہ آجائے''۔ وہ چادر اچھی طرح لپیٹ کے نکلنے لگی' تہذیب بھی کاسنی دوپٹہ سر پر رکھ کر اس کے ساتھ ساتھ باہر ہی آئی مگر قسمت خراب فائق راہداری میں ہی مل گیا' کل سے تو وہ اور ہی اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''رکو ایک منٹ''۔ فائق کی تحکم زدہ آواز پر دونوں ہی گڑبڑا سی گئیں' تہذیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے' اسے کل سے فائق پر غصہ ہی آ رہا تھا۔

''باہر ایک وائٹ پجیرو کھڑی ہے' غالباً اس میں وہی موصوف بیٹھے ہیں جو کل ملے تھے''۔ فائق کا انداز فہمائشی اور طنزیہ تھا۔

''ہائے باجی! وہ یہاں بھی آگیا' اب کیا ہوگا؟'' فاطمہ تو ڈر ہی گئی۔

''کچھ نہیں ہوگا' یہ آپ کی لیڈر بہادر ہی ہیں تو مقابلہ کرلیں گی' گھبرا کیوں رہی ہیں''۔ فائق نے تہذیب کا چہرہ دیکھا جو کچھ گھبرایا ہوا سا لگا مگر وہ اسے دیکھنے سے اجتناب برتنے لگی تھی۔

''پلیز یہ کوئی طنز کرنے کا موقع نہیں ہے''۔ اس کے تو پتنگے لگ گئے۔

''تم مجھے نہ بھی بتاؤ لڑکی لیکن میں پچویشن سمجھ گیا ہوں' چلو بیٹھو گاڑی میں' میں چھوڑ کے آؤں گا ان محترمہ کو''۔ فائق گاڑی کی جانب بڑھا۔

''نہیں' نہیں بھائی! میں چلی جاؤں گی' میری اماں باہر کھڑی ہیں''۔ فاطمہ کو الگ شرمندگی ہوئی۔

''دیکھیئے! آپ ہمارے گھر میں ہیں اس وقت اور ذمہ داری بھی ہیں' یہ مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ میں آپ کو محفوظ مقام پر چھوڑ آؤں''۔ وہ فرنٹ ڈور کھولنے لگا۔

''آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟'' تہذیب کو جانے کیوں احسان ہی لگ رہا تھا' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''چپ کر کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاؤ اور اپنی کلائنٹ کو پیچھے بیٹھنے کو کہو''۔ دبے دبے لہجے میں ذرا ڈپٹ کے ہی کہا اور تہذیب پھر امی کو بتا کے چلی آئی کہ وہ فاطمہ کو چھوڑنے جا رہی ہے' وہ مشکوک گاڑی لگتا تھا چلی گئی تھی' فاطمہ کی ماں کو بھی پیچھے ہی بٹھایا اور پھر فاطمہ کے رہائشی علاقے میں وہ آگیا تھا' نئی آبادی تھی چھوٹے چھوٹے مکانات اور تنگ سی گلیاں تھیں' شہر سے کافی دور ہی تھا۔ انہیں دس بج گئے تھے' فائق نے گاڑی اپنے روڈ پر موڑ لی تھی' تہذیب تو دم سادھے بیٹھی تھی' بلیک پینٹ اور اس پر اسکائی بلیو شرٹ میں ڈیسنٹ اور سر پر گلاسز لگائے فائق اتنا وجیہہ لگ رہا تھا کہ تہذیب نے چوری نگاہ ڈالی۔

''کاش...... یہ شخص اس کی قسمت میں ہو' کتنا اس کا خیال کر رہا ہے' اس کے انداز میں جو رعب ہے وہ اپنائیت زدہ ہے''۔

''آپ یہ جاب چھوڑ کے کسی اسکول میں کیوں نہیں پڑھا لیتی ہیں''۔ فائق نے اس کی سوچوں میں اپنی گھمبیر آواز سے ارتعاش پیدا کیا' وہ چونک کر خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''میری مرضی' میں نہیں پڑھاتی اسکول میں''۔ ٹکا سا جواب دیا۔ اس کے جواب دینے پر فائق نے لب بھینچ لیے۔

''آپ کی عقل کا خانہ تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے خالی ہے' اس لیے کوئی بھی بات آپ کے اس چھوٹے سے دماغ میں تھوڑی آئے گی''۔

''آخر آپ کو میری ذات سے اتنی دلچسپی کیوں ہو رہی ہے' اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آج آپ نے جو فاطمہ کو اس کے گھر ڈراپ کیا ہے یہ آپ کو ناگوار گزرا ہے تو سن لیں کہ آپ خود زبردستی کر کے لائے تھے''۔ تہذیب اس لمحے اس کی کوئی بات نہ سننا چاہ رہی تھی اور نہ ہی سمجھنا چاہ رہی تھی' کیونکہ اسے فائق کچھ اکھڑ مزاج جو لگ رہا تھا۔

''اتنا برا تم ہی سوچ سکتی ہو' میں نے کوئی اس وجہ سے نہیں کہا ہے' میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ فاطمہ کے کیس سے میں بھی واقف ہو گیا ہوں' آپ مقابلہ کرلیں گی اس کے توانا شوہر کا''۔ فائق کو بھی غصہ آگیا' وہ تیز لہجے میں گویا ہوا۔

''اس طرح کی دھمکیاں ہمارے آفس میں روز دینے آتے رہتے ہیں یہ کوئی نیا کیس نہیں ہے' وہ ڈرا رہا ہے کچھ

نہیں کر سکتا''۔ فوراً خود کو نڈر اور پراعتماد ظاہر کیا۔ فائق گاڑی بڑی مستعدی سے چلا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی خود کو کوفت میں مبتلا محسوس کر رہی تھی۔

''کچھ لوگوں کی دھمکیاں' دھمکیاں ہی نہیں ہوتی ہیں' آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں بات کو''۔ فائق کو اس چھوٹی سی کامنی سی لڑکی سے دن بدن کچھ انسیت سی ہوتی جا رہی تھی اور وہ خود حیران تھا کہ وہ کیسے کسی لڑکی میں اتنا انوالو ہو سکتا ہے' جبکہ وہ تو ہمیشہ آنکھ چراتا ہی آیا تھا۔ تہذیب کا ایک ایک نقش اتنا سادہ آنکھوں میں شرم وحیا اپنے جسم کو اس طرح چھپا کے رکھتی تھی کہ کسی کی بھی بھولے سے بھی نگاہ نہ پڑے' نرم نرم سے نازک سے ہاتھ جو فائق نے صرف ایک بار چھوئے تھے' کل ہی کی تو بات تھی جب سے ہی اس کے اندر ایک طغیانی سی آ گئی تھی۔

''میں یہ نوکری ضرورت کے تحت کر رہی ہوں اور محریب بھائی نے سوچ سمجھ کے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے''۔

''محریب بھائی سے کہہ کر ہی آپ کو کہیں اور جاب پر بھی سیٹ کیا جا سکتا ہے' میں بات کروں گا''۔ فائق کو بھی جیسے ضد ہی ہو گئی۔

''خبردار! آپ نے کوئی بھی بات کی ان سے' سب کے سامنے میرا کردار مشکوک کرنا چاہتے ہیں''۔

''کردار مشکوک......لڑکی تم ہوش میں تو ہو''۔ فائق کے خاک بھی پلے نہ پڑا کہ وہ کیوں ایسا بول رہی ہے۔

''تا کہ وہ سمجھیں کہ میں اور آپ......'' آگے بولتے بولتے وہ رُک گئی۔

''میں اور آپ کیا......اوہ میں سمجھ گیا''۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

''ویسے کوئی حرج بھی نہیں ہے''۔ اس نے چڑانے کو ہی کہا۔

''شٹ اپ' مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسی فضول خرافات میں پڑنے کا اور نہ میں اس قسم کی لڑکی ہوں''۔ گاڑی گھر کے احاطے میں آ چکی تھی اور وہ ڈور کھول کے تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی۔ فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی' اس نے تو تہذیب کو چیک کرنے کے لیے ایسی معنی خیز بات کی تھی' شاید وہ سن کے خوش فہمی کا ہی شکار ہو جائے مگر وہ تو اُلٹا اسے سنا کے ہی چلی گئی تھی۔ کتنی مختلف لڑکی تھی ڈری سہی بھی تھی اور پراعتماد بھی بنتی تھی' وہ اسے ایسے تو نہیں ضائع ہونے دے گا' دل تو ابھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ فائق احمد بھی کسی کو سوچ سکتا ہے' متاثر ہو سکتا ہے' نام بھی کسی نے اس لڑکی کا چن کے رکھا تھا' تہذیب' کیونکہ ہر بات وہ تہذیب کے دائرے میں رہ کر ہی کرتی تھی' اتنی معصوم اور سادہ لوح لگی تھی' وہ آنکھیں بند کر کے سوچے گیا۔

............☆☆☆............

وہی ہوا' سمیرا بیگم نے ایک طوفان ہی مچا دیا کیونکہ انہوں نے عنائیہ کو محریب کے ساتھ جو دیکھ لیا تھا' جواد احمد سے تو وہ لڑ ہی پڑی تھیں۔

''تمہیں اعتراضات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ کسی غیر کے ساتھ نہیں تھی' محریب اس کا کزن اور منگیتر دونوں ہے''۔ انہوں نے گویا جتایا۔

''میری بیٹی کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں کیا کروں گی''۔

''سمیرا! کبھی تو اچھا سوچ لیا کرو' نہ میری بیٹی ایسی ہے اور نہ ہی میرا بھتیجا ایسا ہے' دماغ تمہارا جانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے''۔ جواد احمد نے ٹی وی آف کر کے ریموٹ کاؤچ پر پھینکا۔

''کچھ بھی ہو آپ عنائیہ کو بلائیے''۔ وہ ضدی بن گئی تھیں۔

''اماں جی' حسنہ کی طرف ہیں انہیں عنائیہ کو جب بھیجنا ہو گا آ جائے گی' تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

وہ بھی ایک ضدی تھے' کیسے سمیرا سے ہار مان لیتے۔

''اور ہاں سنو! جلدی جلدی وشہ کی شادی کی تیاری شروع کر دو کیونکہ مائز کے ایگزام سے پہلے پہلے کرنی ہے' بھائی صاحب کے پاس میں آج جا کر دن مقرر کر کے آ رہا ہوں''۔ انہوں نے گویا نیا دھماکہ ہی کیا۔

وشہ اپنے کمرے سے سب سن رہی تھی' اس کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا تھا' ہاتھ پیروں سے پسینہ پھوٹنے لگا' کتنی جلدی وہ پرائی کی جا رہی تھی اور تو اور عنائیہ بھی یہاں نہ تھی۔

''میں اس شادی میں نہیں بیٹھوں گی''۔

''نہ بیٹھو تم لیکن شادی ہو کر رہے گی''۔ آنکھیں نکال کر گویا انہیں جتایا۔

''تم کرو شادی لیکن میں اسے نہیں مانوں گی''۔

''تم اپنے سوا کسی کو مانتی ہی کب ہو' سوائے تمہیں بننے سنورنے اور فضول کی خوشامدوں کے آتا ہی کیا ہے' باہر کے لوگوں سے کتنے اخلاق دکھاتی ہو اور گھر کے افراد سے تو تمہیں ایسا بیر ہے کہ ان پر نگاہ تک ڈالنا عبث سمجھتی ہو''۔ جواد احمد کو ان کا یہی دوغلا انداز تو اور ہی آگ لگاتا تھا جو اپنے کلائنٹ اور باہر کے لوگوں سے اتنے اخلاق نبھاتی تھیں کہ سب ہی ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور یہ تو کوئی ان سے پوچھے۔

''میرا جس سے دل کرتا ہے میں بات کرتی ہوں' باہر والے مجھ سے جلتے نہیں ہیں''۔

''میرے گھر والے بتاؤ تم کب جلے ہیں' ارے شکر کرو تمہیں تو میری بھابھیوں تک نے سر آنکھوں پر رکھ کر بٹھا کر کھلایا ہے لیکن تم ان سے بھی کب خوش رہی ہو''۔

''میں خوش نہیں رہی ہوں یا وہ دونوں' اوپر سے تمہاری ماں جسے روکنے ٹوکنے کی بلاوجہ کی عادت ہے''۔ سمیرا کا لہجہ اتنا بدصورت ہو جاتا تھا کہ جواد احمد تو کیا ان کی تینوں اولادیں حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہ جاتی تھیں۔

''تم نے کبھی اپنے اوپر بغور نگاہ ڈالی ہو تو پتہ چلے کہ تم ہو کیا''۔ ان کا لہجہ فہمائشی اور نخوت زدہ سا تھا۔

''میں ہمیشہ سے ٹھیک ہوں اور رہتی ہوں' تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو شروع سے ہی تکلیف رہی ہے' میں نے خود زبردستی تم سے شادی نہیں کی تھی تمہاری بھابھیاں اور تمہاری ماں پیچھے پڑی تھیں' میرے ابا تو کرنا بھی نہیں چاہ رہے تھے کہ بڑی بہن سے پہلے کیسے کر دیں''۔

''تم سمیرا ناشکری ہو' نہ تمہیں شکر ادا کرنا آیا ہے اور نہ ہی کرتی ہو' ارے تم سے اچھی تو تمہاری بہن ہے کتنی صابر و شاکر ہے اس نے اپنے بچوں تک کی اتنی اچھی تربیت کی ہے کہ تم تو ذرا بھی اپنی بہن کی پاسنگ نہیں ہو' جانے لوگوں کو آج کل کیا ہو گیا ہے کہ نمود و نمائش کو ہی اچھا جانتے ہیں''۔

''اونہہ......احساس محرومی بول رہا ہے' پھر کر لی ہوتی ناں اس سے''۔

''سمیرا! غلط بات منہ سے مت نکالنا' ارے اپنی حوروں جیسی پاکیزہ بہن کو غلط سوچ میں بھی لیا ناں اچھا نہیں گا''۔ جواد احمد تو ایک دم چراغ پا ہی ہو گئے۔

''اگر میں نے ثمینہ کی تعریف کی ہے تو تم اسے غلط سوچ سے منسوب کرو گی' ارے میں تمہیں یہ احساس دلا رہا ہوں کہ تم اپنی بہن سے کتنی الگ ہو' وہ کیسی ہے اور تم کیسی ہو؟'' انہوں نے دانت پیس کے طنز ہی کیا۔

''تم سے تو وہ اتنی اچھی ہے کہ من چاہی بہو ہے' وہ اپنے بچوں کا' شوہر کا کتنا خیال رکھتی ہے اور تو اور ہمارے بچوں میں بھی اس نے کبھی فرق محسوس نہیں کیا ہے' تم حالانکہ اسے کتنا کتنا سناتی ہو وہ بے چاری پھر بھی کچھ نہیں بولتی ہے''۔

''اونہہ...... بس کرو جواد احمد' میرا دماغ پھٹ جائے گا تم جب لیکچر دینے پر آتے ہو تو دیکھتے ہی نہیں ہو کہ بچے ہمارے کیا سوچ رہے ہوں گے؟'' ان کی نگاہ وشہ پر پڑی جو ڈائننگ ہال سے گزر کر کچن کی طرف ہی جا رہی تھی' صاف لگ رہا تھا وہ روئی بھی ہے اور غصہ بھی آ رہا ہے۔

''بچوں کا تو میں ہمیشہ ہی خیال رکھتا ہوں تم نے کب کیا ہے؟'' انہوں نے طنز میں کہہ کر بات ہی ختم کر دی کیونکہ سمیرا بیگم بھی جلتی کلستی ہوئی اپنے روم کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

وشہ تو ڈرائنگ روم میں آ کے اتنا روئی کہ اپنی آنکھیں تک سوجا لی تھیں' عنایہ بھی یہاں نہیں تھی ایک تو وہ اتنی بڑی بھی نہیں تھی کہ سب کچھ برداشت کر سکتی' جانے کتنی دیر تک وہ بیٹھی روتی رہی تھی کہ جواد احمد اسے ڈھونڈتے ہوئے چلے آئے۔

''مجھے پتہ تھا میرا بیٹا یہاں بیٹھا ہوا رو رہا ہوگا''۔ انہوں نے وشہ کو ساتھ لگا لیا۔

''ابو! مجھے نہیں کرنی شادی' پلیز آپ منع کر دیں' امی کو دیکھیں کتنے غصے میں ہیں''۔

''تم بھی ڈرنے لگیں اپنی ماں سے' ارے اب تو ہمیں موقع ملا ہے اسے اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کا''۔ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے۔

''ابو! امی بعد میں تو مجھ سے بات تک نہیں کریں گی''۔

''ارے میرے بیٹے نے بھلا پرواہ کی اس بات کی' نہ کرے میں تو کروں گا ناں میری بیٹیاں میرے لیے قیمتی جواہرات سے کم نہیں ہیں''۔ انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

''پھر بھی ابو! امی آپ کے ساتھ کتنے بُرے انداز میں بات کرتی ہیں''۔

''کم آن بیٹا! عادی ہو گئے ہیں ہم اور تمہاری ماں جب تک ہم سے لڑ نہ لیں ہمارا دن ہی اچھا نہیں گزرتا''۔ وہ بات کو مذاق میں ہی اڑانے لگے' پھر وہ اپنے بچوں سے محبت بھی بہت کرتے تھے۔

''سنو! آج کے بعد سارا فضول سوچنا بند کر دو' اپنے ایگزام کی تیاری کرو کیونکہ میں نے سوچا ہے کہ تمہارے ایگزام کے بعد کی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں' میں آج جا کر بات بھی کر آتا ہوں''۔ وہ اسے سمجھانے کے ساتھ تسلی بھی دینے لگے وہ جواد احمد کے گلے لگ کے خوب ہی روئی۔

''میری بچی میں تمہیں اور عنایہ کو محفوظ ہاتھوں میں سونپنا چاہتا ہوں' تمہاری ماں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کچھ بھی اُلٹا سیدھا کر دے''۔ انہیں یہ بھی دھڑکا تھا کیونکہ سمیرا بیگم کا جس قسم کے لوگوں سے ملنا جلنا تھا وہ نفرت' وغصہ اور بدلے کی آگ میں اپنی معصوم بیٹیوں تک کو داؤ پر لگانے سے باز نہیں آئیں گی' یہی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیاں برباد نہ ہوں۔

............☆☆☆............

''تم اُترتی ہو گاڑی سے یا نہیں؟'' وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اسے گھور رہا تھا جو خود کو بڑی سی میرون چادر میں لپیٹے ہوئے ڈری سہمی پچھلی سیٹ پر دونوں پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔

''دیکھیے! میں آپ سے صرف چند گھنٹوں کی مدد مانگ رہی ہوں' آپ مجھے اس علاقے سے باہر لے جائیں''۔ اس کا لہجہ ملتجی اور حواس باختہ سا تھا' چہرے پر اس کے اتنی پاکیزگی تھی کہ حمود سالار نے نگاہ جھکا لی' ایک تو وہ اچھا خاصا گھر جا رہا تھا' راستے میں اسے یہ بلا مل گئی' بابا جان کو پتہ چلا تو وہ تو گولی سے اُڑانے میں ذرا دیر نہیں کریں گے۔

''ابھی تم چند گھنٹوں کی مدد مانگ رہی ہو' پھر کہو گی کہ چند دنوں کے لیے اپنے گھر بھی رکھ لیں''۔ اس کے تو غصے

کے مارے نتھنے پھول رہے تھے۔

''آپ میری بات سمجھنے کی پلیز کوشش تو کریں' میری عزت صرف آپ کے ہاتھ میں ہے''۔

''اے خبردار! جو تم نے مجھے ایسا ویسا سمجھا بھی' اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکا دے کر باہر نکالوں شرافت سے گاڑی سے اُتر جاؤ''۔

''آپ کو آپ کی بہن کی قسم' مجھے پلیز نہیں نکالیں''۔ اس کے تو آنسو ٹپ ٹپ رخسار پر بہنے لگے' حمود کو لڑکیوں کا رونا انتہائی کوفت میں مبتلا کرتا تھا۔

''دیکھو لڑکی! تم میری بہن کی قسم دے کر مجھے بلیک میل کر رہی ہو''۔ وہ کچھ نرم سا پڑا۔

''میں صرف اس علاقے سے نکلنے کی بات کر رہی ہوں' پھر آپ مجھے کہیں بھی اتار دیجیے گا میں کچھ نہیں کروں گی مگر پلیز اِدھر سے مجھے لے جائیں وہ میرے پیچھے لگے ہیں''۔ وہ روتے ہوئے اسے سب بتا رہی تھی۔

حمود نے بھی پھر زیادہ بحث نہ کی اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا' ایک تو اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی' فیکٹری کا اسے وزٹ کرنا تھا' وہ بھی بابا جان کا حکم تھا مگر نیچے آیا تو اس کی گاڑی کھلی رہ گئی ہو گی کہ وہ ہرنی جیسی آنکھوں والی لڑکی سکڑی سمٹی بیٹھی تھی' وہ ماتھے پر ناگواری کی لکیریں لیے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا' دس بج رہے تھے اور ایسے وقت میں ایک لڑکی وہ بھی اس کی گاڑی میں موجود تھی' کسی نے بھی دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اسی وقت گاڑی کے ٹائر چرچرائے' بروقت بریک نہ مارتا تو ضرور آگے والی گاڑی سے ٹکر یقینی تھی' ڈرائیونگ سیٹ سے لمبا چوڑا تن فن کرتا شخص وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس نکلا تو حمود کی تو حیرانگی سے آنکھیں ہی پھیل گئیں' سامنے والے نے بھی چونک کر دیکھا' ڈرائیونگ سیٹ سے وہ باہر نکلا۔

''ارے محریب تو......'' حمود کی تو خوشی کا جیسے کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

''تو یہاں......'' وہ بھی گنگ رہ گیا۔

''کب آیا امریکہ سے؟'' حمود اس سے پوچھنے لگا۔

''دو سال ہو گئے ہیں' تو نے تو کوئی خبر ہی نہ لی''۔

''میں نے یا تو نے' تو ایسے گیا یہاں سے کہ جیسے آنا ہی نہیں تھا''۔ دونوں گاڑی سے ٹیک لگائے باتوں میں مگن تھے' اندر بیٹھی وہ دونوں کی شناسائی کو سمجھ رہی تھی کہ وہ دوست ہی ہیں جب ہی اتنے فرینک انداز میں مل رہے ہیں۔

''چل گھر چل''۔ محریب نے کہا۔

''نہیں یار! پھر کبھی' اندر دیکھ ایک بلا گلے پڑ گئی ہے''۔ اس نے گاڑی کی بیک سیٹ پر اشارہ کیا' وہ لڑکی اور بھی سمٹ گئی۔

''کیا مطلب ہے یہ سب؟'' وہ حیرانگی کے ساتھ نا سمجھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''اوئے غلط نہ سمجھ''۔ جواب میں حمود نے پھر اسے سب کچھ بتا دیا' محریب بھی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''اتار دوں نا یہاں اِدھر ہی''۔ حمود نے اس سے پوچھا۔

''یار! کچھ تو ہوش کر' کتنا سناٹا ہے لڑکی ہے............'' محریب نے منع کیا پھر وہ اس لڑکی کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ وہ کافی ڈری سہمی سی بیٹھی ہے۔

''تو کیا گھر لے جاؤں تا کہ بابا جان گولی سے اُڑانے میں دیر نہ لگائیں''۔ حمود کو اپنے باپ کی سخت گیر طبیعت کا پتہ ہی تھا۔

"کسی محفوظ مقام پر چھوڑ دے مثلاً دارالامان وغیرہ میں"۔ محریب نے مشورہ دیا جو حمود کو بھی سمجھ آ گیا۔

"ٹھیک ہے پہلے اس کا بندوبست کرتا ہوں اور ہاں چل جلدی اپنا موبائل نمبر دے مجھے دو سال سے تو پاکستان میں ہے کچھ خبر ہی نہیں دی"۔ حمود موبائل گاڑی کے ڈیش بورڈ سے نکال کر محریب کا بتایا ہوا نمبر سیو کرنے لگا' دونوں پھر بغل گیر ہو کر رخصت ہو گئے تھے۔ حمود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا' لڑکی جھٹ آگے کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھو! تم زیادہ فری ہونے کی کوشش نہیں کرو' میں تمہیں دارالامان چھوڑ کے آ جاؤں گا' وہاں تم آرام سے رہنا"۔ گاڑی وہ اسٹارٹ کر چکا تھا۔ وہ سب جانتی تھی کہ وہاں بھی اس کا سوتیلا چچا ڈھونڈ نکالے گا اور اس کی ماں نے بھی کہا تھا کہ کہیں بھی رہ لے مگر ایسی جگہ جہاں وہ نہ پہنچ سکے۔ حمود گاڑی اندر لے آیا تھا' منتہیٰ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی' ایسا ہولناک ماحول لگ رہا تھا کہ اس کے رونگٹے سے کھڑے ہو گئے' اسے کچھ تو کرنا ہی ہوگا ورنہ یہ انسان تو اسے یہاں چھوڑ کر چلا جائے گا۔

"اُترو فوراً"۔ ایک رعب اور تحکم زدہ لہجے میں کہا۔ وہ چادر خود پر لپیٹتی ہوئی ڈرتی ہوئی اُتری' وہاں کے چوکیدار الرٹ ہو گئے تھے' ایک کیاری اور بڑا سا لان تھا مگر وہاں کی حالت ابتر تھی۔

"سنو! تمہارا یہاں کا بڑا اونر کون ہے"؟ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔ چوکیدار کی بڑی بڑی مونچھیں تو منتہیٰ کو اور ہی ڈرانے لگی تھیں' چوکیدار اسے آفس میں لے آیا جہاں ایک بڑی عمر کی خاتون تھیں ان کی فہمائشی اور تشویش بھری نگاہیں اٹھی تھیں' حمود بھی خود گڑبڑا سا گیا تھا جبکہ منتہیٰ نے خود کو پُراعتماد ہی ظاہر کیا۔

"السلام علیکم!" حمود نے گھبراہٹ میں سلام بھی جھاڑ دیا' رات کی تاریکی کا سناٹا تو حمود کو بھی ڈرا رہا تھا۔

"کہیے کیا مسئلہ ہے؟" اکھڑ اور تیز لہجے میں بولی تھیں۔

"یہ لڑکی اس کے ساتھ مسئلہ ہے' اس کے پیچھے کوئی پڑا ہوا ہے"۔

"میڈم! یہ جھوٹ بولتے ہیں' یہ خود میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' انہوں نے مجھ سے شادی کی ہے"۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" حمود کے تو چھکے چھوٹ گئے۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں' ان کے ساتھ میں دو ماہ سے رہ رہی ہوں اور اب میں ان کے......"

"آگے مزید بکواس کی ناں میں جان سے مار دوں گا تمہیں"۔ حمود تو چیئر سے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو لڑکے! اس طرح کے کیس میں نے بہت نمٹائے ہیں' یہ لڑکی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی ہے' کیونکہ تم جیسے نوجوان اکثر لڑکیوں کو ایسی حالت میں یہاں چھوڑ جاتے ہیں"۔

"کیسی حالت میں' کیا بول رہی ہیں آپ؟" حمود کا تو غصہ کے مارے بُرا حال تھا۔

"یہ یقیناً پریگننٹ ہو گئی ہو گی' تم نے اپنے باپ سے چھپا کر اسے رکھا ہو گا' ہے ناں"۔

"جی میڈم! یہی بات ہے"۔ منتہیٰ نے جھٹ کہا۔

"یہ پورا پولیس کیس ہے میں ابھی فون کرتی ہوں"۔

"نو نو میڈم! ایسا نہ کریں یہ میرے شوہر ہیں' ان کی مجھ سے لڑائی ہو گئی ہے اس لیے مجھے روز یہی دھمکی دیتے تھے"۔ کتنا مشکل لگ رہا تھا اسے جھوٹ بولنا۔ حمود کا تو غصہ کے مارے بُرا حال تھا' اس کا دل و دماغ سن سا ہو گیا تھا' جانے اس لڑکی نے اس سے اور کیا کہا اور وہ صفائی میں کچھ نہ بول سکا۔

"آپ اس کی بات پر یقین کر رہی ہیں"۔

"آپ بھی کیا کرتے ہیں چلیے گھر' میں اب کبھی آپ سے ناراض نہیں ہوں گی"۔ منتہیٰ نے حمود کا بازو پکڑ لیا اور

وہ جھٹک کے باہر نکل گیا' وہ بھی تیزی سے دوڑی تھی' شکر تھا پولیس کیس سے بچ گئی تھی۔ حمود گاڑی میں جیسے ہی بیٹھنے لگا وہ ہاتھ جوڑ کے اس کے سامنے آ گئی۔

"پلیز! مجھے معاف کر دیں' میں بہت مجبور ہوں' پلیز میری مجبوری سمجھیں"۔ وہ روتے روتے اس کے قدموں میں بیٹھی۔

"او صاحب! تو کب جائے گا یہاں سے؟" چوکیدار نے دونوں کو اس حالت میں دیکھا تو وہ چلا آیا' دونوں ہی گڑبڑا گئے' حمود جھٹ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور منتہیٰ بھی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ حمود کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے' ایک لڑکی نے کتنی دیدہ دلیری سے اسے اپنا شوہر ظاہر کر دیا اور تو اور وہ سب بھی۔

"توبہ استغفار"۔ وہ پڑھنے لگا۔

"کیوں تم میری جان کو چمٹ گئی ہو' کیا گناہ کیا تھا جو تم میرے گلے پڑی ہو' پتہ ہے میرا باپ مجھے گولی سے اُڑا دے گا"۔ وہ اسے بتانے لگا۔

"میں ان سے صرف سر چھپانے کی جگہ مانگوں گی اور کچھ نہیں' پلیز مجھ پر ترس کھائیں"۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔ حمود کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے' کس سے کہے۔

............☆☆☆............

"ٹھیک ہے جواد! وشہ کا جس دن آخری پیپر ہے دوسرے دن ہم مہندی کی رسم رکھ لیتے ہیں"۔ نزہت نے فوراً ہی پروگرام سیٹ کر لیا' محریب پہلو بدل کر رہ گیا' جب سب بڑے راضی تھے تو وہ خود بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا' وہ اس وقت خود کو اتنا بے بس سمجھ رہا تھا کہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ بے وقت شادی کیسے روکے۔

"مائز کی پڑھائی کا تو تمہیں پتہ ہی ہے وہ چلتی رہے گی' اگر وشہ کا دل کیا تو وہ بھی آگے پڑھ سکتی ہے"۔ ریحان احمد گویا ہوئے۔ دادی جان ابھی تک حسنہ پھپھو کے گھر تھیں اس لیے سارے معاملات ان کے پیچھے ہی طے کیے جا رہے تھے۔

"بھابی! وشہ بہت ڈر رہی ہے سمیرا کی وجہ سے' آپ نے میری بیٹی کا خیال رکھنا ہے' میں نے اپنی بیٹیوں کو پھولوں کی طرح رکھا ہے"۔

"ارے جواد! تم کیسی بات کر رہے ہو' وشہ اور عنایہ ہمارے لیے جان سے زیادہ عزیز ہیں' مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میری دونوں بیٹیاں میرے پاس آ رہی ہیں' ایسی پیاری اور اخلاق والی لڑکیوں کو تو ہر کوئی اپنی بہو بنانا چاہتا ہے"۔ نزہت نے انہیں تسلی ہی دی۔ محریب کو اس لمحے اپنی پوزیشن کچھ آکورڈ سی لگ رہی تھی' وہ اتنا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا مگر اس بار تو اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اپنے سارے کنٹرول کھو رہا ہے' وہ اتنی گہری سوچ میں غرق تھا کہ موبائل کی بپ پر چونک گیا' دیکھا تو حمود کی کال تھی' ابھی تو وہ ملا تھا۔

"تم' خیریت تو ہے؟" وہ بات کرتا ہوا باہر کوریڈور میں آ گیا۔

"یار! وہ مصیبت میرے ساتھ ابھی بھی ہے' کیا کروں' دارالامان لے کر گیا تھا اس نے اُلٹا چکر چلا دیا' پھنستے پھنستے بچا ہوں"۔ حمود کی پریشانی اور جھنجھلاہٹ سے بھرپور آواز آئی۔ جواب میں اس نے سب کچھ اسے بتا بھی دیا' محریب بھی تفکر زدہ سا ہو گیا کیونکہ مسئلہ بھی ایک لڑکی کا تھا اور وہ حمود کے بابا جان کو جانتا تھا کہ وہ لڑکی جیسے معاملے پر اس پر گولی چلانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

"یار! تو ایسا کر اسے ابھی تو کسی ہوٹل میں رکھ' پھر کچھ میں بتاؤں گا کیا کرنا ہے کیونکہ یار میں خود بھی خاصا پریشان

بیٹھا ہوں''۔ محریب نے اسے کہا کیونکہ بات بھی تو مائز کی شادی کی چل رہی تھی۔

''اچھا چل' میں کچھ کرتا ہوں' تو دعا کرنا میرے باپ کو خبر نہ ہو جائے''۔ حمود نے یہ کہہ کر کال کٹ کر دی۔

حمود اور وہ اسکول و کالج تک ساتھ ساتھ پڑھے تھے پھر محریب کو زیادہ پڑھنے کا شوق تھا وہ تو امریکہ چلا گیا تھا مگر حمود نے ماسٹرز کرنے کے بعد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

محریب اتنا مضمحل اور پریشان تھا کہ نزہت اسے ڈھونڈتی ہوئی چلی آئی تھیں۔

''کیا بات ہے محریب بیٹا! تم اتنے پریشان کیوں ہو؟'' وہ تو ماں تھیں اولاد کا چہرہ دیکھ کر پہچان جاتی تھیں۔

''میرے پریشان ہونے سے پریشانی ٹل تو نہیں جائے گی''۔ تمسخرانہ انداز میں کہتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

''پھر بھی کہنے سے دل کی بے چینی کم ہو جاتی ہے''۔

''یہ بے چینی تو اب ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی میری پیاری ماں' آپ سب کچھ چھوڑیے اور تیاریاں شروع کر دیں''۔ وہ زبردستی خود کو مسکرا کے فریش ظاہر کرنے لگا۔

''مائز کی ساری تیاریاں تم نے ہی کرانی ہیں' تم اسے تو جانتے ہی ہو وقت کے وقت ہر کام کرتا ہے' پھر تمہارے ابو غصہ کرتے ہیں''۔ وہ بولیں۔

''سب کچھ دیکھیے گا شاندار طریقے سے کروں گا' آخر میرے بھائی کی شادی ہوگی' دیکھیے گا کسی قسم کی کوئی کمی نہیں رہنے دوں گا''۔ وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ نزہت نے مسکرا کر اس پر نگاہ ڈالی' وہ ماں تھیں جانتی تھیں کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے' کم ہی اپنی بات کسی سے کرتا تھا۔

''کل دادی جان کو بھی لے کر آنا ہے کیونکہ بہت دن رہ لی ہیں وہ وہاں''۔ محریب کو ان کا بھی خیال تھا۔

''ہاں وہ جواد بھی عنایہ کو کہہ رہا ہے کہ کل گھر کسی کے بھی ساتھ بھیج دوں گھر میں اسے بھی دیکھنا ہوگا''۔

''میں دادی جان کو تو لینے جاؤں گا ہی اُسے بھی گھر چھوڑ دوں گا''۔ اس نے نارمل انداز میں کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن اندر نہیں جانا' خواہ مخواہ پھر سمیرا تم سے الٹی سیدھی کرے گی''۔ مائز کے قدم لاؤنج سے نکلے ہی تھے وہ سن کے رُک گیا۔

''ارے امی! وہ بڑی ہیں کرنے دیں''۔ محریب' سمیرا کو جواب میں کوئی بھی ایسی تلخ بات تک نہ کہتا تھا کہ ان کی شان میں گستاخی ہو۔

''سمیرا چچی آپ کو تو دیکھیے گا میں کیسے ہینڈل کرتا ہوں''۔ مائز نے تو جانے کیا کیا پلان ترتیب دیے ہوئے تھے۔

''پھر بھی تم جانا نہیں''۔

''ارے امی! آپ اتنا کیوں ڈرتی ہیں سمیرا چچی ہیں وہ کوئی اور نہیں ہیں''۔ وہ ہنسا۔

''پتہ ہے ابھی جواد کہہ رہا تھا کہ سمیرا کہہ رہی ہے کہ وہ اس شادی میں نہیں بیٹھے گی''۔

''ارے کیسے نہیں بیٹھیں گی' میں بھی ان کا داماد بننے جا رہا ہوں''۔ مائز نے دل میں سوچا مگر اپنی آواز دبالی۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں''۔ بلیک پینٹ پر بلیک ہی ڈھیلی سی شرٹ میں وہ فریش انداز میں چلا آیا تھا۔

''تمہاری شادی پر ڈسکس کر رہے تھے''۔ محریب نے اسے دیکھا۔

''ہائے مجھے شرم آرہی ہے''۔ اس نے نزہت کا دوپٹہ کونے سے دبایا۔

''دیکھا محریب! اس کا بچپنا شادی کے بعد بھی چلا جائے میں مان جاؤں گی اسے''۔

''ارے میری بھولی ماں' میرے بچوں کے آتے ہی میرا بچپنا بھی نو دو گیارہ ہو جائے گا''۔ مائز ہر بات بے باکی

اور مذاق میں ہی اڑاتا تھا۔

''حد ہوتی ہے بے ہودگی کی''۔ نزہت اس کو گھورتی ہوئی چلی گئی تھیں' محریب کو ہنسی آ گئی تھی۔

''بھائی! مجھے آپ کے سامنے شرمندگی ہو رہی ہے' آپ سے پہلے میری شادی''۔ وہ منمنایا۔

''یار! تمہاری شادی کے بعد ہی تو میری کوئین بھی وہاں سے نکلے گی جو اٹکی ہوئی ہے''۔ محریب نے پہلی بار شوخی سے کہا۔ مائز پر تو شادی مرگ طاری ہو گئی کہ اس کا بھائی اور ایسی معنی خیز بات' محریب نے اس کے چپت لگائی۔

''آپ دیکھتے جائیے کیسے میں سارے معاملے سنبھالتا ہوں' سب حیران رہ جائیں گے''۔ اس نے بھی پرعزم انداز میں کہا تھا۔ محریب نے مسکرا کے اسے دیکھا جو سنجیدہ ہی لگ رہا تھا' دونوں بھائیوں میں محبت بھی تو بہت تھی۔

............☆☆☆............

کہتے ہیں کہ جب مصیبت آتی ہے تو یہ بتا کر کبھی نہیں آتی کہ آپ نے کہیں نہ کہیں تو کچھ غلط کیا تھا جو اس صورت میں آپ کو سزا مل رہی ہے اور ایسی بھیانک سزا جو نہ نگلی جا رہی تھی اور نہ اُگلی جا رہی تھی۔ کل سے وہ گھر سے نکلا ہوا تھا اور اسے پتہ تھا بابا جان کا غصہ سوا نیزے پر ہی ہوگا' موبائل تک اس نے آف رکھا ہوا تھا' کب سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور وہ مصیبت بلا بن کے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی معصوم سی صورت بنائے اسے دیکھے جا رہی تھی اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ حمود سالار کو ہلا کر رکھ گیا تھا' ایک لڑکی نے کتنی آسانی سے یہ سب کہہ دیا تھا اور وہ لڑکا ہو کر مذاق میں بھی کسی لڑکی کو یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

''میں صرف آپ سے نام ہی تو مانگ رہی ہوں''۔

''تم بند کر سکتی ہو اپنی بکواس تو بند کر لو ورنہ میں تمہارا گلا دبا دوں گا''۔ وہ تن فن کر رہا تھا' شعلے اُگل رہا تھا۔

''اچھا ہے دبا دیں' جان ہی چھوٹے' کوئی بھی نہیں ہے میرا' ایک رشتے کی خالہ تھیں جانے وہ گھر چھوڑ کے کہاں چلی گئی ہیں' میں کہاں جاؤں''۔ وہ رونے لگی۔

''جہنم میں چلی جاتیں' میرے گلے کیوں پڑ رہی ہو تم''۔ حمود نے اپنی گہری غراتی نگاہیں اس پر ڈالیں' جو اپنے حوروں جیسے حسن کے ساتھ اس کے بالکل مقابل تھی' سادگی سے مزین تھی اور لڑکیوں کی طرح اس میں وہ دکھاوا تک نہ تھا' اتنی سادگی سے وہ اپنا سارا مسئلہ اس تک بیان کر گئی تھی کہ وہ حیران تھا کہ ایک لڑکی نے اس انجان آدمی پر اتنا اعتماد کیسے کر لیا۔

''اس شہر میں کہیں تو اکیلی رہوں گی ناں' پھر اگر شادی شدہ ہوں گی تو کوئی مجھ پر بُری نگاہ تو نہیں ڈالے گا ناں''۔ وہ دبی دبی آواز میں بولی۔

''تمہیں میں ہی کیوں نظر آیا' کوئی اور کاٹھ کا اُلو نہیں ملا تھا''۔ وہ دھاڑا' منتہیٰ نے ڈر کے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں۔

''صرف نکاح کا کہہ رہی ہوں اور کچھ نہیں' وعدہ کرتی ہوں آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی''۔ لہجہ اتنا ملتجی تھا کہ حمود کو اس پر ترس بھی آنے لگا' اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے' رات کو ہی اسے ہوٹل کے اس روم میں لے آیا تھا' رات تو کہیں گزارنی ہی تھی' محریب بھی اپنے گھریلو مسئلے میں الجھا تھا' کس سے کہتا اور کیا۔

''پلیز میں ہاتھ جوڑتی ہوں''۔ وہ حمود کے قدموں میں گر گئی' چادر پھسل کر زمین پر گر چکی تھی' لانبے سلکی دراز بالوں کی چوٹی حمود کے جوتے پر جھول گئی' وہ خفیف سا ہو کر پیچھے ہو گیا' تھی بھی خوبصورت اگر غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو اس کا ضمیر الگ ملامت کرتا رہے گا' گھر لے کر گیا تو بابا جان زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اسے یہاں چھوڑ کے گیا تو یہ بددعائیں دیتی رہے گی' وہ منتہیٰ کو بغور دیکھے گیا' گلابی کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس روتی ہوئی اتنی قابل رحم لگ رہی تھی

کہ حمود کے دل کو کچھ ہوا' اسے دونوں شانوں سے پکڑ کے کھڑا کیا۔

''پتہ ہے تم نے مجھے اتنی بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے کہ میں کیا کروں''۔

''آپ اپنے گھر میں ہی مجھے ملازمہ رکھ لیں''۔ جھٹ بولی۔

''ہاں تا کہ میرا باپ دوسرے لمحے ہی مجھے گولی سے اُڑا دے کہ میں ایک لڑکی کو ہی کیوں ملازمہ رکھنے کو کہہ رہا ہوں''۔ وہ تو چراغ پا ہو گیا۔

''پھر مجھے کسی کے گھر ملازمہ رکھوا دیں''۔

''آئیڈیے تو تمہارے پاس بہت ہیں' گاؤں کی مجھے لگتی تو نہیں ہو' کتنا پڑھا ہے؟'' حمود کو اب اس کے بارے میں جاننے کی تشویش ہوئی۔

''میں ماسٹرز کر رہی تھی کراچی یونیورسٹی سے' ہوسٹل میں رہتی تھی' میری امی کی طبیعت خراب ہوئی تو مجھے جانا پڑا مگر میرا باپ پہلے ہی مر چکا تھا چچا کے رحم و کرم پر ہوں ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو انہوں نے مجھے اپنی رشتے کی بہن کا ایڈریس دیا تھا' میں وہاں بھی گئی تھی پتہ چلا کہ وہ لوگ گھر چھوڑ کے کہیں اور چلے گئے ہیں''۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔

''تم پھر ادھر کیسے آئیں؟''

''میرے پڑوس میں کوئی اماں کی ہی بہن بنی ہوئی ہیں' انہوں نے ہی مجھے چپکے سے گھر سے نکالا ہے ورنہ میرا وہ چچا کبھی نہیں آنے دیتا''۔

''ایڈریس دکھاؤ مجھے؟'' وہ سن کے کچھ نرم پڑا۔

''وہ میرا بیگ تو جب میں آپ کی گاڑی میں بیٹھی تھی کوئی چھین کے بھاگ گیا''۔

''اُف مائی گاڈ! سارے مسئلے میرے لیے ہی تھے''۔ وہ چیخا۔

''پلیز آہستہ تو بولیں''۔ وہ منمنائی۔

''واٹ...... میں آہستہ بولوں' تم ہوتی کون ہو مجھ پر ابھی سے رعب جمانے والی''۔ وہ تو اپنی شعلے اُگلتی آنکھوں سمیت اس پر چڑھ دوڑا۔ منتہیٰ بے چاری سراسیمگی و دہشت زدہ ہو کر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی' ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسنی سی دوڑ گئی' کتنا غضبناک لگ رہا تھا' مردانہ وجاہت میں یکتا تھا' اس پر اس کی لمبی چوڑی ڈیشنگ سی پرسنیلٹی نیوی بلیو کوٹ اور پینٹ میں تو وہ اور ہی دلکش لگ رہا تھا مگر کوٹ تو اس نے آکر اتار کے دیوار پر دے مارا تھا۔

''وہ...... وہ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ آس پاس روم ہیں آواز بھی جا سکتی ہے''۔ فوراً ہی وہ روہانسی بھی ہونے لگی تھی۔

''اس وقت تم میری جان کا عذاب ہو رہی ہو' چلو جاؤ دفع ہو جاؤ کہیں بھی' میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا تمہارا''۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی کسی نتیجے پر پہنچ پا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے چلی جاتی ہوں' مہربانی آپ کی اتنے گھنٹے مجھے تحفظ دیا آپ نے' دعا کیجیے گا کہ یہاں سے جانے کے بعد ٹھیک ٹھکانا مل جائے ورنہ میری بربادی کے ذمہ دار آپ ہوں گے''۔ وہ اموشنلی بلیک میلنگ کرنے لگی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو' مجھ پر احسان کر کے جا رہی ہو' تم آخر میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئی ہو' تمہیں کوئی اور شخص نظر نہیں آیا تھا جو تم اس کی گاڑی میں گھس کے بیٹھ جاتیں''۔ دونوں ہاتھ پشت پر جمائے اتنا اونچا اونچا بول رہا تھا کہ منتہیٰ کو لگ رہا تھا کہ وہ اسے ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کرے گا اور اسے حمود خوددار اور معقول انسان لگا تھا نہ اس کی آنکھوں میں وہ ہوس تھی جو اس نے اپنے چچا کی آنکھوں میں دیکھی تھی' محلے کے لوگ بھی تو ایسی ہی بُری نگاہیں اس پر

رکھتے تھے' اماں نے یہی دیکھتے ہوئے اسے کراچی ہوسٹل میں رکھا ہوا تھا' مگر کب تک وہاں کی فیس اماں کتنی مشکل سے دیتی تھیں اور اب پتہ نہیں ان کا کیا حشر کیا ہو گا' اپنے ایسے ہوتے ہیں یہ رشتے کہ انہیں اپنا خون تک نظر نہیں آتا پھر کیسے وہ اپنا مانتی' اس نے حمود میں وہ سب نہیں دیکھا تھا' غصے تک میں بھی وہ اس پر بھرپور نگاہ نہیں ڈال رہا تھا۔

''مجھے اگر پتہ ہوتا نا کہ میرے ساتھ ایسا ہو گا میں کبھی آپ کی گاڑی میں نہ بیٹھتی' میرے چچا نے میرے پیچھے اپنے آدمی لگائے ہوئے ہیں' اگر اپنی عزت بچانے کے لیے آپ پر بھروسہ کر کے تحفظ کی بھیک مانگ رہی ہوں تو کیا غلط کر رہی ہوں اور ایک لڑکی خود سے کسی غیر مرد سے۔ یہ کہے کہ وہ اس سے شادی کرے کتنی شرم کی بات ہے یہ میں ہی جانتی ہوں مگر میں یہ سب مجبوری میں کر رہی ہوں' آپ سے صرف نام کا سہارا تو چاہ رہی ہوں تا کہ کہیں بھی جاؤں تو یہ تو کہہ سکوں کہ شادی شدہ ہوں''۔ روتے روتے وہ سب کچھ بول گئی جو بولنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''مجھے پتہ ہے آپ کے گھر والے آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے لیکن میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں بھولے سے بھی آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی نہ کبھی آپ سے کچھ مانگوں گی' صرف مجھ پر یہ احسان کر دیں ساری زندگی میں آپ کا احسان یاد رکھوں گی''۔ وہ اتنی معصوم اور دلکش لگ رہی تھی کہ حمود اس کے رونے بلکنے پر چونک کر مبہوت زدہ سا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ کتنی مختلف تھی' ہر چالاکی سے پاک' نہ ہی اس نے اب تک کوئی ایسی اَدا دکھائی تھی کہ جو اس کے کردار کو خراب ظاہر کرتی۔

''تمہیں پتہ ہے میرے بابا ایسے آدمی ہیں' وہ قصور بعد میں پوچھیں گے گولی پہلے چلائیں گے''۔ وہ گہری سوچ میں گویا ہوا۔

''میں یقین سے کہہ رہی ہوں کچھ نہیں ہو گا' مجھے اللہ کی ذات پر یقین ہے اور دیکھیے اللہ کی رسی کو تھامے ہوئے ہوں جب ہی تو آپ تک پہنچ گئی ہوں' اب تک مجھے اللہ کا شکر ہے کوئی گزند تک نہیں پہنچی''۔

''تم میرے بارے میں کتنا جانتی ہو' میں بھی تو تمہارے چچا کی طرح کا ہی آدمی ہوں''۔

''نہیں' آپ ان کی طرح کے نہیں ہیں' کیونکہ آپ نے ابھی تک مجھے ایک بار بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے' دس فٹ کے فاصلے سے بات کی ہے سوائے غصہ کرنے کے میں نے کچھ نہیں دیکھا' جسے اپنے ماں و باپ کے اصولوں اور اپنی عزت و کردار کی پرواہ ہوتی ہے وہ آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں اور وہ نایاب لوگ ہوتے ہیں''۔ وہ اتنی افسردگی اور مایوسی سے بول رہی تھی کہ حمود ایک لمحے کو رُکا۔

''تم ایک غیر مرد کے بارے میں اتنا اندازہ کیسے لگا سکتی ہو؟''

''کیونکہ آپ بات بات پر اپنے بابا کی بات کر رہے ہیں' انہوں نے آپ کی بہت اچھے اصولوں پر پرورش کی ہے' آپ کو پتہ ہے کیا جائز اور ناجائز ہے''۔ یہ کہتے ہوئے وہ نگاہ جھکا گئی۔ اس لمحے اس کی گھنیری پلکوں کی جھالر اتنی دلکش لگی کہ وہ مبہوت سا رہ گیا۔

''لیکن میں نے آپ کی آنکھوں میں نہ وہ ہوس دیکھی ہے اور نہ ہی کوئی غلط رنگ' میں اسی وجہ سے آپ کے پیچھے پیچھے یہاں تک آ گئی ہوں' میں مانتی ہوں کہ میں جو کچھ آپ سے مانگ رہی ہوں یہ بہت بڑا فیصلہ ہے جو آپ کو ماننا مشکل بھی ہو رہا ہے''۔ نگاہ جھکائے آنکھوں سے آنسو ٹپکاتے ہوئے وہ اتنی مجبور اور قابلِ رحم لگ رہی تھی کہ حمود کا دل ایک لمحے کو کانپنے ہی لگا کیونکہ ایک لڑکی کو وہ یوں زمانے کی ٹھوکروں میں رُلنے کے لیے پھینک دے' کیا اس کا دل اور ضمیر گوارا کرے گا۔

''صرف نام کا سہارا مانگ رہی ہوں اور کچھ تمنا نہیں کر رہی ہوں' مجھے پتہ ہے میری کیا اوقات ہے اور آپ اتنے

بڑے آدمی ہیں' کہاں گاؤں کی گنوارن' آپ کا اور میرا ایسا کوئی جوڑ بھی نہیں بنتا ہے''۔

''تم بولتی بہت ہو' شروع سے بولتی ہو یا ابھی شروع کیا ہے؟'' حمود نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹی۔

''حالات جب ایسے ہو جائیں تو بے زبانوں کو بھی بولنا آ جاتا ہے' احتجاج کرنا آ جاتا ہے' بولنے کے لیے بات کا ہونا ضروری نہیں ہے' بس دل میں درد کا ہونا ضروری ہے''۔

''اوہ مائی گاڈ! تم لڑکی ہو یا خلیل جبران کی رشتہ دار' اتنا بولتی ہو کہ تم نے تو مجھے گھما ہی ڈالا''۔ وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

''رشتے داری بنانے کے لیے ضروری نہیں کہ کسی ......''

''بس اسٹاپ اٹ' ایک لفظ نہیں بولنا' میرا دماغ درد کرنے لگا ہے' پتہ ہے تمہیں میں کل سے گھر سے نکلا ہوا ہوں اور میرے گھر میں طوفان مچا دیا ہوگا میرے والد صاحب نے''۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر گویا ہوا کیونکہ ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا۔

''آپ مجھے بس سر چھپانے کے لیے جگہ دے دیں' میں سچ کہہ رہی ہوں آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی''۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔

''کیا کرتی ہو' ہٹو آگے سے''۔ اسے ویسے ہی لڑکی کا یوں ہاتھ جوڑنا ذرا پسند نہ تھا' وہ گہری سوچ میں غرق اِدھر سے اُدھر کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا' کچھ تو کرنا ہی تھا یا پھر اسے ساری زندگی کے لیے گلے ڈالنا تھا یا پھر صرف نام دے کر رخصت کرنا تھا۔

............☆☆☆............

''کل سے اُس کا موبائل آف جا رہا ہے' کچھ خبر ہے اس کی کہاں ہے؟'' ہشام سالار کو اتنا غصہ آ رہا تھا حمود سالار کی لاپرواہی پر کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے ہو اور گولی سے اُڑا دیں۔

''میری بات ہوئی تھی کہہ رہا کہ کسی دوست کا مسئلہ ہو گیا ہے وہ کورٹ وغیرہ گیا تھا''۔

''کورٹ وغیرہ کس لیے؟'' وہ تو چونک گئے۔

''ارے صاحبزادے کہیں کورٹ میرج تو نہیں کر رہے ہیں''۔

''توبہ کریں' اللہ نہ کرے کہ وہ ایسا کرے اور نہ وہ ایسا ہے' آپ بلاوجہ اس پر الزام نہ لگایا کریں''۔ کلثوم بانو کو تو حمود پر ان کا الزام ذرا اچھا نہ لگا تھا۔

''تم شاید بھول رہی ہو' صاحبزادے کو میں نے کہا تھا کہ لڑکی پسند کر لو نیاز احمد کی اکلوتی بیٹی ہے' ہر لحاظ سے اچھی ہے''۔ وہ اپنے بزنس پارٹنر کی بیٹی کا ذکر کرنے لگے کیونکہ وہ پارٹنر شپ کے ساتھ دوستی بھی مضبوط کرنا چاہ رہے تھے۔

''بات اس کے گھر نہ آنے کی ہو رہی ہے' یہاں شادی اور لڑکی کا کیا ذکر''۔ وہ تو اکثر ان کی ایسی باتوں سے چڑ جاتی تھیں۔

''صاحبزادے کی سوچوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کیا چاہ رہے ہیں' کل فیکٹری کے وزٹ پر بھیجا تھا اور آج دوسرا دن ہو گیا' ایسا لگ رہا ہے کہ دوسری فیکٹری لگانے گیا ہو''۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھے۔

''میری بات ہوئی تھی اس کا کوئی دوست امریکہ سے آیا ہے' وہ مل گیا تھا گھر لے گیا ہے گاڑی خراب ہو گئی تھی' آپ خود بھی تو سوچیئے کراچی سے کتنی دور تو فیکٹری ہے' ظاہری بات ہے آنے جانے میں چار پانچ گھنٹے تو لگتے ہی ہیں''۔ انہیں ہشام سالار کی انہی باتوں پر بہت غصہ آتا تھا۔

''تم مانو یا نہ مانو' مجھے لڑکی کا چکر لگ رہا ہے کیونکہ میں اسے نوٹ کر رہا ہوں''۔

''حد ہو گئی ہے آپ سے تو' کبھی تو اچھا سوچ لیا کریں''۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے ماسی سے برتن اٹھوانے لگی تھیں۔

ہشام سالار اخبار اٹھائے لاؤنج میں چلے گئے' وہ تو آج سنڈے تھا' گھر میں ہی تھے' آفس تو آج آف ہی ہوتا تھا' ان کے دو ہی بچے تھے حمود سالار اور رحمہ۔ رحمہ' حمود سے پندرہ سال چھوٹی تھی اس لیے وہ تھی بھی لاڈلی' اس لیے اکثر وہ حمود کو نظر انداز ہی کر دیتے تھے۔

''رحمہ بیٹا! آپ کال کرو بھائی کے موبائل پر''۔ انہوں نے آہستگی سے اس کے کان میں کہا کیونکہ ہشام سالار لاؤنج میں تھے۔

''امی! میں دو تین بار ٹرائی کر چکی ہوں مگر آف جا رہا ہے''۔

''میرا دل تو گھبرا رہا ہے' آخر اس سے بات بھی نہیں ہو رہی ہے' ایسا کیا مسئلہ ہو گیا کہ وہ گھر ہی نہیں آیا''۔ وہ فکرمندی اب ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''امی! بھائی کی کال آ گئی ہے''۔ رحمہ بھاگتی ہوئی آئی' موبائل انہوں نے کان سے لگایا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئیں تاکہ ہشام سالار کچھ نہ سن لیں۔

''بیٹا! تو کدھر ہے؟'' فکرمندی سے بولیں۔

''امی! بہت بڑی مصیبت میں ہوں' آپ یہ بتائیے بابا کا غصہ کتنا ہے''؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

''بیٹا! وہ بہت ناراض ہو رہے ہیں' پوری رات تم گھر نہیں آئے ہو''۔

''میں بس گھر ہی آ رہا ہوں' امی آپ سے میں بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ گھر میں کسی ملازمہ کی ضرورت تھی ناں' آپ کو کہ پورا گھر پھیلا رہتا ہے وہ ماسی کتنی چھٹیاں کرتی ہے''۔

''یہ تمہیں اچانک ملازمہ کی فکر کیسے پڑ گئی''۔ وہ چونک سی گئیں۔

''اچھا میں گھر آ کر بتاتا ہوں اور ہاں میں اپنے دوست محریب کے گھر ہوں''۔ زیادہ پھر اس نے بات نہ کی اور موبائل بند کر دیا۔ کلثوم تو الگ تشویش میں پڑ گئیں کہ حمود پتہ نہیں کیا کرنے والا ہے ہشام سالار تو اسے چھوڑیں گے نہیں' ویسے ہی وہ اپنی عزت اور شملے کا بڑا خیال رکھتے تھے' پٹھان قبیلے سے تعلق تھا اور انداز بھی ان کا اسی طرح جاہ و جلال والا تھا۔

''ہو گئی بات آپ کی بھائی سے؟'' رحمہ نے پوچھا۔

''اپنے بابا کو نہیں بتانا' خوامخواہ پہلے سے وہ ہنگامہ شروع کر دیں گے''۔ موبائل وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کھڑی ہو گئیں' انہیں جانے کیوں ہول سے اٹھنے لگے تھے جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہے' اگر ایسا کچھ ہو گیا تو کیا ہوگا۔

............☆☆☆............

نکاح نہایت سادگی سے محریب اور احد نے کروایا تھا' کیونکہ مجبوری جو کچھ سامنے رکھی تھی اس کی وجہ سے محریب' احد کو بھی ساتھ لے آیا تھا' سب کچھ احد نے اپنے گھر میں کروایا تھا' وہ تو شکر تھا سارے لوگ دادی جان کو چھوڑنے احمد والا چلے گئے تھے گھر میں صرف شاہین اور عنایہ کو روک لیا تھا' وہ بھی احد نے زبردستی کر کے کیونکہ عنایہ کو گھر بھی جانا تھا۔

تمنتی رو رہی تھی کیونکہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس نے اپنی ماں کے بغیر کیا تھا اور حمود تو بھنا رہا تھا۔

''یار! یہاں جان پر میری بنی ہے اور رو یہ رہی ہے''۔ وہ تو چیخنے لگا۔

''پلیز! آپ آہستہ تو بولیے' ظاہری بات ہے شادی ہوئی ہے مذاق بات تو نہیں ہے' وہ روئے بھی نا''۔ شاہین کو حمود کا چراغ پا ہونا عجیب ہی لگا۔

عنائیہ الگ انگوری جارجٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں چپ چاپ بیٹھی تھی' شامین' ملتجیٰ کو لے کر اندر چلی گئی' عنائیہ نے بھی تقلید کی تھی۔

''اب کرنا کیا ہے؟'' محریب نے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے' وہ میرے بابا جان ہیں وہی کچھ کریں گے' آج جانا میرا قل پڑھنے''۔

''یار! فضول بکواس مت کرو''۔ محریب نے اسے ٹوکا۔

''پھر کیا کروں' اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے میں نے' یار میری امی تو دل میں ارمان لیے ہوئے ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی میں یہ کریں گی وہ کریں گی''۔

''وہ لڑکی تم سے کچھ اور مانگ تو نہیں رہی ناں' کر لینا اپنی امی کی پسند کی بھی شادی''۔ احد نے جھٹ مشورہ دیا۔

''یار محریب! یہ تمہارا کزن ناہمیشہ ایسا بولتا ہے کہ انسان کو آگ لگا دے''۔ اس نے احد کی جانب دیکھا۔

''پھر میں کیا کہوں' کچھ تو حل دینا ہے نا؟''

''ہے ایک حل؟'' محریب مسکرایا۔

''ہاں مسکرالو خبیث انسانو' میں پھنس گیا ہوں''۔ حمود تو تنک کے ہی کھڑا ہو گیا۔

''کیا میں بھی خبیث ہوں؟'' احد کو تو بُرا ہی لگا۔

''ظاہری بات ہے قبیلہ انہی سے ملتا ہے آپ کا بھی''۔ حمود جلدی احد سے بھی فری ہو گیا تھا' پھر اس کی عادت تھی سب سے جلد گھلنے ملنے والی۔

''احد بھائی! مجھے گھر جانا ہے''۔ عنائیہ کو خود گھر جانے کی جلدی تھی وہ دروازے پر کھڑی تھی' محریب نے نگاہ ترچھی کی' دل تو یہ کر رہا تھا کہ ساتھ ہی اس کا بھی نکاح پڑھا دیا جاتا تو اچھا تھا۔

''عنائیہ پلیز! کچھ دیر بیٹھو ہم ذرا مصروف ہیں''۔ احد نے کہا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی چلی گئی تھی۔

''محریب! یہ تیرے والی ہے نا؟'' حمود نے سرگوشی میں پوچھا۔

''جی اتفاق سے بے چارے کی بھی عجیب زندگی بنی ہوئی ہے''۔ احد نے سرد آہ بھر کے کہا تھا۔

''زیادہ فضول ہانکنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ محریب نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا' حمود نے تیکھے چتون اٹھا کے دونوں کو باری باری دیکھا جیسے کچھ سمجھنا چاہ رہا ہو۔

''تم کیا ایسے گھور رہے ہو؟'' محریب کچھ جھینپ سا گیا۔

''میں اس لیے گھور رہا ہوں کہ تمہیں امریکہ سے آئے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اور تمہارا رشتہ بچپن سے طے تھا' پھر اب تک تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی''۔ حمود کی سوئی یہاں آ کر اٹک گئی۔

''یہ لمبی کہانی ہے ابھی تو تم یہ سوچو کہ اپنی بیوی کو گھر لے کر جانا ہے یا کہیں اور رکھنا ہے؟'' احد نے معنی خیزی سے آنکھیں گھمائیں۔

''یار محریب! یہ تیرا کزن ضرورت سے زیادہ خبیث ہے''۔

''ارے مسٹر! میری اور تمہاری ایسی بے تکلفی نہیں ہے کہ تم مجھے ایسے القاب سے نوازو یا پکارو''۔ احد نے مصنوعی غصے سے دیکھا۔

''بس بس رہنے دے' تجھے کیا میں جانتا نہیں ہوں' یہ الگ بات ہے کہ محریب سے میں زیادہ قریب رہا اور تجھ سے کم میری دوستی رہی ہے فیلڈ الگ ہونے کی وجہ سے''۔ حمود نے حساب برابر کیا۔

''احد بھائی! مجھے گھر جانا ہے''۔ عنائیہ پھر منمناتی ہوئی آئی۔ محریب نے لمبی سانس کھینچی کیونکہ اس دن کے بعد سے تو دونوں میں مارے باندھے بھی بات نہیں ہو رہی تھی۔

''گڑیا! بس ہم اس کا معاملہ سیٹ کر دیں بلکہ نمٹا دیں پھر تمہیں ڈراپ کر کے آتا ہوں''۔ احد نے مسکرا کے کچھ دیر کے لیے اور مہلت مانگی' وہ بے زاری سے چلی گئی۔

''میں ذرا اندر پتہ کر لوں' اپنی زوجہ سے کہ تمہاری زوجہ کی کیا صورت حال ہے''۔ احد کو تو ہر وقت شوخی ہی سوار رہتی تھی' حمود نے اسے گھورا جبکہ محریب مسکرا رہا تھا۔

''یار! میں کیا کروں' بابا جان کو تو تو جانتا ہی ہے' اگر میں اسے لے کر گھر پہنچا تو اتنے سوال اٹھائیں گے کہ ذرا دیر نہیں لگائیں گے میرا نکاح دوبارہ اس سے پڑھوانے میں''۔

''تو یار میرے تو نے خوامخواہ اتنی محنت کی نکاح کے لیے' جو کام انکل آسانی سے کر سکتے تھے تو گھر جا کر کر لیتا''۔

''ہاں کر و مجھ پر طنز اور نمک بھی چھڑکو' مجھے مسئلے کا حل نہ بتانا''۔ حمود تو بُری طرح چڑ گیا۔

''ہے ایک حل اگر عمل کرو تو؟'' محریب کو بھی شرارت سوجھی' معنی خیزی سے وہ اسے دیکھنے بھی لگا' جبکہ حمود نے پرسوچ انداز میں اس کی جانب سوالیہ نگاہ ڈالی۔

''کیا حل ہے؟''

''یہی کہ تم کچھ دن اور وقت شادی شدہ زندگی کا گزارلو پھر بعد میں رزلٹ جو آئے گا وہ انکل کے سامنے لے جانا' پھر تو یقینی بچت بھی ہو جائے گی''۔

''محریب! مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی' جو لڑکیوں سے دس فٹ کے فاصلے پر رہ کر بات کرتا ہو وہ اور ایسا مشورہ دے''۔ حمود کا منہ تو بُری طرح کڑوا ہی ہو گیا۔

''تو نے نکاح کیا ہے شادی ہوئی ہے' مذاق بات تو ہے نہیں''۔ فوراً ہی سنجیدہ بھی ہو گیا۔

''میں نے امی سے بات تو کی ہے مگر یار! امی کیا میری باتوں میں آ جائیں گی اور پھر یار میرا دل گوارا نہیں کر رہا ہے کہ میں ایک لڑکی کو نام کا سہارا تو دے چکا ہوں اور اسے در در بھٹکنے کے لیے چھوڑ بھی دوں''۔ حمود کو ساری پریشانی یہی تو لاحق تھی کہ اگر ملتجیٰ غلط ہاتھوں میں چلی گئی' اس کے چچا کی اس تک پہنچ ہو گئی تو یہ تو اس کی غیرت بھی گوارا نہیں کرے گی' اس کی بیوی چاہے وہ زبردستی کی بنی ہے اسے ایسے ہی چھوڑ دے اس کے پٹھان قبیلے میں یہ کب ہوا ہے' اپنی عزت کی خاطر جان تو دے سکتے ہیں مگر اپنی عزت کو رسوا نہیں کر سکتے ہیں۔

''محریب! مجھے یہ بتا دے کہ میں نے کسی مجبور اور بے کس لڑکی کو تحفظ دے کر غلطی کی ہے' یا گناہ کیا ہے' ماں باپ کی نافرمانی کی ہے''۔ حمود تو اتنا پریشان تھا کہ اُسے آگے کچھ بھائی ہی نہیں دے رہا تھا' اس نے صرف ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا اس کے دل میں اور کچھ نہیں تھا' وہ اتنی سادہ اور معصوم تھی کہ اگر کسی بھی بُرے انسان کی نگاہ پڑ گئی تو وہ تو اپنی معصومیت کے ہاتھوں ماری ہی جاتی ناں۔

''حمود! تم اتنا پریشان نہ ہو' تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے کیونکہ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں کہ ہم سے ہمارا اللہ کروانا چاہتا ہے اور پھر تمہاری نیت بالکل صاف ہے' نہ تم اس لڑکی کو بھگا کے لائے ہو اور نہ ہی تمہارا اس سے کوئی جذباتی ریلیشن تھا''۔ محریب اسے ریلیکس کرنے لگا' کیونکہ وہ اتنا مضطرب اور منتشر لگ رہا تھا کہ اسے ترس بھی آنے لگا۔

''یار! مجھے بابا جان کی طرف سے فکر ہے میں کیا جواب دوں گا''۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 8 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express
your thoughts
beautifully
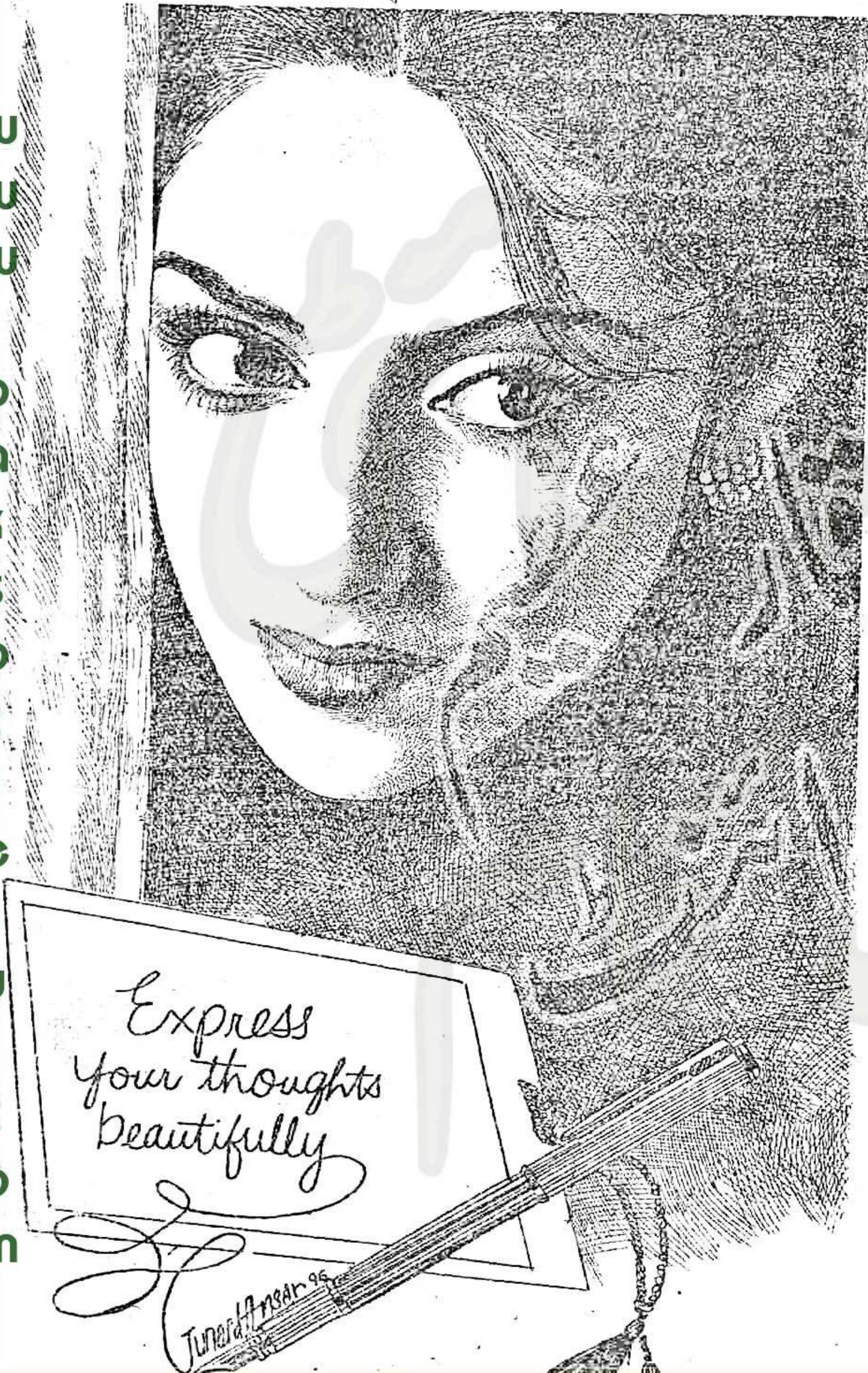
وہ اسے گھر لے جا رہی تھی مگر شامین نے اور احد نے روک دیا' محریب سامنے ہی کھڑا تھا۔

''احد بھائی! آپ سب اتنا پریشان نہ ہوں''۔ وہ گویا ہوئی۔

''عنایہ! ہم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ اور کوئی مسئلہ ہو' کیونکہ سمیرا امی کو ہم جانتے ہی ہیں اور پھر منتہیٰ ان کے مزاج سے واقف نہیں ہے' خوامخواہ تمہیں سننے کو ملے گا''۔ احد اسے سمجھانے لگا۔

''منتہیٰ بھابی کے رہنے کا میں نے بندوبست کر دیا ہے' پھر حمود کہہ رہا تھا کہ وہ خود انہیں کچھ ماہ میں لے جائے گا''۔ محریب بھی سب سمجھتا تھا' پھر گھر میں مائزہ اور دشہ کی شادی کا سلسلہ تھا' سمیرا چچی کو اس کا غصہ بھی تھا' اگر منتہیٰ کو بھی کچھ کہہ دیا تو شرمندگی ہی ہوگی۔

''امی اب اتنی بھی بُری نہیں ہیں''۔ اسے محریب کے کہنے پر ہمیشہ افسوس ہوتا تھا۔

''یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں' بس محریب نے جو سوچا ہے وہ کرنے دو تم گھر چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا راستے میں''۔ احد بولا۔

''احد! تم رہنے دو' مجھے گھر تو جانا ہے منتہیٰ بھابی بھی ساتھ ہیں' عنایہ کو میں ڈراپ کر دوں گا''۔ محریب ڈائریکٹ عنایہ سے بات بھی نہیں کر رہا تھا۔

عنایہ اپنا بیگ وغیرہ لے کر آ گئی' منتہیٰ کو بھی ساتھ ہی چلنے کو کہا تھا' وہ ابھی تک انہی کپڑوں میں تھی' عنایہ اور شامین نے لاکھ کہا مگر اس نے بدلے ہی نہیں' فرنٹ سیٹ پر وہ بیٹھی تھی جبکہ منتہیٰ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی ان دونوں کے رشتے کے متعلق جان گئی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے منسوب ہیں' پہلے محریب نے گاڑی اپنے بنگلے کے اندر ہی روکی تھی۔

''اِدھر کیوں؟'' عنایہ کچھ سمجھی نہیں۔

''منتہیٰ بھابی کو یہاں ڈراپ کرنا ہے''۔ اس نے پچھلا ڈور کھولا' منتہیٰ ڈرتی جھجکتی ہوئی خوبصورت سے بنگلے کو دیکھتی ہوئی باہر نکل آئی تھی تقلید عنایہ نے بھی کی تھی۔

''آئیے بھابی!'' وہ اسے لے کر لان کی سائیڈ پر بنی انیکسی کی جانب لے جا رہا تھا' عنایہ بھی حیرانگی سے میکانکی انداز میں اس کے پیچھے پیچھے ہی تھی۔ ڈور بیل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھل گیا' سامنے مبینہ کھڑی تھیں۔

''آ گئے بیٹا! آؤ اندر''۔ وہ ذرا بھی تو حیران ہوتی نہیں لگ رہی تھیں' محریب نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

''تہذیب آفس سے آ گئی یا نہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں آ گئی ہے عصر کی نماز پڑھ رہی ہے''۔ انہوں نے بتایا۔

''بیٹھو بیٹی''۔ منتہیٰ جھجکتی ہوئی سنگل لکڑی کے صوفے پر بیٹھ گئی' عنایہ کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ محریب اسے یہاں کیوں لے کر آیا ہے۔

''آنٹی! میں نے آپ کو تو سب بتا ہی دیا ہے جیسے ہی میرے دوست کے گھر والے راضی ہوئے وہ انہیں یہاں سے لے جائے گا''۔ محریب نے مبینہ کو لگتا تھا پہلے بھی کچھ تفصیل بتائی ہوئی تھی جب ہی وہ سن بھی رہی تھیں۔

''اچھا بیٹا! آپ لوگ بیٹھو تو''۔ انہوں نے عنایہ کو بھی یونہی کھڑے دیکھا تو وہ گویا ہوئیں۔

''ابھی تو جلدی ہے مجھے کیونکہ انہیں ان کے گھر ڈراپ کرنا ہے''۔ محریب نے عنایہ کی سمت اشارہ کیا۔

''محریب بھائی! سنیے تو آپ بالکل نہیں جا سکتے ہیں' ایک تو آتے بھی کم ہیں''۔ تہذیب نماز سے فارغ ہو کے چلی آئی تھی۔

''گڑیا! میں پھر آؤں گا' بہت جلدی میں ہوں تمہیں پتہ ہی ہے دادی جان کو گھر چھوڑنے کے بعد سے اب تک گھر بھی نہیں گیا ہوں''۔

''اور ہاں بھابی! آپ بے فکر ہو کر رہیئے گا' میری بہت ہی اچھی آنٹی ہیں اور یہ میری پیاری سی بہن' آپ کو ذرا بھی افسردہ نہیں ہونے دیں گی''۔ محریب نے منتہیٰ کو مخاطب کیا جو جانے کتنی گہری سوچ میں بیٹھی تھی۔

''بیٹا! یہ تمہارا گھر ہے' سمجھو تو اپنی ماں کے پاس ہو ساری فکریں چھوڑ دو''۔ مبینہ نے گویا اُسے اطمینان دلایا۔

محریب' عنایہ کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا نکل گیا مگر عنایہ کو یہ حیرانی تھی کہ محریب نے یہاں کیوں منتہیٰ کو چھوڑا وہ اپنے گھر بھی تو لے جا سکتا تھا۔ سارے راستے وہ خاموش ہی رہی' ویسے بھی وہ بات ہی کب کر رہی تھی اس سے کہ وہ منتہیٰ کے متعلق ڈسکس کرتی۔

............☆☆☆............

نزہت نے جب ساری تفصیل سنی تو وہ بہت ناراض ہونے لگیں' محریب نے انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔

''امی! میں نے اس لئے بھی نہیں بتایا کہ پتہ نہیں آپ کیا سوچیں اور ابو''۔

''دیکھو محریب! ایک لڑکی کی ذمہ داری ہے اور جبکہ تمہارے دوست نے اس سے جن حالات میں نکاح کیا ہے تو یہ تو تم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسے ہم اپنے گھر میں مہمان بنا کر رکھتے' تم نے مبینہ کے گھر کیوں چھوڑا' وہ بے چاری پہلے اپنے گھر کی گزر اوقات اتنی مشکل سے کر رہی ہے' پورا خرچ تہذیب اُٹھا رہی ہے' اوپر سے تم اپنے دوست کی بیوی کو وہاں چھوڑ آئے''۔ وہ اُلٹا اُسے ہی سنانے لگی تھیں۔

''میری سمجھ میں یہی آیا کہ وہ وہاں زیادہ ٹھیک رہے گی''۔

''کچھ بھی ہو' میں اسے یہاں لے کر آ رہی ہوں چاہے کتنے دن بھی رہے وہ' پھر یہ اب ہم پر فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم حمود کے گھر والوں کو بھی سمجھائیں''۔ نزہت اس معاملے میں ویسے بھی خاصی دلچسپی ظاہر کر رہی تھیں۔

''امی! حمود کہہ رہا تھا کہ وہ منتہیٰ بھابی کو طلاق......''

''بس محریب! تم لڑکوں کی عقلوں کو تو جانے کیا ہو گیا ہے' ارے جب شادی کی ہے تو پھر یہ طلاق بیچ میں کہاں سے آ گئی' پہلے وہ کم مصائب کا شکار ہے جو بعد میں وہ اور اسے تباہ کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھے گا''۔ انہیں غصہ ہی آ گیا۔

''میں نے تو اسے سمجھایا ہے مگر اس کے بابا کبھی بھی غیر خاندان کی لڑکی کو تو بہو مانیں گے ہی نہیں''۔

''ارے تو اس لڑکے نے پہلے نہیں سوچا یہ سب' حد ہو گئی ہے''۔ وہ تو سر تھام کے رہ گئیں۔

''یہ تمہارا دوست دو سال بعد اچانک ہی کہاں سے آ گیا' اتنے دن تک تو اس نے تمہارے جانے کے بعد کوئی رابطہ تک نہیں رکھا تھا''۔

''کبھی کبھی کر لیتا تھا جب میں امریکہ میں تھا' مگر پھر ایک دم ہی اس کا فون آنا بھی بند ہو گیا' کہہ رہا تھا کہ اس کے بابا نے پورے بزنس کی ذمہ داری اس پر ڈال دی ہے' ذرا فرصت نہیں ملتی ہے''۔ وہ حمود کی مسلسل سائیڈ بھی لے رہا تھا۔

''محریب! مجھے تو یہ بات ذرا بھی پسند نہیں آ رہی ہے' بلاؤ ذرا اپنے اس دوست کو' کان کھینچتی ہوں میں اس کے' سمجھ کیا رکھا ہے اس نے اس لڑکی کو''۔ نزہت کو تو غصہ ہی آئے جا رہا تھا۔

''اس کے تو کان آپ بعد میں کھینچئے گا' یہ بتایئے کہ آپ منتہیٰ بھابی کو یہاں لے کر آئیں گی تو سب سے کیا کہیں گی''۔

''ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں''۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

''امی! ابھی اُسے وہیں رہنے دیں' کیونکہ اگر ہم سچ بتا کر بھی یہاں لائے ناں' گھر میں سب پھر اسے غلط ہی سمجھیں گے کیونکہ حالات آپ اور میں جانتے ہیں' لاکھ ہم سچ بتائیں تو پھر وہ منتہیٰ بھی گوارا نہیں کرے گی کہ کوئی اسے گری ہوئی نگاہوں سے دیکھے''۔ محریب نے محض اسی وجہ سے ہی تہذیب کے گھر اسے رکھا تھا۔

''میں نے مبینہ آنٹی کو ساری بات بتانے کے بعد ہی اسے وہاں بھیجا ہے' وہ سب سے یہی کہیں گی کہ ان کی بھانجی ہے''۔

''ہوں...... یہ ٹھیک ہے''۔ نزہت نے سر ہلایا۔

''اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ وہاں پر اپنے آپ کو کچھ عجیب سا بھی محسوس نہیں کریں گی اور نہ ہمیں ہر کسی کو اتنی صفائیاں دینی پڑیں گی' ہر لڑکی کی عزت ہوتی ہے اور پھر وہ میرے دوست کی عزت ہے' اس لئے میں یہی چاہوں گا کہ انہیں بھی سب عزت دیں''۔ محریب اس وقت بولتے ہوئے اتنا سنجیدہ تھا کہ وہ مبہوت زدہ سی رہ گئیں' سب کا ہی خیال رکھتا تھا' سب کو خوش رکھنے میں خود اب تک کتنا بے کل اور بے چین تھا' فان کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس اتنا ڈیسنٹ اور معتبر لگ رہا تھا کہ انہوں نے نگاہ ہٹالی کہ خود کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

''آپ اس بات کی فکر نہ کریں کہ مبینہ آنٹی پر ہم نے بوجھ ڈال دیا ہے' حمود پورا اس کا خرچہ اٹھائے گا''۔

''اُسے اٹھانا بھی چاہیئے' اپنے اس دوست کے دماغ میں یہ بٹھا دینا اگر اس لڑکی کو اس نے چھوڑا یا کوئی فضول حرکت کی تو میں اس کے گھر جا کر سب الٹ کر آجاؤں گی''۔ اتنی درشتی سے وہ بول رہی تھیں کہ محریب نے حیرانگی سے دیکھا۔

''شادی بیاہ کوئی کھیل نہیں ہوتا کہ کسی کے کہنے میں آ کر یا جذبات میں آ کر کر لی اور جب دل بھر گیا تو چھوڑ دیا' اس کے تقاضوں کو سمجھا جاتا ہے' وہ لڑکی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس سے بندھی ہے' اس لئے تمہارے دوست کا فرض ہے کہ وہ اس بندھن کو قائم رکھے چاہے اس کا دل نہ کرے مگر اب وہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے' بلاوجہ کسی بھی لڑکی کو طلاق دینا مکروہ ہے''۔ وہ اتنی تفصیل سے اسے سمجھا رہی تھیں کہ محریب سر جھکا کر رہ گیا تھا۔

''میں تو یہ سمجھی کہ تم نے شائد عنایہ سے نکاح کر لیا ہے زبردستی ڈرا دھمکا کے''۔

''لاحول ولاقوۃ' امی! کیسی بات سوچ رہی ہیں آپ بھی اور وہ لڑکی ایسی ہے کہ میرے دھمکانے میں آجائے''۔ محریب تو جھینپ ہی گیا۔

''خیر ڈری سہمی تو وہ بے چاری بہت ہے''۔

''آپ کو نہیں پتہ کہ فضول کے اس نے ڈرامے لگائے ہوئے ہیں''۔ محریب کا رُخ عنایہ کی طرف ہو گیا۔

''چھوڑ و اس بات کو' تم کسی دن ٹائم نکالو اور مائز کی ساری شاپنگ کرواؤ' شادی میں دن بہت کم ہیں''۔ انہیں یکدم ہی مائز کی شادی کا خیال آیا۔

''آپ بے فکر ہو جائیں' سارے کام انشاءاللہ بہت اچھی طرح ہوں گے''۔ اس نے مسکرا کے انہیں یقین دلایا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو' اور سمیرا کو بھی اللہ تعالیٰ عقل دے تاکہ وہ مان جائے تو تمہارے فرض سے بھی ہم سبکدوش ہو جائیں''۔ انہیں تو محریب کی ہی زیادہ خوشی تھی کہ اس کی شادی پہلے ہوتی۔

''آپ اطمینان رکھیں' سب کچھ ویسا ہی ہوگا''۔ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ جب سے دادی جان کو گھر چھوڑ کے گیا تھا ان کے پاس دوبارہ گیا بھی نہیں' پورا دن اس کا آج تو باہر ہی گزرا تھا' حمود کا مسئلہ پھر اس کی بیوی کا مسئلہ' عنایہ کو تو وہ باہر سے ہی چھوڑ آیا تھا۔ احد نے اسے کتنا چھیڑا تھا کہ ساتھ ہی اپنا اور عنایہ کا بھی نکاح پڑھوا لو' دل نے بغاوت بھی کی تھی مگر وہ اتنے کمزور نفس کا نہ تھا کہ اتنی جلدی ہار مانتا' اب تو اس نے یہ سب سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا مگر اپنے دل کو کیسے روکتا جو عنایہ کا ہی راگ الاپتا تھا' جو اس کی اگر کچھ دنوں تک جھلک نہ دیکھ لے عجیب بے چین رہتا تھا' یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنے ایکسپریشن چھپانے میں مہارت رکھتا تھا' ہر کام وقت پر طریقے سے کرنے کا قائل تھا اور اپنے جذبے اس نے سنبھال کر اس خاص موقعے کے لئے رکھے تھے جب عنایہ صرف اس کی بن کے سامنے ہوگی' پھر وہ اپنے سارے بند توڑ دے گا۔

............☆☆☆............

''پورے ڈیڑھ دن کے بعد تم گھر میں گھسے ہو' ایسا کیا ہو گیا تھا کہ تم وہاں رُکے''۔ ہشام سالار کی تیکھی اور برہم نگاہیں اس پر تھیں جو کل سے صفائیاں دے رہا تھا مگر انہیں جیسے اپنے بیٹے پر ذرا اعتماد نہ تھا' بعض اوقات حمود کو بہت ہی افسوس ہوتا تھا کہ یہ اس کے باپ ہیں اور پوچھ گچھ پولیس والوں کے سے انداز میں کرتے ہیں۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں' گاڑی خراب ہو گئی تھی' پھر محریب زبردستی گھر لے گیا تھا''۔ کتنا مشکل لگ رہا تھا انہیں فیس کرنا' جبکہ اس نے امی کو بتا کر گویا مطمئن ہی کر دیا تھا۔

''ارے آپ تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں''۔ کلثوم بانو کو اپنے بیٹے پر ترس آنے لگا۔

''اس سے یہ پوچھ کے بتاؤ کہ نیاز کی فیملی کو میں کب بلاؤں کیونکہ یہ گھر میں ہوتا نہیں ہے''۔

''بابا جان! آپ کچھ دن تو مجھے سوچنے کا موقع دیں''۔ وہ تو ہراساں ہی ہو گیا۔

''دو ماہ سے میں نے سوچنے کا موقع ہی دیا ہوا ہے تمہیں اور کتنا موقع دوں' اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ تم اپنی مرضی سے کر دو گے تو یہ میں کبھی ہونے نہیں دوں گا''۔ وہ بات دوٹوک اور حتمی انداز میں کر...نے کے ہی قائل تھے۔

حمود پہلو بدل کر رہ گیا' دل کا چور آنکھوں سے اگر عیاں ہو گیا تو کیا کرے گا' کیونکہ شادی تو وہ کر چکا تھا' چاہے مجبوری میں کی یا کسی کی عزت بچانے کو کی' شادی کی تو کی نا' کیا کرے وہ کیسے فیس کرے گا۔

''یہ تو میں نے نہیں کہا کہ میں اپنی مرضی سے کروں گا''۔

''مگر تمہاری خاموشی اور تیور یہی بتاتے ہیں''۔ وہ اسے گھورنے لگے' کلثوم بانو کو ان کا ایسا انداز ہمیشہ ناگوار ہی گزرتا تھا۔

''آپ جوان بیٹے کی بھی کچھ تو مرضی سنیئے''۔

''ہم سے ہمارے باپ نے نہیں پوچھی تھی یہ کوئی انوکھا ہے جو میں اس سے پوچھوں''۔ وہ تو انہیں بھی ایسے ہی لٹھ سا جواب دیتے تھے' کلثوم بانو دل مسوس کے ہی رہ جاتی تھیں۔

''ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس جتنا سوچنا ہے سوچ لو کیونکہ میں نیاز سے بات تو پہلے ہی کر چکا ہوں''۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ حمود بھنا کے ہی رہ گیا' جب بھی حکم صادر کرتے تھے پولیس والوں کے سے انداز سے۔

''امی! میں بتا رہا ہوں مجھے حمنیٰ میں ذرا بھی انٹرسٹ نہیں ہے' لاکھ میں ایڈوانس سہی مگر مجھے لڑکی ایسی ایڈوانس نہیں چاہیئے''۔ وہ بابا جان کے جاتے ہی ان سے بولنے لگا۔

''ارے یہاں آجائے گی تو تم اپنی مرضی اور پ[illegible] ڈھال لینا''۔

”آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ برتن ہو جو میں ڈھال لوں گا' امی وہ لڑکی نہیں پھلجھڑی ہے' بہت بولتی ہے اور مجھے ایسی بولنے والی لڑکی تو قطعی پسند نہیں“۔ وہ گویا ہوا۔

جبکہ بولنے والی تو منتہیٰ بھی تھی' کیسے زبردستی اسے مجبوری ظاہر کر کے نکاح تک کے لئے قائل کر لیا تھا اور وہ کر بھی چکا تھا' انجام سے اسے ڈر لگ رہا تھا' امی کو بتا کر ان کے ارمان چکنا چور نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس لڑکی کو چھوڑ کے اپنے لئے عذاب کھڑا نہیں کرنا چاہتا تھا وہ نہ آگے جا پا رہا تھا اور نہ ہی پیچھے کیونکہ محریب کی امی کا پیغام بھی اسے محریب کے ذریعہ ہی ملا تھا کہ۔

”اگر تم نے منتہیٰ کو طلاق وغیرہ کا سوچا تو تمہارے گھر آ کر وہ ہنگامہ کروں گی کہ تمہیں خود کو اپنے گھر میں جگہ نہ ملے گی“۔ کتنا پریشان اور مغموم اور تفکر زدہ تھا' کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

”تم اتنا سوچو نہیں' حمنیٰ اتنی بھی بُری نہیں ہے“۔

”امی! آپ بھی کیا بھائی کو زبردستی پسند کروا رہی ہیں' مجھے بھی نہیں پسند ہیں وہ“۔ راحمہ سے تو وہ بالکل برداشت ہی نہیں ہوتی تھی۔

”ابھی سن لیا نا تمہارے بابا جان نے' خوب سنائیں گے“۔ انہوں نے راحمہ کو ڈانٹ دیا جبکہ وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

حمود کی تو سوچوں کی ڈور ایسی اُلجھی ہوئی تھی کہ کوئی سرا اُس کے ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کچھ کرے۔

”امی پلیز! کچھ دنوں کے لئے آپ بابا جان کو روک دیں“۔ وہ ملتجی لہجہ میں گویا ہوا' چہرے پر اس کے اتنی ہوائیاں تھیں کہ کلثوم بانو نے تشویش بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

”حمود! کوئی لڑکی وغیرہ کا تو چکر نہیں ہے؟“ راحمہ کی تو آنکھیں پھٹ گئیں اور کان بھی کھڑے ہو گئے' وہ شاید اس وقت بھول گئی تھیں کہ وہ بھی یہاں موجود ہے۔

”تم کیا آنکھیں پھاڑ رہی ہو“۔ حمود نے اسے گھورا۔

”بھائی! آپ کی شکل سے تو مجھے یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ کچھ ایسی ہی بات ہے“۔ وہ بھی ہنسنے کے ساتھ مذاق اُڑانے لگی۔

”ابھی تم بچی ہو اتنی بڑی باتیں نہیں کرو“۔

”جاؤ راحمہ! تم پڑھائی کرو“۔ کلثوم بانو نے اُسے ٹالا۔

”کیسے پڑھائی کروں میتھ میرے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے' کوئی بھی ٹیوٹر ٹک نہیں رہا' میرا دل نہیں لگ رہا ہے پڑھائی میں“۔ اس نے تو صاف انکار کر دیا۔

”دیکھو تو اس لڑکی کو' کیسے پڑھائی سے بھاگتی ہے“۔

”پڑھ کے کرنا کیا ہے مجھے' اردو بھی آتی ہے انگلش بھی' کمپیوٹر چلا لیتی ہوں' موبائلز سارے مجھے چلانے آتے ہیں“۔ اپنے تفاخر زدہ انداز میں وہ ہاتھ نچا کر بول رہی تھی تو حمود کو ہنسی آ گئی۔

”او بھولی گڑیا! تعلیم بھی ضروری ہے ابھی تم ہو نا نکھٹو میں“۔ حمود نے اس کے چپت لگائی۔

”پھر کریں کسی ٹیچر کا انتظام' آپ کو تو ٹائم ہی نہیں ہے' وہ کوچنگ میں آپ نے ہی لگایا تھا' اتنا بُرا تھا بھائی سوائے ہنسی مذاق کے ادھر ہوتا ہی کیا تھا“۔ وہ بولنے میں بڑی ماہر تھی اور ان کے گھر کی رونق بھی وہی تھی۔

”کتنی زبان چلتی ہے اس لڑکی کی“۔ کلثوم بانو نے سر ہی تھام لیا۔

”ارے امی! بولنے دیا کریں ہمارے گھر کی مینا ہے“۔ حمود کو اپنی اکلوتی چھوٹی بہن سے محبت بھی بہت تھی۔

”بھائی! پلیز کسی طرح بھی اچھی سی ٹیچر کا بندوبست کریں“۔ گویا اس نے حکم دیا۔

”میں نے کہا ہوا تو ہے' دیکھو ہو جائے گا کچھ بندوبست' ابھی تم جاؤ اور کچھ پڑھ لو“۔ اس نے گویا اسے ٹالا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی' کلثوم بانو کی نگاہ اب حمود پر ٹک گئی تھی جو ڈھیلے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”دیکھو حمود! اگر تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو تو مجھے بتا دو“۔

”ارے امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے“۔ وہ گڑبڑا بھی گیا کیونکہ وہ ماں تھیں اور اس کی ہر بات کو جیسے بھانپ ہی جاتی تھیں۔

”میں بس یہ چاہتا ہوں کہ کچھ تو وقت دیں“۔

”بیٹا! کب سے تو وقت دیا ہوا ہے ہم صرف تمہاری منگنی کر دیتے ہیں' شادی میں کچھ گیپ رکھ لیں گے' اس طرح حمنیٰ اور تم ایک دوسرے کو سمجھ بھی لو گے“۔ وہ اُسے ہر طرح سے قائل کرنے کے ساتھ راضی بھی کرنا چاہ رہی تھیں اور وہ تذبذب کا شکار تھا کہ انہیں کیسے بتائے کہ وہ کتنا بڑا معرکہ سر کر کے آ رہا ہے۔

”اچھا' میں سوچ کے جواب دوں گا“۔ مری مری آواز میں کہا۔

”حمنیٰ اتنی بُری نہیں ہے' تھوڑی ماڈرن ہے اور آج کل کی لڑکیاں سب ہی ایسی ہیں“۔

”امی! سب ہی ایسی نہیں ہوتی ہیں' آپ جانتی بھی ہیں' سمجھتی بھی ہیں' محریب کے کزن کی بیوی کو دیکھا ہے میں نے' پھر محریب کی منگیتر کو بھی دیکھا ہے' وہ ان جیسی تو نہیں ہیں“۔ وہ گویا کھسیا ہی گیا۔

”ارے تم یہ بھی تو دیکھو وہ اکلوتی ہے جو نہ کرے کم ہے“۔

”ایسے تو میں بھی اکلوتا ہوں' پھر میں بھی ماڈرن نہ بن جاؤں' پارٹیز کلب وغیرہ نہ جوائن کر لوں“۔ جواب تو وہ پھٹ سے دیتا تھا۔

”بس میں کچھ نہیں کر سکتی ہوں' تمہارے بابا جان کے آگے“۔ انہوں نے ہاتھ ہی اُٹھا لیا۔

”بابا جان کو بس فیصلے سنانے آتے ہیں“۔

”اچھا آہستہ بولو' ابھی آ گئے ناں خوامخواہ پھر ہنگامہ ہو جائے گا“۔ انہوں نے اسے خاموش کرایا۔

”آپ بھی سن لیں مجھے حمنیٰ نیاز علی سے شادی بالکل نہیں کرنی ہے“۔ وہ بھی اُڑ گیا۔

”لیکن تم جانتے ہو وہ جو کہتے ہیں وہ ہوتا ہے“۔ کلثوم بانو نے اسے جتایا۔

”پلیز امی! حمنیٰ میرے مزاج کی لڑکی نہیں ہے' میں کہاں اتنا فیشن افورڈ کر سکتا ہوں“۔ وہ روہانسا ہو گیا۔

”اچھا' اچھا بس کرو رونا' ابھی تم جا کر آرام کرو یہ بعد کی بات ہے“۔ انہیں اس کی حالت پر گویا ترس ہی آ گیا۔

”امی! سچ کہہ رہا ہوں مجھے ایسی لڑکی نہیں پسند' بابا جان صرف اپنی پارٹنرشپ کی وجہ سے مجھے داؤ پر لگا رہے ہیں“۔

”فضول نہیں سوچو' ایسی بات نہیں ہے“۔ وہ خود کون سا حمنیٰ کو پسند کرتی تھیں' انہیں تو خود اپنی بہو گھریلو اور سادہ سی چاہئے تھی مگر ہشام سالار کے آگے وہ بے بس سی تھیں۔

............☆☆☆............

اُسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا' دو دن تک تو وہ چپ چپ اور گم صم سی بیٹھی رہی مگر پھر مینہ نے ہی اسے ساتھ لگا کر خوب پیار کیا اور تسلی دی اور پھر وہ جواب میں خود پر قابو نہ پا سکی تھی' اپنی ساری کہانی بتا دی تھی۔

باپ تو بچپن میں ہی مر گیا تھا' ماں نے اسے پالا تھا ایک چچا تھا جو بُری صحبت کا تھا' ماں نے اسے زیادہ تر

ہوسٹل میں رکھا تھا وہ ماسٹرز کر رہی تھی اور پھر جب چچا نے اس کا رشتہ کسی ادھیڑ عمر جاگیردار سے کر دیا تو ماں نے ہی اسے راتوں رات بھگا دیا تھا' اپنی ایک رشتے کی بہن کا ایڈریس بھی دیا تھا جن سے وہ سالوں نہیں ملی تھیں' ان کی شادی ایک امیر خاندان میں ہی ہوئی تھی' اسے اس ایڈریس پر نہ ملیں تو وہ کیسے حمود کی گاڑی میں گھس کے بیٹھی اور کیسے یہ سب ہوا۔

اب جو وہ خود حیران تھی اتنا روئی کہ مبینہ نے اسے ایک بار ہی کھل کر رونے دیا کہ کم از کم وہ اپنے دل کا غبار ہلکا کرلے اور ہوا بھی وہی' دل اس کا ہلکا ہو گیا تھا' پھر تہذیب' حکمت اور حمزہ نے اسے بالکل اپنی سگی بڑی بہن کا درجہ دے دیا تھا وہ اور بھی روئی' اتنے پیار بھرے پرخلوص رشتوں پر' ایک وہ سگا اس کا خون جو چچا باپ کی طرح ہی ہوتا ہے وہ کیسا ظالم تھا۔

''کہاں کی سیر ہوگئی' خیالوں میں کہیں ان کو تو یاد نہیں کیا جا رہا ہے''۔ تہذیب نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے منتہیٰ کو ٹہوکا مارا' وہ جھینپ گئی۔

''کیوں مجھے انہیں یاد کرنا چاہیئے''۔ پھیکی اور مغموم سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

''کرنا چاہیئے' ان سے آپ کی شادی ہوئی ہے''۔ اس نے منتہیٰ کا افسردہ سا چہرہ دیکھا۔

''پتہ نہیں سچ بھی ہوا ہے یہ سب یا نہیں' کیا سوچتا ہوگا وہ شخص میرے بارے میں' میں کس طرح کی لڑکی ہوں''۔

''آپ بہت اچھی لڑکی ہیں' فضول کچھ نہیں سوچتے' جلدی سے یہ بتایئے دیکھنے میں کیسے ہیں؟'' تہذیب کو حمود کی شخصیت جاننے کا اشتیاق ہوا۔

''کیسے ہیں' بہت چیختے ہیں ڈانٹتے ہیں اور غصہ بھی بہت آتا ہے''۔ منتہیٰ کے ذہن میں سارے منظر ایک ایک کر کے آنے لگے۔

''دیکھنے میں کیسے ہیں؟'' وہ پُرشوق لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہیں بس''۔ وہ زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہ رہی تھی۔

''کیا مطلب ٹھیک ہیں' مجھے یہ بتایئے دیکھنے میں کیسے ہیں؟''

''جیسے سارے مرد ہوتے ہیں وہ بھی ویسے ہی ہیں''۔ وہ پھر ٹالنے لگی۔

''پلیز منتہیٰ باجی! مجھے سیدھی طرح بتایئے''۔ تہذیب نے اسے ہاتھ پکڑ کے واپس بیڈ پر بٹھالیا۔

''ارے تم تو بہت ہی ضدی لڑکی ہو' پیچھے ہی پڑ گئی ہو''۔

''مجھے آپ مسٹر حمود سالار کے بارے میں بتایئے''۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے غور سے نہیں دیکھا ہے' ہاں اتنا بتادوں ڈیشنگ ہیں''۔ وہ اتنا بولی۔

''ہوں...... گڈ' اس کا مطلب ہے بندہ زبردست ہے کیونکہ آپ کے ساتھ کوئی ایویں بندہ سوٹ بھی نہیں کرتا''۔ وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

''تمہیں پتہ ہے ناں ہماری پیپر میرج ہے''۔

''ارے آپ دیکھیئے گا' اصلی کی شادی ہوگی آپ کی اور یہ تو طے ہے کہ آپ ہمیشہ انہی کی بیوی بنی رہیں گی''۔

''تہذیب! کیسے وہ ان کے گھر والے مجھے قبول کریں گے' اور پھر یہ حمود سالار اتنا چیختا ہے' اتنا ڈانٹتا ہے مجھے اور ہمیشہ کے لئے اپنی بیوی بنائے ناممکن ہے''۔ منتہیٰ کا لہجہ افسردہ سا ہو گیا۔

''اگر اوپر والے پر یقین ہو خود پر اعتماد ہو تو وہ بندہ آپ کا ہی رہے گا''۔ اس نے منتہیٰ کے ہاتھوں کو پیار سے

دبایا۔ منتہیٰ نے مغموم سی نگاہوں سے اسے دیکھا جو کتنی اس کے لئے متفکر سی تھی' مسکرا کے تہذیب کا رخسار تھپتھپایا۔

''تم ذرا ایک کام کرو' محریب بھائی کے گھر سے مجھے گزشتہ دنوں کے سارے اخبار لادو''۔ اسے یاد آیا۔

''یعنی آپ نے سوچ لیا ہے کہ جاب کرنی ہے''۔

''ہوں''۔ وہ کھڑی ہوگئی۔ تہذیب فوراً حکم کی تعمیل کے لئے کھڑی ہوگئی' آج وہ آفس سے جلدی آگئی تھی' حمزہ کو ساتھ لے کر وہ کچھ گھر کا سودا سلف وغیرہ لے آئی تھی' مغرب تو اسے آنے میں ہی ہوگئی تھی۔ وہ جھجکتی ہوئی آگئی تھی' سامنے ہال کمرے میں دیکھا کوئی نہ تھا البتہ کچن سے کسی کی موجودگی کا پتہ چل رہا تھا وہ وہیں چلی آئی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' اس نے نزہت کو دیکھا۔

''ارے تہذیب! کیسی ہو بیٹا؟'' وہ کچھ شاید پکانے میں مصروف تھیں۔

''جی ٹھیک ہوں''۔ وہ چوکھٹ پر ہی رُک گئی۔

''وہ منتہیٰ سیٹ تو ہوگئی ہے ناں؟'' انہوں نے اُس کے متعلق بھی پوچھا۔

''بالکل ایک دم سیٹ ہوگئی ہیں''۔ مسکرا کے بتایا۔

''وہ آنٹی! مجھے ایک ہفتے کے اخبار چاہیئے''۔

''اخبار' ہاں وہ تمہیں لاؤنج میں ٹیلی فون کی ٹرالی کے ساتھ ایک ٹوکری رکھی ہوگی اس میں دیکھ کے لے لو''۔ انہوں نے بتایا۔

''جی اچھا''۔ وہ فوراً ہی مڑ گئی کیونکہ وہ جلدی میں تھی' لاؤنج میں آئی تو دیکھا محریب اور فائق وہاں موجود تھے' وہ جھجک کے رُک سی گئی۔

''ارے آج تو ہماری گڑیا سی بہن آئی ہے''۔ محریب نے اسے دیکھ کر مسکراتی نگاہ ڈالی۔ وہ گڑبڑا سی گئی جھٹ سلام کر ڈالا' فائق سنگل صوفے پر ہی براجمان تھا' اس نے بھی ایک نگاہ تہذیب پر ڈالی جو سی گرین لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اپنی سادگی میں بھی نمایاں تھی۔

''وہ مجھے اخبار لینے تھے''۔ وہ منمنائی۔

''ہاں لو' اس میں بتانے کی کیا بات ہے تمہارا اپنا گھر ہے''۔ وہ کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی کیونکہ فائق ٹی وی سے اپنی توجہ ہٹا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا سوشل ورک کیسا چل رہا ہے؟''

''جی وہ ٹھیک چل رہا ہے''۔ وہ فائق کے سامنے کچھ محتاط سی ہوگئی' کیونکہ اسے یہ بھی ڈر ہو رہا تھا کہ وہ فاطمہ کے کیس کا ذکر نہ کردے۔

''محریب بھائی ایک بات کہوں؟'' فائق یکدم ہی بولا۔ تہذیب کا دل دھڑک اُٹھا' وہ جھٹ اخبار اٹھا کے جانے لگی۔ فائق مسکرا دیا' وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیوں تیزی سے نکل گئی ہے۔

''ایسے تو تمہیں میں ضائع نہیں ہونے دوں گا تہذیب! نہ میں نے تمہیں اس سوشل ورک سے باہر نکالا ہو''۔ فائق دل میں مصمم ارادہ کر چکا تھا' حالانکہ وہ کوئی محبت کے چکر میں نہیں' بس اس کی عزت کے لئے ایسا کرنا چاہ رہا تھا۔

............☆☆☆............

''اسی لئے تم دوڑ دوڑ کے اپنی دادی سے ملنے جاتی ہو''۔

''امی! میں سچ کہہ رہی ہوں' میں نہیں جا رہی تھی وہ مجھے احد بھائی اور شامین بھابی لے کر گئی ہیں''۔ وہ انہیں اتنی

صفائیاں دے رہی تھی کہ سمیرا کا غصہ کسی طور کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"میں نے تمہیں خود محریب کی گاڑی میں بیٹھے دیکھا تھا' میری آنکھیں کیا دھوکا کھا رہی ہیں"۔ انہوں نے روتی ہوئی عنایہ پر استفہامیہ نگاہیں ڈالی تھیں۔

"میں بے شک بیٹھی ان کی گاڑی میں تھی مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ احد بھائی کہاں جانے کو کہہ رہے ہیں"۔

"بس عنایہ! تم اور تمہارا باپ' اسے صرف وہ پسند ہے جو مجھے ناپسند ہے' اوپر سے دشہ کی شادی کا نیا شوشہ چھوڑا ہوا ہے"۔ اب ان کا نزلہ دوسری طرف گرنے لگا۔

عنایہ کو سمیرا کی ایسی باتیں اتنی تکلیف دے رہی تھیں کہ وہ ان سے تو مزید صفائی میں کچھ کہتی بھی نہ تھی' وہ تو اپنی ماں اور ددھیال والوں کی بھی کوئی برائی نہیں سن سکتی تھی۔

"اور وہ مائز' مجھے شروع سے ہی وہ لڑکا ایک آنکھ نہیں بھایا ہے' اتنی زبان اس کی چلتی ہے' نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹوں کا خیال"۔ دشہ اور معارج نے ایک دوسرے کو دیکھا کیونکہ وہ خود کون سا بڑوں کا خیال کرتی تھیں' ایک لائن میں کھڑا کر کے سب کو بے نقط سناتی تھیں چاہے وہ دادی جان ہوں' بڑی امی ہوں یا چھوٹی تائی ہوں' ان کی نظر میں کوئی بڑا چھوٹا نہ تھا۔

"تمہارے منہ میں زبان نہیں تھی کہ انکار کر سکو"۔ انہوں نے دشہ کو گھورا۔

"امی! ہر بات کی حد ہوتی ہے' ابھی آپ آپی کو سنا رہی تھیں اب آپ دشہ کے پیچھے پڑ رہی ہیں"۔ معارج سے برداشت نہ ہوا تو وہ گویا ہوا۔

"تم چپ کرو' سارے ہی اپنے باپ کے اور ددھیال والوں کے چمچے ہیں"۔

"میں جو بھی کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں آپ کچھ تو خیال کریں"۔

"میں خیال کروں' کبھی جواد احمد نے میرا خیال کیا ہے؟" ان کی آنکھیں غصے سے باہر ہی نکل گئیں۔

"معارج! تم چپ کرو"۔ عنایہ نے اسے سرزنش کی۔

"میں اگر گھر میں چھوٹا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب مجھے ڈانٹتے رہیں' کبھی چھوٹوں کی بھی پلیز امی سنا کریں"۔ وہ روہانسا ہو گیا۔

"آج ماں کے منہ پر چڑھ رہے ہو تم سب' کوئی نہیں ہے میرا' میں ماں ہوں تم لوگوں کی مگر تمہارے باپ نے میری عزت دو کوڑی کی کر دی ہے"۔ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

"امی! ایسا تو نہ بولیں' آپ ہمارے لئے بہت اہم ہیں' غلط نہ بولیں"۔ عنایہ ان کے قریب آ کے بیٹھ گئی۔

"ہٹ جاؤ میرے پاس سے' تم تینوں دفع ہو جاؤ"۔ وہ چیخنے ہی لگیں۔ عنایہ جز بز ہو گئی' دشہ اور معارج اندر چلے گئے جبکہ عنایہ وہیں بیٹھی رہی' وہ انہیں ایسی حالت میں تو نہیں چھوڑ سکتی تھی' اس کی قابل رحم ہستی ماں تھیں وہ انہیں ان کی غلط سوچوں سے نکالنا چاہتی تھی' بچپن سے انہیں ایسے ہی جلتے کڑھتے اور لڑتے جھگڑتے ہوئے دیکھتی آ رہی تھی۔

"میری بیٹی کی اتنی ہمت ہو گئی کہ وہ اپنی من مانی کر کے اپنے منگیتر کے ساتھ یوں آزادانہ گھومتی پھر رہی ہے' اسے ذرا احساس نہیں ہے ماں کا' جو لوگ مجھے شروع سے اچھے نہیں لگتے ہیں' کیوں ان سے رشتہ جوڑ رہی ہو' بولو اپنے باپ سے نہیں کرنی تمہیں وہاں شادی"۔

"شروع کر دی تم نے اپنی وہی بکواس"۔ جواد احمد نے ان کی بات سنی' وہ عشاء کی نماز پڑھ کے آئے تھے۔

"پلیز ابو! آپ کچھ نہیں بولیے گا"۔ عنایہ نے روہانسا ہو کر انہیں منع کیا۔

"میں کیوں نہ بولوں' یہ ہم سب کو ٹینشن دیتی رہے اور میں کچھ نہ بولوں"۔

"تم نے مجھے ساری زندگی ستایا ہے جواد احمد! کبھی میرا خیال نہیں کیا ہے' میرے بچے تک مجھ سے چھین لیے ہیں"۔ وہ تیز لہجے میں پھنکاری تھیں۔

"یہ تمہاری سوچ ہے کہ بچے چھین لیے ہیں' بچے آج بھی تمہارے ہیں' ارے تم تو اپنے بچوں پر فخر کرو کہ اتنے اچھے ہیں کہ وہ تمہارا اتنا خیال کرتے ہیں"۔

"یہ خیال کرتے ہیں' اس بیٹی کو دیکھو جاتی ہے دادی کے پاس اور گھومتی پھرتی ہے تمہارے بھتیجے کے ساتھ"۔ انداز اتنا فہمائشی اور طنزیہ تھا کہ عنایہ شرمندگی سے نگاہ تک نہ اُٹھا پائی۔

"کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے' اس کا منگیتر ہے اگر کہیں اس کے ساتھ چلی گئی تو کیا ہوا؟" انہیں عنایہ کی حالت پر رحم آیا وہ اُٹھ کے اندر چلی گئی۔

"تمہاری نظر میں تو کچھ بھی معیوب نہیں' بس میرا پارلر' میک اپ' بننا سنورنا معیوب ہے"۔ وہ بولی تھیں۔

"سمیرا! بس کرو تم یہ طعنے دینا"۔

"کیوں بس کروں' تم نے کبھی کیا ہے؟" وہ بولیں۔

"جو بھی تمہیں غصہ ہے ختم کرو اور دشہ کی شادی کی تیاریاں کرو"۔

"سن لو تم' میں کسی بھی تیاری میں نہ تو حصہ لوں گی اور نہ اس شادی میں بیٹھوں گی"۔ وہ بھی ایک ضدی تھیں۔

"تم مجھ سے ضد کر رہی ہو؟" وہ بھی بھنا گئے۔

"مجھے مائز بالکل پسند نہیں ہے"۔

"تمہیں تو محریب بھی پسند نہیں ہے' کیا بیٹیوں کو ایسے ہی بٹھا کر رکھنا ہے"۔ ان کے تو آگ ہی لگ گئی۔

"کچھ بھی ہو مائز تو قطعی نہیں' بہت بد تمیز لڑکا ہے"۔

"میرے سارے بھتیجے تمیز والے ہیں' سب میری بہت عزت کرتے ہیں' تمہیں تو عادت ہے سب میں کیڑے نکالنے کی"۔ وہ بے زار سے ہو گئے۔

"اور ہاں' اب میں تم سے کچھ کہوں گا بھی نہیں' شرکت نہیں کرتی ہو شادی میں تو نہ کرو"۔

"ہاں تمہیں کیا فرق پڑے گا' کیونکہ تمہارا سارا گھرانہ تو موجود ہو گا نا"۔ سمیرا تو جلبلا ہی گئیں۔

"خبردار! اگر تم نے میرے کسی بھی گھر کے فرد کو کچھ کہا تو' ارے وہ تو تمہیں کچھ نہیں کہتے پھر کیوں اتنا جلتی ہو؟" وہ جھٹکے سے مڑے۔

"بُرا کہنا انہوں نے شروع کیا تھا"۔

"سوچو کیوں کہنا شروع کیا تھا؟" وہ طنزیہ کٹیلی نگاہ ان کے حلیے پر ڈال کر رہ گئے جو اتنی فٹنگ کے کپڑوں پر اپنے شولڈر کٹ بالوں کے ساتھ ان کے سامنے ہی تھیں۔ سمیرا کو سمجھانا تو دیوار سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا' وہ مرے مرے سے قدموں کے ساتھ ٹیرس پر چلے گئے تھے' اتنے دل گرفتہ ہو گئے تھے' کیسی ماں تھی وہ کہ اپنے بچوں تک کا نہیں سوچتی تھی' بس جلن اور حسد نے انہیں اتنا تباہ و برباد کیا ہوا تھا اور بچے اپنی ماں کے لئے اتنا مرتے تھے۔

............☆☆☆............

اسے چاچو نے بلایا تھا اور جانا بھی ضروری تھا مگر جانا چاہ نہیں رہا تھا کیونکہ عنایہ کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا'

کیونکہ اسے دیکھ کر غصہ ہی آنے لگتا تھا' مائز کی شادی کے جتنے دن قریب آ رہے تھے اس پر چڑچڑاہٹ سوار ہوگئی تھی' اگر سمجھتا تھا تو اسے احد ہی یا پھر ایک حمود تھا مگر پانچ چھ سال کے عرصے میں اس سے بھی اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر اب اتنے عرصے بعد وہ ملا تھا تو اس سے اس کی بات چیت رہتی تھی' موبائل پر مستقل رابطہ تھا کیونکہ منتہیٰ کی وجہ سے بھی وہ اس سے اپنی ہر بات شیئر کرنے لگا تھا' اس نے سوچا تھا کہ واپسی پر وہ حمود کی طرف بھی چکر لگا لے گا' کب سے وہ بیٹھا تھا چائے وغیرہ بھی آ چکی تھی' سمیرا ابھی تک اپنے پارلر میں ہی تھیں' جبکہ جواد احمد نے اسے کسی مسئلے پر ڈسکس کے لئے ہی بلایا تھا' وہ ابھی تک نہیں آئے تھے آفس سے آ کر وہ کہیں کام سے چلے گئے تھے' معارج دوست کی طرف نکلا ہوا تھا کیونکہ اس کے انجینئرنگ کے سمسٹر ہونے والے تھے' کمبائن اسٹڈی اکثر وہ کرتا تھا' وشہ شرم کی وجہ سے صرف سلام کر کے چائے وغیرہ دے کے چلی گئی تھی' ڈرائنگ روم میں وہ اکیلا بیٹھا تھا' دس بجنے والے تھے بار بار اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالے جا رہا تھا' عنایہ کی اس نے ابھی تک جھلک نہیں دیکھی تھی۔

جب وہ سامنے ہوتی تھی تو اندر کی محرومیاں اور غصہ اُبھرنے لگتا تھا اور جبکہ وہ سامنے نہیں تھی تو عجیب بے چینی اور بے قراری ہو رہی تھی' اس سے مزید انتظار نہیں ہوا تو وہ کھڑا ہو گیا' اسی وقت وہ رسٹ کلر کے کھدر کے سوٹ میں قرینے سے دوپٹہ شانوں پر پھیلائے جھجکتی ہوئی اندر آ گئی' محریب رُک گیا ایک طنزیہ فہمائشی نگاہ اس پر ڈالی اور خفگی زدہ انداز دکھایا۔

''ابو آنے ہی والے ہیں' آپ لاؤنج میں آ جائیں ٹی وی لگا لیں''۔ اس سے بات کرتے ہوئے ڈر بھی لگنے لگا تھا۔

''کتنی دیر لگے گی' میں تو چاچو کے موبائل پر کال کر رہا ہوں لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہے ہیں''۔

''وہ موبائل گھر میں ہی بھول گئے ہیں' ابھی فون آیا ہے''۔ وہ بولی۔

''اوہ تو......'' محریب نے سر ہی پکڑ لیا۔

''تم مجھے پہلے سے آ کے نہیں بتا سکتی تھیں' کب سے یہاں اکیلا بیٹھا ہوں' کچھ فکر ہے تمہیں''۔ وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

''جی......وہ میں کچن میں تھی''۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''پلیز عنایہ! کب تک تم یہ ڈرامے کرتی رہوگی؟''

''جی''۔ وہ سمجھی نہیں۔

''میں ابھی تو جا رہا ہوں' ایک گھنٹے میں واپس آتا ہوں''۔ وہ جانے لگا۔

''آپ مجھے پہلے یہ واضح کر دیں کہ میں کون سے ڈرامے کرتی ہوں؟'' عنایہ کو سن کے غصہ آ گیا۔

''ابھی تو میرے حوالے نہیں کی گئی ہو' جس دن بھی میرے حوالے کر دی جاؤ گی ناں' بتاؤں گا میں تمہیں تمہارے ڈرامے' پھر دیکھتا ہوں کیسے بچتی ہو مجھ سے''۔ وہ غصے میں اتنی گہری اور ذومعنی بات کہہ گیا کہ عنایہ کے تو عارضوں پر سرخی چھلک پڑی۔

''کیا مطلب ہے؟'' گھنیری پلکیں لرزی تھیں۔

''مطلب واضح کرنے لگا ناں تو تم یہیں میرے قدموں میں بے ہوش ہو جاؤ گی اور میں نہیں چاہتا کہ میں تمہاری بے بسی سے فائدہ اٹھا کے تمہیں پھر مجبور کر دوں اپنے پاس آنے کے لئے''۔ وہ کہہ کر رُکا نہیں تیزی سے نکل گیا' کیونکہ دل اتنا بے قابو ہو رہا تھا کہ وہ جانے کیا اُلٹا سیدھا اسے بول چکا تھا' حالانکہ اتنی کھلی گفتگو کبھی بے باکی سے

کی ہی نہیں تھی' کچھ تھا بھی شرمیلا مگر آج تو انداز ہی جدا تھا' وہ اپنے منتشر ہوتے ذہن کے ساتھ حمود کے خوبصورت سے جدید طرز پر بنے بنگلے میں پہنچ چکا تھا' موڈ ویسے ہی اپ سیٹ تھا' وہ اس کے سامنے بھی خاموش ہی بیٹھا تھا۔

''یہ تمہارا منہ کیوں اتنا لٹکا ہوا ہے؟'' حمود نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں یار!'' اس نے گویا ٹالا ہی۔

''کچھ تو ہے بات جو تم اتنے خاموش بھی ہو''۔

''میری بات کو چھوڑ' مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں نکاح کیے ہوئے پورے آج پندرہ دن ہو چکے ہیں' کچھ خبر تک نہیں لی تم نے بھابی کی''۔

''یار! آہستہ بولو' یہاں بابا کے ملازم بھی موجود ہیں' فوراً مخبری نہ کر دیں''۔ اس نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کیا۔

''یار! تو کیا تم نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا؟'' محریب کو حیرانگی ہوئی۔

''آہستہ آہستہ ہی بتاؤں گا ناں' یہاں میرے باپ کو میری منگنی کی پڑی ہوئی ہے وہ معاملہ تو دبے پھر ہی کچھ کروں گا''۔ آہستگی سے بولا۔

''یار حمود! جلدی کرو' کیونکہ تم میری امی کو نہیں جانتے ہو' اگر وہ منتہیٰ بھابی کا ہاتھ پکڑ کے لے آئیں ناں' میں کچھ نہیں کر سکوں گا''۔ اس نے آگہی دی۔

''میں آ کر آنٹی کو سنبھال لوں گا' بس یار تو کچھ دن اور صبر کر لے میں کرتا ہوں کچھ نہ کچھ''۔ حمود خاصا پریشان اور تفکر زدہ لگ رہا تھا' جس دن سے نکاح کیا تھا اس کی بھی تو دنیا پلٹ گئی تھی۔

''کرتا ہوں کچھ نہ کچھ' کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''یہ تو طے ہے کہ حمود سالار جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے وہاں صرف ایک شادی کی جاتی ہے اور جس سے کی جاتی ہے وہ اس کی عزت ہوتی ہے' وہ لڑکی میری منکوحہ ہے اور میری عزت ہے' چاہے زبردستی کی شادی ہوئی ہے لیکن ہوئی تو ہے ناں''۔ وہ بولا۔

''تمہارے قبیلے میں دو شادیاں بھی ہو جاتی ہیں' سوچ لو''۔ محریب نے پھر کہا۔

''لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے' میرے والد صاحب نے نہ خود کی ہیں دو شادیاں اور نہ وہ بیٹوں کو ایسا کرنے دیں گے''۔ وہ بتانے لگا۔

''کچھ بھی ہو جلدی کرو تم' بے چاری وہ کب تک ایسے رہے گی''۔ محریب کو منتہیٰ کی بھی فکر تھی۔

''یہ منگنی کا معاملہ تو ختم ہو پھر میں منتہیٰ کے گاؤں جا کر بھی تو پتہ کروں کہ آخر ہے کون شخص جو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اس کی ماں بھی تو ہے' اسے بھی دیکھنا ہوگا جا کر''۔ حمود کو سب طرف کی ہی فکر تھی' جب اس لڑکی سے رشتہ جوڑ لیا تو پھر اس سے جڑے تمام رشتوں سے بھی رشتہ جڑا تھا' کاغذی رشتہ باندھا تھا مگر اسے اس رشتے کی پاسداری رکھنی تھی۔

''حمود! ایک بات پوچھوں؟'' محریب نے پُرسوچ انداز میں اس پر نگاہ ڈالی جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔

''ہوں پوچھو''۔

''جن حالات میں تم نے نکاح کیا' تم اس لڑکی کے ساتھ خوش رہ لوگے اور اسے بھی رکھ لوگے؟''

''محریب! اول تو میں نے ایسا کچھ سوچا نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہوگا اور جبکہ یہ سب ہو ہی گیا ہے تو

کوشش کروں گا“۔

”بغیر محبت کے تم رہ لوگے؟“ محریب کو حیرت ہوئی۔

”محبت ......“ حمود نے زیرلب کہا۔

”کبھی محبت کے بارے میں سوچا ہی نہیں ہے“۔

”میں تو کہتا ہوں کہ اگر جیون ساتھی اپنا پسندیدہ ہو تو زندگی اچھی گزرتی ہے“۔

”پتہ ہے محریب! ضروری نہیں کہ محبت پہلے کرو پھر شادی کرو‘ ہو سکتا ہے مجھے اس سے ہو ہی جائے بعد میں“۔ وہ مسکرایا۔

”ہوں ...... یہ بھی ٹھیک کہا تم نے“۔ محریب نے تائید کی۔

”میں نے تو ایسے بھی لوگ دیکھے ہیں جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں پسند کرتے ہیں مگر شادی نہیں ہو پاتی ہے“۔ حمود نے آہستہ لہجے میں کہا۔

”خدا نہ کرے کہ میرے ساتھ ایسا کچھ ہو“۔ محریب جھٹ بولا۔

”یار! میں عام سی بات کہہ رہا ہوں“۔ وہ ہنسا۔

”اچھا سنو! ایک بار اپنی بیوی سے ملنے تو چلے جاؤ“۔

”کیوں نہیں ضرور جاؤں گا“۔ حمود نے کہا۔

”ایک بات کہوں حمود! تمہاری قسمت اچھی ہے‘ بیوی اچھی ملی ہے“۔ محریب نے چھیڑا۔

”اچھا میں نے غور نہیں کیا“۔ وہ جھینپ گیا۔

”غور کرنے کے لئے کہو تو انتظام کردوں کہیں“۔

”خاصے خبیث آدمی ہو‘ مجھے اگر غور کرنا ہوا تو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے‘ تم اپنی بتاؤ“۔ حمود نے اب اسے لپیٹ میں لیا۔

”اپنی کیا سناؤں‘ ہر وقت آنکھوں میں رہتی ہے دل میں رہتی ہے“۔

”پھر گھر میں کب لا رہے ہو؟“ وہ معنی خیزی سے گویا ہوا۔

”جس دن بھی مجھ پر بھوت سوار ہوا اسی دن گھر میں بھی لے آؤں گا“۔

”پھر تو عنایہ بھابی کی خیر نہیں“۔

”بکومت فضول میں“۔ محریب نے کشن اس پر اچھالا۔ خاصی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے تھے‘ پھر جواد احمد کی کال آئی تو اسے اجازت لے کر جانا پڑا کیونکہ ان کے پاس بھی اسے کافی ٹائم لگنا تھا‘ اسے تشویش بھی تھی کہ انہوں نے کیوں بلایا ہے؟ اگر عنایہ کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے بلایا ہے تو وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

............☆☆☆............

نزہت نے ندرت کو بلا لیا تھا تاکہ وہ کچھ شاپنگ کروا دے‘ سلائی کے سارے کپڑے مبینہ کو دے دیئے تھے کیونکہ وہ بہت اچھے کپڑے سیتی تھیں پھر اس طرح ان کی مدد بھی ہو جاتی۔

”محریب! اب بھی سوچ لو تم؟“ امی نے اس سے پوچھا۔

”نہیں امی! ایسے تو بالکل نہیں اور پلیز بار بار یہ موضوع نہیں چھیڑا کریں‘ میں چاچو سے کہہ کر آ گیا ہوں‘ میری اور عنایہ کی کوئی بھی بات نہیں ہوگی اب“۔ وہ خاصا بے زار اور اُکتایا ہوا تھا۔

”جواد نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے‘ تم جو کہو گے اب وہی ہوگا‘ وہ عنایہ کی بھی نہیں سنے گا“۔ امی کی تو پوری کوشش تھی کہ اس کی شادی بھی ہو جائے تو زیادہ اچھا تھا ورنہ پھر بعد میں کوئی اور مسئلہ نہ کھڑا کر دے سمیرا کیونکہ سمیرا کے مزاج سے سب ہی واقف تھے۔

”اب فیصلہ مجھ پر چھوڑا جا رہا ہے‘ پہلے تو وہ سب اس کی سن رہے تھے مان رہے تھے اور بیچ میں یہ مائز کی شادی کہاں سے آ گئی پھر؟“ وہ تیز لہجے میں بولا حالانکہ وہ کبھی بھی تیز آواز میں کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔

”مائز کی اور دوشہ کی بات تو ہم نے پھر بھی طے کرنی ہی تھی“۔

”مگر امی! اب میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ اب میری شادی ہوگی“۔ اُسے بھی جیسے ضد آ گئی کیونکہ جواد احمد نے بلایا ہی اسے یہی بات کرنے کے لئے تھا کہ وہ عنایہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتے تھے اس لئے کہ سمیرا نے اس دن دونوں کو ایک ساتھ گاڑی میں دیکھ کر جو فساد اٹھایا تھا وہ مزید اور کوئی تماشہ نہیں چاہتے تھے کہ سمیرا‘ عنایہ کو مجبور کر دے اور وہ یہ رشتہ توڑنے پر آمادہ ہو جائے۔

”وہ عنایہ کی وجہ سے ہی تو کہہ رہا ہے کہ محریب کے ہاتھ میں اگر عنایہ کا ہاتھ آ جائے گا تو پھر عنایہ کوئی اُلٹا قدم اٹھانے کے بارے میں نہیں سوچے گی“۔

”سوری امی! مجھے اس سر پھری لڑکی کا ہاتھ نہیں چاہیئے‘ میں سچ کہہ رہا ہوں میں ہمیشہ کے لئے واپس امریکہ چلا جاؤں گا‘ اگر آپ نے یا کسی نے بھی مجھے مجبور کیا تو“۔ محریب کو تو اس بار زبردست غصہ آیا تھا کیونکہ ایک تو وہ غصہ کرتا نہیں تھا مگر اس بار تو وہ کچھ سننا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

”اپنی دادی جان کا بھی حکم نہیں مانے گا؟“

”پلیز امی! دادی جان کا نام لے کر مجھے بلیک میل نہیں کریں‘ آپ کو پتہ ہے نا ان کے لئے تو میں جان بھی دے سکتا ہوں“۔ وہ اگر مجبور ہوتا تھا تو صرف اپنی دادی کے لئے۔

”اگر وہ کہیں گی تو جب تو مانے گا نا“۔ وہ حسرت بھرے لہجے میں بولیں۔

”تو نے آج تک مجھے وہ اہمیت نہیں دی ہے جو تم نے اپنی دادی کو دی ہے اور مجھے شکایت بھی نہیں ہے“۔ آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

”امی‘ امی آپ اب یہ نئی بات نکال رہی ہیں“۔

”کیسے نہ نکالوں‘ ماں ہوں تیری“۔ وہ رونے لگیں۔ محریب سر پکڑ کے ہی بیٹھ گیا‘ وہ آفس سے ابھی آیا تھا نہا کر بیٹھا ہی تھا کہ امی چلی آئی تھیں۔

”میں آپ کو تو کبھی بھی اپنے دل سے الگ نہیں پاتا ہوں“۔ اس نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

”میری جیسی ماں تو کسی کی بھی اس دنیا میں نہ ہوگی جو سب کا درد اپنے دل میں لے کر گھومتی ہے“۔ وہ ان کے ہاتھ اپنے چہرے سے لگانے لگا۔

”زیادہ باتیں نہ بنا“۔

”آپ کا اتنا سا دل ہے‘ پتہ ہے آپ سے میں ہر بات کر سکتا ہوں‘ عنایہ کی اپنی سارے جہان کی‘ دادی جان سے کب کرتا ہوں‘ ایک انہیں خوش ہی تو کرنے کے لئے ان کی بات مانتا ہوں کیونکہ انہوں نے ہم سب بہن بھائی کو بہت پیار دیا ہے‘ کوئی بھی کزن نہیں بہن بھائی ہیں یہ سب کس کی وجہ سے صرف دادی جان کی وجہ سے‘ آپ ہیں‘ چچی جان ہیں اور رہے چاچو‘ سمیرا چچی ان سے ہمیں ملنے ہی نہیں دیتی ہیں‘ بتایئے

کتنے فاصلے آ گئے ہیں دوریاں آ گئی ہیں"۔

"یہی دوریاں تو سمیٹنا چاہتے ہیں ہم' تا کہ تم دونوں بھائیوں کی جواد کی بیٹیوں سے شادی ہو جائے گی تو پھر میرا شاید اپنے رویے میں تبدیلی لائے"۔ وہ اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

"آپ ابھی مائز کی شادی ہونے دیں' خوشی خوشی خوامخواہ فضول کی ٹینشن بڑھے گی اور رہی عنائبہ' بہت عقلمند خود کو سمجھتی ہے نا' ارے وہاں رہ کر اپنی ماں کو ٹھیک نہیں کر پا رہی ہے' اگر یہاں آ جائے گی تو میں سچ کہہ رہا ہوں امی' وہ انہیں ہی سوچتی رہے گی'۔

"پھر جواد سے کیا کہوں میں؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"چاچو سے یہ بولیے کہ اتنی جلدی کوئی کام نہ کریں' پہلے وشہ کی ہونے دیں' اس کے بعد شاید کوئی مسئلے کا حل نکل آئے"۔

"محریب! مجھے یہ بتا تو عنائبہ کو تو کوئی سزا نہیں دینا چاہتا' ارے وہ بچی بہت معصوم ہے"۔

"بس رہنے دیں مجھے پتہ ہے کتنی معصوم ہے لیکن یہ صرف میں آپ کو بتا رہا ہوں' عنائبہ نے بہت ہرٹ کیا ہے اس لئے میں بھی اسے کچھ تو سبق دوں"۔

"خبردار محریب! کچھ اُلٹا سیدھا تم نے سوچا بھی"۔ انہوں نے سرزنش کی۔

"اپنی اس معصوم بچی سے کہیے اپنی [illegible] چتر ر پھرتی رہنے [illegible] وہ میاں کی ذمہ داری نبھائے گی"۔ جلا بھنا تو وہ پہلے ہی تھا۔

"فضول کی بک بک نہیں کرو"۔ وہ کھڑی ہوئیں۔

"کچھ بھی ہے' آپ نے ہی کوئی بات ہتانی ہے' مجھ پر نہیں ڈالیے گا اور ہاں ابو کو بھی آپ ہی ہینڈل کیجیے گا اور پلیز دادی جان تک یہ بات نہیں پہنچنے دیجیے گا کیونکہ چاچو نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے فیصلے کے بعد انہیں بتائیں گے کچھ بھی"۔

"دیکھو تو اس لڑکے کو' کیسے اپنی ماں کو ہدایتیں دے رہا ہے"۔ انہوں نے محریب کو گھورا۔

وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا آفس سے آیا بھی دیر سے تھا' ڈنر باہر ہی کر لیا تھا۔

"میں آپ کو صرف بتا رہا ہوں' ہدایت نہیں دے رہا"۔ وہ خجل سا ہوا۔

"یاد آیا محریب! وہ حمود نے ابھی تک بھی ایک چکر نہیں لگایا اپنی بیوی کے پاس' اس کے خرچ پانی کی بھی اسے کچھ پرواہ ہے یا نہیں"۔ انہیں یاد آ گیا تو وہ رُک گئیں۔

"گیا تھا اس کے پاس بھی' آئے گا کسی دن"۔ تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گیا۔

"اس سے کہنا اگر کچھ بھی اُلٹا سیدھا کیا ناں میں اس کے گھر پہنچ جاؤں گی"۔ وہ تو اس دن سے منتہٰی کے لئے کافی فکرمند تھیں جو اتنی سادہ سی اور معصوم لگی تھی۔

"کچھ گھر کی پرابلم ہے کہہ رہا تھا آج کل میں چکر لگائے گا"۔

"یاد سے اسے کہہ دینا بیٹا! مجھے اس لڑکی کی بہت فکر ہے' میری بیٹی کی طرح ہے"۔ وہ بولیں۔

محریب کو اپنی ماں کی یہی عادت تو اچھی لگتی تھی' وہ سب کے لئے ہی دردر رکھتی تھیں اور فکرمند بھی رہتی تھیں۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............
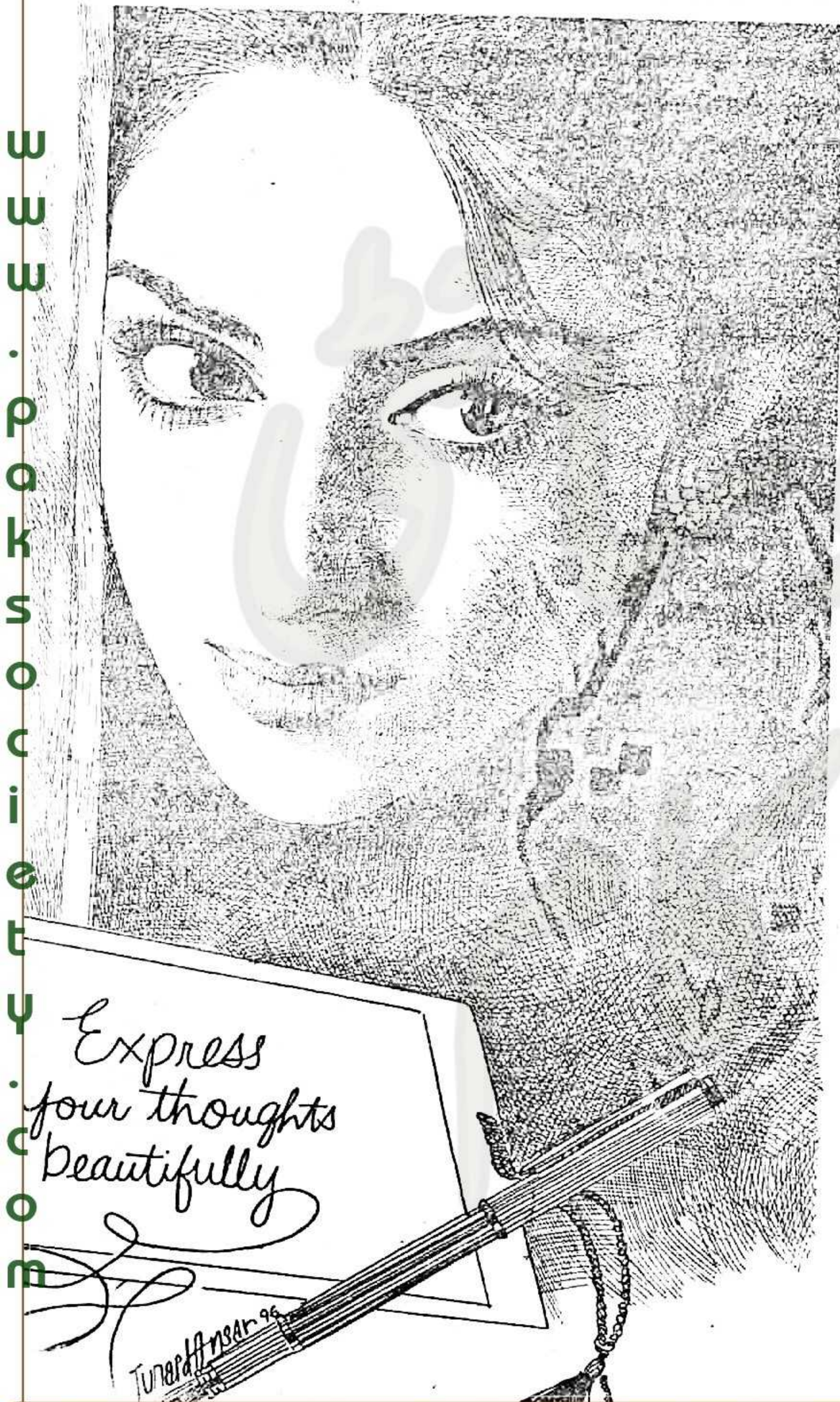
Express
your thoughts
beautifully
سلسلے وار ناول
قسط نمبر 9 -
شازیہ مصطفیٰ
چاہت دل کی چاہت

ابھی اس نے گھر میں قدم رکھا بھی نہ تھا کہ وہ راہ میں حائل ہوگیا' تہذیب وحشت زدہ سی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی' سرمئی قمیض شلوار میں ملبوس اپنی ڈیسنٹ اور سوبر شخصیت کے ساتھ اس کے مقابل تھا۔

''ہٹیئے راستے سے''۔ اس نے فائق پر غصیلی سی نگاہ ڈالی تھی۔

''ابھی گیٹ پر وہی آدمی تھا نا جو اس دن ملا تھا؟''۔

''کون سے گیٹ پر؟'' وہ انجان بن کے نگاہ چرانے لگی۔

''دیکھو! تم بے وقوف کسی اور کو بنانا' مجھے یہ بتاؤ ابھی وہ آدمی تھا کون؟''

''آپ آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں' میں آپ کو نہیں بتا سکتی''۔

''کیسے نہیں بتا سکتی؟'' فائق نے بلا جھجک اس کا بایاں بازو اپنے مضبوط ہاتھ میں دبایا اور پیچھے کی طرف لے گیا جہاں اس وقت چوکیدار بھی نہیں تھا' تہذیب کا تو سانس ہی رک گیا۔

''کیا حرکت ہے چھوڑیئے مجھے''۔

''ابھی ایسے ہی پکڑا تھا نا اُس آدمی نے تمہارا بازو' جھوٹ نہیں بولنا مجھ سے''۔ اس کی سرخ سرخ غصہ میں بھری آنکھیں تہذیب پر تھیں۔ تہذیب نے متوحش زدہ ہو کر اسے دیکھا جو جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا' حالانکہ وہ تو بچتی بچاتی آئی تھی اس آدمی نے یہاں کا راستہ بھی دیکھ لیا تھا' یہی اسے ڈر بھی تھا کہ وہ نہ دیکھ لے۔

''وہ فاطمہ کا ہسبینڈ تھا''۔ نا چاہتے ہوئے بھی اسے بتانا پڑا۔

''کیا دھمکی دے رہا تھا؟'' فائق نے اپنی نگاہ اس پر جما دی جو کاسنی لان کے کپڑوں میں ملبوس بڑی سی چادر میں خود کو سمیٹے ہوئے تھی۔

''کہہ رہا تھا کہ اگر فاطمہ کو واپس نہیں بھیجا تو میں......'' آگے بولتے ہوئے زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

''آگے بولو''۔ اتنے جارحانہ انداز میں وہ پوچھ رہا تھا۔ تہذیب کو اس کا اکھڑ انداز غصہ دلانے لگا جو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں اتنی اس میں دلچسپی لے رہا ہے جبکہ وہ تو اسے دیکھتی بھی چوری چھپے تھی' فائق جانے کب اس کے دل میں گھر کر چکا تھا' وہ خود حیران تھی مگر وہ اسے دیکھ کر انگارے چبانے لگتا تھا۔

''آگے یہ کہ اگر فاطمہ واپس نہیں گئی تو مجھے غائب کروا لے گا''۔

''اونہہ......'' فائق نے لمبی سانس بھری۔

''پلیز! آپ محریب بھائی کو نہیں بتایئے گا''۔ اسے محریب کی فکر رہتی تھی کہ اگر یہ جاب بھی گئی تو اور مشکل ہو جائے گی' پہلے ہی وہ محریب کے احسانوں تلے دبی ہوئی تھی۔

''اب تم جاؤ' مجھے جو کرنا ہے وہ تو کروں گا میں''۔ وہ پرسوچ لہجے میں بولا' تہذیب جانے لگی۔

''فائق' فائق''۔ اسی وقت مائز کی آواز آئی تو دونوں ہی چونک گئے' کیونکہ دونوں پچھلی طرف تھے اور دونوں میں سے کسی کو بھی نکلتے اس نے دیکھ لیا ساتھ تو فضول میں ان کا ریکارڈ لگتا۔

''رُکو تم''۔ اس نے تہذیب کی کلائی پکڑ لی' وہ گرتے گرتے بچی۔

''یار! کدھر گئے؟'' وہ پورے لان میں آوازیں دے رہا تھا۔

''اب کیا کروں؟'' وہ پریشان تھا۔

''تم ادھر رُکو میں پہلے جاتا ہوں''۔ اسی وقت گیٹ پر کوئی دھڑ دھڑ کرنے لگا' فائق چونک گیا۔

''یار کون ہے' دروازہ توڑتا ہے؟'' مائز چیخا تھا۔ دروازہ کھلا اور دیکھا تو کوئی تھا۔

''یہ...... یہ...... فاطمہ کا ہسبینڈ ہے''۔ تہذیب نے بھی دیکھ لیا کیونکہ گیٹ سامنے ہی تھا' دونوں سائیڈ سے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ فائق تیزی سے نکلا اور گیٹ تک پہنچ گیا' تہذیب کا تو سانس رُک رہا تھا' چہرہ بھی حواس باختہ سا تھا۔

''ادھر تہذیب صاحبہ رہتی ہیں کیا؟'' جو بھی تھا تمیز کا مظاہرہ کرنے لگا۔ فائق' فاطمہ کے شوہر کو تو جانتا ہی تھا مگر یہ وہ تو نہ تھا کوئی اور ہی تھا' شاید اس کا پالتو نوکر تھا۔

''یہاں کوئی تہذیب نہیں رہتی ہے''۔ فائق نے جواب دیا' جبکہ مائز نے استعجابیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''ہمیں تو یہی ایڈریس دیا تھا''۔ وہ بولا۔

''غلط دیا ہے جس نے بھی دیا ہے''۔ یہ کہہ کر فائق نے گیٹ بند کر لیا۔

''علیم بابا' علیم بابا''۔ اس نے چوکیدار کو آواز دی۔ وہ دوڑا دوڑا آیا' عصر کی نماز پڑھ کے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اسی لیے گیٹ بھی مائز کو کھولنا پڑا تھا۔

''یہاں کوئی بھی فضول آدمی نظر آئے تو تم نے گیٹ نہیں کھولنا ہے بلکہ اسکرین پر دیکھنا ہے''۔ اس نے کیمرے کی جانب نگاہ مبذول کروائی۔

''اور ہاں' اگر کوئی تہذیب کو پوچھنے آئے تو تم نے کہنا ہے کہ یہاں نہیں ہوتی اس نام کی جا چکی ہیں وہ''۔ وہ ساری تفصیل اسے سمجھا رہا تھا' وہ سر ہلائے جا رہا تھا۔ پھر فائق اندر چلا گیا' مائز کو نئی سوچوں کا سرا پکڑا گیا تھا' وہ اس کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہا تھا مگر فائق اور تہذیب کے معاملے میں اتنا سنجیدہ' اسے کچھ شک بھی ہوا۔

تہذیب جلدی سے انیکسی کی جانب بڑھ گئی تھی اور گھستے ہی چادر اتار کر پھینکی' منتہیٰ عصر کی نماز پڑھ کر چائے بنانے کچن میں جا رہی تھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''خیریت تو ہے لڑکی اتنے پسینے پسینے کیوں ہو رہی ہو؟''

''وہ بس آج گرمی ہے نا''۔ جھٹ بات بنائی۔

''اب ایسی بھی نہیں ہے''۔ اسے تہذیب کی جیسے دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

''آپ کو نہیں پتہ بہت گرمی ہے' آج دین نے بھی مین روڈ پر اتار دیا تھا' پیدل چلتی ہوئی آئی ہوں''۔ اس نے اپنے دونوں پاؤں صوفے پر اوپر کیے اور لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے لگی۔ حکمت فوراً پانی کا گلاس لے آئی تھی۔

''امی نظر نہیں آ رہی ہیں' کہاں ہیں؟'' پانی پی کر گلاس حکمت کو تھمایا اور پوچھا۔

''امی' محریب بھائی کی طرف گئی ہیں' ان کی امی نے بلایا تھا کچھ کپڑے اور تھے سلائی کے لیے' کہنے لگیں کہ یہاں آ جاؤ تو سمجھا دوں گی''۔ منتہیٰ نے بتایا۔

''آپی! اتنا مزا آئے گا مائز بھائی کی شادی میں' آپ اور میں تو آگے آگے ہوں گے''۔ حکمت بہت خوش ہو رہی تھی۔

''کیوں ان کی دو بہنیں اور بھی تو ہیں' ندرت باجی اور یمنیٰ''۔ تہذیب بولی۔

''پھر بھی ہیں تو ہم ان کی ہی بہنیں نا' ہمارا بھی وہی حق بنتا ہے''۔

''تہذیب! چائے ابھی پیو گی یا نماز پڑھ کے؟'' منتہیٰ نے کچن سے ہانک لگائی۔

''میں پہلے نماز پڑھوں گی''۔ فوراً کلاک پر نگاہ ڈال کر وہ کھڑی ہو گئی۔

’’ارے ہاں منتہیٰ باجی! آج آپ گئی تھیں انٹرویو کے لیے؟‘‘

’’ہاں گئی تھی مگر اُمید نہیں ہے کہ جاب ملے‘‘۔ وہ افسردگی سے بتانے لگی۔

’’چلیے‘ اللہ بہتری کرے گا‘ آپ کی قسمت میں ہوگی تو ضرور ملے گی‘‘۔ اس نے منتہیٰ کی ہمت بندھائی۔

’’شکر ہے‘ بال بال بچ گئی‘ اگر مائز بھائی کی نگاہ پڑ جاتی تو کتنا بُرا لگتا‘ وہ کیا سوچتے‘‘۔ وہ نماز پڑھ کے کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی تھی۔

’’اور یہ فائق احمد کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے‘‘۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر سوچ رہی تھی۔

’’ہاتھ ہیں کہ فولاد‘ کتنی زور سے بازو پکڑا تھا‘‘۔ بازو پر یکدم درد سا محسوس ہوا اور اسے ایسا لگا کہ وہ ابھی بھی اس کے آس پاس ہی ہو۔

’’ہینڈسم ہے‘ اسمارٹ ہے مگر اتنا تیکھا کیوں ہے‘ ہر وقت سپاٹ سا کیوں لگتا ہے؟ کاش فائق احمد......‘‘

’’ہشت ...... یہ میں کیا سوچنے لگی‘ ایسا کبھی ہو سکتا ہے‘ میں ایک معمولی سی غریب لڑکی اور وہ اتنا امیر و کبیر باپ کا بیٹا‘‘۔

’’نہیں تہذیب! تمہاری قسمت میں محلوں کے شہزادے نہیں ہو سکتے‘ تم صرف اپنی حیثیت کے خواب دیکھو‘ اپنے سے اونچے اپنی اوقات سے زیادہ کے خواب نہ دیکھو‘‘۔ دل ایک دم ہی افسردہ اور بے چین سا ہو گیا‘ وہ خود حیران تھی کہ وہ ایسا کیوں سوچنے لگی تھی جبکہ فائق جب سامنے ہوتا تھا تو اسے اس کی سرد مہری اور بے نیازی پر اتنا غصہ آتا تھا‘ وہ اس سے اتنے روکھے اور اکھڑ لہجے میں بات کرنے لگتی تھی جبکہ وہ خود اس کے گھر میں رہ رہی تھی اور اسی کو آنکھیں بھی دکھاتی تھی‘ مگر یہ سب اسے فائق کی بے نیازی پر ہی ایسا کرنا پڑتا تھا جو اس کے پیچھے پڑ گیا تھا‘ اس کی جاب چھڑوانے کے درپے تھا‘ کیوں ایسا کر رہا تھا جب وہ اس کی کچھ لگتی نہیں تھی تو کیوں سایا بنا ہوا تھا اور اگر کسی کو گھر میں خبر ہو گئی تو بلاوجہ اس پر بن آئے گی۔

’’فائق احمد! تم تو مرد ہو‘ ماری تو میں جاؤں گی‘ کیوں تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو‘ ایک ٹھکانہ ملا ہے کیوں اسے بھی چھوڑنے کو مجبور کر رہے ہو‘‘۔ وہ سوچے جا رہی تھی مگر اس نے ابھی تک منتہیٰ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کچھ سوچ چکی ہے اور فائق سے اس کی کیا بحث چل رہی ہے۔

’’زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کی انجانے میں چاہ کی ہے‘ میں جانتی ہوں میری اوقات سے بڑھ کر ہے‘‘۔ آنکھیں بند کر کے وہ جانے کن خلاؤں میں تھی بلکہ وہ شاید فائق کو خود کی سنگت میں دیکھ رہی تھی‘ اس کا لمس ابھی تک اس کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

............☆☆☆............

اس دن وہ شامین کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی کیونکہ ساری تیاری اسے ہی کرنی تھی جبکہ سمیرا تو اپنے اوپر غصے کا خول چڑھائے ہوئے تھیں‘ وشہ کے بس کپڑوں وغیرہ کی ہی شاپنگ کرنی تھی جبکہ دیگر چیزوں کو ریحان احمد نے تو کب سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہیں لیں گے مگر جواد احمد بیٹی کو ایسے خالی ہاتھ بھی جانے نہیں دے سکتے تھے‘ عنایہ کی بھی کوشش تھی کہ وشہ کی شادی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے۔

’’آج تو لگتا ہے آپی! آپ پورا بازار خرید کے لے آئی ہیں‘‘۔ اتنے ڈھیر سارے شاپرز کمرے میں پڑے دیکھے جن کی چیکنگ وشہ کر رہی تھی۔ ساری شاپنگ کا جو بھی سامان لے کر آتی تھی وہ اپنے کمرے میں رکھتی تھی کیونکہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھتی تھی کہ سمیرا کو غصہ نہ آئے۔

’’آپی! آپ نے تو ساری شاپنگ ہی اچھی کی ہے‘ سارے کپڑوں کے کلر بہت اچھے ہیں‘‘۔ وشہ نے ستائشی انداز میں کہا۔

’’اچھا اور جو کچھ تمہیں منگوانا ہو تو وہ بھی بتا دو کیونکہ شادی کے بعد کہیں تم پریشان ہوتی پھرو کیونکہ مائز کا اسٹڈی کا مسئلہ ہے‘ اسے فرصت تو ہو گی نہیں‘‘۔ عنایہ نے ساری چیزیں اٹھا کر صوفے پر رکھ دی تھیں۔

’’ایسے تو نہیں چھوڑوں گی‘ ساری اپنی ذمہ داری ان پر ڈالوں گی‘‘۔

’’بس وشہ! تم وہاں جا کر اس سے لڑائی و بحث میں مت پڑ جانا‘ اچھا‘‘۔ وہ اپنی بہن کو بھی جانتی تھی کیونکہ اس کی مائز سے کبھی نہیں بنی تھی۔

’’یہ میں ہوں وشہ جواد‘ عنایہ جواد نہیں جو اپنے حق کے لیے آواز تک نہ اٹھائے‘‘۔ اس نے طنز سے کہا۔

’’زیادہ فضول گوئی نہ کرو‘‘۔ عنایہ خفیف سی ہو گئی۔

’’آپی! آخر کب تک آپ اپنی خواہشات اور جذبات کا گلا گھونٹتی رہیں گی‘‘۔ وشہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

’’یہ تم سے کس نے کہا کہ میں ایسا کچھ کرتی ہوں‘‘۔

’’کیوں مجھے کیا آپ کی آنکھوں میں حسرت نظر نہیں آتی؟ صرف آپ امی کی وجہ سے اپنا بچپن سے طے کیا ہوا رشتہ تک داؤ پر لگانے پر تلی ہوئی ہیں‘ کچھ تو محریب بھائی کا بھی خیال کریں‘ آخر کب تک انہیں اگنور کرتی رہیں گی‘‘۔

’’پلیز وشہ! تم اس ٹاپک کو بند نہیں کر سکتی ہو؟‘‘ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ کتنے کڑے مراحل سے گزر رہی ہے اور کتنا مشکل ہوتا ہے اپنی خواہشات کو دبانا جبکہ اسے پتہ بھی تھا کہ ایسا کرنے سے وہ اتنے پیار کرنے والے محبت کرنے والوں کا دل توڑ رہی تھی اور محریب‘ اسے بھی تو ناراض کیا ہوا تھا‘ وہ تو اس کی محبت ان نہیں شرافت تھی جو ابھی تک رشتہ جوڑا ہوا تھا ورنہ وہ تو توڑ کے واپس جا سکتا تھا‘ ہر لمحہ اس نے محریب کے جذبات کو نظر انداز کیا تھی مگر وہ ہر بار پھر اپنا موڈ درست کر کے اس سے مخاطب ہو جاتا تھا۔

’’آپی! آپ کتنی آنکھیں چرائیں مگر آپ کا چہرہ اور آنکھیں آپ کی ساری کہانی کہہ رہا ہے‘‘۔ وشہ کو اپنی صابر و شاکر بہن پر اتنا رشک آیا کہ اس نے گلے سے لگا لیا۔

’’آپی! اتنا برداشت نہیں کریں اور نہ مضبوط بننے کی کوشش کریں کہ آپ کی شخصیت تک بکھر جائے‘‘۔

’’وشہ! میں ایسا صرف امی کو خوش کرنے کے لیے کر رہی ہوں کہ انہیں یہ نہ محسوس ہو کہ ان کا کوئی خیال نہیں کرتا ہے اور تم دیکھنا ایک دن امی خود مان جائیں گی اور میں ان کی دعاؤں کے سائے میں ہی رخصت ہوں گی‘‘۔ عنایہ کو پورا یقین تھا۔

’’اللہ کرے ایسا ہی ہو‘‘۔ وشہ کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے‘ ایک تو رخصت ہونے کا غم اور اپنی امی کی سرد مہری اور بے نیازی پر الگ ہر وقت رونا آتا رہتا تھا‘ اس کا بھی تو دل تھا‘ اس کی ماں بھی اور ماؤں کی طرح اپنی رخصت ہونے والی بیٹی کے نخرے اٹھائے‘ اس کی ضرورت کا خیال رکھے۔

’’ایک بات کہوں آپی؟‘‘ اس نے آنسو صاف کیے اور اپنی افسردہ اور مغموم سی بہن کے کومل اور نرم ملائم سے ہاتھ تھامے۔

’’ہوں...... کہو‘‘۔

’’امی تو ہمارے بارے میں کچھ سوچتی ہی نہیں ہیں‘‘۔

تہذیب کو بھی یمنیٰ بلا کے لے آئی تھی، وہ سب الگ اپنی محفل جما کے بیٹھی تھیں، منتہیٰ آتے ہوئے جھجک بھی رہی تھی مگر نزہت نے ڈانٹا تو وہ ان کی محبت پر پھر کچھ نہ بولی تھی۔

''اپنے لانبے بالوں کا راز تو بتایئے''۔ یمنیٰ نے پوچھا۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھی تھیں، تہذیب تو اخباروں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی جبکہ حکمت ٹی وی کے آگے بیٹھی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔

''بالوں کا راز تو کچھ بھی نہیں ہے، بس خود ہی لمبے ہیں''۔ منتہیٰ مسکرائی۔

''لیکن آپ کے ماشاء اللہ کافی لمبے ہیں''۔ یمنیٰ کو اسے دیکھ کر رشک آ رہا تھا۔

''آپ کے خاندان میں کسی کے ہوں گے''۔

''پتہ نہیں مجھے اس بارے میں''۔ پھر مسکرا کے بولی۔

''یمنیٰ! چائے وغیرہ ڈرائنگ روم میں بھیجو، محریب بھائی کے دوست آئے ہیں''۔ اسکائی بلیو شلوار قمیض میں سوبر سا فائق اپنی ذہانت سے بھرپور آنکھوں سے چشمے کے اندر سے دیکھ رہا تھا۔ تہذیب اس کی آواز پر پہلو بدل کر رہ گئی، فائق نے اچٹتی نگاہ ڈالی ضرور تھی۔

''کون آیا ہے؟'' یمنیٰ کو تجسس ہوا۔

''حمود بھائی آئے ہیں''۔

''کیا حمود بھائی؟'' تہذیب نے چونک کر نام لیا۔ پھر فائق کو فہمائشی نگاہوں سے اپنی جانب دیکھتا پا کر خفیف سی ہو گئی، پھر وہ نگاہ بھی چرا گئی۔ منتہیٰ کا تو دل دھک دھک کرنے لگا تھا، تہذیب کھڑی ہو گئی اور جانے لگی، فائق بھی اس کی تقلید میں باہر نکلا۔

''تم کہاں چلیں؟'' وہ راہ میں حائل ہو گیا۔

''آپ کو کیوں میری اتنی فکر رہنے لگی ہے، کہیں بھی جاؤں''۔ وہ پھر آگے بڑھی، فائق کو ویسے بھی لڑکیوں کا اس طرح زبان چلانا سخت بُرا لگتا تھا، وہ بھنا گیا، بازو پکڑ کے اسے دیوار سے لگا دیا، تہذیب تو حواس باختہ سی ہو گئی اس کی اس بے باک حرکت پر، کوریڈور میں کوئی نہیں تھا ورنہ سب کیا سوچتے۔

''تم مجھ سے ایسے حقارت زدہ لہجے میں کیوں بولتی ہو؟''

''میں یا آپ بولتے ہیں مجھ سے''۔ اس کے حصار سے نکلنے لگی، پرفیوم کی بھینی بھینی مسحور کن سی خوشبو اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی اور وہ کسی بھی کمزور لمحے کی گرفت میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

''اتنی اکڑ کیوں ہے تم میں؟''

''دیکھیں! آپ فضول میں بات کو بڑھا رہے ہیں، مجھے جانے دیں''۔ وہ پھر آگے بڑھی، مگر اس بار فائق کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ تہذیب کی چیخ ہی نکل گئی، اگر فائق بروقت اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتا تو وہ مزید چیختی رہتی۔

''کیوں مجھے بھی پھنسواؤ گی اور خود بھی پھنسو گی''۔ پشت پر حصار باندھ کے اپنے سینے سے لگا کے وہ گیسٹ روم میں لے کر گھس گیا کیونکہ اسے مائز کی آواز آ رہی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ جھٹکے سے اپنا آپ چھڑا کے اس پر آنکھیں نکال کر کھڑی ہو گئی اور وہ وارفتگی سے اس کے برہم ہوئے لال چہرے کو دیکھنے لگا، جو اپنا کبھی بازو سہلاتی تو کبھی ہاتھ سہلاتی۔

''واٹ، اے محترمہ! ہوش میں تو ہو؟''

''میں بالکل ہوش میں ہوں، آپ ہوش میں آ جایئے، اگر آئندہ آپ نے میرا راستہ روکا یا میرے معاملے میں

''نہیں وہ سوچتی ہیں ہمارے بارے میں، جب ہی تو وہ ابو سے لڑتی ہیں''۔ عنایہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ کچھ بھی اُلٹا سیدھا سوچے۔

''اگر سوچتیں تو ابو سے لڑتیں نہ آپی! وہ صرف اپنے غصے کی وجہ سے ہم دونوں کو چڑھانا چاہتی ہیں''۔

''تم کچھ بھی اُلٹا سیدھا نہ سوچو ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم یہ ساری چیزیں صوفے سے اٹھا کر رکھو کیونکہ مجھے کچن بھی دیکھنا ہے، معارج کو چنگ سے آنے والا ہے''۔ وہ ٹال کے کھڑی ہو گئی۔

اب وہ اپنا دل کھول کر اسے کیسے دکھائے کہ اس کے دل میں کیا تھا اور وہ بھی ایسا ہی کچھ سوچتی بھی تھی مگر وہ مثبت سوچ رکھنا چاہتی تھی۔

''آپ چاہے کتنا مجھے ٹالیں مگر میں سب جانتی ہوں''۔ وشہ ساری چیزیں اٹھا کر وارڈ روب میں اور کچھ سوٹ کیس میں رکھنے لگی کیونکہ عنایہ اس کی پیکنگ کر کے سب کچھ سوٹ کیس میں ہی رکھ رہی تھی۔ دل اس کا بھی انجانے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا، سب سے زیادہ اسے مائز کی فکر تھی، اتنا وہ اُسے تنگ کرتا تھا، پتہ نہیں بعد میں اور کس انداز میں تنگ کرے گا۔

''آپی! آنی کے ہاں چلیں ہم دونوں کسی دن''۔ وہ کچن میں آ گئی۔

''ہاں چلیں گے انہوں نے بھی چکر نہیں لگایا، انکل اسلام آباد گئے ہوئے تھے ہو سکتا ہے آ گئے ہوں''۔ عنایہ چاول بوائل کرنے رکھ چکی تھی۔

''کل چلتے ہیں''۔ وشہ کو زیادہ بے چینی ہو رہی تھی جانے کی کیونکہ آنی سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ دونوں ہلکا کر لیتی تھیں۔

''ایک دو دن میں چلیں گے کیونکہ میں چاہتی ہوں تمہاری شاپنگ پوری ہو جائے، مجھے کل بھی شامین بھابی کے ساتھ جانا ہے''۔ وہ اپنے ترتیب دیئے کل کے پروگرام سے آگہی دینے لگی۔

''آنی خود بھی اتنے دنوں سے نہیں آئی ہیں''۔

''انکل اسلام آباد گئے ہوئے ہیں، گھر اکیلا چھوڑ کے نہیں آ سکتی ہیں''۔ عنایہ نے سلاد کے لیے فریج سے کھیرا اور ٹماٹر نکال کے وشہ کے ہاتھ میں تھمائے۔

''اسے کاٹ لو، معارج اور ابو آنے والے ہوں گے، میں کھانا جلدی لگا دوں گی کیونکہ مجھے آج بہت تھکن ہو رہی ہے''۔ تھکن اس کے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ وشہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کے کاٹنے لگی تھی مگر اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا، عنایہ ساری چیزیں ٹیبل پر لگا رہی تھی، جواد احمد آفس سے آٹھ بجے آ گئے تھے، معارج کوچنگ سے آج نو بجے تک آئے گا، اس نے فون کر کے بتا دیا تھا۔ کھیرا کو گھر سے جیسے کچھ مطلب ہی نہ تھا اور اب تو اور ہی لاتعلق سی ہو گئی تھیں، یہی بات وشہ کو اور رُلاتی تھی۔

............☆☆☆............

''بڑی دلہن! میری بچی کی تیاری میں تم کوئی بھی کمی نہیں چھوڑنا''۔ دادی جان نے نزہت سے کہا جو انہیں گولڈ کی جیولری دکھا رہی تھیں۔

''آپ بے فکر رہیں، میری تو بیٹی ہے وہ، سب کچھ میں نے بہت اچھا بنایا ہے''۔ انہوں نے جیولری کے بکس اُٹھا کے ایک سائیڈ پر رکھے۔ وہ ساری بَری انہیں دکھا رہی تھیں، سب ہی ہال کمرے میں بیٹھے تھے، مبینہ بھی آئی ہوئی تھیں، آج گھر میں رونق سی لگی تھی، ندرت بھی آئی ہوئی تھی کیونکہ وہی تو ساری تیاریاں کروا رہی تھی۔ منتہیٰ، حکمت اور

ٹانگ اڑائی نا' میں آپ کی شکایت کردوں گی' سنا آپ نے؟"

"شوق سے کرنا' رہا تمہارے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا' وہ تو میں اڑاؤں گا تمہیں تمہاری جاب سے نکلوا کر ہی دوں گا"۔ فائق نے بھی مصمم ارادہ باندھا ہوا تھا۔

"میرا قصور یہی ہے نا کہ میں غریب ہوں' آپ کے دَر پر پڑی ہوں' جو دل چاہے گا میرے ساتھ سلوک کریں گے"۔ تہذیب کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

"فضول بکواس کم کیا کرو' سمجھیں"۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تہذیب بھی باہر آ گئی' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ڈرائنگ روم میں گھس گیا جبکہ اسے بھی وہیں جانا تھا کیونکہ اسے حمود سالار سے ملنا تھا' وہ سوچوں میں گم کھڑی ہوئی تھی' محریب نے اسے دیکھا تو وہ چونک گیا۔

"تہذیب! کیا ہوا' کیا سوچ رہی ہو؟"

"جی' جی وہ کک...... کچھ نہیں"۔ وہ گڑبڑا سی گئی۔

"حمود آیا ہے' تم منتہیٰ کو بھیجو ذرا"۔

"بھائی! وہ تو شاید نہ آئیں"۔ تہذیب بولی۔

"ارے کیسے نہیں آئیں گی' تم بولو جا کر کیونکہ وہ شاید باہر کہیں لے کر جائے گا"۔

"پھر تو بالکل بھی نہیں آئیں گی"۔ وہ بولی۔

"میں حمود بھائی سے مل لوں؟" اس نے گویا محریب سے اجازت لی۔

"ہوں' مل لو لیکن منتہیٰ بھابی کو ساتھ لے کر جاؤ تم اندر"۔ وہ یہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔ تہذیب بھی پھر منتہیٰ کو لینے کے لئے لاؤنج میں آ گئی' وہ بھی اخباروں میں شاید کوئی جاب وغیرہ کا ہی دیکھ رہی تھی۔

"منتہیٰ باجی! چلیے آپ کے وہ آئے ہیں"۔

"کون؟" وہ حیرانگی سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے حمود سالار صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے کے لیے"۔

"کیا...... نہیں...... نہیں"۔ وہ گھبرا گئی۔

"مجھے تو محریب بھائی نے پیغام دیا ہے کہ آپ کو لے کر جاؤں"۔

"تہذیب! میں...... نہیں...... کیسے...... ارے نہیں مجھے نہیں جانا"۔ اس کے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حمود ایک دن اس سے ملنے کے لئے چلا آئے گا۔ وہ تو خواہش کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھی یہ جانتے ہوئے بھی اور پھر جن حالات میں نکاح کیا تھا مفاہمت کی گنجائش تو نکلتی ہی نہ تھی۔

"...ہی باجی! آپ اگر ایسے گھبراتی رہیں نا ہو گیا گزارا"۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو تہذیب! میں ایسا کچھ نہیں چاہتی"۔ وہ بولی۔

"کیا بات ہے تم ابھی تک منتہیٰ کو لے کر نہیں گئیں"۔ نزہت چلی آئی تھیں' دونوں ہی بوکھلا سی گئی تھیں۔

"آنٹی! یہ منتہیٰ باجی جانے سے منع کر رہی ہیں"۔

"دیکھو بیٹا! حمود تمہارا شوہر ہے اور تم اس بات سے بےفکر ہو جاؤ کہ وہ یہ رشتہ توڑے گا' میں اس کی عقل ٹھکانے لگا دوں گی"۔ وہ جیسے منتہیٰ کے اندر کے ڈر کو جان گئی تھیں۔

"آنٹی! مجھے ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا ہے اور پھر ان کے گھر والے"۔

"یہ رشتہ تو اب ہو گیا ہے' اس کے گھر والے بھی سب مان گئے' مگر تم اگر اس طرح پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئیں تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا"۔ وہ اسے سمجھانے لگیں۔ اور پھر اسے ماننے ہی بنی' ڈرتی جھجکتی بلیک لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اپنے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ چل رہی تھی' ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو نگاہیں اٹھنے سے گریز کر رہی تھیں' حمود نے کن انکھیوں سے دیکھا اور کھڑا ہو گیا' کیونکہ نزہت کو اس نے اندر آتے دیکھ لیا تھا۔

"مل گئی فرصت تمہیں؟" انہوں نے دعائیں دینے کے بعد طنز سے پوچھا۔

"وہ آنٹی! میں محریب سے مسلسل پوچھ رہا تھا' آپ بےفکر رہیں اپنی بیوی سے بےخبر میں بالکل نہیں ہوں"۔ اس نے جھٹ اپنا دفاع کیا' بڑے صوفے پر وہ لب بھینچے ہوئے بیٹھی تھی۔ حمود کے منہ سے بیوی کا لفظ سن کے اسے جیسے یقین ہی نہ آیا ہو۔

"کسی دن بھی اگر تم نے کوشش کی بیوی سے لاتعلق ہونے کی' دوسرے دن تمہارے گھر پہنچی ہوں گی میں منتہیٰ کو لے کر"۔

"آنٹی! بالکل ٹھیک کہا آپ نے"۔ تہذیب نے بھی تائید کی۔ فائق کے لب مسکرانے لگے' جو کتنا چہک کے بولی تھی ورنہ ابھی کچھ لمحوں پہلے وہ ڈری سہمی غصہ میں بھری اس کے سامنے ہی تھی۔

"اوہو' یعنی اپنے اتنے حمایتی بنا لیے ہیں صرف چند دنوں میں"۔ حمود نے ہنس کے طنز کیا۔

"میری بیٹی کی طرح ہے منتہیٰ بھی"۔ انہوں نے منتہیٰ کو ساتھ لگایا' حمود نے خاموش بیٹھی منتہیٰ پر پھر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

"کیسے زبان کو لپیٹ کے بیٹھی ہے ورنہ اتنی چلتی ہے اس کی زبان"۔ وہ سوچنے لگا۔

"اچھا تم لوگ بیٹھو مجھے بہت کام ہیں"۔ وہ کھڑی ہو گئیں' فائق پھر ڈرائنگ روم سے چلا گیا' اب وہ چار ورنفوس تھے محریب سے اشاروں میں حمود کچھ کہہ رہا تھا۔

"منتہیٰ بھابی! آپ کو حمود کہیں لے جانا چاہتا ہے"۔ محریب قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"جی...... وہ...... میں...... نہیں جا سکتی"۔ وہ تو کھڑی ہو گئی۔

"منتہیٰ باجی! کیا کر رہی ہیں' جائیے نا"۔ تہذیب بولی۔ مگر منتہیٰ رکی نہیں تیزی سے نکل گئی' تہذیب بھی اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

"دیکھا تو نے' نخرے شروع کر دیئے نا"۔ حمود کو غصہ آ گیا۔

"اچھا' اچھا زیادہ غصہ نہیں کرو"۔ محریب نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"میں ابھی اندر جا کر بولتا ہوں"۔

"سن محریب! یہ میری اَنا کا مسئلہ ہے' اگر وہ نہیں گئی نا میرے ساتھ سوچ لے پھر میں کیا کر سکتا ہوں"۔ وہ بولا۔ محریب چلا گیا کیونکہ اسے مبینہ سے بھی بولنا تھا' پھر امی ہی اسے سمجھا بجھا کر جانے پر راضی کر سکتی تھیں۔

............☆☆☆............

وہ چادر سے خود کو لپیٹے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی اور وہ بلیک پینٹ پر اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا' ابھی تک دونوں میں بات نہ ہوئی تھی۔

"یہ موبائل ہے اور یہ پیسے ہیں رکھ لو"۔ اس نے ڈیش بورڈ سے موبائل نکالا اور پانچ ہزار کے پانچ نوٹ اس کی گود میں ڈالے' منتہیٰ چونک گئی۔

''میں کچھ کام میں بزی تھا اس لیے نہیں آ سکا' مگر محریب سے پوچھتا رہا تھا''۔ موڑ کاٹا اور گاڑی شاپنگ مال کے آگے روک دی' منتہیٰ نے قیمتی اور جدید طرز پر بنے مال پر حیرانگی سے نگاہ ڈالی' اس نے تو کبھی تصور تک نہیں کیا تھا کہ وہ اور اِدھر بھی آ سکتی ہے' حمود ڈرائیونگ ڈور کھول کے باہر نکلا' وہ خواب کی سی کیفیت میں مبتلا ابھی تک یونہی بیٹھی تھی۔

''نکلو باہر''۔ فرنٹ ڈور کھول کے گویا حکمیہ انداز میں کہا۔

''کیوں نکلوں؟'' وہ ہنوز بیٹھی رہی۔

''بہت زبان چلتی ہے تمہاری' نکلو باہر''۔ وہ گرم گرم گھونٹ نگلتی ہوئی فرنٹ ڈور سے نکلی' حمود نے گاڑی لاک کی اور پھر آگے آگے چلنے لگا۔

''یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ بولی۔

''میری ایک عدد بیوی ہے اور اس کے نان نفقے کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے' اسے کچھ شاپنگ کرانی ہے اس لیے ہم یہاں آئے ہیں''۔ ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے جتایا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں لینا''۔ رُکھائی اور خفگی دکھائی۔

''یہ جو تم نے اتنے اپنے حمایتی بنا لیے ہیں' سب سے زیادہ محریب کی امی کو حمایتی بنایا ہے ان سے جوتے کھانے کا مجھے قطعی شوق نہیں ہے''۔ وہ بولا۔

''آپ نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ میں نے صرف کاغذی شادی کی''۔

''سب کو بتایا ہے مگر کوئی سنتا ہی کہاں ہے' دیکھو میرے پاس فضول ٹائم نہیں ہے کہ تمہارے نخرے برداشت کروں' جلدی جلدی چلو تمہاری جتنی بھی ضرورت کی چیزیں ہیں وہ خرید لو''۔ وہ پھر اُکتا کر بولا۔

''مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے' سب ہے میرے پاس' مبینہ آنٹی میرا بہت خیال رکھتی ہیں''۔

''مجھے پتہ ہے سب خیال رکھتے ہیں مگر میں جو تمہارا خیال کر رہا ہوں یہ کسی گنتی میں شمار نہیں ہوتا''۔ اسے منتہیٰ کی بات سن کے غصہ آ گیا۔

''میں مزید آپ کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتی اور آپ اطمینان رکھیے میں آپ کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتی ہوں''۔

''مجھے تم یہ بتا دو کہ یہ نخرے اور غصہ کس بات پر دکھا رہی ہو' اگر تمہیں یہ غصہ ہے کہ میں نے تمہاری اتنے دن خبر نہیں لی تو وہ وجہ میں تمہیں بتا دوں گا' ابھی تمہیں جو جو لینا ہے لے لو اور بلا جھجک اور بلا شرم کے' تم میری بیوی ہو سمجھیں اور ہاں کچھ بھی جھجک اور عار محسوس نہیں کرنا ورنہ تم مجھے نہیں جانتی ہو خاصا بے باک اور رومینٹک بندہ ہوں''۔ اس کے کان میں سرگوشی کی۔ منتہیٰ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی جو مسکرا رہا تھا مگر اس لمحے حمود کی آنکھوں میں کوئی ناگواری کا رنگ نہیں تھا بلکہ آنکھوں میں الگ ہی رنگ تھا' وہ نروس سی ہو گئی۔

وہ اسے دنیا جہان کی شاپنگ کراتا رہا' منتہیٰ حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی' سب اپنی مرضی سے دلا رہا تھا' شرم بھی اسے آ رہی تھی دو تین گھنٹے اسے لگے تھے' نو بج گئے تھے جس وقت واپسی ہو رہی تھی۔

''ہاں اب پوچھو مجھ سے جو جو پوچھنا ہے''۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پوچھنا''۔ ہنوز بیگانگی برتی۔

''چلو میں بتاتا ہوں خود سب کچھ تاکہ تمہاری خفگی دور ہو جائے''۔ گاڑی بڑی مستعدی سے چلا رہا تھا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں پوچھنا ہے اور نہ ہی آپ مجھے بتایئے' آپ کی اپنی لائف ہے جو دل کرے کریں''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''یہ طنز ہے یا غصہ یا ناراضی ہے؟'' حمود کے عنابی لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''کچھ بھی نہیں ہے ان میں سے' میں بالکل سنجیدہ اور نارمل انداز میں بول رہی ہوں' آپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے اپنے نام کا تحفظ دیا' جو میں ساری زندگی بھی نہیں اتار سکتی ہوں''۔ نگاہ اس کی اپنے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھی۔

''احسان انسان مختلف طریقوں سے بھی اُتار سکتا ہے''۔ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے گاڑی کو ریسٹورنٹ کے اندر پارک کرتے ہوئے گویا ہوا' منتہیٰ تو اچھل ہی گئی اتنا مہنگا ترین ہوٹل جو اس نے صرف ٹی وی پر یا پھر میگزین میں دیکھا تھا' یہ سب کچھ اس کے سامنے تھا وہ پلکیں جھپکنا ہی بھول گئی۔

''نکلیے محترمہ! آیئے''۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی محویت توڑنے لگا مگر وہ تو خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

''یہ یہاں کیوں......؟''

''میرا کچھ دل کر رہا ہے تمہیں اپنے بارے میں بتانے کا تاکہ تم نیکسٹ ٹائم مجھ سے جب بھی ملو فریش موڈ کے ساتھ ملو''۔

''دیکھیے! اگر آپ نزہت آنٹی کی باتوں کی وجہ سے اتنا مجھ پر مہربان ہو رہے ہیں تو سوری' میں ایسا بالکل نہ چاہوں گی اور نہ کروں گی''۔ خاصی محتاط انداز میں وہ اس سے مخاطب ہو رہی تھی اور پھر وہ کیا کچھ نہیں جانتی تھی اس کی ایک ایک بات جو وہ ہر بات کے شروع میں اپنے بابا کا ذکر کرتا تھا' کتنے غصے والے تھے وہ اور ایک غریب انجان لڑکی کو اپنی بہو بنا لیں گے' کبھی نہیں' اسے تو دھتکار کے نکالیں گے ہی اس کی وجہ سے حمود کو بھی نکال دیں گے اور اپنی وجہ سے مزید حمود کو کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہ رہی تھی اسی لیے اس نے اپنا رویہ بھی کچھ رُوڈ بنا لیا تھا۔

''مجھے آپ واپس وہیں چھوڑ دیں جہاں سے لے کے آئے ہیں''۔ وہ گاڑی میں اسی طرح جمی ہوئی بیٹھی تھی۔

''تمہاری زبان تو بہت چلتی ہے اور تم حد سے زیادہ بے مروت بھی ہو''۔

''کہہ تو رہی ہوں آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں اتار سکتی ہوں اور کیا کہوں' مگر میں اتنی بھی خودغرض نہیں ہوں کہ اپنی وجہ سے آپ کو مزید مشکل میں ڈالوں''۔

''جب اوکھلی میں سر دیا تو موصلوں سے کیا ڈرنا' نکلو باہر جلدی''۔ وہ کچھ سخت اور درشت لہجے میں بولا۔ منتہیٰ کی تیوری پر ناگواری کے بل پڑ گئے مگر وہ اَن سنی کر کے بیٹھی رہی۔

''سنائی کم دیتا ہے' نکلو باہر''۔ ہاتھ پکڑ کے نکالا' وہ گرتی پڑتی چادر سنبھالتی ہوئی گاڑی سے باہر آئی تھی۔

''حد ہوتی ہے ہر بات کی' کیوں آپ زبردستی کر رہے ہیں؟''

''بھولو مت تم میری بیوی ہو''۔ وہ خاصے رعب اور حق سے اس کی فسوں خیز آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا تھا' منتہیٰ نے نگاہ پھیر کے لب بھینچ لیے۔

''سیدھی طرح چلتی ہو یا پھر تمہیں اٹھا کر لے جاؤں اندر''۔ منتہیٰ پیر پٹختی ہوئی آگے آگے چلنے لگی' حمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تمہیں پتہ ہے کہاں جانا ہے جو چل پڑیں''۔

''اونہہ''۔ وہ اس کے منہ لگنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔ گلاس ڈور کھول کے اندر آ گئے تھے اور پھر اندر کی جانب اسے لے کر بڑھتا ہی رہا' وہ کچھ نہ بولی تھی' لفٹ آئی اور پھر کوریڈور اس کے بعد ایک روم کو کی رنگ سے کھول کر اندر آ گیا' منتہیٰ تو بے ہوش ہونے کے قریب ہی ہو گئی' اتنا خوبصورت جدید اسٹائلش فرنیچر کے ساتھ کمرہ خوابناک ماحول میں ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا' وسیع و عریض بیڈ اس پر تکیہ اور کشنز ایک سائیڈ پر صوفہ سیٹ اور کرسٹل کی نیلی دبیز پردے کھڑکیوں پر پڑے تھے' فل اے سی کی ٹھنڈک کمرے میں ایئر فریشنر کی بھینی بھینی مسحور کن مہک نے اس کے حواسوں کو کچھ مسرور سا کیا تھا' حمود نے سارے شاپرز بیڈ پر رکھے۔

''کہاں کھو گئیں؟'' وہ بولا تو اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

''آں......ہاں......'' چونک کے وہ گھومی تھی' حمود کی ذہانت سے بھرپور بھوری بھوری آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''پسند آیا میرا آئیڈیا''۔

''کیسا آئیڈیا؟'' وہ بڑبڑائی۔

''ارے یہی کہ آج چند گھنٹے ہم ساتھ گزاریں گے' کچھ میں تمہیں بتاؤں گا کچھ تم بتانا''۔ وہ مسکرایا۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں پوچھنا اور رہا اپنے بارے میں بتانا' میں آپ کو بتا چکی ہوں''۔ وہ آواز کو نا چاہتے ہوئے آہستہ رکھ کر گویا ہوئی۔

''ارے تم تو بہت ہی اڑیل اور ضدی لڑکی ہو' جیسے مجھ سے دھونس اور رعب سے نکاح کیا ہے تم اسی طرح ہر بات مجھ سے منوانا چاہتی ہو''۔ حمود اس کے روبرو آ کے کھڑا ہوا جو لب کچل رہی تھی۔ دل کی دھک دھک اتنی تیز تھی کہ وہ جتنا پراعتماد بننے کی کوشش کر رہی تھی اتنی ہی حمود کے ایسے اپنائیت بھرے لہجے پر وہ جیسے پگھلنے لگی تھی' اس نے تو حمود کے بارے میں سوچنا تک شروع نہیں کیا تھا' کیونکہ اس پر وہ کوئی حق نہیں رکھتی تھی' صرف چند بول سے کسی کی زندگی پر قابض تو نہیں ہو سکتی اور پھر یہ معاشرہ' یہاں سگے رشتے اپنے نہیں ہوتے تو غیروں کا کیا بھروسہ' اس نے حمود پر بھروسہ کیا زبردستی اسے مجبور کیا صرف اس لئے کہ وہ لڑکی تھی مجبور و بے کس' کم از کم اس کے ساتھ نام کا سہارا تو ہوگا' ہر ایک کو یہ تو بتا سکے گی کہ وہ شادی شدہ ہے' کچھ تو اس کا تحفظ رہے گا' پلٹ کر گاؤں تو جانا ہی نہ تھا' اپنے چچا کی وجہ سے جو اسے ڈھونڈنے کے لیے اپنے پالتو کتے اب تک دوڑا چکا ہوگا شاید۔

''پلیز! میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی' آپ بات کو سمجھیے''۔ وہ قدرے توقف کے بعد روہانسے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ میں کیا اب سکون سے ہوں' ابھی بھی مشکل میں ہوں''۔ کچھ برہم ہوا۔

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں' خوامخواہ آپ اگر میری وجہ سے کسی مشکل میں پھنس گئے میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی''۔

''بولتی بہت ہو' سنتی ہو اور نہ سمجھتی ہو' بیٹھو ادھر اور ایک لفظ بھی اب بولیں نا' میں رکھ کر جھانپڑ لگا دوں گا''۔ وہ دھمکی دینے لگا' منتہیٰ نے حیرانگی سے اس کی بھوری آنکھوں کے غصے کے شرارے دیکھے تو وہ نگاہ جھکا گئی' حمود نے اس کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ ہی بیٹھا۔

''تم اب میری صرف سنو گی' بیچ میں اگر بولی تو بہت برا ہوگا تمہارے لیے''۔ منتہیٰ خود کو اتنی بے بس اور لاچار سمجھ رہی تھی کہ اس شخص کے سامنے اتنی خاموش ہو کر بیٹھنا اور ڈانٹنا اس کے رعب میں آنا یہ سب اس کے لیے بالکل نیا ہی

تو تھا ورنہ اس نے کب سوچا تھا کہ ایسی سچویشن بھی کبھی اس پر آ سکتی ہے۔

''میرا نام حمود سالار ہے' میں پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں' میرے بابا خاصے اصول پرست آدمی ہیں اور میری ماں وہ یوں سمجھو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ ہیں کہ میرے بابا کے اتنے غصے کے باوجود اتنی میٹھی ہیں' ہمارا گارمنٹس کا بزنس ہے' ہماری زیادہ تر ڈیلنگ باہر ممالک سے ہوتی ہیں' مجھ سے چھوٹی ایک بہن ہے راحمہ 9th کلاس میں پڑھتی ہے' اب تم یہ خود اندازہ کر لو مجھ سے کتنی چھوٹی ہوگی' ہم صرف دو بہن بھائی ہیں ہمارے بزنس میں پارٹنرشپ ہوئی ہے' بابا کے جو پارٹنر ہیں نیاز احمد ان کی بیٹی ہے حمنیٰ' جو مجھے دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے مگر میں نے اسے کبھی رسپانس ہی نہیں دیا' بابا کی آج کل کوشش ہے کہ میں کسی طرح بھی اس سے شادی پر راضی ہو جاؤں''۔

''تو ہو جایئے نا''۔ منتہیٰ نے اتنی تفصیل سننے کے بعد اتنا ہی کہا۔

''تمہیں میں صرف بتا رہا ہوں' مشورہ نہیں مانگا''۔ وہ بھنا کے کھڑا ہو گیا۔

''یہ سب بتا کر آپ مجھ پر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟''

''تم نے میری اتنی بکواس سنی مگر تم اسی طرح ہی اکڑی ہوئی ہو''۔ حمود کے تو آگ لگنے لگی۔

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''میں جو چاہتا ہوں تمہیں بتا دوں گا' تم جلدی سے شروع ہو جاؤ اپنے بارے میں بتانا''۔

''میں آپ کو سب کچھ بتا چکی ہوں' اب کچھ نہیں بتاؤں گی''۔ وہ سرد مہری دکھانے لگی۔

''اوکے نہ بتاؤ مگر تم اپنے دماغ میں یہ بٹھا لینا' میں ایک اصول پرست اور پٹھان قبیلے کا ہوں' اپنی بات ایک رکھتا ہوں جو کرتا ہوں پورا کر کے دکھاتا ہوں''۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

''اتفاق سے میں بھی پٹھان ہی قبیلے کی ہوں''۔ اگر بولی تو اتنا ہی۔

''اچھا آگے بولو''۔ حمود چونک گیا۔

''آگے بول کے کوئی فائدہ نہیں ہے' یہ بتا دیں کہ ہمیں کب چلنا ہے یہاں سے''۔ انداز میں لہجے میں ناگواری بے زاری اور اکتاہٹ آ گئی۔

''تم میں بالکل میرے بابا والی عادت ہے اپنی بات پر ڈٹے رہنا''۔

''تاہم دیکھ لیں کیونکہ بقول آپ کے بابا کے وہ گولی پہلے چلاتے ہیں وجہ بعد میں پوچھتے ہیں''۔ طنز ساتھ ہی بولی۔

''طنز کرنے بھی آتے ہیں تمہیں تو''۔

''کیا کروں جب حالات ہی ایسے ہو جائیں تو لب و لہجہ خود ہی طنزیہ ہو جاتا ہے ورنہ میں بھی کوئی ایسی تلخ نہیں تھی اچھی خاصی خوش گفتار مشہور تھی''۔

''اُف......تم تو نہ صرف ایک فلاسفر ہو بلکہ اردو دان بھی اچھی ہو''۔ حمود کھسیا گیا۔

''کاش......فلاسفر ہی ہوتی کم از کم میں حالات کا بیٹھ کر تجزیہ ہی کرتی رہتی' اتنے مصائب اور رنج و الم کا شکار تو ہوتی''۔ اس کی پھر روانی میں زبان چلنے لگی تھی۔

''اٹھو چلو' تم تو اچھی خاصی میرے دماغ میں خشکی کر دو گی ایسی خشک باتوں سے''۔ اس نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی' گیارہ بجنے والے تھے کھانا بھی دونوں نے نہیں کھایا تھا۔ سارا سامان اس نے گاڑی میں رکھوایا

اس کا ڈنر پیک کروا کے اسے گھر چھوڑا تھا مگر اس کے دل و دماغ کو وہ جیسے ہلا کر رکھ گئی تھی' وہ اتنی مختلف تھی اتنی مختلف سوچیں اور باتیں تھیں کہ حمود تو چکرا کر ہی رہ گیا تھا' نہ اور لڑکیوں کی طرح ہی اس میں اتراہٹ تھی' کچھ تو تھا جو اسے نمایاں کرتا تھا' وہ سب سے جدا ہی لگی تھی ہر انداز میں۔

............☆☆☆............

کب سے وہ بیٹھا سوچوں میں گم تھا' کل کی ساری باتیں اور منظر اس کے دماغ میں فلم کی طرح چل رہے تھے' نہ وہ بار بار اسے دیکھتی تھی اور نہ ہی وہ اپنی جانب اسے متوجہ کرتی تھی' ہر بات میں اس کے اکڑ دکھائی دی ورنہ تو ہر لڑکی اس کی دوستی کی خواہش مند تھی' تحسین تو ہر وقت اپنا آپ نچھاور کرنے کو تیار رہتی تھی اور ایک وہ تھی جسے ذرا بھی پرواہ نہ تھی اور نہ ہی اس رشتے کا خیال کر رہی تھی کہ جو اس سے جڑ چکا تھا' وہ ریوالونگ چیئر سے اٹھا ٹیبل پر دھرا موبائل اٹھایا تاکہ وہ کچھ تو خبر لے سکے' نمبر وہ پریس کر رہا تھا بیل جا رہی تھی کتنی بار جانے کے بعد کال ریسیو ہوئی تھی۔

''حمود اسپیکنگ''۔ گھمبیر لہجے میں آہستگی سے گویا ہوا۔

''جی...... میں بول رہی ہوں''۔ کچھ نروٹھی سی آواز آئی۔

''شکر ہے تم نے موبائل تو آن رکھا ہوا ہے''۔ وہ چیئر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''اس لیے آن رکھا ہے کہ مجھے موبائل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے پیسوں کی' مجھے یہی کہنا تھا آپ آ کر لے جائیں''۔

''میں نے تمہاری ضرورت کے لیے نہیں اپنی ضرورت کے لیے تمہیں موبائل دیا ہے''۔ وہ خاصا نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''پلیز! مجھ پر مزید مہربانیاں نہ کریں' میں جانتی ہوں میری اوقات کیا ہے' پھر بھی آپ سے اپنی اوقات سے زیادہ مانگ لیا ہے' میں اس قابل کہاں ہوں''۔ اس کا لہجہ تک بھیگا ہوا تھا۔

''تم میں لگتا ہے کسی مفکر کی روح ہے' تم نے سوچ لیا ہے مجھ سے ایسے ہی رُوڈ انداز میں بات کرنی ہے''۔ وہ برہم ہوا۔

''آپ بات کو گھمانے کی کوشش نہ کریں' آپ اپنی چیزیں آ کر لے جائیں''۔

''چیزوں کے ساتھ تو مجھے چیزوں کو استعمال کرنے والی بھی چاہیے' بولو راضی ہو تو لینے آ جاؤں''۔ شوخ اور معنی خیز انداز میں گویا ہوا۔

''مسٹر حمود سالار! زندگی کوئی کھلونا نہیں ہے کہ اسے ہم اپنی مرضی سے کھیلیں' اس لیے پلیز سوچ سمجھ کر کوئی بھی بات کیجیے''۔ وہ تیز آواز میں بولی۔

''مجھے پتہ ہے زندگی کیا ہے اسی لیے تو تمہاری تمنا کر رہا ہوں' کیا غلط ہے؟''

''آپ مجھے جانتے تک نہیں ہیں اور پھر اگر آپ مجھے لے بھی گئے تو آپ کے والدین قبول کر لیں گے مجھے؟''

''میں کرواؤں گا''۔

''سوری میں ناپسندیدہ بن کے نہیں آ سکتی' آپ کی زندگی میں آپ کے والدین کے کیا کیا ارمان ہوں گے' اس لیے میں صرف آپ سے یہی کہنا چاہوں گی کہ میرا خیال چھوڑیے اور اپنے والدین کی پسند سے شادی کر لیں''۔ اتنا

ٹوٹا ہوا اس کا لہجہ تھا جو حمود محسوس کر رہا تھا' وہ مجبور اور بے بس تھی' وہ اگر اسے یقین بھی دلاتا تو وہ یقین ہی کب کرتی کہ وہ نامحسوس طریقے سے اس کے دل کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

''میں نے صرف آپ کا نام مانگا تھا' آپ کا ساتھ نہیں مانگا تھا''۔

''تم اتنا بولتی ہو اور عقلمند بھی بہت ہو' ارے ایک لڑکا تمہیں خود اپنانے کو تیار ہے' تم انکار کر رہی ہو''۔ اسے منتہیٰ کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل ہی ہو گئی ہو۔

''اگر آپ مجھے اپنا بھی لیں گے تو آپ کے گھر والے تو مجھے نہیں اپنائیں گے نا''۔

''میں وعدہ کر تو رہا ہوں' تمہیں اپنے گھر میں مقام دلا کر ہی رہوں گا''۔ حمود نے دل سے ہی فیصلہ کیا تھا اور وہ اتنا بھی بے حس نہیں تھا کہ لڑکی کو یوں رُلنے کے لیے چھوڑ دے۔

''مجھے نہیں چاہیے کوئی مقام' میں جیسی ہوں ویسی ہی رہنے دیں کیونکہ جو راہ چلتے ہوئے رشتوں میں بندھ جاتے ہیں انہیں نہ تو معاشرہ قبول کرتا ہے اور نہ ہی گھر والے''۔

''میں نے تمہاری اتنی ثقیل گفتگو سننے کے لیے کال نہیں کی تھی' تمہاری خیریت پوچھنی تھی' کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک مجھے کال کر سکتی ہو' یاد رکھنا تم حمود سالار کی منکوحہ ہو''۔

''حمود! میں کب سے کال کر رہا ہوں' کہاں بزی ہو؟'' ہشام سالار برہم سے اس کے روم میں چلے آئے' وہ تو گڑبڑا ہی گیا' موبائل جھٹ آف کیا۔

''جی...... وہ...... بابا...... میں''۔ اس کے تو پسینے چھوٹ گئے۔

''نیاز احمد آیا ہوا ہے ساری فائلز لے کر تم میرے روم میں آؤ''۔ وہ اس کا چہرہ حیرانگی سے دیکھنے لگے جو بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

''خیریت یہ تم اتنے پسینے پسینے کیوں ہو رہے ہو جبکہ اے سی بھی فل ہے''۔ انداز میں ان کے تشویش تھی۔

''وہ اصل میں بابا! میرے سر میں درد ہو رہا ہے''۔ اس سے تو جواب بھی نہیں بن رہا تھا۔

''تم ایسا کرو کچھ دیر باہر چلے جاؤ' فائلز تم کسی کے ہاتھ بھیج دو''۔ وہ کبھی کبھی ہی اتنے نرم لہجے میں بولتے تھے ورنہ تو ان کی نگاہیں حمود کو جانچتی ہی رہتی تھیں۔

''اُف...... بچ گیا''۔ اپنے گھنیرے بالوں میں ہاتھ پھیرا' موبائل اٹھایا' دوبارہ نمبر پریس کیا۔

''سوسوری' وہ بابا آ گئے تھے''۔ منتہیٰ کی آواز سن کے وہ گویا ہوا۔

''کب تک آپ اس طرح اپنی زندگی گزاریں گے' ایک دن آپ کے بابا کو پتہ چل جائے گا' وہ گن پوائنٹ پر آپ کو اور مجھے گھر سے نکالیں گے''۔ وہ طنز میں ڈوبی بول رہی تھی۔

''یہ میرا مسئلہ ہے' لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں تمہیں اس گھر میں لا کر رہوں گا''۔ حمود کو بھی اس لڑکی سے لگ رہا تھا لگاؤ ہو رہا تھا جب ہی کل سے اب تک وہ اسے ہی سوچے جا رہا تھا' وہ خود پر حیران تھا کہ اتنے سالوں سے کبھی اس نے ایسا سوچا ہی نہ تھا۔

''لیکن میں آپ کے گھر میں نہیں آنا چاہتی' سنا آپ نے''۔ وہ زور دے کر بولی۔

''تم مجھے چیلنج نہیں کرو''۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''اب تو زندگی ہی میرے لیے چیلنج بن گئی ہے' میں کیا کسی کو چیلنج کروں گی''۔ اس کے لہجے میں افسردگی' حسرت'

مایوسی سب ہی کچھ تو تھا۔

''زندگی بہت خوبصورت ہے' چیلنج تم بنا رہی ہو' آسان طریقے سے بھی گزار سکتی ہو''۔ اس کی ایسی باتوں سے چڑنے لگا تھا۔

''سوری' مجھے کافی کام کرنا ہے' آپ اپنے پیسے اور موبائل آ کر لے جایئے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' میں ا بوجھ خود اٹھاؤں گی' آپ پر ڈالنا نہیں چاہتی''۔

''تمہیں بتایا ہے نا میں اپنی بات کو نبھانے والا بندہ ہوں' تم چاہے مجھ سے کتنا دامن بچاؤ مگر میں تمہارا پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں' ملتجیٰ حمود سالار!'' پورا نام لے کر اسے یہ جتایا کہ وہ اب کیا ہے۔ ایک دم ہی لائن کٹ چکی تھی کیونکہ ملتجیٰ سے شاید برداشت نہ ہوا تھا' نہ اس کے پاس کوئی جواب تھا۔

''میں بھی دیکھتا ہوں تم کتنی اپنی مرضی چلاتی ہو' یہ میرا تم سے وعدہ ہے تمہیں اپنے گھر میں لا کر ہی رہوں گا''۔ سوچ رہا تھا' اسے بھی کچھ ضد سی ہو گئی تھی۔

''حمود سالار کو تم نے چیلنج کیا ہے اور میں یہ چیلنج قبول کرتا ہوں''۔ موبائل کو اپنے ہاتھ میں گھما رہا تھا' انٹر کام بجا تو چونکا۔

''یس بابا! بس میں لے کر آ رہا ہوں''۔ وہ شپٹا ہی گیا کیونکہ کافی دیر سے وہ فائلز کا کہہ کر گئے تھے' وہ یکسر بھلا کر بیٹھا ہوا تھا۔

............☆☆☆............

سمیرا کو بالکل ہی چپ لگی ہوئی تھی' وہ کچھ بھی نہیں پوچھ رہی تھیں' عنایہ کو ان کی لاتعلقی خون کے آنسو رلا رہی تھی' وہ اتنی خودغرض کیوں تھیں کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہی تھیں' شروع سے ہی بدلہ لینے کی پڑی رہتی تھی اور ایک آنی تھیں جو ہمیشہ درگزر کا ہی سبق دیتی تھیں' ذرا بھی تو ان کی بات نہ مانتی تھیں' ہماری محبت میں چلی آتی تھیں۔

''آنی! امی تو کچھ پوچھ ہی نہیں رہی ہیں کہ کیا کیا تیاری کرنی ہے''۔ وشہ افسردگی سے بولی۔

''اس کے مزاج سے تو تم واقف ہی ہو' نہیں پوچھ رہی ہے تو نہ پوچھے' میں تو پوچھ رہی ہوں''۔ انہوں نے وشہ کو ساتھ لگایا۔

''وشہ باجی! میں آپ کی شادی پر ایک ہفتے پہلے رہنے آؤں گی''۔ نشاء بولی' آج تو وہ بھی آئی تھی ورنہ اکثر پڑھائی کی وجہ سے آنی اسے نہ لاتی تھیں۔

''اس نے تو ابھی سے میرا دماغ کھا کے رکھا ہوا ہے''۔ ثمینہ نے نشاء کو دیکھا جو وشہ کے جہیز کا سامان دیکھ رہی تھی۔

''آنی! بھیج دیجیے گا' کم از کم گھر میں اس کی وجہ سے ہی رونق ہو جائے گی ورنہ آپ تو جانتی ہی ہیں' دادی جان کے گھر سے کوئی کزن بھی نہیں آتا ہے' صرف امی کی وجہ سے''۔ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''تم دیکھنا تمہاری شادی کے بعد سارے مسئلے حل ہو جائیں گے' سمیرا بھی ٹھیک ہو جائے گی''۔ انہوں نے تسلی دی۔

''آنی! مجھے آپی سے پہلے اپنی شادی کچھ عجیب سی لگ رہی ہے' ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی''۔ رہ رہ کر

اسے عنایہ کا بھی خیال آ رہا تھا۔

''بہت صابر بچی ہے' اس کی قسمت اللہ تعالیٰ اچھی کرے' تم فکر نہ کرو وہ ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہے' اس کے دل کو پھر تو اطمینان ہے کہ اس کی بہن بھی اسی گھر میں جا رہی ہے جہاں وہ جائے گی''۔ انہوں نے وشہ کو سمجھایا۔

''پھر بھی آنی! آپی تو کچھ بھی نہیں بولتی ہیں' ساری شاپنگ تیاریاں وہی کر رہی ہیں''۔

''سمجھو عنایہ کے لیے یہ آزمائش ہے چند دن کی' سب ٹھیک ہو جائے گا جلد ہی' بس دل میں اللہ پر یقین رکھو اور مثبت سوچو' دیکھنا وہی ہو گا جو تم چاہو گی' مگر شرط یہ ہے کہ دل کو صاف کر کے اللہ کی رسی کو تھامو''۔ ثمینہ ہمیشہ ہی دونوں بہنوں کو مثبت انداز میں سمجھایا کرتی تھیں اور پھر ان کی خود کی سوچ بھی تو ایسی ہی تھی' اچھا سوچو اور اچھا کرو تو وہی ہو گا تمہارے ساتھ۔

''مجھے تو آنی! کچھ بھی نہیں آتا ہے' میں کیسے سب کروں گی؟'' اب نئی فکر سوار کر لی۔

''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے' تمہاری تائی وغیرہ سب ہی اچھے ہیں' سب کر لو گی آرام سے''۔ انہوں نے اس کے رخسار پر تھپکی دی۔

''آپ کو نہیں پتہ' وہ مائز بہت لڑتے ہیں''۔

''ارے وشہ! کزنز میں سب چلتا ہے' بیٹا اتنی ٹینشن مت سوار کرو' اچھا لڑکا ہے میں بھی ملی ہوں''۔ انہوں نے تسلی دی۔

''اچھا میں ذرا سمیرا کی خیر خیریت پوچھ لوں ورنہ ناراض ہو گی وہ''۔ ثمینہ کو خیال آیا۔

''اچھا آج تو آپ رکیں گی ناں؟''

''بیٹا! آج نہیں رک سکتی میں کیونکہ کل فرزان کا یونیورسٹی میں کوئی فنکشن ہے' مجھ سے کہہ رہا تھا کہ چاٹ وغیرہ بنا کر دیں وہ میں لے کر جاؤں گا''۔ انہوں نے عذر پیش کیا۔ وشہ کا منہ اتر گیا' جب بھی ثمینہ آتی تھیں دونوں بہنیں ہی خوش ہوتی تھیں' زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارنے میں مزا بھی آتا تھا پھر ان کے مسئلے بھی سنتی تھیں اور حل بھی کرتی تھیں۔

''کتنی تیاری اور رہ گئی ہے وشہ کی؟'' ثمینہ نے ان سے پوچھا جو لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں صوفے پر ٹیک لگائے۔

''جس کی مرضی سے یہ شادی ہو رہی ہے اسے ہی پتہ ہو گا تیاری کا بھی' اونہہ''۔ انہوں نے ہنکارا بھرا۔ عنایہ کچن سے سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی' کتنا اس کا دل افسردہ ہوتا تھا' ذرا بھی وہ کسی بھی کام میں دلچسپی ہی نہیں لے رہی تھیں۔

''سمیرا! اب بس بھی کرو' وشہ بیٹی ہے تمہاری' دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کرو''۔

''میرے بچوں کے لیے دعائیں ہر وقت ہیں مگر جو کچھ یہ جواد احمد نے کیا ہے بہت برا کیا ہے' دیکھنا وہ سب میری بیٹیوں سے میرے بدلے نکالیں گے''۔ وہ تیز لہجے میں روہانسی آواز میں گویا ہوئیں۔

''حد ہوتی ہے سمیرا! غلط سوچنے کی' وہ کیوں بدلے نکالنے لگے' تم نے کیا ایسا کیا ہے کہ جوان معصوم بچیوں کے ساتھ وہ ایسا کریں گے''۔ ثمینہ کو ان کی منفی سوچوں پر بہت ہی حیرانگی اور افسوس ہوتا تھا۔

''وہ لڑکا مائز اتنا منہ پھٹ ہے کہ ذرا لحاظ نہیں کرتا ہے بڑے چھوٹے کا''۔ اکثر مائز ہنسی ہنسی میں اتنا طنز کر جاتا تھا کہ وہ صرف گرم گرم گھونٹ اندر بھرنے کے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

''اچھا' اب جو بھی ہے وہ تمہارا داماد بننے جا رہا ہے''۔

''ارے ثمینہ! عقل دو جواد کو کہ ان بچیوں کی عمر نہیں ہے کہ شادی کی جائے' انہیں گھر داری کا بھی ذرا پتہ نہیں ہے''۔ وہ پوری کوشش میں تھیں کہ کسی طرح بھی یہ شادی رُک جائے۔

''دیکھو! تم میری بات سنو' ہماری وشہ کا اس سال بی اے مکمل ہو جائے گا' اس کے بعد تو شادی کرنی ہی ہے نا اور پھر عنائیہ کی عمر ایسی ہے اس کی تو اب ہو جانی چاہیئے''۔ وہ بولیں۔

''میری کون سی اتنی عمر تھی شادی کی جو سب نے کر دی تھی' اسی کا ہی نتیجہ تھا کہ مجھے کچھ نہ آیا''۔ وہ اپنی بات درمیان میں لے آئی تھیں۔

''ہاں تو تم اتنی معصوم بچی تھیں کہ فیشن کی ساری خبریں تھیں' اگر نہیں خبر تھی تو گھر داری کی''۔ ایسے موقعوں پر جواد احمد ضرور بولتے تھے' سمیرا تو دانت پیسنے لگی تھیں۔

''ہاں آ جاؤ تم بھی' کیونکہ تمہیں بہت سکون ملتا ہے مجھے سنانے میں''۔

''ثمینہ بہن! آپ کی اس بہن کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ زیادہ عقلمند ہیں''۔ جواد احمد گویا ہوئے۔

''تم سے زیادہ مجھے سمجھ ہے کہ لڑکیوں کی شادی کب کرنی ہے؟'' سمیرا تڑخ کے بولیں۔

''تم پر اگر میں نے اپنی بیٹیوں کو چھوڑا نہ' ساری عمر بھی نہ کرواؤ گی شادیاں''۔ کیونکہ وہ اس دن ان کی سہیلی سائرہ کی گفتگو جو سن چکے تھے۔

''میں جواد بھائی اسے یہی سمجھا رہی ہوں کہ یہ شادی کی ساری تیاریاں خود کرے''۔

''بس ثمینہ! تم مجھے اپنے مشورے نہ دو تو اچھا ہے''۔ ذرا بھی تو وہ اپنی بہن کا لحاظ نہیں کرتی تھیں۔ ثمینہ خفیف سی ہو گئی تھیں مگر وہ کبھی سمیرا کی تلخ اور کڑوی باتوں کا بُرا نہیں مانتی تھیں کیونکہ وہ شروع سے صلح جو طبیعت کی تھیں' اپنی بہن کو بچپن سے ہی دیکھتی آ رہی تھیں' ایسی تنک مزاج اور اپنے حسن کی تعریفوں پر خوش ہونے والی تھیں۔

''کسی نے کتنا سچ کہا ہے کہ ضروری نہیں کہ جن کی شکل اچھی ہو وہ بات بھی اچھی کرے''۔ جواد احمد طنز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے۔

''دیکھا تم نے' یہ انسان میری ایسے ہی تضحیک کرتا ہے''۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اپنی مظلومیت دکھا کر اشارے کرنے لگی تھیں۔

''تم کس لہجے میں ان سے بات کرتی ہو' تم نے سوچا ہے کبھی سمیرا! جواد بھائی تمہارے شوہر ہیں ان کی عزت کرو''۔

''ایسے آدمی کی میں عزت کروں جو مجھے دھتکارتا رہتا ہے''۔ وہ رونے لگی تھیں' عنائیہ سے دیکھا ہی نہیں جا رہا تھا کہ اپنی ماں کو روتے ہوئے دیکھے۔

''تم دیکھنا میں وشہ کی شادی ہونے ہی نہیں دوں گی''۔ وہ غصے میں اتنی وحشت زدہ لگ رہی تھیں کہ عنائیہ کا دل دھک دھک کرنے لگا' ثمینہ تو سر پکڑ کے ہی بیٹھ گئی تھیں' سنا وشہ نے بھی تھا' جو نشاء کے ساتھ اپنے کپڑوں کی سیٹنگ کر رہی تھی۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 10 -

سلسلے وار ناول

چاہت دل کی چاہت
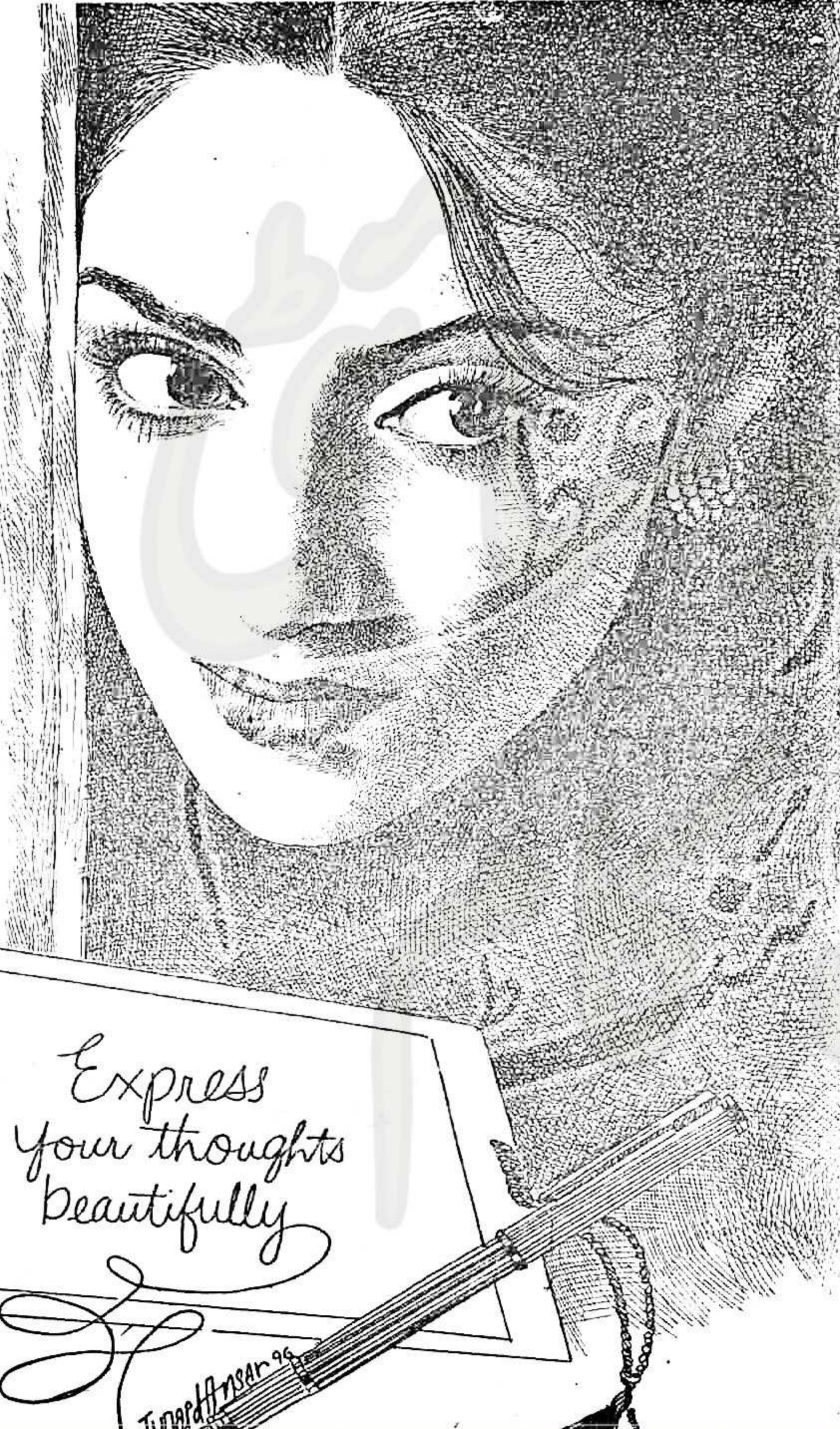
محریب کو ذرا فرصت نہ تھی کیونکہ وہ مائز کی ساری تیاریاں خود کر رہا تھا' اس کے کمرے تک کا کلر چینج کروایا' نیو فرنیچر سب کچھ ہی نیا ڈلوایا تھا۔ پھر اسے آفس بھی دیکھنا ہوتا تھا' اس نے خود کو مصروف کر لیا تھا کیونکہ مائز کی پڑھائی کی مصروفیت تھی' لے دے کر ساری ذمہ داری اس پر ہی تھی' اس دوران اس نے عنایہ کو بھی یکسر فراموش جیسے کیا ہوا تھا' اتنی اسے تھکن ہو رہی تھی کہ وہ ڈھیلے سے انداز میں کاؤچ پر دراز تھا' فائق کب سے اسے دیکھ رہا تھا اسے کچھ بات جو کرنی تھی۔

''محریب بھائی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ کچھ شاکی بھی ہوا۔

''نہیں یار! ٹھیک ہے' وہ بس تھکن سی ہو رہی ہے''۔ وہ سیدھا ہوا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی''۔ وہ قدرے توقف کے لیے رُکا۔

''محریب بھائی! دادی جان بلا رہی ہیں آپ کو''۔ رافع نے آکر ہانک لگائی۔ دونوں ہی کی توجہ اس کی جانب ہوگئی تھی۔

''اچھا آتا ہوں''۔

''آپ ایسا کریں' دادی جان کے پاس حاضری لگائیے' میں آپ سے رات کو آپ کے کمرے میں آکر بات کرتا ہوں''۔ وہ بھی کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔

''او کے''۔ محریب نے بھی تردد نہ کیا۔

وہ جیسے ہی کمرے میں آیا رافع نے کھانسنا شروع کر دیا کیونکہ سامنے عنایہ جو بیٹھی تھی' محریب جھینپ سا گیا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک کروں''۔ اس نے رافع کو گھورا' وہ لب بھینچ کر ہی رہ گیا کہ اگر مزید کوئی شرارت کی تو خیریت نہیں تھی۔

''آؤ میرا بچہ''۔ دادی جان نے اپنے قریب ہی بیڈ پر جگہ بنائی جبکہ عنایہ ایزی چیئر پر بیٹھی تھی' کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی۔

''بیٹا! ہم تو تمہاری صورت کو ترس گئے ہیں' ایسی بھی تیری کیا مصروفیت''۔ وہ ناراضی کے ساتھ شکوہ بھی کرنے لگی تھیں۔

''آپ کو پتہ ہی ہے کہ کتنے کام ہیں جو مجھے ہی کرنے ہیں''۔ وہ جان بوجھ کر اب عنایہ کو اگنور کرنے لگا' خوامخواہ ہی جز بز سی ہو رہی تھی۔

''دو گھڑی اب تو تجھے دادی کے پاس بیٹھنے تک کا ٹائم نہیں ہے اور یہی عنایہ کا حال ہے' میں نے آج رافع کو بھیج کر اسے بلوایا ہے' بچی کو دیکھے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ مدت گزر گئی ہے''۔ انہوں نے کہا۔ محریب نے مسٹرڈ اور بلیک جارجٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اس کا نازک موہنا سا مکھڑا دیکھا جو اسے آج کچھ ستا ہوا لگ رہا تھا' جانے کیوں وہ اس کے معاملے میں اتنا سخت بنتا جا رہا تھا' وہ جو سب کی فکر کرتا تھا اور عنایہ سے تو اس کی آج تک ہلکی سی بھی جھڑپ نہیں ہوئی تھی' اس سے اس دن ایسی تلخ اور کڑوی باتیں کی تھیں کہ بعد میں خود کو ملامت ہی کرتا رہا تھا۔

''آپ مجھے یہ بتائیے کہ انہیں کیا آپ نے مار کے بٹھایا ہے جو یہ اتنی خاموش بیٹھی ہیں''۔ اس نے اپنی عادت کے خلاف ذرا شوخی سے عنایہ کو دیکھ کر اشارہ کیا۔ عنایہ جھینپ کر پہلو بدلنے لگی' وہ حیران بھی ہوئی کہ محریب اور اتنا شوخ انداز' سماعتیں اور بصارتیں یقین نہیں کر رہی تھیں۔

''وہ ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ عنایہ نے ہی جھٹ جواب دیا۔ محریب کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''دادی جان! میں ذرا فریش ہولوں' بہت تھک گیا ہوں''۔ وہ ان کے ہاتھ تھام کے کچھ مسکرا کے پوچھنے لگا۔

''ٹھیک ہے جا''۔ انہوں نے خوشدلی سے اجازت دی۔ عنایہ کو ایسا لگا کہ اس کی سانسوں کو وہ کھڑا ہوا روک رہا ہو' اتنی وہ گھبرائی ہوئی تھی کہ محسوس یہ ہوا کہ اس کا ہر انداز محریب کو ناگوار ہی گزرے گا مگر خود کو بہت کنٹرول کیے بیٹھی رہی تھی۔

''دادی جان! میں ابھی آتی ہوں''۔ وہ کھڑی ہوگئی۔ کیونکہ سوچ کے آئی تھی کہ منتہیٰ سے بھی مل کر آئے گی اسے پتہ تو چل ہی گیا تھا کہ حمود اسے کئی گھنٹوں کے لیے اپنے ساتھ لے گیا تھا' اسے پوچھنا تھا کہ ملاقات کیسی رہی۔ وہ باہر کوریڈور میں آئی' یمنیٰ کو دیکھنے لگی کیونکہ اس کے ساتھ ہی وہ جا سکتی تھی' اس کی ایسی بے تکلفی بھی نہیں تھی تہذیب سے کہ بلا جھجک ہی چلی جاتی۔

''چھوٹی تائی! یمنیٰ کدھر ہے؟'' اس نے انہیں اپنے روم سے نکلتے ہوئے دیکھا تو جھٹ پوچھ لیا۔

''لاؤنج میں تھی فون کر رہی تھی''۔

''اچھا......'' وہ لاؤنج میں ہی آ گئی جو اپنے نوٹس وغیرہ پھیلائے بیٹھی تھی' لگتا تھا پڑھائی کر رہی تھی۔

''مصروف ہو''۔ وہیں سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''نہیں تو' وہ بس آپ کو پتہ ہی ہے نیکسٹ ویک میں پیپر شروع ہونے والے ہیں' وشہ کو پیپرز نہ بتا رہی تھی کہ کیا امپورٹنٹ ہے''۔

''ہاں وشہ بھی بڑی مصروف ہے آج کل پڑھائی میں''۔ وہ مسکرائی۔

''ذرا میرے ساتھ تو چلو' مجھے منتہیٰ سے ملنا ہے''۔ اس نے بھابی وغیرہ نہیں لگایا تھا' کیونکہ اسے منتہیٰ اپنی ہی جیسی لگی تھی تو سہیلی کا رشتہ زیادہ اچھا لگا تھا۔

''چلیے میں یہ اپنے نوٹس ذرا روم میں رکھ کر آتی ہوں''۔ وہ اپنی فائلز سمیٹ کے تیزی سے نکل گئی تھی۔ عنایہ وہیں بیٹھی رہی' گھر میں اس ٹائم خاصی خاموشی تھی کیونکہ مائز اور فائق بھی نہ تھے' چھوٹے تایا' تایا ابو ابھی تک گھر نہیں آئے تھے' مغرب ہو چکی تھی اسے بھی گھر جانا تھا' دوپہر میں ہی تو آئی تھی جب رافع اسے لینے آیا تھا۔

یمنیٰ کے ساتھ وہ چلی آئی تھی' منتہیٰ تو حیران ہی رہ گئی ورنہ تو وہ سمجھی تھی کہ عنایہ بھی دیگر لڑکیوں کی طرح خاصی مغرور سی ہوگی مگر اس نے تو اتنی محبت اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا کہ وہ گنگ رہ گئی۔

''میں آپ کو محریب بھائی کے رشتے سے بھابھو کہہ سکتی ہوں؟'' تہذیب نے عنایہ کو مسکرا کے دیکھا۔

''یعنی تم بھی مائز کی طرح بھابھو ہی بولو گی''۔ یمنیٰ نے شوخی سے کہا۔

''ظاہر سی بات ہے میں محریب بھائی کی بہن ہوئی تو میں بھی مائز بھائی کی طرح انہیں بھابھو ہی کہوں گی''۔ تہذیب نے تفاخر زدہ لہجے میں کہا۔

''بھئی تمہاری مرضی' میں کچھ نہیں کہہ سکتی''۔ وہ جھینپ گئی۔

''یمنیٰ باجی! آئیے آپ کو میں اپنے اسکول کی فرینڈز کی تصویریں دکھاتی ہوں''۔ حکمت اسے بلانے چلی آئی۔

اتنے میں مبینہ ان لوگوں کے لیے کباب اور نمکو وغیرہ چائے کے ساتھ لے آئی تھیں۔

''ارے آنٹی! آپ نے یہ تکلف کیوں کیا؟'' عنایہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

''میرے بیٹے کی ہونے والی دلہن آئی ہے' میں ایسے ہی جانے دیتی کیا''۔ انہوں نے مسکرا کے کہا' عنایہ تو اور ہی جھینپ گئی۔

''میں تو منتہیٰ کی خیر خیریت کے لیے آئی تھی''۔ اس نے خاموش بیٹھی منتہیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا' وہ صرف مسکرا دی۔

''کیوں نہیں ملیے گا پہلے کچھ ہم کھا لیتے ہیں''۔ تہذیب نے پلیٹیں سب کے آگے رکھی تھیں' مبینہ نے خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پھر عنایہ نے ہی منتہیٰ کو مخاطب کیا' سب ہی وہاں سے اٹھ گئے تھے' دونوں بیٹھی تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ خاص نہیں''۔ منتہیٰ نے مسکراتی نگاہ ڈالی۔

''فضول اور غلط بالکل نہیں سوچنا' کیونکہ اچھا سوچو گی تو اچھا ہی ہوگا''۔ عنایہ نے اسے سمجھایا۔

''اگر میں کچھ اچھا سوچوں گی بھی' ضروری نہیں کہ وہ ہو بھی جائے''۔ لہجے میں حسرت' محرومی اور اداسی تھی۔

''اگر خود پر اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین ہو تو اچھا ہی ہوتا ہے''۔

''ایک بات کہوں عنایہ! اب جبکہ تم نے ہی بے تکلفی اور جھجک کی دیوار گرا ہی دی ہے اور میں تمہیں پتہ ہی ہے محریب بھائی کے دوست کی منکوحہ ہوں' تم اچھی طرح جانتی ہو میری اوقات کیا ہے اور وہ حمود سالار' وہ کتنے اونچے گھرانے کا بیٹا ہے' میں تو معمولی سی ان کے گھر کی ملازمہ تو بن سکتی ہوں بہو نہیں''۔

''کیوں امیروں کے گھر غریبوں کی بیٹیاں بہو نہیں بنتی ہیں''۔ عنایہ نے جھٹ نفی کی۔

''لیکن عنایہ! میں جس حیثیت کی ہوں میں جانتی ہوں''۔ اتنی مغموم اور مایوس تھی کہ عنایہ کو اس پر ترس سا آنے لگا۔

''پتہ ہے ہم غریب لڑکیوں کو تو خواب تک دیکھنے کا حق حاصل نہیں ہے' تم ہر خواب دیکھ سکتی ہو' میں تمہارا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی ہوں' تمہیں اتنے لوگ سپورٹ کرنے والے ہیں اور مجھے کوئی بھی نہیں''۔

''تم خود کو ہم سے الگ نہیں سمجھو' تم جاؤ گی حمود سالار کے ہی گھر' یہ میں تم سے کہہ رہی ہوں''۔ عنایہ کے لہجے میں وثوق اور یقین تھا۔

''پلیز! تم مجھے ایسے خواب دیکھنے پر مجبور نہ کرو عنایہ جس کی تعبیر ہی نہیں ہے''۔ وہ رونے لگی۔

''تعبیر دینے والا ہمارا خدا ہے' تم اور ہم بیٹھ کر یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ اس کی تعبیر ہی نہیں''۔

''میں نے اپنے سگے رشتوں کو قریب سے دیکھا ہے اور جو سر راہ چل کر رشتے بنائے جاتے ہیں انہیں تو کوئی قبول ہی نہیں کرتا' پھر وہ ہمیں کیسے وہ مقام دلا سکتے ہیں''۔ لب کچلنے لگی۔

''ضروری نہیں کہ سارے رشتوں میں کھوٹ ہو' تم ایک بار اعتبار تو کرو اس رشتے پر' اسے پانے کی اسے حاصل کرنے کی جستجو تو کرو' کوشش تو شروع کرو' دیکھنا یہ کاغذی رشتہ اتنا مضبوط اور اٹوٹ ہوگا کہ تم خود پر رشک کرو گی' مگر یہ اسی صورت میں ہوگا کہ تم منفی نہ سوچو' نہ حمود سالار کو غلط سمجھو' اس نے تمہارا بیک گراؤنڈ جانے بغیر نکاح کیا ہے جب یہ اس طرح اچانک ہو سکتا ہے پھر تم ایک دن ان کے گھر میں بھی اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق جاؤ گی مگر اس کے لیے اللہ کو ساتھ لے کر چلنا' دیکھنا کامیابی تمہارا مقدر ٹھہرے گی''۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو بھی اسی طرح ہی مثبت اور یقین کا درس دیتی تھی۔

''کاش...... عنایہ! میں بھی تمہاری ہی طرح کی لڑکی ہوتی''۔ وہ اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''کسی دن میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گی' میں اور تم الگ نہیں ہیں' ایک ہی ہیں' بس میں یقین

اور اعتماد کو دور نہیں کرتی ہوں''۔ اس نے منتہیٰ سے کہا۔

''آج ہی بتا دو نا''۔

''پھر کبھی' ابھی جلدی میں ہوں' گھر جانا ہے اور ہاں یاد آیا' وشہ اور مائز کی شادی کا ہر فنکشن اٹینڈ کرنا ہے''۔ ساتھ ہی حکمیہ انداز میں ہدایت دی۔

''مجھے کہاں تمیز ایسے فنکشنز کی''۔ وہ گھبرائی۔

''فضول بات کوئی نہیں' ہماری دوستی ہو گئی ہے نا تو میری ہر بات بھی ماننا ہوگی''۔ عنایہ نے اس کے رخسار پر تھپکی دی۔

''مجھے ایک بات تو بتاؤ' تمہیں حمود سالار لگا کیسا؟'' عنایہ نے معنی خیزی سے سرگوشی میں پوچھا۔

''پتہ نہیں''۔ حمود سالار کے نام پر ہی دل دھڑک اُٹھا' نگاہ جھک گئی۔

''یعنی اچھے لگے''۔ وہ سمجھ گئی۔ منتہیٰ نے مسکرا کر نگاہ اٹھائی' دونوں ہی زور سے ہنس پڑی تھیں' تہذیب اور یمنیٰ نے اندر جھانک کر حیرانگی سے دیکھا۔

............☆☆☆............

''پلیز بابا! مجھے کچھ تو ٹائم دیں''۔ وہ اتنا لاچار' بے بس اور روہانسا ہو رہا تھا کہ ہشام سالار کے چتون [illegible] میں سکڑ گئے کیوں کہ ان کے کسی بھی فیصلے اور بات ماننے پر وہ اتنی بحث تو کبھی نہیں کرتا تھا پھر اب کی بار ایسا کیوں کر رہا تھا۔

''تم مجھے وجہ بتا دو آخر مسئلہ کیا ہے؟''

''ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے' مجھے ابھی شادی تو کیا منگنی تک نہیں کرنی''۔

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کیوں؟'' وہ سوالیہ انداز میں چیخے' کلثوم بانو پہلو بدل کے رہ گئیں کیوں کہ حمود سر [illegible] ان کے سامنے کھڑا تھا' چہرے سے انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ اُلجھن اور پریشانی میں ہے۔

''میں صرف چند ماہ کی مہلت مانگ رہا ہوں' پھر میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے مگر پلیز ابھی منگنی وغیرہ [illegible] کریں''۔

''چلو ٹھیک ہے' میں تمہیں صرف تین ماہ کی مہلت دے رہا ہوں مگر یاد رکھنا اگر تم نے اس دوران کوئی بھی گل [illegible] کی کوشش کی یا اپنی مرضی چلانے کی کوشش کی' گھر سے تو نکالوں گا ہی جائیداد سے بھی عاق کر دوں گا''۔

[illegible] دھمکی پر وہ لب بھینچ کے رہ گیا کیوں کہ گل تو وہ کھلا ہی چکا تھا' بس اس گل کو اس گھر میں لا کر سجانا تھا' اس کے [illegible] کتنی جدوجہد کرنا تھی' پہلے اس سرپھری کو منانا تھا' پھر اپنے بابا کو کیوں کہ سب سے مشکل یہ دو ہی تو تھے۔

''[illegible]نا تم نے''۔

''[illegible]...... جی''۔ وہ اچھل گیا۔ حمود نے اس پر ہی شکر ادا کیا اوپر والے کا اس نے ایک مشکل ٹالی اور اسے تو [illegible] کہ یہ ہمیشہ کے لیے ہی ٹل گئی۔

''[illegible] نیاز کو تو وہ کبھی اپنی بیوی کے روپ میں برداشت ہی نہیں کر سکتا ہے''۔

''[illegible] نہیں''۔ کمرے میں آ کر خود سے ہمکلام ہوا۔

''اگر اس گھر میں آئے گی یا میرے اوپر جس کا حق ہوگا وہ صرف منتہیٰ حمود سالار کا' اس کے علاوہ کوئی [illegible] نے محبت تک کے معنی نہیں پتہ تھے نہ کبھی یہ سوچا تھا کہ اس پر بھی یہ دن آئے گا' یعنی بندہ دو بول بولنے

کے بعد ہی بدل جاتا ہے۔

''منتہیٰ! تم نے مجھے اندر تک ہلا دیا ہے' تم نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کے رشتہ جوڑنے کو کہا تھا' دیکھنا میں کیسے یہ رشتہ ہمیشہ کے لیے جوڑتا ہوں''۔ وہ بیڈ پر چاروں خانے چت لیٹ گیا' کتنا بدلا ہوا وہ خود کو محسوس کر رہا تھا' کل تک محبت سے بے گانہ تھا مگر اسے ہو کیا گیا تھا' ایک لڑکی کے لیے وہ اتنا سوچ رہا تھا۔

''شکر ہے بھائی! بلا ٹلی' ذرا جلدی سے مجھے بتایئے کون ہے جس کا نام ابھی آپ پکار رہے تھے''۔ راحمہ کی اچانک غیر متوقع آواز پر وہ اچھل ہی گیا' دیکھا تو وارڈ روب سے ٹیک لگائے کھڑی تھی' نگاہوں میں معنی خیزی' تجسس اور اشتیاق تھا' حمود گڑبڑا سا گیا۔

''میں کسے پکار رہا تھا؟'' انجان بننے لگا۔

''بھائی! میں نے خود نام سنا ہے''۔ وہ تو جب بھی کسی بات کے پیچھے پڑتی تھی ہاتھ دھو کر پڑ جاتی تھی۔

''کس کا نام؟'' وہ نگاہ چراتا ہوا وارڈ روب کھونے لگا اور وہ اپنی بہن کی عادت کو بھی خوب جانتا تھا کہ اسے ٹالنا کتنا مشکل ہے۔

''بھائی! اِدھر میری طرف دیکھیں' بالکل جھوٹ نہیں چلے گا''۔ وہ اس کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی دونوں ہاتھ پشت پر جمائے ہوئے تھے' حمود نے چتون تیکھے کیے اور اسے گھورنے لگا۔

''تمہارے آج کل کان کچھ زیادہ ہی سننے لگے ہیں' میں نے کسی کا نام نہیں لیا ہے''۔

''اور ہاں تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟'' اس نے وارڈ روب بند کی اور پھر بیڈ پر دونوں ہاتھ پیچھے لگا کر بیٹھ گیا۔

''کیسی چلنی ہے ویسی ہی ہے میتھس کا مسئلہ ہو رہا ہے اور ہاں مجھے انگلش میں بھی پرابلم ہو رہی ہے''۔ وہ منہ بسورنے لگی۔ حمود نے شکر ادا کیا کہ وہ بھولی تو سہی ورنہ اسے تو کسی بھی ٹاپک سے ہٹانا بڑا مشکل ہوتا تھا۔

''آپ نے کہا تھا کسی ٹیوٹر کا''۔

''کوشش میں تو ہوں''۔ وہ پھر کھڑا ہو گیا' دیکھا تو موبائل اس کا بیپ دے رہا تھا' کال تھی حمنیٰ نیازی کی' اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''اچھا تم نکلو یہاں سے' مجھے کچھ کام کرنا ہے آفس کا''۔ وہ اپنا نائٹ سوٹ لے کر واش روم میں گھس گیا۔ راحمہ نے اس کی چوڑی پشت کو گھورا اور دھڑ سے دروازہ بند کر کے کمرے سے نکل گئی۔ موبائل مسلسل بیپ دے رہا تھا' حمود دانت پیس رہا تھا' وہ چینج کر کے باہر آیا' بھنا کے موبائل بیڈ سے اٹھا لیا' اسکرین پر جو نام دیکھا بصارت کو یقین نہ ہوا' دل خوش ہو گیا' دھڑ سے بیڈ پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

''لیں''۔ خمار آلود لہجہ بنا لیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے اپنی مہین آواز میں سلام کیا۔ حمود موبائل کان سے لگائے اپنے بیڈ روم سے نکل کر ٹیرس پر چلا گیا' کیونکہ بیڈ روم میں ہو سکتا تھا کہ امی آ جائیں۔

''خوش رہو''۔ وہ ٹیرس پر سیٹ کیے صوفہ سیٹ پر ٹانگیں لمبی کر کے دراز ہو گیا اور نگاہ لان میں پھیلی مدھم روشنی میں لپٹے درختوں اور پیڑوں پر تھی۔

''زہے نصیب' آج آپ نے کیسے یاد کر لیا ہمیں؟'' خاصا شوخ ہو رہا تھا۔

''میں نے یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ مجھے ایک جگہ جاب مل رہی ہے''۔

''واٹ...... جاب؟'' وہ تو اچھل ہی گیا۔ منتہیٰ قدرے توقف کے لیے رُک گئی تھی' وہ شاید سمجھ گئی تھی کہ وہ شاک میں آ گیا ہو گا۔

''تمہیں جاب کی کیا ضرورت ہے' میں نے جو اتنے پیسے دیئے ہیں وہ کیا کم پڑ رہے ہیں''۔ طنز کے ساتھ گویا ہوا۔

''آپ اپنے پیسے اور موبائل لے جایئے' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور میں مزید آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی''۔ وہ خاصی افسردگی سے گویا ہوئی۔

''پہلی فرصت میں جاب کا دماغ سے نکال دو کیوں کہ ہمارے خاندان میں عورتوں کا جاب کرنا بُرا سمجھا جاتا ہے''۔ وہ رعب سے بولا۔

''سوری میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی ہوں' آپ کی مہربانی کہ آپ نے مجھے اپنا نام دیا' اتنی عزت دی مگر میں اپنی اوقات سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتی ہوں''۔

''تم ضرورت سے زیادہ بوتی ہو اور اتنا بولتی ہو کہ میرا دماغ چکرانے لگتا ہے''۔ وہ کھسیاہٹ کے ساتھ جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں' ورنہ آپ کی زندگی میں اتنے چکر آئیں گے کہ آپ خود چکرا کر گر گئے تو میں یہ برداشت نہیں کر سکتی ہوں''۔

''اف...... اتنا فلسفہ بولتی ہو کہ میں ایک لمحے کو سن سا ہو جاتا ہوں''۔ حمود کو وہ اتنی قنوطی اور حالات کی ستائی ہوئی لگی تھی کہ اب وہ اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

''پھر سن کیوں نہیں لیتے''۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ تم ہو کدھر؟'' حمود نے موضوع بدلنے کو پوچھا۔

''میں اس وقت صحن میں بیٹھی ہوئی ہوں اور باقی سب سو رہے ہیں''۔

''اچھا اوپر آسمان پر دیکھو کتنا خوبصورت چاند ہے' نظر آ رہا ہے صحن سے یا نہیں؟'' اس نے ٹیرس پر سے نگاہ سامنے آسمان پر لگائی جہاں سات تاریخ کا چاند چمک رہا تھا اور اس کی روشنی اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ وہ ایک ٹک دیکھے ہی گیا۔

''جی نظر آ رہا ہے''۔ وہ اتنا ہی بولی۔

''خوبصورت لگ رہا ہے ناں؟''

''ظاہر ہے خوبصورت ہے جب ہی تو سب کی توجہ کا مرکز ہے' اسے اس بات کا ڈر بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کی روشنی چھین لے گا''۔

''پھر فلسفہ......'' وہ اُکتا کے گویا ہوا۔

''میں نے بس آپ سے یہ کہنے کے لیے کال کی ہے کہ میں جاب کر رہی ہوں' آپ اپنی چیزیں آ کر لے جائیں''۔ وہ جھٹ بولی۔

''مجھے چیزوں کے ساتھ چیزیں استعمال کرنے والی بھی چاہیے' سنا تم نے''۔ ایک ایک لفظ جتا کے کہا۔ اسی وقت منتہیٰ نے لائن ہی کٹ کر دی' حمود نے مسکرا کے موبائل کو دیکھا کیوں کہ اس کے ذہن نے بہت کچھ سوچ لیا تھا کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔

............☆☆☆............

اسے پیکنگ کے لیے یمنیٰ نے بلا لیا تھا' آفس سے تو جلدی آ جاتی تھی پھر رات تک اس کا وقت یہیں گزرتا تھا وہ اور یمنیٰ پیکنگ سے فارغ ہوئیں تو تہذیب جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

''ارے جلدی کیا ہے بیٹھو تو''۔ یمنیٰ نے اسے زبردستی بٹھا لیا۔ مگر اسے لاؤنج میں فائق کی موجودگی کافی نروس کر رہی تھی جو کمپیوٹر پر بیٹھا ہوا تھا اور مسلسل اپنے گلاسز کو بھی درست کرتے ہوئے کی بورڈ پر اپنی انگلیاں چلا رہا تھا۔

''وہ اصل میں یمنیٰ صبح پھر اٹھنے میں دیر ہو جائے گی''۔ وہ ٹائم بھی دیکھنے لگی کیوں کہ پونے بارہ بج رہے تھے۔

''میں تمہیں اپنے کپڑے تو دکھا دوں جو میں مائز بھائی کی شادی پر پہنوں گی''۔ وہ اسے بٹھا کر پیک کیے جوڑے اٹھا کر لے گئی اور وہ گھبرا سی گئی۔

''بیٹھو کھڑی کیوں ہو؟'' فائق نے پشت گھما کر اسے دیکھا۔

''جی''۔ وہ اتنا ہی بول سکی۔

''سنائی کم دیتا ہے' بیٹھو''۔ وہ پیپر سے کھڑا ہو گیا۔ تہذیب گھبرانے لگی جو اس میں لگتا تھا کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا ہے اور وہ اس سے بچتی تھی' خوامخواہ فائق کے گھر والے اُلٹی سیدھی بات کرنے لگتے تو کتنی بُری بات ہوتی۔

''میں جا رہی ہوں' مجھے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے''۔ ایک دم ہی جانے کے لیے اس نے قدم بڑھا دیئے مگر فائق کے چتون تن گئے اور وہ راہ میں حائل ہو گیا۔ بلیو پرنٹڈ کاٹن کے کپڑوں میں وہ چہرے پر ناگواری لیے دانت پیسنے لگی جبکہ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''جاب کب چھوڑو گی؟''

''آخر آپ کو میری جاب پر اتنا اعتراض کیوں ہے؟'' وہ تنگ گئی۔

''وہ اس لیے کہ تم سوائے بے وقوفی کرنے کے کچھ کر ہی نہیں رہی ہو''۔ وہ اس کے برہم ہوتے چہرے کو پُرشوق نگاہوں کی زد میں لیے ہوئے تھا۔ تہذیب اسے دیکھنے تک سے گریز کر رہی تھی' ڈرتی تھی کہ اس کے دل کے اندر کا چور اس کے سامنے نہ آ جائے اور پھر وہ اس شخص کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہتی تھی. جو اس کی منزل تو کبھی نہیں ہو سکتا۔

''جو بھی کر رہی ہوں آپ کو کیوں تکلیف ہے''۔

''سوری تہذیب! میرے کپڑوں کا شاپر ہی نہیں مل رہا''۔ یمنیٰ خاصی افسردہ سی آئی' دونوں گڑبڑا کے الگ ہو گئے۔

''کوئی بات نہیں پھر دیکھ لوں گی''۔ وہ مسکرائی۔ فائق کمپیوٹر کے بٹن پریس کر رہا تھا' تہذیب جانے لگی تھی۔

''رکو تہذیب! اکیلی نہیں جاؤ' فائق چھوڑ دے گا''۔ ناظمہ اسے ہی دیکھنے آئی تھیں کہ چلی تو نہیں گئی کیونکہ کافی دیر سے وہ اور یمنیٰ پیکنگ کر رہی تھیں۔

''میں چلی جاؤں گی آنٹی!'' تہذیب جھٹ بولی۔

''چلی تو جاؤ گی' پھر بھی رات ہو رہی ہے لان میں ہلکا سا اندھیرا بھی ہوتا ہے' فائق چھوڑ آئے گا''۔ انہوں نے پھر بھی زبردستی فائق کو اشارے سے کہا۔ وہ لب بھینچ کے رہ گئی' مجبوراً اُسے جانا پڑا' کوریڈور عبور کر کے دونوں ساتھ ہی باہر نکلے' پورچ کی سیڑھیوں سے اتر کر وہ تیزی سے دائیں جانب بڑھ رہی تھی تاکہ فائق اس سے کوئی اور سوال نہ کرے۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے جانے کی''۔ وہ معنی خیزی کے ساتھ طنز کر گیا' اس نے جز بزسی ہو کر اپنی چال کو ہلکا کر لیا۔

''میں اب جا سکتی ہوں آپ جائیے''۔ وہ رکھائی اور سرد مہری سے گویا ہوئی' لان میں پھیلا مہیب سناٹا پیڑ اور پودوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ ماحول کو کچھ پُراسرار بنا رہی تھی۔

''تم مجھ سے کتنا ہی بچ لو مگر میں تمہارا پیچھا ایسے تو نہیں چھوڑوں گا''۔ وہ مسکرایا' تہذیب نے دانت پیسے اور فائق کی گلاسز سے جھانکتی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں۔

''کسی مجبور اور بے بس انسان کو ڈرا کر آپ کس جذبے کی تسکین چاہتے ہیں''۔

''کچھ جذبے انسانیت کے ہوتے ہیں' تم یہی سمجھو کہ مجھ سے وہ جذبہ ہی یہ سب کچھ کروا رہا ہے' خوامخواہ تم اگر کسی ایسے نقصان سے دوچار ہو گئیں ناں سوچ لو بہت مشکل ہو جائے گی''۔ وہ گمبھیر لہجے میں اسے آگہی دینے لگا۔

''آپ بے فکر رہیے' میں آپ کو پھر بھی کوئی تکلیف نہیں دوں گی''۔

''محترمہ! اتنے بڑے بول نہ بولیے' اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ تکلیف ہو' میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوسری جاب کر لو''۔ وہ بولا۔

''شکریہ مشورے کا بلکہ روز ہی دیتے ہیں' پلیز آئندہ مجھے نہیں دیجیے گا''۔ گھر آیا تو وہ گیٹ کے باہر رُک کر ناگواری سے بولی تھی۔ فائق نے حیرانگی سے اس لڑکی کو دیکھا جو خود کو کتنا مضبوط اور پُراعتماد ظاہر کر رہی تھی جبکہ وہ تو اتنی ڈری سہمی ہوئی تھی کہ اس سے نگاہ تک تو ملا کے بات نہیں کرتی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو میں تمہاری راہ سے نہیں ہٹوں گا''۔ اس نے جتایا۔

''آپ پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں''۔ وہ جھنجھلا کر تیز لہجے میں بولی۔ اس نے گیٹ پر ابھی تک دستک نہ دی تھی' فائق اور وہ آمنے سامنے تھے وہ دیکھ بھی بغور رہا تھا' تہذیب کو اس کا انداز غصہ دلا رہا تھا۔ جتنا وہ اسے اگنور کرنا چاہ رہی تھی وہ اتنا ہی راہ میں آ رہا تھا' دل کو تو وہ پہلے ہی تھپک کے چپ کرا چکی تھی کہ یہ سراب ہے یہ تمہارا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ زمین پر رہ کر آسمان کو چھونے کی وہ بات کر ہی نہیں سکتی' امیر اور غریب کے فرق کو وہ بچپن سے دیکھتی اور سنتی آ رہی تھی' وہ کیا اور اس کا حسن کیا ہے وہ خوب جانتی تھی۔

''ابھی تو نہیں ہوا ہوں لیکن مجھے لگ رہا ہے تم کر دو گی اپنی ضد کی وجہ سے''۔ انداز ذومعنی اور طنزیہ تھا۔ تہذیب کے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے' وہ وارفتگی سے دیکھ رہا تھا اس کی نگاہوں میں ایسا کچھ تو تھا جو تہذیب نگاہ بھر کے دیکھ نہ پاتی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں' آپ کی شکایت محریب بھائی سے کر دوں گی''۔ وہ ہراساں ہونے کے ساتھ گھبرا بھی گئی۔

''گڈ! پھر تو اور آسانی سے تم یہ جاب چھوڑ سکتی ہو''۔

''پلیز! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' میرا پیچھا چھوڑ دیں' میں یہ جاب نہیں چھوڑنا چاہتی''۔ کتنی مجبور اور بے بس ہو رہی تھی۔ فائق کو اس پر ترس بھی آ رہا تھا مگر اسے یہی ڈر تھا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائے' کیونکہ وہ اتنی معصوم اور سادہ تھی اگر اس کی معصومیت کو کسی نے چھین لیا تو کیا ہوگا' فاطمہ کا شوہر اسے اکثر دھمکیاں بھی دیتا تھا کہ وہ تہذیب کو منع کر دے مگر تہذیب اس کی کوئی بات مان ہی نہیں رہی تھی۔

''پھر ٹھیک ہے میں کرتا ہوں تمہارا بندوبست''۔

''کیسا بندوبست؟'' تہذیب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی' وہ مڑ گیا تھا آگے اس نے کچھ کہا ہی نہیں تھا۔

''اُف یا اللہ! یہ شخص کیا کرنے والا ہے؟'' اس کا دل انجانے خوف میں مبتلا ہو گیا تھا اس نے دروازے پر متواتر

دستک دینی شروع کر دی تھی کیونکہ اندر کا خوف اسے اپنے شکنجے میں لینے لگا تھا۔

............☆☆☆............

وہ خود اس کی گاڑی میں گھس کے بیٹھی تھی' جو اس نے چاہا تھا وہ مل بھی گیا تھا مگر اپنی اوقات سے زیادہ' اس کا تو ذہن ہی پریشان تھا' وہ اس سے لاکھ پیچھا چھڑانا چاہتی تھی مگر وہ تو اس پر دن بدن اپنا تسلط جما رہا تھا' وہ حیران تھی ایسے ڈیشنگ بندے کو لڑکیوں کی کیا کمی تھی آخر وہ اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا ہے۔ کہتے ہیں ناں کہ کبھی آپ کسی کی طلب کرتے ہیں اور پھر آپ اسی کی طلب بن جاتے ہیں' کتنا مشکل اور دشوار ہوتا ہے یہ مرحلہ وہی جانتی تھی' اس نے اگر حمود سے نکاح کی بات کی تھی تو صرف اپنے تحفظ کے لیے مگر اس نے یہ نہیں چاہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بھی رکھے۔

سوچ سوچ کے ذہن شل ہو گیا تھا' کب سے صحن میں ٹہل رہی تھی جاب اسے مل رہی تھی مگر حمود کا ڈر بھی تھا کہ وہ کہیں غصہ میں نہ آ جائے اور پھر وہ زبردستی اپنے ساتھ لے جائے۔ اس کی زندگی بھی کیا تھی' دنیا میں آئی تو باپ چلا گیا پھر ماں نے پالا' کتنی پریشانیوں کے ساتھ اسے پڑھا لکھا بھی رہی تھی مگر اس کا چچا کتنی نیچ ذہنیت کا تھا کہ اس کا رشتہ پیسوں کے عوض کسی اوباش آدمی کے ساتھ کر رہا تھا اگر اس کی ماں پڑوس کی عورت کے ساتھ مل کر اسے گاؤں سے نہ نکالتی تو شاید آج اس کا بُرا ہی حشر ہو رہا ہوتا۔ پتہ نہیں اماں کیسی ہوں گی' چاچا نے کیا حال کیا ہو گا' افسردگی سے سوچتے ہوئے آسمان پر نگاہ جما دی۔

کاش میں پرندہ ہوتی' کم از کم مجھے اپنی عزت کی فکر تو نہ ہوتی۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' حکمت حیرانگی سے اسے آسمان تکتے ہوئے دیکھنے لگی' شام کی سرمئی پھیلی ہوئی تھی چھوٹا سا صاف ستھرا صحن جہاں ایک تخت بھی بچھا تھا اکثر وہ حکمت کو ٹیوشن وہیں پڑھاتی تھی۔

''کچھ نہیں''۔ منتہیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''آپ کو اپنی امی یاد آ رہی ہوں گی''۔

''ہوں''۔ وہ اتنا ہی بولی۔

''حمود بھائی سے بولیے گا کہ وہ آپ کو ملانے لے جائیں گے''۔ وہ اپنا بیگ لے کر تخت پر ہی بیٹھ گئی' اسکول کا کام بھی کرنا تھا۔

''منتہیٰ باجی ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگی۔ منتہیٰ بھی تخت پر ہی ٹک گئی اور سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''حمود بھائی کے کبھی گھر گئی ہیں؟''

''نہیں ایک بار بھی نہیں''۔ وہ بولی۔

''آپ کو جا کر ان کا گھر تو دیکھنا چاہیئے''۔ بیگ سے کتابیں کا پیاں نکال کر وہ بیٹھ گئی تھی

''تم اپنا کام کرو اچھا' یہ سب نہیں سوچو''۔ اسے چپت لگائی اور ٹال کے اندر چلی گئی۔ مبینہ رات کے لیے چاول چن رہی تھیں کیوں کہ دوپہر انہوں نے دال بنائی تھی سوچا تھا کہ اس کے ساتھ چاول بنا لیں گی۔

''خالہ جان میں چاول پکا لوں گی''۔ وہ ان کے ہاتھ سے چاول کی ٹرے لے کر خود لاؤنج میں بیٹھ کے چننے لگی کیوں کہ زیادہ سے زیادہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گئی' جھانک کے صحن میں دیکھا حکمت دروازہ کھولنے اُٹھ گئی تھی مگر سامنے حمود سالار کو بلیو جینز کی پینٹ پر لائٹ پنک ٹی شرٹ میں

دیکھ کر تو وہ گھبرا ہی گئی۔

''میں آپ ہی کی باتیں منتہیٰ باجی سے کر رہی تھی''۔ حکمت مسکراتے ہوئے اسے اندر لے آئی تھی' مبینہ کو اس نے سلام کیا' انہوں نے جواب میں ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ منتہیٰ نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی' بیچ کلر کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس وہ گھبرائی ہوئی کھڑی ہو گئی سلام تک کرنا جیسے بھول گئی تھی' حمود نے خاصا گہری نگاہوں سے اس کا جھجکنا گھبرانا دیکھا۔

''ارے بیٹا بیٹھو''۔ مبینہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ منتہیٰ کے سامنے والے بڑے صوفے پر بیٹھ گیا مگر خود کو خاصا مودب ظاہر کر رہا تھا کیونکہ مبینہ جو سامنے کھڑی تھیں' حکمت بھی موجود تھی' تہذیب ابھی تک آفس سے آئی نہیں تھی' حمزہ کو رافع بلا کر لے گیا تھا۔

''بیٹا آپ بیٹھو میں چائے بناتی ہوں''۔ مبینہ نے حکمت کو آنکھوں کے اشارے سے باہر جانے کو کہا' وہ سر جھکا کر واپس صحن میں تخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ منتہیٰ کو تو پسینے ہی آنے لگے مگر اس لمحے اس نے اپنی اس کیفیت کو چھپانے کے لیے پہلو بدلا تھا' حمود کی گہری اور پُرسوچ مسکراتی نگاہوں نے اس کا حصار باندھا ہوا تھا۔

''کیسی ہو؟'' مسکرا کے پوچھا۔

''کیسی ہو پوچھنا بے کار ہے کیونکہ کیسی ہوں یہ تو جان ہی چکے ہیں''۔ انداز ذومعنی تمسخر زدہ اور کچھ حسرت بھرا بھی تھا۔

''ہاں کیسی ہو یہ تو نظر آ رہا ہے''۔ اس نے اپنے دلائے ہوئے کپڑوں میں اسے ملبوس ستائشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''جاب کا بھوت اُترا''۔

''کچھ بھوت ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اُترتے بھی نہیں اور نہ اُتر پاتے ہیں وہ سوار ہی رہتے ہیں''۔ پھر اس نے فلسفہ بولا۔

''اُف''۔ حمود نے اپنی کالر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پنکھے کی جانب اوپر نگاہ جما کر تاثر یہ دیا کہ اسے گرمی لگنے لگی ہو۔

''تم آسان زبان میں بات نہیں کر سکتی ہو؟'' وہ جھنجھلا کر اسے تیز لہجے میں ڈانٹنے لگا۔

''جس کی زندگی مشکل ہو وہ آسان زبان کیسے استعمال کر سکتا ہے کیونکہ وجود اتنی مشکلات کا عادی ہو چکا ہے کہ اب تو آسان چیز بھی مشکل نظر آتی ہے''۔

''گڈ مستقبل قریب میں تم میرے دماغ کی دہی کر دو گی''۔ وہ اس کے سپاٹ اور نخوت زدہ چہرے کو دیکھ کر طنز کرنے لگا۔

''آپ یہاں آئے ہی کیوں''۔ بدلحاظی کی حد کر دی۔

''دراصل تمہارے لیے ایک جاب ہے تنخواہ بھی ملے گی ٹھیک ٹھاک' بس لڑکی کو ٹیوشن پڑھانا ہے''۔ وہ بولا۔

''سوری میں ٹیوشن نہیں پڑھا سکتی''۔ صاف انکار کر دیا۔

''لیکن میں چاہتا ہوں جس لڑکی کو پڑھانے کے لیے کہہ رہا ہوں اسے تم ہی پڑھاؤ تو بہتر ہے''۔

''میں ہی کیوں اور پھر میں نے آج تک ٹیوشن نہیں پڑھائی' مجھے تجربہ نہیں ہے''۔ اس نے جھوٹ بولا جبکہ یہاں جب سے آئی تھی حکمت اور حمزہ کو وہی پڑھا رہی تھی۔

''مجھے پتہ ہے تمہیں تجربہ بھی ہے''۔ وہ بولا کیونکہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا۔

''لیکن میں ٹیوشن نہیں پڑھا سکتی''۔

''تمہیں ٹیوشن میری بہن کو پڑھانا ہے' وہ پڑھائی سے بھاگتی ہے کتنے ہی کوچنگ وہ چھوڑ چکی ہے اور اب پڑھائی چھوڑنے کے چکر میں ہے' میں چاہتا ہوں کہ اسے تم ہینڈل کرو''۔ وہ نرم سے لہجے میں اسے بتانے لگا۔ منتہیٰ نے حیرانگی سے سنا کیونکہ حمود اس لمحے خاصا سنجیدہ بھی تھا۔

''پھر میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے گھر کے ماحول کو' لوگوں کو بھی سمجھ لوگی کیونکہ تمہیں ایک دن رہنا وہیں ہے''۔ وہ ایک ایک لفظ جما جما کر بول رہا تھا۔ منتہیٰ لب بھینچ کے سر جھکائے سب سن رہی تھی' جانے کیوں دل کو یقین ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص اسے اتنی اہمیت دے رہا ہے' وہ اسے دیکھنے تک سے گریز کرتی تھی۔

''پلیز میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے''۔ سختی سے نفی کی۔

''کیا ممکن نہیں ہے؟'' حمود نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔

''یہی کہ آپ کے گھر......'' وہ منمنائی۔

''اس وقت تو مسئلہ میری بہن کا ہے جو پڑھائی چھوڑنے کے چکر میں ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ایسا کرے' اس لیے میری یہ خواہش ہے کہ تم اسے پڑھاؤ گی' تنخواہ تمہیں میں اس لیے نہیں دوں گا کہ تم میری بیوی ہو' میری ذمہ داری ہو' تمہیں ہر ماہ خرچ میں دوں گا جو کثیر رقم ہی ہوگی''۔

''مگر مجھے آپ کے پیسوں کی قطعی ضرورت نہیں ہے''۔ قطعیت سے گویا ہوئی۔ حمود نے اس لڑکی پر نگاہ غلط کی جو بڑے سے دوپٹے میں خود کو چھپائے پُر اعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی' اس کے ایک ایک انداز اور بات میں سادگی تھی جو بھی بات کرتی صاف ہی کرتی تھی۔

''مجھے ضرورت ہے''۔

''پھر رکھیئے اپنے پاس ضرورت ہے تو''۔ جھٹ بولی۔

''پیسوں کی نہیں تمہاری''۔ وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا' منتہیٰ نے گرم گرم سانسیں نخوت زدہ باہر نکالی تھیں وہ جتنا اس پر اپنی ناگواری اور سرد مہری ظاہر کر رہی تھی وہ اتنا ہی اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

''میں نے کہہ دیا ہے تمہیں پڑھانا ہے تو پڑھانا ہے''۔

''زبردستی ہے؟'' وہ تیز لہجے میں چڑ کے بولی۔

''کچھ ایسا ہی''۔ بڑی معنی خیز مسکراہٹ لیے منتہیٰ کو سلگتے ہوئے دیکھ رہا تھا' وہ بل کھا کے اُٹھی۔

''اور گاڑی تمہیں پانچ بجے لینے آئے گی اور چھوڑ کے بھی جائے گی''۔

''آخر آپ کا مسئلہ کیا ہے''۔ وہ تنگ گئی۔

''ارے مسئلہ ابھی بتایا تو ہے''۔ وہ ہنسا۔

''میں دوسرے مسئلے کی بات کر رہی ہوں''۔ لاجواب سی ہوگئی۔ اسے حمود سے یہاں گھر میں بحث کرنا عجیب بھی لگ رہا تھا' اندر مبینہ کیا سوچ رہی ہوں گی اس بات کی بھی گھبراہٹ تھی وہ مسلسل اسے بغور دیکھ رہا تھا' منتہیٰ کو لگ رہا تھا کہ اگر وہ رضامندی نہیں دے گی تو وہ یہاں سے جائے گا بھی نہیں۔

''دوسرے مسئلے تو تمہارے وہاں آ کر شروع ہوں گے''۔ وہ شرارتی اور معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔

''جی''۔ وہ چونک گئی۔

''اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے' ظاہری بات ہے جب تم اس گھر میں آؤ گی تو جب ہی تو مسئلے ہوں گے تمہیں اور پھر پتہ بھی چلے گا''۔

''آپ نہایت فضول گفتگو کرتے ہیں''۔ وہ تو کھسیا گئی۔

''ہاں تم خلیل جبران کی بہن بنی گھومتی رہو' میں کچھ نہ بولوں''۔ وہ اکثر اس کے فلسفوں سے تنگ آ کر اس پر طنز کرنے لگا تھا۔ منتہیٰ کو حمود کی ایسی باتیں سخت گراں گزرتی تھیں جو بالکل بھی کسی بات کو سیریس نہیں لے رہا تھا' اپنے باپ کو نہیں جانتا کیا' اسے تو سوچ سوچ کے اکثر پسینے آ جاتے تھے۔

''پلیز تم بھی آسان اور سادہ گفتگو کر لیا کرو' مجھے تمہارے فلسفے ہضم نہیں ہوتے ہیں''۔

''ظاہری بات ہے جو شخص آسائشوں میں رہتا ہوا سے یہ سب ہضم بھی کیسے ہوگا کیونکہ ایسی باتیں وہی لوگ ہضم کر سکتے ہیں جنہوں نے سرد و گرم موسم دیکھے ہوں یا ان پر آئے ہوں''۔ وہ پھر شروع ہوگئی تھی۔ حمود سر تھام کے رہ گیا کیونکہ منتہیٰ کے اندر کی محرومی حسرت وہ سب جانتا اور سمجھتا تھا مگر اسے منتہیٰ سے چڑ نہیں ہوئی تھی ایسی سچی اور کھری لڑکی تھی جو آج کے دور میں تو ہونا مشکل تھی۔

ایک وہ حمنیٰ تھی جسے منہ ٹیڑھا کر کے انگلش بولنے سے فرصت نہیں تھی لباس سے لے کر لب و لہجہ تک بناوٹی تھا' ایسی لڑکی تو اس کی لائف پارٹنر ہو ہی نہیں سکتی تھی' جب سے وہ منتہیٰ سے ملا تھا اس کی سوچوں میں اس کا گزر ہونے لگا تھا۔

''محترمہ! یہ سب نصیب کا کھیل ہوتا ہے میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا' تم اطمینان رکھو چند دن کی تمہاری پریشانیاں ہیں پھر آنا تو میرے پاس ہی ہے''۔ وہ مخمور اور ترنگ بھرے لہجے میں بولا' منتہیٰ نے ایک نظر ہی ڈالی اور اٹھ کر اندر چلی گئی' مبینہ چائے جو لے آئی تھیں اس طرح اس کی بچت بھی ہوگئی۔

............☆☆☆............

دو دن سے سمیرا بیگم بے چین تھیں نہ رات کو نیند آ رہی تھی اور نہ ہی پارلر میں ان کا دل لگ رہا تھا کیوں کہ جوں جوں وشہ کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے ان کے دل میں ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ خالی پن سا ہو رہا ہو مگر انہیں ایک طرف جواد احمد پر بھی غصہ تھا وہ انہیں مات دینے کے لیے ہی شادی کر رہے تھے اپنے بچوں سے وہ کبھی بھی محبت و لگاوٹ سے بولی ہی نہ تھیں مگر اس بار انہیں کچھ ایسا ہی کرنا تھا کہ وشہ کی شادی رُک جائے' وہ اٹھیں کوریڈور میں پڑی چیئر پر بیٹھ گئیں۔ وہ ماں تھیں مگر اتنی سخت کیوں تھیں شاید ان میں خودسری اور ضد تھی شروع سے انہوں نے اپنا سراہا جانا ہی سنا تھا اور اب بیٹی کی شادی کے بعد تو ان کا سارا اسکوپ ہی خراب ہو جائے گا لیکن اپنی بیٹیوں سے بھی کچھ نہیں کہہ رہی تھیں۔

پوری رات وہ بے چین اور مضطرب تھیں' اپنے سسرال والوں سے اتنی بددل تھیں کہ اپنی بیٹیوں تک کو وہاں بھیجنا گوارا نہ تھا۔

''کیا بات ہے معارج اٹھا نہیں''۔ صبح وہ ناشتہ کرنے ٹیبل پر آئیں تو عنائیہ سے پوچھا۔

''وہ دادی جان کی طرف چلا گیا ہے' تائی امی نے بلایا تھا''۔ ڈرتے ڈرتے اس نے بتایا کیونکہ وہاں کا نام سن کے تو سمیرا بیگم کے ماتھے پر ناگواری کے جالے تن جاتے تھے۔

''تم تینوں کو ہر وقت وہاں جانے کی پڑی رہتی ہے''۔ انہوں نے چائے کا سپ بھرا۔ عنائیہ لب بھینچ کے انہیں کن انکھیوں سے دیکھتی رہی' وشہ کالج گئی ہوئی تھی اس کے پیپرز کی ڈیٹ آ گئی تھی کیونکہ ایڈمٹ کارڈ اور ڈیٹ شیٹ

لینے گئی تھی' شادی اس کے پیپرز کے بعد ہی رکھی تھی یہ بھی وشہ کی ضد سے ہوا تھا۔

''امی! اگر آپ وشہ کی چیزیں دیکھ لیتیں تو......'' عنائیہ رُک رُک کے بولی۔

''میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے کہ فضول دیکھتی پھروں' اپنے باپ کو دکھاؤ کیونکہ انہیں ہی تم بیٹیوں کو نکالنے کی پڑی ہے جبکہ میرے لیے تم دونوں بوجھ نہیں ہو''۔ انہوں نے نیا پینترا اپنایا' عنائیہ کو جواد احمد کی طرف سے بدظن کرنے کا' پوری رات جاگ کے وہ اسی نتیجے پر پہنچی تھیں۔

''اتنی کم عمری میں تم دونوں کی شادیوں کی پڑی ہے' وشہ تو بہت چھوٹی ہے جسے اپنی خبر نہیں وہ شادی کی ذمہ داری اٹھالے گی کیا؟''

''ہماری وشہ سمجھدار ہے امی! سب اٹھالے گی''۔

''ارے خاک اٹھائے گی' اگر پہلے سال ہی بچے کے چکر میں پڑ گئی تو رو رو کے یہ تو اپنا حشر کرے گی' نزلہ بخار تو اس سے برداشت ہوتا نہیں ہے کجا یہ برداشت کرے گی''۔ سمیرا بیگم آج دل کھول کر عنائیہ کو ایسی سوچوں کے حوالے کرنا چاہتی تھیں کہ وہ جواد احمد سے پھر اَڑ جائے۔

''بیٹا! شادی کے بعد کی زندگی بہت مشکل ہوتی ہے اور پھر وہ دونوں تمہارے باپ کی طرح ہیں' سوچ لو کتنی بری ہوگی کیونکہ ہیں تو وہ انہی کے بھتیجے''۔ ان کا لب ولہجہ اتنا کٹیلا اور کڑوا تھا وہ غصہ اور نفرت کی آگ میں ایسی اندھی تھیں کہ انہیں کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ عنائیہ کو اپنی ماں کی سطحی سوچوں پر بہت افسوس ہوتا تھا جو اپنی اولاد تک کا خیال نہیں کرتی تھیں جبکہ وہ ان کی خوشی کے لیے اپنا نقصان تک کر رہی تھی' یہ ایک ماں تھیں اور وہ بیٹی' جانے دونوں میں کون ٹھیک تھا اس کا دماغ پریشان تھا۔

''مائز حد سے زیادہ زبان دراز اور بدتمیز ہے' وشہ کو سکون سے رہنے دے گا' نچا کر رکھ دے گا' سمجھتا کیا ہے خود کو''۔

''امی! آپ پلیز ایسی باتیں تو نہ کریں''۔ وہ گھبرا گئی۔

''کیسے نہ کروں' تم میری اولاد ہو تم دونوں کی میں فکر نہ کروں تو کون کرے گا' اگر میرے بدلے تم دونوں سے لیے گئے تو کیا ہوگا''۔ انہیں سب سے زیادہ یہی دھڑکا تھا۔

''ضروری ہے جو آپ سوچ رہی ہوں وہی ہو' کوئی بھی ایسا نہیں ہے''۔ دل اس کا اتنا غمگین اور رنجور ہو رہا تھا کہ سمیرا بیگم سے آگے کچھ اور کہہ ہی نہیں پا رہی تھی' وہ تو محبت میں رُکی ہوئی ہے۔

''رہنے دو ایسا نہیں ہے کوئی' محریب اسے تم کتنا جانتی ہو' ارے پورا گھنا ہے مجھے تو پکا یقین ہے پانچ سال بعد امریکہ سے آیا ہے ضرور وہاں کوئی نا کوئی شادی کر رکھی ہے''۔

''جی''۔ وہ تو حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی' ایسی تو اس کے دل تک میں بات نہیں تھی محریب جیسا ریزرو طبیعت کا شخص ایسی حرکت' ذہن و دل نہیں مان رہا تھا۔

''دیکھنا تمہیں پتہ چلے گا بعد میں جب اس کی انگریز بیوی بچے لیے یہاں آئے گی''۔ وہ اس لمحے اتنی بے حس لگ رہی تھیں کہ عنائیہ کا دل کٹنے لگا' وہ ناشتہ چھوڑ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

غلط تو وہ کبھی سوچتی ہی نہیں تھی' ہمیشہ مثبت سوچیں ذہن میں رکھیں' اچھا سوچا اچھا ہوگا کسی کا بُرا نہ کہو مگر آج اس کی سماعتوں نے ایسی باتیں سنیں جو بھول کے بھی اس کے دل میں نہ دماغ میں آئی تھیں' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے روئے جا رہی تھی۔ زندگی اتنی ارزاں بھی ہوتی ہے کاش وہ اس دنیا میں نہ ہوتی' کاش وہ یہ سب نہ سنتی' اس نے تو کبھی

اپنی زندگی تک کو کوسا نہ تھا ہمیشہ صبر و شکر ہی کیا تھا۔

''محریب احمد نہیں تم ایسے نہیں ہو سکتے' اگر تم ایسے نکلے ناں میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' سوچ لو کوئی غلطی معاف نہیں کروں گی''۔ ایک دم ہی دل بدگمان سا ہونے لگا جبکہ وہ غلط اور منفی تو سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''نہیں میں ایسا کچھ بھی غلط ان کے بارے میں نہیں سوچوں گی' وہ ایسے نہیں ہیں''۔ جلدی سے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھے اور خود کو تسلی دی' اطمینان دلایا' بیڈ سے وہ اٹھ گئی تھی کیونکہ وشہ جلدی کالج سے آ جاتی' اسے کچن بھی دیکھنا تھا ماسی سے صفائی بھی کروانی تھی۔ جب سے وہ دادی جان کے گھر سے آئی تھی وہ پریشان تھی کیونکہ محریب نے اس بار اسے رخ ہی نہیں دیا تھا' کتنا اس کا دل رویا تھا نہ ہی اب اس کا کافی دنوں سے فون آیا تھا۔

''تمہیں میری باتیں دکھ تو دیتی ہیں مگر تم سب کو بعد میں اندازہ ہوگا جب وہ مائز اپنے رنگ دکھائے گا''۔ سمیرا بیگم نے پھر اسے دیکھ کر وہی موضوع چھیڑا۔ عنائیہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھی مگر لب اس کے چپ تھے' وہ ان سے پہلے بھی بحث کب کرتی تھی۔

''میری ایک اولاد بھی تو میری پرواہ نہیں کرتی ہے''۔ وہ غصہ میں بڑبڑاتی ہوئی ماسی کو پارلر میں چلنے کا اشارہ کرنے لگیں کیونکہ سب سے پہلے وہ پارلر میں جھاڑ پونچھ کرواتی تھیں' گھر کی صفائی وہ بعد میں کرتی تھی۔ عنائیہ تاسف اور غم زدہ سی سانسیں بھر رہی تھی' وہ تو خود اپنا نقصان کر رہی تھی وہ سمجھ ہی نہیں رہی تھیں۔

............☆☆☆............

''کچھ فری ہو؟'' مائز نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا جو وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال رہا تھا کیونکہ یونیورسٹی کے لیے کپڑے رات کو ہی پریس کروالیتا تھا۔

''نہیں تو' بس سونے کی تیاری کرنے لگا تھا''۔ کپڑے نکالے اور بیڈ پر ڈالے۔

''مجھے تجھ سے کچھ پوچھنا ہے کیونکہ کافی دنوں سے میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم سے پوچھوں گا''۔ مائز اس کے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ فائق نے استفہامیہ اور تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا جو اسے گھور رہا تھا۔

''اگر کوئی فضول بات ہے نا تو پلیز مجھے سونا ہے' صبح پھر دیر ہو جاتی ہے''۔

''ہر وقت تمہیں سونے کی پڑی رہتی ہے''۔ مائز تو چڑ گیا۔

''مجھے تمہاری طرح دیر تک سونے کی عادت نہیں ہے' اٹھو اور نکلو یہاں سے''۔ کبھی کبھی تو وہ خاصا بدلحاظ ہو جاتا تھا۔

''پوچھے بغیر تو نہیں جاؤں گا''۔ وہ اَڑ گیا۔

''کیا پوچھنا ہے؟'' وہ دونوں ہاتھ پشت پر لگا کر تیز لہجے میں پوچھنے لگا۔

''تم تہذیب میں انٹرسٹڈ ہو؟'' اس نے بغیر تمہید کے ہی پوچھ لیا۔

''یہ فضول بات پوچھنی تھی''۔ فائق کو تو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا وہ اسے کچھ بھی ایسا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مائز اس کا ریکارڈ لگا دے۔

''یہ فضول نہیں ہے' میں نے تمہیں اس دن دیکھا تھا جب کوئی آدمی تہذیب کو پوچھ رہا تھا' تم نے چوکیدار کو کتنی ہدایتیں دی تھیں اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں اور تہذیب کو ٹیکسی کے پیچھے ایک ساتھ دیکھا تھا''۔ مائز تو مکمل اسے گھیر چکا تھا۔ فائق نے حیرانگی سے اسے دیکھا جو اس لمحے خاصا سنجیدہ بھی لگ رہا تھا۔

''کس دن دیکھا تھا!'' وہ انجان بننے لگا۔

”دیکھ فائق مجھ سے نا تو آنکھ ملا کے بات کر“۔

”یار مائز تم تو بات کا فسانہ بنانا شروع کر دیتے ہو“۔ وہ بے زاری اور اکتاہٹ سے بیڈ کی سمت بڑھا۔

”میں فسانہ نہیں بنا رہا ہوں‘ سیدھی بات پوچھ رہا ہوں اس دن تم اس کے ساتھ انیکسی کے پیچھے تھے تو کیا کر رہے تھے“۔

”واٹ‘ کیا کر رہے تھے مطلب کیا ہے؟“ وہ تیز لہجے میں بولا۔

”مطلب تو جانتا ہے میں کیا کہنا چاہتا ہوں“۔ اس نے فائق کو گھورا۔

”انیکسی کے پیچھے وہ تھی میں تو یہ دیکھنے گیا تھا کہ وہ کیوں ہے‘ میں نے پوچھا تو کہنے لگی کہ کوئی آدمی اسے تنگ کر رہا تھا اس لیے اِدھر چھپ گئی“۔ بروقت اس نے کچھ جھوٹ اور سچ ملا کر اسے بتا دیا۔ مگر مائز کی تجسس بھری اور تشویش بھری عادت کو وہ جانتا تھا کہ وہ مطمئن پھر بھی نہیں ہوگا۔

”پلیز یار اب چلے جاؤ‘ مجھے سونا ہے“۔ وہ نیند کا تاثر پیش کرنے لگا۔

”یہ جو تو نے فضول کی کہانی مجھے گھڑ کے سنائی ہے میں یقین کرنے والا نہیں ہوں‘ ضرور کچھ تو ہے کیونکہ میں نے تہذیب کو دیکھا ہے تجھے دیکھ کر وہ گھبرانے لگتی ہے“۔ وہ بیڈ سے اٹھا۔

”وہ رہتی ہی گھبرائی ہوئی ہے مجھ پر الزام مت ڈالو“۔ وہ لیٹ گیا۔

”دیکھ فائق! اگر کوئی ایسی بات ہے تو یار بتا ناں‘ لڑکی بُری نہیں ہے صرف غریب ہی تو ہے تو کیا ہوا یہ ایسی کوئی پرابلم بھی نہیں ہے“۔ وہ بضد تھا کہ کسی طرح تو مان لے۔

”فضول ہی بات کرنا اور بکنا‘ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور میں بتا چکا ہوں میں لڑکیوں کی قوم سے بچتا ہوں“۔ اس نے نگاہ چرا کے اپنی بات پر زور دے کے کہا۔

”لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو ایک آدمی کو لمحوں میں چاروں خانے چت کر دیتی ہیں“۔ معنی خیزی سے بول کر اُسے گھورنے لگا۔

”مائز یار کیا تم ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہو“۔

”تو سیدھی طرح مان کیوں نہیں لیتا کہ تہذیب کو تو پسند کرتا ہے“۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی بولا۔

”ایسی کوئی بات جب ہے ہی نہیں تو کیسے مان لوں“۔

”تو سوچ لے فائق اگر وہ لڑکی تیری زندگی میں آ گئی تو جب بھی انکار کرے گا“۔

”لگتا ہے مجھے ہی اب یہاں سے جانا پڑے گا کیونکہ تیری یہ بے سر و پا راگنی بند تو ہوگی نہیں“۔ فائق غصہ میں بھنا کے بیڈ سے ہی اٹھ گیا۔

”کر تو میری بات کی نفی‘ جس دن بھی میں نے تجھے رنگے ہاتھوں پکڑا ناں تو سوچ لے پھر میں کیا کرتا ہوں“۔ وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کے بولا۔ فائق تو گھبرا ہی گیا کیونکہ وہ مائز کی عادت کو بھی جانتا تھا کہ کسی بات کے پیچھے پڑ جائے تو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی ہوتا تھا۔ اور پھر فائق کی سوچوں میں تو اس لڑکی کا گزر ہونے لگا تھا مگر ابھی تک وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا یا پھر وہ ان جذبوں کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا‘ وہ خود بھی الجھنے لگا تھا اگر وہ تہذیب کے پیچھے پڑا ہوا تھا تو بس اس لیے کہ وہ بے خبری میں ہی کسی کا تر نوالہ نہ بن جائے اور وہ صنف نازک کی بہت عزت کرتا تھا مگر کبھی اس نے محبت و پیار عشق اور پسند کے بارے میں سوچا ہی کب تھا۔

”میری بات سن لے غور سے‘ زندگی میں کبھی نہ کبھی انسان پر وہ لمحے بھی آتے ہیں جو اس نے تصور بھی نہیں کیے ہوتے ہیں‘ ویسے تو وہ بہت دعوے کرتا ہے مگر ایک دن صرف ایک لمحے اور پل کی زد میں آ کر وہ سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اس لیے میرے بھائی اپنی اَنا کے آگے اپنی محبت کا گلا نہیں گھونٹنا کیونکہ محبت مل جاتی ہے تو چڑھتے سمندر میں کچھ ٹھہراؤ آ جاتا ہے اور نہ ملے تو سمجھو طغیانی آ جاتی ہے“۔ مائز اتنی گہری اور سنجیدہ بات اس سے کر رہا تھا اور وہ گنگ سا اسے دیکھے جا رہا تھا کیونکہ مائز اتنا سنجیدہ کبھی نہیں رہا تھا۔

”تم ہوش میں تو ہو“۔

”بالکل ہوش و حواس میں ہوں‘ میں نے ایک بات سمجھائی ہے اور سن میں ایسے تو تجھے بخشوں گا نہیں“۔ اس نے فائق کے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے۔ فائق حیرانگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا وہ بھی تو بچپن سے وشہ کو پسند کرتا آ رہا تھا یہ بات صرف فائق کو ہی پتہ تھی اور اکثر وہ اس سے ذکر بھی کرتا رہتا تھا مگر اس نے کبھی بھی مائز سے اپنی فیلنگ شیئر نہ کی تھیں‘ وہ تو اتنا متحمل مزاج شخص تھا سب اسے محریب کا دوسرا پارٹ کہتے تھے جبکہ رافع اور مائز اتنے ہی چلبلے تھے لڑکیوں میں وشہ تھی مائز سے اس کی ایک لمحے کو نہیں بنتی تھی۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تو ایک دم اتنا سنجیدہ کیسے ہو گیا“۔

”زیادہ بکواس نہ کر“۔ مائز جھینپ گیا۔ فائق نے جواب میں قہقہہ لگایا تا کہ سنجیدہ ماحول تو ختم ہو۔

............☆☆☆............

اس کے دل میں ایک ویرانی اور بے چینی سی ہو گئی تھی‘ یہ بات نہیں تھی کہ اسے اپنے بھائی کی شادی ہونے سے جیلسی ہو رہی تھی بلکہ اسے تو ساتھ ہی یہ خوشی بھی تھی کہ اس کے بھائی نے ابھی اپنی خواہش کو لبوں تک لایا بھی نہ تھا کہ وہ پوری ہونے والی تھی‘ اس نے مائز کی شادی کی تیاریوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی کمرے تک کی اس نے مع فرنیچر کے ساری سیٹنگ کروائی تھی مگر اسے ساتھ ہی یہ فکر سوار تھی کہ کہیں بعد میں عنایہ اپنے اور اس کے رشتے سے اگر انکار کر گئی تو وہ یہ برداشت نہیں کر پائے گا۔ بچپن سے وہ اپنے جذبوں کو چھپائے ہوئے تھا صرف اس ایک خاص لمحے میں اسے سب عنایہ پر آشکار کرنا تھا مگر وہ لمحہ آنے ہی نہیں دے رہی تھی‘ پہرے بٹھائے جا رہی تھی اور وہ اس کی اس شدت پسندی اور سرد مہری پر کتنی ہی بار تڑپا تھا‘ جھنجھلایا تھا مگر عنایہ کو جیسے مطلق پرواہ ہی نہ تھی۔ اگر سمیرا چچی نے اسے اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ رشتہ توڑ دے تو کیا وہ یہ بھی کر گزرے گی‘ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے جس دن سے دونوں کی پارک میں تلخ کلامی ہوئی تھی اس دن کے بعد اس نے عنایہ پر حق جتانا چھوڑ دیا تھا اور نہ ہی وہ اسے رخ دے رہا تھا صرف وہ اپنی خفگی اسے دکھا رہا تھا شاید وہ کچھ تو سوچے۔ دروازے پر متواتر دستک نے محریب کے خیالوں کی جھیل میں پتھر پھینکا اور اس کی توجہ ہٹ گئی‘ فوراً ہی سیدھا ہوا‘ کھڑکی کے پردے برابر کیے اور دروازے کی سمت دیکھا۔

”آ جاؤ“۔ چہرے پر زبردستی کی بشاشت بھی رکھی۔ دروازہ کھول کر آنے والا مائز تھا وہ حیرانگی سے دیکھنے لگا کہ اتنی رات کو وہ اس کے کمرے میں کیوں آیا۔

”تم ابھی تک سوئے نہیں“؟

”نیند ہی نہیں آ رہی تھی‘ فائق نے تو کمرے سے ہی نکال دیا‘ میں نے دیکھا آپ کے روم کی لائٹ جل رہی تھی تو آ گیا“۔ وہ محریب کا بغور جائزہ لینے لگا جو بلیو نائٹ ڈریس میں ملبوس نارمل خود کو ظاہر کر رہا تھا۔

”بھائی جان! اینی پرابلم“؟ اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''نو پرابلم''۔ مبہم سا مسکرایا۔

''خیر سب سے بڑی پرابلم تو آپ کی اور میری ساس محترمہ ہیں''۔

''مائز''۔ محریب نے چتون تیکھے کر کے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔

''یار بھائی جان اس سے تو نہ آپ انکار کر سکتے ہیں اور نہ میں''۔

''امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم بہت فضول بولتے ہو''۔ اس نے مائز کی بات پر کچھ ناگواری کا بھی اظہار کیا۔

''ہر ایک کو میری بات فضول ہی لگتی ہے مگر میں آپ سب کو ہر بات بالکل ٹھیک اور پرفیکٹ کہتا ہوں''۔ بُرا مان کے گویا مائز بھی اس کے بیڈ پر لیٹ گیا تھا اور وہ نیم دراز تھا کب سے سوچوں کی یلغار میں اسی پوزیشن میں ہی لیٹا تھا۔

''صبح تمہیں یونیورسٹی نہیں جانا جو اَب تک جاگ رہے ہو''۔

''کمپیوٹر پر بیٹھا تھا کچھ کام تھا وہ کر رہا تھا' آپ کو پتہ ہے میں کب اتنی دیر تک جاگتا ہوں''۔ وہ اٹھا۔

''پڑھائی پر سنجیدگی سے دھیان دو۔ کیونکہ تمہارا آخری سال ہے''۔

''شادی پر دھیان دوں یا پڑھائی پر''۔ وہ منہ کو بگاڑ کے بولا۔

''پھر ایسا کرتے ہیں شادی ایک سال کے لیے ٹال دیتے ہیں اگر تمہیں مسئلہ ہے تو''۔ محریب نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔ مائز اسی پل ایڑیوں کے بل گھوما۔

''اب ایسا بھی مسئلہ نہیں ہے پھر سمیرا چچی کو سیدھا کرنے کے لیے تو میرے پاس ایک ہتھیار آ رہا ہے وہ کیسے چھوڑ دوں''۔

''مائز! سدھر جاؤ اگر تم نے ایسی فضول کوئی بھی بات بعد میں کرنے کا سوچا ہے نا میں تمہاری شادی سچ کہہ رہا ہوں رُکوا دوں گا''۔ محریب فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں مائز احمد ہوں' محریب احمد نہیں کہ ڈر جاؤں سمیرا چچی سے' آپ دیکھیے گا بعد میں کیا کرتا ہوں''۔ مائز تو مصمم ارادہ باندھ چکا تھا کہ اسے کرنا کیا ہے۔

''وہ آپ کو اور بھابو کو اسی طرح اٹکا کر رکھیں گی' اب وقت آ گیا ہے کہ سمیرا چچی کو احساس دلایا جائے کہ وہ جو کچھ کرتی آئی ہیں یا کر رہی ہیں غلط ہے''۔

''مائز! مجھے بالکل یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم بعد میں میرا اور عنایہ کا مسئلہ کھڑا کرو''۔ محریب ویسے بھی اب اپنا تو کوئی ذکر چاہتا ہی نہ تھا۔

''بھائی جان! زندگی کوئی مذاق نہیں ہے کہ اسے یوں برباد کیا جائے' آپ کے اور بھابو کے بھی کچھ جذبات ہیں''۔

''تم چپ کرتے ہو یا میں تمہاری مار لگاؤں''۔ وہ جھینپ گیا۔

''آپ اسی لحاظ و مروت میں اپنا نقصان کر کے رہیں گے اور میں اپنے ہیرے جیسے بھائی کو اس طرح برباد تو کبھی نہیں ہونے دوں گا''۔

''تم زبردستی کرو گے بولو جب وہ لڑکی ہی راضی نہیں ہے تو یہ سب کرنا بھی فضول ہے''۔ محریب کے اندر کی محرومی دکھ بن کے غصہ میں چھلک پڑی۔

''میں بے باک ملک میں رہ کر ضرور آیا ہوں مگر مجھے خود پر کنٹرول ہے''۔

''یہی تو مجھے آپ پر حیرانگی ہوتی ہے پانچ سال امریکہ میں گزارے بھائی جان! ذرا بھی تو آپ میں تبدیلی نہیں آئی ہے''۔ مائز کو اکثر محریب پر حیرانگی بھی ہوتی تھی جو آزاد اور بے باک ملک میں رہ کر ضرور آیا تھا مگر اس کی سوچیں خیالات ابھی اتنے بے باک نہ آزاد خیال ہوئے تھے۔

''تبدیلی لا کر مجھے کرنا کیا تھا میں وہاں پڑھنے گیا تھا خود کو بدلنے نہیں گیا تھا اور پھر مجھے اپنی مشرقی اقدار اور مذہب کا بھی خیال ہے''۔ وہ بولا۔

''آپ اور لڑکوں کی طرح کیوں نہیں ہیں' آپ بھی کیوں نا اَڑ گئے بھائی جان' بھابو کی مرضی کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے' آپ مضبوط تو بنتے' کیسے پھر بھابو رضامندی نہ دیتیں''۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

''میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں پھر جو رشتے دلوں کی خوشی سے جوڑے جاتے ہیں وہ پائیدار بھی ہوتے ہیں''۔ وہ ذومعنی بولا۔

''یعنی میرا اور وشہ کا رشتہ تو پھر دلوں کی رضامندی سے کب جڑا ہے' وہ تو خود مجھ سے اتنا چڑتی ہے' آپ سوچیے وہ میرے ساتھ رہ لے گی''۔ وہ سنجیدگی سے اپنا موضوع بھی لے آیا۔

''وشہ میں اور عنایہ میں بہت فرق ہے''۔ محریب جھٹ بولا۔

''کیا فرق ہے؟'' وہ حیرانگی سے پوچھنے لگا۔

''وشہ لڑ جھگڑ کے دوستی کر لیتی ہے جبکہ عنایہ نہ ہی لڑتی ہے اور نہ ہی کچھ کہتی ہے''۔ وہ بولا۔

''ہوں''۔ مائز نے سر ہلایا۔

''میری یہ بات یاد رکھنا اگر تم نے سمیرا چچی سے کوئی بھی بدتمیزی کی بعد میں تو سوچ لو میں کیا کر سکتا ہوں''۔ محریب نے دھمکی دی۔

''میں بھی تو سنوں کیا کر سکتے ہیں''۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر جما کے گویا ہوا۔

''یہ میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا بعد میں بتاؤں گا جب تم کچھ کرو گے''۔ اس نے مائز کو گھورا۔ مائز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''مسکراؤ نہیں' میں سیریس ہوں''۔ محریب تپ ہی گیا۔

''یار آپ تو اس ٹائم بالکل ہی بدلے ہوئے لگ رہے ہیں' آپ بے فکر رہیے آپ کی ساس کی شان میں گستاخی کرنے کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا ہوں''۔ بات تو پل میں یونہی گھما تا تھا۔

''اچھا اب اچھے بچوں کی طرح یہاں سے نکلو' صبح تمہیں یونیورسٹی بھی جانا ہے''۔ محریب نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی پھر کچھ نہ بولا اور سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ محریب نے ایک لمبی گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں جیسے ہی آنکھیں بند ہوئیں وہ سامنے آ گئی۔

''عجیب لڑکی ہو میرے حواسوں پر چھائی رہتی ہو مگر حقیقت میں کتنی دور ہو''۔ وہ سوچنے لگا۔

زندگی کو وہ کتنا خوش کن سمجھ کے یہاں آیا تھا مگر یہاں تو آ کر دیکھا سب ہی بدلا ہوا تھا' کتنا افسردہ ہوا تھا جب پتہ چلا کہ جواد چاچو اس گھر سے چلے گئے ہیں' وہ دید کا شوق لیے پردیس سے واپس آیا تھا مگر وہ یہاں تھی ہی نہیں' وہاں تو وہ سمیرا چچی کی وجہ سے جاتا ہی نہ تھا بلکہ گھر کا کوئی فرد نہ جاتا تھا۔ عنایہ' وشہ اور معارج آتے رہتے تھے' کتنا کچھ بدل گیا تھا' ایک احد ہی تھا جس کی اس سے بنی ہوئی تھی سارے رازوں سے بھی واقف تھا ہر بات وہ اس سے کرتا تھا مگر اپنی بے تابی بے قراری اور بے چینی کی داستان اسے کبھی نہیں سنائی تھی۔ دوسرا حمود تھا جو اس کا اسکول و کالج تک میں ساتھ رہا تھا پھر یہ تو امریکہ چلا گیا' اس طرح دونوں کا رابطہ منقطع ہو گیا' اب پھر دونوں مل گئے تھے تو اس کی زندگی میں کچھ تبدیلی یہاں سے آ گئی تھی اس کی طرف بھی نکل جاتا تھا یا وہ یہاں آ جاتا تھا' وہ یہاں آ کر بیزار ہی ہوا تھا۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 11 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express your thoughts beautifully

"گھر کتنی دور ہے؟" ہشام سالار نے کچھ سخت لہجے میں پوچھا۔

"وہ میرا دوست محریب ہے ناں' اس کی انیکسی میں رہتی ہے وہ اپنی خالہ کے ساتھ"۔ حمود سنبھل سنبھل کے بول رہا تھا۔ ہشام سالار اس کی بات غور سے سننے کے بعد اتنا بولے تھے' کلثوم بانو بھی وہیں بیٹھی تھیں۔

"اس لڑکی نے پڑھا کتنا ہے؟"

"ماسٹرز کیا ہے"۔ وہ مودب انداز میں بول رہا تھا۔ حمود سالار کی نگاہ ٹی وی کی اسکرین پر بھی تھی اور وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ انہیں منتہیٰ کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ راحمہ کو ٹیوشن پڑھائے گی۔

"تم خود ملے ہو؟" وہ کچھ مشکوک انداز میں بولے۔

"نہیں وہ محریب کی کزن ہے' اس نے خود بتایا ہے"۔ جھٹ بولا۔

"ٹھیک ہے اگر راحمہ کو وہ ہینڈل کرلے تو میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' ایسا کیجیے گا آپ جا کر مل آیئے گھر والوں سے بھی دیکھ لیں ماحول بھی"۔ ہشام سالار ایسے بول رہے تھے جیسے کوئی رشتہ طے ہو رہا ہے۔

"بابا! ہم راحمہ کے لئے ٹیوٹر رکھ رہے ہیں' کوئی رشتہ نہیں کر رہے"۔ حمود کو خود بولنا پڑا۔

"تم گدھے ہی رہنا' کبھی عقل سے نہ سوچنا' ہماری بیٹی دو گھنٹے وہاں گزار کے پڑھے گی' پھر بھی ہمیں یہ تو دیکھنا پڑے گا ناں وہاں کا ماحول وغیرہ"۔ ہشام سالار نے اسے ڈانٹ دیا۔ حمود لب بھینچ کے رہ گیا' کلثوم بانو نے پہلو بدلا تھا۔

"اور ہاں' اس لڑکی کو آپ یہ ضرور سمجھا دیجیے گا کہ ہماری بیٹی پڑھائی کی بہت چور ہے"۔ وہ بولے۔

"میں نے بھی کہہ دیا ہے راحمہ کے بارے میں سب کچھ"۔ وہ بھی گویا ہوا۔

"اور ہاں فیس وغیرہ بھی طے کر لیجیے گا آپ ہی جا کر"۔ ہشام سالار پھر بولے۔ حمود پہلو پر پہلو بدل رہا تھا اور دل میں شکر بھی ادا کر رہا تھا کہ سب کچھ آسانی سے طے ہو گیا تھا ورنہ بابا کو سنبھالنا تو بہت ہی مشکل تھا۔

"ایسا کریں آپ آج ہی جایئے راحمہ کو لے کر"۔

"بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں"۔ حمود نے جھٹ تائید کی' ہشام سالار نے چونک کے اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا تو وہ کچھ گڑبڑا سا گیا اور نگاہ جھکالی' بلیو جینز پر بلیو ہی جینز کی شرٹ میں ملبوس خاصا ڈیشنگ بھی لگ رہا تھا۔

"میں راحمہ کو تیار ہونے کا کہہ دیتی ہوں کیونکہ چھ بج رہے ہیں"۔ کلثوم بانو کھڑی ہو گئیں۔

آج ویسے ہی حمود اور ہشام سالار جلدی آفس سے اس لئے آ گئے تھے کہ دونوں کی ہی میٹنگ تھی' حمود بھی اٹھنے لگا تھا کہ انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

"کب تک تم سیریس ہو کر حمنیٰ کے بارے میں سوچو گے؟"

"وہ بابا! میں آپ کو جلدی بتا دوں گا"۔ جتنا وہ اس ذکر سے بچ رہا تھا وہ اتنا ہی کرتے تھے۔

"دیکھو حمود! میں چاہتا ہوں کہ نیاز احمد کی بیٹی ہی اس گھر کی بہو بنے کیونکہ وہ لڑکی مجھے بالکل ٹھیک لگی ہے تمہارے لئے"۔ وہ بولے۔

"اُف...... بابا کو اپنی پارٹنر شپ کو جوڑے ہی رکھنا ہے"۔ وہ سوچ کے دانت پیسنے لگا۔

"جی آپ کی بات سر آنکھوں پر مگر کچھ دن میں آپ کو جواب دے دوں گا"۔ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ بروقت موبائل کی بپ نے اسے اس ناگوار ٹاپک سے بچا لیا تھا۔ وہ تو حمنیٰ کو سوچنا تک نہیں چاہتا تھا اور کجا وہ اپنی زندگی میں شامل کر لے۔ اب تو سوائے منتہیٰ کے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا تھا' راحمہ کو اس سے ٹیوشن پڑھوانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ

منتہیٰ اس کے گھر والوں کو جان لے اور پھر وہ ایسا کچھ سلسلہ کرے گا کہ منتہیٰ اسے گھر آ کر ہی پڑھائے' اس سے پھر وہ باقی گھر کے ماحول کو بھی جان لے گی۔ جس وقت وہ گھر پہنچا تھا منتہیٰ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی حکمت کو اور حمزہ کو پڑھا رہی تھی' ان تینوں کو سامنے دیکھ کر تو وہ گھبرا ہی گئی تھی۔

"ارے بہن! آیئے اندر آپ"۔ مبینہ نے جھٹ انہیں اندر بلایا۔ کلثوم بانو اور راحمہ سیدھی اندر چلی گئیں تھیں جبکہ وہ راہداری میں ہی رُک گیا تھا۔

"میری امی اور بہن ہیں"۔ وہ منتہیٰ سے بولا۔ منتہیٰ نے سنا ہی نہیں اور وہ بھی اندر چلی گئی کیونکہ اسے گھبراہٹ بھی سوار ہو گئی تھی' حمود بھی اندر ہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ ہے منتہیٰ؟" مبینہ نے تعارف کروایا۔ کلثوم بانو نے کاسنی کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس پروقار اور سادہ سی لڑکی کو بغور چونک کے دیکھا۔

"منتہیٰ......" وہ زیرِ لب بولیں اور جیسے وہ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی ہوں۔

"جی"۔ وہ چونک کر انہیں بغور دیکھنے لگی کیونکہ کلثوم بانو کا پرسوچ چہرہ اسے پزل کر گیا تھا۔

"بیٹا! آپ نے میری اس نکمی بیٹی کو پڑھانا ہے"۔ جھٹ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ راحمہ نے بُرا سا منہ بنایا' پڑھائی سے شروع سے ہی بھاگتی تھی اور اب تو اس کے پڑھنے کا پکا انتظام اس کے بھائی نے کر دیا تھا۔

"جی وہ میں......"

"میری بہن کچھ شرارتی ہے' پلیز آپ اس کی شرارتوں سے گھبرایئے گا نہیں"۔ حمود نے اس کی جھجک دیکھ لی تھی' اسے ڈر بھی تھا کہ وہ پڑھانے سے منع ہی نہ کر دے۔

"بھائی! جھوٹ تو نہ بولیے آپ سے کم ہی شرارتی ہوں"۔ راحمہ نے اپنے بھائی کے بازو پر زوردار مکا جڑ دیا۔

"راحمہ! کبھی تو لحاظ کر لیا کرو' بڑا بھائی ہے تمہارا"۔ کلثوم بانو نے اسے سرزنش کی' وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ جبکہ منتہیٰ عجیب پچویشن میں تھی کہ کیا بولے' وہ کبھی حمود کو دیکھتی تو کبھی کلثوم بانو کو دیکھتی۔

"امی! آپ فیس وغیرہ بھی طے کیجیے' میں محریب کی طرف ہوں"۔ وہ اٹھ گیا مگر آنکھوں سے منتہیٰ کو کچھ کہا تھا' راحمہ کی آنکھیں الگ اپنے بھائی پر تھیں پھر اس نے منتہیٰ کو دیکھا جو کچھ بوکھلائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

حمود محریب کی طرف آ گیا تھا اتفاق سے وہ گھر میں موجود تھا ورنہ عموماً وہ اس ٹائم پر ہوتا نہیں تھا۔

"ہو گئی بات؟" محریب نے پوچھا۔

"امی باقی کر لیں گی تمام بات"۔ وہ گویا ہوا۔ حمود کی نگاہیں ڈرائنگ روم کے باہر گلاس وال سے لان کا نظارہ بھی کر رہی تھیں۔

"اللہ کرے تمہارا باقی کا معاملہ بھی سیٹ ہو جائے"۔ محریب نے دل سے دعا دی تھی۔

"یار! میں اس لڑکی کے فلسفے سے پریشان ہوں' ہر بات میں اتنا گہرا فلسفہ بولتی ہے میرا دماغ گھوم جاتا ہے"۔ وہ خاصا جھنجھلایا ہوا اور بےزار سا بولا۔

"شکر ہے کوئی تو تمہیں چپ کرانے والا ملا"۔ محریب معنی خیزی سے شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ تو میں اس لئے بھی برداشت کر رہا ہوں کہ لڑکی کافی سمجھدار ہے' خوش فہم بالکل نہیں ہے اور میری ماں کی بھی پسندیدہ بہو بھی ہو سکتی ہے"۔

"پھر وہ حمنیٰ نیاز کا کیا ہو گا؟" محریب نے اس کے پرسوچ چہرے پر گہری نگاہ ڈالی۔

''بس کچھ وقت انتظار پر رکھوں گا پھر خود ہی مجھ سے مایوس ہو کر اپنے قدم موڑ لے گی''۔ حمود خاصا سنجیدہ تھا۔
''تم لوگوں کی پارٹنر شپ کا کیا ہوگا' اس کے بارے میں بھی سوچا ہے؟''
''اس کے بارے میں بھی میں نے سوچا ہوا ہے اور میں خود کو اور نہ ہی بابا کو نیاز انکل کا محتاج بنانا چاہتا ہوں' اگر پارٹنر شپ ٹوٹتی بھی ہے تو ٹوٹ جائے''۔ وہ مطمئن انداز میں بول رہا تھا۔
''سوچ لو' انکل برداشت کرلیں گے''۔
''بابا کو میں ریلیکس کروں گا اور پھر محریب! حمنیٰ میرے مزاج کی لڑکی بالکل نہیں ہے' مجھے یار یہ پارٹیز گلیمرز پسند نہیں ہے اور میں پٹھان قبیلے کا ہوں' مجھے بیوی پردے میں چھپی اچھی لگتی ہے''۔ اس کی سوچیں محریب سے کتنی ملتی تھیں۔
''ہم دونوں کی کہانی میں زیادہ فرق تو نہیں ہے''۔ حمود یکدم بولا۔
''ہوں''۔ اس نے صرف مبہم سی آواز نکالی۔
''اچھا میں اب چلتا ہوں' امی تو وہاں سب کچھ بھول کے بیٹھی ہیں''۔ اس نے اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور اٹھ گیا' اسے یہ بھی تو جاننا تھا کہ منتہیٰ مان بھی گئی یا ابھی تک اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے اور وہ یہ موقع کسی طور کھونا نہیں چاہتا تھا' آہستہ آہستہ ہی اسے سارے معاملات طے بھی کرنے تھے۔

............☆☆☆............

وشہ کی ایگزام کی ڈیٹ شیٹ بھی مل گئی تھی مگر اس کا پڑھنے میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا' جتنا وہ پڑھنے میں دل لگا رہی تھی دل اس کا اُچاٹ ہو رہا تھا' سارا سارا دن کتابیں کھولے بیٹھی رہتی تھی مگر یاد ایک لفظ نہیں ہو رہا تھا' ذہن بھٹک بھٹک کے مائز کی طرف جا رہا تھا کیونکہ دونوں کی ایک لمحہ بھی نہیں بنی تھی اور اب ساری زندگی' سوچ سوچ کے گھبراہٹ اور پسینے چھوٹ رہے تھے' اپنی یہ کیفیت وہ عنایہ سے بھی نہیں کہہ رہی تھی' وہ خود پہلے ہی اتنی پریشان اور افسردہ تھی' اسے مزید اپنی جانب سے فکرمند نہیں کرنا چاہتی تھی اور امی سے تو کہنے کا سوال ہی نہیں تھا' وہ تو اس کی جانب سے بالکل ہی لاتعلق بنی ہوئی تھیں۔
کب سے فون بج رہا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا ہو' عنایہ نہا رہی تھی' سمیرا اپنے پارلر میں تھیں وہ اٹھی اور لاؤنج میں رکھے کارنر سے فون اٹھالیا۔
''ہیلو''۔ نہایت جھنجلا کے کہا۔
''ہیلو کی بچی فون اتنی دیر میں ریسیو کیا ہے تم نے''۔ دوسری جانب مائز کی شوخ اور پرجوش آواز اُبھری تو وہ اچھل ہی گئی۔
''آپ......''
''شکر ہے پہچان لیا ورنہ تو لگتا تھا تم مجھے جب بھی نہ پہچانتی جب میں تمہارا گھونگھٹ اٹھاتا''۔ معنی خیز سی بات کے ساتھ اسے تپانے لگا۔
''فضول باتوں سے پرہیز کریں''۔ دل ویسے ہی اداس تھا اس پر مائز کی ایسی بے باک گفتگو' اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔
''تم آ رہی ہونا' پرہیز کروانا میرا''۔ پھر اسے سلگایا۔
''فون کیوں کیا ہے؟ آپی نہا رہی ہیں اور میں پڑھ رہی ہوں' میرے ایگزام ہیں نیکسٹ ویک میں' کچھ خبر ہے

آپ کو''۔ غصہ اس پر اتارنے لگی۔
''سب خبر ہے' یہی تو پوچھنے کے لیے فون کیا تھا' وہ تو میری لک اچھی ہے کہ فون تم نے ریسیو کیا ہے ورنہ تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری ساس صاحبہ نہ ریسیو کرلیں''۔
''میں اپنی امی کے متعلق کچھ بھی فضول نہیں سن سکتی ہوں' سن لیں آپ''۔ وہ تیز لہجے میں بولی۔
''تمہاری امی میری بھی اچھی لگتی ہیں''۔
''اچھا جلدی بولیے کیوں فون کیا ہے؟'' وہ کچھ نرم سی آواز میں بولی۔
''اتنی جلدی فون پر تو نہیں بول سکتا' چند دن بعد فیس ٹو فیس بولوں گا''۔
''پلیز......'' وہ پھر بےزاری سے بولی۔
''اچھا اچھا غصہ نہیں کرو''۔
''کیسے غصہ نہ کروں' میری پڑھائی آپ نے ڈسٹرب کروا دی' میں نے کیا کیا نہ سوچا تھا' سب میرا تباہ کردیا آپ نے اور ساری زندگی مجھے آپ کو برداشت کرنا پڑے گا''۔ وہ تو کاٹنے کو دوڑی۔
''ابھی تو دیکھو تم آگے آگے کیا ہوتا ہے''۔ وہ وشہ کو تپانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔
''کیا گناہ کیا تھا میں نے جو مجھے ایسی سزا مل رہی ہے''۔
''اب سزا تو مجھے مل رہی ہے ساری زندگی کی' تم جیسی لڑاکا لڑکی کو میں برداشت کروں گا' تم آخر اپنے آپ کو سمجھ کیا رہی ہو''۔ وہ کبھی بھی وشہ کی باتوں کا بُرا نہیں مانتا تھا۔
''پھر کیوں کر رہے ہیں شادی' منع کردیں''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔
''میں کیوں منع کردوں' دادی جان کو جانے کیوں تم بہنوں سے اتنی محبت ہے کہ وہ تو تمہیں اور بھابی کو اپنے سامنے رکھنا چاہتی ہیں ورنہ ہم بھائیوں کو ایسی کوئی مار نہیں پڑی ہے''۔ وشہ دانت پیسنے لگی اور دھڑ سے فون ہی رکھ دیا' کیونکہ مائز نے بات ہی ایسی کی تھی' خوب منہ ہی منہ میں بڑبڑانے بھی لگی تھی۔
''ہم بہنیں بھی ایسی فالتو نہیں ہیں' دیکھنا میں ابھی آپی کو بھی بتا دوں گی''۔ وہ اپنی ساری کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ عنایہ نہا کر نکل چکی تھی' اب نماز پڑھ رہی تھی' وشہ بیڈ پر بیٹھ گئی' دل اتنا رو رہا تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ عنایہ نے نماز سے فارغ ہو کے اس کے تنے ہوئے روئے روئے چہرے کو دیکھا تھا تو شاکی ہوگئی۔
''وشہ! کیا بات ہے؟'' گلابی کپڑوں میں عنایہ کا سراپا چمک رہا تھا۔
''آپی! ابھی مائز کا فون آیا تھا انہوں نے جو کہا ہے آپ سنیں گی''۔ وہ رونے لگی۔ عنایہ نے پُرسوچ نگاہ ڈالی' وشہ نے مائز کی ساری باتیں اسے بتادیں۔
''ارے وہ مذاق کرتا ہے''۔
''آپی! وہ مذاق میں نہیں کہا تھا مجھے بہت غصہ آ رہا ہے ان دونوں بھائیوں پر''۔
''لیکن مجھے سن کے بالکل بھی غصہ نہیں آ رہا''۔ وہ مسکرائی۔
''آپی! مجھے محریب بھائی سے یہ امید نہیں تھی''۔
''مائز نے صرف مذاق کیا ہے''۔ عنایہ ویسے بھی مائز کی عادت کو جانتی تھی' وہ صرف وشہ کو تنگ کر رہا تھا۔
''اور آپ کو نہیں پتا' کچھ الٹا سیدھا ابھی بول رہے تھے''۔ وہ منہ بسور کے بیڈ پر دونوں پاؤں اوپر کرکے بیٹھی۔

”وہ الثا سیدھا میں بھی جانتی ہوں کیا بول رہا ہوگا“۔ اس نے آنکھیں گھمائیں کیونکہ مائز نے یقیناً اس سے کوئی معنی خیز باتیں بھی کی تھیں جب ہی اسے غصہ آ رہا تھا۔

”آپی! میرا پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا ہے“۔ ساری جھنجلاہٹ اب اس نے پڑھائی پر نکالی۔

”پھر کیا خیال ہے مائز سے نہ کہہ دوں کہ تمہیں پڑھا دیا کرے“۔

”آپی! آپ بھی شروع ہوگئیں ناں“۔ وہ چڑ گئی۔

”تم پڑھائی کو مسئلہ کیوں بنا رہی ہو' شادی ہم نے تمہارے ایگزام کے بعد رکھی ہے حتیٰ کہ ہم نے مائز کے ایگزام کی بھی پرواہ نہیں کی ہے جبکہ سب یہی کہہ رہے تھے کہ مائز کے ایگزام کے بعد رکھیں گے لیکن یہاں تایا ابو اور تائی امی نے تمہارا خیال کیا کہ وشہ کے ایگزام کے بعد رکھی جائے گی“۔ وہ اسے سمجھانے لگی۔

”پڑھائی میری پھر بھی ٹھیک تو نہیں ہو رہی ہے ناں“۔

”تم صرف پڑھائی پر توجہ دو' تمہیں کیا ضرورت ہے کچھ بھی سوچنے کی“۔ اس نے وشہ کو اپنے شانے سے لگایا۔

”کیسے نہ سوچوں“۔ وہ بولی۔

”میں ہوں نا تمہارے ساتھ' پھر کیا فکر ہے؟“

”آپی! آپ وہاں تو نہیں ہوں گی جبکہ آپ کو وہاں پہلے ہونا چاہیے تھا“۔ وہ بولی۔

”تمہیں یہی فکر ہے پھر“۔

”کیوں مجھے نہیں کرنی چاہیے؟“ وہ افسردگی سے بولی۔

”ابھی تو بالکل نہیں کرو' تم ایسا کرو کچھ دیر سو جاؤ' شام میں اٹھ کر یاد کرنا' میں دیکھتی ہوں معارج کیا کر رہا ہے کھانا بھی نہیں کھایا ہے اس نے“۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے چلی گئی۔

............☆☆☆............

اس دن وہ جلدی گھر آ گیا کیونکہ وہ چاہ رہا تھا کہ پہلے دن وہ راحمہ کو چھوڑ آئے تو اچھا ہے پھر بابا نے بھی اجازت دے دی تھی' تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو حیرانگی سے جھٹکا کھاتے رہ گیا' راحمہ تیار بیٹھی تھی اور بیگ بھی اس کے ساتھ ہی صوفے پر پڑا تھا۔

”پڑھنے میں جا رہی ہوں' آپ کس حساب میں اتنا تیار ہوئے ہیں“۔ راحمہ نے بلیک ڈریس پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں ملبوس اپنے ڈیشنگ سے بھائی کا بغور جائزہ لیا' وہ جھینپ سا گیا۔

”بچی ہو' دادی اماں بن کے مت پوچھا کرو“۔ حمود نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی' کلثوم بانو مسکرانے لگی تھیں۔

”مجھے نظر بھی تو رکھنی ہے نا کہ میرا جوان بھائی آخر اتنا تیار ہو کر کسے خوش کرنے جا رہا ہے“۔

”اچھا زیادہ فضول بولنے کی کوشش نہ کرو' بیگ اٹھا کر باہر آ جاؤ“۔ وہ خود ہی چور سا بن گیا' ڈرائیونگ ڈور کھول کے بیٹھا' لمبی روش جو کہ لال اینٹوں کی تھی' بڑا سا سرسبز لان اور جدید طرز پر بنا یہ بنگلہ سب کی توجہ کا مرکز تھا' ہر چیز قیمتی تھی' راحمہ فرنٹ ڈور کھول کے بیٹھ گئی' چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دل خوش تھا کہ اس نے یہ معرکہ بھی سر کر لیا تھا منتہیٰ کو ٹیوشن کے لئے راضی کرنے کا۔

”گاڑی روکیے“۔ راحمہ نے اچانک ہی اس کے بازو پر مکا مار کے کہا۔

”کیوں اب کیا ہوا؟“

”ایک خوبصورت سا بکے لے کے آئیے اپنی ٹیچر کو دینا ہے“۔ وہ بولی۔ حمود کے لب مسکرا اٹھے' گاڑی رکوائی بھی اس نے پھولوں کی دکان کے پاس تھی' اس نے بڑا سا بکے لیا اور راحمہ کو دیا۔

”اب ایک گفٹ بھی لینا ہے“۔ وہ پھر بولی۔

”آج یہی دے دو گفٹ کل لے جانا“۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

”ٹیچر میری ہیں یا آپ کی؟“

”میری ٹیچر ہو بھی نہیں سکتی“۔ وہ مسکرا کے ذومعنی لہجے میں بولا۔

”ستو لڑکی! تم مجھے تنگ کیے جا رہی ہو“۔

”اچھا تنگ کر رہی ہوں' موڑیے گاڑی واپس مجھے نہیں پڑھنا وڑھنا“۔ وہ پھر اکڑ گئی۔

”سوری میری بہن مجھے معاف کر دے' جو کہہ رہی ہے دلا دیتا ہوں“۔ مجبوراً پھر اس نے گاڑی مارکیٹ کے پاس روکی' راحمہ نے دو تین گفٹ منتہیٰ کے لیے خریدے۔ حمود نے شکر ادا کیا کہ وہ زیادہ بدکی نہیں ورنہ اسے قابو کرنا بہت مشکل تھا' ساڑھے پانچ بج گئے تھے لگتا تھا وہ اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی' حمود نے مسکراتی نگاہوں سے منتہیٰ کو بلیک کپڑوں میں دیکھا' وہ گھبرا کے نگاہ جھکا گئی تھی۔

”سوری مس آج لیٹ ہو گئی مگر کل سے ٹائم پر آؤں گی“۔ اس نے بکے اور گفٹ منتہیٰ کو دیئے۔

”اس کی کیا ضرورت تھی“۔ وہ تو بوکھلا ہی گئی۔ حمود آرام سے بڑے صوفے پر بیٹھا تھا' مبینہ اور حکمت بھی بیٹھی تھیں' تہذیب شاید آفس سے آنے کے بعد آرام کر رہی تھی وہ نہیں آئی تھی۔

”کہتے ہیں کہ گفٹ دینے سے محبت بڑھتی ہے“۔

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے بیٹا“۔ مبینہ نے جھٹ تائید کی۔

”لے لو منتہیٰ اتنی محبت سے لائی ہے“۔ وہ جھجکتی ہوئی لینے لگی تھی' حمود نے پھر نگاہ ڈالی جو کتنی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ حکمت چائے بنانے چلی گئی تھی' مبینہ بھی اٹھ گئی تھیں' اب کمرے میں تینوں تھے' حمود ابھی تک بیٹھا تھا۔

”آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں' چلیں جائیں یہاں سے مجھے پڑھنا ہے اور ہاں ڈرائیور کو بھیج دیجیے گا میں آ جاؤں گی“۔ راحمہ نے حمود کو اطمینان سے بیٹھے دیکھا تو بولی' وہ جز بز سا ہو گیا' منتہیٰ کو ہنسی آ گئی جو اس نے مشکل سے ضبط کی' حمود نے چونک کے حیرانگی سے دیکھا وہ اس کے سامنے پہلی بار مسکرائی تھی۔

”ارے مس کو کیا دیکھ رہے ہیں“۔ وہ پھر ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

”لڑکی ہو کہ ہنگامہ...... جا رہا ہوں“۔ وہ گھورنے لگا' اصل میں وہ منتہیٰ سے کچھ بات کرنا چاہ رہا تھا اور یہاں ممکن نہیں تھا کیونکہ راحمہ کی نظریں اس پر جو لگی ہوئی تھیں۔ وہ مجبوراً اٹھ گیا مگر اسے کچھ تو کرنا ہی تھا کہ منتہیٰ سے کچھ بات کر سکے۔

”آنٹی چائے بنانے گئی ہیں وہ تو پی لوں“۔ وہ پھر رُکا۔

”بھائی! اتنے چائے کے آپ دیوانے تو نہیں ہیں“۔ وہ فہمائشی انداز میں تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

”راحمہ! آپ ایسا کریں اندر والے روم میں بیٹھیے' میں آتی ہوں“۔ اسے حمود پر جیسے رحم سا آ گیا۔ خود صحن میں چلی گئی کیونکہ حمود جو چلا گیا تھا۔

”سنیے“۔ اس نے پیچھے سے جا کر مخاطب کیا۔ حمود اسی وقت ایڑیوں کے بل گھوما اور منتہیٰ کی جانب متوجہ ہو گیا' وہ جھینپ کے رُک سی گئی۔

”شکر ہے آپ کو مجھ غریب کا خیال آ گیا ورنہ میں تو پورا راستہ سوچتا ہی رہتا“۔

"مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ میں فیس بالکل نہیں لوں گی' آپ اپنی امی کو بتادیجیے گا"۔
"کیوں احسان کرنا چاہتی ہو"۔
"احسان تو آپ نے کیا ہے مجھ پر ورنہ میری اوقات کیا"۔ وہ افسردگی اور حسرت بھرے لہجے میں بولی۔
"تمہاری اوقات ہے 5 سے 7 میں راحمہ کو پڑھانا' بس یہی یاد رکھو"۔ اس نے بات کو مذاق میں اڑایا۔
"میں سیریس ہوں"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔
"میں بھی تو سیریس ہوں اتنا کہ لائف میں کبھی نہیں ہوا"۔ وہ مسکرایا۔ منتہیٰ کی سرخ وسپید رنگت اور سرخ پڑ گئی' وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔

"حمود سالار! یہ زندگی ہے کوئی مذاق نہیں ہے آپ میری بات سمجھتے کیوں نہیں ہیں"۔ وہ جھنجلا گئی۔
"تم سمجھا دو کسی دن فرصت میں' شاید سمجھ آ جائے"۔ وہ ترنگ بھرے لہجے میں بولتا ہوا منتہیٰ کے حواس خراب کرنے لگا تھا۔

"آپ سے میں بات ہی نہیں کروں گی اب"۔ وہ اندر کی جانب بڑھ گئی' حمود نے قہقہہ لگایا کیونکہ آج پہلی بار وہ اس سے ہارتی ہوئی لگی تھی اور اس کا شرمانا گھبرانا کتنا اچھا لگا تھا' خود میں سمٹی ہوئی لڑکیاں اچھی لگتی تھیں اُسے۔

............☆☆☆............

"بڑی دلہن! سمیرا ایک بار بھی تو یہاں نہیں آئی ہے"۔ دادی جان کو اب یہ نئی فکر لگ گئی۔ سب نے ہی چونک کے انہیں دیکھا جو بہت فکرمند اور مغموم سی لگ رہی تھیں۔
"اماں جی! آپ سمیرا کی فکر چھوڑیئے' جب بیٹی یہاں آ جائے گی تو خود آیا کرے گی"۔ وہ انہیں تسلی دینے لگیں۔ سب ہی لوگ ہال میں جمع تھے' ندرت بھی آئی ہوئی تھی شادی میں صرف پندرہ دن ہی تو بچے تھے' ساری تیاریاں پوری ہوگئی تھیں بس مائز کے روم کی سیٹنگ تھی جو محریب آہستہ آہستہ کروا رہا تھا۔
"میں نے ایسی کیا خطا کردی کہ وہ میری صورت تک سے بے زار ہے"۔
"ارے دادی جان! آپ کیا فضول سوچنے لگی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ وہ آپ کی صورت سے بے زار ہوں"۔ محریب فوراً انہیں سنبھالنے کے لیے ان کے قریب بیٹھا۔ رضوان احمد لب بھینچ کر رہ گئے تھے اور ریحان احمد الگ یہ سوچتے تھے کہ آخر کب تک اس طرح یہی سب چلتا رہے گا' وہ سب تو چاہتے تھے سمیرا بھی ان سب کے درمیان آ کر بیٹھے اور شادی کی تیاریوں پر ڈسکس کرے مگر وہ اپنی بھاوج کی تنگ مزاجی کو بھی خوب سمجھتے تھے۔
"فضول کی ضد نہیں ہے کہ وہ تیری شادی نہیں ہونے دے رہی ہے اور جواد نے صرف میری خوشی کے لیے وشہ اور مائز کا رشتہ طے کیا ہے"۔ انہیں اس پر بھی افسوس ہوتا تھا کہ وشہ ابھی بچی ہے اور کم عمر ہے اتنی جلدی اس پر ساری ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔
"آپ ہی تو کہتی ہیں کہ لڑکیوں کی جتنی جلدی ہو شادی ہو جائے' آپ ایسی بات کیوں کہہ رہی ہیں"۔ محریب نے ان کے نحیف سے ہاتھوں کو اپنے مضبوط توانا ہاتھوں میں تھاما۔
"میری خواہش تھی کہ پہلے عنایہ اور تیری شادی ہوتی"۔
"ارے دادی جان! آپ دیکھیے گا ایک سال کے اندر ہی محریب اور عنایہ کی بھی ہو جائے گی شادی"۔ ندرت نے انہیں سمجھایا اور ماحول کو افسردہ ہونے سے روکا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ دیکھنا ایسا ہی ہوگا"۔ ناظمہ نے بھی دل سے دعا کے ساتھ تائید کی۔
"ارے محریب تم اپنی دونوں بہنوں کو تو بھول ہی گئے ہو ان کی بھی کچھ فکر ہے تمہیں یا نہیں"۔ نزہت کو یکدم ہی تہذیب اور حکمت کا خیال آیا۔
"ہاں دلہن! وہ بچیاں بہت اچھی ہیں جلدی سے تہذیب کے لئے تو کہیں کوئی رشتہ ڈھونڈ ہی لو"۔ دادی جان سب کی فکر میں رہتی تھیں۔ فائق نے اسی وقت پہلو بدلا جبکہ مائز نے بڑی گہری اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا جو فلور کشن سے ٹیک لگائے عروب کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا مگر مائز کی نگاہیں خود پر محسوس کر رہا تھا۔
"ہوں...... یہ مائز اور وشہ کی شادی سے فارغ ہوتی ہوں تو کچھ کرتی ہوں"۔
"امی! کیا آپ رشتہ کرانے والی ماسی سے کہیں گی"۔ مائز نے شوخی سے کہا۔
"فضول مت بکا کرو ہر وقت"۔ انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے سرزنش کی تھی' فائق کے لب مسکرا اٹھے تھے۔
"کتنی عزت ہوتی ہے مائز بھائی آپ کی تائی امی کے ہاتھوں"۔ رافع نے اسے چڑانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔
"ابھی تمہاری عزت افزائی شروع کروں سب کے سامنے کہ وہ پڑوس کی شگو سے کیا چل رہا ہے"۔ مائز نے زور سے بول دیا اور رافع تو بُری طرح گڑبڑا گیا' فائق کی اسی وقت گھورتی غصیلی نگاہوں نے رافع کو دیکھا تو وہ بغلیں جھانکنے لگا' وہ تو شکر تھا بڑوں نے نہیں سنا تھا۔
"مجھے لگتا ہے تمہارا موبائل ضبط کرنا پڑے گا"۔ فائق نے ہمیشہ اپنا رعب اس پر رکھا تھا' یمنیٰ تک اس سے ڈرتی تھی اور ندرت بھی ڈر جاتی تھی کیونکہ وہ تھا ہی اتنا سنجیدہ مزاج۔
"وہ بھائی! میں ایسا کچھ نہیں کرتا"۔ رافع منمنایا۔
"او بھائی! کیا تو اس پر اپنا رعب دکھاتا ہے"۔ مائز کو رافع پر ترس آنے لگا۔
"تم بیچ میں مت بولا کرو"۔ اس نے خاصے برہم لہجے میں مائز کو بھی جھڑک دیا۔
"یار! میں مذاق کر رہا تھا تم تو سیریس ہو جاتے ہو"۔ وہ شرمندہ ہونے لگا۔
"رافع! ابھی تمہاری جو عمر ہے نا اس میں یہ فضول کی بکواس اچھی نہیں لگتی ہے"۔ وہ عروب کو بٹھا کے اٹھ کر چلا گیا۔ بزرگوں نے شاید ان لوگوں کی گفتگو نہیں سنی تھی البتہ اسے جاتے ہوئے سب نے دیکھا تھا۔
"دیکھا ڈانٹ پڑوادی نا' اب موڈ بھی ان کا خراب ہوگیا ہے' روز ڈانٹ پڑتی رہے گی"۔ رافع منہ بسورنے لگا۔
"اچھا اچھا زیادہ منہ مت بسورو' اسے میں درست کرلوں گا' سمجھتا کیا ہے خود کو وہ"۔ مائز کو اس وقت فائق کا لب ولہجہ بہت ناگوار گزرا تھا مگر وہ کبھی فائق کی کسی بات کا بُرا نہیں مناتا تھا' فائق کو کسی دوست کے پاس بھی جانا تھا وہ تیار ہو کے کمرے سے نکلا تو دیکھا وہ سامنے کھڑی تھی پنک اور اسکائی بلیو کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس' جھجک کر رک گئی' بلایا اسے محریب نے تھا اس لیے آئی تھی ورنہ رات آٹھ بجے کے وقت تو وہ آتی ہی نہ تھی۔
"وہ مجھے محریب بھائی نے بلایا ہے"۔ جھٹ بولی۔
"میں نے پوچھا تم سے کس نے بلایا ہے اور میرے بلانے پر تو تم آنے سے رہیں"۔ فائق کا لب ولہجہ معنی

خیز ہو گیا۔

"آپ تو ہر وقت لڑنے کا موقع تلاش کرتے ہیں"۔ وہ تنک گئی۔

"لڑنے کا موقع تم دیتی ہو"۔ گہری اور تفصیلی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا' وہ گھبرانے لگی۔

"اگر مجبوری نہ ہوتی ناں میں آپ کے گھر میں کبھی آ کر نہ رہتی"۔

"میرے گھر میں محترمہ! میرے گھر میں تو ابھی آپ آئی ہی کب ہیں"۔ وہ بے ساختہ بولا' تہذیب نے چونک کے اس کے لب ولہجہ پر غور کیا' وہ مسکرا رہا تھا' جانے کیوں اب جب بھی تہذیب کو وہ دیکھتا تھا اس کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھتی تھی اسے جان بوجھ کے تنگ کرتا تھا۔

"جی......"

"اندر جاؤ خوامخواہ تمہارا میرا افسانہ بن جائے گا اور میں ابھی ایسا کچھ نہیں چاہتا"۔ یہ کہہ کر اس کے برابر سے مخصوص کلون کی مہک بکھیرتا ہوا نکل گیا' تہذیب حواسوں میں آ گئی۔ وہ بھی تو اسے دیکھ کر خود کو پگھلتا ہوا محسوس کرتی تھی اس کی سحر انگیز شخصیت اس پر گمبھیر لب ولہجہ اور دیکھنے کا انداز سب ہی تو جدا تھا' وہ چوری چھپے اسے دیکھتی تھی جب بھی وہ گھر سے نکلتا تھا اور جب وہ اس کے سامنے ہوتا تھا تو وہ بکھرنے لگتی تھی' زبردستی لہجے میں ترشی لے آتی تھی تاکہ اس کے اندر کا چور اس کے چہرے پر اپنے رنگ نہ بکھیر دے اور وہ پھر چھپا بھی نہ پائے۔

............☆☆☆............

وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا اور کھانا کھا رہا تھا' ٹی وی آن تھا اس کی نگاہیں اس پر بھی تھیں' آج کل اسے نئی فیکٹری میں زیادہ ٹائم لگانا پڑ رہا تھا جو اس نے خود شروع بھی کر دی تھی حالانکہ ہشام سالار اور نیاز احمد کو کافی اعتراض بھی ہوا تھا مگر وہ ان دونوں کو ہی سہولت سے سمجھا چکا تھا کہ یہ فیکٹری وہ اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے۔

"تم کھانا کھا لو یا پھر ٹی وی دیکھ لو"۔ کلثوم بانو نے اس کی توجہ ٹی وی پر مرکوز دیکھی تو ٹوکے بنا نہ رہ سکی تھیں۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا فل سائز کا ٹی وی تھا گھر میں ہر چیز اسٹائلش اور بیش بہا قیمت کی تھی مگر حمود کا انداز سادہ ہوتا تھا' وہ فری انداز میں کھانا کھاتا تھا اور اس کا رہنے کا انداز بھی یہی تھا۔

"امی! آپ کو نہیں پتہ کتنے دنوں بعد تو میں ٹی وی دیکھ رہا ہوں"۔

"بیوی آ گئی ناں سب ختم ہو جائے گا ٹی وی بھی"۔ راحمہ لقمہ دینے ضرور آتی تھی۔

"تم زیادہ بزرگ بن کے مت بولا کرو"۔ حمود نے اسے گھور کے سرزنش کی جو سائیڈ پر پڑے بڑے سے صوفے پر بیٹھ گئی' لاپروا تو وہ بلا کی تھی۔

"راحمہ! بُری بات ہے بڑا بھائی ہے"۔

"ایسے ہوتے ہیں بڑے بھائی اور پندرہ سال بڑے ہونے سے کوئی بڑے نہیں ہو گئے"۔

"امی! آپ اسے چپ کراتی ہیں یا پھر میں اسے ہاتھ پکڑ کے کمرے میں بند کر کے آؤں"۔ ویسے ہی وہ اتنا تھکا ہوا تھا اور راحمہ کی فضول گوئی اسے سخت بُری لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" حمنیٰ کا زوردار اور فرشی سلام عقب سے آیا تو حمود کے چتون تن گئے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا لقمہ ہاتھ سے گر کے پلیٹ میں گیا۔

"ارے واہ حمنیٰ باجی! آپ وقت پر آئی ہیں بھائی آپ کو ہی یاد کر رہے تھے"۔ راحمہ کو اب حمود کو تپانے میں مزا

آنے لگا۔

"حمود! میں تم سے سخت ناراض ہوں' میری کال تک ریسیو نہیں کرتے ہو تم"۔ وہ اپنے مخصوص اسٹائل میں تھی بلیک ٹراؤزر پر پنک ٹی شرٹ میں' گلے میں باریک سا اسکارف میک اپ کی ایک تہہ بھی ضرور ہوتی تھی' وہ اٹھلاتی نخرے کرتی ناراض ہوتی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے قریب ہی بیٹھی۔ حمود جھجک کے ناگواری سے ٹرے اٹھا کے کھڑا ہو گیا۔

"ارے حمود! کھانا تو کھا لو"۔ کلثوم بانو نے اس کے چہرے کے زاویے دیکھ لیے تھے جو اتنا تنا ہوا تھا کہ دانت پیس رہا تھا۔

"امی! کھا لیا میں نے"۔ اس نے راحمہ کو غراتی اور گھورتی نگاہوں سے دیکھا جو کچھ لمحوں پہلے اس نے حمنیٰ کو خوامخواہ خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

"پلیز حمود! بیٹھو تو"۔ حمنیٰ ناراضی سے بولی۔

"ہاں تم بیٹھو میں بھی بیٹھتا ہوں"۔ وہ اس سے فاصلے پر رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم آج کل ہوتے کہاں ہو' میں آفس بھی گئی تم وہاں بھی نہیں ملتے ہو"۔

"وہ اصل میں' میں دوسری فیکٹری میں ہوتا ہوں"۔ اس نے اسپورٹس کا چینل لگا لیا اور نگاہ اسکرین پر جما دی۔

"حمنیٰ باجی! آپ سارا دن کیا آفس کے چکر لگاتی رہتی ہیں"۔ راحمہ نے حیرانگی اور فہمائشی انداز میں پوچھا۔

"نہیں تو' وہ تو میں جب حمود مجھے کال نہیں کرتا جب جاتی ہوں"۔ وہ کچھ خجل سی ہو گئی۔

"راحمہ! تم تیار ہو جاؤ تمہیں ٹیوشن چھوڑ کے آتا ہوں"۔ اس نے بچنے کا یہی طریقہ نکالا۔

"راحمہ ٹیوشن جاتی ہے؟"

"ہوں...... آج دوسرا دن ہے کیونکہ میرے بھائی کو میری بڑی فکر ہے کہ میں کچھ بن جاؤں"۔ وہ مسکرا کے بولی' حمود کی نگاہیں تو حمنیٰ کو دیکھنا تک نہیں چاہتی تھیں۔

"چلو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ"۔

"نن...... نہیں تم کہاں جاؤ گی' بور ہو گی' مجھے اپنے دوست کے گھر بھی جانا ہے"۔ حمود تو گھبرا ہی گیا۔

"تو کیا ہوا مجھے بھی لے چلو دوست کے گھر' آخر کو بعد میں بھی تو مجھے ان سے ملنا ہی ہو گا ناں"۔ وہ اتنے وثوق بھرے انداز میں گویا ہوئی کہ حمود نے تمسخرانہ ہنسی اڑائی۔

"کچھ باتیں اور چیزیں بعد میں ہی اچھی لگتی ہیں"۔

"تم مجھے اس بار ٹال نہیں سکتے' آج میں نے انکل سے پرمیشن لے لی ہے سارا دن آج میں اور تم ساتھ گزاریں گے' اوکے"۔ وہ اٹھلا کے رعب ودھونس بھرے لہجے میں اسے جتانے لگی۔

"راحمہ! تم جلدی سے تیار ہو کے آؤ' آج میں بھی جاؤں گی"۔ کلثوم بانو اپنے بیٹے کے تاثرات دیکھ رہی تھیں جو اتنا بے زار اور اُکتایا ہوا لگ رہا تھا کہ انہیں اس پر رحم سا آنے لگا۔

"حمنیٰ! ایسا کرو آج کچھ وقت میرے ساتھ گزار لو کچن میں"۔

"سوری آنٹی! مجھے کچن میں جانے سے گھبراہٹ ہوتی ہے' پلیز آپ مائنڈ نہیں کیجیے گا"۔ حمود تو اندر ہی اندر سلگ رہا تھا' کتنے آرام اور تفاخر زدہ لہجے میں کہا تھا کہ کچن میں جانے سے گھبراہٹ ہوتی ہے' کلثوم بانو لب بھینچ کے رہ گئی تھیں۔

"تم سارا دن اپنے گھر میں کرتی کیا رہتی ہو"۔ طنز سے پوچھا۔

"صبح اٹھ کر یوگا کرتی ہوں' پھر ناشتہ اس کے بعد ٹی وی کھول کے بیٹھ جاتی ہوں"۔

"اس کے علاوہ کیا کرتی ہو؟" حمود کو اس لاپرواہ لڑکی کی باتوں سے بہت ہی چڑ ہوتی تھی۔

"فرینڈز سے باتیں یا پھر پارٹیز"۔

"کتنی مختلف ہے نا تمہاری اور میری سوچیں"۔ حمود نے جتایا۔

"حمود! کم آن' تم اتنے بیک ورڈ کیوں ہو؟" وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔

"معلیئے بھئی میں ریڈی ہوں"۔ راحمہ اپنا بیگ لے کے آ گئی تو دونوں کی بات درمیان میں رہ گئی۔ زبردستی حمنیٰ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی' حمود بھناتا ہی رہا تھا' راحمہ کی ہنسی بھی نکل رہی تھی۔ جس وقت وہ اُتری حمنیٰ بھی اترنے لگی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" حمود نے حیرانگی سے پوچھا۔

"راحمہ کی ٹیچر سے ملوں تو کیسی ہے' کیونکہ راحمہ نے تعریف ہی اتنی کی ہے"۔

"راحمہ تو بے وقوف ہے' بیٹھو واپس"۔ حمود کو ڈر بھی تھا کہ راحمہ بے وقوفی میں منتہیٰ سے کچھ بک نہ دے۔

"تو میں تو ضرور ملوں گی"۔ وہ راحمہ کے ساتھ چلتی ہوئی جا رہی تھی' گاڑی حمود نے پارک کی ہوئی تھی اسے بھی اندر آنا پڑا' وہ انیکسی کی جانب بڑھ چکی تھی' گیٹ کھلا ملا تھا' راحمہ سلام کرتی ہوئی اندر گھسی تھی' حمنیٰ بھی اس کی تقلید میں اندر گھسی تھی' منتہیٰ نے چونک کے نئے چہرے کو دیکھا' پیچھے حمود بھی تھا۔

"بہت شوق تھا حمنیٰ بھابی کو آپ سے ملنے کا"۔

"بھابی......" منتہیٰ نے چونک کر حمنیٰ کا حلیہ دیکھا جو ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس خاصی ماڈرن اسٹائل میں تھی' حمود کی نگاہ نہیں اٹھ رہی تھی۔

"حمنیٰ! چلو آؤ"۔

"حمود! جب ہم آئے ہیں تو کچھ دیر بیٹھ کے تو جائیں گے"۔ حمنیٰ نے منتہیٰ کے سادہ سے سراپے کو دیکھا۔ مبینہ اور حکمت بھی آ گئی تھیں جبکہ حمود کی شرمندگی سے نگاہ نہیں اٹھ رہی تھی۔

"ابھی شادی ہوئی نہیں ہے"۔ حمود نے جھٹ بتایا۔ منتہیٰ کو اس لمحے جانے کیوں حمنیٰ کو دیکھ کر کچھ جلن سی ہوئی مگر وہ واضح نہیں کرنا چاہ رہی تھی' مبینہ نے خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

"یہ حمود تو مجھے لا ہی نہیں رہا تھا"۔ وہ نزاکت سے بسکٹ اٹھا کر کھا رہی تھی۔ حمود کو اس وقت اپنی حالت بگڑتی ہوئی لگ رہی تھی کیونکہ منتہیٰ نے ایک دو بار اچٹتی نگاہ اس پر بھی ڈالی تھی جو خفیف سا سنگل صوفے پر بیٹھا تھا۔ حمنیٰ مسلسل اپنی زبان کو بریک دیئے بغیر چلائے جا رہی تھی' حکمت اور منتہیٰ اس کی ہی سن رہی تھیں' تہذیب 5 بجے کے بعد ہی آفس سے آتی تھی ورنہ وہ بھی حمنیٰ کو دیکھ کر ضرور حمود کی خبر لے لیتی اور وہ اسی کوشش میں تھا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے حمنیٰ کو لے کر نکل لے۔

"حمنیٰ! چلو کافی ٹائم ہو گیا ہے' راحمہ کو پڑھنا بھی ہے"۔ حمود نے یکدم ہی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

"اوہ......سوری مجھے یاد ہی نہیں رہا' اوکے میں پھر آؤں گی"۔ حمنیٰ اٹھلا کر اپنے شولڈر کٹ بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سنوارتی ہوئی اپنا اسٹائلش سا شولڈر بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت تہذیب بھی سب کو سلام کرتی ہوئی چلی آئی' حمود تو بوکھلا ہی گیا جبکہ تہذیب کا انداز حمنیٰ کو دیکھ کر فہمائشی اور پرتجسس سا تھا۔

"حمود بھائی! کہاں بیٹھیئے تو......" تہذیب تو اسے اپنا نوٹس نہ لیتے پا کر پکار بیٹھی۔

"وہ اصل میں جلدی میں ہوں ضروری کام ہے' کیسی ہو تم؟" جلدی سے خیریت پوچھنے کا کام انجام دیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں آپ کہاں بھاگ رہے ہیں اور یہ کون ہیں؟" وہ تو ویسے بھی ہر بات کی تفتیش ضرور کرتی تھی۔ مگر حمود' حمنیٰ کو لے کر تیزی سے نکل گیا اور تہذیب کو اس لمحے اس پر حیرانگی بھی ہوئی کہ حمود سالار اسے اگنور کر کے کیوں گیا ہے۔ اس نے منتہیٰ پر جانچتی نگاہیں ڈالیں جو اَب راحمہ کو پڑھانے میں لگ گئی تھی۔

"یہ حمود بھائی کے ساتھ لڑکی کون تھی؟"

"بھائی کی منگیتر"۔ راحمہ نے جھٹ بتایا۔

"تہذیب! تم جاؤ اندر میں چائے وغیرہ بناتی ہوں' تم فریش ہو"۔ منتہیٰ نے اسے ٹالا کیونکہ اس کے سوالات شروع ہو سکتے تھے۔

............☆☆☆............

اس دن سمیرا کچھ شاپنگ وغیرہ کے لئے مارکیٹ گئی ہوئی تھیں' پارلر میں ان کی ورکرز تھیں' دشہ اپنی پڑھائی میں معروف تھی جبکہ عنایہ کی کچھ طبیعت ست سی ہو رہی تھی وہ معارج کے کوچنگ جانے کے بعد لاؤنج میں ہی صوفے پر لیٹ گئی تھی اور پھر اس کی آنکھ بھی لگ گئی مگر ڈوربیل کی وجہ سے اس کی پھر آنکھ ہڑبڑا کے کھلی' وہ سمجھ گئی تھی کہ سمیرا آ گئی ہوں گی' وہ اپنا بلیک پرنٹڈ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی باہر آ گئی اور بغیر پوچھے ہی گیٹ کھول دیا' سامنے محریب کو بلیو ڈریس پینٹ پر اسکائی بلیو شرٹ میں دیکھ کر وہ چونک گئی' جھٹ دوپٹہ شانوں پر برابر کیا اور جزبزی ہو کر سائیڈ پر ہو گئی۔

"گیٹ پوچھ کر کھولا کرو کہ کون ہے"۔ وہ کچھ برہم ہوا اور اندر آ گیا۔

"میں سمجھی کہ امی ہوں گی"۔ وہ خجل ہو گئی۔ محریب اندر چلا گیا اور عنایہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا کیونکہ ایک تو وہ آیا تھا دوسرا اسے امی کے آنے کا بھی خدشہ تھا۔

"چاچو ہیں گھر میں؟" وہ سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ابو تو چھ بجے تک آتے ہیں آفس سے"۔ وہ اس کے سامنے نگاہ جھکائے بول رہی تھی۔ محریب اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا جو بلیک کپڑوں میں اپنی کھلی کھلی رنگت میں لگ رہی تھی کہ وہ کسی کمزور لمحے کی زد میں نہیں آنا چاہتا تھا اور پھر اس کی خفگی بھی ہنوز برقرار تھی' وہ اسے اب نظر انداز کر کے غلطی کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ کتنے لوگوں کا دل توڑ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں رات کو آؤں گا"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ عنایہ نے تشکر بھرا سانس لیا کہ وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا ورنہ اسے محریب کے بیٹھنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ابو کا انتظار کرے گا۔

"کچھ چائے وغیرہ چلے گی؟" میزبانی نبھانے کا بھی خیال آیا۔

"جی نہیں تھینکس' آپ بس اتنا کیجیے گا کہ چاچو سے کہہ دیجیے گا کہ ہوٹل میں نے بک کروا دیا ہے' میں ان کے سیل پر ٹرائی کر رہا تھا مگر لگتا ہے نیٹ ورک کا مسئلہ ہے"۔ وہ گویا ہوا۔

"کون سا ہوٹل بک ہوا ہے؟" اتنا پوچھا۔

"اور ہاں کہہ دیجیے گا کہ میں نے ایڈوانس بھی دے دیا ہے"۔ وہ نیٹ کا دروازہ کھول کے پورچ میں نکل چکا تھا۔ عنایہ کو اس کی سرد مہری اور بے نیازی اس لمحے رلانے لگی تھی۔

"آپ آ کر خود کہہ دیجیے گا نا' مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں'۔ اسے بھی غصہ آ گیا۔

"خاصی لمبی زبان ہو گئی ہے تمہاری ورنہ تو سب بہت معصوم سمجھتے ہیں آپ کو"۔ فہمائشی انداز میں طنزیہ کہا۔

"میں آپ کی بات پر کہہ رہی ہوں'۔ وہ سلگ گئی۔

"او کے میں چلتا ہوں"۔

"رکیے ایک منٹ"۔ عنایہ کو اس کا یہ انداز خاصا گراں گزر رہا تھا۔

"میرے پاس ٹائم نہیں ہے"۔ وہ اس کی جانب متوجہ ہوا جو دھواں ہوئے چہرے کے ساتھ لب بار بار کچل رہی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے"۔

"سوچ لو آپ کی امی آ سکتی ہیں"۔ وہ پھر طنز کر گیا۔ عنایہ نے غراتی اور گھورتی نگاہ اس پر ڈالی جو لگتا تھا اسے سارے جلانے اور تپانے کے طریقے آزما رہا تھا۔

"آپ اندر آ ئیے"۔ محریب اندر آیا اور دوبارہ اس سنگل صوفے پر بیٹھ گیا' وہ خود بھی سامنے والے بڑے صوفے پر ٹک گئی' وہ اس کی جانب مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"عنایہ! میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا ہوں تم......"

"پلیز! آپ پہلے میری بات سنئے"۔

"شروع سے تم باتیں ہی سناتی آ رہی ہو' خاندان میں ایک میں ہی تمہیں اتنا بڑا بے وقوف مل گیا جسے تم جیسے دل چاہتا ہے چلانا چاہتی ہو' دادی جان کی تمہیں سپورٹ حاصل ہے' میرے گھر والوں کی حاصل ہے' بس اسی کا تم فائدہ اٹھا رہی ہو"۔ عنایہ نے افسردہ اور حسرت بھری نگاہیں اوپر اٹھائیں جو اتنا طنزیہ اور کٹیلا لگ رہا تھا کہ وہ حیران تھی وہ ایسی دل جلانے والی باتیں بھی کر سکتا ہے۔

"جلدی بولیے محترمہ! آپ کو جو بولنا ہے"۔

"نہیں بولنا مجھے آپ سے' نہیں کرنی آپ سے مجھے کوئی بات"۔ وہ تو روہانسی ہو گئی۔

"او کے جیسے آپ کی مرضی"۔ وہ شانے اُچکاتا ہوا کھڑا ہو گیا' اسے عنایہ کے روہانسے لہجے پر بھی کوئی بے چینی نہیں ہوئی' وہ مکمل اس کی جانب سے سرد مہر اور لاتعلق بن گیا تھا۔

"او کے چلتا ہوں رات کو آؤں گا"۔ یہ کہہ کر وہ رُکا نہیں تیزی سے نکل گیا۔ عنایہ کے آنسو رخسار بھگونے لگے' محریب آج اسے کتنے فاصلوں پر دکھائی دیا تھا جو اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا آج وہ اس کی کوئی فکر ہی نہیں کر رہا تھا۔

"میں کیا کروں' کیسے میں آپ کو بتاؤں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں' مجھے آپ کی بے رُخی رُلا رہی ہے' میں آپ کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی"۔ وہ آج آنسوؤں کو بہنے دے رہی تھی۔

"جانے کہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ مجھے یہ سب برداشت کرنا ہے"۔ وہ اشک پونچھنے لگی۔

"آپ کو میں دیکھنا ایک دن منا لوں گی آپ کو روٹھنے ہی نہیں دوں گی میں صرف آپ کی ہوں' ہمیں کوئی جدا نہیں کرے گا مجھے اللہ تعالیٰ پر یقین ہے ہمارا ملن ضرور ہو گا"۔ وہ خود کو بھی یقین دلاتی رہتی تھی۔

اسی وقت پھر ڈور بیل ہوئی تو جلدی سے چہرہ صاف کیا کیونکہ اسے قوی امید تھی سمیرا ہی ہوں گی اور وہ چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتی تھی کہ کچھ ہوا ہے۔ گیٹ کھولا تو وہی تھیں' خاصا سامان ساتھ تھا' وہ حیران بھی تھی کہ سمیرا اور اتنی شاپنگ۔

"گیٹ جلدی بند کر دیا کرو"۔ وہ ڈانٹ کے بولی تھیں۔ عنایہ نے گیٹ بند کیا' وہ مڑ ہی رہی تھی کہ نگاہ زمین پر گرے پیپر پر پڑی جو شاید محریب کی پاکٹ سے گرا ہو گا' دیکھا تو ہوٹل بک جو کروایا تھا اس کی سلپ تھی' ہوٹل کا نام بھی PC لکھا تھا۔

............☆☆☆............

"آؤ تہذیب بیٹا!" نزہت نے اسے دیکھا تو مسکرا کے گویا ہوئیں' وہ جھجک کے کوریڈور میں رُک گئی۔

"وہ آنٹی! مجھے محریب بھائی سے کچھ بات کرنی ہے' وہ ہیں گھر میں"۔ وہ جھٹ اپنا مدعا بیان کر گئی۔

"ابھی آیا تو ہے اپنے کمرے میں ہے' بیٹھو تو جاؤ کیا کھڑے کھڑے بات کرو گی"۔ انہوں نے ڈرتی جھجکتی تہذیب کا ہاتھ پکڑا اور ہال کمرے میں لے آئیں جہاں سارے ہی موجود تھے' وہ اور بھی جھجک گئی' فائق نے چونک کے استفہامیہ نگاہوں سے اس پر اچٹتی نگاہ ضرور ڈالی مگر مائز کی وجہ سے جلدی سے اپنی نگاہوں کا زاویہ ٹی وی اسکرین پر جما لیا۔

"مائز! چل جا بھائی کو بلا کر لا' کہنا تیری بہن آئی ہے"۔ انہوں نے مائز کو حکم دیا جو میوزک لگا کے اس پر جھوم رہا تھا۔ بڑا ہال کمرہ جہاں جدید طرز کا فرنیچر بڑے بڑے صوفے درمیان میں خوبصورت سا قالین اس پر بڑے بڑے ایک سائیڈ پر فلور کشن رکھے تھے ایک کونے پر بڑا سا سی ڈی پلیئر سامنے بڑی اسکرین کا ٹی وی درمیان میں قیمتی فانوس جس کی پیلی پیلی روشنی سب کے چہروں پر پڑتی ہال کمرے کو اور خوبصورت بنا رہی تھی۔ وہ جھجک کے کونے کے صوفے پر بیٹھ گئی' یمنیٰ ادھر نہیں تھی ورنہ وہ اس سے باتوں میں ضرور لگ جاتی' رافع کے ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ تھا' فائق بڑے صوفے پر نیم دراز تھا بلیک پینٹ پر بلیو شرٹ میں ملبوس ڈیسنٹ لگ رہا تھا' تہذیب نے ایک چور نگاہ ضرور ڈالی وہ جانے کیوں فائق کی شخصیت سے اتنی متاثر ہوئی تھی کہ وہ چاہ کے بھی اسے دل سے نہیں نکال پا رہی تھی' نزہت دوبارہ کچن میں چلی گئی تھیں۔

"اوہو ہماری گڑیا سی بہن کو آج فرصت مل گئی بھائی سے بات کرنے کی"۔ محریب پر داہٹا تا ہوا چلا آیا تھا' وہ کچھ دیر پہلے ہی تو جواد احمد کی طرف سے ہو کر آیا تھا اسے رات کو پھر جانا تھا۔ تہذیب نے سلام کیا جواب میں محریب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"وہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے"۔ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"ہوں...... کہو میں سن رہا ہوں"۔ وہ بھی سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ فائق کو اس کی آواز نہیں آ رہی تھی مگر تجسس بھی تھا کہ آخر ایسی کون سی ضروری بات اسے کرنی ہے جو وہ یوں اچانک ہی چلی آئی تھی۔ مائز بھی وہیں بیٹھ گیا' محریب نے اسے دیکھا تو وہ جز بز سا ہو کر اٹھا۔

"میں تہذیب کے لئے چائے لے کر آتا ہوں"۔

"نہیں میں چائے وغیرہ سب پی کر آئی ہوں پلیز یہ تکلف نہ کریں"۔ وہ جھٹ بولی۔

"دیکھو لڑکی! ہمارے گھر میں لڑکی صرف ایک ہے ہماری والدہ کو ماسی سے کچن کا کام کروانا قطعی پسند نہیں ہے اس لئے چائے میں خود بنا کر لاؤں گا' یمنیٰ' ندرت آپی کی طرف گئی ہوئی ہے"۔ اس نے بتایا۔

"اس نے کچھ پوچھا جو تم اسے بتا رہے ہو"۔ محریب کو اس کی فضول گوئی بُری لگی۔

"بھائی جان! میں اسے اس لئے بتا رہا ہوں کہ اتنی دیر سے میں امی سے چائے کا کہہ رہا ہوں مگر امی کہہ رہی ہیں کہ بنانی ہے تو خود بنا کر پیو میں کام کر رہی ہوں' یہ کچن میں جائے گی تو ہمارے لئے بھی چائے بنا کے لے آئے گی'۔

مائز بھی ایک شرارتی تھا۔ محریب اور تہذیب کو ہنسی آ گئی' فائق بھی سن رہا تھا۔

"دیکھا تہذیب باجی! ہمارے مائز بھائی کی چالاکی' آپ کو دیکھ کر انہیں کیا خیال آیا"۔ رافع نے لقمہ دیا۔

"تم چپ کرو' ہاں تو تہذیب چائے ابھی بناؤ گی یا بعد میں؟" وہ اس کے سامنے سینے پر بازو لپیٹ کر پھر مخاطب ہوا' تہذیب مسکرانے لگی۔

"وہ کام سے آئی ہے"۔ محریب نے مائز کے ٹھوکا مارا۔

"بھائی جان! یہ رشتے سے ہماری بہن ہے اور اس کا فرض ہے کہ ہم بھائیوں کا خیال کرے' چلو تہذیب پہلے چائے بناؤ"۔

"آپ فکر نہ کریں چائے وغیرہ سب بنا دوں گی' مجھے پہلے محریب بھائی سے بات کرنے دیں"۔ وہ اجازت طلب نظروں سے گویا ہوئی۔

"تہذیب باجی! آپ چائے تو بنائیں گی ہی پلیز ایک پراٹھا بنا دیجیے گا بھوک لگ رہی ہے اور امی اور تائی امی تو ابھی رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی ہیں' مجھ معصوم کا کسی کو خیال نہیں ہے"۔ رافع نے معصوم سی صورت بنا کے دہائی دی۔

"فائق! تو بھی اپنی فرمائش بتا دے موقع اچھا ہے"۔ مائز نے معنی خیز لہجے میں بولتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"جی نہیں شکریہ"۔ وہ روکھا تو پہلے ہی تھا۔ تہذیب کو اس کی رکھائی پر غصہ بھی آیا مگر وہ ضبط کر گئی کیونکہ جہاں دلوں کے رابطے ہی نہ ہوں تو یہ سب سوچنا بھی بے کار تھا۔

"یار! فائدہ اٹھا لے"۔ مائز اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"فضول کم ہانکا کرو"۔ وہ ڈانٹ کے بولا۔

"تہذیب! تم بولو کیا کہنا ہے یہ تو ایسے ہی لقمے دیتا رہے گا"۔ محریب کچھ اُکتا کے بولا تھا۔ تہذیب پھر سیدھی ہو کر بیٹھی کیونکہ اسے تو حمود اور حمنیٰ کے سلسلے میں بات کرنی تھی جب سے راحمہ سے اسے تفصیل ملی تھی اس نے ساری بات محریب کو بتا دی۔

"ہاں وہ حمنیٰ نیاز' حمود کی منگیتر ہے"۔

"منگیتر تھی ہے نہیں محریب بھائی! آپ اپنے دوست کو سمجھا دیں کہ اگر انہوں نے منتہیٰ باجی کو چھوڑنے کی غلطی کی نا میں پھر انہیں نہیں چھوڑوں گی"۔ اسے بہت ہی غصہ آ رہا تھا۔ رافع اور مائز تو ہال کمرے سے چلے گئے تھے جبکہ فائق جما ہوا بیٹھا تھا۔

"تم فکر نہیں کرو' حمود' حمنیٰ سے شادی کبھی نہیں کرے گا"۔

"مگر ان کے والد صاحب نے اموشنلی بلیک میل کیا تو؟" وہ بولی۔

"حمود سالار کو کوئی نہیں ہلا سکا' وہ ایسے پریشر میں بالکل نہیں آئے گا اور ہاں تم اپنے دماغ پر اتنا بوجھ مت ڈالو' حمود پٹھان قبیلے سے ہے جو بات اس نے کہہ دی تو کہہ دی' منتہیٰ اس کی بیوی ہے وہ اسے ایک دن گھر لے کر ہی جائے گا"۔ وہ اسے یقین دلانے لگا۔

"مگر آپ کو پھر بھی ان سے بات کرنی ہے کہ وہ حمنیٰ کے چکر میں نہ آ جائیں"۔

"نہیں آئے گا"۔ وہ مسکرایا۔

"اچھا پھر میں چلتی ہوں"۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"ارے ایسے کیسے جا سکتی ہیں' آپ چائے بنا کر پلایئے اور ہاں وِد پراٹھا"۔ رافع جیسے اس کے فارغ ہونے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

"رافع! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" فائق نے سرزنش کی۔

"میں نے ایسی کون سی بدتمیزی کر دی' صرف چائے پراٹھے کی فرمائش کی ہے"۔ وہ بُرا مان کے گویا ہوا۔

"پلیز گڑیا! ایک کپ چائے میرے لئے بھی"۔ محریب نے بھی مسکرا کے فرمائش کی اور پھر وہ اپنے اس بھائی کی تو کوئی فرمائش رد ہی نہیں کر سکتی تھی' رافع کی ہمراہی میں وہ کچن میں آ گئی جہاں نزہت اور ناظمہ رات کے کھانے کی تیاریوں میں لگی تھیں۔

"بہت ہی بدتمیز ہیں یہ لڑکے' باز نہیں آئے' میں نے کہا بھی تھا میں ایک گھنٹے بعد چائے بناؤں گی' سنتے ہی نہیں ہیں"۔ نزہت بولیں۔

"آنٹی! کوئی بات نہیں' اپنا سمجھ کے ہی مجھ سے کہا ہے میں اتنا تو کر سکتی ہوں آپ کی بیٹی نہیں ہوں"۔ وہ بولی۔

"گڈ! یہ ہوئی ناں بات تہذیب باجی ہال کمرے میں لے آیئے گا"۔ وہ بولتا ہوا چلا گیا۔ وہ پہلے چائے بنانے رکھ چکی تھی' رافع کے لئے پراٹھا بھی بنایا' سب کچھ تیار کر کے وہ ٹرے اٹھا کے کچن سے نکلی' ہال کمرے میں دیکھا تینوں ہی بیٹھے تھے۔

"مائز بھائی! یہ محریب بھائی کو چائے دے آیئے"۔ اس نے مائز سے کہا۔

"چل رافع بھاگ کے جا بھائی جان کو جواد چاچو کی طرف پھر جانا ہے"۔ مائز نے اسے حکم دیا۔

"تہذیب! چائے مزے دار بنائی ہے تم نے"۔ مائز نے چائے کا سپ لیا اور کن انکھیوں سے فائق کو دیکھا جسے چائے ابھی تک نہیں دی تھی۔

"واؤ خوشبو پراٹھے کی اچھی ہے"۔ رافع آ کر بیٹھا۔

"یہ چائے آپ کے بھائی کے لیے ہے"۔ وہ رافع کو اشارے سے کہہ کر چلی گئی۔ رافع اور مائز نے کھانسنا شروع کر دیا' فائق نے جواب میں دونوں کو گھورا مگر چائے پھر بھی نہیں لی کیونکہ مائز کی نگاہیں ہر وقت اس پر جو رہتی تھیں' وہ اٹھا اور ہال کمرے سے ہی نکل گیا' وہ اسے پھر کچن میں نظر آئی' جب سے یونیورسٹی سے آیا تھا اسے بھی چائے نہیں ملی تھی کیونکہ شام کی چائے یمنیٰ بناتی تھی' اب وہ روٹیاں پکانے میں مصروف ہو گئی۔

"چائے پی تم نے"۔ ناظمہ نے اس کی جھنجلائی ہوئی صورت دیکھی' گرے پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں خاصا سوبر لگ رہا تھا۔

"وہ دل نہیں کر رہا تھا"۔ اس نے تہذیب پر بھول کے بھی نگاہ نہ ڈالی۔

"تہذیب! تو سب کی چائے لے کے گئی تھی"۔ وہ سنک میں پڑے برتن دھو رہی تھیں۔ فائق کی غیر ارادی نگاہ تہذیب کے ہاتھوں پر تھی جو روٹیاں اتنی نفاست اور سلیقے سے بیل کے پکا رہی تھی۔

"تم کب سے مانگ رہے تھے اب پی کیوں نہیں رہے؟"

"دل نہیں کر رہا تھا بول تو رہا ہوں"۔

"فائق! میں تمہارے مزاج سے پریشان ہوں' جانے کیوں پل میں کچھ پل میں کچھ ہوتے ہو"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔

"چلو پھر کھانا کھا لینا' تہذیب روٹیاں پکا لے تو"۔ وہ بولتی ہوئی کچن سے جانے لگی تھیں۔ تہذیب کی پشت تھی

اور وہ وہیں موجود تھا، وہ اس گھر کی فرد نہیں تھی مگر کچن میں کام ایسے کر رہی تھی کہ جیسے برسوں سے یہاں رچی بسی ہو۔

”سارے جہان کا درد لے کر گھومتی ہو تم“۔

”جی“۔ وہ چونکی۔

”تمہیں کیا فرق پڑتا ہے حمود سالار کسی سے بھی شادی کرے“۔ وہ طنز کرنے لگا۔

”مجھے دو غلے مرد سخت بُرے لگتے ہیں“۔ وہ بھی تڑخ کے بولی۔

”بہت مردوں کے بارے میں جانتی ہو“۔ پھر ایک تیر اُچھالا۔

”آخر آپ کو پرابلم کیا ہے؟“ وہ ہاتھ میں بیلن لے کر سیدھی ہوئی فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

”اس وقت تو تم مجھے بیوی لگ رہی ہو“۔

”کک...... کیا......“ تہذیب تو اچھل ہی گئی۔

”بیلن سے ہر شریف آدمی ڈرتا ہے اور شوہر تو سب سے زیادہ“۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

”شکل دیکھی ہے اپنی شوہر“۔

”اے لڑکی کس خوش فہمی میں ہو، میں خود کو شوہر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تمہیں بول رہا ہوں کہ بیوی کے اسٹائل مار کے بات کر رہی ہو“۔ لمحوں میں اس نے تمسخر اڑایا، تہذیب تو جز بز سی ہو گئی اور فائق کو اس لمحے اس کی حالت پر مزا آیا۔

”کیوں میرے بارے میں کیا کبھی کچھ سوچا ہے؟“

”شٹ اپ، مجھے کیا ضروری پڑی ہے آپ کے بارے میں سوچنے کی“۔ وہ پھر اسے سلگانے لگا تھا۔

”ویسے اتنا بُرا بھی نہیں ہوں، سوچ لو کیونکہ ایک دو سال تو مجھے سیٹ ہونے میں لگیں گے ہی“۔ وہ اسے ہر طرح سے آزما کر دیکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اور لڑکیوں کی طرح تو نہیں ہے جہاں کسی لڑکے نے اہمیت دی اور خوش فہمی میں پڑ گئیں۔

”آپ کو چاہیے دس سال لگیں، مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ انتہا سے زیادہ خود پسند، خوش فہم آدمی ہیں اور ایسے آدمی مجھے سخت زہر لگتے ہیں“۔

”اچھا دو غلے بھی بُرے لگتے ہیں اور ایسے بھی کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں ایسا ہوں“۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر جما کر گویا ہوا۔

”آپ کی باتوں سے اور ہر انداز سے“۔

”اتنا غور سے دیکھتی ہو مجھے“۔ وہ لب بھینچ کے ہنسی روکنے لگا۔

”آپ...... آپ......“ وہ تو تنگ گئی۔

”جا رہی ہوں میں“۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

”ارے روٹیاں تو پوری پکا دو“۔ وہ اس کے پیچھے دوڑا۔ مگر تہذیب کو اس وقت زبردست غصہ آیا تھا، فائق کو ہنسی آ رہی تھی کیونکہ اس کا جلنا کڑھنا اور تنک کے جواب دینا اس کا انداز کتنا منفرد سا تھا، بالکل بناوٹ سے عاری تھی نہ اور لڑکیوں کی طرح اس میں اِتراہٹ تھی مگر وہ ابھی تک بھی اپنے جذبوں کو اس پر عیاں نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کرنا چاہتا تھا۔

............☆☆☆............

آج اسے حمنیٰ نے اتنا گھمایا تھا کہ وہ جان ہی نہ چھڑا پایا تھا، فیکٹری تک نہ جا سکا کیونکہ حمنیٰ نے بابا سے اجازت لی

ہوئی تھی، ڈنر بھی زبردستی باہر کیا حالانکہ حمود کا دل بالکل نہیں کر رہا تھا، ذہن و دل تو پریشان تھا کہ پتہ نہیں منتہیٰ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی بلکہ وہ تو خوش ہو رہی ہوگی شاید کہ جان چھوٹ جائے گی۔

”مگر میں تم سے دستبردار تو کبھی نہیں ہوں گا تم میری عزت ہو اور عزت کو گھر کی عزت بنایا جاتا ہے اُسے چھوڑا نہیں جاتا“۔ وہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ اسے خود اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ بے کلی اور بے چینی کیوں ہوتی ہے جتنا وہ منتہیٰ کو سوچتا تھا اس کے دل میں ایک دھڑکن میں بسا نام محسوس ہوتا تھا، وہ تو اتنا لاأبالی تھا کہ کبھی محبت کو نہ سمجھا اور جانا تھا مگر آج اپنے اندر کی بے کلی اور بے قراری کو وہ کوئی نام نہیں دے پاتا تھا جب جب مل کے آتا وہ کھویا کھویا رہتا اور آج کے بعد تو وہ اور ہی انداز میں سوچ رہا تھا، چینج کر کے وہ واش روم سے باہر آیا تو کلثوم بانو دودھ کا گلاس لے آئیں تھیں۔

”آج سارا دن ہی حمنیٰ کے ساتھ پھرتے رہے تم“۔ انہوں نے مسکرا کے پوچھا۔

”امی! میں تنگ آ گیا ہوں جان کا عذاب ہو گئی ہے پلیز جان چھڑائیے میں اسے افورڈ نہیں کر سکتا“۔ وہ اتنا بے زار اور پریشان لگ رہا تھا کہ وہ فکر مندی ہو گئیں۔

”بیٹا! میں تمہارے بابا کے آگے کچھ بول نہیں سکتی ہوں“۔

”پھر ٹھیک ہے مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا“۔ اسے بھی جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

”کیا کرو گے تم“۔ گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ حمود نے اے سی کی کولنگ بڑھا دی۔

”ایک شادی بابا کی پسند کی اور ایک میری پسند کی ہوگی“۔

”کیا......؟“ کلثوم بانو کو بیٹے کی دماغی حالت پر حیرانگی کے ساتھ شبہ ہوا۔

”بابا کو اپنی پارٹنر شپ عزیز ہے انہیں پکی بھی کرنی ہے ٹھیک ہے حمنیٰ سے کر لوں گا میں شادی بھی مگر ایک میری پسند کی ہوگی“۔ حمود نے دودھ کا گلاس خالی کیا اور رائٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”اپنے بابا کو جانتے ہو اتنے جوتے ماریں گے بلکہ وہ تو بندوق نکالنے کو تیار رہتے ہیں“۔ وہ ڈر گئیں۔

”اس بار میں ان کی بندوق سے بھی نہیں ڈروں گا کیونکہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا مجھے بھی حق ہے“۔ وہ نگاہ چراتے ہوئے بول رہا تھا۔

”اس عمر میں مجھے بھی گھر سے نکلوائے گا کیا؟“

”نو پرابلم مائی مام! آپ کا بیٹا اتنا قلاش نہیں ہوگا، اپنے قدم وہ جما رہا ہے، ساتھ رہیں گے آپ اور میں اور ساتھ میں آپ کی بہو“۔

”حمود! بات مذاق میں اڑانے کی نہیں ہو رہی ہے“۔ انہوں نے دو تھپڑ اس کی پشت پر جما دیے۔

”امی! مزا تو بعد میں آئے گا، گھر والی اور باہر والی کے ساتھ“۔ وہ کور کیف بجا کے بولا۔

”گدھے اگر اپنے بابا کی گولی سے بچے گا تو اپنی پسند سے بھی کرے گا شادی“۔

”میری ماں اتنی پریشان مت ہوں مگر پلیز مجھے اس حمنیٰ چڑیل کے ساتھ بالکل نہیں رہنا“۔ وہ اپنے بال نوچ کے بولا۔

”میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں؟“

”کیوں...... آپ بابا سے اڑ جائیے کہ میں بہو اپنی پسند کی لاؤں گی“۔ وہ کلثوم کو جوش دلانے لگا۔

”بہت آسان ہے نا ان سے اُڑ کے بات کرنا، باہر کا راستہ دکھا دیں گے ساتھ ہی مجھے بھی“۔ وہ ویسے ہی ان کے

غصے سے ڈرتی تھیں۔

"اوکے پھر مجھے کرنے دیں جو کرنا ہے"۔

"کسی لڑکی کو دیکھ کے رکھا ہوا ہے؟" وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

"ہوں...... یہی سمجھ لیں لیکن ابھی لڑکی راضی نہیں ہے' منانے کے لئے مجھے پاپڑ تلنے پڑ رہے ہیں"۔

"تلنے پڑ رہے ہیں"۔ وہ زیر لب بول کے چیخیں۔

"ہاں بیل تو لئے ہیں بس تلنے ہیں"۔ لہجہ اس کا معنی خیز اور شرارتی بھی تھا۔

"حمود! میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے"۔

"آپ جا کے آرام کریں صبح کا انتظار کریں ناشتے پر ملیں گے"۔ اس نے کلثوم بانو کو شانوں سے پکڑ کے اٹھایا ان کی پیشانی پر پیار کیا۔

"میری بات سن' پہلے وہ ثمنی نے وہاں منتہیٰ کے سامنے کیا زیادہ کچھ الٹا سیدھا بولا ہے؟"

"وہ ہے نا آپ کی صاحبزادی راحمہ سالار' اس کی کم زبان چلتی ہے پورا تعارف کروایا ہے کون ہے کیا لگتی ہے ثمنی"۔ وہ بولا۔

"ویسے بچی اچھی ہے"۔ کلثوم بانو کی نگاہوں میں منتہیٰ کا ملیح چہرہ گھوم گیا۔

"کون سی بچی......؟" وہ حیرانگی سے پوچھنے لگا کیونکہ ثمنی کی وہ تعریف کر ہی نہیں سکتی تھیں۔

"میں منتہیٰ کی بات کر رہی ہوں' ایسا لگتا ہے جیسے میں اسے جانتی ہوں"۔ حمود چونک گیا کہ کہیں انہیں کچھ شک تو نہیں ہو گیا' فوراً ہی سنبھل گیا اور خود کو نارمل کر کے گویا ہوا۔

"اس سے تو آپ پہلی بار ملی ہیں"۔

"ہوں...... مگر ایسا لگتا ہے جیسے مل چکی ہوں' منتہیٰ نام بھی بھلا سا ہے"۔ انہیں اپنی رشتے کی بہن یاد آ گئی۔

"میں تو کہتی ہوں کہ وہ یہاں ہی پڑھانے آ جایا کرے"۔ وہ بولیں۔

"مشکل ہے کہ آئے"۔ وہ بولا۔

"ویسے راحمہ وہاں جا کر پڑھے تو اچھا ہے ورنہ یہاں وہ پھر دوسرے جتنے بھی ٹیوٹر آئے ہیں اس نے سوائے ان میں کیڑے نکالنے کے کیا کیا ہے"۔ وہ خود ہی پھر نفی بھی کرنے لگی تھیں۔

"تم سو جاؤ' صبح پھر بات کرتی ہوں تم سے کہ تم نے آخر کس لڑکی کو پسند کیا ہے"۔ وہ اس کا ماتھا چوم کے کمرے سے نکل گئیں۔ حمود کچھ بوکھلاہٹ کا شکار بھی ہو گیا کہ انہوں نے پوچھا تو کیا جواب دے کس لڑکی کو بتائے اور ابھی وہ منتہیٰ کا نام لینا نہیں چاہ رہا تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ ثمنی بھی ضرور کوئی نہ کوئی فساد کھڑا کرے گی کیونکہ آج وہ سارے راستے یہی بولتی رہی تھی۔

"منتہیٰ کو گھر بلاؤ اور راحمہ کو ٹیوشن پڑھواؤ"۔ حمود کو منتہیٰ کی عزت زیادہ عزیز تھی' وہ اسے یوں حقارت سے تو کسی کو دیکھنے نہیں دے گا' وہ اس کی بیوی تھی۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 12

سلسلے وار ناول

چاہت دل کی چاہت

دل سے وہ ہاری تھی اسے فائق پر غصہ آئے جا رہا تھا جو اسے سلگانے کا کوئی بھی موقع اور طریقہ ہاتھ سے خالی جانے نہیں دیتا تھا۔ دل کے اندر تو وہ اسے بسا ہی چکی تھی مگر اب دل سے نکالنا بہت مشکل اور ناممکن تھا۔ شاید جانتا بھی تھا ہو کہ وہ اسے کتنا چاہنے لگی ہے مگر وہ کبھی اپنے انداز سے یہ ظاہر نہیں کرتی تھی کہ کتنی وہ اس کے دل میں اہمیت رکھتا ہے۔ شاید وہ اس بات سے بھی ڈرتی تھی اور اپنی حیثیت جانتی تھی اور خود کو بھی جانتی تھی کہ وہ اس کے دل میں تو کیا اس کے گھر میں بھی کہیں فٹ نہیں آتی۔ پھر یہ محبت ایک دم اچانک کیوں ہو جاتی ہے' کیوں یہ سوچی سمجھی نہیں ہے' کیوں یہ رسوا کروانے کے درپے رہتی ہے' یا پھر اس کا یہ گناہ تھا کہ وہ غریب تھی اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ کسی شہزادے کے خواب دیکھے یا کسی محل میں خود کو دیکھے۔ لڑکیاں بھی کتنی معصوم ہوتی ہیں' پل میں خواب خود ہی بناتی ہیں اور پھر بعد میں خود ہی ان خوابوں کو بکھیرتی ہیں کیونکہ وہ صرف خواب دیکھ سکتی ہیں' چاند کی تمنا تو کر سکتی ہیں مگر اسے پانا یا پھر اس تک جانا ان کے اختیار میں نہیں ہوتا' کچھ لڑکیاں اسی طرح اپنی خواہشات اور ارمان اندر دباتی رہتی ہیں کیونکہ حقیقت وہ جانتی ہیں۔

"کاش...... فائق احمد تم مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لو' کاش کوئی انہونی ہو جائے' کاش کوئی معجزہ ہو جائے اور تم مجھے خود اپنے منہ سے بول کے اپنی زندگی بنا لو' کاش......" وہ آج لان میں ٹہل رہی تھی اس کا دل اتنا بے چین اور بے کل ہوا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کے انیکسی سے باہر آ گئی تھی۔ ہرا بھرا لان سائیڈ پر بڑے بڑے درخت اور پورچ کی سائیڈ پر ماربل کے بڑے بڑے گملے مین گیٹ کے رائٹ سائیڈ پر چوڑی سی کیاری جس میں رنگ برنگے مختلف پھول لگے تھے۔ روش پر پول لگے تھے جس میں دودھیا اور پیلی لائٹس آن تھیں' بڑا سا بنگلہ ٹیرس پر بید کا جھولا پڑا تھا' بلیک گلاس وال جہاں اندر کا تو نہیں نظر آتا تھا لیکن اندر سے باہر کا سب نظر آتا تھا' وہ نگاہیں اٹھا کر اس محل کا جائزہ لے رہی تھی۔

"آہ' مجھ جیسی غریب لڑکیاں! ایسے محلوں کے خواب تو دیکھ سکتی ہیں مگر اس محل میں رہ نہیں سکتیں"۔ وہ چہل قدمی کرنے کے بعد چیئر پر بیٹھ گئی' لان میں خاموشی تھی گیارہ بج رہے تھے اور وہ اتنے ٹائم تو کبھی بھی انیکسی سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

"ارے آپ ادھر؟" رافع باہر سے آیا تو اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"ہوں...... آں" وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔

"ارے آپ تو ڈر گئیں' میں ویسے ہی پوچھ رہا تھا"۔ اس نے تہذیب کو بلیو اور مرجنڈا کنٹراسٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں دیکھا جو دوپٹہ سر تک اوڑھے ہوئے تھی۔

"وہ میرا دل گھبرا رہا تھا"۔

"پھر آپ اندر چلی جاتیں ناں امی اور تائی امی کے پاس"۔ وہ بولا۔

"لان میں اچھا لگ رہا تھا"۔

"ویسے کل کی چائے اور پراٹھے کا شکریہ"۔

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے"۔ تہذیب کو اس کا شکریہ ادا کرنا شرمندہ کر گیا۔

"پھر روز ناشتے میں آپ سے فرمائش کر دوں گا"۔

"کیوں نہیں مگر اس کے لیے تمہیں صبح چھ بجے اٹھنا پڑے گا کیونکہ آٹھ بجے مجھے آفس نکلنا ہوتا ہے"۔ اسے رافع کی بے تکلفی اچھی لگی۔

"رافع! تم کسی کام کے نہیں ہو گیٹ تو کھول دیتے' میں کب سے ویٹ کر رہا ہوں"۔ فائق کی جھنجلائی ہوئی برہم سی آواز آئی تو دونوں ہی گڑبڑا گئے' رافع مین گیٹ ہی کھولنے آیا تھا کہ وہ تہذیب کو دیکھ کر بات کرنے لگا۔ فوراً اس نے گیٹ کھولا' فائق گاڑی اندر لایا' یمنیٰ کو وہ ندرت آپا کے گھر سے لے کر آیا تھا' ساتھ کچھ سامان بھی تھا' تہذیب ان تینوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔ فائق بلیک پینٹ پر وائٹ ٹی شرٹ میں آنکھوں پر آئی گلاسز لگائے گاڑی سے سامان نکلوانے میں مصروف تھا' ندرت نے اپنے اور بچوں کے کپڑوں کے بیگ بھیجے تھے' یمنیٰ اپنی شاپنگ بھی ان کے ساتھ کرنے گئی تھی۔

"کیسی ہو تہذیب؟" یمنیٰ اس سے ملی۔

"ٹھیک ہوں' لگتا ہے کافی شاپنگ کی ہے"۔

"ہوں...... بہت ساری' تمہاری اور حکمت کی بھی ہے"۔ وہ بتانے لگی۔

"ارے میری کس لیے کر لی؟" وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔ فائق گاڑی لاک کر رہا تھا اور رافع سارے شاپرز اٹھا کے اندر لے جا رہا تھا۔

"کیوں اپنے بھائی کی شادی پر نہیں پہنو گی"۔ وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

"میں نے اور حکمت نے بنا لیے ہیں کپڑے"۔

"بٹ یہ ہماری طرف سے بلکہ محریب بھائی اور مائز بھائی کی طرف سے ہیں' انہوں نے ہی بھیجے ہیں' بتایا ہے تم دونوں کو مگر تم تو جھجکتی ہی رہتی ہو"۔ وہ ڈانٹ کے بولی۔

"آؤ اندر آؤ تم' حکمت کو بھی بلا کر لے آؤ ساری شاپنگ دکھاتی ہوں"۔ وہ تہذیب کو بولتی ہوئی اندر جانے لگی۔

"تم چلو آتی ہوں"۔ مسکرا کے جواب دیا۔

فائق کو اندازہ تھا اسے کل سے غصہ بھی ہے' اس نے الٹی سیدھی گفتگو جو کی تھی مگر تہذیب کو دیکھ کر وہ شوخ اور معنی خیز بن جاتا تھا۔

"آج محریب بھائی اور مائز کی بہن بنی ہو' کل اسی گھر کے کسی لڑکے کی بیوی بن جاؤ گی"۔ وہ اس کا راستہ روک کے معنی خیزی سے گویا ہوا' تہذیب نے اپنی خونخوار غراتی نگاہیں اوپر اٹھائیں' دانت بھی پیس رہی تھی مٹھیاں تک بھینچ لیں۔

"شٹ اپ' آخر آپ اتنی فضول باتیں مجھ سے ہی کیوں کرتے ہیں"۔

"وہ اصل میں کوئی لڑکی مجھے تمہاری جیسی بے وقوف ملی ہی نہیں کہ اس سے ایسی باتیں کروں"۔ سینے پر بازو لپیٹے مخمور اور سحر انگیز نگاہیں گلاسز سے جھانک رہی تھیں' اونچا لمبا فائق جس کا نام بھی بالکل ٹھیک ہی رکھا تھا خاصا لائق فائق بھی تھا۔

"بے وقوف ضرور ہوں مگر آپ کی طرح کی فضول گفتگو نہیں کرتی ہوں"۔

"اوہ...... بے وقوف ہو تم' اتنی چالاک ہو کوئی مجھ سے پوچھے سوشل ورکر ہو کتنے لوگوں کو تو تم گھماتی ہو"۔

"پلیز! آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میری ذاتیات میں بولنے کا' میں کیا ہوں کیا کرتی ہوں"۔ شہادت کی انگلی اٹھا کے اسے روکا۔ فائق نے ہاتھ بڑھا کے اس کی انگلی ہی پکڑ لی' وہ حواس باختہ سی ہو گئی' اس کی ایسی حرکت پر وہ اپنا ہاتھ چھڑائے جا رہی تھی مگر فائق نے جکڑا ہوا تھا۔ دل کر رہا تھا یہ لمحے رک جائیں' تہذیب کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں اسی طرح رہے' وہ اسے گدگداتا رہے' اپنے جذبے ابھی اندر سنبھال کے رکھے ہوئے تھے۔

"چھوڑیے میرا ہاتھ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ناگواری اور غصہ بھری آواز میں چیخی۔

"کان کھول کے سن لو تمہاری واہیات میں میں ضرور بولوں گا، سمجھیں تم"۔ کرخت اور درشت لہجے میں اسے وارن کیا۔

"آپ نے کیا لے رکھا ہے میرا؟" ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ فائق نے ہنوز اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

"نہیں ـــ" وہ بھی مسکرایا۔

"مجھے اب اس ایجنسی کو چھوڑنا ہی پڑے گا کیونکہ آپ کا تو کچھ نہیں جائے گا مجھے رسوا کروا دیں گے"۔ وہ غصے بھری آواز میں بولی۔ خود کو جتنا اس کے سامنے مضبوط اور بہ اعتماد ظاہر کرتی تھی مگر وہ اتنا ہی پست پڑنے لگی تھی، کیونکہ پہلے وہ اس کی تمنا کر رہی تھی مگر یہ شخص تو لگتا تھا محبت اور پیار کے مفہوم سے بھی آشنا ہی نہیں ہوا تھا، صرف دھونس اور اپنی حکومت جتانے کا شوق تھا۔

"پتہ ہے آپ جیسے لڑکے لڑکیوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں رہتے ہیں، میں اس طرح کی لڑکی نہیں ہوں فائق احمد جیسا آپ سمجھتے ہیں"۔

"واٹ ڈو یو مین آپ جیسے لڑکے؟" فائق کے تو دماغ پر جا لگی، تہذیب گھبرا گئی، ہونٹوں پر لب پھیرے کیونکہ وہ ایک دم مشتعل ہو گیا تھا۔

"اور ذرا بتانا کہ میں تمہیں کس طرح کی لڑکی سمجھتا ہوں؟"

"پلیز! آپ میرا ہاتھ تو چھوڑیے"۔ وہ روہانسی ہو گئی، اسے فائق کا برہم ہونا بھی ڈرانے لگا۔

"چہ چہ بیچارا، اتنا تمہارا دل ہے لمحوں میں تو ڈر جاتی ہو، یہ تم سوشل ورکر بن کیسے گئی ہو؟" اس نے طنز بھی کیا۔

"ہر بات میں آپ کو اعتراض ہے"۔

"تم پہلے مجھے یہ بتا دو کہ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا، یہ تک بھول گیا تھا کہ کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔

"آپ کو تو اگر کوئی بات کہہ دو تو اپنی جان مشکل میں ڈال لو"۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا کے غصے سے بولی۔

"میں بندہ بھی ایسا ہی ہوں، اگر کوئی مجھے الٹا سیدھا کچھ بولے تو میں اس کے پیچھے پڑ جاتا ہوں"۔ ایک ایک لفظ پر زور دے کے اسے جتا رہا تھا۔

"میرے علاوہ آپ کو کوئی اور نہیں ملی جو میرے پیچھے پڑ گئے ہیں"۔

"کیا تمہارے پیچھے، محترمہ ہوش میں تو ہو نا، میں اور تمہارے پیچھے؟ ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا ہے کہ تمہارے پیچھے پڑوں اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے، لڑکیاں خود میرے آگے پیچھے پھرتی ہیں"۔ وہ آج دل کھول کر جلا رہا تھا۔ تہذیب کا چہرہ اہانت اور تضحیک سے سرخ پڑ گیا تھا، دل میں اتنا شور ہوا تھا کہ لب بھینچ لیے تھے۔ وہ تو اسے دل دے چکی تھی اور وہ اتنی نفرت و حقارت سے اس سے پیش آ رہا تھا۔ وہ اتنی بے وقعت ہے کہ فائق اس سے ناگواری برتے گا۔

"لگتا ہے میرے خواب دیکھنے لگی ہو"۔ پھر نیا تیر پھینکا۔

"سنو! اے بے وقوف کسی اور کو بنانا، دیکھنا تمہیں تو پہلے جاب سے نکلواؤں گا پھر اس ایجنسی سے نکلوا کر دیکھنا تمہیں کہاں پہنچاتا ہوں"۔

"بند کریں اپنی بکواس"۔ وہ دھاڑی۔

"دل تو یہ کرتا ہے تمہیں کہیں بند کر دوں، ابھی سے تم ہو کام اٹھتے بڑے بڑے کرنے لگی ہو، سنو! میں تمہیں خوب سمجھ رہا ہوں، تم مجھ پر اپنا جادو چلانا چاہ رہی ہو نا"۔

"مسٹر فائق احمد! حد ہوتی ہے کسی پر الزام لگانے کی، اگر میں کچھ برداشت کر رہی ہوں تو صرف محریب بھائی کی وجہ سے"۔

"ورنہ پھر کیا کرتیں تم، توپ سے اڑا دیتیں"۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کے اس سے لڑاکا انداز میں مخاطب تھا۔

"دل تو یہی کر رہا ہے"۔ وہ روہانسی ہو کر تیزی سے بھاگ لی۔ فائق نے اپنی ہنسی کو فضا میں بکھیرا کیونکہ وہ اس کا ظرف اور برداشت دیکھ رہا تھا کہ کتنی ہے، کب تک وہ اس سے مقابلہ کرتی ہے، کب تک وہ اپنے کردار پر انگلی اٹھانے والے کو فیس کرتی ہے۔

"کتنی مختلف ہو تم تہذیب اور ابھی تو خوش فہم نہیں ہو، ہر انداز الگ جدا ہے تمہارا"۔ کی رنگ گھماتا ہوا وہ بھی اندر بڑھ گیا۔

☆☆☆

"پانچ بجے تمہیں کہاں جانا ہے؟" ہشام سالار کے تیکھے چتون اٹھے، وہ فائلوں میں مصروف تھے۔

"بابا! میرے دوست کے بھائی کی شادی ہے اسی کے ساتھ کچھ شاپنگ وغیرہ ہے اس کی اور کچھ کام بھی ہیں ضروری"۔ وہ کھسیا گیا۔

"تم کہہ کر دو گھنٹے کا جاتے ہو اور چھ گھنٹے میں واپس آتے ہو"۔ انہوں نے ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگائی اور اپنے خوبرو بیٹے کو بغور دیکھا جو بلیک پینٹ کوٹ میں خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"کام ہی اتنے نکل آتے ہیں"۔

"ایسے کون سے کام ہوتے ہیں"۔ وہ جرح پر جرح کر رہے تھے۔

"ہوتے ہیں کچھ کام ایسے جو بتانا ضروری نہیں ہیں"۔

"اپنے باپ کو بھی......" لہجہ ان کا درشت تھا۔

"سوری میں آپ کو بھی نہیں بتا سکتا اور ہاں میں جا رہا ہوں چھ گھنٹے میں ہی واپس آؤں گا"۔ وہ ضدی بن گیا۔

"ہوش میں تو ہو"۔

"اس وقت تو ہوں"۔ وہ اپنا موبائل اور والٹ اٹھانے لگا۔ ہشام سالار کو اس پر اسی بات پر غصہ آتا تھا کہ وہ سنتا نہیں تھا۔

"تمہاری لگامیں کسنی پڑیں گی"۔

"لگامیں چاہے جتنی کسیں آپ مگر تمنی سے میں شادی بالکل نہیں کروں گا"۔ وہ اڑیل پن سے بولا۔

"دفع ہو تم یہاں سے"۔ حمود بھی رکا نہیں ان کے کیبن سے نکل گیا، آج اس نے منتہی کو کچھ شاپنگ کروانی تھی کیونکہ مائزہ کی شادی سر پر تھی، ایک گھنٹہ تو اسے منانے میں لگتا پھر راحمہ کو بھی ٹالنا تھا ورنہ وہ تو ٹیوشن کے لیے تیار بیٹھی ہوگی۔

گھر آیا تو دیکھا تمنی آئی ہوئی تھی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا، تمنی کے چہرے پر اسے دیکھ کر چمک سی آ گئی۔

"مجھے پتہ تھا تم ضرور اس ٹائم گھر آتے ہو اسی لیے میں پہلے سے ہی آ کر بیٹھ گئی"۔ حسب معمول وائٹ ٹراؤزر پر پنک لمبی سی شرٹ پر پنک ہی اسکارف پہنے ہوئے تھی۔

"راحمہ! آج تم ٹیوشن کی چھٹی کر لو کیونکہ مجھے ضروری کہیں جانا ہے"۔

"بھائی جان! میں آج ویسے بھی حمنی بھابی کے ساتھ جا رہی ہوں"۔

"کیا کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے ساتھ جانے کی"۔ وہ تو بگڑ گیا۔ کلثوم بانو نے سر پیٹ لیا کیونکہ محمود حمنی کا ذرا لحاظ نہیں کرتا تھا اور وہ ڈر رہی تھیں کہ اگر حمنی نے ہشام سالار سے اس کی شکایت کر دی تو غضب ہی ہو جائے گا۔

"کیوں میں کیوں نہیں جا سکتی اس کے ساتھ؟ تم بھی تو ہو گے آج پھر ہم دونوں گھومیں گے پھریں گے ڈنر بھی باہر کریں گے"۔ وہ اس کا بازو پکڑ کے خوش ہو کے بولی۔

"سنا نہیں مجھے کہیں جانا ہے"۔ اس نے حمنی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے بھی زیادہ ضروری ہے"۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"ہوں----" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اوپر چلا گیا۔

"دیکھا آنٹی محمود کو کتنا مجھے اگنور کرنے لگا ہے"۔ وہ روہانسی ہو کر ان سے شکایت کرنے لگی۔

"بیٹا! میں اسے سمجھاؤں گی ہو سکتا ہے اسے کہیں ضروری جانا ہو آج' راحمہ چھٹی کرے گی"۔ وہ خود ہی بات کو سنبھالنے بھی لگی تھیں۔

"امی! میرے ٹیسٹ ہونے والے ہیں"۔ راحمہ نے آج پہلی بار پڑھائی میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

"جب وہ منع کر رہا ہے تو نہیں جاؤ"۔

"ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں"۔ وہ منہ بسورنے لگی۔

"جب تمہیں منع کر دیا ہے تو کیوں ضد کرتی ہو گھر میں پڑھائی کر لو"۔ وہ چینج کر کے آ گیا تھا' بلیو جینز پر لائٹ پنک چیک کی شرٹ میں ملبوس خاصا سوبر بھی لگ رہا تھا۔ حمنی منہ بنائے سنگل صوفے پر بیٹھی تھی' وہ اسے بھی اگنور کر چکا تھا آج تو اسے منگنی کو لے کر ضرور جانا تھا۔

"امی! آپ ٹیچر کو گھر ہی بلوا لیا کریں"۔ راحمہ نے ناراضی دکھائی۔

"محمود! آخر تمہیں اعتراض کیا ہے' تمہیں اگر جانا ہے تو تم چلے جاؤ میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں وہ چھوڑ آئے گا"۔ کلثوم بانو کو بھی اس کا منع کرنا سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"محریب کا میرے پاس فون آیا تھا' وہ سب کہیں گئے ہوئے ہیں"۔ اس نے خود ہی جھوٹ گھڑ کے بتایا۔

"میں ٹیچر کے نمبر پر کال کرتی ہوں"۔ راحمہ کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ آرام سے' ہر بات کی ضد مت کیا کرو"۔ محمود نے ڈانٹ دیا۔

"مجھے آپ کی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ کیوں جانے سے منع کر رہے ہیں"۔

"چپ کر کے گھر میں پڑھائی کرو"۔ وہ ڈپٹ کے بولا۔

"آؤ حمنی! تمہیں میں گھر ڈراپ کر دوں گا"۔ اس نے سوچا کہ راستے میں اسے بھی اتار دے گا۔

"تھینکس میں خود چلی جاؤں گی"۔ ناراضی دکھائی۔

"اوکے جیسے تمہاری مرضی"۔ شانے اچکاتا ہوا وہ تیزی سے کوریڈور عبور کر گیا کیونکہ جلدی پہنچنا بھی تھا۔

☆☆☆

وہ کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کرنے شامین کے ساتھ آئی تھی کیونکہ وشہ تو پڑھائی میں مصروف تھی اور آنی آج کل اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔

"کتنی چیزیں اور رہ گئی ہیں"۔ شامین نے اس کے ہاتھ میں لسٹ دیکھی۔

"ساری ہی چیزیں آ گئی ہیں"۔ اس نے لسٹ اپنے بیگ میں رکھی اور سینٹرل ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھا کے پینے لگی۔

صبح سے وہ آئی ہوئی تھی' وشہ کی تقریباً ساری ہی تیاری کر لی تھی' بس چند چیزیں رہ گئی تھیں جو وہ آج شامین کے ساتھ جا کر لے آئی تھی۔

"عنایہ! ایک بات پوچھوں؟" شامین نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ضرور ان کے متعلق پوچھنی ہو گی"۔

"ہوں...... محریب بھائی کے متعلق ہی پوچھنی ہے' بتاؤ صلح ہوئی تم دونوں میں؟"

"لڑائی کب کی تھی"۔ وہ سپ لیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اس دن پارک والی لڑائی بھول گئی ہو"۔

"بھابی! میری سمجھ میں یہ نہیں آتا ہے کہ یہ سارے مرد اتنے عقل کھرے کیوں ہوتے ہیں"۔ وہ کپ ٹیبل پر رکھ کے ذرا تیز لہجے میں بولی۔

"غلط بات کر رہی ہو' عقل کھری تم لڑکیاں ہوتی ہو"۔ احد نے اس کی بات سن لی تھی۔ وہ خجل سی ہو گئی' کیونکہ احد کے سامنے تو وہ ویسے بھی سنبھل کے بولتی تھی۔

"دیکھا بھابی! سائیڈ لینے آ گئے ہیں"۔

"ظاہری بات ہے' میں اپنے بھائی کی سائیڈ لوں گا"۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا' عنایہ نے پہلو بدلا۔

"اصل میں عنایہ! تم محریب کو نہیں سمجھ رہی ہو"۔

"احد بھائی! وہ مجھے نہیں سمجھ رہے ہیں' آپ کو میں کیا بتاؤں کتنا طنز کرنے لگے ہیں مجھ پر"۔ وہ نگاہ جھکا کر افسردہ سے لہجے میں بولی۔

"میں مانتا ہوں وہ کرتا ہو گا طنز مگر تم یہ بھی تو سوچو کہ وہ اور تم ساتھ مل کر بھی تو میرا ماہی کو منا سکتے تھے"۔ وہ سمجھانے لگا۔

"اگر اتنا آسان ہوتا تو میں راضی ہو جاتی اور ویسے بھی میں راضی ہو تو گئی تھی پھر وہ کیوں انکار کر کے چلے گئے"۔ وہ لب کچلنے لگی۔

"تم زبردستی دباؤ ڈالنے پر ہوئی تھیں اور محریب زبردستی کا قائل نہیں ہے"۔

"پھر ان سے بولیے مجھ پر طنز بھی نہ کریں"۔ وہ کچھ کڑوی سی ہو گئی۔

"اوکے عنایہ! تم اطمینان رکھو ہم دونوں ہی محریب بھائی کو سمجھائیں گے کہ وہ تم سے اس طرح تو بات نہ کریں"۔ شامین نے تسلی دی۔

"ابھی میں نے محریب کو بلایا ہے تاکہ تم دونوں اپنے دل کی غلط فہمی دور کر لو"۔

"جی...... آپ نے انہیں یہاں بلایا ہے"۔ عنایہ تو بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔

"ہاں کیونکہ آج موقع بھی ہے' امی اور ابو دونوں نانی جان کی طرف گئے ہوئے ہیں"۔

"احد بھائی! یقین مجھے ان سے کوئی غلط فہمی دور نہیں کرنی ہے اور اب تو کوئی بات ہی نہیں کرنی ہے"۔ وہ دو دن پہلے کی تذلیل وہ کب بھولی تھی کیسی جلی کٹی سنا کے گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں محریب آ گیا مگر عنایہ کو دیکھ کر وہ ناگواری سے آنکھیں بند کر کے پلٹنے لگا۔

"محریب یار! کہاں چلے؟" احد نے پکار لیا۔

"تم بھی مجھے فلاورت پر کیوں بلاتے ہو پتہ ہے آفس میں کتنا بزی تھا، تمہیں فضول کی باتیں سوجھتی ہیں"۔ وہ غصہ کرنے لگا، عنایہ چپ بیٹھی رہی تھی جبکہ شاہین باری باری دونوں کے ایکسپریشن دیکھ رہی تھی۔

"پتہ ہے مجھے تو کتنا بزی آدمی ہے، شادی کے بعد دیکھتا ہوں کیسے دل لگتا ہے آفس میں، ہر منٹ میں عنایہ کو فون کرتا ہے گا"۔

"احد! شروع ہو گئی نا تمہاری فضول کی بکواس"۔ وہ غصہ میں تو پہلے ہی تھا اور عنایہ کے سامنے تو اسے اور ہی غصہ آ رہا تھا۔

"محریب بھائی! بیٹھئے تو"۔ شاہین نے اسے پھر کھڑے ہوتے دیکھا۔

"سن میں نے اس لیے بلایا ہے کہ تو عنایہ سے اپنی غلط فہمی دور کر لے، ناراضی ختم کر یار"۔ وہ بولا۔

"میری کوئی ناراضی نہیں ہے اور نہ میرے پاس ایسا فالتو ٹائم ہے کہ یہاں بیٹھ کے برباد کروں"۔ اس نے عنایہ پر اچٹتی نگاہ ڈال کے طنز کا تیر اچھالا۔ وہ اپنی کم مائیگی پر اندر ہی اندر آنسو اتارنے لگی کیونکہ اس سے کچھ بول کے وہ مزید بات کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

"یار! بس کر، دیکھ تو اس کی شکل اتر گئی ہے"۔ احد اس کی توجہ عنایہ کی جانب کروانے لگا۔

"محریب بھائی! ایک منٹ بیٹھ کے آپ دونوں بات تو کر لیں"۔

"سوری بھابی! مجھے لمبی لمبی باتیں کرنی نہ پہلے آتی تھیں اور نہ اب آتی ہیں، اب جبکہ سب کچھ ان کے کہنے کے مطابق ہو رہا ہے تو بات کرنا بھی بےکار ہے"۔ وہ بولا۔

"یار! عنایہ کے ساتھ تو زیادتی کر رہا ہے"۔

"میرے ساتھ کسی کو نظر نہیں آتی، یہ مظلوم ہیں محترمہ کیونکہ پورے خاندان کی پسندیدہ جو ہیں"۔ وہ گھورنے لگا۔ عنایہ کا دل کر رہا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے مگر کہاں کوئی ایسی جگہ بھی تو نہیں تھی کہ وہ چھپ کر بیٹھ جائے۔

"سب سے صابر و شاکر لڑکی ہے یہ ہمارے خاندان میں"۔ احد نے تفاخرزدہ انداز میں کہا۔

"پھر ان سے کہو کہ صابر و شاکر بن کے بیٹھی رہیں"۔

"آپ ان دونوں کو یہاں تنہا چھوڑیں پھر ہی یہ دونوں بات بھی کر سکتے ہیں"۔ شاہین کو خیال آیا تو احد کو ٹوکا۔

"بھابی! آج آپ ایسی کوئی بھی حرکت نہیں کریں گی کیونکہ مجھے کوئی بھی بات نہیں کرنی ہے، مجھے جلدی بھی ہے"۔ وہ اٹھا۔

"عجیب سر پھرے آدمی ہو، کب سے میں تم سے آرام سے بات کر رہا ہوں کوئی بات سمجھ ہی نہیں رہے ہو"۔ احد کو محریب کی اکڑ پر غصہ آنے لگا۔

"مجھے سر پھرا ہی رہنے دو اور خبردار جو آئندہ مجھے یہاں ایسے فضول کسی کام پر بلایا تو"۔ وہ یہ کہہ کر مڑا ہی تھا کہ دھڑ سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔

"عنایہ! عنایہ"۔ شاہین اور احد گھبرا گئے۔ محریب نے دیکھا وہ رونے لگی تھی اور ہچکیوں ہچکیوں رو رہی تھی اسے

سخت گراں گزرتا تھا اس کا یوں رونا۔

"ہاں یہ اور ڈراما شروع کر دو، تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟" وہ الٹا اس پر برسنے لگا۔

"یار! کیا بدتمیزی ہے، ایک تو وہ رو رہی ہے اور تم اسے ڈانٹ رہے ہو"۔

"مجھے اس کے رونے پر بہت غصہ آتا ہے، کیوں آخر یہ آنسوؤں کا بند کھول کے بیٹھ جاتی ہیں"۔ وہ جھنجھلانے لگا۔ شاہین اسے شانے سے لگا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے آنسو چھل چھل بہہ رہے تھے۔

"روتی رہو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ بہت پرواہ کی ہے میں نے تمہاری"۔ وہ رکا نہیں چلا گیا۔

"عجیب ہو گیا ہے یہ آدمی"۔ احد تاسف و دکھ سے گویا ہوا۔ عنایہ کو اس کے ایک ایک لفظ نے اندر تک گھائل کر دیا تھا، کب سے وہ اس کی بے اعتنائی سرد مہری سب ہی برداشت کر رہی تھی اتنا سخت گیر کیوں بن گیا تھا اس کے ذرا سے منع کرنے پر۔

"عنایہ! بس کرو"۔ شاہین نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

"بھابی! میں اتنی بری ہو گئی ہوں کہ وہ جب دل چاہے گا مجھے باتیں سناتے رہیں گے"۔ وہ دکھ و کرب سے بولی۔ احد ریان کو اٹھا کے باہر چلا گیا تھا، اسے بھی آج محریب کے رویے پر خاصا دکھ ہوا تھا۔

"محریب بھائی! دل کے برے نہیں ہیں، ان کا وقتی غصہ ہے تم دیکھنا بعد میں سب اتر جائے گا جب تم ان کی دلہن بن کے سامنے جاؤ گی"۔ وہ مسکرا کے اسے سمجھا رہی تھی۔

"پتہ نہیں بھابی! وہ یہ رشتہ برقرار بھی رکھیں گے یا نہیں"۔ اسے یہ بھی تو ڈر تھا۔

"ارے مجال ہے کہ وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت کریں، رشتہ برقرار رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ"۔ اس نے عنایہ کا سر اپنے شانے سے لگا لیا، عنایہ اندر ہی اندر سسک رہی تھی۔

☆☆☆

جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا تھا ہال کمرے میں محمود کو دیکھ کر چونک گیا، پورے راستے وہ کھولتا ہوا آیا تھا مگر غصہ اس کی سرشت میں نہیں تھا خود کو فوراً ہی سنبھال بھی لیا تھا۔

"شکر ہے یار! تم آ گئے، کب سے بیٹھا ہوں"۔ محمود نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"خیریت تو ہے؟" محریب نے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے، یہ بتاؤ تم آ کہاں سے رہے ہو؟"

"احد نے بلایا تھا وہاں گیا تھا"۔ اس نے بتایا۔

"اچھا تم نے کچھ ٹھنڈا وغیرہ بھی لیا یا نہیں، میں پوچھتا ہوں"۔

"میں سب کچھ لے چکا ہوں، آنٹی لے کر آئی تھیں"۔ اس نے محریب کو روکا۔

"سن یار! وہ منتہیٰ کو میں شاپنگ پر لے جانے کے لیے آیا ہوں، تم آنٹی سے کہو کہ وہ اسے راضی کریں، میری بات نہیں مان رہی ہے"۔ خاصا پریشان اور متفکر سا لگ رہا تھا۔

"مبینہ آنٹی کی بھی نہیں مانی؟"

"یار! کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھی ہوئی ہے، اتنی دیر وہاں بیٹھ کے آ گیا ہوں"۔ وہ بتانے لگا۔

"تم امی سے کہہ دیتے"۔

"وہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، تم بولو جا کر کہ وہ اسے سمجھائیں"۔

"اوکے میں کہتا ہوں"۔ وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں نزہت چلی آئی تھیں محمود انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے بے وقوف لڑکے مجھ سے پہلے بولتے اتنا ٹائم بھی تم نے برباد کیا"۔ وہ حیرانگی سے بولی تھیں' محمود جھینپ گیا۔

"میں اسے لے کر آتی ہوں"۔ وہ چلی گئی تھیں۔

"یار! عجیب سر پھری لڑکی ہے"۔ محمود بولا۔

"یہ ساری سر پھری تو ہم لڑکیوں کی ہی کیوں ہوتی ہے"۔ محریب نے مسکرا کے پوچھا۔

"یہی میں سوچتا ہوں' شاید اس لیے بھی کہ کوئی انہیں زیادہ اہمیت اور توجہ دے تو وہ کچھ اترانے لگتی ہیں' اس لیے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ زیادہ اہمیت نہ دو' دیکھنا کیسے لائن پر آتی ہیں"۔ محمود بول رہا تھا اور محریب کا ذہن عنایہ کے گرد گھومنے لگا۔

"ہوں——" وہ بس اتنا ہی بولا۔

چہرے پہ بے زاری' ناگواری' غصہ لیے وہ بلیک چادر اوڑھے چلی آئی تھی۔

"جاؤ اب تم دونوں"۔ نزہت نے منتہیٰ کا ہاتھ پکڑ کے آگے کیا۔

"بری بات ہے بیٹا! شوہر کو اتنے نخرے نہیں دکھاتے ہیں"۔ انہوں نے سمجھایا۔ محمود نے تشکر بھرا سانس لیا کہ وہ آ گئی تھی۔

"شکریہ آنٹی!"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے' بیوی ہے تمہاری اور مجھے سب سے زیادہ یہ خوشی ہے کہ تم اس کا خیال رکھنے لگے ہو"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔

"اب جلدی اسے گھر بھی لے جاؤ"۔

"جی انشاء اللہ تعالیٰ لے جاؤں گا"۔ وہ جھٹ بولا۔

وہ ان دونوں سے اجازت لے کر نکل گیا تھا' منتہیٰ کا تو غصہ کے مارے برا حال تھا مگر وہ لبوں کو لگتا تھا گوند سے جما کے بیٹھی تھی۔

"آج کیا بات ہے خلیل جبران کی رشتے دار اتنی خاموش کیوں ہے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ شوخ سے لہجے میں بولا۔

"جب رشتے سنبھالے نہیں جاتے ہیں تو انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے"۔ وہ پھٹ پڑی۔

"کون سے رشتے؟" وہ انجان بنا۔

"آپ کا اور میرا رشتہ"۔

"اوہ——" وہ مسکرایا۔

"محمود سالار صاحب! ایک عام سی لڑکی سے زندگی بھر کا رشتہ قائم رکھنا آپ امیر مردوں کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے"۔ وہ گاڑی کی ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"امیر ہونے کے لیے دل کا امیر بھی ہونا چاہیے' میں ان امیر مردوں سے بالکل مختلف ہوں' عورت کی عزت کرتا ہوں اور کرنا بھی جانتا ہوں"۔ اس نے گاڑی بڑے سے شاپنگ مال کے سامنے روک دی۔

"کیوں خود کو میرے لیے برباد کر رہے ہیں' پلیز آپ اپنے قدم موڑ لیں میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتی"۔ لب

تھامے ہوئے وہ فرنٹ ونڈو سے باہر دیکھتے آنسو روکتے ہوئے گویا ہوئی۔ محمود نے اسٹیئرنگ پر اپنے دونوں مضبوط ہاتھ جما کے رکھے ہوئے تھے اور اس کے بلیک چادر سے جھانکتے ہالے سے چہرہ دیکھنے لگا۔

"مجھے کچھ چاہیے بھی نہیں کیونکہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے' ہاں بس تمہاری تھوڑی سی توجہ اور اپنائیت چاہیے"۔ اس نے منتہیٰ کے دائیں ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا جو اس نے گھبرا کے فوراً ہی پیچھے کر لیا' اس حد تک بے تکلفی کی تو وہ امید بھی نہیں رکھتی تھی۔

"توجہ اور اپنائیت آپ کو میں اسی صورت میں دے سکتی تھی اگر ان حالات میں' میں آپ سے شادی نہ کرتی' میں آپ کے اسٹیٹس کے برابر ہوتی"۔

"کیا فضول بات کرتی ہو' یہ اسٹیٹس کیا ہوتا ہے' تمہاری نظر میں شرافت کچھ نہیں ہوتی' میں تمہیں کیا دھوکے باز نظر آتا ہوں"۔ وہ غصے میں آ گیا۔

"دھوکہ تو میرے ساتھ ہوا ہے' زندگی میں اتنے دھوکے ملے ہیں کہ اب تو ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے"۔ نگاہ اس نے اپنے ہاتھوں پر جما دی۔

"تم بھول رہی ہو' تم نے کہا تھا کہ آپ مجھے سب سے الگ لگے ہیں' آپ کی آنکھوں میں وہ سب نہیں ہے جو میں نے اور مردوں میں دیکھا ہے"۔ وہ اسی کی کہی بات یاد دلا کر اسے لاجواب کر گیا۔ منتہیٰ نے چونک کر اس کی گہری بڑی آنکھوں میں دیکھا جہاں اتنی معصومیت اور سادگی ہوتی تھی کہ حیران ہوتی تھی کہ وہ کتنا مختلف ہے اور مردوں کی طرح اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہوس تک کا کوئی تاثر نظر نہ آتا تھا جب بھی ملتا بات کرتا محبت کا رچاؤ اور اپنائیت کے رنگ لے کر کرتا' اس کی سرد مہری کے باوجود بھی وہ اس سے ہر دفعہ نئے موڈ کے ساتھ ملتا تھا' کبھی کسی بات پر زچ ہی نہیں ہوتا تھا۔

"آپ پلیز میری بات کو سمجھیے' میں اسی وجہ سے آپ کے لیے کوئی مسئلے کھڑے نہیں کرنا چاہتی ہوں اور پھر میں نے آپ کی منگیتر بھی دیکھ لی ہے' کتنی اچھی پیاری لڑکی ہے' آپ سے پیار بھی بہت کرتی ہے"۔ وہ نگاہ چرا کے بولتی ہوئی محمود کو کچھ غصہ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"وہ پیار کرتی ہے میں تو نہیں کرتا' مجھے ایسی لڑکیاں بہت بری لگتی ہیں جو کھلم کھلا اپنی محبت اور پیار کا اظہار ہر ایک کے سامنے کرتی رہتی ہیں"۔

"حیرت ہے ورنہ لڑکے تو خوش ہوتے ہیں کہ کوئی لڑکی ان سے ہر وقت محبت کا اظہار کرتی رہے"۔ وہ اس کے تیز لہجے پر طنز کرنے لگی۔

"میں کوئی نو عمر لڑکا نہیں ہوں جو ایسی باتوں کو پسند کرتا ہوں' میچور شخص ہوں اور لوگ بھی ایسے ہی پسند کرتا ہوں"۔ سنجیدہ انداز میں بولتا ہوا اسے جتانے لگا۔

"زندگی گزارنے کے لیے میچور مرد و عورت کا ہونا ضروری ہے' اگر ایک بھی ان میچور ہو گا تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے خود کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی"۔ کتنی گہرائی سے اس نے مشاہدہ بتایا۔

"زندگی ایسی بھی نہیں گزر سکتی' مرد تو حیثیت میں اونچا اور عورت اس کے ملازموں کی حیثیت رکھنے والی"۔ بحث تو وہ آسانی سے کر لیتی تھی۔

"مجھے پتہ ہے زندگی میری بہت اچھی گزرے گی بلکہ میں اور تم اپنے دو تین پیارے پیارے بچوں کے ساتھ ہی گزاریں گے"۔ وہ بے باکی سے کچھ موڈ کو شوخ بنا کے بولا۔ منتہیٰ نے جھینپ کے لب بھینچ لیے' دل کی دھک دھک

بہ گئی گالوں پر سرخی چھلک پڑی، پلکوں کی جھالر لرز گئی۔
"جو چیز تم میں ہے وہ جنی میں نہیں ہے۔" اس نے منتہیٰ کے چہرے کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے
سنجیدگی سے کہا۔
"غلط بات مت کریں، جنی کے پاس سب کچھ ہے، دولت ہے، خوبصورتی ہے اور میرے پاس تو کچھ بھی نہیں
ہے۔" وہ خود کو کم تر ثابت کر کے اس کی تسلی کرنے لگی۔
"جنی میری سوچ کے مطابق نہیں ہے، جو مجھے چاہیے تھی وہ میرے سامنے ہے۔" اس نے آج پہلا اظہار کیا
تھا۔ منتہیٰ تو حیرت و انبساط میں گنگ اسے دیکھنے لگی۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں جو مجھے چاہیے تھی وہ تم ہو۔" وہ مسکرایا۔
"دیکھیے! اب میں آپ کی کسی بھی بات کے فریب میں بالکل نہیں آؤں گی۔"
"تمہیں فریب دے کون رہا ہے، بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"
"جب تک آپ میرے پیچھے خود کو خوار کریں گے، میں بھی آپ کو قبول نہیں کروں گی اور نہ آپ کے ساتھ
زندگی گزاروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔
"اچھا ابھی تو یہ بحث ملتوی کرو، اترو جلدی شاپنگ رہ جائے گی تمہاری۔" وہ ڈرائیونگ ڈور سے نکلا اور فرنٹ
ڈور کھول کے اسے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اتری مگر چہرے پر اتنا تناؤ اور ناگواریت تھی کہ جو
سے مخفی نہ تھی۔ یہ سب بھی وہ اس لیے کر رہی تھی کہ حمود کے بابا کے بارے میں جو کچھ اس نے سنا تھا اس کے بعد تو وہ
کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے صرف کاغذی تحفظ چاہا تھا اس سے آگے وہ کچھ نہیں سوچتی تھی اور پھر ہر
وقت امی، ابا کا خیال بھی آتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں وہ کن حالوں میں ہوں گی۔ حمود نے شاپنگ میں کوئی کسر نہیں اٹھا
رکھی تھی، سب اپنی مرضی اور پسند سے دلایا تھا۔
"میرے پاس پہلے کا بھی بہت کچھ ہے۔" منتہیٰ نے واپسی میں کہا۔
"یہ سب میں نے مائرہ کی شادی کے فنکشنز میں پہننے کے لیے دلایا ہے کیونکہ میرا ابھی دل ہے میری بیوی
سب سے اچھی نظر آئے اور پھر امی بھی آئیں گی۔" وہ بول رہا تھا اور منتہیٰ اس کی سوچ سب جانتی تھی وہ کیوں
ایسا کر رہا تھا۔
"آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کی امی مجھے پسند کر لیں گی؟"
"آف کورس۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔
"آپ کے بابا! انہیں بھول رہے ہیں اور پھر وہ جنی......" اس نے یاد دلایا۔
"وہ میرا مسئلہ ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بڑی مستعدی سے گاڑی چلا رہا تھا، آٹھ بج
چکے تھے اور اسے جلدی گھر بھی پہنچنا تھا۔
"سارے کپڑے جلدی ٹیلر کو دے دینا، تمہاری تیاری میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔" وہ ساتھ ہی ہدایت دینے لگا۔
"کپڑے میں خود بھی سی لیتی ہوں، اتنے پیسے لیتا ہے ٹیلر، پہلے ہی آپ کا اتنا خرچا ہو گیا ہے۔" وہ معصومیت سے
بولی تو حمود کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئی، وہ جز بز سی فہمائشی انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
"ارے تم حمود سالار کی بیوی ہو، تمہیں خرچے کی بالکل فکر نہیں کرنی چاہیے، آرام سے بے دریغ خرچ کرو
بلکہ لٹاؤ۔" وہ بولا۔

"جی نہیں، مجھے فضول خرچی ذرا پسند نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی نہیں پسند کرتا ہے آپ پیسہ محنت سے کماتے ہیں
لٹانے کے لیے نہیں۔" اس کی فکر آج سے پہلے تو کبھی نہیں ہوئی تھی، حمود کی بصارت اور سماعت یقین نہیں کر پا رہی تھی،
اس نے جھٹکے سے گاڑی سائیڈ پر روکی۔
"یہ کیا کہا، تم اتنا کچھ سوچتی ہو میرے بارے میں یا ابھی تک یقین نہیں ہو، دیکھا میں ٹھیک کہتا ہوں نا کہ جو تم میں
ہے وہ جنی میں نہیں ہے۔" وہ اتنا خوش ہو رہا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا منتہیٰ کی پیشانی چوم لے مگر اس نے اپنی
اس خودساختہ حرکت کو روکے رکھا، منتہیٰ جھینپ گئی۔
"بیوی وہی اچھی جو شوہر کی کمائی کا بھی خیال رکھے۔ تھینکس گاڈ! تو نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہے۔"
"زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں، میں نے ایک بات کی ہے میں کوئی آپ کا خیال نہیں کر رہی ہوں۔" جھٹ
اس نے نفی کی۔
"کچھ بھی کہو، سچ تو عیاں ہو ہی گیا تمہارے ہر انداز سے۔" وہ پھر گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا، سڑکوں پر دوڑتا بھاگتا
ٹریفک اور حمود کی گنگناہٹ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کتنا خوش ہے۔
"سنو! تمہیں زیادہ سے زیادہ امی کے ساتھ وقت گزارنا ہے، میں امی کو ہر فنکشن میں لے کے آؤں گا۔"
"آپ کو کیا ہو گیا ہے کیوں آپ اپنی اور میری شامت بلا رہے ہیں۔" وہ تو انجانے وہموں اور وسوسوں
سے ڈر رہی تھی۔
"ایک بات کہوں میری ماں بہت اچھی ہیں، بابا بھی اچھے ہیں مگر ان کی اور میری اکثر لڑائی بھی ہو جاتی ہے پھر
بعد میں، میں منا بھی لیتا ہوں، تم دیکھنا جب گھر آؤ گی تو۔"
"مجھے کوئی ارمان نہیں ہے دیکھنے کا اور نہ گھر آنے کا۔"
"مگر مجھے تو ہے نا کہ میں اپنی بیوی کو اپنے گھر میں دیکھوں۔" وہ ترنگ میں بولتا ہوا منتہیٰ کو شرمانے پر مجبور کر رہا
تھا۔ پھر وہ پورا راستہ بولی ہی نہیں کیونکہ اس کی ہر بات میں شوخی، معنی خیزی اور بے باکی تھی۔
"آج میں نے تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے، اوکے کل پھر ملاقات ہو گی، رامعہ کو جب لے کر آؤں
گا۔" سارا سامان وہ اندر رکھ کر جا رہا تھا کہ اس سے سرگوشی میں بولا۔
"رامعہ کا فون آیا تھا وہ پوچھ رہی تھی کہ آج ٹیوشن کیوں نہیں پڑھا رہی ہیں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد بتایا۔
"کیا کہا تم نے؟" چاندنی کی روشنی میں منتہیٰ کا چہرہ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ وہ وارفتگی سے دیکھے گیا۔
"میں نے کہا کہ میری طبیعت خراب ہے اور مجھے غریب بھائی کی طرف بھی جانا ہے۔" اس کی محویت توڑ
کے بولی۔
"اوکے کل حریم تم اسے بتا دینا، اللہ حافظ۔" وہ مسکرا کر اس پر الوداعی نگاہ ڈال کے چلا گیا، منتہیٰ نے دروازے
میں کھڑے رہ کر اسے جاتا ہوا دیکھا جو ان سے گزر کے جا رہا تھا، آج کا دن تو اس کے لیے بھی بالکل نیا اور انوکھا تھا،
بے خودی میں کیا کیا اقرار کر گئی۔

---☆☆☆---

"امی ابا جو کو بہت تیز بخار ہو گیا ہے، جواد چاچو بتا رہے تھے۔" ماہر خاصا فکرمند نزہت سے مخاطب تھا۔
"ظاہری بات ہے ساری ذمہ داری بچی پر آ گئی ہے اور میرا تو کسی کام میں ہاتھ ہی نہیں ڈال رہی ہے۔" تاسف
دکھاتے گویا ہوئیں، شادی میں ہفتہ دس دن ہی تو تھے اور اتنے کام تھے کہ وقت گزرا جا رہا تھا۔

"دن کے بچے ڈب ختم ہوں گے؟" اسے نئی فکر سوار ہوئی۔

"جس دن امی کی مایوں ہے اسی دن آخری بچہ بھی ہے۔" وہ بتانے لگیں۔ نزہت اماں جی کے لیے دودھ گرم کرکے کچن سے نکلی تھیں نازیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے نکلا۔

"مجھے بھابو کا خیال آرہا ہے بے چاری کو کتنا کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔"

"ہوں..... بڑی بہن ہے کرنا تو پڑے گا۔" وہ کمرے میں چلی گئیں اور وہ سوچوں میں گم کوریڈور میں پڑے صوفے پر بیٹھ گیا' محریب اسٹڈی روم سے نکلا تھا اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ناز کیا ہوا خیریت تو ہے؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"جی..... آں..... ہاں۔" وہ چونک گیا۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو خیریت تو ہے؟" اسے حیرانگی بھی ہوئی کیونکہ بارہ بجے سے پہلے وہ سو جاتا تھا کیونکہ صبح اسے یونیورسٹی بھی جانا ہوتا تھا۔

"آپ کو خبر ہے بھابو بیمار ہیں۔"

"اسی وجہ سے تم اتنے فکر مند سوچوں میں گم بیٹھے ہو۔" اس نے گویا اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"بھائی جان اجواد چاچو بتا رہے تھے وہ بہت تیز بخار میں ہیں۔"

"تم ذہن پر بوجھ نہ ڈالو کام کا بوجھ ہے اسی وجہ سے تھکن سے ہو گیا ہوگا۔" محریب بھی سن کے کچھ بے کل اور بے چین ہوا مگر انا اور خفگی کی وجہ سے وہ اس سے لاتعلقی برت رہا تھا۔

"آپ ہی کم از کم ان کی کچھ خبر لے لیا کریں نا بالکل ہی جانا چھوڑ دیا ہے۔" وہ شکوہ کرنے کے ساتھ غصہ ہونے لگا۔

"فضول کی مت ہانکا کرو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے خبر لینے کی۔" وہ اسے ڈانٹ کے بولا۔

"ایک تو آپ سے کچھ بولنا ہی فضول ہے' ہر وقت دادا جان بن کے ڈانٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔" وہ بھی ناراضی دکھاتا' پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔ محریب نے لب بھینچ لیے' اگر وہ بیمار تھی تو وہ کیا کرے اس نے کیا ہے یا وہ اس کی اتنی پروا کرتی ہے کہ وہ بھی جا جا کے اس کی پروا کرے' ساری خیر خبر رکھے۔

"حائبہ اب جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی کر تو رہا ہوں اور کیا چاہیے' مجھے پتہ ہے یہ تمہاری بیماری کیوں ہوئی ہے' میری ٹینشن سوار ہے ناں۔" وہ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

اس نے بچپن سے اسے چاہا تھا اور اتنا چاہا تھا کہ امریکہ جیسے ملک میں بھی تو اس کی یاد سے فراموش نہ رہا تھا' کتنا خوش خوش یہاں آیا تھا کہ اب اس کا طن ہو جائے گا مگر یہاں تو ساری کایا ہی پلٹی ہوئی تھی اور وہ لڑکی جسے ہمیشہ ڈرا سہا اور کم گو دیکھا وہ اتنی پُر اعتماد اور اپنے فیصلے مسلط کرنے والی ہو گئی تھی کہ اسے ذرا پرواہ نہیں تھی اور اگر تھی تو صرف اپنی ماں کی۔ وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا دل مضطرب بھی تھا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی تھا' اس سے وہ بات کرنا نہیں چاہتا تھا اب بس چپ کی مار مارنا چاہتا تھا تاکہ اسے احساس تو ہو کہ اس نے کتنا غلط کیا ہے۔

"حائبہ غصہ میری سرشت میں شامل نہیں ہے' میں تمہیں اپنے ٹھنڈے مزاج کی ہی مار ماروں گا' دیکھتا ہوں کب تم خود سے یہ کہتی ہو کہ مجھے اپنا لو۔" وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا' رات دھیمے دھیمے انداز میں سرک رہی تھی مگر اس کے ضمیر پر بھی ایک بوجھ بڑھا رہی تھی۔ شاید حائبہ کی بے چینی اور درد اسے اندر سے ہلا رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے' وہ تو سب کو خوش کر رہی ہے تم کیوں اس معصوم کو روند رہے ہو محریب احمد۔

(جاری ہے)

☆☆☆

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 13 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express your thoughts beautifully
Junaid Ansar 96

اسے 103 بخار تھا' وشہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی' جواد احمد' سمیرا بیگم اور معارج سب ہی اس کے پاس تھے وہ مسلسل ہذیانی بھی ہو رہی تھی۔ سمیرا بیگم اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ رہی تھیں' کتنی جلدی وہ کملاسی گئی تھی مگر ابھی تک ان کے رویے میں لچک نہ آئی تھی' انہیں اولاد سے زیادہ اپنی انا عزیز تھی۔

''اتنے کام اس پر ڈال دیئے تم نے اور چھوٹی کی پہلے شادی کر دار ہے ہو' یہ سب نہیں سوچتی ہو گی وہ''۔ وہ جواد احمد سے متفی ہی بولیں۔

''کبھی تو سوچ سمجھ کر بھی بول لیا کرو' وہ یہ سب اگر سوچتی تو آج اس کی شادی ہو رہی ہوتی''۔

''پلیز امی اور ابو' آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ دونوں جھگڑا تو نہیں کریں''۔ معارج بے زاری اور فکر مندی سے بولا کیونکہ وہ خود اتنا پریشان تھا اس کے لیے جو کب سے بخار میں پھنک رہی تھی۔

''تمہارے باپ کو عادت ہے جھگڑنے کی''۔ سمیرا منہ بناتی ہوئی بیڈ پر بیٹھی تھیں اور وشہ کے ہاتھ سے پٹیاں لیں اور خود رکھنے لگیں' وہ اس سے بھی تو بات چیت نہیں کر رہی تھیں جب سے شادی کی تاریخ رکھی تھی۔

''ہاں میں ہی کرتا ہوں''۔ وہ انہیں گھورنے لگے۔

دو گھنٹے تک اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھی تھیں جب کہیں جا کر عنائبہ کا بخار اترا تو سب اپنے اپنے روم میں جا کر لیٹے تھے۔ وشہ کی پھر بھی آنکھ نہیں لگی تھی کیونکہ عنائبہ بار بار آنکھ کھول کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وشہ! سو جاؤ''۔

''آپ سو جایئے' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔ اس نے عنائبہ کا سر دبانا شروع کر دیا۔

''تمہیں صبح پڑھنا بھی ہو گا' سو جاؤ میری طبیعت اب ٹھیک ہے''۔ اس نے وشہ کا ہاتھ ہٹایا۔

وشہ اسی کے برابر میں ہی لیٹ گئی مگر بے آواز وہ رو رہی تھی' اسے سمیرا کے بات نہ کرنے کا بھی دُکھ تھا اور دوسرا عنائبہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بھی دُکھ تھا' مار تو دونوں طرف سے عنائبہ کو پڑ رہی تھی' محریب اس سے جو ناراض ہو گیا تھا' اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر ساری ان دونوں کی گفتگو سنی تھی جس دن محریب شام کو آیا تھا پھر اسی رات کو دوبارہ بھی آیا تھا' وہ جانتی تھی عنائبہ کو یہ بھی دکھ تھا مگر اس کی بہن اس سے کچھ نہیں کہتی تھی۔

''وشہ! صبح یاد سے آنی کو فون کر دینا' وہ اسلام آباد سے آ گئی ہیں''۔ عنائبہ کو ثمینہ کا خیال آیا تو اسے یاد دلایا کیونکہ ثمینہ کے آنے سے وہ کچھ اپنے دل کا بوجھ ہلکا ہی کر لیتی تھی۔

''جی کر دوں گی' آپ سونے کی کوشش کریں''۔ اس نے ماتھے پر بازو ہٹائے بغیر ہی اسے کہا تا کہ عنائبہ اسے روتا ہوا نہ دیکھ لے۔

لڑکیوں کے لیے زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے' بس قربانیاں ہی دیتے رہو' کبھی کسی کی خوشی کی خاطر تو کبھی کسی کی خاطر۔ اس نے کبھی یہ خواب دخیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی اتنی جلدی شادی بھی ہو جائے گی' اسے سوچ سوچ کے گھبراہٹ ہو رہی تھی' اسی گھبراہٹ اور ٹینشن کی وجہ سے اس کا کوئی بھی پیپر اچھا نہیں ہوا تھا' اسے کتنا شوق تھا کہ وہ انگلش میں ایم اے کرے گی اور کسی بھی کالج میں پڑھائے گی' سارے خواب اس کے ادھورے رہ گئے' اب صرف اسے گھر سنبھالنا تھا' شوہر اور شاید بعد میں بچے بھی۔

''میں بچے کیسے سنبھال سکتی ہوں' مجھے تو لینا بھی نہیں آتا''۔ اب نئی فکر لاحق ہوئی۔

''نہیں اتنی جلدی تو قطعی نہیں''۔ ذہن اس کا جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

''وہ مائزا احمد' بدتمیز انسان کتنی کھلی گفتگو کر رہا تھا بعد میں تو وہ اور ہی بے لگام ہو گا''۔ وہ گھبرا کے اٹھ گئی۔

''کیا ہوا اٹھ کیوں گئیں؟'' عنائبہ شاید سوئی نہیں تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''وہ مجھے نیند نہیں آ رہی ہے' میں ایسا کرتی ہوں تھوڑی دیر پڑھ لیتی ہوں نیند آئے گی تو سو جاؤں گی''۔ وہ بیڈ سے اتر گئی اور اپنی رائٹنگ ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی' پڑھتی وہ خاک دل تو اس کا دھڑکے جا رہا تھا' عجیب دحشت سوار ہو رہی تھی' کاش وہ کہیں چھپ سکتی' مگر وہ صرف سوچ کے رہ گئی' ساری رضامندی جواد احمد کی خوشی کی وجہ سے دی پھر اسے سمیرا بیگم کا بھی پتہ تھا جانے اپنے غصہ میں اسے کسی ایسے ویسے کے ہاتھ جھونک دیا تو پھر تو وہ بالکل ہی اکیلی رہ جائے گی' کم از کم وہاں سارے اپنے تو ہیں' دل کو خود ہی پھر تسلی بھی دی۔

............☆☆☆............

''ایسے تم نے کون سے کام نمٹانے تھے جو تم پرسوں مجھے ڈاج دے کے نکل گئے تھے اور حمنیٰ بھی تمہاری شکایت کر رہی تھی''۔ ہشام سالار نے اسے آج ناشتے پر گھیر لیا۔ حمود نے کچھ گڑبڑا کر سلائس دانتوں سے کاٹا کیونکہ وہ سنجیدہ اور درشت سے لگ رہے تھے۔

''میں نے آپ کو بتایا تو تھا محریب کے بھائی کی شادی ہو رہی ہے اسی سلسلے میں محریب کے ساتھ گیا تھا''۔ وہ اطمینان سے فریش موڈ کے ساتھ انہیں بتانے لگا۔ کلثوم بانو دونوں کے آگے چائے سے بھرے کپ رکھنے لگی تھیں' رحمہ سات بجے اسکول کے لیے نکلتی تھی کیونکہ اس کی دین وقت سے پہلے آتی تھی اور باقی کے یہ تین افراد آٹھ بجے تک ہی ناشتہ ایک ساتھ کرتے تھے۔

''حمنیٰ کو تم کیوں اگنور کرنے لگے ہو؟''

''بابا! آپ کو پتہ ہے میرا مزاج کتنا مختلف ہے' مجھ سے نہیں لے کر پھرا جاتا اسے جگہ جگہ' وہ آخر مجھے اپنی ملکیت کیوں سمجھتی ہے''۔

''یہ مت بھولیے حمود سالار! وہ اس گھر کی بہو بننے جا رہی ہے''۔

''جب تک میں نہیں کہوں گا کیسے بنے گی''۔ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''نامعقول انسان میں باپ ہوں تمہارا' حواسوں میں رہ کر مجھ سے بات کیا کرو''۔ وہ اس کے لاابالی پن پر اکثر اسی طرح اشتعال میں آ جاتے تھے اور حمود کو جیسے مطلق پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

''کول بابا کول' میں حواسوں میں ہی ہوں' آپ سے ابھی وقت مانگتا ہے''۔ وہ کچھ ڈر سا گیا۔

''ہاں کچھ دن رُک جائیں''۔ کلثوم بانو بھی ڈرتے ڈرتے گویا ہوئیں۔

''ہاں سر پر بٹھا لو اسے تم''۔ وہ چائے کا کپ اٹھا کر سپ بھرنے لگے۔

''یار بابا! آپ بات کو تو سمجھئے''۔

''نامعلوم انسان' باپ کو یار بول رہا ہے''۔ وہ تو بیٹھے سے کھڑے ہو گئے۔

''اوہ...... سوری بابا! میری بات کو آپ سمجھئے' جو آپ کہتے ہیں وہ ہو گا ضرور مگر کچھ دن رُک کر''۔ اس نے تھوک نگلا پھر کلثوم بانو کی خشمگیں اور تنبیہی نگاہوں نے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

''کتنا روکوں' نیاز مجھ سے روز روز بول رہا ہے کہ منگنی کی رسم کر دیتے ہیں''۔

''کر دیجیے گا' میں منع کب کر رہا ہوں مگر کچھ دن رُک کر''۔ جلدی جلدی ناشتے سے وہ فارغ ہوا' عجلت میں تو اکثر وہ رہتا تھا جیسے اس کی کہیں ٹرین ہی تو چھوٹ رہی ہو۔

''آرام سے بیٹھو اور مجھے آج سیدھی طرح جواب دو کہ تم حمنیٰ سے اختلاف کیوں کر رہے ہو' اچھی خوبصورت

پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکی ہے' تم لڑکوں کی پسند بھی یہی ہوتی ہے"۔

"بالکل ایک زبان ہے سسر اور بہو کی"۔ وہ بڑبڑایا جو بہت واضح تھی' ہشام سالار نے بغور سنا۔

"کون سی بہو؟"

"وہ میرا مطلب ہے کہ بالکل ہو بہو آپ نے لڑکوں کی پسند کا وہی نقشہ کھینچا ہے مگر افسوس بابا! وہ میرے معیار پر نہیں اترتی ہے"۔

"تم گھاس تو نہیں چر گئے' میں نیاز سے رشتہ پکا کر چکا ہوں' تم دونوں کی منگنی کی ڈیٹ کا دن سیٹ کرنا ہے اور لگتا ہے کہ مجھے ہی کوئی ڈیٹ رکھنی پڑے گی"۔

"ٹھیک ہے منگنی بھی آپ ہی کروا لیجیے گا"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ کلثوم بانو نے اپنا ماتھا ہی پیٹ لیا کیونکہ وہ جب بھی بحث پر اڑتا تھا یہ تک بھول جاتا تھا کہ کس سے بات کر رہا ہے۔

"دیکھ رہی ہیں آپ اپنے لاڈلے کو' کیا بکواس کر رہا ہے"۔ وہ تو غضبناک اور درشت لہجے میں بولے۔

"حمود......!" وہ دبی دبی آواز میں چیخی تھیں۔

"سوری بابا! میں مجبور ہوں مجھے ایسی لڑکیاں قطعی پسند نہیں ہیں"۔

"سوری کے بچے' میں باپ ہوں تیرا' میری لات ہوگی اور تیری بات ہوگی' نیاز کے سامنے مجھے شرمندہ کروائے گا"۔ وہ سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہے تھے۔ حمود انہیں یہ بتا کر اپنی شامت نہیں بلا سکتا تھا کہ اس نے تو شادی جیسا فریضہ انجام دے لیا ہے مگر اسے پہلے انہیں ٹھنڈا کرنا تھا' ثمنیٰ کا معاملہ بھی رفع دفع کروانا تھا۔

"آپ کہیں تو میں معذرت کر لیتا ہوں' ثمنیٰ کو اور بہت سے اچھے لڑکے مل جائیں گے"۔ وہ مسلسل اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا تو' میں نے یہ رشتہ طے کیا ہوا ہے اور اگر تم نے میرے فیصلے سے ٹکرانے کی کوشش کی تو میں عقل ٹھکانے لگا دوں گا"۔ وہ اسے وارننگ دینے لگے۔

"زیادہ سے زیادہ آپ کیا کریں گے' مجھے عاق کر دیں گے' گھر سے چلتا کر دیں گے' اس کے لیے میں بالکل تیار ہوں"۔ وہ اکڑ کے بولا۔

"میں ایسا بالکل نہیں کروں گا بلکہ تمہیں اس گھر کی چار دیواری میں قید کر دوں گا' دیکھتا ہوں کیسے میرے فیصلے سے انکار کرتا ہے"۔

"واہ میرے بابا کی کیا لوجک ہے' میں تو تیار تھا کہ آپ نکالیں گے' خیر آپ کے ارادے تو مجھ سے بھی زیادہ الگ ہیں"۔ وہ استہزائیہ انداز میں شوخ لہجے میں بولا۔

"بکومت' گدھے بھول جاتا ہے کس سے بات کر رہا ہے"۔ ہشام سالار نے اسے ڈپٹ کے کہا۔

"یاد رہتا ہے اپنے باپ سے بات کر رہا ہوں جو کافی بڑے بزمین مین ہیں' پٹھان قبیلے سے تعلق ہے مگر سوچیں بڑی ماڈرن ہیں' امی کیا بابا نے آپ کو بھگا کے شادی کی تھی"۔ وہ پھر مذاق اڑانے لگا۔

"لاحول ولاقوۃ' ایسی اولاد بے شرم و غیرت سب اٹھا کر بیچ دی ہے"۔ ہشام سالار نے اس کے بازو پر دو ہتھڑ لگائے۔ کلثوم بانو اپنی ہنسی روک رہی تھیں کیونکہ حمود بحث کرتے ہوئے ایسے چٹکلے چھوڑتا تھا کہ وہ ہنستی ہی رہتی تھیں۔

"میرا باپ رومینٹک تو میں کیوں نہیں ہوں گا"۔ وہ شان تفاخر سے اپنے کالر اکڑا کے بولا۔

"دیکھی تم نے اس کی بے ہودگی' پتہ نہیں کہاں جانے لگا ہے"۔

"ہاں الزام لگا دیں کوٹھے پر جانے لگا ہے' بُری صحبت میں بیٹھنے لگا ہے اور ڈرنک بھی کرنے لگا ہے"۔ مزید آگے سے لقمے اس نے دیئے تھے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے' پاگل کر دینے والی اولاد ہے"۔ وہ سر تھام کے جیسے بے زار ہو گئے ہوں۔

"اسی لیے تو آپ کو وارن کر رہا ہوں جیسا میں ہوں اگر مجھ جیسا دوسرا پیدا ہو گیا تو آپ کی تو ناک کٹ جائے گی"۔ وہ سرگوشی میں بولا۔

"ہاں اس عمر میں باپ کے اور بچے کروائے گا"۔ وہ سلگ گئے' کلثوم بانو جھینپ کر حمود کو گھورنے لگیں۔

"جی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں' اگر میری اولاد مجھ جیسی ہی پیدا ہو گئی تو سوچیے کیا ہوگا' لوگ آپ کو ہی کہیں گے' بیٹے اور پوتے نے ناک کٹوا دی"۔

"اسے دفع کر دو یہاں سے ورنہ میں اپنی بندوق لے آؤں گا اور بھول جاؤں گا کہ یہ میرا بیٹا ہے"۔ وہ جلبلا رہے تھے۔ حمود اپنی ہنسی روک رہا تھا' آج وہ انہیں پھر روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا' اس نے فتح سے مکا ہوا میں لہرایا۔ کلثوم نے سر ہلا کر اس کی بحث پر آنکھیں بند کی تھیں۔

"کہاں چلے' میرا فیصلہ سن کے جاؤ"۔ ہشام سالار نے پھر اسے پکارا' وہ ایڑیوں کے بل گھوما' ٹریک سوٹ میں ملبوس ان کے سامنے وہ کھڑا تھا۔

"تم ثمنیٰ کو ایک بار اور سوچ سمجھ کے پرکھ لو' اچھی لڑکی ہے تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی اور خدارا یہ بھی سوچ لے گدھے' نیاز نے اگر پارٹنر شپ توڑ دی تو کتنا نقصان ہوگا"۔ وہ اب اصل موقف پر آئے۔

"سوری مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں' میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا آپ پارٹنر شپ نہیں کریں مگر آپ نے مانی کب"۔ وہ انہیں ان کی غلطی کا احساس دلانے لگا۔

"کچھ بھی ہو شادی تمہیں پھر بھی ثمنیٰ سے کرنی ہے"۔

"ٹھیک ہے میری بھی ایک شرط ہے"۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے لگا کیونکہ ایسے موقع پر ہی تو اپنا پتا پھینک کر بازی اپنے موافق کی جا سکتی تھی۔

"کیا شرط ہے؟" لہجہ اپنا کچھ نرم بنایا۔

"میں ثمنیٰ سے بھی شادی کر لوں گا' اگر آپ کو اعتراض نہیں ہو تو میں......" وہ کہتے ہوئے جھجک بھی رہا تھا اور ڈر بھی رہا تھا۔

"آگے بکو کیا شرط ہے"۔ وہ اس کے رُکنے پر چڑ ہی گئے۔

"رہنے دیں ابھی سے آپ کو غصہ آنے لگا ہے"۔ وہ گھوما۔

"گھامڑ آدمی میں تیرا باپ ہوں کوئی دوست نہیں جو مجھ سے فضول کے نخرے کر رہا ہے"۔

"یار بابا! آپ میرے دوست بھی ہو' اس سے انکار نہیں کریں آپ"۔ وہ فوراً سعادت مند بن کے انہیں جذباتی بلیک میل کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے بولو کیا شرط ہے"۔ وہ بولے۔

"میں ایک اپنی پسند سے شادی کروں گا"۔ جھٹ بولا۔

"کیا تیرے باپ نے بھی کبھی کی ہے پسند سے شادی جو ایک تو اپنی پسند سے کرے گا"۔ وہ تو سن کے آگ بگولا ہی ہو گئے۔

”حمود! پاگل تو نہیں ہو گئے ہو“۔ کلثوم بانو تو ڈر ہی گئیں۔

”پلیز امی! آپ کچھ نہیں بولیں گی‘ یہاں بات میری زندگی کی ہے اور پسند کی ہے‘ اگر آپ اپنی پسند سے میری شادی کروا سکتے ہیں جبکہ حمنیٰ مجھے پسند بھی نہیں ہے‘ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی پارٹنر شپ نہیں ٹوٹے تو ایک شادی میں اپنی پسند سے کروں گا“۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا اپنی بات پر اڑ گیا۔ ہشام سالار سوچ میں پڑ گئے اور وہ لب سیٹی کے انداز میں کیے ان کے تاثرات دیکھنے لگا۔

”نہیں نہیں بالکل نہیں‘ حمنیٰ بالکل برداشت نہیں کرے گی اور نیاز علی کو بھی یہ نہیں برداشت ہوگا“۔

”بابا! انہیں بتائے گا کون‘ آپ یا میں بتائیں گے تو پتا چلے گا انہیں“۔ وہ ان کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا اور خوش بھی ہو گیا کہ وہ اس کی باتوں میں آ گئے تھے۔

”ارے حمود بیٹا! اتنی بڑی بات کسی سے چھپ سکتی ہے جو تو ایسے آسان سمجھ رہا ہے“۔ کلثوم بانو کو تو اس کی باتوں سے خوف ہی آنے لگا اور حمنیٰ جیسی جنونی لڑکی کو بھی جانتی تھیں وہ کتنی شدت پسند اور بدتمیز لڑکی تھی‘ اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ طوفان بھی مچا سکتی ہے۔

”ہم چھپائیں گے کیونکہ میں حمنیٰ کو اسی صورت خوش رکھ سکتا ہوں‘ اگر میں نے اپنی پسند سے شادی نہیں کی تو حمنیٰ سے میری ایک دن بھی نہیں بنے گی‘ سوچ لیں آپ“۔ وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے انہیں کن انکھیوں سے دیکھنے لگا۔

”میری بھی پھر ایک شرط ہے“۔ ہشام سالار چہرے پر سختی لے کر گویا ہوئے۔

”میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں‘ پہلے آپ بتائیے میری شرط منظور ہے“۔ وہ بولا۔

”ہوں“۔ انہوں نے اتنا کہا۔

”تم جس کسی بھی لڑکی سے شادی کرو گے وہ میری نگاہوں کے سامنے نہیں آنی چاہیے‘ نہ اسے تم بھول کے یہاں لے کر آؤ گے“۔

”اوکے مجھے سب منظور ہے“۔ اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

”تمہاری پسند کی شادی میں‘ میں بالکل شریک نہیں ہوں گا اور نہ تمہاری ماں“۔

”اوکے“۔ اطمینان سے گویا ہوا۔ کلثوم بانو نے اس کا اطمینان اور دیدہ دلیری حیرت وانبساط سے دیکھی‘ کتنی آسانی سے وہ اپنے باپ کو باتوں میں لے چکا تھا۔

”تمہاری ہونے والی اولاد کا میری جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہوگا“۔

”کم آن بابا! یہ بعد کی بات ہے“۔ وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

”اگر حمنیٰ سے شادی کے بعد تم نے ذرا بھی حمنیٰ کو اگنور کیا تو سوچ لینا کتنا بُرا کروں گا“۔ وہ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اسے وارننگ دینے لگے۔

”آپ اطمینان رکھیے‘ ایسی کوئی کہانی نہیں ہوگی“۔ وہ مسکرایا اور اپنے کپڑے جھاڑ کے اٹھا‘ کتنا ہلکا پھلکا ہو گیا تھا وہ یہ معرکہ سر کر کے ورنہ تو اسے لگ رہا تھا کہ بابا کو کبھی نہیں منا سکے گا۔

”کون لڑکی ہے وہ؟“ انہیں جاننے کا بھی تجسس ہوا‘ اسے پھر مخاطب کیا وہ رُک گیا۔

”ہے معصوم سی سادہ سی جیسی مجھے چاہیے تھی“۔ وہ آنکھوں میں منتہیٰ کی شبیہہ لا کے مسکرا کے بولا اور پھر پرسوں سے وہ کتنا خوش بھی تھا کہ پہلی بار منتہیٰ کے انداز سے لگا تھا کہ وہ اس کے لیے اہمیت رکھنے لگا ہے۔

”معصوم تھی جب ہی تمہیں پھانس لیا“۔ وہ دانت پیسنے لگے۔

”خیر ایسی تو کوئی بات نہیں‘ نوشکی کی رہنے والی ہے“۔ اس نے بیک گراؤنڈ بتایا۔

”کوئٹہ سے تعلق ہے‘ کون ہے پھر؟“ وہ چونکے۔

”اتفاق دیکھیے بابا! آپ کے بیٹے کو اگر پسند آئی بھی تو وہ پٹھان قبیلے کی ہی پسند آئی ہے“۔ وہ فخر سے بتانے لگا۔

”کہاں ملی تھی؟“ وہ پوری چھان بین کر رہے تھے۔

”جب میں سائیٹ کی فیکٹری دیکھنے گیا تھا واپسی میں ملی تھی بہت پریشان اور مجبور تھی“۔ اس نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ ملا کے تفصیل بتا دی تاکہ انہیں یہ شک نہ رہے کہ وہ کسی غلط لڑکی کے چنگل میں پھنسا ہے۔ ہشام سالار نے بغور اس کی کہانی سنی تھی‘ کلثوم بھی خاموشی سے سن رہی تھیں کیونکہ اس نے تعریفیں بھی بہت کی تھیں‘ انہیں ملنے کی بھی خواہش ہوئی‘ نام بھی اس نے فرضی بتایا تھا ورنہ کلثوم بانو ہو سکتا تھا کہ پہچان لیتیں اور وہ منتہیٰ کو ابھی کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

............☆☆☆............

اسے آج سے پہلے خود سے اتنی گھبراہٹ نہیں ہوئی تھی جتنی اب ہونے لگی تھی‘ اسے ڈر تھا کہ اس کے اندر کا چور اس کی آنکھوں سے عیاں نہ ہو جائے اور اگر فائق کو ذرا بھی اندازہ ہو گیا تو وہ سر اٹھانے کی نہ رہے گی کیونکہ جتنی اپنے لیے اس کے لب و لہجے سے چہرے سے ناگواریت اور نخوت دیکھتی تھی وہ اپنا آپ اس کے سامنے پامال نہیں کر سکتی تھی چاہے وہ اسے ملے ہی ناں‘ مگر وہ اسے ساری زندگی اپنے دل میں چھپائے رہے گی‘ اسے پہلی بار کسی مرد کی مضبوطی اور اعتماد اتنا تحفظ کن لگا تھا‘ وہ اسے بھول نہیں پا رہی تھی کیونکہ ہر بار وہ اسے بچانے کے لیے موجود ہوتا تھا اور وہ جواب میں ہمیشہ لڑتی تھی مگر اسے فائق کا رویہ بھی سمجھ نہیں آتا تھا‘ اس کی گفتگو کبھی تو اتنی معنی خیز ہوتی کہ اسے خوش گمانی ہوتی مگر دوسرے ہی پل زمین پر وہ پٹخ دیتا تھا‘ اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتا تھا۔

”جو باتیں تم اتنی آسانی سے بے باکی سے کہہ دیتے ہو کاش وہ سچ میں ایک دن کہہ دو“۔ وہ سوچ رہی تھی اور جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔

آج نزہت نے سب کو ہی یہاں جمع کیا ہوا تھا ایک رونق سی لگی ہوئی تھی‘ کچھ دن بعد مہندی کا فنکشن تھا جو جواد احمد نے اور ریحان احمد نے کمبائن ہی رکھ دیا تھا کیونکہ ایک ہی گھر کی تو شادی تھی۔

”سب کے لیے بن گئی چائے“۔ ندرت نے اسے کپوں کی تلاش میں سرگرداں دیکھا جو سارے کیبنٹ کھول کھول کے دیکھ رہی تھی۔

”ج جی......ہو گئی“۔ وہ چونک کر ڈر سی گئی۔

”ارے تہذیب! تم ڈر گئیں“۔ ندرت نے خود ہی کیبنٹ سے کپ نکالے اور کاؤنٹر پر رکھے۔

”جی وہ میں گہری سوچ میں تھی تو ڈر گئی“۔ وہ جھینپ گئی۔

”ابھی رافع کی فرمائش آنے والی تھی‘ وہ تو امی نے اسے ڈانٹ کے بٹھا دیا کہ یہ رات کے بارہ بجے پراٹھے کھانے کی کیا تک ہے جبکہ کھانا کھا چکا ہے“۔ وہ بھی اس کے ساتھ چائے نکالنے میں مدد کرنے لگی۔

”ارے تو کیوں منع کر دیا‘ دیر ہی کتنی لگتی‘ میں بنا دیتی ہوں“۔ وہ فوراً بولی۔

”بس رہنے دو تمہارا دماغ خراب کرتا رہے گا“۔

”کوئی بات نہیں‘ آپ اسے بھیجیے میں بنا دیتی ہوں“۔ فریج سے آٹا نکالنے جانے لگی تو ندرت نے اسے

پھر ڈانٹ دیا۔

''چھوڑو آؤ وہاں آ کر بیٹھو''۔ وہ اسے ساتھ ہی لے کر گئی۔ تہذیب اس لمحے فائق کی طنزیہ اور گھورتی نگاہوں سے بچنا چاہتی تھی جو آج تو اس پر جیسے ٹکا کر بیٹھا تھا۔

''چلو تہذیب! سب کو چائے کے کپ تھماؤ''۔ ندرت' مائز کے ساتھ والے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ حکمت اور یمنیٰ تو گانے سننے میں لگی ہوئی تھیں البتہ منتہیٰ نہیں آئی تھی' مبینہ کچھ دیر بیٹھ کے چلی گئی تھیں' ان تینوں بہن بھائی کو مائز نے ہی زبردستی روکا تھا۔

''حمزہ! یہ چائے کا کپ انہیں دو''۔ اس نے فائق کا نام لینے سے گریز کیا اور اشارہ کر دیا۔

''تہذیب! تم فائق سے کیا ڈرتی ہو''۔ مائز تو اب ان دونوں پر اپنا فوکس فٹ کیے بیٹھا تھا کہ کب دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں اور وہ فائق کی بات بھی سیٹ کروا دے۔

''میرا بھائی کیا بھوت ہے جو تہذیب ڈرتی ہے''۔ ندرت بُرا مان کے بولی۔

''یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے بھوت سے کم ہیں''۔ تہذیب سوچ کے ہی رہ گئی۔ حمزہ نے چائے کا کپ اسے تھمایا اور خود پھر فائق کے ساتھ ہی بیٹھ گیا' فائق اس سے باتیں کرنے لگا تو تہذیب کو کچھ سکون ہوا کیونکہ اس کی تنقیدی نگاہیں تہذیب کو نروس جو کر رہی تھیں۔

''لگتا تو یہی ہے بے چاری کی رنگت تک اڑنے لگتی ہے''۔ مائز کو مزا آیا فائق کا موضوع گفتگو بننا اور اسے تو موقع ہی چاہیئے تھا۔

''فضول کی مت ہانکا کرو''۔ فائق جھینپ گیا۔ جبکہ تہذیب بھی خجل سی ندرت کے برابر میں بیٹھ گئی مگر فائق وہاں بھی اسے واضح نظر آ رہا تھا اور وہ کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی' رافع الگ اپنے بھائی اور تہذیب کو جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''پوچھ لو تہذیب سے' بے چاری تمہیں دیکھ کر کانپنے لگتی ہے''۔ اسی وقت فائق نے کارنر ٹیبل پر رکھا چھوٹا سا لو یو بیئر اٹھا کر نشانہ بنا کر پھینکا جو سیدھا تہذیب کی ناک کی خبر لے گیا اور وہ ہڑبڑا گئی' مائز کا قہقہہ پڑا' رافع کی بھی ہنسی چھوٹ گئی' ندرت دھیمی ہنسی ہنسنے لگی جبکہ تہذیب بیئر کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔

''تم بھی چالاک ہو کہہ نہیں سکے مگر تاک کے تیر تہذیب کو خوب مارا ہے''۔ وہ چھیڑنے سے باز پھر بھی نہیں آیا معنی خیز اس کی نگاہیں تھیں۔ تہذیب کے الگ پسینے چھوٹ گئے' فائق نے بیئر پر جو نگاہ ڈالی تو خود کو ہی ملامت کرنے لگا کیونکہ مائز کو تو ویسے بھی فسانہ بنانے میں مہارت حاصل تھی۔

''فضول کی بکواس میرے ساتھ مت کیا کرو''۔ وہ ویسے بھی خود کو موضوع گفتگو بنانا پسند نہیں کرتا تھا۔

''پھر اکیلے میں کیا کروں؟'' وہ ہنسا۔ تہذیب تو اٹھ کر ہی وہاں سے چلی گئی کیونکہ فائق کا غصہ ہی اتنا تھا کہ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گھور گھور کر اسے سالم نگل لے گا۔

''بہت ہی خبیث ہو تم' بے چاری کو بھگا دیا''۔ ندرت' مائز کو سناتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ وہ تو شکر تھا کہ حمزہ کچھ دیر پہلے ہی اٹھ کر باہر نکلا تھا کیونکہ اسے مبینہ نے بلایا تھا۔

''ارے تہذیب! تم تو گھبرا کے چلی آئیں''۔ ندرت مسکرا رہی تھی اور وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی جہاں وشہ کی ممی کا سارا سامان اور کپڑے پھیلے تھے۔

''جی وہ نہیں تو......'' اسے شرمندگی بھی ہونے لگی' نگاہ اس کے سامنے اٹھ ہی نہیں رہی تھی' جانے وہ کیا سوچ رہی ہوں

گی اور وہ اپنے سے متعلق کوئی بھی فسانہ بنوانا نہیں چاہتی تھی اور نہ اپنی عزت ان سب کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی۔

''ارے یہ مائز! ایسے ہی مذاق کرتا ہے' پتہ ہے فائق ایسی باتیں پسند نہیں کرتا پھر بھی اسے چڑاتا رہتا ہے''۔

اسے تہذیب کے حواس باختہ چہرے کی رنگت اڑتی ہوئی لگ رہی تھی۔

''میں فائق کو اچھی طرح جانتی ہوں کس مزاج کا ہے''۔

''وہ میں چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے' حمزہ بھی چلا گیا ہے''۔ اسے سمجھ نہیں آیا تو وہ جانے کے لیے پَر تولنے لگی۔

''تم مائز کی باتوں سے گھبرا کے جا رہی ہو''۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے وہ صبح پھر آفس کے لیے اٹھنا ہوتا ہے''۔ وہ عذر پیش کرنے لگی۔

''کل سنڈے ہے تم کیا بھول گئی ہو اور آج ہم سب نے جاگنے کا پروگرام بنایا ہے' ارے گپیں ماریں گے مزا آئے گا''۔ ندرت نے اسے یاد دلایا۔

''اصل میں ندرت باجی! وہ منتہیٰ باجی بھی گھر میں ہیں وہ بور ہو رہی ہوں گی''۔

''میں نے تو اسے بھی بلوایا تھا مگر عجیب لڑکی ہے آئی ہی نہیں''۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

''وہ کچھ تنہائی پسند سی ہیں''۔ اس نے حمایت لی۔

''کچھ بھی کہو' انسان کو اپنے خول سے بھی باہر نکلنا چاہیئے' جتنا تنہائی میں رہو اتنا انسان افسردہ اور مایوس ہوتا ہے''۔ وہ اپنی گہری سوچ سے آگاہ کرنے لگی۔

''میں خود اتنا سمجھاتی ہوں''۔ وہ تاسف سے بولی۔

''اچھا جو بھی ہے تم آج اِدھر ہی رُکو گی' تائی امی نے مبینہ آنٹی سے کہہ دیا ہے''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے زبردستی ہال میں لے آئی جہاں سب اپنی اپنی باتوں میں لگے تھے' بزرگ حضرات دادی جان کے کمرے میں تھے' محریب بھی وہیں تھا۔ فائق نے گرین کپڑوں میں تہذیب کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا جو صاف لگ رہا تھا کہ زبردستی لائی گئی ہے۔

''آپی! عروب کو آپ نے کیا سلا دیا ہے؟'' فائق نے پوچھا۔

''عروب ہاں سو گئی تھی' امی کے کمرے میں ہے''۔ اس نے بتایا۔

''ندرت باجی! آپ نے پتہ کیا بھابو کا بخار کم ہوا یا نہیں''۔ مائز کو یکدم ہی عنایہ کا خیال آیا۔

''ہاں تائی امی نے پوچھا تو تھا فون پر' سوچ رہی ہوں میں کل دیکھ آتی ہوں''۔ وہ بولی۔ فائق گلاسز کے اندر سے تہذیب کو گاہے بگاہے دیکھے جا رہا تھا جو اَب یمنیٰ اور حکمت کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی' دونوں سی ڈی پلیئر پر سونگ سن رہی تھیں۔

''ارے مجھے ایک ضروری بات یاد آئی' میں ذرا دادی جان کے کمرے میں جا رہی ہوں''۔ ندرت کو یاد آیا۔

''کیا ضروری بات ہے ہمیں بھی بتایئے''۔ مائز کو زیادہ ہر بات جاننے کا تجسس ہوتا تھا۔

''ابھی تم لوگوں کے بتانے کی نہیں ہے''۔ وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔

''ایسی کون سی بات ہے جو آپ ہمیں نہیں بتا سکتی ہیں''۔ وہ تو اَڑ گیا۔

''ہے ایک ضروری بات''۔ وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی چلی گئی۔ اب وہاں وہ لوگ ہی بچے تھے' تہذیب گھر جانے کے لیے پَر تول رہی تھی' کیونکہ فائق کے سامنے گھبراہٹ ہو رہی تھی جو مسلسل تنقیدی لگ رہا تھا اور وہ ایک دم ہی کھڑی ہو گئی' رُکی نہیں یمنیٰ نے پکارا بھی مگر وہ تیزی سے نکل گئی' اب حکمت کو بھی اٹھنا پڑا کیونکہ تہذیب جو چلی گئی تھی۔

............☆☆☆............

آج وہ فجر کی اذانوں کے ساتھ ہی اٹھی تھی' نماز پڑھ کے وہ صحن میں تخت پر آ کر بیٹھ گئی تھی' ذہن اس کا آج بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ گھر سے نکلے ہوئے اسے دو ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس نے کوئی جا کے خیر خبر نہ لی تھی کہ اماں کا کیا حال ہے۔ حمود سالار سے ٹکرانا' اسے نکاح کے لیے مجبور کرنا' کتنا مختلف ہے یہ شخص جس نے ہمیشہ کے لیے اس کی ذمہ داری اٹھانے کا سوچ لیا تھا مگر وہ اسے اپنی وجہ سے کسی مشکل میں بھی نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔

حمود کی محبت اور پیار سے لبریز میٹھی نگاہیں' وہ جب بھی اسے دیکھتا تھا خود پر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ کسی کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے' وہ بھی کسی کو پیاری لگتی ہے وہ بھی محبت کے لیے' کوئی اس کے لیے سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھا' اس کی ہر بات میں پریم تھا ہر بات اتنی پیاری ہوتی تھی کہ وہ پہروں گنگ سی رہ جاتی تھی۔

''حمود سالار! نہیں کرو مجھ سے اتنی محبت تم ورنہ پچھتاؤ گے' میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی' میں تمہیں تمہارے گھر والوں سے ٹکرانے نہیں دوں گی''۔ اس نے سوچتے ہوئے آسمان پر ہلکی ہلکی ہوتی روشنی کو دیکھا۔ ایسی روشنی حمود نے بھی اس کے اندر کر دی تھی کتنی خود سے بے زار ہو گئی تھی اور صرف ایک شخص نے اس کی ذات کو ایسا سمیٹا' اسے یہ بتایا کہ وہ کوئی بیکار اور فالتو چیز نہیں ہے بلکہ ایک جیتی جاگتی دل رکھنے والی انسان ہے' وہ کسی کے دل میں بسنے لگی ہے۔ پل پل محبت کا اظہار کرتی آنکھیں' الفاظ کی معنی خیزیاں اور وہ وارفتگی' والہانہ پن سب اسی کے لیے ہوتا تھا' وہ جب بھی اس سے بات کرتا یا دیکھتا تھا ایسا لگتا تھا کہ وہ اطراف سے بالکل بیگانہ ہو گیا ہے اور وہ اس کے سامنے چھوئی موئی سی بنی اپنے دھڑکتے دل کو سنبھال کر پُر اعتماد بننے کی کوشش کرتی تھی' ایسی گمبھیر اور گہری باتیں کرتی تھی کہ وہ بالکل نہیں جھنجھلاتا بلکہ مسکرا کے اسے بس اتنا کہتا تھا۔

''خلیل جبران کی رشتے دار ہو تم تو''۔ لب اس کے مسکرانے لگے۔ کتنا وہ اس کا خیال رکھتا تھا' فون پر خبر لیتا رہتا تھا' اسے پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور وہ بیلنس اس کے موبائل میں لوڈ کرواتا رہتا تھا۔ ایک اچھا پیار کرنے والا شوہر بننے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کرتی تھی' صرف اس لیے کہ وہ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ کتنی جدوجہد میں لگا ہوا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر لے آئے گا' رحمہ کا اس کے قریب کرنا اور پھر خود بھی روز آنا یہ سب اس کی محبت اور پسندیدگی ہی تو واضح کر رہا تھا اور اب اس نے مائز کی شادی پر پہننے کے لیے دنیا جہان کی چیزیں دلائی تھیں' بے دریغ اس نے پیسہ خرچ کیا تھا' ایک سے ایک قیمتی چیزیں میک اپ' جیولری' کپڑے' جوتے سب کچھ ہی دلایا تھا' وہ جتنا بھی خود پر نازاں ہوتی کم تھا مگر اس کے دل کو اطمینان ہی نہیں تھا اور نہ بے فکری تھی کیونکہ اس نے جب سے حمنیٰ کو دیکھا تھا ملی تھی اس دن سے خود کو اور ہی روک لیا تھا۔

''حمنیٰ جیسی لڑکیوں کا نصیب ہوا کرتے ہیں ایسے مرد' مجھ جیسی غریب اور معمولی شکل و صورت والی لڑکی کا نہیں''۔ وہ اٹھ کر صحن میں چہل قدمی کرنے لگی' مبینہ بھی فجر کی نماز پڑھ کے کچن میں چلی گئی تھیں۔ آج سنڈے تھا سب ہی دیر سے اٹھتے تھے مگر وہ اور مبینہ کا فجر کے وقت ہی روز اٹھنے کا معمول تھا۔

''رات تہذیب اور حکمت دیر سے آئی تھیں''۔ اس نے مبینہ سے پوچھا' وہ ناشتہ اس کے لیے اور اپنے لیے نکال کے لاؤنج میں لے آئی تھیں' دونوں ساتھ ہی ناشتہ بھی کرتی تھیں۔

''ہاں ایک بج گیا تھا حمزہ تو پہلے ہی آ گیا تھا''۔

''تم بھی چلی جاتیں''۔ قدرے توقف کے بعد اس سے پھر کہا۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا ہے خالہ جان!'' وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''بیٹا! اس طرح اگر تم لوگوں سے بچتی اور چھپتی رہیں تو تم بالکل ہی لوگوں سے ڈرنے لگو گی''۔ وہ سمجھانے لگیں۔

''مل کے کیا کروں گی' ایک دن مجھے یہاں سے چلے ہی جانا ہے''۔ افسردگی اور حسرت سے گویا ہوئی۔

''وہ تو جانا ہے مگر رخصت ہو کے حمود کے گھر''۔

''خالہ جان! پتہ نہیں میں نے ٹھیک بھی کیا ہے یا نہیں اور پھر میں اپنی حقیقت جانتی ہوں میں کس قابل ہوں' کیسے ان کے گھر والے مجھے قبول کریں گے''۔ اسے یہی فکر اور احساس تو مارے ڈال رہا تھا۔

''کیوں قبول نہیں کریں گے' تمہارے ساتھ وہ لڑکا مجھے سلجھا ہوا لگا ہے' وہ سمجھتا ہے کہ کیا کرنا ہے''۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔ جو مایوسیوں اور محرومیوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

''ان کے سلجھے ہونے سے کیا ہوگا' ان کے والدین تو مجھے قبول نہیں کریں گے اور پھر میں انہیں اپنی وجہ سے کسی مشکل میں بھی نہیں ڈالنا چاہتی ہوں''۔ وہ ناشتے کے بعد ٹرے اٹھا کے کچن میں لے گئی' برتن وغیرہ دھو کے وہ باہر آ گئی تھی' مبینہ صحن میں ہی تخت پر بیٹھ گئیں' وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی' صبح کی سپیدی پورے میں پھیل چکی تھی۔

''حمود جب خود کہہ رہا ہے کہ میں ہوں تو ساری مشکلات کا سامنا کرنے کو' تم کیوں گھبراتی ہو اور پھر اس کا ساتھ تمہارے لیے سب سے ضروری ہے''۔

''ان کا ساتھ ہونے سے کیا فائدہ' جس دن بھی ان کے والدین کو پتہ چل گیا ایک قیامت آئے گی اور پھر آپ کیا حمنیٰ سے نہیں ملی ہیں' کتنا وہ ان کے معاملے میں ٹچی ہے''۔ اسے یہ بھی تو دکھ تھا کہ کوئی لڑکی حمود پر اتنا مرتی ہے' اور وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی حمود کے لیے کچھ نہیں اور حمنیٰ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہے۔

''حمنیٰ جیسی لڑکیاں کبھی بھی حمود جیسے لڑکے کے ساتھ رہ نہیں سکتیں کیونکہ حمود سادہ مزاج کا لڑکا ہے اور وہ اتنی ماڈرن سی اتنا بڑھ بڑھ کے بولنے والی لڑکی ہے اُف توبہ''۔ انہوں نے اپنا سر ہلایا۔

''حمنیٰ کو ان کے والدین نے ہی تو پسند کیا ہے اور پھر جب ان کے والدین راضی ہیں تو وہ بھی کچھ نہیں بول سکتے ہیں''۔ وہ بولی۔

''کچھ بھی ہو مجھے پورا یقین ہے اور اللہ پر بھی یقین ہے وہ تمہیں تمہاری منزل پر ضرور پہنچائے گا کیونکہ تمہاری شادی جس انداز میں ہوئی ہے یہ بھی اوپر والے کی مرضی اور حکم سے ہوئی ہے' تمہارا جوڑ حمود سے ہی اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے''۔ انہوں نے اس کے ہاتھ دبا کے دعا کے ساتھ تسلی بھی دی۔ منتہیٰ نے دل سے آمین کہا' کیونکہ وہ تو خود اس انسان کو انجانے میں پسند کرنے لگی تھی جس نے اس کا کتنا ساتھ دیا اور آج ساری ذمہ داری بھی اٹھا رہا تھا' اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھ رہا تھا۔

''ہو گئی صبح تمہاری''۔ جب تک وہ تینوں اٹھے منتہیٰ نے سب کا ناشتہ تیار کر لیا تھا' وہ یہاں آ کر ایسے رچ بس گئی تھی کہ جیسے اسی گھر میں برسوں سے رہ رہی ہو۔

''اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا' بہت تھکن ہو رہی ہے مجھے ابھی بھی''۔ تہذیب اپنا ناشتہ لے کے کمرے میں آ گئی' منتہیٰ سلائی مشین کھول کے بیٹھ گئی تھی کیونکہ حمود کے دلائے ہوئے کپڑے بھی سینے تھے جو اسے مائز کی شادی میں پہننے تھے۔

''منتہیٰ باجی! آپ کو شاپنگ حمود بھائی نے زبردست کروائی ہے' کیا خوبصورت چیزیں ہیں بالکل آپ کی طرح''۔ اس نے سی گرین جھلملاتے کپڑوں پر نگاہ ڈالی جسے منتہیٰ نے سلائی کے لیے نکالا تھا۔

''بس اتنا جھوٹ مت بولا کرو''۔ وہ جھینپ گئی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں' آپ اتنی خوبصورت ہیں کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہوں' لگتا ہے بچپن میں آپ نے اخروٹ بادام بہت کھائے ہیں''۔ وہ چھیڑنے لگی۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے''۔ وہ مشین میں دھاگا لگانے لگی۔

''ویسے میں نے جتنے بھی پٹھان دیکھے ہیں ان کی بیٹیاں خوبصورت ہوتی ہیں' اب آپ رحمہ کو ہی دیکھ لیں' اس کے رخسار ایسے لال ٹماٹر لگتے ہیں کہ بس''۔ وہ سراہنے لگی تھی۔

''مگر وہ تمنیٰ بالکل بھی ان کے خاندان میں میچ نہیں کرتی ہے''۔ وہ بیڈ پر بیٹھی ناشتہ بھی کر رہی تھی اور باتیں بھی کیے جا رہی تھی۔ حکمت صفائی کرنے لگی تھی' حمزہ کو مبینہ نے دوپہر کے پکانے کے لیے سبزی وغیرہ لینے مارکیٹ بھیجا ہوا تھا۔

''بُری بات ہے کسی کی برائیاں نہیں کرتے ہیں''۔

''ایک تو مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی' ذرا آپ تمنیٰ کو دیکھ کر جیلس نہیں ہوتیں' اگر ہوتی نا میں آپ کی جگہ اپنے میاں سے لڑلڑ کے ان کا پیچھا چھڑا لیتی''۔ وہ غصے میں بولی۔ منتہیٰ نے حیرانگی کے ساتھ مسکرا کے اسے بھڑکتے ہوئے دیکھا۔

''ارے اس میں جیلس ہونے کی کیا بات ہے' وہ ان کی منگیتر پہلے سے ہے' میں بعد میں آئی ہوں اور بعد میں آئی ہوئی چیزوں کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی پہلے سے موجود چیزوں کی ہوتی ہے''۔ یہاں بھی وہ اپنا فلسفہ جھاڑ گئی۔

''ٹھیک کہتے ہیں آپ کو حمود بھائی خلیل جبران کی رشتے دار' پتہ نہیں کیا کیا بول دیتی ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا ہے''۔ وہ کھسیا کر بےزاری سے گویا ہوئی۔

''اچھا چلو ناشتہ کر چکی ہو ذرا جا کر تم آٹا گوندھ کے رکھو' میں روٹیاں بنا لوں گی''۔ وہ بولی۔

''پہلے آپ مجھے اپنی ساری چیزیں دکھایئے جو آپ کو شاپنگ کروائی ہے''۔ اس نے اب تک ساری اس کی چیزیں نہیں دیکھی تھیں کیونکہ آفس سے آ کے وہ ایسی لیٹتی تھی کہ عشاء کے وقت ہی اٹھتی تھی' پھر صبح جلدی نکل جاتی تھی اس لیے دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا' رات بھی محریب کی طرف چلی گئی تھی اس لیے دیکھنے سے رہ گئی تھی۔

''وہ الماری کے ساتھ بیگ پڑے ہیں نکال کر دیکھ لو''۔ وہ اشارے سے بتانے لگی۔ تہذیب نے بیڈ کی رائٹ سائیڈ پر زمین پر رکھے بیگ اٹھائے اور اس کے پاس ہی نیچے لا کر بیٹھ گئی' ایک ایک چیز نکال کر دیکھنے لگی۔

''واؤ منتہیٰ باجی! کیا زبردست پسند ہے حمود بھائی کی' کلر بھی اچھے ہیں اور یہ سینڈل کتنی خوبصورت ہے''۔ اس نے ہائی ہیل کی گولڈنگوں کی سینڈل کو خود بھی پیر میں ڈال کے دیکھا۔

''مجھ سے تو یہ پہن کے چلا بھی نہیں جائے گا''۔ منتہیٰ نے سینڈل پر نگاہ ڈالی۔

''آپ چھوٹی ہیل کے لے لیتیں''۔ وہ بولی۔

''کیسے لیتی' خود ہی اپنی ہر بات میں چلا رہے تھے' تہذیب اگر میں گر گئی تو کیا ہوگا''۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔

''آس پاس حمود بھائی ہوں گے سنبھالنے پہنچ جائیں گے' آپ فکرمند نہ ہوں اور آرام سے گریئے گا''۔

''بدتمیز لڑکی یہاں میری جان نکلی جا رہی ہے تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں''۔ اس نے تہذیب کے تھپڑ مارا۔

''ارے تو آپ اتنا فکرمند کیوں ہوتی ہیں' گھر میں پہن کے پریکٹس کریں' شادی میں ابھی ہفتہ دس دن ہیں''۔ وہ اطمینان سے بولی۔

''اچھی مصیبت مجھے دلا کر چلے گئے ہیں''۔ وہ بڑبڑائی۔

''منتہیٰ باجی! ایک بات پوچھوں''۔ وہ ساری چیزیں دیکھنے کے بعد واپس بیگ میں رکھنے لگی۔

''ہوں......'' مشین کو وہ سیٹ کر چکی تھی۔

''حمود بھائی آپ سے محبت بھرے جملے بولتے ہیں؟'' اس نے شرارت سے پوچھا۔

''بہت ہی بدتمیز ہو رہی ہو''۔ وہ جھینپ گئی۔

''مجھے بہت شوق ہے جاننے کا''۔

''تمہاری ہوگی سننا تم اپنے میاں سے محبت بھرے جملے''۔ اس نے بات کو ہی ٹال دیا۔ تہذیب نے جھینپ کے لب بھینچ لیے کیونکہ فائق جو ذہن میں آ گیا تھا۔

............☆☆☆............

اس کی کچھ طبیعت بہتر ہوئی تو وہ اٹھ کر بیٹھی تھی' ندرت' یمنیٰ اسے دیکھنے آئی ہوئی تھیں' سمیرا بیگم کا حسبِ معمول نخوت زدہ انداز اور چہرہ تھا' مارے باندھے ہی ان دونوں کے سلام کا جواب بھی دیا تھا' ثمینہ بھی آئی ہوئی تھیں اپنی بیٹی سمیت' گھر میں رونق سی لگ گئی تھی۔

''اب تو بستر چھوڑ دو' بہن کی شادی قریب ہے''۔ ندرت نے اس کے زرد اور بےتاثر چہرے کو دیکھا جو چپ چپ سی بھی ہو گئی تھی۔

''اب تو عنایہ باجی بالکل ٹھیک ہیں''۔ نشاء نے چہک کے کہا۔

''عنایہ! تائی امی نے تمہارے کپڑے بھیجے ہیں' تم نے مہندی سے لے کر ولیمہ تک میں سارے وہی کپڑے جیولری اور سینڈلز پہننے ہیں''۔

''ندرت باجی! میں نے تو سب کچھ اپنا بنا لیا ہے''۔ عنایہ جھٹ بولی۔

''ہم کیا کریں تائی جی چاہتی ہیں کہ ان کی بڑی بہو بالکل اسی طرح بڑی بن کے شرکت کرے اِدھر سے بھی اُدھر سے بھی''۔ اس نے معنی خیزی اور شرارت سے کہا' عنایہ نے جھینپ کے سر جھکا لیا۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ جس سے رشتہ جڑا ہوا ہے وہی لاتعلق اور سرد مہر بن رہا ہے اس کا کیسے دل چاہے گا کہ وہ اُدھر سے بھی بڑی بن کے شرکت کرے' اس نے وہ مان اور غرور ہی اس کا چکنا چور کر دیا ہے۔

''مائز تو یہاں آنے کو مچل رہا تھا وہ تو تایا ابو نے اور محریب نے ڈانٹ کے بٹھا دیا ورنہ تو یہاں ہوتا روز''۔ ندرت بتانے لگی۔

''مائز بھائی کو آپ کی اتنی فکر ہے کہ کیا بتاؤں''۔ یمنیٰ نے بھی بتایا۔ عنایہ سر جھکائے سن رہی تھی' جب دل ہی خوش نہیں ہو تو کوئی بات خوشی نہیں بخشتی ہے' جب دل کا مکین روٹھا ہوا ہو ناراض ہو بےکلی کیوں بڑھ جاتی ہے' وہ چاہے اس سے بات نہیں کرے مگر اس کی بےرُخی زیادہ مارتی ہے۔ عنایہ نے انہیں رات کے کھانے پر زبردستی روک لیا تھا پھر جواد احمد بھی آ گئے تو جانے نہیں دیا' ثمینہ اور نشاء تو پہلے کی آئی ہوئی تھیں۔

''عنایہ باجی! محریب بھائی بھی آئے ہیں''۔ وہ کھانا لگوا رہی تھی کہ نشاء نے اس کے کان میں آ کر خبر دی۔

''وہ آئے ہیں تو تم اتنا خوش کیوں ہو رہی ہو؟'' ڈائننگ ٹیبل پر ساری چیزیں وہ رکھ چکی تھی' وشہ بھی ساتھ لگی ہوئی تھی۔

''میں نے تو دیکھا ہی انہیں قریب سے آج پہلی بار ہے''۔ عنایہ نے اس کے ہاتھ میں سلاد کی ٹرے تھمائی کہ وہ ٹیبل پر رکھ دے۔

''ایک بات بتاؤں' یہ تو بہت ہی ہینڈسم ہیں بالکل آپ کی ہی طرح ہیں''۔ وہ محریب کو دیکھنے کے بعد زیادہ ہی خوش ہو رہی تھی۔

''اچھا تم اندر جا کر سب کو بلاؤ کہ کھانا لگ گیا ہے''۔ وہ خود پھر کچن میں گھس گئی' ثمینہ نے ہی پلاؤ چکن کڑاہی بنائی تھی' عنایہ کو انہوں نے کچھ کرنے ہی نہیں دیا' پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر عنایہ سے زیادہ آرام بھی نہیں کیا

جاتا تھا' وہ خود کو کام میں مصروف رکھتی تھی۔ سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے تھے' سمیرا بھی مارے باندھے آ گئی تھیں' عنائبہ کا اور محریب کا ایک بار بھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا' مگر پھر جواد احمد نے اسے پکارا تو کچن سے نکلنا پڑا۔

''بیٹا! آپ کے ہاتھ کی چائے پینے کا دل کر رہا ہے''۔ وہ گویا ہوئے' محریب نے بھولے سے بھی نگاہ نہیں ڈالی تھی' وہ سر جھکائے کھانے میں مصروف رہا تھا۔ چائے وہ بنا رہی تھی' وشہ کپ وغیرہ ترتیب دینے لگی' پھر چائے تیار کر کے اس نے وشہ کو ہی بھیجا کیونکہ وہ محریب کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''محترمہ میں بھی کچھ اکڑ ہے''۔ محریب چائے کے سپ لیتے ہوئے سوچنے لگا' وہ تو ندرت اور یمنیٰ کو لینے آیا تھا' دل میں بھی یہ خواہش ابھری کہ اسے ایک نظر دیکھ ہی آئے جو بیمار ہے۔

''محریب! عنائبہ کی طبیعت تو پوچھ لو جا کر''۔ ندرت نے چلتے وقت سرگوشی میں ہی کہا۔

''چپ کر کے چلو''۔ اس نے ندرت کو گھور کے ڈانٹ دیا' وہ لب بھینچ کے رہ گئی کیونکہ اس سے بھی بڑا تھا تو کچھ اپنا رعب بھی رکھا ہوا تھا' گیٹ تک وہ ضرور آئی تھی۔ محریب نے کن انکھیوں سے دیکھا کافی کمزور اور چپ چپ سی لگ رہی تھی مگر وہ ندرت اور یمنیٰ سے باتوں میں لگی رہی تھی۔ محریب کو اس کی یہی بے گانگی اور بے تاثر چہرہ اور غصہ دلاتا تھا مگر خود پر پھر وہ کنٹرول کر کے رہ جاتا تھا' پورے راستے وہ عجیب جھنجھلاہٹ کا شکار رہا تھا' وہ چاہ کر بھی اس سے بات نہیں کر سکا تھا' مگر دل کہہ رہا تھا کہ کچھ بھی ہے وہ تمہارے لیے بہت کچھ ہے' تم یوں اگنور نہیں کر سکتے ہو۔

............☆☆☆............

''آج نیاز کے ساتھ میری کہیں میٹنگ ہے تم آفس میں ہی رہنا''۔ ہشام سالار نے اسے جاتے ہوئے یاد دلایا۔

''مجھے یاد ہے مگر پلیز نیاز انکل سے کہہ دیجیے گا حمنیٰ آفس میں مجھے ڈسٹرب کرنے بالکل نہیں آئے''۔ وہ ایڑیوں کے بل گھوما اور ان سے تیز لہجے میں مخاطب ہوا۔

''یہ مت بھولا کرو تمہیں اس سے شادی کرنی ہے''۔ وہ اسے گھورنے لگے' حمود نے دانت پیسے کیونکہ حمنیٰ کا نام تک اسے سننا گوارا نہیں ہوتا تھا اور کجا یہ شادی۔

''اور سوچ لو اگر تم نے فضول کی کوئی بکواس کی تو میں پھر تمہاری کوئی شرط نہیں مانوں گا' سمجھے''۔ انہوں نے فوراً اسے شرط یاد دلائی۔ حمود نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دھڑ سے ڈور بند کیا' ہشام سالار بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے' آفس دونوں ساتھ ہی جاتے تھے۔

''پلیز بابا! آپ صبح صبح اس کا نام لے کر میرا موڈ خراب نہیں کیا کریں''۔ اس نے گاڑی جیسے ہی اسٹارٹ کی چوکیدار آہنی گیٹ کھول چکا تھا۔

''میں موڈ خراب کر رہا ہوں یا تمہیں یاد دلا رہا ہوں''۔ انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔ حمود نے اپنے سیدھے ہاتھ کو بند کیا اور پشت سے اپنے ہونٹوں پر لگا لیا' ذہنی رو اس کی بھٹک رہی تھی' سامنے دیکھ کر وہ گاڑی چلا رہا تھا حمنیٰ کے بارے میں تو وہ بھول کے بھی سوچنے کی غلطی نہیں کرتا تھا' ہر وقت اسے منتہیٰ کا خیال ہی دل و دماغ میں رہتا تھا' جو مکمل طور پر اس کے دل کے ایوانوں کو کھولتی ہوئی اندر آ چکی تھی۔ جسے محبت و پیار جیسے جذبے کا پتہ ہی نہیں تھا اب یوں اچانک کسی کا زندگی میں شامل ہو جانا اسے سوچنے' اس کی ہر ادا اور ہر بات میں کھو جانا' یہ سب اسے محبت و پیار کے مفہوم ہی تو سمجھا گئی تھی' وہ کب سمجھ رہا تھا اپنے اس جذبے کو' منتہیٰ کا گریز بے رُخی یہ سب اسے اور قریب کرتی جا رہی تھی' آفس میں بھی سارا دن اتنا ڈسٹرب رہا کہ اس پر مزید جلتی پر تیل کا کام کرتی حمنیٰ آ گئی اور وہ کوفت میں مبتلا اس کی بے باکیاں برداشت کرتا رہا۔

''حمود! تم مجھ سے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے ہو''۔ وہ روٹھ کے خفگی دکھانے لگی۔ حمود کے ہاتھ میں موبائل تھا' وہ منتہیٰ سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر حمنیٰ یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''خیر ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے خود کو نارمل کیا اور حمنیٰ پر نگاہ ڈالی جو اسٹائلش سے ٹراؤزر پر اسٹائلش ہی موتیوں سے بنی کام کی شرٹ میں ملبوس اپنے لیئر اسٹیپ کٹنگ بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بار بار پیچھے کیے جا رہی تھی' اتنے ماڈرن انداز میں وہ رہتی تھی کہ حمود کو گراں گزرتا تھا جبکہ وہ خود شوخ اور اسٹائلش رومینٹک تھا مگر اسے لڑکیوں کا یہ انداز بہت ناگوار گزرتا تھا۔

''تم تو شادی کے بعد بھی مجھے لگتا ہے ٹائم نہیں دو گے''۔ وہ پھر قدرے توقف کے بعد منہ بسور کے گویا ہوئی۔

''شادی کے بعد تو خیر تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا اور گلاس ونڈو کے پردے ایک ڈوری کھینچ کے کھسکائے اور نیچے دوڑتی بھاگتی زندگی پر نگاہ ڈالی' ٹریفک کا ایک اژدھام رواں دواں تھا۔

''حمود! میں کیوں نہیں کروں فکر' پتہ ہے میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں' اگر تم نے مجھے بھول کے بھی اگنور کیا تو سچ کہہ رہی ہوں تمہیں جان سے مار دوں گی''۔ اس نے حمود کا کوٹ کالر سے پکڑ کے جھنجوڑا' وہ حیرانگی سے اس کی شدت پسندی پر گنگ رہ گیا' حمنیٰ کی آنکھوں میں بھی اسے غصے کے لال ڈورے نظر آ رہے تھے۔

''اگر تمہارے اور میرے بیچ میں کوئی بھی آیا حتیٰ کہ تمہارے مام اور بابا' میں انہیں بھی برداشت نہیں کروں گی''۔ وہ حمود کے سینے سے لگ گئی' اسی وقت وہ کرنٹ کھا کے بدک کے پیچھے ہوا۔ حمنیٰ بے باک تھی مگر اتنی' اس نے سوچا نہیں تھا اس کا تو دماغ سن سا ہو گیا۔

''پلیز حمود! تم کیوں اتنے بیک ورڈ ہو' کبھی تو مجھے اپنی مضبوط بانہوں کا سہارا دے کر یہ یقین دیا کرو کہ میں ہی تمہارے لیے پاگل نہیں ہو رہی ہوں' تم بھی ہو میرے لیے''۔ وہ روہانسی ہو کر شکوہ کرنے لگی۔ حمود نے لب بھینچ لیے' اس نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی کب تھا' ہر لمحہ اس نے منتہیٰ کو اپنے آس پاس دیکھا تھا۔

''میں ایسی فضول حرکتیں کر کے تمہیں یقین دلانا ضروری نہیں سمجھتا''۔ چہرے اور لہجے میں سختی سمو کے گویا ہوا۔

''بٹ وائے حمود! ہم اتنے ماڈرن زمانے میں رہتے ہیں' تم ایسی باتیں کر رہے ہو''۔

''ماڈرن زمانے میں تم رہتی ہو میں نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ محبت کو وقت آنے پر اگر واضح کرو تو زیادہ اچھا ہے''۔ کچھ مسکرا کے ذو معنی لہجے میں بولا۔

''یعنی تم مجھ سے محبت کرتے ہو ناں''۔ حمنیٰ تو اس کے اتنا کہنے پر خوش ہو گئی۔

''میں محبت ہاں کرتا ہوں اتنی کہ شاید تم سوچ بھی نہیں سکتیں کیونکہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میں محبت کرنے لگوں گا''۔ منتہیٰ کو ذہن میں لا کر روانی میں جذب سے بولتا حمنیٰ کو خوش فہمیوں میں مبتلا کر گیا۔

''تھینکس حمود! آج تم نے مجھے یقین دلا دیا''۔ وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی۔ حمود خفیف سا ہو گیا اور حواسوں میں بھی آ گیا کہ وہ ضرور خود کو تصور کر رہی ہے جبکہ جو کچھ اس نے بولا وہ منتہیٰ کو خیالوں میں مخاطب کر کے بولا تھا۔

''سنو! شادی کے بعد ہمارا ہنی مون پیرس میں ہو گا''۔

''پیرس میں' یہ تو میں نے اس سے پوچھا ہی نہیں''۔ وہ بے ساختہ چونک کر بولا۔

''کس سے نہیں پوچھا''۔ حمنیٰ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ کسی سے نہیں' خود سے نہیں پوچھا میں نے''۔ گھبرا کے بات سنبھالی۔

''سنو ساری شاپنگ وہاں سے کروں گی اور سنو میک اپ سارا لندن سے لوں گی''۔

''تم ابھی لے لو نا جا کر' بعد کا کیا انتظار کرتی ہو''۔ طنز میں جل کے بولا۔

''نہیں تمہارے ساتھ زیادہ مزا آئے گا''۔ ابھی سے وہ تصوراتی محل میں چلی گئی تھی۔ حمود نے کڑوا سا منہ بنایا' جو وہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی' بابا کی اور نیاز انکل کی میٹنگ تھی وہ حمنیٰ کو یہاں سے خود سے جانے کا بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ یہ آفس اس کے باپ کا بھی تو تھا۔

''سنو حمود! میں دو تین سال تمہارے ساتھ گھوم پھر کے انجوائے کروں گی' اس کے بعد ہم بچوں کے بارے میں سوچیں گے''۔

''اُف مائی گاڈ!'' حمود نے لمبی سانس بھر کے اس کے بے باک جملے پر گرم گرم گھونٹ اندر اتارے' اسے تو شرم نہیں آتی تھی' وہ بے چارہ پسینے پسینے ہونے لگا اس کی گفتگو سے غصہ میں۔

''حمنیٰ! تم بہت زیادہ کھلی گفتگو نہیں کر رہی ہو''۔

''کم آن حمود! ہم دونوں ماڈرن پیرنٹس بنیں گے' سمجھے''۔ وہ اٹھلائی' اسی وقت حمود کا موبائل بجا تو اس نے صد شکر ادا کیا۔

''جی امی! خیریت تو ہے؟'' وہ کلثوم بانو کی آواز پر چونکا۔

''جی میں آنے ہی والا تھا کیونکہ پانچ بج گئے ہیں''۔ اس نے اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

''مجھے پتہ تھا وہ کسی دن بھی اکڑ کے بیٹھے گی''۔ وہ بولا۔

''میں آتا ہوں''۔ اس نے موبائل آف کر دیا اور اپنا والٹ وغیرہ' کی رِنگ اٹھانے لگا کیونکہ آفس وغیرہ تو وہاں کا اسٹاف بند کر کے جاتا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔

''مجھے کسی کے پاس ضروری پہنچنا ہے''۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

''رُکو تو حمود! میں بھی آ رہی ہوں''۔ وہ بھی اپنی گاڑی کی سمت بھاگی تھی مگر حمود نے مڑ کے اسے نہ دیکھا تھا۔

............☆☆☆............

''آج تیسری چھٹی کی ہے رحمہ نے''۔ منتہیٰ تین روز سے اس کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ آ ہی نہیں رہی تھی' جب سے حمود اسے شاپنگ پر لے کر گیا تھا اس دن کے بعد سے رحمہ ٹیوشن پڑھنے نہیں آ رہی تھی۔

''آپ حمود بھائی کو کال تو کریں''۔ حکمت نے یاد دلایا۔

''وہ میں......'' وہ حمود کے نام سے ہی گھبرانے لگتی تھی۔

''جی آپ منتہیٰ باجی! آپ تو فوراً ہی ڈرنے لگتی ہیں' نکالیے موبائل حمود بھائی کے موبائل پر کال کریں جلدی''۔ وہ اس کے پیچھے پڑ گئی۔ منتہیٰ کا دل تو حمود سالار کا نام سن کے ہی دھک دھک کرنے لگتا تھا' اس کا چہرہ نگاہوں میں جیسے ہی آتا وہ اپنے دل کی سرگوشیوں سے اور پریشان ہو جاتی تھی۔ حکمت نے اس کا موبائل تلاش کر ہی لیا اور پھر اس کے ہاتھ میں تھمایا' منتہیٰ چونک سی گئی اور غائب دماغی سے موبائل کو دیکھا۔

''کال کیجیے نا''۔ حکمت نے اشارہ کیا۔ منتہیٰ نے جھجکتے ہوئے فون بک نکالی اور نمبر پریس کیا' حکمت کمرے سے نکل گئی تا کہ وہ ایزی ہو کر بات کر سکے۔ مسلسل بیل جا رہی تھی مگر وہ ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا' وہ متفکر بھی ہو گئی کیونکہ کال کٹ چکی تھی' دوبارہ نمبر پریس کیا تو پھر بیل جا رہی تھی۔

''ریسیو کیوں نہیں کر رہے کال''۔ وہ واہموں میں پڑ گئی' فوراً ذہن منفی رخ پر چلا گیا۔ بالآخر اس نے تھک ہار کر

موبائل سائیڈ پر رکھ دیا اور کمرے میں مضطرب اور فکر مندی ٹہلنے لگی۔ ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا کہ اس نے کال کی ہو اور حمود نے ریسیو نہ کی ہو' دل کی دھڑکنوں میں دھک دھک بڑھ گئی' عجیب سی اس کی حالت ہونے لگی' گھبراہٹ بھی ہونے لگی دوبارہ اس نے چیئر پر پڑا موبائل اٹھایا اور نمبر پریس کیا۔

''اُف ......اللہ کیوں ریسیو نہیں کر رہے ہیں' کہاں چلے گئے' ان کے بابا کو تو پتہ نہیں چل گیا''۔ موبائل بند کیا اور سر تھام لیا۔

''کیا ہوا بات ہوئی؟'' حکمت اندر آئی۔

''آں......نہیں' پتہ نہیں وہ کال ریسیو نہیں کر رہے ہیں' ہو سکتا ہے معروف ہوں کہیں''۔ خود ہی تسلی بھی دی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دل میں وہ کوئی خوش گمانی تو پالنا ہی نہیں چاہتی تھی مگر جب کوئی خوشبوؤں میں بسی اور رنگوں میں ڈوبی باتیں کرتا ہو تو دل ایک دم ہی خوش فہم ہو جاتا ہے اور خود کو اس کی سنگت میں دیکھنے لگتا ہے' وہ تو حقیقت پسند لڑکی تھی اس کے ساتھ تو اتنا کچھ ہو چکا تھا کہ اب دل ڈرنے لگا تھا' صرف وہ زمانے کی ہوس زدہ نظروں سے بچنا چاہتی تھی اس سے زیادہ تو کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر حمود سالار جیسا شخص جو اسے چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھا کب اس نے دل کا تعلق باندھا تھا جو وہ اس کے لیے اتنا کچھ کر رہا تھا۔

''منتہیٰ باجی! حمود بھائی کی کال ہے''۔ حکمت اس کا موبائل لے کر باہر آئی' وہ خیالوں و سوچوں سے باہر آئی' لپک کے موبائل لیا اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

''السلام علیکم مسز حمود سالار!'' دوسری جانب سے وہ شوخ لہجے میں مخاطب تھا۔ منتہیٰ جھینپ کے لب بھینچ کے رہ گئی' کتنا ہشاش بشاش اس کا لہجہ اور آواز تھی' وہ تو ذرا سی دیر میں جانے کیا الٹا سیدھا سوچ چکی تھی۔

''میں تو خوشی سے مرنے کے قریب ہی ہو گیا تھا کہ میرے سیل پر تمہاری اتنی مس کالز''۔ وہ بہت خوش بھی لگ رہا تھا۔

''ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے''۔ منتہیٰ جھٹ بولی' اس کے رخساروں پر شرم و حیا کی لالی بکھر گئی تھی۔

''میٹنگ میں تھا موبائل میرا سائلنٹ پر تھا' تم بابا کو تو جانتی ہو کہتے ہیں کہ جب بھی آفس کی میٹنگ ہو موبائل سائلنٹ پر رکھو یا آف لیکن میرا موبائل ٹیبل پر میرے سامنے پڑا تھا اور مسلسل نگاہ بھی اٹھ رہی تھی مگر سوری یار مجبور تھا''۔ وہ تفصیل بتانے کے ساتھ معذرت بھی کر رہا تھا۔

''ابھی آپ کہاں ہیں؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ابھی میں میٹنگ روم میں ہی ہوں''۔

''سب کے سامنے آپ بات کر رہے ہیں''۔ وہ گھبرا گئی۔

''میٹنگ ختم ہو چکی ہے' سب جا چکے ہیں البتہ میں تم سے بات کرنے کی وجہ سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں''۔ وہ فوراً اسے ریلیکس کرنے لگا۔

''وہ میں کال اس لیے کر رہی تھی کہ......''

''کہ آج میں بڑے موڈ میں ہوں' اگر حمود سالار آپ کو آنا ہے تو آ جایئے میں حاضر ہوں''۔ اس نے منتہیٰ کی بات پوری ہی نہ ہونے دی بلکہ درمیان سے ہی کاٹ کر چہک کے اپنا جملہ مکمل کر دیا۔

''اگر آپ نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو میں موبائل بند کر رہی ہوں''۔ وہ تو شرم سے آگے کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔

"اوکے اوکے نہیں کرتا ایسی باتیں مگر یہ بتادو کپڑے وغیرہ ریڈی کر لیے' ساری تیاری ہو گئی ہے تمہاری' مائز کی شادی میں تمہیں مکمل سجا سنورا دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"جس کی زندگی بھی سنوری ہوئی نہ ہو وہ سج سنور کے کیا کرے"۔ پھر اس پر قنوطیت کا دورہ پڑنے لگا۔

"ہو گئی شروع تمہاری راگنی' یہ فلسفہ' رحم کر دو میرے حال پر"۔ وہ بے زاری و کھسیاہٹ سے بولا۔

"میں تو ایسی ہی رہوں گی' کیوں خود کو میرے پیچھے خوار کر رہے ہیں' آپ کی پھولوں اور خوشبوؤں میں بسی زندگی ہے' میری زندگی میں سوائے پریشانی اور دکھ کے کچھ نہیں ہے' آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے"۔ لہجے میں اس کے افسردگی اور محرومی بولنے لگی۔

"پٹھان قبیلے سے تعلق ہے تمہارا اور میرا تم بھی جانتی ہو کہ ہم جیسے لوگ مر تو جاتے ہیں مگر اپنی زبان سے نہیں پھرتے ہیں"۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اب وہ سب ویسا نہیں رہا"۔

"اب بھی سب ویسا ہی ہے' تم بہت غلط سوچنے لگی ہو اور میں تمہیں کہہ چکا ہوں تمہیں میں اپنے گھر لا کر رہوں گا"۔ ارادوں کا تو وہ پکا تھا۔

"جلدی بولو کس لیے کال کر رہی تھیں"۔ پھر خود ہی موضوع بدل کر لہجہ بھی فریش کر لیا۔

"رحمہ ٹیوشن کیوں نہیں آ رہی ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ پڑھائی کی چور ہے' کہتی ہے کہ مجھ سے روز نہیں جایا جاتا"۔ وہ چہک کے بتانے لگا۔

"پھر اب کیا کریں گے اس کے سمسٹر شروع ہونے والے ہیں"۔ منتہیٰ افسوس و فکر میں مبتلا تھی۔

"مجھے خبر ہے اس کی بھی"۔

"مگر اس طرح کیسے وہ پڑھائی کرے گی' پھر آپ اب کیا کریں گے؟"

"ارے مجھے تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی' وہ حمنیٰ ہے اس نے حل دیا کہ منتہیٰ کو روز یہاں بلا لیا کریں"۔ وہ بڑا خوش ہو کر بول رہا تھا۔

"مم......میں نہیں' آپ کے گھر تو بالکل نہیں"۔ وہ ڈرنے لگی۔

"کم آن جان! ایسے کیوں ڈرتی ہو"۔ ترنگ زدہ اس کا لہجہ ہو گیا' منتہیٰ اس کے بولنے پر گڑبڑا سی گئی اور خاموش رہ گئی۔

"کہاں گئیں حمود کی جان"۔ وہ اسے تنگ کیے جا رہا تھا۔

"پلیز مجھے ایسی گفتگو بالکل پسند نہیں ہے"۔ وہ برہم ہونے لگی۔

"مگر مجھے جان' جانم اور سارے رومینٹک انداز سب پسند ہیں' سمجھیں تم"۔ وہ آج لگتا تھا بڑی فرصت اور موڈ میں تھا۔

"اوکے تو اللہ حافظ"۔ اس نے گھبرا کے موبائل آف ہی کر دیا' منتہیٰ کو اپنا چہرہ تمتمایا ہوا لگ رہا تھا' ہونٹوں کو بھینچ لیا' دل دھڑ دھڑ کرنے لگا' حمود تھا شوخ مگر اس حد تک اس کے تو پسینے چھوٹنے لگے' وہ خود کو ذرا بھی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اپنی حیثیت بھی جانتی تھی پھر حمود کے گھر والے کب اسے قبول کریں گے اسی لیے ذرا بھی خوش کن خیال تک ذہن میں نہیں لانا چاہ رہی تھی بلکہ اس کی تو یہی کوشش تھی کہ جلد از جلد حمود سے اپنا پیچھا چھڑا لے کیونکہ اسے واپس اپنی ماں کی خبر گیری کے لیے بھی تو جانا تھا کہ وہ اب کہاں ہیں۔

..........☆☆☆..........

"کیا اسے محبت کہتے ہیں اچانک ہی کوئی ہستی اتنی اچھی لگنے لگے' اس کی باتیں اس کی ادائیں ان پر پیار یہ سب

کیا محبت کو ظاہر کرتا ہے"۔ وہ موبائل کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا' کچھ لمحوں پہلے وہ کتنی شوخیاں بکھیر رہا تھا' منتہیٰ کا شرمانا' غصہ' جھجک' رک رک کر کبھی بولنا کبھی کن انکھیوں سے دیکھنا' اس کی شوخ نگاہوں سے گھبرانا اور لمحوں میں ڈر جانا اور پھر کبھی پراعتماد اور نڈر انداز میں باتیں کرنا' ان باتوں میں شرم و حیا چھپی ہوئی تھی' اس کے انداز میں ایک سادگی ہوتی' بولتی تو لگتا اطراف میں نغمگی بکھیر رہی ہو' دیکھتی تو لگتا کہ رنگ پھوٹ رہے ہوں' ہلکی سی مدھر پھیکی تمسخرانہ ہنسی بھی کتنی اچھی لگتی' رخساروں پر حیا کی لالی ہمہ وقت بکھری رہتی' لہجے میں وہ رُکا رُکا سا حجاب کتنا پیارا لگتا۔

"حمود سالار! تمہیں ایک لڑکی نے چاروں خانے چت کر دیا ہے' تم اس کے حصار سے اب بھول کے بھی نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے"۔ چیئر کھسکا کے مسکراتا ہوا وہ اٹھا۔ حمنیٰ نے تو اس کی مشکل تک آسان کر دی تھی۔

"منتہیٰ سے کہو کہ وہ رحمہ کو گھر پڑھانے آئے"۔ چاہے اس نے جلن میں حسد میں یا پھر خود کو برتر ظاہر کرنے کے لیے کہا تھا مگر حمود کو بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس طرح منتہیٰ گھر والوں کو اور گھر کے ماحول کو بھی سمجھ لے گی تا کہ اسے بعد میں آسانی تو رہے گی۔

"حمنیٰ! کتنی بڑی تم بے وقوف ہو' میرا کام تو تم نے آسان کر دیا' میں تو بابا سے شاید چاہ کے بھی نہیں کہہ سکتا تھا"۔ اپنے کیبن میں آ کر اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی' ہشام سالار تو پہلے ہی میٹنگ کے بعد نیاز علی کے ساتھ نکل گئے تھے' آفس کا باقی کا اسٹاف بھی چھ بجے تک جاتا تھا' آج حمود کو بھی کچھ دیر ہو گئی تھی اسے گھر جا کر امی سے بات بھی کرنی تھی کہ منتہیٰ کو کب سے وہ بلائیں گی' سارے راستے وہ منتہیٰ کو ہی سوچتا رہا تھا۔

"پھر تم کمپیوٹر پر بیٹھی ہو"۔ حمود نے اسے گیم کھیلتے دیکھا' بڑا سا لاؤنج کمپیوٹر پر لگے گیم کی آوازوں سے گونج رہا تھا' رحمہ بے فکری سے کھیل میں لگی ہوئی تھی۔

"واؤ......کیا زبردست گیم ڈلوائے ہیں آپ نے"۔

"لڑکی میں نے اس لیے ڈلوائے ہیں کہ تم ہر وقت لگی رہو"۔ حمود نے آف کر دیا۔

"بھائی کیا ہے ہمیشہ آپ غلط وقت پر انٹر ہوتے ہیں"۔ وہ تو جلبلا ہی گئی۔

"تم غلط وقت پر کھیل رہی ہو' پتہ ہے تمہاری پڑھائی کا کتنا نقصان ہو رہا ہے"۔ وہ سنجیدہ تھا اور اس پر خاصا غصہ بھی ہو رہا تھا۔ رحمہ نے اسے گھورا اور دھڑ سے سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گئی' اس نے گاڑی کی چابی زور سے کرسٹل سینٹرل ٹیبل پر ڈالی' وہ پھسلتی ہوئی دور گری۔

"میری پڑھائی کا ہو رہا ہے آپ کی تو نہیں ناں"۔

"رحمہ! تم بہت سر چڑھتی جا رہی ہو اور یہ سب تمہیں حمنیٰ بگاڑ رہی ہے"۔ وہ آج رحمہ کو آڑے ہاتھوں لے چکا تھا۔

"آپ کو کیا پرابلم ہے وہ کم از کم مجھے سمجھتی ہیں جانتی ہیں"۔

"اچھا سمجھتی ہے جانتی ہے' پہلے تو تمہیں بھی وہ پسند نہیں تھی' کتنی برائیاں تم نے بھی کی تھیں"۔ وہ حیرانگی اور غصہ سے اسے یاد دلانے لگا۔

"وہ تو میری بے وقوفی تھی جو حمنیٰ بھابی کو میں غلط سمجھتی تھی"۔

"شٹ اپ! خبردار جو تم نے یہ بھابی کا صیغہ لگایا"۔ اس کا بھابی کہنا آگ لگاتا تھا۔

"جب وہ ہی بنے گی بھابی تو میں ابھی سے عادت ڈال رہی ہوں"۔ اس نے لاپروائی سے کہہ کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھایا۔ حمود نے فوراً ہی اچک کے دوسرے صوفے پر ڈالا۔

"شروع ہو گئی ناتم دونوں میں جنگ"۔ کلثوم بانو اپنے کمرے سے نکلیں' انہیں حمود کے زور زور سے بولنے کی

آوازیں آرہی تھیں۔

''امی! میں اس کی ٹیچر کو آج اور ابھی لے کر آتا ہوں' بالکل پڑھائی سے جی چراتی جارہی ہے اور پلیز جمنی کو منع کر دیجیے گا کہ جس وقت یہ پڑھ رہی ہو وہ بالکل اس ٹائم نہ آئے''۔ اتنا سخت اور بھنایا ہوا لگ رہا تھا کہ رحمہ ایک لمحے کو سہم سی گئی۔

''میں تو اسے کچھ نہیں کہہ سکتی''۔ کلثوم بانو نے جھٹ منع کیا کیونکہ وہ جمنی کے مزاج کو بھی اچھی طرح جانتی تھیں' بات کا بتنگڑ بنانا اسے بھی آتا تھا زیادہ ہی ماں باپ کی سر چڑھی تھی۔

''پھر مجھے ہی کہنا پڑے گا''۔

''خدارا تم کچھ مت کہنا' تمہارے بابا سے وہ شکایت لگا دے گی''۔ وہ اسے روکنے لگیں۔

''لگا دے مجھے پرواہ نہیں''۔ وہ بولا۔

''آپ سن لیں مجھے نہیں پڑھنا''۔ رحمہ نے دونوں ہاتھ پشت پر ٹکا کر اسے دوبدو جواب دیا۔

''تمہارے تو اچھے بھی پڑھیں گے''۔ دونوں بہن بھائی لڑتے بھی خوب تھے تو پھر بنتی بھی خوب تھی۔

''سوری حمود سالار! رحمہ سالار نہیں پڑھے گی''۔ وہ انگوٹھا دکھانے لگی۔ کلثوم بانو نے سر ہی پیٹ لیا کیونکہ ان کی محاذ آرائی جو ہو رہی تھی۔

''حمود بیٹا! تم ملتجی کو کہہ دو آنے کا کیونکہ اس لڑکی کا پتہ ہے یہ جا کر پڑھنے والی نہیں ہے''۔ وہ بھی جیسے تنگ ہی آ گئی تھیں۔

''آپ کو میری پڑھائی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے' نہیں پڑھتی میں''۔

''مجھے تمہاری پڑھائی سے دلچسپی اس لیے ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری بہن پڑھی لکھی کہلائی جائے جاہل نہیں''۔ حمود نے اسے گھورا۔

''جب مجھ سے نہیں پڑھا جاتا تو کیوں آپ سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں''۔

''حمود! میرے بس کی نہیں ہے یہ لڑکی' کیونکہ مجھے تو ایسے ایسے بہانے بنا کر بتاتی ہے میں تو حیران ہوتی ہوں''۔ وہ تھک کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اسے تو دیکھیے گا میں سیدھا کرتا ہوں''۔

''آپ کی شکایت بابا سے بھی لگا سکتی ہوں میں''۔ وہ دھمکی دینے لگی۔

''ٹھیک ہے لگاؤ میں تمہیں ہاسٹل میں بھجوا سکتا ہوں''۔

''ہمارے خاندان میں بلکہ پٹھان قبیلے میں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں رہا کرتی ہیں''۔ رحمہ نے اترا کے لاجواب کیا۔

''لیکن ہم اتنے بیک ورڈ نہیں ہیں''۔ وہ گویا ہوا۔

''بابا سے بول کے تو دیکھیں''۔ وہ اسے چڑانے لگی۔

''رحمہ! تم ہی چپ کر جاؤ بڑا بھائی ہے ذرا لحاظ نہیں کرتی ہو بحث کیے جا رہی ہو''۔ کلثوم بانو نے رحمہ کو ایک تھپڑ لگایا' حمود بھی منہ ہی منہ میں بدبداتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا' ملتجی ہی اسے ٹھیک بھی لگی تھی جس کی ابھی تک رحمہ نے کوئی برائی نہیں کی تھی ورنہ اب تک جتنے بھی ٹیوٹرز سے اس نے پڑھا تھا سب میں اتنے کیڑے نکالے تھے کہ ہشام سالار نے ہی انہیں چھڑا دیا تھا کیونکہ رحمہ کو ٹھیک جو نہیں پڑھا رہے تھے مگر حمود اپنی بہن کو خوب سمجھتا تھا۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 14 -
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
Express
your thoughts
beautifully
Junaid Ansar 96

''کتنی خوشی کی بات ہے بلکہ مجھے تو رات دن کی فکر تھی اس کی''۔ ناظمہ نے شکر ادا کیا کیونکہ یمنیٰ' دشہ کی ہم عمر تھی' اس کی شادی ہونے والی تھی اور یمنیٰ کی لگی بھی نہیں تھی۔

''ناظمہ تم تو ایسے فکر مند ہو رہی تھیں اور پھر ہماری یمنیٰ کی عمر نہیں نکلی جا رہی تھی''۔ نزہت کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔

''بھابی! پھر بھی دشہ کی تو عمر کی ہے نا' پھر جتنی جلدی لڑکی بیاہی جائے اچھا ہے''۔ وہ گویا ہوئیں۔

''چلو اچھا ہوا' ہمیں فراج اچھا لگا ہے اور پھر ہماری ندرت بھی تو ٹھیک رہ رہی ہے' اچھا ہے دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ہوں گی''۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے تائی امی!'' ندرت نے بھی تائید کی۔

''پھر میں گھر فون کر دوں کہ امی مٹھائی لے کر آ جائیں کل ہی یمنیٰ کا منہ میٹھا کر دیں گے کیونکہ فراج ابھی آیا ہوا ہے جو بھی رسم کرنی ہے ہم مائز کی شادی کے دوران ہی کر لیں گے''۔ ندرت کو زیادہ جلدی تھی' اس کی تو خواہش بھی یہی تھی کہ اس کی بہن بھی اچھے گھر جائے اور وہ اچھا گھر اس کی سسرال ہی ثابت ہوا تھا کیونکہ ندرت کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے' آج تک کوئی اس کی سسرال میں تو تو' میں میں نہ ہوئی تھی' دہاج اور فراج دو ہی تو بھائی تھے' ایک ساس' گھر میں کوئی ایسا بکھیڑا بھی نہ تھا' ساس کو یمنیٰ ہی پسند آئی تھی۔ فراج انگلینڈ میں ہوتا تھا' اس نے ایم بی اے کیا تھا وہیں اس کی جاب بھی سیٹ تھی' آتا جاتا رہتا تھا' ندرت کی بھی اپنے دیور سے کافی بنتی تھی۔

''اتنی بھی جلدی کیا ہے ندرت! تھوڑا ہم سوچ تو لیں''۔ نزہت جھٹ بولیں۔

''تائی امی! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے' فراج کو سب ہی جانتے ہیں اور کوئی بُرائی بھی نہیں ہے''۔ وہ بولی۔

''پھر بھی کچھ تو پتہ کرنا چاہیے' کہیں تمہارے دیور نے وہاں کر نہ رکھی ہو شادی''۔

''ارے حد کرتی ہیں امی آپ بھی' اول تو ایسی کوئی بات ہو گی نہیں''۔ محریب کو اپنی ماں کے انداز پر حیرانگی ہوئی۔

''کچھ بھی ہو ہم لڑکے کی چھان بین ضرور کروائیں گے''۔

''تائی امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو' فراج اس مزاج کا لڑکا نہیں ہے اور پھر اسے اگر کرنی ہوتی تا وہ ہم سے یہ کبھی نہ کہتا کہ آپ لوگوں کی پسند سے کروں گا''۔ ندرت کو ان کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

''ندرت! میں کہہ رہا ہوں تم اپنی ساس کو جا کر کہو کہ وہ آ جائیں ہماری یمنیٰ کا منہ میٹھا کروانے' میں ذمہ داری لیتا ہوں اس رشتے کی''۔ محریب نے اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا۔

''محریب! دماغ تو درست ہے تمہارا' یہ شادی بیاہ کوئی کھیل نہیں ہے' ہم پہلے ہی دیکھ بھال کر لیں تو زیادہ بہتر ہے''۔ انہیں غصہ ہی آ گیا۔ ناظمہ الگ چپ بیٹھی تھیں کیونکہ شک کے اُبال انہیں بھی اٹھ رہے تھے۔

''محریب! ٹھیک کہہ رہا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی' فراج آیا ہوا ہے محریب خود اس سے سوال جواب کرے گا''۔ ریحان احمد نے بھی تائید کی' کافی بحث و تکرار کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ابھی کچھ دن کے لیے روک دیتے ہیں تاکہ محریب اپنے طور پر معلومات کر لے۔

''امی! آپ فضول میں ڈر رہی ہیں''۔ محریب پھر گویا ہوا۔

''بھابی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں' دہاج کو ہم دیکھ بھال چکے ہیں اور وہ یہاں رہتا تھا' ہمیں اتنی فکر نہ تھی مگر فراج وہاں پردیس میں رہتا ہے''۔ ناظمہ بھی قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

''ٹھیک ہے آپ سب کی جو مرضی' میں اُسی طرح کرتا ہوں''۔ محریب نے سب کو ہی مطمئن کر دیا تھا۔

نزہت بیگم خاصی دور اندیش اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی عورت تھیں اور پھر بیٹی کے معاملے میں وہ بہت زیادہ محتاط تھیں کیونکہ شادی بیاہ کوئی کھیل تو ہوتا نہیں ہے کہ جو بار بار کھیلا جائے' پھر یمنیٰ کی کوئی ایسی عمر بھی نہیں نکلی جا رہی تھی کہ ہتھیلی پر سرسوں جما کے بیٹھ جائیں۔

''محریب! مجھے نہیں لگتا کہ تائی امی یہ رشتہ ہونے دیں گی''۔ ندرت کو افسوس بھی ہو رہا تھا۔

''ارے ڈونٹ وری' میں ہوں نا تم دل خراب نہ کرو' کرتا ہوں میں کچھ''۔ اس نے ندرت کو تسلی دی۔ کیونکہ وہ اس گھر کا بڑا بیٹا تھا اور وہ اپنی ذمہ داری بھی سمجھتا تھا اس نے ہی یہ معاملہ ہینڈل کرنا تھا' اس نے سوچ لیا تھا کہ کل کا سارا وقت وہ فراج سے ملے گا تاکہ اس کی باتوں سے اندازہ ہو کہ وہ کس نیچر کا ہے' سب کے دل جو ڈر رہے ہیں انہیں سنبھالنا بھی تو تھا۔

............☆☆☆............

اس نے بڑی امی کے بھیجے ہوئے سارے کپڑے نکال کر دیکھے جو بہت خوبصورت بھرے ہوئے تھے' ایک غرارہ سوٹ' دوسرا حیدرآبادی سوٹ اور دو سمپل قمیض شلوار جو بھرے ہوئے کام کے تھے' میچنگ جیولری اور سینڈلز تک تھیں' عنایہ یہ سب دیکھ کر حیران بھی تھی کیونکہ اسے آج اور اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان سب کے لیے کتنی اہم ہے۔

''آپی! آپ کے تو سارے ہی ڈریس زبردست ہیں''۔ نشاء تو ایک ایک سوٹ کو رشک بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

''کون سا ڈریس آپ کب پہنیں گی''۔ وہ ہینگر اٹھا کر کپڑوں کا جائزہ لینے لگی مگر سامنے لگی چٹ پر لکھا دیکھ کر حیرت سے چیخ نکلی۔

''عنایہ آپی! ہر ڈریس پر لکھا ہے آپ کو کون سا کب پہننا ہے''۔ اس نے فیروزی کلر کا غرارہ سوٹ کا ہینگر اس کے سامنے لہرایا' بڑا سا سوٹ کا کامدانی دوپٹہ تھا جو جھلمل کر رہا تھا۔

''اس پر لکھا ہے کہ یہ آپ نے دشہ باجی کی شادی میں پہننا ہے''۔

''اور یہ حیدرآبادی ڈریس ولیمے پر''۔ وہ باری باری سب دیکھ کر بتانے لگی۔ عنایہ بھی حیرت زدہ تھی' دشہ کو اپنی بہن پر رشک آنے لگا' کتنی وہ سب کے لیے اہم تھی۔

''عنایہ بیٹا! تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟'' ثمینہ دو دن سے رُکی ہوئی تھیں کیونکہ گھر کے کچھ کام ایسے تھے جو انہیں کروانے پڑ رہے تھے ورنہ سمیرا کو تو کوئی فکر ہی نہ تھی۔

''جی آنٹی! بس ابھی پڑھوں گی''۔ وہ کپڑے سمیٹنے لگی۔

''امی! عنایہ آپی کے کپڑے دیکھیں کتنے اچھے ہیں''۔ وہ ثمینہ کو دکھانے لگی' کل سے تو سوٹ کیس بند ہی پڑا تھا' نشاء نے ہی زبردستی کھولا تھا کیونکہ اسے ہر چیز دیکھنے کا زیادہ شوق ہو رہا تھا۔

''بیٹا! مجھے تو جلدی گھر جانا ہے میں نے اسی لیے نماز پڑھ لی ہے''۔

''آنٹی! آپ آج اور رُک جایئے ناں''۔ دشہ پھر ضد کرنے لگی۔

''نہیں دشہ! گھر میں کافی کام ہیں پھر نشاء کی کچھ تیاری ہے' فرزان کو بھی مسئلہ ہو رہا ہے' تمہارے انکل نے مجھے صرف دو دن کی اجازت دی تھی''۔ وہ بولیں۔

''امی! آج اور رُک جائیں ناں''۔ نشاء ضد کرنے لگی۔

''لڑکی اسکول کی دو چھٹیاں کر لی ہیں تم نے اور تمہارے ابو بہت ناراض ہوتے ہیں اسکول کی چھٹی کرنے پر''۔

وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

"آنی! عمران ماما اور نانی بھی تو آرہی ہیں"۔ وشہ نے بتایا۔

"ہاں تمہاری شادی تک شاید پہنچ جائیں"۔ وہ بولیں۔

"وہ ماما اپنے فلیٹ پر تو نہیں آئیں گے ناں"۔ عنایہ پوچھنے لگی۔

"تمہیں پتہ ہے عمران بھائی کو بہنوں کے گھر رہنا کبھی اچھا نہیں لگا ہے، مجھے انہوں نے فون پر پہلے ہی کہہ دیا ہے تم جاکر فلیٹ کی صفائی وغیرہ کروا دینا"۔ وہ بتانے لگیں۔

"یہ ماما بھی الگ ہی مزاج کے ہیں"۔ وشہ منہ بسورنے لگی۔

"اچھا تم اپنا دل خراب نہیں کرو، سارا سامان سمیٹو اور باہر آجاؤ، سمیرا بیٹھی ہوئی ہے لاؤنج میں"۔ وہ ان دونوں کو الرٹ کرنے لگیں۔

"آنی! امی تو مجھ سے بات ہی نہیں کر رہی ہیں"۔ وشہ کو یہ فکر الگ تھی۔

"سب کرے گی تم اتنا نہیں سوچو"۔ انہوں نے اس کے سر پر تھپکی دی۔ نشاء نے اور عنایہ نے سوٹ کیس اٹھا کر بیڈ کے نیچے کھسکا دیا اور باہر آگئی تھیں۔ سمیرا بیگم ٹی وی دیکھ رہی تھیں، اپنی دونوں بیٹیوں کا استفہامیہ نگاہوں سے جائزہ لیا، دونوں ہی جز بزسی بیٹھ گئی تھیں۔

"سمیرا! وہ عمران بھائی اور امی تو اپنے فلیٹ پر ہی رکیں گے"۔ ثمینہ نے انہیں بتایا۔

"ہاں عمران بھائی کہہ رہے تھے"۔ وہ آج خلاف توقع نرم لہجے میں بولیں، عنایہ نے چونک کے نگاہ اٹھائی۔

"امی کو میں نے کہا ہے کہ یہاں شادی تک رک جائیں"۔ وشہ اور عنایہ نے حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھا جیسے یقین ہی نہیں آرہا ہو کہ سمیرا بیگم بھی شادی کی بات کر سکتی ہیں۔

"ہاں امی ہو سکتا ہے رک جائیں گی"۔ ثمینہ نے بھی تائیدی کہا۔

"ان کے باپ نے پتہ نہیں کیا کھڑاگ پھیلا لیے ہیں، وشہ کی کیا عمر نکلی جارہی تھی جو شادی کرنے کی پڑ گئی"۔ ان کی پھر وہیں تان آکر ٹوٹی۔

"سمیرا! شکر ادا کرو کہ تم جلدی بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ گی"۔

"بس بس رہنے دو، میں خوب جواد احمد کو جانتی ہوں، سب مجھے نیچا دکھانے کے پلان بنائے جارہے ہیں"۔ وشہ اور عنایہ لب بھینچ کے رہ گئی تھیں کیونکہ اپنی ماں کی بدگمانی تو وہ دونوں دور کرنے میں ناکام ہو گئی تھیں۔

"سمیرا! کبھی تو عقل سے سوچ لیا کرو، کیوں پلان بنائیں گے"۔

"تم نہیں جانتیں جواد احمد کے گھر والوں کو، جانے اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں وہ، جس سے وشہ کی شادی طے کی تم دیکھنا بعد میں اس کے رنگ ڈھنگ"۔ ناگوار اور نخوت زدہ انداز تھا۔ وشہ سے برداشت کرنا مشکل ہوا تو وہ اٹھ کر چلی گئی، سمیرا بیگم اس کی تلملاہٹ دیکھ چکی تھیں۔

"کوئی نہیں ہے وہ ایسا لڑکا، بہت عزت کرتا ہے بڑوں کی"۔ انہوں نے نفی کی۔

"ارے تمہیں نہیں پتہ، کتنا منہ پھٹ ہے وہ اور دوسرا وہ رافع اس کی زبان بھی ایسی چلتی ہے کہ سوچ سوچ کے حیرانگی ہوتی ہے، جواد کو تو بعد میں عقل آئے گی جب ان کے بھائی کے بچے ان کی بیٹیوں سے بدلے نکالیں گے"۔

"تم ہمیشہ غلط سوچتی ہو"۔ ثمینہ کو ان کی ایک بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی، دو دن سے وہ رہ رہی تھیں، ان کی کتنی ہی بحث و تکرار بھی ہو گئی۔

"تم اب غلط سوچنا چھوڑو، بیٹیوں کی فکر کرو"۔

"ہاں تم بھی مجھے بولنا، یہ سب تم جھیلتیں تو میں دیکھتی کہ تم کیا کرتیں"۔ وہ تنک گئیں۔

"جس کے جو نصیب میں ہوتا ہے سمیرا! اُسے وہی ملتا ہے، تم نے ہمیشہ سے خوبصورتی مانگی ہے، تمہیں ملا پھر کیوں اتنی ناشکری والی باتیں کرتی ہو"۔ ثمینہ ان کی کسی بات کا کبھی بُرا نہیں مناتی تھیں۔

"جواد بھائی میں کیا کمی ہے جو تم آج تک خوش نہیں ہو"۔

"اس آدمی میں عقل کی کمی ہے اپنے آگے کسی کو سمجھتا ہی نہیں ہے"۔ وہ دانت پیسنے لگیں۔ عنایہ سے بھی اب اور نہیں سنا گیا کیونکہ سمیرا بیگم جب بولنے پر آتی تھیں بالکل انداز ان کا جاہلوں والا ہو جاتا تھا اور یہ عنایہ کو کسی طور گوارا نہیں تھا کہ اس کی ماں ایسے لب و لہجے میں بات کرے۔

............☆☆☆............

خود اچھا بننے کے چکر میں انسان اپنا نقصان کر جاتا ہے یا شاید اس لیے کہ وہ اپنے لیے جینا چھوڑ چکی تھی، اسے اپنے اطراف میں رچے بسے لوگوں کی زیادہ فکر تھی، وہ سب کی پرواہ کرتی تھی اور وہ تو کوشش کرتی تھی کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے مگر اس کے دل کو تکلیف کتنی تھی اس کی ماں نے اپنا دل اتنا مضبوط بنا لیا تھا کہ اسے ذرا بھی اپنی بیٹیوں کی فکر نہ تھی۔ وہ تو اپنی ماں تک کا احساس کر رہی تھی اور اس کی ماں اتنا منفی اور غلط کیوں سوچتی تھی۔ زندگی میں سب کو خوش رکھ کر اور سب کو راضی رکھ کر بھی تو ہم خوش رہ سکتے ہیں مگر صرف وہی ایسا سوچتی ہے یا ہر کوئی اس کی طرح سوچتا ہے۔ اس نے کبھی اپنی زندگی کو بُرا نہیں کہا تھا اور نہ کسی اور کو غلط بات بولنے دیتی تھی، اپنے چھوٹے بہن بھائی کو اس نے ایسا رکھا ہوا تھا کہ جیسے وہ خود بہت بڑی ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہوں۔ تیاری میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی حتیٰ کہ اپنی ماں تک کے کپڑوں کی تیاری کر کے اس نے رکھی ہوئی تھی، ہر چیز کے ساتھ جو جیسا وہ پسند کرتی تھیں اس نے ان کی پسند کا مکمل خیال رکھا تھا۔

اپنے بارے میں تو سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی اور اس نے کیا بھی یہی تھا، وشہ کی شادی پر پہننے کے لیے اپنی ابھی تک تیاری نہیں کی تھی مگر کچھ لوگ جو اس کی طرح دوسروں کی پرواہ کرتے ہیں، تائی امی نے اس کی تیاری کر کے سوٹ کیس میں بھر کے سب سامان بھیج دیا تھا، وہ حیران تھی کہ وہ تو خود کو بھلائے ہوئے تھی مگر کچھ لوگوں نے اسے بھلایا نہیں تھا، اگر بھلایا تھا تو محریب احمد نے جو اس سے بات کرنا تو درکنار دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا تھا۔

"آپی! کیا بات ہے آپ کب سے سوچوں میں بیٹھی ہیں"۔ وشہ نے متعجب ہو کے استفسار کیا۔

"آں...... ہاں کچھ نہیں"۔ وہ چونک گئی اور چیئر سے کھڑی ہو گئی۔

"آپی! بات کیا ہے؟" وہ اپنی پھولوں سی نازک بہن اور پیاری سوچوں والی بہن کے لیے فکر مند بھی ہو جاتی تھی۔

"کچھ نہیں، وہ کچھ تھکن سی ہو رہی تھی"۔

"ابھی آپ بیماری سے پوری طرح اٹھی کب ہیں، کام میں لگ گئی ہیں اور مجھے بھی کچھ نہیں کرنے دیتی ہیں"۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"میں اگر کام نہیں کروں گی تو بیمار پڑی رہوں گی اور تمہارے پیپرز ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باقی کے پیپرز بھی خیریت سے گزر جائیں، کام تو تم وہاں جا کر بھی کرتی رہو گی"۔ مسکرا کے اس نے وشہ کا چہرہ تھپتھپایا۔ وشہ کے دو ہی پیپرز رہ گئے تھے اور اس کے پاس صرف ایک ہفتہ تھا، لاسٹ پیپر کے دوسرے دن اسے مایوں بیٹھ جانا تھا۔

"بات گھمانا تو کوئی آپ سے سیکھے"۔ وہ پیپر دے کر آئی تھی کچھ دیر آرام کرنے لیٹ گئی تو اس کی آنکھ لگ گئی مگر

جیسے ہی کھلی اس نے عنایہ کو سوچوں میں غلطاں دیکھا تھا۔

''میں بات کو کب گھما رہی ہوں، تمہیں سمجھا رہی ہوں تم آرام کرو میں ذرا دیکھتی ہوں امی نہ آ گئی ہوں''۔ وہ جانے لگی۔

''مجھے تو اس دن سب سے زیادہ خوشی ہو گی جب آپ کی شادی ہو گی''۔ وشہ نے اپنی بہن کے دونوں ہاتھ محبت و پیار سے دبائے۔

''آخر تم سب کو میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے؟''

''اس لیے محریب بھائی اور آپ خاندان کے دو فرد ایسے ہیں جنہیں اپنی مرضی سے جہاں چاہے موڑ دو اُف تک نہیں کریں گے کیونکہ آپ دونوں کو ہی میں نے باقاعدہ نوٹ کیا ہے، کبھی بھول کے بھی ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کرتے ہیں کجا اپنی شادی کے متعلق کسی سے کہہ سکتے ہیں''۔

''اچھا اچھا زیادہ فضول مت ہانکو''۔ وہ جھینپ گئی۔

''کاش...... کوئی ایسی انہونی ہو جائے کہ آپ کی شادی مجھ سے پہلے ہو جائے''۔ وہ دونوں ہاتھوں کو جکڑ کے آنکھیں بند کر کے دل سے دعا کرنے لگی۔

''جس کا جب وقت مقرر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب ہی ان کے نصیب کے دروازے کھولتا ہے اور مجھے یقین ہے میرے ساتھ بہت اچھا ہو گا، تم فکر نہیں کرو''۔ وہ افسردہ سی لگی۔

''آپی! پھر بھی مجھے آپ کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے، باری آپ کی تھی اور شادی میری ہو رہی ہے''۔ وہ مغموم اور رنجور سے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں نے ابھی کیا کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، تم ایسا کیوں سوچتی ہو''۔

''پھر بھی آپی! آپ کو دیکھ کر مجھے اتنی فکر ہوتی ہے، پتہ نہیں امی آپ کو بعد میں کتنا سنائیں گی''۔

''کوئی بات نہیں وہ امی ہیں ہماری اور ماں کبھی بھی اولاد کو دل سے بُرا نہیں کہتیں، کیا ہوا اگر سنائیں گی سن لوں گی''۔ اس نے تسلی دی۔

''میرا دل کتنا دُکھتا ہے، وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتی ہیں، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ امی میرے لاڈ اٹھائیں جیسے اور لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے ان کی امی اٹھاتی ہیں''۔ وشہ کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے، عنایہ نے اسے اپنے حصار میں لے کر بھینچ لیا، وہ خود بھی اپنی آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسوؤں کو لب بھینچ کے روکنے لگی۔

''آپ نے شروع سے بڑا بن کے میرا اور معارج کا خیال کیا ہے، امی نے تو آج تک ہمیں پیار سے اپنے پاس تک نہیں بٹھایا''۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

''کیا ایسی ہوتی ہیں مائیں، ان کا دل خراب ہوتا ہے تو وہ کیا سب سے ناراض ہو جاتی ہیں، انہیں اولاد کی محبت تک نظر نہیں آتی''۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے، تم اتنا غلط نہیں سوچو ہماری امی بھی ہم سب سے بہت پیار کرتی ہیں''۔ اس نے وشہ کے آنسو پونچھے۔

''آپ خود سوچیں، مجھے یہاں سے ایک ہفتے بعد رخصت ہو جانا ہے، امی کو ابھی بھی میرا ذرا خیال نہیں ہے، انہیں تو دادی جان کے سب گھر والوں سے نفرت ہے تو اپنی بیٹیوں سے بھی کرنے لگی ہیں''۔

''کچھ وقت آزمائش کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے، تم صبر شکر سے گزارو، دیکھنا انشاء اللہ

ہماری امی خود ہی قائل ہو جائیں گی''۔ مدبرانہ انداز میں سمجھاتی ہوئی عنایہ عمر سے پہلے ہی اتنی سوبر اور سمجھدار تھی کہ وہ اپنی بہن پر حیران ہوتی تھی، ابھی وہ زیادہ عمر کی تو نہیں تھی مگر اس نے گھر کو، بہن بھائی کو، ابو کو، سب کو سنبھالا ہوا تھا۔

''پتہ نہیں امی کو کب خیال آئے گا ہم سب کا، ابو سے ہر وقت لڑنے کے بہانے تلاشتی رہتی ہیں''۔

''تم ذہن پر اتنا بوجھ مت ڈالو تمہارے دو پیپرز رہ گئے ہیں ان پر ذہن لگاؤ، فضول سوچوں کو دور کرو، میں چاہتی ہوں میری بہن اپنی شادی پر اتنی پیاری اور خوبصورت لگے کہ مائز بے ہوش ہو جائے''۔ عنایہ نے موضوع بدل کر شوخ سی معنی خیز بات کی۔

''آپی کیا ہے؟'' وہ روتے روتے جھینپ سی گئی۔

''ارے میں تو دعا دے رہی ہوں کہ تم خوش رہو ہمیشہ مائز کے ساتھ''۔

''آپ دیکھیے گا ہماری اتنی لڑائیاں ہوں گی شادی کے بعد، سب تنگ آ جائیں''۔ وہ روٹھ کے بولی۔

''وشہ پلیز! میری بہن تم بعد میں اس سے لڑائی اور بحث مت کرنا، تم نے اچھی بیوی اور بہو بننا ہے، سمجھیں، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ماں باپ نے تربیت اچھی نہیں کی''۔

''آپ کو کیا میں ایسی لگتی ہوں''۔ وہ خفیف سی ہو کر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''مجھے پتہ ہے ایسی تم ہو نہ لگتی ہو مگر میں تمہاری بڑی بہن ہوں، سمجھانا میرا فرض ہے''۔ اس نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔

''آپ دیکھیے گا میں کبھی آپ کو اور ابو کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی کیونکہ میں یہ بھی نہیں کہلوا سکتی کہ جیسی ماں ویسی بیٹی''۔ وشہ بھی ساری بات سمجھتی تھی اور ہر بات کو سیریس ہو کر سوچتی بھی تھی، عنایہ کی طرح ہی اس کا دل بھی حساس تھا۔

''شاباش میری بہن تو ساری بات سمجھ گئی''۔

''کیوں نہیں سمجھوں گی، سمجھدار بہن کی بہن ہوں''۔ وہ بھی مسکرا کے گویا ہوئی۔

''واقعی......'' عنایہ نے بھی تائیدی سر ہلایا۔

''اچھا بس بہت باتیں ہو گئی ہیں، مجھے کچن بھی دیکھنا ہے پھر معارج کو فون کرتی ہوں، یہ ہے کدھر''۔ وہ جلدی جلدی باہر آئی۔ معارج ٹی وی لگائے بیٹھا تھا، اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب آیا، ایک چابی گیٹ کی اس کے پاس بھی ہوتی تھی، وہ خود بھی کھول کر آ جاتا تھا۔

''اخاہ...... میرا بھائی تو آج جلدی گھر آ گیا''۔

''آپی! جلدی سے چائے بنا دیں سر میں درد ہو رہا ہے''۔ صوفے پر نیم دراز تھا۔

''آج کوچنگ نہیں جانا؟'' اس نے لاؤنج میں آ کر پوچھا۔

''آج سر میں درد ہے نہیں جاؤں گا''۔

''میں تمہارے سر میں تیل کی مالش بھی کر دوں گی کیونکہ کافی دنوں سے تم نے تیل بھی نہیں لگوایا ہے''۔ اس نے معارج کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ کچن میں چلی گئی، رات کے کھانے کی بھی تیاری کرنی تھی۔ سمیرا بیگم کو لگتا تھا پارلر سے ابھی فراغت نہیں ملی تھی جو سات بجنے کے باوجود بھی ابھی تک نہیں آئی تھیں، جواد احمد کا اکثر آفس کے بعد دادی جان کی طرف آنا جانا لگا ہوا تھا، کبھی کبھی معارج بھی چلا جاتا تھا، وہ ابھی تک نہیں گئی تھی پھر کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی، ندرت اور یمنیٰ تو اسے دیکھنے آ چکی تھیں، بڑی امی، تائی امی نے فون پر اس کی خیریت پوچھی تھی، اور اگر نہیں پوچھی تو

محریب نے نہیں پوچھی' کتنا اس کا انتظار تھا' پھر اس دن کی باتیں بھی اسے نہیں بھول رہی تھیں جب گھر آیا تھا کتنا روکھا اور اکھڑا لگ رہا تھا' جھڑک کر گیا تھا۔

............☆☆☆............

اس نے آج آفس کی چھٹی کی تھی کیونکہ کچھ خریداری کرنی تھی جو اس کی اور حکمت کی رہ گئی تھی' تہذیب مبینہ کو لے کر بازار جا رہی تھی' منتہیٰ' حکمت اور حمزہ گھر میں ہی تھے۔ دونوں لان میں آئی تھیں اس نے دیکھا فائق اور مائز روش پر کھڑے باتیں کر رہے تھے' فائق کی نگاہ بھٹک کے دھانی کلر کے کپڑوں میں ملبوس تہذیب پر پڑ گئی مگر مائز کی وجہ سے جھٹ نگاہوں کا زاویہ بدل گیا' مائز بھی نظر کا کافی تیز تھا وہ تو باقاعدہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ارے بھئی کہاں کی تیاری ہے؟" مائز نے مسکرا کے پوچھا۔ تہذیب جھینپ سی گئی' فائق پر اس نے پھر بھی نگاہ نہیں ڈالی جو بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے آئی گلاسز میں ہمیشہ کی طرح ڈیشنگ اور سوبر لگ رہا تھا۔

"وہ بازار سے کچھ لینا ہے ان لڑکیوں کو' آج تہذیب نے چھٹی کی ہے نا"۔ مبینہ تو سادگی سے سب کچھ ہی بیان کر دیتی تھیں۔

"آنٹی! پھر کیسے جائیں گی؟" مائز نے پوچھا اور اس وقت اس کی پوری کوشش تھی کہ فائق کو ان کے ساتھ پھنسا دے' پھر اسے پتہ نہیں کیوں فائق اور تہذیب میں ایسا کچھ لگ رہا تھا کہ جیسے دونوں ہی چھپا رہے ہوں' وہ دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔

"رکشے سے جائیں گے"۔ تہذیب جھٹ بولی کیونکہ اگر بس کا نام لیتی تو ضرور زبردستی گاڑی میں چھوڑنے کا کہتا اور وہ اپنی وجہ سے مزید انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اتفاق سے ہم دونوں بھی جا رہے تھے' آپ کو کون سے بازار جانا ہے؟"

"مائز! میں ابھی نہیں دیر سے جاؤں گا"۔ فائق نے تو جھٹ انکار کیا۔ تہذیب کو اس کا انکار ایسا لگا کہ جیسے وہ کوئی موذی چیز ہو جس سے فائق بچ رہا ہو۔

"جانے یہ انسان اتنا مغرور اور بد دماغ کیوں ہے"۔ وہ جل کے سوچنے لگی۔

"یار! ابھی تو کہہ رہے تھے' اچھا ہم بھی ہو آتے ہیں جلدی آ جائیں گے"۔ مائز گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کے تہذیب اور مبینہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔

"یار! میں ابھی یونیورسٹی سے آیا ہوں' نہایا بھی نہیں ہوں"۔ فائق کو مائز کے بولنے پر غصہ آنے لگا۔

"ارے بیٹا! رہنے دو ہم خود چلے جائیں گے"۔ مبینہ نے خود ہی منع کر دیا اور تہذیب کا بازو پکڑ کے مین گیٹ کی سمت بڑھ گئیں۔

"آنٹی! رکیے تو میں لے چلتا ہوں"۔ مائز کو شرمندگی بھی ہوئی۔ فائق بھی شرمندہ ہو گیا' گویا انہوں نے اس کی ناگواری محسوس کی تھی' وہ تو محض تہذیب کی وجہ سے منع کر رہا تھا کہ مائز کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا' مائز نے زبردستی دونوں کو گاڑی میں بٹھایا اور خود لے کر چلا گیا۔ فائق کے دل پر ایک بوجھ سا آ گیا کیونکہ مبینہ آنٹی پتہ نہیں کیا سوچ رہی ہوں گی اور تہذیب' اس کے چہرے سے بھی لگ رہا تھا بُرا لگا ہے اُسے۔ پورا دن وہ بے مزا سا پھرتا رہا' وہ اتنا الٹ مینرڈ تو کبھی نہ تھا' پھر کیوں وہ تہذیب کو سب کے سامنے دیکھ کر رُوڈ اور اکھڑ بن جاتا تھا جب بھی وہ تنہائی میں ملتی تھی اس نے معنی خیز اور شوخ گفتگو سے اسے تنگ کیا تھا' وہ آہستہ آہستہ اس کے دل میں جگہ بناتی جا رہی تھی' پہلے وہ خود کو بے مصرف سمجھتا تھا مگر آج اس لڑکی سے ہمدردی کے ساتھ اپنائیت اور محبت کا جذبہ بھی پروان چڑھ رہا تھا'

کتنی ہی بار وہ خود کو ڈانٹ چکا تھا' محبت کی نفی کرنے والا آج محبت کی چاندنی میں خود کو بھیگتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

اسے خبر تھی محبت کا موسم اس کے دل و دماغ پر کبھی چھا ہی نہیں سکتا' وہ کبھی بھی راتوں کو بے کل ہو ہی نہیں سکتا مگر آج دل کے جذبات اسے شکست دیتے ہوئے لگ رہے تھے' وہ اکثر اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر جھنجھلایا بھی تھا کیونکہ مائز اس کا کتنا ریکارڈ لگائے گا اس نے کہا بھی تھا۔

"مجھے تو انتظار ہے تجھے بھی کسی سے محبت ہو جائے"۔

فائق اپنی سوچوں پر' اپنے الفاظ پر شرمندہ بھی تھا کل تک دعوے کرتا تھا اور آج وہ ہار گیا' محبت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے' وہ بھی اس سفر پر چل نکلا تھا مگر اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ اسے منزل ملے گی بھی یا نہیں اور وہ لڑکی جسے اس نے زچ ہی کیا تھا اپنے لیے اس کی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھا تھا وہ تو اس کی اول روز سے آنکھیں پڑھ رہا تھا اور اسے یک گونا سکون بھی حاصل تھا کہ وہ بھی اس کے لیے نرم جذبات رکھتی ہے مگر کبھی بھی اس کے انداز سے اظہار نہیں دیکھا اور اس نے بھی تو کبھی اظہار کی یا پسندیدگی کی ذرا بھی جھلک نہ دکھائی تھی' شام تک وہ اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔ اس کا تعلیم کا آخری سال تھا' اس کے بعد تو اسے بھی بزنس اور آفس میں لگ جانا تھا۔ وہ شام چھ بجے سو کر اٹھا تو گھر میں ایک شور سا سنائی دیا' وہ کمرے سے باہر آیا' ریلنگ پر دونوں ہاتھ جمائے اور نیچے ہونے والے شور کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا' مبینہ رو رہی تھیں' گھر کے افراد بھی سارے جمع تھے' دھڑ دھڑ تین چار سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے آیا۔

"آنٹی! کیا ہوا؟" وہ گھبرا بھی گیا جبکہ شام میں اس نے کوئی اچھا رویہ تو ان کے ساتھ نہیں رکھا تھا۔

"تہذیب پتا نہیں کہاں بازار میں رہ گئی' مبینہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئی تو گھر آ گئیں"۔ نزہت بیگم نے بتایا۔ فائق چونک گیا کیونکہ فاطمہ والا کیس ابھی کلیئر ہی کب ہوا تھا' اس کا شوہر بھی تو دھمکیاں دیتا رہتا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

"کون سے بازار گئی تھیں؟" فکر مند اور بے چین ہو گیا۔

"حیدری گئی تھیں"۔ یمنیٰ نے بتایا۔ مائز بھی ابھی تک گھر نہیں آیا تھا' ایک گاڑی تو مائز لے کر گیا ہوا تھا دوسری میں وہ نکلا کیونکہ دو گاڑیاں گھر میں رہتی تھیں' محریب کی الگ تھی' تایا ابو اور ابو آفس کی گاڑی میں آفس جاتے تھے۔ وہ پریشان سا ڈرائیو کر رہا تھا' کسی سے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ کہاں سے کھوئی' کیا ہوا تھا' حیدری کے روڈ پر آیا اور پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر دی مگر ابھی وہ پارکنگ ایریا سے کیبن بنے حصے میں آیا ہی تھا کہ اس نے نگاہ اٹھائی' وہ ڈبل روڈ کراس کر رہی تھی' وہ پیچھے سے ایسے دوڑا کہ جیسے وہ گم ہی نہ ہو جائے۔

"کہاں تھیں تم؟" وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔ تہذیب نے حیرت سے اسے دیکھا جو گرے قمیض شلوار میں ملبوس اپنی سوبر شخصیت کے ساتھ اتنا فکر مند نظر آ رہا تھا جو آج سے پہلے شاید کبھی نظر نہیں آیا تھا۔

"آ......آپ......"

"کہاں چلی گئی تھیں تم' پتا ہے مبینہ آنٹی کتنی فکر مند ہیں"۔

"امی گھر پہنچ گئی ہیں؟" سن کے سکون سا دل کو آیا مگر تائید کے لیے دوبارہ گویا ہوئی۔

"جی پہنچ گئی ہیں' چلو گھر سارے گھر والے پریشان بیٹھے ہیں"۔ وہ تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا اور وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی فائق نے فرنٹ ڈور کھولا' وہ اندر بیٹھ گئی حیران سی۔

"آنٹی کو چھوڑ کر کدھر چلی گئی تھیں؟" درشت اور سخت لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں نے ایک سوٹ خریدا تھا وہ دکان پر رہ گیا تھا' امی سے کہہ کر بھی گئی تھی کہ آپ جایئے گا نہیں میں سوٹ لے کر آئی تو امی کو میں نے جہاں کھڑا کیا تھا وہاں تھیں ہی نہیں"۔ وہ آہستہ آہستہ اسے بتا رہی تھی اور وہ سامنے دیکھ کر

گاڑی بڑی مستعدی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''میں سمجھا کہ آج خدانخواستہ فاطمہ کے ہسبینڈ نے تو کچھ......'' بولتے بولتے وہ رُک گیا' تہذیب نے چونک کر سر اٹھایا یعنی وہ ابھی کچھ بھی نہیں بھولا تھا' کتنی دلچسپی لے رہا تھا یہ شخص اس کی ذات میں مگر چہرہ اتنا سپاٹ اور طنزیہ کیوں لگتا تھا' کبھی تو اس پر خوش گمانیوں کے بادل چھانے لگتے اور وہ خود کو ایسی پھوار میں بھیگتا ہوا محسوس کرتی کہ جیسے وہ فائق احمد کے جذبوں کو جان گئی ہو مگر وہ پل میں ایسے رنگ بدلتا تھا کہ وہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتی تھی' کیا وہ کسی کے لیے چاہے جانے کے قابل نہیں؟ کیا حسن ہی اس دنیا کے لوگوں کا معیار ہے؟ کیا اس کے اندر کے باطن کو کوئی نہیں جانتا کہ کتنا اُجلا' صاف اور سادہ ہے؟ کیا اسے خواہشات کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ کیا امیروں کے نصیب میں ہی سب لکھا ہوا ہے؟ کیا غریبوں کے نصیب میں امیروں کے خواب دیکھنا ممنوع ہے؟

''تم یہ جاب چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو''۔ اس کی سوچوں کو گمبھیر آواز نے یکلخت ہی بکھیرا اور وہ حواس میں آ گئی۔

''جی''۔

''کہاں کھوئی تھیں؟'' اس نے سگنل پر گاڑی روک کے اس کے پریشان کن چہرے کو دیکھا جو ہونقوں کی طرح اسے وارفتگی سے دیکھ رہی تھی۔

''لگتا ہے آج تم کچھ حواسوں میں نہیں ہو' کیا اپنے حواس بھی کسی شاپ پر بھول کے آ گئی ہو''۔ معنی خیزی سے کہتے ہوئے فائق نے تمسخر اڑایا۔

''جی......نن......نہیں تو''۔ فوراً ہی نگاہ پھیرلی اور سامنے اسکرین سے روڈ پر جانے والی دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

''پھر میں نے جو کہا کچھ سنا تم نے''۔ سگنل کھلتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

''سنا''۔ اتنا ہی بولی۔

''جاب چھوڑ دو''۔

''سوری میں جاب بالکل نہیں چھوڑوں گی کیونکہ جاب میری ضرورت ہے''۔ قطعی لہجے میں ہمیشہ کی طرح جواب دیا۔

''نقصان میں پڑو گی' دیکھو تم کوئی اور جاب کر لو یہ ٹھیک نہیں ہے''۔ فائق جب بھی ملتا یہی کہتا کیونکہ وہ اس کے لیے نرم جذبات رکھتا تھا۔

''زندگی میں جو لوگ شامل ہیں ان کی کچھ تو پرواہ کرو''۔

''میں اپنی زندگی میں شامل لوگوں کی پرواہ ہی کر رہی ہوں' جاب میری ضرورت ہے اور مجھے اپنے لوگوں کی فکر بھی بہت ہے''۔ کٹیلا انداز اور روکھا ہو گیا۔ فائق لب بھینچ کے رہ گیا' وہ اسے کیسے کہے کہ مان جائے۔ اظہار کا وہ ابھی قائل نہیں تھا اور اس کا ایسا ارادہ بھی نہیں تھا جب تک اپنے پیروں پر مکمل طور پر کھڑا نہیں ہو جاتا اس وقت تک اپنی خواہش زبان پر لانا نہیں چاہتا تھا۔

''انتہا سے زیادہ بے وقوف اور سر پھری لڑکی ہو' سیدھی طرح تمہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی ہے''۔ وہ بھنا گیا۔ گھر قریب آنے والا تھا' تہذیب نے فہمائشی اور تنقیدی نگاہوں سے اس کا انداز دیکھا۔

''زیادہ خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا' میں صرف اس لیے خیال کر رہا ہوں کہ آج میں نے مبینہ آنٹی کو بہت فکرمند دیکھا ہے''۔ اس نے جھٹ کہا کیونکہ ابھی تو وہ اسے کسی بھی خوش کن خیال میں مبتلا نہیں ہونے دینا چاہتا

تھا۔ کچھ جذبوں کا اظہار کرنے کے لیے وقت بھی درکار ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہی ان جذبوں کو الفاظ میں ڈھالے گا جب وہ اس کے پاس ہو گی۔

............☆☆☆............

وہ ٹیوشن پڑھانے جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی کیونکہ صبح ہی تو حمود نے اسے حکم دیا تھا کہ پانچ بجے وہ خود لینے آئے گا مگر جب سے تہذیب کی گمشدگی کا پتہ چلا تھا اس کا دل ہی نہیں کر رہا تھا' پانچ بھی بج چکے تھے' حمود کسی بھی وقت آنے والا تھا وہ صحن میں ٹہل رہی تھی اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی وہ چونک گئی۔

''منتہیٰ باجی! لگتا ہے حمود بھائی آ گئے ہیں' گاڑی کے ہارن کی آواز آئی ہے''۔ حکمت اندر کمرے سے نکل آئی اور گیٹ بھی کھول دیا۔ تہذیب اور مبینہ اندر چلی آئی تھیں دونوں کو ساتھ دیکھ کر منتہیٰ کی جان میں جان آئی تھی۔

''کہاں رہ گئیں تھیں؟'' حکمت نے فوراً پوچھا۔

''ارے بس ذرا سا مڑ کے دوسری دکان سے اپنا سوٹ لینے گئی تھی وہ وہیں چھوڑ آئی تھی' امی آگے چل پڑیں''۔ تہذیب نے شاپرز حکمت کو دیئے۔

''میری تو حالت ہی خراب ہو رہی تھی' بھلا ہو اس بچے کا' فائق ہی لے کے آیا ہے اسے''۔ مبینہ نے چادر اتار کے منتہیٰ کو دی جو تہہ کر کے اندر کمرے میں رکھ آئی تھی۔

''منتہیٰ باجی! اب میں امی کو لے کر نہیں جاؤں گی آپ کو لے کر جاؤں گی' امی تو خود بھی گھبراتی ہیں اور دوسروں کو بھی گھبرا دیتی ہیں''۔ تہذیب نے کہا۔ حکمت دونوں کے لیے پانی لے آئی تھی' منتہیٰ کافی پریشان سی ان دونوں کے سامنے تھی اسکائی بلیو پلین سوٹ پر نفیس سی ریشم کی کڑھائی تھی جو حمود نے ہی دلایا تھا اسی کو زیب تن کیا تھا۔

''حمود آیا نہیں ابھی تک''۔ مبینہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''کہہ تو رہے تھے پانچ سوا پانچ تک آؤں گا' ابھی تک تو نہیں آئے''۔ وہ فکرمندی سے بولی۔

''تم مجھے پریشان سی لگ رہی ہو''۔

''خالہ جان! مجھے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے' اگر ان کے بابا کو ذرا بھی شک ہو گیا تو وہ تو ان کی شامت لے آئیں گے''۔

''ارے یہ مسئلہ حمود کا ہے' تم اتنا کاہے کو پریشانی لیتی ہو' حمود سمجھدار ہے کچھ سوچ سمجھ کے ہی تمہیں لے جا رہا ہے وہ''۔

''کسی کو وہ سب تو نہیں پتہ ہے نا''۔ وہ منمنائی۔

''ایک دن پتہ تو چلنا ہی ہے اور یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے''۔ وہ اسے سمجھاتی رہتی تھیں۔ تہذیب تو حکمت کو سوٹ دکھانے میں مگن تھی۔

''جہاں جاتی ہوں میں مسئلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں میں ایسا تو نہیں چاہ رہی ہوں کیوں وہ اپنی زندگی کو مشکل بنا رہے ہیں''۔ اسے سب سے زیادہ یہی فکر تھی کہ اگر حمود سالار کے والد کو پتہ چل گیا کہ یہ ان کے بیٹے کی منکوحہ ہے وہ تو ہاتھ پکڑ کے باہر کا رستہ دکھا دیں گے۔

''زندگی اس کی بھی ہے اور وہ کچھ سوچ سمجھ کے ہی تمہیں گھر لے جا رہا ہے' تم اوپر والے پر شاکر رہو' دیکھنا ایک دن تمہیں وہ تمہاری منزل دے گا''۔ انہوں نے منتہیٰ کو اپنے شانے سے لگا لیا۔ ماں کو تو وہ چھوڑ آئی تھی انہی میں وہ اپنی ماں کا لمس محسوس کرتی تھی' راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی کیونکہ اپنی ماں جو یاد آتی تھی' مڑ کے واپس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ جانے کب تک وہ خاردار راستوں پر خود کو بچاتی چلتی رہے گی کب تک وہ اندھیروں میں رہے گی جانے کب

روشنی اس کا مقدر بنے گی کہ وہ بھی اس روشنی میں موجود لمحوں کو محسوس کرے جو آج اس کا سب کچھ بن گیا کب وہ اس کے پاس استحقاق سے جاسکے گی۔

حمود کی جذبے لٹاتی نگاہیں' الفاظ' انداز سب اس کے لیے ہوتا اور وہ اسے ابھی تک کچھ نہیں دے پائی تھی' شروع سے اس کے لیے مسئلے ہی کھڑے کیے تھے' جانے کب وہ ان مسئلوں سے نکلے گا' کل تک اس پر غصہ کرنے والا اسے بے نقط سنانے والا آج شدت سے اس کا تمنائی تھا حتیٰ کہ اپنے گھر تک لے جانے کے لیے وہ جان پر کھیل رہا تھا' وہ تنہا سب کر رہا تھا اور وہ کہیں بھی تو اس کے ساتھ نہیں تھی' ذرا بھی تو اس کے جذبوں کی قدر نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اسے اس کی پرواہ تھی۔

کیا وہ اس کے لیے اتنی اہم ہو چکی تھی کہ اس نے اپنی روایات سے اپنے باپ سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ کیا ایسا چاہ سکتی تھی کہ ایک بیٹے کو اپنی خاطر اس کے گھر سے ماں باپ سے جدا کر دے' اتنی تو سنگدل وہ کبھی نہیں رہی تھی۔

............☆☆☆............

''میں آج پھر تم سے پوچھ رہی ہوں محریب' تمہیں کوئی ٹینشن ہے؟'' وہ تو ماں تھیں اولاد کے چہرے سے اندازہ لگانے والی تھیں۔ محریب بیڈ پر نیم دراز دایاں بازو ماتھے پر رکھے ہوئے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا' وہ تو اپنی کوئی بات بھی ان سے یا کسی سے بھی شیئر نہیں کرتا تھا' کافی دنوں سے احد کی طرف بھی چکر نہیں لگایا تھا اور نہ ہی احد آیا تھا۔

''جی امی!'' وہ بازو ہٹا کے حیرانگی سے ان کے پُر تفکر چہرے کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''میں دیکھ رہی ہوں تم اُلجھے اُلجھے سے نظر آتے ہو، نہ اب دوپہر میں گھر آتے ہو کھانے کے لیے''۔

''آپ کو پتہ ہے نا کتنی بڑی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے اب آپ خود دیکھیے دس دن بھی نہیں رہے ہیں مائز کی شادی میں''۔ وہ بشاشت ظاہر کر کے اٹھ کے بیٹھا۔

''یہ تو مجھے بھی خبر ہے مگر نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا بیٹا ایسا کچھ سوچ رہا ہے جو مجھے بھی نہیں بتا رہا ہے''۔

''امی! آپ کیا سوچ پال کے بیٹھ گئی ہیں میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا''۔ وہ مسکرایا۔

''میں نے کچھ سوچ کے ایک فیصلہ کیا ہے''۔ وہ قدرے توقف کر کے بولیں۔

''کیسا فیصلہ؟'' اس نے اچنبھے سے استفہامیہ انداز میں سوال کیا۔

''یہی کہ جس دن مائز کا ولیمہ ہوگا اس دن تمہارا اور عنایبہ کا نکاح کر دیتے ہیں''۔

''جی نکاح......'' وہ تو گھبرا کے اُچھل ہی گیا۔

''امی! ایسا کچھ آپ نہیں سوچیے اور میں اس کے لیے تیار بھی نہیں ہوں''۔

''کیوں میرے بیٹے کی کوئی ایک تو خوشی میں دیکھ لوں' میرا حق نہیں بنتا''۔ وہ روہانسی ہو گئیں۔

''آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں' آپ انشاءاللہ تعالیٰ میری بھی ساری خوشیاں دیکھیں گی اور میرے بچوں کی بھی دیکھیں گی''۔ اس نے اپنی ماں کو اپنے شانے سے لگا کے نرم سی آواز میں انہیں اطمینان دلایا۔

''مجھے حالات بگڑتے ہوئے لگ رہے ہیں''۔

''کوئی حالات نہیں بگڑے''۔ اس نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''محریب! جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو اُکتانے لگا ہے کچھ بے زار رہنے لگا ہے''۔

''آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میری شادی نہیں ہو رہی ہے تو میں اس لیے اُکتایا ہوا اور بے زار رہنے لگا ہوں''۔ وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبائے مسکرا کے بولا۔

''مجھے ایسا ہی لگتا ہے کیونکہ پہلے تو کتنا خوش رہتا تھا' اپنی دادی جان کے پاس بھی گھنٹوں بیٹھتا تھا اور اب تو سلام

دعا اور خیریت سے زیادہ ان کے پاس بیٹھتا نہیں ہے''۔

''صرف اس لیے کہ وہ جب بھی مجھے دیکھتی ہیں رونے لگتی ہیں' عنایبہ کا بار بار ذکر کرتی ہیں اور مجھ سے ان کا رونا نہیں دیکھا جاتا' پھر امی! مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں کمزور پڑ رہا ہوں ان کے آنسو مجھے دکھ دیتے ہیں' میرا چچی کی وجہ سے وہ شروع سے روتی رہی ہیں اور اب عنایبہ کی وجہ سے''۔ وہ بولتے بولتے اتنا سنجیدہ اور غمگین سا ہو گیا کہ نزہت لب کچلنے لگی تھیں۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا اپنے بیٹے کو ہر خوشی دے دیں مگر صرف حسرت بھری مغموم نگاہ ڈال کے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔

''میں صرف اسی وجہ سے چاہ رہی ہوں کہ تمہارا نکاح ہی کر دیتے ہیں''۔

''میری ماں واقعی بہت ہی بھولی اور حساس دل کی ہے' ارے امی! جب میں نہیں ایسا سوچ رہا تو آپ کیوں سوچتی ہیں' جس کام کو جس وقت ہونا ہے ہو کر رہے گا''۔ اس نے نگاہ چرائی۔

''جانے کیوں مجھے وسوسے تنگ کر رہے ہیں''۔

''میری طرف سے کر رہے ہیں کہ میں کہیں انکار نہ کر دوں''۔ وہ جیسے ان کی سوچ جان گیا تھا۔

''مجھے تو رونا اس بات پر اور آتا ہے کہ میرا یہ نرم مزاج کا بیٹا اس کی زندگی میں ہی اتنی پریشانیاں کیوں آ رہی ہیں' مجھ سے کہاں غلطی ہوئی ہے جو میرے بچے کو اس کی سزا مل رہی ہے''۔ وہ رونے لگیں' محریب سر پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں تسلی کے کون سے الفاظ بولے کہ وہ اطمینان سے ہو جائیں۔

''کوئی غلطی نہیں کی ہے آپ نے' آزمائش ہے ہم سب کے لیے' کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مصلحت رکھی ہو' میرا چچی ہم سب سے صلح کر لیں''۔ محریب کے لہجے میں یقین بھی اور دعا بھی تھی۔

''ادھر وہ بچی پریشان ہے''۔

''کون بچی؟'' محریب انجان بنا۔

''میں عنایبہ کی بات کر رہی ہوں''۔ وہ کھسیا کر جھنجلا کر گویا ہوئیں۔

''امی! اب وہ اتنی بھی بچی نہیں ہے''۔ اس نے بات مذاق میں اڑا کے ماحول کی افسردگی کو دور کرنا چاہا۔

''میرے لیے تو بچی ہی ہے''۔

''خیر اب آپ یہ موضوع بند کر دیں' سچ امی! میں اُکتا گیا ہوں''۔ وہ کھسیائی ہوئی صورت بنا کے منمنایا۔

''میں تو جب بھی عنایبہ کو اور تمہیں دیکھتی ہوں میرا دل پریشان ہو جاتا ہے''۔

''آپ صرف دعا کرتی رہیے انشاءاللہ تعالیٰ وہی ہوگا جو ہم سب کے لیے بہتر ہوگا' یہ آپ ہی کہتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔ وہ انہیں سمجھانے کے ساتھ اطمینان دلانے لگا۔

''کتنی میری خواہش تھی' کیا کیا سوچ کے رکھا تھا کہ تو امریکہ سے واپس آئے گا تو تیری شادی کروں گی''۔ آنچل سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

''اوپر والے پر یقین رکھیے' آپ کی ساری خواہشات وہ پوری کرے گا''۔

''اُس کا ہی تو آسرا ہے' دل کو پھر سکون آ جاتا ہے''۔ وہ کھڑی ہو گئیں۔

''آج آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کبھی بھی میری وجہ سے اتنا افسردہ نہیں ہوں گی اور نہ یہ بولیں گی کہ محریب تیری شادی ہوتی پہلے''۔

''ویسے ہونا تو یہی تھا' یہ مائز بیچ میں آ گیا''۔ وہ بولیں۔

"مائز بھی آپ کا بیٹا ہے اگر اس نے سن لیا تو آپ جانتی ہیں دماغ اس کا الٹا ہوتے دیر نہیں لگتی ہے"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"میرا وہ بچہ بھی خوامخواہ ابھی سے ذمہ داریوں میں پڑ جائے گا"۔ انہیں یہ بھی احساس بار بار مار رہا تھا۔

"آپ مجھے یہ بتایئے دشہ آپ کو اچھی نہیں لگتی کیا؟"

"ارے دشہ اور عنایہ تو میری بچیاں ہیں' میں نے تو شروع سے یہی سوچا تھا کہ عنایہ کے بعد دشہ کو بھی میں اپنے مائز کے لیے جواد سے مانگ لوں گی مگر مجھے کیا پتہ تھا یہ سب اتنی جلدی اچانک سے ہوگا"۔

"یہ سب اوپر والے نے ایسے ہی لکھا تھا' ہمیں راضی برضا رہنا ہے کیونکہ ایک خواہش تو آپ کی پوری ہو رہی ہے' دوسری بھی پوری ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ"۔ مدبرانہ انداز میں بولتا ہوا نزہت کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کر گیا' کتنا سوبر تھا وہ اور نرم دل کا بھی' ہر ایک کا درد سمجھنے والا۔ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اسے دعا دی۔

"آج سے رونا دھونا بند"۔ وہ مسکرایا۔

"میرا بچہ"۔ انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"امی! آپ کا بچہ اب خاصا بڑا ہو چکا ہے' اس چھوٹے بچے کی طرف بھی نگاہ کر لیں"۔ مائز کی شوخ سی آواز پر دونوں ہی چونک گئے۔

"تمہیں ضرور خبر ہو جاتی ہے"۔

"وہ تو میں اپنی ماں کی خوشبو سونگھ کے چلا آیا ہوں"۔ مائز نے جانچتی اور تفتیشی نگاہوں سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"کیا دیکھ رہا ہے؟" نزہت پھر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"یہ دیکھ رہا ہوں کہ میری ماں کی آنکھوں میں سیلاب آیا تھا"۔ مائز نے شوخی و شرارت سے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

"فضول مت ہانکا کرو"۔ انہوں نے مائز کے تھپڑ لگایا۔

"بھائی جان! مجھے جلدی بتایئے میری ماں کی آنکھوں میں سیلاب کیسے آیا؟" اس نے مسکرا کے تائید چاہی۔

"مجھے اپنے دونوں بچے ہی عزیز ہیں' اگر ایک اداس ہوگا تو میری آنکھوں میں آنسو تو آئیں گے ہی"۔

"ضرور بھابو کو یاد کیا جا رہا ہوگا"۔ وہ محریب کو چھیڑنے لگا۔

"تمہاری بھابو کے علاوہ بھی کچھ اور یاد کیا جا سکتا ہے"۔ محریب کی نگاہ موبائل پر پڑی' کال آ رہی تھی۔

"یونیورسٹی سے تو کب آیا؟" نزہت نے اس سے پوچھا۔

"کچھ دیر پہلے' سب جگہ آپ کو دیکھا پھر یمنیٰ نے بتایا کہ آپ کو بھائی جان کے روم کی طرف جاتے دیکھا تھا"۔ وہ دونوں ہی کمرے سے نکل گئے۔

محریب موبائل پر بات کرنے لگا تھا' وہ آج شام میں ہی گھر آ گیا تھا کیونکہ اسے تھکن سی ہونے لگی تھی' سوچا تھا کہ کچھ دیر آرام کرے گا تو فریش ہو جائے گا' نزہت پھر اس کے کمرے میں چلی آئیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

............☆☆☆............

جب یہ سوچنا شروع کیا جاتا ہے کہ کوئی مشکل نہیں ہے نہ ہی کوئی پریشانی مگر دل میں ایک دم ہی عجیب بے چینی ہو جاتی ہے' وسوسے دل کو ڈراتے ہیں' کہیں کچھ ایسا نہ ہو جائے کہ جو خوشیاں اس کے قریب آنے والی ہیں وہ ایک دم سے غائب نہ ہو جائیں' دوسروں کو تسلیاں دیتی تھی اطمینان دلاتی تھی مگر خود اندر سے کتنی ٹوٹی اور بکھری ہوئی تھی اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔

اپنی بہن کی ساری تیاریاں اس نے خود کی تھیں اور دل سے ہمیشہ خوش رہنے کی دعائیں بھی دے رہی تھی مگر اپنے لیے اس نے ابھی تک کچھ نہیں مانگا تھا۔ جس سے دل کا رشتہ جڑا تھا اور سب لوگوں نے اپنی رضامندی سے منسوب بھی کر دیا تھا مگر اسے یہ ڈر جانے کیوں ایسی لگ رہی تھی کہ کمزور پڑ رہی ہو کیونکہ جس سے دل کا رشتہ باندھا تھا وہ اس رشتے کی اہمیت کو شاید سمجھ نہیں رہا تھا یا پھر نظر انداز کر رہا تھا۔

"کاش محریب! میں آپ کو اطمینان دلاتی کہ عنایہ نے صرف بچپن سے جو ایک نام اپنے نام کے ساتھ سنا ہے اس شخص سے دل و دماغ کا رشتہ باندھ لیا ہے' میری سوچوں میں صرف محریب احمد تمہارا گزر ہے"۔ آنکھوں سے دو موتی پھسل کر اس کے رخساروں کو بھگونے لگے۔ رات کی تنہائی میں اکثر وہ روتی' دشہ تک سے چھپائے ہوئے تھی کہ وہ اندر سے بکھر چکی ہے' اب تو صرف خالی وجود ہی بچا ہے کیونکہ محریب احمد نے اپنے سرد رویے سے اس وجود کو خالی ہی کر دیا تھا۔ دل اس سے دستبردار ہونے کو کسی طور راضی نہیں تھا۔

"محریب احمد! چاہے تم مجھے اگنور کرتے رہو مگر تمہیں میں کبھی نہیں کروں گی' مجھے تمہاری زندگی میں جانا ہے"۔ بیک کراؤن سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ دشہ کا ایک پیپر رہ گیا تھا آج وہ جلدی سو گئی تھی اور وہ خود عشاء کی نماز پڑھ کے ابھی تک جاگ رہی تھی' سمیرا بیگم کو تو جیسے کسی کام سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی' جواد احمد نے پل پل کی خبر رکھی ہوئی تھی۔

وہ بیڈ سے اتری اور سامنے کیبنٹ کے پاس چلی گئی' بیچ کی دراز کھول کے محریب کی تصویر نکالی جو ریان کی سالگرہ پر کھینچی گئی تھی' شامین نے اسے دے دی تھی۔

"تم اپنے پاس رکھو جب دل چاہے نکال کے دیکھتی رہنا' محریب بھائی لگ کتنے ڈیسنٹ رہے ہیں"۔ شامین کا شوخ سا جملہ سماعتوں سے ٹکرایا تو وہ بغور تصویر کو دیکھتی رہی۔

"مجھ میں تو اتنی بھی ہمت نہیں ہے کہ آپ کو ایک پل بھی بغور دیکھوں' جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں اگر آپ کے سامنے رہی تو ضرور بکھر جاؤں گی"۔ جلدی سے تصویر واپس اس نے اندر رکھ دی کہ اگر دشہ کی آنکھ کھل گئی تو اسے الگ شرم محسوس ہوگی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں آپ مجھ سے کب تک اس طرح رُوٹھ رہیں گے' مجھے یقین ہے اور اللہ پر بھی شاکر ہوں آپ خود میری طرف آئیں گے"۔ وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔

دشہ کی مایوں میں زیادہ دن تو نہیں تھے' وقت رُک ہی نہیں رہا تھا' پر لگا کر ایسے بھاگ رہا تھا کہ وہ خود حیران تھی' ساری ہی تیاریاں اس نے کر لی تھیں۔ ثمینہ الگ تیاریوں میں لگی تھیں' فلیٹ کی صفائی وغیرہ انہوں نے کروائی تھی کیونکہ بڑے ماما اور نانی جان جو آنے والے تھے' ماما ہمیشہ اپنے فلیٹ پر ہی رُکتے تھے' ثمینہ آج کل مصروف تھیں تو عنایہ کی بات چیت صرف فون تک ہی محدود تھی یا پھر معارج چکر لگا آتا تھا۔

وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی' ابھی صرف بارہ ہی بجے تھے' اتنی جلدی تو وہ سوتی نہیں تھی کیونکہ وہ کتابوں کے پڑھنے کا بھی شوق رکھتی تھی' خواہ اسلامی ہوں یا ناولز' ہر قسم کی کتاب وہ پڑھ کے ضرور سوتی تھی' ابھی بھی اس نے ناول اٹھا لیا اور کھول کے بیٹھ گئی کیونکہ وہ اپنا ذہن محریب کی سوچوں سے ہٹانا چاہتی تھی۔ وہ محریب کے بارے میں کچھ بھی غلط نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

کیا ہوا جو وہ اس سے خفا ہے' ہے تو وہ اس کے آس پاس ہی' ہر وقت ہر لمحہ وہ اسے سوچتی تھی کیونکہ بچپن سے اسے ہی سوچا تھا مگر کبھی اپنے جذبوں کا اظہار کسی انداز سے بھی نہ کیا تھا۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 15 -

سلسلے وار ناول

چاہت دل کی چاہت

کافی دنوں سے اس کی منتہیٰ سے بات ہی نہیں ہوئی تھی' ایسے وہ مصروف تھا فیکٹری کے کاموں میں کہ اسے خود کی بھی خبر نہ تھی' آج وہ جلدی فارغ ہو کے گھر آ گیا تھا کھانا بھی جلدی کھالیا تھا کیونکہ اس کا ارادہ منتہیٰ سے بات کرنے کا تھا' گھر تو جا نہیں سکتا تھا اور نہ ہی وہ کہیں جا کر مل سکتا تھا سوچا کہ کچھ موبائل پر ہی بات کر لے گا مگر بابا نے آج فائلز کھول کے اسے گھیر ہی لیا تھا۔

''بابا! ہم کل آفس میں ڈسکس کر لیں گے' مجھے کچھ تھکن ہو رہی ہے''۔ اس نے تھکی ہوئی صورت بنانے کا تاثر دیا۔ ہشام سالار نے استفہامیہ اور فہمائشی انداز میں اس کا جائزہ لیا' حمود کچھ گڑبڑا سا گیا۔

''رات گئے تک ٹی وی دیکھتے رہتے ہو الٹی سیدھی چیزیں''۔

''بابا! خدا کو مانیئے' مجھے کیا ضرورت پڑی ہے الٹی سیدھی چیزیں دیکھنے کی''۔ وہ جھٹ اپنے دفاع میں بولا۔

''اتنی رات تک تمہارے کمرے سے ٹی وی کی آواز آتی رہتی ہے''۔

''کتنی رات تک''۔ وہ تن کے بولا۔

''ہاتھ نیچے کرو میں تمہارا باپ ہوں تو نہیں ہے میرا''۔ ہشام سالار تو بھڑک ہی اٹھے۔ کلثوم بانو اشاروں میں حمود کو بحث کرنے سے روک رہی تھیں مگر وہ فان کلر کے ایزی سے قمیص شلوار میں ملبوس خاصا بےزار بھی لگا۔

''بابا! غلط بات نہیں کیا کریں''۔

''میں غلط بات کرتا ہوں''۔ وہ بھڑک اٹھے۔

''پلیز بابا! میں اس وقت کوئی فائلز پر ڈسکس نہیں کروں گا' میں دن بھر بھی آفس میں دماغ کھپاتا ہوں' گھر میں تو مجھے ریلیکس کر دیا کریں''۔ جھنجھلا کر بولا۔

''جاؤ آرام کرو جا کر''۔ حمود بھی جیسے انتظار میں تھا فوراً ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ اتنا اچھا رومینٹک خوشگوار موڈ بنا کے گھر آیا تھا مگر سارا موڈ بابا نے فائلز پر ڈسکس کر کے خراب کر دیا تھا' وہ اپنا موبائل لے کے اپنی مخصوص جگہ ٹیرس پر پڑے بیتھ کے صوفے پر لیٹ گیا' سوا بارہ بج رہے تھے ایک کال وہ شام میں کر کے بول چکا تھا کہ رات کو کال کرے گا موبائل کو چارج کر کے رکھنا' فون بک سے نمبر نکال کے ملا چکا تھا' دو تین بیل کے بعد ریسیو کر لیا تھا۔

''جی''۔ اونگھتی ہوئی آواز آئی۔

''تم سو رہی تھیں؟'' حمود کو کچھ غصہ آیا' یعنی وہ اتنا اس سے بات کرنے کے لیے دن بھر بےقرار رہا اور وہ سو رہی تھی۔

''وہ ابھی آنکھ لگی تھی' میں انتظار تو کر رہی تھی آپ کی کال کا''۔ وہ کھسیا کے بولی۔ حمود سنبھل کے لیٹ چکا تھا' وہ اپنے کمرے میں بات اس لیے بھی نہیں کر رہا تھا کہ امی آ سکتیں تھیں۔

''نیند بہت آتی ہے تمہیں''۔

''صبح فجر میں اٹھتی ہوں' دن بھر پھر کام کی وجہ سے لیٹنا نہیں ہوتا ہے''۔ وہ بتانے لگی۔

''آپ کل لینے کیوں نہیں آئے' میں تیار بیٹھی تھی''۔

''میرے لیے تیار بیٹھی تھیں' سچ''۔ حمود اپنی پرانی ٹون میں لوٹ آیا۔

''میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے رحمہ کو ٹیوشن پڑھوانے کے لیے لینے آنے والے تھے اس کی بات کر رہی ہوں''۔ جھٹ واضح کیا۔

''مجھے خوش بھی نہیں ہونے دیتی ہو' کیسی بیوی ہو''۔ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

''آپ کو قدم قدم پر مایوسی ہو گی آپ رستہ بدل لیں''۔

''چلو پھر شروع ہو گئی یہ لڑکی''۔ وہ اکتا کے بولا۔

''حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں''۔ لہجے میں افسردگی تھی۔

''حقیقت سے تم آنکھیں چراتی ہو ورنہ حقیقت میں وہ سب نہیں ہوتا جو تم سوچ رہی ہو' وہ ہوگا جو میں سوچتا ہوں''۔

''لگتا ہے آپ نے زندگی کو چیلنج سمجھ لیا ہے یا مجھے سمجھ لیا ہے''۔ لہجہ اس کا افسردہ اور ٹوٹا ہوا تھا۔

''زندگی میرے لیے کبھی نہ چیلنج رہی ہے اور نہ بناتا ہوں' ہاں یہ الگ بات ہے کہ زندگی میں جو چیلنج آتے ہیں میں انہیں فیس کرنے کی طاقت ضرور رکھتا ہوں''۔

''پھر میں آپ کے لیے چیلنج ہی ہوئی ناں''۔ وہ اسے ہر طرح سے زچ کرنا چاہ رہی تھی۔

''یعنی تم نے یہ سوچ لیا ہے کہ میری اور اپنی پوری رات خراب کر دو گی''۔ وہ تیز لہجہ میں گویا ہوا۔

''کیا پوری رات آپ بات ہی کرتے رہیں گے''۔ اتنی معصومیت سے چونک کے بولی تھی کہ حمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بات کرنے کے علاوہ بھی کچھ آگے کا ارادہ ہے جو موبائل پر تو ممکن نہیں ہے''۔ شوخ سی آواز میں معنی خیزی تھی۔

''جی میرا یہ بولنے کا مطلب نہیں تھا''۔ وہ جھینپ گئی۔

''جو بھی مطلب ہو میں آدمی ذرا دوسرے مزاج کا ہوں' پھولوں کی رنگوں کی موسموں کی بہاروں کی باتیں پسند کرتا ہوں مگر میری قسمت بیوی مجھے اللہ نے فلاسفر دے دی ہے''۔ وہ شرارت سے باز نہ آیا۔ کچھ لمحوں کے لیے منتہیٰ خاموش ہی ہو گئی یا پھر اس کے پاس لفظ نہیں تھے یا پھر وہ حمود کی شوخیوں سے کچھ نروس ہو گئی تھی۔

''مسز حمود! کدھر گئیں کچھ تو بولیے''۔ لہجہ مخمور اور ترنگ لیے ہوئے تھا۔

''آپ مجھے یہ بتا دیں کہ مجھے کل لینے کیوں نہیں آئے' رحمہ نے نہیں پوچھا''۔ اس نے بات ہی گھما دی۔

''بنتی دلیر ہو مگر فوراً گھبرا بھی جاتی ہو''۔ وہ اتنے آرام سے لیٹا ہوا تھا کہ جیسے آج وہ منتہیٰ سے بات کر کے سارے دنوں کی کسر نکالنا چاہتا ہو' پھر وہ اس کے خیالوں سے غافل کب رہتا تھا' ذہن تو ہر وقت اسے گھر لانے کے لیے پلان تیار کرتا رہتا تھا' امی کو منانا مشکل نہ تھا بابا کو بھی مشکلوں سے منا ہی لے گا مگر کبھی کبھی حمنیٰ کی جنونی کیفیت سے ڈر لگتا۔

''رحمہ کو حمنیٰ اپنے ساتھ کہیں لے گئی تھی اس لیے پھر تمہیں لینے ہی نہیں آیا' کال اس لیے نہیں کی کہ فرصت نہیں ملی' بابا کے ساتھ لمبی بحث چل رہی تھی''۔ وہ تفصیل بتانے لگا۔

''آپ اپنے بابا سے اتنی بحث کیوں کرتے ہیں' کچھ تو لحاظ کیا کریں''۔ وہ سمجھانے لگی۔

''لو جی محترمہ ابھی سے سسر جی کی حمایت کرنے لگیں''۔ حمود نے خوشدلانہ طنز کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' ماں باپ کی عزت و احترام اولاد پر فرض ہے' آپ کو اپنے بابا کا خیال کرنا چاہیئے''۔

''کیا خیال کروں' میری زبردستی شادی حمنیٰ سے کروا دیں گے میں چپ چاپ کیسے کر لوں''۔ وہ چڑ گیا۔

''لڑکی اچھی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہے آپ کی فیملی کی پسند ہے آپ کے ساتھ اور گھر میں ایڈجسٹ

ہو جائے گی''۔

''مجھے جس کے ساتھ ایڈجسٹ ہونا ہے اس سے میرا نکاح ہو چکا ہے اور میں اس سے بات بھی کر رہا ہوں''۔ حمود نے جیسے اس کی بات کو اہمیت ہی نہ دی ہو۔

''فضول کی بات نکال کے میرا موڈ خراب نہیں کرو' پورا دن وہ لڑکی میرے سر پر سوار رہتی ہے''۔ منتہیٰ پھر چپ ہو گئی' وہ بھی کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہوا مگر اسے منتہیٰ کی سانسوں کی آواز آ رہی تھی۔

''یہ بتاؤ ساری تیاری کر لی مائز کی شادی کی''۔ اس نے خود ہی خاموشی توڑی۔

''ہوں''۔ بس اتنا بولی۔

''کیا ہوں...... ٹھیک سے جواب دو مجھے''۔ وہ غصہ سے گویا ہوا۔

''ہو گئی ہے ساری تیاری اور کچھ''۔

''ہاں اور کچھ چاہیے تو اگر تم دینا چاہو تو......؟'' وہ پھر تلخی کو دور کر کے شوخ وشنگ لہجے میں بولا۔

''آپ کو صبح اٹھنا نہیں ہے' مجھے بہت نیند آ رہی ہے''۔ منتہیٰ نے پھر اس کی بات کاٹی۔

''آج چاہے ساری رات گزر جائے' تم سے ہی باتیں کرنی ہیں''۔

''بیلنس ختم ہو سکتا ہے''۔ اس نے یاد دلایا۔

''انتظام ہے' تم فکر نہیں کرو''۔ آج وہ واقعی فرصت میں تھا۔

''مجھے صبح فجر میں اٹھنا ہوتا ہے''۔ وہ منمنائی۔

''اوکے کوئی بات نہیں' آج فجر میں بھی پڑھ لوں گا''۔ وہ بولا' کیونکہ دن بھر وہ اتنا مصروف رہتا تھا کہ نماز اور قرآن کی طرف تو وہ توجہ ہی نہیں دیتا تھا' امی اور بابا تو پڑھتے تھے مگر وہ جمعہ تک کی بھی نہیں پڑھتا تھا' آج اس نے کیسے روانی میں کہہ دیا تھا۔

''میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' منتہیٰ نے فوراً ہی سوال کر دیا۔

''ہوں پوچھو جان!'' وہ پھر بے باکی سے بولا۔

''آپ نماز روز پڑھتے ہیں؟''

''نہیں''۔ جھوٹ وہ بولتا نہیں تھا۔

''آج سے آپ وعدہ کریں روز نماز پڑھیں گے''۔ وہ سنجیدہ تھی۔

''وہ اصل میں یار! بات یوں ہے کہ فجر میں' میں اٹھتا ہی نہیں ہوں' ظہر کی جب ہوتی ہے میں اس ٹائم آؤٹ ڈور ہوتا ہوں' عصر اور مغرب کی راستے میں ہی نکل جاتی ہے اور عشاء کی مجھے پڑھنے میں سستی آتی ہے''۔ وہ سادگی سے اپنی ساری خامی اسے بتاتا چلا گیا۔

''آج سے آپ وعدہ کریں کہ سب ٹائم کی نماز پڑھیں گے''۔

''محترمہ! یہ آپ مجھ پر شرط لگا رہی ہیں''۔ وہ بولا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

''میری بھی ایک بات مانو گی؟'' وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''جی بولیے''۔

''پانچوں ٹائم تم مجھے کال کر کے یاد دلاؤ گی کہ نماز پڑھ لیں''۔

''میں یہ بات کیوں نہیں مانوں گی' ضرور کروں گی کال آپ کو''۔ منتہیٰ خوش ہو گئی۔

''چلو پھر اسی بات پر مجھے آئی لو یو بولو''۔ وہ پھر شرارت پر اُتر آیا۔

''جی نہیں''۔

''کبھی تو بولو گی نا''۔

''پتہ نہیں''۔ وہ اتنا ہی بولی۔

''تھینکس گاڈ! یہ لڑکی کہیں تو چپ ہوئی ورنہ ایسا فلسفہ بولتی ہے کہ مجھے تو بدہضمی ہونے لگتی ہے''۔ مضحکہ خیز انداز میں بولا' منتہیٰ کی کھنکتی ہوئی ہنسی موبائل سے سنائی دی' حمود کچھ کھو سا گیا رات کے اس پہر کتنی اچھی لگی تھی دل کے تاروں کو چھیڑتی ہوئی' جذبے اُسے اکسانے لگے کہ جا کر اس کا وجود باہنوں میں لے کے گھما ڈالے۔

''اچھا اب پلیز کال بند کر دیں' میں صحن میں بیٹھی ہوں' ڈر بھی لگ رہا ہے''۔

''کس سے؟'' بے ساختہ بولا۔

''آپ سے''۔ جھٹ بولی۔

''صرف موبائل پر بات کر رہا ہوں اور ابھی تک کوئی حرکت میں نے ایسی نہیں کی کہ تم مجھ سے ڈرو''۔ وہ ہنسا۔

''پلیز کال بند کر دیں''۔ لہجہ ملتجی تھا۔

''اوکے بند کرتا ہوں لیکن فجر میں کال کر کے جگانا ہے تمہیں''۔

''نیک کام میں اور اچھے کام میں مجھے خوشی ہوتی ہے اللہ حافظ''۔ اس نے خود ہی کال کٹ کر دی تھی' حمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی کہ اس نے منتہیٰ کو جیسے فتح کر لیا ہو' وہ اس لڑکی کی خاطر ہر وہ کام کرے گا جس سے وہ خوش ہو' نماز وہ پڑھتا نہیں تھا اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگا مگر دل میں سکون بھی اُتر گیا کہ کوئی تو ہے جو اسے چاہتا ہے' اوپر والے کو اس کی کوئی خوبی ہی پسند آئی تھی کہ جو منتہیٰ جیسی سادہ لوح لڑکی اس کی جیون ساتھی بنائی تھی' اس کا بھی فرض بنتا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا' جس نے بن مانگے ہی انمول خزانہ دیا تھا۔

''تھینکس اللہ تعالیٰ! میں گناہگار بندہ آپ نے مجھے اتنا دیا' میں نے ایک ٹائم کی نماز پڑھ کے بھی شکر ادا نہ کیا''۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا' دل اس کا آج بہت مطمئن تھا' منتہیٰ نے جیسے اس کے اطراف میں روشنی بکھیر دی ہو۔

............☆☆☆............

جب سے آنی نے اسے سمجھایا تھا کہ اسے اپنا رویہ سب سے ہی اچھا رکھنا ہے اور خاص طور پر محریب کی کسی بات کو نہ سیریس لینا ہے اور نہ ہی بُرا ماننا ہے کیونکہ کہتے ہیں اگر ایک شخص خائف ہو اور ہو بھی وہ شخص جس سے زندگی کی ڈور بندھی ہو اس سے محبت بھی بے حساب کرتے ہوں تو ہر اچھی اور بُری بات کو ہنس کے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ روٹھا ہوا اور ناراض تھا تو اسے ایسا کوئی تاثر قائم نہیں رکھنا تھا' ہمیشہ مثبت سوچو اور اللہ تعالیٰ مثبت اور اچھا ہی کرے گا۔ وہ اگر اس سے دور جائے گی تو دل کی بے چینی بڑھ جاتی' جب وہ دل میں موجود ہے تو اس کا ہر نخرہ بھی برداشت کرنا ہے' اس وقت تک جب تک حالات اس کے موافق نہ ہو جائیں۔ اسے ناراضی دکھا کے اس رشتے کو کمزور نہیں کرنا تھا بلکہ مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا تاکہ کہیں بھی توڑنے کی گنجائش نہ نکلے۔

وہ روٹھا تھا ناراض تھا یہ اس کا حق بھی تھا' اس نے ابھی تک محریب کو ایسا کوئی جملہ بھی ادا نہیں کیا تھا کہ وہ

اس کے سہارے ہی امیدیں باندھے رکھے' وہ شروع سے ہی ناپ تول کے گفتگو کرنے والا تھا' اسی طرح یہ بھی تھی' دونوں کے مزاج ایک ہی تھے۔ دل اگر کچھ کرنے کو اُکساتا بھی تھا تو وہ رک جاتی تھی کیونکہ وہ ہوتا ہی اتنا لاتعلق تھا۔

''وہ اس سے کیسے کہہ دے کہ میں تمہیں اتنا چاہتی ہوں اتنا پیار کرتی ہوں محریب احمد کہ تم تصور بھی نہیں کر پاؤ گے''۔ عنائیہ کے جذبے سوچیں صرف اس کے لیے تھیں۔ وہ سرد مہری بے نیازی دکھا رہا تھا تو کیا ہوا وہ اس سے ایسا کوئی رویہ نہیں رکھے گی' اگر وہ آگ برسائے گا تو وہ بارش بن جائے گی' ایسی بارش جو صرف دور رہ کر اسے بھگوئے گی' اپنی ایسی باتوں سے جس کا محریب تصور بھی نہیں کرے گا' وہ اس کے دل کا بھی خیال کرے گی تاکہ وہ بعد میں تو شکوہ نہیں کرے گا' وہ بھی سرد مہر بن گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا خود کو نارمل انداز میں پیش کرے گی' نہ کسی سے اس کی سرد مہری کی شکایت کرے گی اور نہ ہی افسوس کرے گی کیونکہ محریب احمد اور عنائیہ جواد کو ایک دن ایک ہونا ہی ہے۔ یہ اس نے آج سے سوچنا شروع کر دیا تھا' محریب احمد کے سامنے وہ خود کو بدل کے لائے گی' وہ رشتوں کا احترام بھی کرتی تھی اور اہمیت بھی دیتی تھی۔

آج اس نے آنکھیں بند کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے خود میں ہمت اور حوصلے کی بھیگ مانگی تھی' آنی کا ایک ایک لفظ اس کے دل و دماغ کو کھولتا جاتا' وہ جو بھی تعلیم لیتیں اسے ضرور بتاتیں اور ہمیشہ اچھی بات پر عمل پیرا ہونے کا سبق دیتی تھیں۔ کتنی مختلف تھی اس کی ماں اپنی بہن سے' وہ صرف اپنی دنیا میں مگن تھیں اور آنی اس دنیا میں مگن رہنے والوں کی بھی فکر کرتی تھیں' ہر ایک کی دل جوئی کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

''کتنی اچھی ہیں آنی جو سب کی فکر کرتی ہیں''۔ کبھی کسی محفل میں ان کے سر سے آنچل ڈھلکا ہوا نہ دیکھا تھا' اپنی سسرال میں مشہور تھیں' ملنسار' ہمدرد اور حسن اخلاق کی وجہ سے۔ اور اس کی ماں پورے خاندان میں بد دماغ اور لڑاکا مشہور تھیں' کتنا اس کا دل روتا تھا اپنی ماں کی وجہ سے' کیوں وہ ایسی تھیں' کیوں اتنی بے حس تھیں۔

''عنائیہ بیٹے! کیا سوچ رہی ہو؟'' جواد احمد نے اسے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے دیکھا جو شاید چاول چن رہی تھی' آج سنڈے تھا جواد احمد گھر پر ہی ہوتے تھے۔

''جی ابو! وہ کچھ نہیں''۔ وہ جھینپ سی گئی اور سر جھکا کے چاول چننے لگی۔

''بیٹا! کیا سوچ رہی تھیں؟'' وہ فکرمند سے چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئے۔

''کچھ نہیں' سوچ رہی تھی کہ بریانی بناؤں یا دال چاول''۔ مسکراتے ہوئے اس نے بات ہی گھما دی۔

''بریانی اور دال چاول کے لیے میرا بیٹا اتنا سوچ رہا تھا''۔

''ابو! آپ کو پتہ ہے نا معارج دال چاول پر منہ بناتا ہے اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ بریانی میں ٹائم لگے گا کیونکہ ایک بج رہا ہے' ناشتے میں ہی اتنا ٹائم لگا ہے''۔ وہ کچھ منمنائی۔

''تم وہ بناؤ جو آسان لگے' زیادہ سر مت چڑھایا کرو''۔

''ابو! آپ ایسے تو نہیں بولیے' میرا چھوٹا سا ایک ہی تو بھائی ہے''۔ عنائیہ نے خفگی سے کہا۔

''مگر اس کے آگے تم دونوں میرے لیے اہم ہو''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں یاد آیا' کل آپ کے ماما اور نانی کی فلائٹ ہے' سمیرا تو کل ایئرپورٹ جائے گی' جانا تو مجھے بھی پڑے گا اس لیے میں آج ہی تمہاری دادی جان کی طرف چکر لگا آؤں کیونکہ وشہ کی مایوں میں صرف ایک ہفتہ ہے''۔ وہ بولے۔

''آپ ابھی جائیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہوں...... ابھی جا رہا ہوں تمہاری ماں کو تو اپنے دھندوں سے فرصت نہیں ہے' اسے بول کے جاؤں تو کوئی فائدہ نہیں''۔

''ابو! ایک بات کہوں آپ بُرا تو نہیں مانیں گے؟'' اس نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا جو ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو رہے تھے۔

''ہوں کہو''۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''ابو! آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ امی سے آپ فرینڈلی انداز میں بات کریں' کیا پتہ ان کی ساری بدگمانی اور غصہ ختم ہو جائے''۔ رُک رُک کے بول رہی تھی مگر نگاہ جھکی ہوئی تھی اپنے باپ کو اتنی بڑی بات جو کہہ دی تھی۔

''میں تو خود بیٹا ایسا ہی چاہتا ہوں مگر جیسے وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی ہے''۔ لہجے میں ان کے افسردگی اور حسرت پنہاں تھی۔

''میرا بھی دل چاہتا ہے وہ مجھ سے اچھے انداز میں کبھی تو بات کرے' جانے اس نے دل میں کیا ٹھانی ہوئی ہے' کچھ بھی اچھا سوچنا اور بات کرنا ہی نہیں چاہتی ہے''۔

''ابو! میں اس لیے کہہ رہی تھی کہ اگر ہم سب ہی اپنا رویہ بدلیں گے تو امی کا بھی بدلے گا اور پھر نفرت کو محبت سے کاٹا جائے تو اچھا ہے''۔

''میری بیٹی جیسی سمجھدار کاش ماں بھی ہوتی''۔ جواد احمد رشک سے بولے کیونکہ عنائیہ میں وقت سے پہلے ہی اتنی سمجھداری آ گئی تھی کہ وہ کبھی کبھی سوچتے تھے کہ ان کی یہ بیٹی ان حالات میں اگنور ہی نہ ہو جائے۔

''زندگی کے پل اگر ہم چاہیں تو اچھے بھی بنا سکتے ہیں اور بُرے بھی' مگر سمیرا زندگی کو سمجھ ہی نہیں رہی ہے' کتنا وقت اس نے ایسے ہی الگ سفر کرتے ہوئے گزار دیا ہے اور اس سفر میں وہ تنہا ہے کوئی بھی تو اس کے ساتھ نہیں ہے''۔ وہ آبدیدہ سے ہو گئے۔ عنائیہ دکھ و تاسف سے لب کچلنے لگی' ہمیشہ اس نے اپنے ابو اور امی کو الگ الگ سمتوں میں جاتے دیکھا تھا' کبھی بھی امی نے سمتیں ملانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

''ابو! ہم ایک کوشش تو کر سکتے ہیں نا''۔

''ہوں...... کر سکتے ہیں لیکن مجھے پتہ ہے تمہاری ماں کا دماغ اُلٹا ہی چلتا ہے پھر بولے گی کہ کوئی غرض ہو گی''۔ وہ گویا ہوئے۔ عنائیہ نے ان کے اندر کے دکھ کو سمجھا ہوا تھا اس کی یہی کوشش تھی کہ اس کی ماں کو خود ہی احساس ہو جائے کہ وہ تنہا ہیں انہیں اس طرح کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا تھا' سب کچھ ان کی مرضی کے خلاف ہی ہو رہا تھا' کیا تھا وہ راضی و رضا ہو کر ہر کام میں شامل ہوتیں تو کچھ بھرم رہ جاتا۔ وشہ کو رہ رہ کے امی کی سرد مہری پر رونا آتا' عنائیہ کو اس کی بھی فکر تھی جانے بعد میں وہ وہاں کیسے سب سنبھال لے گی' غصہ کی کچھ تیز بھی تھی مگر وہ تو سمجھاتی رہتی تھی تو کچھ وشہ کے مزاج میں نرمی آ گئی تھی۔

''کاش...... سب کچھ جلدی ٹھیک ہو جائے''۔ عنائیہ نے آنکھیں میچ کے دل سے ہی دعا کی کیونکہ لب تو ہر وقت دعائیں کرتے رہتے تھے' کیا پتہ کون سا وقت قبولیت کا ہو اور دعا قبول ہو جائے جلدی۔

............☆☆☆............

جب جب دل کی بے کلی بڑھتی دل کے اندر کی خواہش سر اُبھارتی کہ کوئی فیصلہ تو کر لو' اگر یہ سرد مہری برقرار رکھی تو شاید وہ اور دور بہت دور ہوتی جائے گی' جب ہر وقت سرد مہری ناراضی طاری رکھو تو انسان دور بھاگنے لگتے

ہیں اور پھر ایک ایسا انسان جو دل کا سرور ہے' جسے سوچنے سے دل اور دماغ معطر سے محسوس ہوتے ہیں' ایک دم زندگی اتنی اچھی لگنے لگتی ہے کہ دل چاہتا کہ وہ سامنے ہو اور زندگی کے خوبصورت لمحوں کو انجوائے کرے صرف اس کی سنگت میں' مگر جب دل کا مکین اور وہ محبوب فاصلوں پر ہو تو یہ سب پھر ممکن نہیں ہوتا' جب فیصلے کا اختیار اس پر تھا' اس نے چپ نہ کیا مگر اب دل کی بے چینی اضطرابی ایسی بڑھتی جارہی تھی کہ دماغ میں آگ بھرنے لگتی' ایک دم دل کرتا سب کچھ ختم کردے مگر صرف وہ خود کو روکتا کیونکہ یہ سب کرتا ہوا وہ کسی کو اچھا نہیں لگے گا۔ وہ جو دل کا ساز تھی۔ جینے کی امنگ تھی۔ وہ اتنے لوگوں میں اتنی منفرد اور سادہ تھی۔ وہ جو سب کی پرواہ کرتی فکر کرتی مگر جانے کیوں وہ اس کی جانب سے اتنی بے پرواہ تھی۔ اب خود کو بھی ویسا ہی بنانا چاہا' اسے بھولنا چاہا اگنور کرنا چاہا' اتنا ہی اس کی شخصیت میں بے زاری اور اکتاہٹ بڑھ رہی تھی۔

کبھی دل کرتا کہ اسے جھنجھوڑ کے پوچھے اسے وہ کیوں نظر نہیں آتا' اتنے سالوں سے وہ دل میں رکھ کے اسے چاہ رہا ہے کیوں اتنی بے حس ہے کیوں وہ اس کے ساتھ ایسا کررہی ہے' اس نے کب اس کے ساتھ بُرا کیا ہے۔ جب جب اسے سوچتا سوچوں میں خیالوں میں طغیانی آجاتی' خود پر ایسا لگتا کہ جذبات کا طوفان آگیا ہو اور اگر کبھی وہ اس طوفان میں تباہ ہوگیا تو کیا ہوگا' اسی لیے تو سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''عنائیہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا' میں بس زندگی گزار رہا ہوں بے مقصدی''۔

آج دل بہت بے کل تھا' سنڈے تھا مگر صبح سے نکلا ہوا تھا' سوچا کہ احد سے مل لے' اس دن کے بعد سے تو کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تھا اور نہ ہی احد اس سے بات کررہا تھا' اکثر اگر آتا بھی تو ملے بغیر چلا جاتا' محریب سے برداشت نہ ہوا تو چلا آیا۔

''یہ منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں''۔ احد کبھی دل میں ناراضی نہیں رکھتا تھا اور وہ صرف اگر اس سے بات نہیں کررہا تھا تو اس لیے کہ اسے یقین تھا محریب ایک دن خود ہی آئے گا۔

''اتنے دن میری کوئی خیر خبر لی تو نے؟'' وہ الٹا اس سے شکوہ کرنے لگا۔

''کیا خبر لیتا' میرے ساتھ تو سلوک کیسا کرتا ہے یاد کر''۔ احد کو بھی آج سنانے کا موقع مل گیا۔ محریب جل سا سنگل صوفے پر ٹیک لگائے اسے بغور دیکھنے لگا' لبوں کو بھی مسکرانے پر مجبور کردیا' شاید پچھلے دنوں کی تلخی زائل کررہا تھا۔

''ایسے اجنبیوں کی طرح میرے سامنے سے گزرتا ہے تو میری ہمت پڑتی' میں نے بھی پھر چھوڑ دیا''۔

''یہ تو ہمیشہ جانتا ہے صلح کرنے میں پہل میں ہی کرتا ہوں''۔ اس نے احد کے بھڑکتے انداز پر گویا اپنے اس جملے سے پانی چھڑکا کہ وہ اپنا غصہ کم کردے۔

''کیا بات ہو اگر آپ یہ پہل عنائیہ جواد سے بھی کرلیں''۔

''پھر بے وقت کی راگنی شروع' میں محض اسی وجہ سے تم سے بات نہیں کرتا''۔ ایک دم ہی اس کا موڈ خراب ہونے لگا' کچھ لمحوں پہلے کتنا عنائیہ کے خیالات اور سوچوں سے الجھ رہا تھا' صرف اسی وجہ سے یہاں کا رخ کیا تھا۔

''یہ بے وقت کی راگنی نہیں ہے تم نے عنائیہ کے ساتھ جو سلوک رکھا ہوا ہے سوچو اگر جواد ماموں کو پتہ چلے گا تو کتنا احساس کریں گے''۔

''یہ اچھا ہے سب اس کی پرواہ کریں میری کوئی نہیں کرتا میں کیا چاہتا ہوں کیا سوچتا ہوں''۔ وہ کھسیا کے چڑ

کے گویا ہوا۔

''فیصلہ تمہیں دیا تو تھا پھر کیوں تم نے منع کردیا''۔

''فیصلہ مجھے دیا تھا' یار احد! تم سوچو اگر وہ میری زندگی میں آبھی جاتی تو کیا ایڈجسٹ ہوجاتی' ہر وقت اسے اپنی امی کا خیال رہتا''۔

''شروع کی بات ہوتی جب تمہارے بچے کی ماں بنتی تو سب بھول جاتی''۔ احد اسے ہر طرح سے سمجھاتا رہتا' پھر اس سے اپنے مسئلے شیئر کرتا تھا' محریب کے مزاج کو بھی وہ خوب سمجھتا تھا۔

''جیسے بہت آسان ہوتا ہے یہ سب''۔ محریب نے تمسخر اڑایا۔

''کیوں کیا مشکل بات ہے' صرف نکاح ہونے کی دیر ہوتی ہے ساری لڑکیاں پگھلنے لگتی ہیں''۔

''مجھے پگھلی ہوئی موم بتی اٹھانے کا کوئی ایسا تجربہ نہیں ہے کیونکہ اس موم بتی کو اگر میں نے ٹھیک بھی کرنا چاہا تو وہ بار بار پگھلتی ہی رہے گی کیونکہ نہ تو مجھے وہ طریقے آتے ہیں جو عام مردوں کو آتے ہیں کہ اسے سیدھا اور ٹھیک کیسے رکھا جاتا ہے''۔ محریب اتنی گہری اور ذومعنی بات کہہ رہا تھا کہ احد تو متحیر سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''واہ جی واہ مسٹر محریب احمد کو تو فلسفہ بھی آتا ہے''۔

''یار! بکواس نہیں کیا کرو ہر وقت مذاق کے موڈ میں رہتے ہو''۔ وہ جھینپا۔

''سن میرے بھائی' تیرے قدم اٹھانے کی دیر تھی تو نے کیوں اس کا خیال کیا جب جواد ماموں راضی تھے کہ تمہاری اور عنائیہ کی شادی ہو اور پھر عنائیہ نے بھی رضامندی دے دی تھی''۔ وہ سنجیدہ ہوگیا۔

''ایسی رضامندی سے میں نے انکار ہی کیا''۔

''میری یہ سمجھ نہیں آتا کہ تم اب چاہتے کیا ہو؟'' احد کی سمجھ کچھ تھک سی گئی۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے سامنے نہیں آیا کرے کیونکہ جب میں اسے دیکھتا ہوں میرے اندر کی نخروی بڑھنے لگتی ہے' یار! میں ایسا تو نہیں تھا صرف اس لڑکی کی وجہ سے میں الجھ کے رہ گیا ہوں' گھر میں امی الگ میری وجہ سے پریشان رہتی ہیں' دادی جان کے پاس بھی کم بیٹھنے لگا ہوں کیونکہ انہیں اپنی پوتی یاد آتی ہے' یار میں کس کس کا خیال رکھوں' کیا کروں ایسا کہ میرے یہ اتنے چاہنے والے خوش رہیں''۔ بے زار سا اپنا سر ہاتھوں میں تھام کے بیٹھ گیا۔

''جب تک تم خوش نہیں رہو گے دوسروں کو بھی خوش نہیں رکھ سکتے''۔

''یار! کبھی کبھی دل کرتا ہے سب چھوڑ چھاڑ کے واپس امریکا چلا جاؤں''۔ وہ لب کچلنے لگا۔

''بڑی مامی تمہیں جانے دیں گی''۔

''مسئلہ امی کا ہے ویسے اتنی فکرمند رہتی ہیں پھر تو انہیں یقین ہوجائے گا میں فرار حاصل کررہا ہوں''۔

''تمہارے یہاں سے جانے سے بھی مسئلے حل نہیں ہوں گے وہ جوں کے توں رہیں گے' عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم یہاں سامنے رہ کر سب فیس کرو''۔

''مجھ میں ہمت ہی جیسے ختم ہورہی ہے''۔ وہ افسردہ غمزدہ رنجور منتشر ذہن کے ساتھ تھا۔

''عنائیہ کو دیکھ کر تمہیں کیا سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہے؟'' احد آہستہ آہستہ اسے گھیرنے میں کامیاب ہوگیا کیونکہ محریب کم ہی اس سے اپنی کوئی ایسی بات شیئر کرتا تھا۔

''دیکھ کر مجھے غصہ آنے لگتا ہے''۔

''غصہ کے علاوہ''۔ وہ پھر گویا ہوا۔

''ترس بھی آتا ہے خیال اس کا ہر وقت میرے دل و دماغ پر رہتا ہے کہ میں نے اس سے اپنا سرد اور ناراضی والا رویہ کیوں رکھا ہوا ہے''۔ وہ قدرے توقف کے بعد شرمندگی سے بولا۔

''یار محریب! تم اس کی بھی مجبوری سمجھو''۔

''میں سب سمجھتا ہوں' جانتا بھی ہوں مگر مجھے اس سے یہی شکایت ہے کہ میری اس کی نظر میں ذرا سی بھی اہمیت نہیں ہے' کچھ نہیں سوچتی ہے''۔ روہانسا اور بکھرا بکھرا بولتا احد کو بہت ہی قابل رحم لگا۔

''میرے پاس مسئلے کا حل ہے اگر تم مانو تو''۔

''رہنے دو وہ حل مجھے بھی پتہ ہے مگر میں یہ سب نہیں چاہتا''۔ وہ اس کی اگلی بات سمجھ کے گویا ہوا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

''میری بات سن تو لو''۔

''نکاح کرنے کو کہو گے' امی سے میں پہلے ہی منع کر چکا ہوں' مجھے قسطوں میں نہیں ایک دم ہی وہ لڑکی چاہیئے''۔ نگاہ چرا کے وہ بول رہا تھا' احد کی حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئیں' لب بھی مسکرا اٹھے۔

''واہ کیا بات کہی ہے' قسطوں میں نہیں ایک دم......''

''کیوں کیا غلط بات کہی میں نے''۔ وہ اسے گھورنے لگا۔

''بالکل ٹھیک بات کہی ہے''۔

''مجھے وہ الجھی بکھری بھی نہیں چاہیئے' میرے پاس آئے تو صرف میرے خیال اور تصور کے ساتھ آئے' اسے پچھلی کوئی ٹینشن نہ ہو صرف مجھے سوچ کے آئے''۔ احد پر تو حیرانی کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے' محریب نے آج پہلی بار اپنے دل کی بات اور سوچیں شیئر کی تھیں۔

''میں تو سمجھتا تھا تم بس ایسے ہی رہو گے مگر تم تو خاصے رومینٹک بندے نکلے''۔ احد معنی خیزی سے چھیڑنے لگا۔

''فضول بکواس کوئی نہیں سنوں گا''۔

''محریب احمد! آپ کا بہت بہت شکریہ' آپ نے مجھے اس قابل جانا اور سب کچھ کہہ دیا''۔

''سنو! اگر میری یہ باتیں شامین بھابی سے کہیں تو سوچ لینا اُسی دن سے بات کرنا تو دور کی بات تمہارا سامنا کرنا چھوڑ دوں گا''۔ محریب نے اسے وارننگ بھی دی کیونکہ شامین کی عنایہ سے کافی دوستی تھی اور وہ یہی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کوئی بات عنایہ کو پتہ چلے' اسی وجہ سے احد سے کوئی بات کرتا نہیں تھا کیونکہ احد کے مذاق اسے بہت غصہ دلاتے تھے۔

''اوکے اوکے ایسا کچھ نہیں کروں گا' تم بےفکر رہو میرے تم بھائی ہو اور میں راز ہی رکھوں گا''۔ اس نے محریب کو مسکرا کے یقین دلایا۔

''مائز کی شادی پر تو تم کچھ اپنے ایکسپریشن ٹھیک کر لینا''۔

''کوشش کروں گا''۔ محریب اسے بتانے کے بعد جیسے کچھ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

''کوشش نہیں' کرنا ہے اور کوئی نخرہ وغیرہ نہیں کرنا ہے سمجھے تم''۔

''یہ تو میرا دادا ابا کیوں بن کے ہدایتیں دے رہا ہے''۔ اس نے اپنے پیچھے سے کشن نکال کے اس پر نشانہ باندھ دیا۔

''اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ بھی سامنے ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ مائز کی شادی میں کوئی ایسی تلخ بات تم دونوں کی وجہ سے ہو''۔ وہ مدبرانہ انداز میں سمجھانے لگا۔

''تم فکر نہیں کرو' اس بات کا مجھے بھی خیال ہے''۔ وہ کھڑا ہوا۔

''ارے بیٹھو تو' شامین سے کہتا ہوں کہ چائے کے ساتھ کچھ نمکین بھی لے آئے''۔ احد اٹھا۔

''نہیں یار! چلوں گا کیونکہ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے''۔ وہ عذر پیش کرنے لگا۔

''کس کے لیے؟'' معنی خیزی سے پوچھا۔

''جس کا تم پوچھنا چاہتے ہو میری ماں نے پہلے ہی سب کچھ تیار کر کے سوٹ کیس بھیج دیا ہے''۔ وہ مسکرا کے بتانے لگا۔

''ہاں شامین اور ندرت بتا رہی تھیں''۔ احد کو یاد آیا' محریب پھر رُکا نہیں۔

............☆☆☆............

زندگی نے اچانک ہی موڑ لیا تھا اور وہ حیران تھا پریشان متفکر' یہ اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ وقت اس پر آئے گا اور جب وہ دل کے ایوانوں میں اندر آتی چلی گئی وہ جیسے خود پر پہرے نہیں بٹھا پایا' اکثر وہ اپنی اس کیفیت سے پریشانی اور فکر میں بھی مبتلا ہو جاتا۔ ابھی اسے اپنے سپنے اور خواہش سنبھال کے رکھنی تھی۔ جب تک وہ اس قابل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ زبان پر بھی نہیں لا سکتا تھا۔ اسے مائز پر رشک آنے لگا ابھی تو اس نے سوچنا شروع کیا تھا اور اسے تعبیر بھی مل رہی تھی۔ فائق کا دل عجیب بوجھل اور بےکل سا ہونے لگا اس کے کمپیوٹر انجینئرنگ کے بھی آخری سال کے چند ماہ ہی تھے' لمبا چوڑا توانا فائق اس بُری طرح ایک لڑکی کے آگے بےسدھ ہوا تھا کہ وہ خود سے ہی جیسے نظریں چُرا رہا تھا۔

''فائق! کیا کر رہے ہو؟'' ندرت دروازہ کھولتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس نے کچھ گڑبڑا کر اور حیرانگی سے ان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

''خیریت تو ہے......'' اس نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ ندرت بھی جب سے مائز کی شادی کا سلسلہ چل نکلا تھا آتی جاتی رہتی تھی کبھی رُک بھی جاتی۔

''ہاں خیریت ہی ہے' وہ فراج آیا بیٹھا ہے تم کچھ اس سے بات چیت کروا کر''۔ اس نے اس کا بازو پکڑا۔

''آپی! آپ نے تو مائز کی شادی کے بعد رکھا تھا یہ سلسلہ' پھر دوبارہ یوں اچانک کیوں؟'' اسے اس کی جلد بازی اچھی نہیں لگی۔

''میری ساس کو جلدی ہے اور پھر میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ دیکھ بھال تو لو تم بڑے بھائی ہو آ کر بیٹھو' محریب بھی وہیں ہے''۔ اس نے سمجھایا۔

''مجھے آپ کی یہ جلد بازی اچھی نہیں لگ رہی ہے' بعد میں آرام سے سوچ سمجھ کے بات کر لیتے' کون سا فراج ابھی جا رہا ہے''۔ وہ برہم ہونے لگا۔

''ہم یمنیٰ کو نمٹائیں گے تو پھر تمہاری طرف آئیں گے''۔ وہ جھٹ بولیں۔

''کیا مطلب میری طرف آئیں گے؟'' وہ جیسے کچھ سمجھا نہیں۔

''ارے لڑکے تمہاری بھی کہیں تو بات چلانی ہی ہے نا''۔

''سوری میرا ابھی تین چار سال تک کوئی ارادہ نہیں ہے''۔ اس نے آئینے میں دیکھ کر اپنے بال درست کیے' بلیو

شرٹ کی فولڈ کی ہوئی آستینیں نیچے کیں' سنڈے تھا سب ہی گھر میں موجود بھی تھے۔

''فضول کی بات نہیں کرو''۔ ندرت غصہ میں آ گئی۔

''یہ فضول کی بات نہیں ہے' آپ کو بتا رہا ہوں یہ میں ہوں مائز نہیں کہ مان جاؤں''۔ حالانکہ تھا ندرت سے چھوٹا مگر رعب بڑے بھائیوں والا رکھا ہوا تھا۔

''مائز کی تو مجبوری میں کرنی پڑ رہی ہے''۔ وہ نرم لہجے میں بولی۔

''جو بھی ہوا گر آپ نے کسی سے بھی میرے سلسلے میں کہیں بات کی تو اچھا نہیں ہوگا''۔ گویا وارننگ دی۔

''کوئی لڑکی پسند کر لی ہوگی تم نے اپنی یونیورسٹی میں''۔

''یہ فضول کی حرکتیں مجھے پسند نہیں ہیں کہ لڑکی پسند کرتا پھروں''۔ وہ غصے میں آ گیا۔

''اچھا اب تم آ تو جاؤ ڈرائنگ روم میں ہیں سب''۔ وہ اسے کہہ کر لب بھینچتی ہوئی چلی گئی' فائق نے بھی تقلید کی ڈرائنگ روم میں گھر کے مرد سب ہی موجود تھے۔ لمبا چوڑا سرخ و سپید رنگت کا فراج خاصا سوبر بھی لگا' فائق نے اس سے ہاتھ ملایا۔ محریب بھی ساتھ ہی بڑے صوفے پر بیٹھا تھا' بڑا سا ڈرائنگ روم جہاں تین خوبصورت سے جدید اسٹائلش صوفہ سیٹ سینٹرل میں دو خوبصورت سی کرسٹل ٹیبل اس پر چند ڈیکوریشن پیسز' وال پر پردے' دو بڑے بڑے فانوس روشنی بکھیر رہے تھے۔

فراج سے سب نے ہی بات کی تھی' معصوم طبیعت کا لگا تھا اس میں عام لڑکوں کی طرح کوئی شوآف بھی نہیں تھی' سر جھکائے مودب انداز میں سب سے ہی گفتگو کر رہا تھا' وہاج بھائی کی تو پوری کوشش تھی کہ ان کے بھائی سے ان کی سالی کا رشتہ طے ہو جائے۔ ندرت' فائق کو بھی نوٹ کر رہی تھی جو نارمل انداز میں ہی اس سے بات کر رہا تھا' ابو' تایا ابو سب ہی کچھ کچھ مطمئن بھی لگے۔ فائق اٹھ کر باہر چلا گیا ندرت کو فکر ہوئی وہ بھی فوراً ہی پیچھے آئی۔

''کیوں کیسا لگا فراج تمہیں؟'' ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ٹھیک لگا ہے مگر ابھی کوئی بھی ایسی بات نہیں کریں گی آپ جو ارادہ ظاہر کرے' میں دو تین بار اور اس سے ملوں گا پھر ہی فیصلہ ہوگا''۔ وہ بالکل بڑے بھائیوں کی طرح بات کر رہا تھا' کبھی کبھی ندرت کو لگتا وہ اس سے بھی بڑا ہو''۔

''ابو اور تایا ابو کو تو پسند ہے''۔

''لیکن ابھی کوئی ہاں نہیں کی جائے گی' ابو اور تایا ابو سے میں خود بات کروں گا' آپ کا تو بس نہیں چل رہا کہ یمنیٰ کو ابھی رخصت کر دیں''۔ نزہت کچن سے نکل رہی تھیں انہوں نے فائق کی بات پر غور کیا' وہ کہہ تو ٹھیک ہی رہا تھا۔

''فائق ٹھیک کہہ رہا ہے''۔ انہوں نے بھی تائید کی۔

''تائی امی! میری ساس تو پوچھیں گی مجھ سے''۔ کچھ روہانسی ہو کر بولی' اسے فائق کی ضد پر بھی غصہ آنے لگا۔

''اپنی ساس کو آپ خود ہینڈل کریں گی مگر فیصلہ اتنی جلدی نہیں ہوگا''۔ وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔

''اونہہ...... تم میں پتہ نہیں اتنی ضد کیوں ہے' ہر بات سے انکار کرتے ہو''۔ وہ خفگی اور ناراضی سے بولی۔

''آپی! آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں' زندگی بھر کے فیصلے اتنی جلدی نہیں کیے جاتے کہ بعد میں پچھتانا پڑے''۔

''جب ابو اور تایا ابو کی مرضی ہوگی تو تمہاری بھی نہیں چلے گی''۔

''مگر یہاں میری مرضی چلے گی' میں جو کہوں گا وہی ہوگا' رشتے جب قائم کیے جاتے ہیں تو سوچ سمجھ کے کیے جاتے ہیں''۔

''میں کیا بُری رہ رہی ہوں' فراج میں' میں نے ابھی تک کوئی برائی نہیں دیکھی ہے''۔ وہ تو اس سے بحث پر ہی آمادہ تھی۔

''جو بھی ہے میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ فراج میں کوئی برائی ہے مگر کچھ وقت تو درکار ہوتا ہے سوچنے سمجھنے کے لیے''۔ وہ کھسیاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''ندرت مان لو بیٹی اس کی بات' یہ بھی غلط نہیں کہہ رہا ہے''۔ نزہت نے رسان سے کہہ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔ وہ آنکھوں میں نمی لے کر پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی' فائق نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا' وہ بھی مجبور تھا صرف اس لیے کہ یہ رشتے اتنی جلدی بلا سوچے سمجھے تو جوڑے نہیں جاتے' جب تک وہ فراج کو پرکھ نہیں لے گا وہ کسی کو بھی کچھ کرنے نہیں دے گا' وہ اپنے بہن بھائیوں سے پیار بھی بہت کرتا تھا۔

رافع سیڑھیاں اتر رہا تھا فائق کو کوریڈور میں سوچوں میں غرق دیکھا تو وہ بغور جائزہ لینے لگا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' فائق نے اسے گھورا۔

''وہ بھائی میں سوچ رہا تھا کہ آپ کھڑے کھڑے سو تو نہیں رہے ہیں''۔ اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''بکومت''۔ اسے ڈانٹ کے وہ باہر نکل گیا' رافع شانے اچکا کے رہ گیا' وہ خود فائق سے بہت ڈرتا تھا مگر کبھی کبھی اپنی جولی طبیعت کی وجہ سے اسے چھیڑ بھی دیتا تھا۔

............☆☆☆............

وہ جیسے ہی آ کے بیٹھا نیاز علی' مسز نیاز اور حمنیٰ وہاں پہلے ہی موجود تھے' اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا' سنڈے کو تو وہ زیادہ آرام کرتا یا پھر کہیں نکل جاتا' آج بھی سارا دن اوپر اپنے کمرے میں ہی رہا مگر پھر شام کے وقت طبیعت کچھ بے زار ہوئی تو نیچے چلا آیا۔

''اٹھ گئے تم''۔ حمنیٰ تو اسے دیکھ کر ہمیشہ کھل پڑتی۔ حمود بلیک پینٹ پر ڈھیلی سی ٹی شرٹ میں ملبوس چہرے پر دنیا جہان کی بے زاری لیے بیٹھا تھا۔

''کیسے ہو بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' مسز نیاز نے مسکرا کے اس کی خیریت دریافت کی۔ نا چاہتے ہوئے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے آداب و اخلاق نبھائے' کلثوم بانو بیٹے کی بے زاری دیکھ رہی تھیں۔ ہشام سالار بھی تنقیدی نگاہوں سے اسے گھورنے لگے مگر انہیں دیکھ کر وہ مودب بن گیا۔

''بیٹا بہت کم نظر آتے ہو''۔ مسز نیاز نے شکوہ کیا۔ وہ بھی حمنیٰ کی طرح ہی خاصی ایڈوانس تھیں' مطلب میک اپ فیشن میں بیٹی سے کم نہ تھیں مگر لباس وہ حمنیٰ والے نہ پہنتی تھیں۔

''حمود بیٹے نے اپنی الگ فیکٹری بھی شروع کر دی ہے''۔ نیاز علی نے ستائشی انداز میں کہا۔ وہ پہلو بدل کر بیٹھ رہا تھا کیونکہ بیٹھنا اسے ناگوار بھی گزر رہا تھا۔

''گڈ!'' مسز نیاز نے تعریف کی۔

''مام! حمود کے ساتھ میں لانگ ڈرائیو پر ہو کر آتی ہوں''۔

''وہ دراصل حمنیٰ! مجھے ابھی ایک کام سے نکلنا ہے' میری کہیں کمٹمنٹ ہے''۔ لحاظ کیے بغیر بالکل صاف انداز میں منع کر دیا۔

''آج سنڈے ہے تمہاری کہاں کمٹمنٹ ہے؟'' ہشام سالار نے نکتہ اعتراض اٹھایا' حمود کچھ گڑبڑایا سٹپٹایا مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھال بھی لیا ورنہ بابا تو اسے گھیر بھی لیتے تھے۔

''محریب سے ملنا ہے بہت دن سے اس سے نہیں ملا ہوں' اس نے اور میں نے آج ڈنر ساتھ کرنا ہے''۔ وہ عذر تراش کے بولا کیونکہ یہ سب کہانی اس نے ابھی تیار کی تھی۔

''بیٹا! کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی وقت گزار لیا کرو' آفس میں بھی تم اپنے کیبن میں ہی رہتے ہو''۔ نیاز علی کو تو اکثر اس سے یہی شکایت رہتی۔

''انکل! میری اس سے پرسوں ہی بات ہو گئی تھی ورنہ میں ضرور آپ کے ساتھ وقت گزارتا''۔ وہ فوراً ہی جان چھڑاتا ہوا کھڑا ہوا مگر بابا کی کھوجتی تنقیدی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں' حمنیٰ الگ بدمزا سی بیٹھی تھی کیونکہ وہ تو موقع تلاشتی تھی حمود کے ساتھ وقت گزارنے کا مگر وہ ہاتھ بہت مشکل سے آتا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھنے لگا' رحمہ نے اسے روک لیا وہ اوپر سے سیڑھیاں اترتی آ رہی تھی۔

''آپ کا موبائل کب سے بج رہا ہے کمرے سے آواز آ رہی ہے''

''اوہ......'' وہ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ کمرے میں آیا تو موبائل بند ہو چکا تھا' اس نے جانے کی جلدی جلدی تیاری کی تاکہ بابا اُسے نہ روک لیں' جھوٹ تو بول دیا تھا مگر لمحوں میں اپنا پروگرام بھی سیٹ کر لیا کہ آج ڈنر وہ منتہیٰ کے ساتھ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کرے گا' کم از کم کچھ پل اس کی سنگت میں گزارنے کو تو ملیں گے' گرے پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں ڈیسنٹ اور سوبر لگ رہا تھا' نفاست سے سنورے بال پرفیوم کی بھینی بھینی مسحور کن خوشبوؤں میں بسا وہ بیٹھا تھا' منتہیٰ نے جب دیکھا کہ وہ ڈنر پر ساتھ لے جانے آیا ہے اس کا تو دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا اور مسلسل اپنا انکار کہلوائے جا رہی تھی' حمود کو حکمت کی پریڈ پر ترس آیا جو کبھی اُن کا پیغام اندر لے جاتی اور کبھی منتہیٰ کا پیغام اسے دے کے جاتی۔

''بیٹا! آپ خود ہی اس سے بات کر لو' مجھے پتہ ہے وہ شرم میں منع کرتی رہے گی''۔ مبینہ نے اس کی گویا مشکل آسان کی' وہ اجازت ملتے ہی کھڑا ہو گیا۔ تہذیب کچن میں رات کے لیے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ جھجکتا ہوا اندر آیا' وہ جب بھی اندر آتا اسے جھجک ہی محسوس ہوتی کیونکہ وہ سب کیا سوچتی ہوں گی کہ پتہ نہیں کب منتہیٰ کو اپنے گھر لے کے جائے گا۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟'' کچھ نرم اور دبی دبی آواز میں بولا تاکہ باہر آواز نہ جائے۔ منتہیٰ گڑبڑا کے چیئر سے کھڑی ہو گئی' پنک کاٹن کے لباس میں سر پر آنچل ڈالے ہوئے تھی۔

''کتنی دیر میں تیار ہو گی''۔ وہ اس کا جائزہ لینے کے بعد سینے پر بازو لپیٹے پُرشوق نگاہوں سے دیکھتا ہوا اس کے بالکل مقابل آ گیا' وہ گھبرا سی گئی' ذرا سی دیر میں ہی اس کا اعتماد بھاگنے لگا۔

''مجھے ایسے اچھا نہیں لگتا چوری چھپے آپ کے ساتھ کہیں بھی آتے جاتے''۔

''یہاں سے تو ہم کسی سے بھی چھپا کے نہیں جا رہے' آنٹی کو بتا کر جائیں گے حتیٰ کہ محریب کو بھی پتہ ہے''۔ لہجہ مخمور بنا لیا۔

''آپ کے گھر میں تو کسی کو نہیں پتہ ہے ابھی کچھ بھی ہو' اور پھر میں خوش فہمیوں کے پل نہیں تعمیر کرنا چاہتی' میری جو حیثیت ہے میں جانتی ہوں زندگی میں بس آپ کے نام کا سہارا چاہیئے تھا اس سے زیادہ کی مجھے کوئی تمنا نہیں ہے''۔ وہ ایک ایک لفظ جتا کر بولتی حمود کو افسردہ اور مایوس سی لگتی تھی' وہ اس کے واہمات خدشات سب سمجھتا تھا مگر وہ اس کے ڈر کو نکال کے اسے اسی طرح پُراعتماد دیکھنا چاہتا تھا جیسے پہلے دن ملی تھی' اسے یہ بھی فکر نہیں تھی کہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکے گی' وہ اتنی پُراعتماد تھی کہ سب فیس کر سکتی تھی۔

''نہیں اگر میں نے بتا دیا تو میرے بابا سب سے پہلے میرا اور حمنیٰ کا نکاح کل ہی کروا دیں گے''۔ مسکرا کے شوخی سے کہا۔ منتہیٰ نے نگاہیں اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا' گرمئی شوخی سے اس کے رخسار کچھ دہک سے گئے۔

''جانم! تمہیں یہ سب سوچنے کی ابھی ضرورت بالکل نہیں ہے''۔ پھر شرارت سے گویا ہوا۔

''سوری میں ایسے طرز تخاطب کی بالکل عادی نہیں ہوں''۔ حمود کے رومینٹک انداز سے پہلے ہی پسینے آ رہے تھے اس پر اس کے ایسے ڈائیلاگ۔

''کیوں میرا طرز تخاطب اتنا بُرا ہے' میں اپنی بیوی سے کسی بھی انداز میں مخاطب ہو سکتا ہوں''۔ وہ مسکرانے لگا۔

''چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ کیونکہ مجھے آج اپنی زندگی کے لمحوں کو اتنا یادگار بنانا ہے کہ ہم دونوں بعد میں یہ دن یاد کریں مگر مل کر ایک ساتھ جب تم میرے گھر میں آ جاؤ گی انشاءاللہ تعالیٰ وہ دن قریب ہے''۔ حمود نے اپنی باتوں میں جذبے اور یقین سمو کے اسے سمجھایا۔

''جس کی زندگی خود اتنی پھیکی اور بے رنگ ہو وہ کیا آپ کی زندگی کے لمحوں کو یادگار بنائے گی' سوائے اس زندگی میں غم فکر اور ٹھکرائے جانے کے''۔

''ہو گئی تمہاری یہ گفتگو' یار! کبھی تو میرے حال پر رحم کر دیا کرو' فون پر بات کرو جب وہی اور سامنے ہو تو جب وہی حال ہے تمہارا''۔ وہ کھسیاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''جب ہی تو کہتی ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں ورنہ آپ کی زندگی کے رنگ بھی پھیکے پڑ جائیں گے''۔ نگاہ اس کی جھکی ہوئی تھی۔

''لگتا ہے مجھے اب تمہارے ساتھ سارے لحاظ اور مروت بالائے طاق رکھ کے تم سے حکم کے انداز میں بات کرنی پڑے گی''۔ وہ تھوڑا غصہ میں آ گیا۔

''پانچ منٹ کے اندر تیار ہو کے باہر آؤ ورنہ میں تمہیں ایسے ہی لے جاؤں گا اور مزید میرے دماغ کے کیڑے کلبلائے تو یہاں چھوڑ کے بھی نہیں جاؤں گا''۔ وارننگ دینے کے ساتھ لہجہ بھی معنی خیز ہو گیا' منتہیٰ نے اسے گھورا جو واپس پلٹ چکا تھا' اسے زبردستی تیار ہونا پڑا' تہذیب نے تو خوب ہی چھیڑا' گرین کپڑوں میں ملبوس بڑی سی چادر لپیٹ کے اس کے سامنے تھی' حمود نے اچٹتی نگاہ ڈالی۔

''آنٹی اجازت''۔ وہ ان سے رخصت لے کر نکل گیا۔ منتہیٰ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی' تہذیب اور حکمت گیٹ تک اسے چھوڑنے آئی تھیں' حمود کے چہرے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی فرنٹ سیٹ پر وہ بیٹھی تھی حمود کے لب کچھ گنگنا رہے تھے' اسے جانے کیوں اس طرح حمود کے ساتھ جانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا' وہ کچھ نہیں بول رہی تھی' حمود اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا' اس کی نگاہ سامنے ونڈ اسکرین سے باہر لاتعلق سی تھی۔

............☆☆☆............

ریسٹورنٹ کا دھیما دھیما ماحول مدھم مدھم پیلی پیلی فانوس کی روشنی میں اس کا چہرہ ایسا چمک رہا تھا کہ حمود ٹیبل پر دونوں ہاتھ کی کہنیاں ٹکائے اس کے چہرے کو اپنی بھوری آنکھوں میں سمو رہا تھا۔

''آنکھوں کے جھروکے سے چپکے سے اجازت بنا لیے دل چرایا دھوکے سے
چپکے سے اور ساتھی میرے

میرے سپنوں میں تیرے خواب آتے ہیں......"

ایک دم ہی ماحول میں عدنان سمیع کی آواز میں مدھم مدھم سونگ نے ماحول کو اور سحر انگیز بنا دیا' منتہیٰ کے عارضوں پر سرخی بڑھنے لگی تھی' وہ حمود کو اپنی جانب وارفتگی اور کھوئے ہوئے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ گھبرانے لگی' اس پر اس سونگ نے اور بہکنے کا سامان کر دیا تھا۔

"آپ کھا نہیں رہے؟" اس کی توجہ ٹیبل پر دھری انواع اقسام کی جانب کروائی جو حمود نے اتنا کچھ منگوا لیا تھا۔

"تم کھاؤ"۔ وہ آنکھوں میں خمار لیے آہستگی سے گویا ہوا۔ منتہیٰ نے اطراف میں نگاہ دوڑائی' ٹیبلز پر موجود لوگ اپنی جگہ کھانے میں مصروف تھے۔

"اتنا کچھ میں اکیلی کھاؤں گی"۔ اس نے جھینپ کے کہا۔

"آج میں تمہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھوں گا"۔

"ٹھیک ہے پھر مجھے کھانا ہی نہیں ہے' کھڑے ہو جائیں مجھے گھر چھوڑ کے آیئے"۔ وہ مشتعل ہو گئی۔

"ارے ارے بیٹھو میں مذاق کر رہا تھا"۔ اس نے بٹھایا۔

"اتنے دنوں بعد تم سے مل رہا ہوں' دیکھ رہا ہوں' اتنا بھی حق نہیں میرا"۔ اس نے منتہیٰ کی پلیٹ میں چکن تکہ نکالا۔

"باقی چیزیں خود نکالو اور میری پلیٹ میں بھی نکالو"۔ فوراً خیال آیا تو اپنے دونوں ہاتھ سمیٹ کے چیئر سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔ منتہیٰ نے اسے گھورا' شرم و جھجک میں اس کی پلیٹ میں بھی اپنی پسند سے ڈال دیا۔

"کھایئے"۔ شہادت کی انگلی سے پلیٹ کی جانب توجہ دلائی۔

"دل کر رہا ہے آج تمہیں کھا لوں"۔ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

"ہاں کھا لیں کیونکہ زندگی نے ہی مجھے اتنا کھا لیا ہے' اب کچھ طلب بھی نہیں"۔ اس کے لہجے اور بات میں ویرانی تھی۔

"اُف مائی گاڈ!" حمود نے اپنا سر ہی تھام لیا۔

"میرے سارے رومینٹک موڈ کو ایسے بے دردی سے ٹھوکر مارتی ہو کہ مجھے غصہ آنے لگتا ہے"۔ منتہیٰ کو ہنسی آ گئی' وہ لب بھینچ کے مسکراہٹ روکنے لگی اور پھر چکن تکہ کو توڑ کے منہ میں لقمہ لے جانے ہی لگی تھی کہ حمود اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑ کے لقمہ اپنے منہ میں لے گیا اور اس کی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا۔

"کیا کر رہے ہیں"۔ وہ گڑبڑا کے گھبرا گئی' اطراف میں کن انکھیوں سے دیکھا کہ کتنے لوگوں نے دیکھا۔

"کوئی نہیں دیکھ رہا ہے' سب اپنے آپ میں مگن ہیں"۔ حمود اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا۔

"آپ کو شرم نہیں آتی ہے"۔ پہلی بار اس نے کچھ کہا۔

"بالکل نہیں"۔ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا کھانے میں بھی مصروف تھا۔

"آپ نے اتنا کچھ منگوا لیا ہے مجھے تو دیکھ کر ہی ایسا لگ رہا ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا ہے"۔ بریانی' چکن تکہ' چکن قورمہ' سلاد' میٹھے میں کسٹرڈ تھا۔

"مجھے اتنی کمزور اپنی بیوی نہیں چاہیئے"۔ وہ پھر بولا۔

"پلیز! کچھ تو خیال کریں آپ"۔ اس نے دبی ہوئی آواز میں ٹوکا۔

"تم میرا خیال کرو کتنا مجھے تڑپاتی ہو اس پر سے اتنی ثقیل گفتگو"۔ اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ اسی اثناء میں حمود کا

ٹیبل پر رکھا موبائل بیپ دینے لگا' دونوں خاموش ہو گئے' حمود نے دیکھا حمنیٰ کی کال تھی۔

"ارے ریسیو کیجیے ناں"۔ منتہیٰ نے اشارہ کیا۔ وہ برے برے منہ بنانے لگا' اس بلا سے بچ کے تو یہاں آیا تھا' کچھ لمحوں میں اسے بھول بھی گیا تھا مگر پھر اسے ڈسٹرب کر دیا۔

"اٹھایئے تو دیکھیے کیا جا رہے ہیں"۔ وہ پھر ٹوکنے لگی۔

"میرا بالکل دل نہیں کر رہا ہے اس سے بات کرنے کو' خوامخواہ گلے پڑ رہی ہے"۔ موبائل اب بند ہو چکا تھا' کال اس نے ریسیو ہی نہیں کی' تشکر بھرا سانس بھرا۔

"آپ کو بات تو کر لینی چاہیئے تھی"۔

"کیا بات کرتا' وہی شکوہ کرتی کہ ڈنر ساتھ نہیں کیا یہ وہ پتہ نہیں کیا پھر بولتی"۔ اس نے کھانا شروع کر دیا۔

دونوں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا' پھر لانگ ڈرائیو پر لے گیا' منتہیٰ کو نیند کے جھونکے آنے لگے' بارہ بجنے والے تھے۔

"مجھے نیند آ رہی ہے گھر چلیں اب"۔ وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔

"اوکے"۔ حمود کو بھی جیسے ترس آیا۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی باہر تھی وہ اترنے لگی۔

"سنو! رُکو پہلے میری بات سنو"۔ اس نے پکارا۔ منتہیٰ رُک کر اس کی جانب دیکھنے لگی' حمود کی نگاہوں میں خمار معنی خیز شرارت اور پھر خود پر اختیار نہ رکھ سکا' اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے' اس کے مضبوط ہاتھ نے شانوں کو تھاما' لگتا تھا لمحے رُک گئے ہوں' اس نے جیسے لمحہ کو قید کرنا چاہا۔ حمود کے ہاتھوں کے لمس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"آئی لو یو"۔ حمود اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا۔

"جی"۔ اسے جیسے یقین نہ آیا ہو ان چمکتی نظروں میں خاص بات تھی۔

"یہ سچ ہے"۔ منتہیٰ کے اس طرح دیکھنے پر جانے کیوں مسکرا دیا۔

"دل نہیں کر رہا تمہیں رخصت کرنے کو مگر مجبوری ہے"۔ منتہیٰ اس سے پہلے کہ وہ مزید بہکے جھٹ فرنٹ ڈور کھول کے اتر گئی' دل کی دھڑکنوں نے بے ہنگم انداز میں شور مچانا شروع کر دیا تھا' وہ مڑی نہیں نہ دیکھا تیزی سے کھلا آہنی گیٹ عبور کر گئی۔

"مجھے پتہ ہے تم اسی طرح بے یقین رہو گی' جب تک میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں' وہ مقام نہ دلاؤں"۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

آج اس نے جتنے بھی لمحے اس کی سنگت میں گزارے وہ امر ہو گئے تھے' وہ تنہائی میں نہ بہکا تھا نہ ہی اس نے کوئی ایسی بے باکانہ حرکت کی تھی کہ وہ شرمندہ ہوتا وہ اس کی بیوی اور منکوحہ تھی' ہر چیز اپنے وقت پر حاصل ہو تو زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اس سے دل پر بوجھ بھی نہیں رہتا' پھر اسے خود پر زیادہ نہیں تو کچھ تو کنٹرول حاصل تھا۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

Express
your thoughts
beautifully
شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 17
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

ہر بار ان کی بیٹی کی زندگی کا مسئلہ ہی بنتا رہا اور آج پوری محفل میں وہ تماشہ بن گئی تھی' آخر اس کی زندگی میں کیا ہونے والا تھا وہ بالکل گم صم سے کھڑے تھے' فائق اسی وقت پہنچا تھا بڑی مشکل سے منا کے لایا تھا تہذیب کو مگر یہاں کی تو کایا ہی پلٹی ہوئی تھی' مائز کی بہادری پر وہ انگشت بدنداں رہ گیا' ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا' ادھر محریب نہیں مان رہا تھا اُدھر عنایہ کا رو رو کے بُرا حال تھا۔

''بھائی جان! آخری بار کہہ رہا ہوں آپ ابھی بھابو سے نکاح کے لیے تیار ہیں تو میں شادی کروں گا ورنہ میں جا رہا ہوں میری بھی شادی نہیں ہوگی''۔ وہ جھٹکے سے چہرے پر قطعیت لیے کھڑا ہوا۔

''محریب! میرے بیٹے مان جاؤ' مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے اتنے دکھ سہنے کی''۔ جواد احمد نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' محریب نے شرمندہ ہو کر ان کے ہاتھ تھام لیے' مائز کو خود الگ ان سب کا خیال آ رہا تھا' کیسے پُر رونق تقریب کو اس نے اپنی ضد سے بے رونق کر دیا تھا۔ صرف اس نے یہ اس لیے کیا تھا کہ بعد میں اس کے بھائی کو بھابو سے کوئی الگ نہیں کر سکتا' وہ اتنا تو کر سکتا تھا کہ ان دونوں کو ملوا دے۔

''چاچو! مجھے شرمندہ نہیں کریں''۔

''پھر مان جاؤ' میری عزت کا خیال کرو''۔ وہ اتنے دکھی اور مغموم سے تھے کہ آنکھوں میں ان کے نمی بھی موجود تھی۔

''جیسے سب کی مرضی''۔ اس نے مجبور ہو کے گھٹنے ٹیک دیئے' اسے مائز پر بھی غصہ آ رہا تھا' پتہ نہیں اسے مائز پر پہلے سے ہی شک تھا کہ وہ مہندی والے دن کا بدلہ ضرور لے گا کیونکہ وہ خاموش جو تھا۔

اسے کچھ خبر نہ تھی اس نے کب ایجاب و قبول کیا' سکتہ تو جب ٹوٹا جب آپی نے اس کا ماتھا چوم لیا اور پھر وہ آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکی' سارا میک اپ اس کا ڈھل گیا' وشہ کا نکاح ہوا مبارک سلامت کا شور اٹھا' سمیرا بیگم کی تو سٹی ہی گم تھی' یہاں پہلے ہی مرحلے میں مائز نے انہیں مات دے دی تھی' آج ان کے ہاتھ سے سب پھسل گیا تھا۔

''تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں''۔ فائق نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ مائز چہرے پر فتح مند مسکراہٹ لیے اسٹیج پر بیٹھا تھا' سب مبارکباد دینے آ رہے تھے' محریب تو غائب ہی ہو گیا تھا۔

''دل تو یہ کر رہا تھا کہ تمہارا ابھی نکاح تہذیب سے کروا دوں''۔

''فضول مت ہانکا کرو''۔ اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔

''اتنی دیر سے تھے کہاں؟''

''بھاڑ میں''۔ وہ سنگ کے اسٹیج سے نیچے اتر گیا' مائز نے مسکرا کے دیکھا' نگاہ محریب کو ڈھونڈ رہی تھی مگر وہ تو نکاح کے بعد سے کہیں غائب ہی ہو گیا تھا' ڈنر تک بھی وہ نظر نہیں آیا' گڑیا سی وشہ کو اس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا تھا' سب ہی ان دونوں کو دعائیں دے رہے تھے۔

دادی جان تو عنایہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں' عنایہ ایک بار بھی مائز کے پاس نہیں آئی تھی بلکہ اس کا دل تو اور بھی خراب ہو گیا تھا' غصہ الگ آ رہا تھا ایسی شرط رکھ کے اس نے سب کے سامنے عزت دو کوڑی جو کر دی تھی۔ عنایہ کے دل کی دنیا ہی بدل گئی تھی' اتنی اچانک یوں اس کی شادی کی گئی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا' دل دھک دھک کر رہا تھا' مائز اب نئی ضد نہ کر بیٹھے کہ رخصتی بھی ہو گی۔

''نہیں ایسا تو بالکل نہیں''۔ وہ گھبرا گئی۔ مگر شکر ہی ہوا ایسا کچھ نہیں کہا گیا' مووی تصویروں تک میں وہ نہ بیٹھی تھی' منتہیٰ نے اسے دل کھول کے مبارکباد دی۔

''ارے شکر کرو ناں''۔

''تمہیں نہیں پتہ مجھے کتنی سب کے سامنے شرمندگی ہو رہی ہے''۔ وہ سر جھکا کے بولی۔

''ارے عنایہ! قسمت میں تمہاری ایسے ہی ہونا تھا''۔ عنایہ کچھ نہیں بولی' وشہ کو دور سے ہی دیکھ رہی تھی' آپی اور ماں اس کے پاس اسٹیج پر تھیں' ساری محفل کا مزہ اس دن سمیرا نے خراب کیا اور مائز کی اس ضد سے اور ہو گیا تھا' عنایہ کو محریب ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا' لگتا تھا وہ گھر چلا گیا تھا۔

............☆☆☆............

''مجھے تو مائز کی ہمت اور بہادری پر حیرانگی ہے یار! تو منہ کیوں لٹکائے ہوئے ہے''۔ احد اسے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ وشہ رخصت ہو کر آ چکی تھی' ساری خواتین مائز کے بیڈ روم میں تھیں اور مائز' محریب کے بیڈ روم کے باہر کھڑا ہوا تھا' اسے پتہ تھا اس کا بھائی اس سے سخت ناراض ہے۔

''یہ بہادری اور ہمت ہے' ارے پوری محفل میں سر اٹھانے کا نہیں رکھا اس لڑکے نے مجھے''۔ وہ اتنا غصے میں تھا کہ احد بھی سمجھاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

''اب تو ہو گیا اپنا موڈ درست کر اور یہ تو نے اچھا نہیں کیا شادی چھوڑ کے وہاں سے آ گیا' کیوں؟''

''کس منہ سے بیٹھتا''۔ وہ چیخا۔

''ارے سب بہت خوش ہیں''۔

''یہ خوش ہونے والی بات ہے کہ مائز نے کتنی گھٹیا حرکت کی کہ اپنے نکاح سے پہلے کیا شرط رکھی''۔ مائز نے ڈرتے ڈرتے قدم اندر رکھا' محریب کی اسی وقت نگاہ اٹھی مگر غصے میں پھیر لی۔

''احد! اس سے کہو یہ یہاں سے چلا جائے''۔

''یار بھائی جان! اتنی ناراضی وہ بھی غصے کے ساتھ آپ پر تو بالکل سوٹ نہیں کرتی''۔ مائز اپنی پُر مزاح طبیعت کے ساتھ اس کے سامنے آیا۔ محریب کی غصیلی نگاہ نے اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

''سوری بھائی جان! اب تو ہو گیا نکاح''۔

''تم میرے کمرے سے نکل جاؤ' مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے''۔ اس نے باہر کی جانب اشارہ کیا۔ احد تاسف بھرے انداز میں دونوں بھائیوں کو دیکھنے لگا' کیونکہ محریب اتنا بھرا ہوا تھا کہ وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''بے شک بات نہ کریں میری سن تو لیں''۔

''بہت بڑے ہو گئے ہو نا کہ دوسروں کی زندگی کے فیصلے کرتے پھرو تم''۔ محریب مٹھیاں بھینچ کے اندر کے انتشار کو روکنے لگا۔

''دوسرے میرے اپنے ہیں اور پھر میں نے ایسا کچھ غلط تو نہیں کیا''۔ مائز بہت افسردگی سے گویا ہوا۔

''مجھے تم سے نہ کچھ سننا ہے اور نہ کہنا ہے''۔ وہ پشت پھیرے اسی طرح تیز لہجے میں بول رہا تھا۔ احد نے اشارے سے مائز کو جانے کا اشارہ کیا مگر وہ لگتا تھا یہاں سے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اسی طرح مجھ سے ناراض رہیں گے' میں بھی اپنے بیڈ روم میں نہیں جاؤں گا''۔ مائز نے اسے نرم کرنے کا نیا پینترا بدلا۔

''کیا......؟'' وہ اسی وقت ایڑیوں کے بل گھوما۔

''جی اگر میں غلط ہوں اور میں نے آپ کے ساتھ غلط کیا ہے تو کیا فائدہ پھر مجھے بھی اس شادی کے بندھن کو نبھانے کا''۔ وہ جانے لگا۔

"مائز......!" محریب نے گرجدار آواز میں اسے پکارا' احد تو سر پکڑ کے مائز کی دیدہ دلیری پر حیرت و انبساط میں مبتلا ہو گیا کیونکہ مائز کو اس نے ہمیشہ شوخ کھلنڈرا ہی سمجھا تھا مگر یہاں تو وہ سب سے بازی لے گیا۔ مائز کے قدم رک گئے چہرے پر اس کے سنجیدگی تھی اور وہ نگاہ تک نہیں ملا رہا تھا' محریب اس تک آیا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر لگا دیا۔

"رہی سہی جو تھوڑی عزت ہے وہ بھی ختم کر دینا ہم سب گھر والوں کی' کبھی عقل کا استعمال نہیں کرنا"۔ مائز متوحش سا اپنا گال سہلا رہا تھا' احد تو اچھل ہی گیا اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ دونوں کو کیسے سنبھالے۔

"تم ہو ہی نہیں اس قابل کہ تمہاری شادی ہوتی' پتہ ہے تم نے مجھے ہلا کے رکھ دیا ہے"۔ اس نے مائز کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا' مائز لب بھینچے اپنے بھائی کو دیکھتا رہا' اسے یہ ذرا برا نہیں لگا کہ اسے تھپڑ مار دیا بلکہ وہ کسی بھی طرح اپنے بھائی کے اندر کا انتشار نکالنا چاہتا تھا' اسے پتہ تھا وہ بعد میں نارمل ہو جائے گا۔

"سوری بھائی جان!"

"سوری کہنا کتنا آسان ہے' سب ٹھیک ہو سکتا ہے جو تم نے پوری محفل میں ہنگامہ کیا' اپنی فضول شرط رکھی سب بھول گئے"۔ وہ ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔

"یار محریب! بس کر' بے چارہ دیکھ کتنا شرمندہ ہے"۔

"ارے یہ شرمندہ ہو گا' امی نے ٹھیک کہا تھا یہ ابھی بچہ ہے' میں ہی بے وقوف تھا جو اس کی شادی خوشی وشہ سے کروا دی"۔

"آئی ایم سوری بھائی جان!" مائز نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"میری نظروں کے سامنے سے چلے جاؤ' مجھے تمہاری کوئی سوری نہیں چاہیے' اگر خیریت چاہتے ہو تو سیدھے اپنے بیڈ روم میں چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا"۔ محریب کا غصے سے تنفس تیز تیز چل رہا تھا' کسی کی بھی ہمت نہیں پڑی تھی کہ اس کے کمرے میں آتا' وہ تو احد نے ہی ہمت کی اور اسے سمجھانے کا سوچ کے اندر آیا۔

"آپ مجھے معاف کریں گے جب ہی بیڈ روم میں جاؤں گا"۔ وہ بھی اڑیل ضدی بن گیا۔ محریب نے اس کا ہاتھ جھٹکے سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اس کے کمرے میں لے جانے لگا' سب حیرانگی سے دیکھ رہے تھے' سارے ہی وہاں موجود تھے۔ فائق کپڑے چینج کرنے نکلا تھا' ندرت اور نزہت' وشہ کے پاس بیڈ روم میں تھیں۔ نزہت بیگم نے چونک کے دونوں کو دیکھا' محریب چوکھٹ میں ہی رک کے کھڑا ہو گیا اور مائز کو اندر دھکا دیا۔

"سنبھالیے اسے' اگر اس نے مزید کسی بھی فضول حرکت کے بارے میں سوچا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہو گا"۔ وہ سخت لہجے میں وارننگ دیتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا کوریڈور عبور کر گیا۔

"تم دونوں میں جھگڑا ہوا ہے؟" نزہت بیگم گھبرا گئیں۔ وشہ دلہن بنی بیڈ پر اس کے انتظار میں ہی تھی' ندرت اسے جوس پلا رہی تھی' وہ بھی چونک کے مائز کے چہرے کو دیکھنے لگی' ابھی تک اس نے وشہ پر نگاہ تک نہیں ڈالی تھی۔

"جھگڑا تو نہیں ہوا البتہ بہت غصے میں ہیں"۔ وہ بتانے لگا' فکر بھی ہونے لگی کہ محریب پتہ نہیں کب تک غصے میں رہے۔

"میں اسے دیکھتی ہوں"۔ نزہت بیگم ماں تھیں وہ اس کی حالت سمجھ رہی تھیں' ندرت بھی کمرے سے نکل گئی۔ مائز نے مسکرا کے پورے کمرے کا جائزہ لیا جو محریب نے ہی سارا ڈیکوریٹ کروایا تھا' اس کے بھائی نے اس کی شادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی' وشہ کا دل دھک دھک کرنے لگا' وہ ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔

...........☆☆☆...........

اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک سے ایک دوسرے کے بنا دیے جائیں گے' اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش ہو یا سوگ منائے یا اپنی قسمت پر رشک کرے' اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیونکہ جس شخص کی سرد مہری اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی وہ تمام تر حقوق لے کر اس کا مالک بن چکا تھا۔ وہ نہ خوشی منا پائی اور نہ ہی سوگ کیونکہ اس کی ماں کب خوش تھی اور سوگ مناتی تو وہ شخص تو پہلے ہی خوش نہیں تھا اور اب جانے کیا تاثرات ہوں گے۔

حیدر آبادی ڈریس میں وہ مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی' لمبا کلیوں کا نیٹ کا کرتا اس پر کامدانی اور کنٹراسٹ میں پنک اور گرین تھا میچنگ جیولری دراز بالوں کی چوٹی میں پراندہ ڈالا ہوا تھا' آئی بار بار اسے ہدایت دے رہی تھیں کہ اہتمام سے تیار ہو کیونکہ اس گھر کی بڑی بہو ہو' ساری تیاری کمپلیٹ تھی سب ہی ولیمہ پر جانے کے لیے تیار تھے' سمیرا بیگم کا ہنوز چہرہ تپا ہوا تھا وہ تو صرف اپنی بھابی کی وجہ سے زبان کو قابو میں رکھا ہوا تھا کیونکہ ان کی ماں نے اچھی خاصی جو سنائی تھیں۔

ولیمہ کی تقریب خاصی پُر وقار تھی' وشہ گرین اور لائٹ پنک کنٹراسٹ لہنگے میں بہت پیاری لگ رہی تھی' آج تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی' عنایہ کے دل کو گونہ گوں سکون ہوا تھا۔ مائز بھی سب سے سلام دعا کرتا پھر رہا تھا پورے ہوٹل کا گارڈن لائٹوں سے جگمگا رہا تھا' نشاء اور روبا تو وشہ کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور وہ دادی جان کے پاس آ گئی آج تو اسے اتنا عجیب سا لگ رہا تھا کہ کسی سے بھی نگاہ نہیں ملا رہی تھی۔

"آج کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بچی"۔ دادی جان نے اسے اپنے گلے لگا کر پیار کیا۔ تائی امی اور چھوٹی تائی نے بھی بہت دعائیں دی تھیں۔

"ارے اِدھر تو آؤ"۔ ندرت اس کا ہاتھ تھام کے لے گئی' عنایہ کو سب کے سامنے شرم آ رہی تھی' محریب اسے ابھی تک نظر نہیں آیا تھا' دل افسردہ بھی ہوا مگر خود کو پھر نارمل کیا۔ پوری محفل میں سب اسے ہی معنی خیزی سے دیکھ رہے تھے اور چھیڑ بھی رہے تھے' بڑی امی نے کئی بار اسے اپنے ساتھ لگا کے پیار کیا تھا' وہ جھینپی ہوئی تھی' مائز اسے کب سے دیکھ رہا تھا جو اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔

"آج تو لوگ پہچانے ہی نہیں جا رہے"۔ مائز نیوی بلیو تھری پیس سوٹ میں ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ عنایہ نے خفگی بھری نگاہوں سے اسے دیکھا' کیونکہ کل جو کچھ بھی ہوا سب اس کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تھا' وہ آگے بڑھ گئی۔

"بھابو! اِدھر آپ ناراض ہیں اُدھر بھائی جان' پلیز اب تو معاف کر دیں"۔ وہ مسکین سی معصوم صورت بنا کے بولا۔

"مجھے تم سے اتنی بڑی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی"۔

"یار! کیا ہے عقلمندی کا مظاہرہ کیا کوئی سراہ ہی نہیں رہا ہے سوائے وشہ کے' وہ تو بہت خوش ہے"۔ وہ افسردگی سے بولا۔ عنایہ نے ہنستی مسکراتی اسٹیج پر بیٹھی وشہ پر نگاہ ڈالی' نشاء اور روبا سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی اور آگے جانے لگی' اسی وقت اس کی نگاہ محریب پر پڑی' اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس وہ بھی اپنے سپاٹ تاثرات کے ساتھ تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا' راستہ ایسا تھا کہ دونوں ہی آمنے سامنے تھے' عنایہ کی شرم سے نگاہیں زمین پر گڑ گئیں جبکہ وہ نارمل سے انداز میں اس کے برابر سے نکل گیا۔ احد کی نگاہوں نے تعاقب کیا جو کسی بھی قسم کا تاثر دیے بغیر جو نکل گیا تھا۔

"خیریت سے تو ہو؟" احد نے اسے جا لیا۔ محریب نے ناگواری سے اسے دیکھا تو وہ جز بز سا ہو گیا۔

"یار! تم کل سے اتنے سپاٹ سے انداز میں ہو' غصہ کی وجہ سے تم کسی سے بات نہیں کر رہے' یار عنایہ سے تو کر لو"۔

"تمہیں تو بہت شوخیاں اور معنی خیزیاں سوجھتی ہیں"۔ وہ احد کو گھور کے بولا۔

"یار! تمہاری آدھی شادی ہوئی ہے"۔
"تمہیں یاد ہے میں نے تم سے کیا کہا تھا' مجھے قسطوں میں یہ لڑکی نہیں چاہیے"۔
"مجھے یاد ہے اچھی طرح"۔ احد نے اپنی مسکراہٹ روکی۔
"پھر کیا خیال ہے مائز سے کہوں رخصتی کا ہنگامہ شروع کردے"۔
"شٹ اپ' فضول کی مت ہانکا کرو"۔ محریب نے اسے درشت لہجے میں ڈانٹ دیا۔
"سوری یار! میں مذاق کررہا تھا"۔ محریب آج تو کسی سے بھی بات نہیں کررہا تھا' نزہت بیٹے کی ناراضی سمجھ رہی تھیں۔ عنائیہ شامین کے ساتھ اسٹیج پر چڑھی تھی' وہ دور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی' کل تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا اور آج وہ یوں اس کے سامنے بھی بندھن میں بندھنے کے بعد' کل تک وہ دور تھی اور آج تو اتنے پاس تھی کہ کوئی پابندی نہیں تھی' کل تک وہ اس کے لیے سراب لگ رہی تھی اور آج تو حقیقت میں اس کے نام کے ساتھ جڑ گئی تھی' کل تک وہ لا حاصل تھی اور آج حاصل ہوگئی تھی' مگر دل وہ اطمینان اور خوشی اپنے اندر محسوس ہی نہیں کررہا تھا' دل کی دھڑکنوں نے شور مچایا تھا' آج وہ اس کی مکمل بن چکی تھی تو دل میں بے چینی کیوں؟ جھنجھلاہٹ کیوں ہورہی تھی؟ کیوں اتنا بے زار سا ہورہا ہے؟" وہ اپنی رضامندی سے تو اس کے ساتھ بندھن میں نہیں بندھی تھی' وہ زبردستی کا تو قائل ہی نہیں تھا پھر اس کے ساتھ زبردستی ہی ہوئی' مائز نے اس کے چھوٹے بھائی نے اسے اتنا مجبور کردیا تھا کہ اسے ماننے بنی اور عنائیہ اس نے بھی تو خوب واویلا مچایا تھا' اسے یہی دکھ تھا کہ اسے صرف اپنی ماں کی پرواہ ہے' کیا اسے خوشی ہے یا نہیں؟ دل کو یہی بے چینی تھی خود کو بالکل ہی سپاٹ بنالیا تھا' اپنے جذبات کی لگام اس نے سختی سے پکڑی ہوئی تھی' اس کی طبیعت میں شروع سے ٹھہراؤ تھا اور وہ یہی رکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

حمود کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ مائز کے ولیمے پر بھی نہیں جاسکا' اتنا نزلہ اور فلو ہوگیا کہ اس سے دو دن تک بستر سے اٹھا ہی نہیں گیا' رحمہ کو مائز کے ولیمے پر نہ جانے پر بہت دکھ تھا کیونکہ ایسے فنکشن اٹینڈ کرنے میں اسے بہت مزا آتا تھا۔ حمود کا چہرہ اتنا اتر گیا تھا کہ کلثوم بانو نے اس کی نظر بھی اتاری۔
"ان کو کون نظر لگا سکتا ہے"۔ رحمہ اس کا تمسخر اڑانے لگی۔
"چپ کرو بدتمیز' ہر وقت بھائی کو چڑاتی رہتی ہے"۔ کلثوم بانو نے اسے سرزنش کی۔ حمود نے ٹشو کا گولا بنا کے اس کے منہ پر اچھالا۔
"کیا ہے بھائی! گندے مجھے لگائیں گے نزلہ"۔ اس نے گھن کھا کے ٹشو کو دور پھینکا۔
"کھول کے تو دیکھو نزلہ لگا ہوا تو نہیں ہے"۔ حمود اپنے شاہانہ سے وسیع و عریض بیڈ پر ڈبل تکیوں کے سہارے دراز تھا' گلاس وال کے سارے پردے ہٹائے ہوئے تھے' ٹی وی بھی چل رہا تھا۔
"بہت ہی گندے ہیں"۔ وہ چڑ کے چلی گئی۔ کلثوم بانو اس کی نظر اتارنے کے بعد مرچیں لے کے کمرے سے چلی گئیں۔ حمود آنکھیں بند کرکے منتہیٰ کو سوچنے لگا' جب سے مائز کی شادی سے واپس آیا تو دوسرے دن ہی نزلہ اور بخار ہوگیا تھا۔ محریب سے فون پر معذرت کرلی تھی کہ وہ مائز کے ولیمے پر نہیں آسکے گا۔ اس نے منتہیٰ کو بھی کہہ دیا تھا کہ وہ بیمار ہے' وہ پھر اس دن سے کئی بار کال کرکے حمود کی طبیعت پوچھتی رہی' حمود سرشار سا ہوگیا کہ وہ کچھ تو نرم جذبہ رکھتی ہے' جب ہی وہ اس کی فکر میں مبتلا بھی تھی۔ وہ کئی پہروں اسے سوچنا چاہتا تھا جو اس کے دل میں اپنا قبضہ جما چکی تھی' جس کی مدھر ہنسی اور سادہ باتیں کتنی دل کو چھوتی تھیں' چہرے پر اتنی ملاحت ہوتی کہ وہ اکثر مبہوت زدہ رہ جاتا۔

اس نے نگاہ اپنی دائیں جانب ڈالی' سائیڈ دراز پر اس کا موبائل پڑا تھا' دل کہہ رہا تھا کہ اس کی پھر اچانک سے کال آجائے مگر ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے کیا تھا اور وہ اسے کال بند کرنے ہی نہیں دے رہا تھا۔
"ہائے حمود! تم دو دن سے بیمار ہو' مجھے تم نے بتایا بھی نہیں"۔ حسنیٰ کی شوخ اور تیز آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی' وہ اچھل ہی گیا' بڑا سا بکے اس کے پاس ہی بیڈ پر رکھا۔ چہرے پر اپنے ایسی فکر مندی طاری کی ہوئی تھی کہ جیسے حمود کا بہت ہی خیال کرنے والی ہو۔
"کیوں اپنی بیماری کا سارے شہر میں اعلان کرواتا"۔ اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔ حسنیٰ بلیک ٹراؤزر پر پنک شرٹ لمبی سی جس پر لمبا سا اسکارف جانے کیسے ڈریس پہنتی تھی' حمود کو سخت گراں گزرتے اور وہ جو اس کی سب کچھ تھی شرم و حیا کے پیکر میں لپٹی کوئی ماورائی مخلوق لگتی' چہرے پر ذرا بھی میک اپ نام کی چیز نہ ہوتی' ہاتھوں تک میں اس کے کوئی بھی رنگ یا چوڑی تک نظر نہیں آتی تھی اور یہ حسنیٰ نیاز علی اس کے لمبے ناخن دیکھ کر حمود کو ابکائی سی محسوس ہوئی۔
"پھر بھی مجھے بتاتے تو' تم موبائل بھی ریسیو نہیں کرتے ہو حمود! کم از کم میرے ساتھ ایسا سلوک تو نہیں کیا کرو"۔ وہ بڑے لاڈ سے منہ بسور کے شکوہ کرنے لگی' حمود پیچھے کھسک کے لیٹا کیونکہ وہ اپنے دونوں گھٹنے موڑ کے اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھنے لگی۔
"میں تمہاری ہی نہیں کسی کی بھی کال ریسیو نہیں کررہا ہوں"۔
"ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جب کال کی تو تمہارا نمبر بزی جارہا تھا"۔ وہ جیسے ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔
"سیل کی چارجنگ ختم ہوگی"۔ حمود کو اس کی جرح پر غصہ آنے لگا۔ کیوں وہ اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے' کچھ دیر پہلے وہ منتہیٰ سے بات کررہا تھا اس لیے بزی جارہا تھا' اس لڑکی سے جھوٹ جب بھی بولتا بڑے اعتماد سے بولتا تھا۔
"چلو چھوڑو یہ بتاؤ میڈیسن لے رہے ہو؟"
"ہوں لے رہا ہوں"۔ اس پر بے زاری اور چڑچڑاہٹ سوار ہونے لگی۔
"پلیز حمود! اتنے ڈل مت بنو"۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں' تمہیں اتنی کیوں فکر رہتی ہے میری"۔
"اس لیے کہ تم اور میں فیوچر میں ہسبینڈ اور وائف ہوں گے"۔ حسنیٰ نے گویا اسے یاد دلایا۔
"حسنیٰ! سوری مجھے نماز پڑھنی ہے"۔ وہ بیڈ سے اترا' لان میں شام کی سرمئی پھیل چکی تھی' ناریل کے درخت ہوا سے جھوم رہے تھے' نماز تو منتہیٰ کی وجہ سے وہ پابندی سے پڑھنی شروع ہوگیا تھا۔
"کیا تم نماز......" حسنیٰ کو جیسے حیرانگی کا جھٹکا لگا۔
"کیوں میں مسلمان نہیں جو تم اتنی حیران ہورہی ہو"۔ حمود نے اپنے کرتے کی آستین فولڈ کی' طبیعت خراب تھی وہ گھر میں ہی نماز پڑھ رہا تھا۔
"میرا مطلب ہے کہ تمہیں میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے"۔ وہ خجل سی ہوگئی۔
"پلیز تم نیچے جاکے بیٹھو میں نماز پڑھ لوں پھر تم سے بات کروں گا"۔ وہ واش روم میں وضو کرنے کے لیے چلا گیا' حسنیٰ کے چہرے کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا' جیسے حمود نے اس کی بے عزتی ہی کی ہو' آنکھوں میں آنسو بھی آئے مگر وہ چپ چاپ چلی گئی' مغرب کی اذانیں شروع ہوگئیں تھیں' اس نے نماز پڑھی اور بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگنے لگا۔ جب بھی وہ نماز پڑھتا اس کے دل کو اتنی طمانیت ملتی کہ ہر چیز اتنی صاف اور اجلی لگتی کہ وہ آنکھیں بند کرکے اپنے رب سے اپنے گناہوں کی غفلت کی معافی مانگتا اور یہ دعا ضرور مانگتا منتہیٰ اور اسے ہمیشہ ساتھ رکھنا۔ نماز پڑھ کے

جائے نماز تہہ کر کے وارڈ روب میں رکھی اور دوبارہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا' نزلہ اور بخار کی وجہ سے اسے چکر بہت آ رہے تھے' ہشام سالار نے ڈاکٹر کو گھر بلا کر اس کا چیک اپ وغیرہ کروایا تھا' وہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی بیماری سے خاصے فکر مند ہو گئے تھے۔

..........☆☆☆..........

شادی کے بعد سب ایسے تھکن اتار رہے تھے کہ جیسے سب دوسرے ملک گئے ہوئے تھے' ایک ہفتے تک تو ندرت نے برداشت کیا اس کے بعد تو وہ باقاعدہ لڑنے ہی آ گئی کیونکہ یمنیٰ اور فراج کے رشتے پر کوئی بات ہی نہیں کر رہا تھا۔

"ابو! سب نے اچھی طرح فراج کو پرکھ تو لیا ہے اب بھی کوئی شک ہے کیا؟" ندرت نے فائق پر طنز کیا وہ بھی خفگی کے ساتھ۔ وہ یونیورسٹی سے کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا' فریش ہو کے وہ نیچے ہال کمرے میں آ گیا' نائلہ اس کے لیے چائے وغیرہ کے ساتھ کافی کچھ لوازمات بھی لائی تھیں' وہ کاؤچ پر بیٹھا تھا اور نگاہ اس نے ندرت پر ڈالی۔

"ہاں ہم کچھ دن میں جواب دے دیں گے تم اتنی فکر نہیں کرو"۔ رضوان احمد نے اسے تسلی دی۔

"ابو! پھر بھی آپ کچھ تو عندیہ دے دیں' میری ساس مسلسل مجھے کہے جا رہی ہیں کہ تم نے جواب نہیں لیا ابھی تک"۔

"آپ اپنی ساس سے بولیں کہ اگر انہیں اتنی جلدی ہے تو دوسری جگہ لڑکی دیکھ لیں"۔ فائق گرے قمیض شلوار میں ملبوس چہرے پر سنجیدگی اور رعب لیے ہوئے تھا۔ ندرت نے اسے گھورا تھا' اس سے چھوٹا تھا مگر جانے کیوں یمنیٰ کے معاملے میں وہ اتنا بڑا' اس سے بھی بڑا بنا ہوا تھا۔

"پتہ ہے لڑکیوں کے لیے آج کل رشتہ ملنا کتنا مشکل ہے"۔ وہ غصے سے بولی اور عروب کو واپس اپنی گود میں بٹھا لیا جو فائق کے بلانے پر اس کے پاس جا رہی تھی۔ فائق نے جز بز ہو کر پہلو بدلا' رضوان احمد نے بھی ندرت کی یہ حرکت نوٹ کی' نائلہ تو ان باپ بیٹے کے درمیان کچھ بول ہی نہیں سکتی تھیں' فائق اپنی عمر سے زیادہ بڑا دکھائی دیتا تھا' اس کے ہر انداز میں' گفتگو اور سوچ میں سمجھداری تھی۔

"ندرت! ہم رشتے سے منع تو نہیں کر رہے ہیں' کچھ سوچ سمجھ کے بہتر فیصلہ کریں گے"۔ رضوان احمد کو ندرت کا ناراض ہونا بھی بجا لگ رہا تھا۔

"اپنی شادی پر تم اپنی مرضی چلانا' یمنیٰ کا فیصلہ کرنے کے لیے ابو اور امی موجود ہیں"۔ وہ فائق سے دوبدو ہوئی' فائق خجل سا ہو گیا۔

"آپی! کبھی مجھ سے بھی کام کیا کریں آپ"۔

"ساری سمجھ نہیں ہے کیونکہ تم [illegible] سب سے عقل مند ہو' ساری عقل بھی تمہارے پاس ہے"۔ وہ عروب کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوئی' یہ بھی غصے کا اظہار تھا۔

"بیٹھو کہاں جا رہی ہو؟" نائلہ فکر مندی سے بولیں۔

"امی! میں اب اس گھر میں نہیں آؤں گی' یہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میں آؤں"۔ وہ باقاعدہ رونے لگی' نزہت بیگم کوریڈور سے گزر رہی تھیں انہوں نے رک کے ہال کمرے میں جھانکا تو وہ بھی چلی آئیں۔

"نہیں ابو! میں یہاں نہیں آؤں گی' دیکھ لی میں نے اپنی اہمیت کتنی ہے' یہ مجھ سے بڑا بنا ہوا ہے ہر بات میں بولتا ہے"۔

"ارے ندرت بیٹا! تم ایسا غلط نہیں سوچو میرے بچے"۔ ریحان احمد نے اٹھ کر شانے سے لگا کے پیار سے

سمجھایا۔ فائق خفیف سا ہو رہا تھا' بعض اوقات اسے اپنی اس بہن کی عقل پر حیرانی ہوتی تھی کہ بات کو جانے کیوں سمجھتی نہیں' وہ کھسیا کے اٹھ گیا۔

"کیا ہو گیا ندرت؟" نزہت بیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بھابی! وہی یمنیٰ اور فراج کی بات کرنے آئی ہے"۔ ریحان احمد نے بتایا۔

"اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے"۔

"تائی امی رونے کی تو بات ہے میرے بھائی کو جانے کیا ضد سوار ہے"۔ اس نے فائق پر پھر طنز کیا۔

"آپی! آپ غلط بات نہیں کریں آپ کی سمجھ کیا اتنی چھوٹی ہے"۔ وہ بھی کچھ تیز لہجے میں بولا۔

"نہیں تمہیں تو بہت عقل ہے' دیکھوں گی تمہیں شادی کے بعد کیا کرتے ہو اپنی چلاتے ہو یا اپنی بیوی کے کہنے پر چلتے ہو"۔ ندرت کا بس نہیں چل رہا تھا اس نے بات کہیں سے کہیں گھما دی۔ نائلہ تاسف سے سر ہلانے لگیں' فائق لب بھینچ کے رہ گیا' ریحان احمد اسے چپ کروا رہے تھے۔

"یہاں بات یمنیٰ کے رشتے کی ہو رہی ہے میری نہیں"۔ فائق کو غصہ آ گیا۔

"تم کیوں اتنے بڑے بن رہے ہو جب ابو امی' تایا ابو' تائی امی موجود ہیں تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ اس کی زندگی کا فیصلہ تم کرو"۔ اسے تو غصے کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں کیوں اتنا بڑا بن رہا ہوں تو یہ بات آپ یاد رکھیے گا بھائی اگر بہن سے چھوٹا بھی ہو تو اس کا مان بڑا ہوتا ہے میں آپ سے بڑا ہوں چھوٹا نہیں اور وہی ہوگا جو میں بہتر سمجھتا ہوں آئی سمجھ آپ کی اور اگر پھر بھی نہیں تو بیٹھیں اپنے گھر آرام سے جا کر' جو بھی ہمارا فیصلہ ہوگا ہم بتا دیں گے"۔ فائق اس حد تک روکھا ہو گیا تھا کہ سب ہی متوحش زدہ سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

"فائق! کیسے بات کر رہے ہو تم بہن ہے"۔ نزہت بیگم نے اسے سرزنش کی۔ ندرت کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا' اسے فائق سے ایسے لہجے کی تو قطعی توقع نہیں تھی۔

"تائی امی! حد ہوتی ہے ہر بات کی' جب میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ دن رک جائیں میں نے کسی وجہ سے ہی کہا ہے اور وہ وجہ ابو اچھی طرح جانتے ہیں' محریب بھائی کو پتہ ہے اب کیا ضروری ہے کہ میں ہر بات کھل کے بولوں"۔ وہ بھی تیز لہجے میں برہم ہونے لگا۔

"ابو نے تو ایسی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے"۔ ندرت نے الٹا اسے آڑے ہاتھوں لینا چاہا۔

"آپ یہ تو سوچیں کہ فراج دو سال سے انگلینڈ میں ہے' اچھی طرح ہم اس کی وہاں کی بھی معلومات کر رہے ہیں' ہو سکتا ہے ایگزام کے بعد میں خود وہاں چلا جاؤں"۔

"کیا تم اب اتنا لمبا اکاؤ گے' انگلینڈ جاؤ گے"۔ ندرت کو سن کے ہی ابال اٹھ گیا۔

"اگر کام یہاں سے نہیں ہوا تو پھر جانا پڑے گا' ہو سکتا ہے محریب بھائی چلے جائیں"۔ وہ اسے نرم پڑتے دیکھ کے سمجھانے لگا۔

"ابھی تو تمہارے ایگزام میں بھی ٹائم ہے اور فراج اگلے مہینے چلا بھی جائے گا"۔ انہیں یہی فکر تو ستا رہی تھی۔

"اگر فراج سے یمنیٰ کی شادی ہونی لکھی ہے تو ہو کر رہے گی آپ اطمینان رکھیے"۔

"فائق بیٹا! یہ تو بہت لمبا ٹائم ہو رہا ہے"۔ نائلہ کسی طور یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں کیونکہ انہیں تو فراج میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی' سلجھا سلجھا لگا تھا مگر گھر کے مردوں کے آگے وہ کچھ نہیں بولتی تھیں۔

''اگر ابھی ساری معلومات ہو گئی تو فکر نہیں کریں اسی مہینے میں ہی کر دیں گے ہم دونوں کا رشتہ پکا''۔ ریحان احمد نے بھی اسے سمجھایا۔ ندرت خاموش ہو گئی تھی مگر دل میں یہ ڈر بیٹھا تھا کہ یہ رشتہ ہاتھ سے نہیں نکل جائے' فراج اس کے ساتھ تو کتنا اچھا تھا باقاعدگی سے پیسے وغیرہ بھی بھیجتا تھا' فون کرتا رہتا تھا' ایک سال کا عرصہ بھی اس کے ساتھ گزارا تھا' ندرت کا احترام بھی بہت کرتا تھا وہاج اور اس میں بنی ہوئی بھی بہت تھی' ندرت کو ہر طرح سے اطمینان تھا وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ اس کی بہن بھی دیکھے بھالے لوگوں میں جائے تو اچھا ہے' ندرت کی خود ساس سلجھی ہوئی خاتون تھیں' دوسری ساسوں والے ان کے ذرا بھی انداز نہیں تھے' ندرت کو انہوں نے بیٹی بنا کر رکھا ہوا تھا پھر اس کے میکے بھی کم ہی آنے دیتی تھیں کیونکہ ان کا اپنی بہو اور پوتی کے بغیر دل جو نہیں لگتا تھا۔

............☆☆☆............

جب کوئی اچانک ہی اپنا بنا دیا جاتا ہے تو جانے کیوں دل کو بار بار یہ ملال اور دھڑکا کیوں لگا رہتا ہے جیسے کچھ بھی صحیح نہیں ہوا ہے' سب کی رضامندی نہ ہوتے ہوئے بھی دونوں کو ایک بندھن میں باندھ دیا گیا تھا مگر اس دل کو وہ خوشی کیوں حاصل نہیں ہوئی جب وہ دور تھی اور اب جبکہ وہ اس کے لیے حاصل کرنا مشکل نہیں رہی تھی مگر آنا آگے تھی کیونکہ اس طرح تو اس نے چاہا ہی نہیں تھا اور اس وقت اچانک ہی ایسا فیصلہ اس کے دل و دماغ کو ہلا گیا' نہ پیچھے جا سکتا تھا اور نہ ہی آگے جا سکتا تھا۔ صرف وہ اس وقت چھائے ہوئے ماحول کی وجہ سے مجبور ہوا اور اپنی آنا کے خلاف فیصلہ قبول کیا' جس وقت دستخط کیے اس وقت لگا کہ اس کے سارے جذبات سرد پڑ گئے ہوں' اندر ذرا بھی چاہت کی رمق نہ ہو' جو چاہت تھی اور اس کے دل کی چاہت تھی یوں اچانک اس کی جھولی میں گری تھی مگر اس نے ابھی تک اسے جھک کر نہیں دیکھا' نہ ہی بندھن میں بندھنے کے بعد اس کے چہرے کے رنگ دیکھے کیونکہ دل اس بار ایسا بدگمان ہوا تھا کہ یہ خوشی بھی اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

گاڑی کا لاک لگا کے پورچ کی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ڈورکاس کھول کے اندر داخل ہوا' ہال کمرے سے سب کے ہنسنے مسکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں' اب تو یہ سب کچھ بھی اسے اچھا نہیں لگتا تھا' ان سب کے درمیان تک بیٹھنا اس نے ترک کر دیا تھا' کوریڈور سے وہ سپاٹ انداز کے ساتھ گزر رہا تھا۔

''بھابو! آ گئے بھائی جان''۔ مائزہ کی چہکتی شوخ سی آواز نے محریب کا تعاقب کیا' وہ چونکا ضرور مگر رکا نہیں' قدم بھی تیز بڑھانے لگا۔

''بھائی جان! رکیے تو''۔ مائزہ ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہوا مقابل آ کر اس کا راستہ روک کے کھڑا ہو گیا۔ محریب نے اسے گھورا' چہرہ اب بھی سپاٹ ہی تھا وہ اس سے ابھی تک بات کب کر رہا تھا' شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔

''ہر وقت فضول کی بکواس میں نہیں لگے رہا کرو''۔ اسے جھڑک کے آگے بڑھ گیا۔ مائزہ جز بز سا اپنا چہرہ لے کر رہ گیا' محریب سے جتنا وہ بات کرتا تھا خوشگوار ماحول میں وہ اگنور کر دیتا تھا' یہ منظر ہال کمرے میں موجود سب نے دیکھا جہاں صرف نوجوان پارٹی تھی۔

آج عنائیہ کے ماموں مامی اور نانی کو ڈنر پر بلایا گیا تھا' سب ہی آئے تھے' سمیرا پھر بھی نہیں آئی تھیں۔ عنائیہ لب بھینچ کے رہ گئی' کاسنی ایمبرائیڈری کے کپڑوں میں ملبوس وہ اتنی سادہ سراپے کے ساتھ آئی تھی کہ دادی جان اور بڑی امی نے ٹوکا تھا' نکاح کے بعد تو ذرا بج سنور کے رہو۔

''لگتا ہے بھابو! بھائی جان آج کافی مصروف رہے ہیں آفس میں''۔ مائزہ نے مسکرا کے وہاں کی خاموشی کو توڑا۔ فائق کی نگاہوں نے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ لیا تھا جو زبردستی کی مسکراہٹ سجا کے وہاں بیٹھا تھا۔

''آپ بھی تو فوراً ان کے پیچھے چلے گئے' آفس سے آئے تھے فریش تو ہونے دیتے''۔ وشہ نے بھی اسے ٹوکا۔

''ہاں شاید میں ہی غلط ہو گیا''۔ وہ مسکرایا۔

''میں کچن میں جاتی ہوں''۔ عنائیہ اٹھنے لگی۔

''ارے بیٹھیے آپ''۔ مائزہ نے زبردستی واپس اسے سنگل صوفے پر بٹھا دیا۔

''ارے مائزہ! کب سے بڑی امی اور تائی امی لگی ہوئی ہیں''۔

''وہ ہماری بہن ہے نا تہذیب وہ بھی وہاں موجود ہے''۔ مائزہ نے جھٹ کہا۔

''ندرت آپی کیوں نہیں آئیں؟'' عنائیہ کو ندرت کی کمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

''فائق اور ندرت آپی کی تھوڑی سی لڑائی ہو گئی تھی' وہ ناراضی کی وجہ سے نہیں آئی ہیں''۔ مائزہ نے بتایا۔ فائق نے پہلو بدلا کیونکہ ندرت اس دن کے بعد سے پلٹ کے نہیں آئی تھی۔

''فائق کی اور ندرت آپی کی ناراضی؟'' عنائیہ کو یقین نہیں آیا' اس نے حیرانگی سے فائق کو بھی دیکھا جو خود کو عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

''عنائیہ باجی! ایسی کوئی ناراضی نہیں ہے''۔ فائق نے فوراً بات کو برابر کرنا چاہا۔

''رافع ہے یہاں؟'' تہذیب بلیو کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس پریشان سی آئی' فائق کی نگاہ سب سے پہلے ہی اس پر اٹھی۔

''رافع ادھر تو کافی دیر سے نہیں ہے''۔ وشہ بولی۔

''عجیب لڑکا ہے' دہی منگوایا تھا زہت آنٹی نے''۔

''لگتا ہے وہاں جمانے بیٹھ گیا ہوگا''۔ مائزہ نے مسکرا کے برجستہ کہا۔

''کب سے گیا ہوا ہے''۔ فائق کھڑا ہو گیا کیونکہ تہذیب اسے کچھ حواس باختہ سی لگ رہی تھی۔

''ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے''۔ اس کی جانب دیکھنے سے اجتناب بھی کیا کیونکہ اس کی جانب دیکھ کر تہذیب کو لگتا کہ گڑبڑا ہی جائے گی۔

''بریانی کی تہہ لگانی ہے''۔ وہ بتانے لگی۔

''تہذیب! تم تو فائق کو ایسے بتا رہی ہو جیسے فائق اور تم مل کر بریانی بنا رہے ہو''۔ مائزہ نے لقمہ دیا۔

''تم فضول کی بکواس مت کرتے رہا کرو''۔ فائق اسے گھورتا ہوا نکل گیا' تہذیب جھینپ سی گئی' وہ بھی کچن کی سمت بڑھنے لگی۔

''تمہیں بھی بہت شوق ہے اس کے سامنے آ کر نشانہ بنوانے کا''۔ وہ اس پر برہم ہونے لگا۔

''جی......'' تہذیب کے اٹھتے قدم حیرانی سے رکے۔

''تم اتنی معصوم بنتی ہو یا پھر ہو''۔ وہ جانے طنز کر رہا تھا یا یہ اس کی خامی گنوا رہا تھا۔

''آپ ہر وقت مجھ سے لڑنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں' میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ رافع ہے یہاں''۔ وہ بھی تنک گئی۔

''تمہیں میں خوب سمجھ رہا ہوں' آہستہ آہستہ اس گھر میں گھسنے کے طریقے نکال رہی ہو' پھر ایک دن ہمیشہ کے لیے......'' فائق اسے سلگانے لگا۔ تہذیب نے قہر برساتی خونخوار نگاہوں سے فائق کی وجیہہ پرسنیلٹی کو دیکھا' گرے ٹریفن شلوار میں اونچا لمبا اس کے مقابل کھڑا تھا۔

''شکل دیکھی ہے اپنی''۔
''روز دیکھتا ہوں' کیوں کیا ہوا؟'' وہ مسکراہٹ روکنے لگا۔
''کبھی غور سے دیکھیے گا' بہت بُرے ہیں آپ اتنے کہ بس......'' دانت پیس کے بولنے لگی اور روہانسی ہوتی ہوئی وہاں سے چلی گئی' فائق کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی' اسے تہذیب کو چڑانا بہت اچھا لگتا تھا۔

............☆☆☆............

حمود کی بیماری کچھ لمبی ہوگئی تھی' دس دن ہوگئے تھے مزاج میں بھی چڑچڑاہٹ آگئی تھی' ڈاکٹر نے ٹائیفائیڈ بتایا تھا' پرہیزی کھا کھا کے وہ جھنجھلا گیا تھا' پھر جھنجھلاہٹ کی وجہ منتہیٰ سے ابھی تک ملا نہیں تھا' وہ باقاعدہ سے رحمہ کو پڑھانے آرہی تھی مگر حمود اس کے دیدار سے محروم ہی تھا۔

اس کی نگاہ کلاک پر تھی' سات بجے تھے اور وہ یہاں سے فوراً ہی بھاگ جاتی تھی' وہ ہمت کرکے نیچے آگیا' ٹریک ٹراؤزر پر میرون کلر کی ٹی شرٹ میں بڑھی ہوئی شیو چہرہ بھی اس کا کمزور سا ہوگیا تھا' بھوری آنکھوں میں بھی سستی تھی' وہ بیگ میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی' حمود چوکھٹ پر کھڑا اس کی حرکت وسکنات پر نگاہ رکھے ہوئے تھا' بلیو کاٹن کا پرنٹڈ سوٹ اس کی شہابی رنگت پر بہت کھل رہا تھا' حمود وارفتگی سے مبہوت زدہ تھا۔ منتہیٰ کو اپنی مطلوب چیز موبائل مل گیا تھا' جلدی جلدی وہ نمبر پریس کرنے لگی' اسی وقت حمود کے ٹراؤزر کی پاکٹ میں رکھا موبائل بیپ دینے لگا' وہ چونکا منتہیٰ نے بھی چونک کے اطراف میں نگاہ دوڑائی پھر وہ حیران رہ گئی' حمود سامنے ہی کھڑا تھا الجھا بکھرا سا حلیہ' کتنا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ حمود نے موبائل نکال کے دیکھا اسی کی کال تھی' مسکرا کے بٹن دبا دیا' وہ گھبرانے لگی گرمئی شوق سے رخسار دہکنے لگے لب بھینچ لیے پھر اسے یہ بھی ڈر ہوا کہ اگر کوئی گھر کا فرد ادھر آن نکلا' رحمہ ہی آگئی تو' گزبڑا کے موبائل بیگ میں رکھا حمود نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر دیا۔ منتہیٰ کی تو سانس رکنے لگی' وہ قدم بڑھاتا ہوا اندر آ گیا تھا اور وہ ڈرنے سہمنے لگی' نگاہ ادھر اُدھر گھمائی مگر حمود پر جیسے ایک سرور سا طاری تھا کہ اس کی چال میں بھی تبدیلی تھی۔

''آ......آپ......وہ مجھے تو جانا ہے''۔ گھبراہٹ میں الٹے سیدھے بے ربط سے الفاظ نکل گئے۔

''مجھے بھی پتہ ہے تمہیں جانا ہے' کچھ دیر بیٹھ کے بات نہیں کر سکتے ہم''۔ اسے منتہیٰ کا گھبرانا' حواس باختہ انداز مزا دینے لگا۔

''آپ دروازہ تو کھولیے' کیوں میری مشکل کروائیں گے اپنے ساتھ''۔ وہ ناگواری اور غصہ کے ساتھ گویا ہوئی۔

''مثلاً کیسی مشکل......؟'' بیماری میں بھی اس پر شوخیاں سوار تھیں جبکہ چہرہ اس کا کمزور ہو رہا تھا' اتنا بیمار اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

''آپ کے بابا ہوں گے' امی ہوں گی''۔

''بابا تو خیر آفس میں ہیں' ہاں البتہ امی ہوں گی' انہیں میں نے دیکھا نہیں کدھر ہیں کیونکہ میں اوپر اپنے روم سے آ رہا ہوں''۔ اس نے منتہیٰ کو بغور دیکھا جو اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

''رحمہ ٹھیک طرح پڑھائی تو کر رہی ہے''۔ اس نے پھر پوچھا۔

''اب تو خیر دلچسپی سے پڑھ رہی ہے''۔ نگاہ جھکا کے بتانے لگی۔

''اور تم کتنا دلچسپی لے رہی ہو اس گھر کے افراد میں''۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے' میں اسی لیے کال کر رہی تھی''۔ جھٹ بات ہی گھما دی۔ حمود مسکرا دیا' وہ بڑے صوفے پر بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ بھی اسی پر بیٹھی تھی مگر پیچھے ہوکر۔

''ہوں ٹھیک ہوگئی تمہیں دیکھ کر''۔

''پلیز آپ سے جو میں پوچھ رہی ہوں وہ بتایئے''۔ وہ زچ ہوگئی۔

''بتا تو رہا ہوں' پہلے ٹھیک نہیں تھی اب زیادہ اچھا محسوس کر رہا ہوں''۔ وہ اس کے چڑنے پر محظوظ ہونے لگا۔

''ہر بات پر آپ کو مذاق سوجھتا ہے' کبھی تو سیدھی طرح مجھ سے بات کر لیا کریں''۔

''ہاں تمہارے فلسفوں کا جواب میں مسکرا مسکرا کے دیتا ہوں' عجیب بیوی ہو شوہر دس دن سے بیمار ہے کچھ فکر ہی نہیں''۔ وہ بھی خفگی دکھانے لگا۔

''روز ہی آپ کی طبیعت موبائل پر پوچھ رہی ہوں''۔ گویا اس نے یاد دلایا۔

''آپ کا احسان ہے ورنہ بندے کو تو آپ منہ لگانا تک پسند نہیں کریں''۔ وہ طنز کرنے لگا۔

''اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ کھڑی ہوگئی کیونکہ اگر اس نے دروازہ نہیں کھولا تو اس کے لیے ٹھیک نہیں ہوگا' دروازہ کھول کے وہ باہر نکل گئی' دیکھا کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا' رحمہ بھی جانے کہاں چلی گئی تھی۔ حمود الجھا بکھرا سا باہر آیا' وہ جانے کے انتظار میں کوریڈور میں رک کر کھڑی ہوگئی' کلثوم بانو اسے کہہ کر گئی تھیں کہ ڈرائیور سے کہتی ہوں چھوڑ آئے گا' ان کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔

''پلیز آپ ہی مجھے ڈرائیور سے کہہ کر ڈراپ کروا دیں''۔ وہ بہت پریشان تھی کیونکہ حمود کی موجودگی میں وہ کوئی بھی ایسا افسانہ نہیں بنوانا چاہتی تھی۔

''میں ہوں تمہارا ڈرائیور' کبھی بھی تمہیں راستے میں ڈراپ نہیں کروں گا جہاں آپ پریشان ہوں''۔ اس نے بھی مسکرا کے منتہیٰ کے ہی انداز میں کہا۔

''پتہ نہیں آپ کب سیریس ہوں گے''۔ بڑبڑا کے گویا ہوئی۔

''سیریس ہوں' اوپر روم میں چلو''۔ ترنگ میں آ کر معنی خیزی سے اسے دیکھا۔ منتہیٰ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر تاسف سے سرخ ہوگئی' گھور کر اسے دیکھا۔

''لگتا ہے بخار کی گرمی آپ کے دماغ پر چڑھ گئی ہے''۔

''نہیں مجھے تمہارے پیار کی گرمی چڑھی ہے' اس لیے بتاؤ ٹھنڈک کا کب انتظام کر رہی ہو''۔ وہ مسلسل بے باکی سے بول کے اسے چڑانے لگا۔

''ارے منتہیٰ بیٹا! آپ بیٹھو تو' میں چائے وغیرہ بنوا کے لا رہی ہوں''۔ انہیں اس کا خیال آیا تو وہ عقب سے ہی نکلیں' دونوں ہی گڑبڑا گئے' حمود ایسے تاثر دینے لگا جیسے باہر جا رہا ہوں۔

''تم کب اٹھ کر آئے؟'' اسے حیرانگی سے دیکھا۔

''وہ بالکل ابھی' یہ آپ ہی کا پوچھ رہی تھیں مجھ سے''۔ حمود کو پسینہ آ گیا' آنکھوں کو پھیلا کے نگاہ دوسری سمت کر گیا' منتہیٰ کو خود شرم آنے لگی' پتہ نہیں وہ کیا سوچیں گی کہ ان کے بیٹے سے باتیں کر رہی تھی۔

''آنٹی! مجھے ابھی جانے دیں کیونکہ وہ محریب بھائی کی طرف ہم سب کی دعوت ہے''۔ اس نے عذر پیش کیا۔

''ارے چلی جانا' چلو اندر بیٹھو''۔ اس کی نہ سنی اور ڈرائنگ روم میں بٹھا کے جانے لگیں۔ حمود باہر ہی تھا ٹراؤزر کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے گلاس وال سے لان کا نظارہ کر رہا تھا' ہلکی ہلکی سرمئی پھیل گئی تھی' کچھ ہی دیر میں مغرب کی اذان بھی ہونے والی تھی۔

''کھڑی کیوں ہو بیٹھ تو جاؤ''۔ وہ اندر آ گیا۔

''آپ تو کم از کم سمجھیں''۔ وہ دانت پیسنے لگی۔
''تم سمجھاؤ تو میں سمجھنے کے لیے تیار ہوں''۔ پھر مسکرا کے اسے تپانے لگا۔
''کیوں آپ میرے لیے اور اپنے لیے مسئلے کھڑے کر رہے ہیں' پہلے ہی میں اتنی دکھوں اور پریشانیوں کی ستائی ہوئی ہوں''۔ وہ روہانسی ہونے لگی۔
''تم سوچتی غلط ہو منتہیٰ' اتنا کیوں ڈر رہی ہو''۔ وہ اس کے قریب ہو کر بیٹھنے لگا۔
''دور بیٹھیں کیا کر رہے ہیں؟'' وہ تو بدک کے بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔
''میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتی ہو؟'' وہ احتجاج میں تیز لہجے میں بولا۔
''کیا فضول بات کرتے ہیں''۔
''تمہارے رویے کی وجہ سے''۔ وہ پھر مسکرایا۔
''آج تو کہہ دی ہے یہ بات آئندہ اگر آپ نے کہی نا' میں بات نہیں کروں گی''۔ اتنے میں کلثوم بانو ملازمہ کے ساتھ چلی آئیں' ٹرے میں کافی کچھ تھا' حمود کی دیکھ کر بھوک چمک گئی۔
''واہ مام! سموسے میرا بڑا موڈ تھا''۔ وہ فوراً ہی شروع ہو گیا۔
''بدتمیز! اسے تو کھانے دو پہلے''۔ کلثوم بانو نے اسے ٹوکا' مگر وہ تو کھانے میں لگ گیا اور منتہیٰ سے تو کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا تھا' مشکل سے سموسہ لیا چائے پی اور کھڑی ہو گئی۔
''اوہو منتہیٰ کیسی ہو؟'' حمنیٰ کی چہکتی ہوئی آواز پر حمود کا حلق تک کڑوا ہو گیا' کچھ دیر پہلے کی شگفتگی بھی غائب ہو گئی۔
''ٹھیک ہوں میں جلدی میں ہوں''۔ وہ ہاتھ ملا کے باہر نکل گئی تھی مگر دل میں حسد اور جلن سی ہونے لگی کہ وہ کتنے بے دھڑک انداز میں چلی آتی ہے اور وہ جو سارے حقوق رکھتی تھی وہ ابھی تک وہ استحقاق نہیں رکھتی تھی' دل میں بے چینی بڑھ گئی اور حمود پر جانے کیوں غصہ آنے لگا۔

............☆☆☆............

''اگر تم بھی کل چلی جاتیں تو کیا ہو جاتا' اب تو اپنا غرور نیچے کر لو''۔ جواد احمد نے ناگواری اور غصہ کو اندر دبا کے انہیں سرزنش کی۔
''میری دونوں بیٹیوں کو میری مرضی کے خلاف تم نے ٹھکانے لگا دیا''۔ وہ اس دن سے تو اور بھی تن فن کر رہی تھیں۔
''کیسی عورت ہو شکر ادا کیوں نہیں کرتی ہو کہ ہماری بیٹیاں خیر سے اپنے گھروں کی ہو گئی ہیں''۔ وہ ان کی سوچ پر افسوس ہی کرتے رہتے تھے۔
''سمیرا! کبھی تو اچھا بھی سوچ لیا کرو' بیٹیاں تمہارے لیے پریشان رہتی ہیں اور تم ان کی ذرا پروا نہیں کرتی ہو''۔
''میری بیٹیوں کو تم نے مجبور کیا ہے شادی پر''۔ وہ تو جیسے کچھ سننا ہی نہیں چاہتی تھیں۔
''تمہیں سمجھانا بہت مشکل ہے' ارے کم عقل عورت کچھ تو سوچو' میں نے مجبور آ کیا ہے تو کچھ سوچ کے ہی کیونکہ تم تو ساری عمر بھی ان کی شادیاں نہیں کرتیں''۔ سمیرا نے غراتی نگاہوں سے جواد احمد کو دیکھا جو ان کے سر پر کھڑے تھے۔
''عمریں ان کی بھاگی نہیں جا رہی تھیں''۔ نگاہ ناگواری سے پھیری۔
''جو ٹھیک عمر تھی ہو گئی ان کی شادی اور رہی عنائیہ کی رخصتی' وہ بھی میں کچھ ہی مہینوں میں کروں گا''۔
''کیا ہو گیا ہے تمہیں جواد احمد! کیوں بیٹیوں پر ظلم کر رہے ہو' کیوں میرا بدلہ میری بیٹیوں سے لے رہے ہو''۔ وہ

روہانسی ہو کر چیخنے لگیں۔
''میں بدلہ لوں گا اپنی بیٹیوں سے' ہوش میں تو ہو' تم سمجھتی ہو کہ جو کچھ بھی کرتی ہو غلط کرتی ہو جواب میں تم سے ایسے بدلے لیے جائیں گے''۔ وہ انہیں گویا لاجواب ہی کرنے لگے۔ سمیرا بیگم جھٹکے سے بیڈ سے اٹھیں' آج دونوں کا جھگڑا کمرے میں ہوا تھا ورنہ تو اکثر کھانے کی ٹیبل پر ہی ہوتا تھا اور بچے بھی پریشان ہو جاتے تھے۔
''تم کیا سمجھتے ہو تمہارے بھتیجے بہت شریف ہیں''۔ اب انہوں نے بات کو دوسرے رخ پر لے جانا چاہا۔
''میرے بھتیجے بہت اچھے ہیں' مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے''۔
''ہاں تمہیں کیوں ہو گی شکایت تو مجھے ہے' اس مائز کو دیکھو کتنی چالاکی دکھائی' بھائی کی بھی ساتھ کروا دی''۔ سمیرا کو مائز پر تو پہلے ہی غصہ آتا تھا جب سے نکاح سے پہلے محریب اور عنائیہ کے نکاح کی شرط رکھی تھی ان کا تو حیرت سے دماغ ہی سن ہو گیا تھا۔ کتنی مہارت اور چالاکی سے اس نے سب کروا لیا تھا اور انہیں آگے کی بھی فکر ستائے جا رہی تھی' جانے وہ اور کیا کیا کروا لے اور انہیں بھی مجبوری میں ماننا پڑے۔
''جو ہوا اچھا ہی ہوا ورنہ تو مجھے عنائیہ کی سب سے زیادہ فکر تھی''۔ وہ جتنا بھی اوپر والے کا شکر ادا کر رہے تھے وہ کم ہی تھا جس نے ان کا ساتھ دیا تھا۔
''عمران بھائی اور بھابی کے جانے سے پہلے میں بھائی صاحب کے گھر والوں کی دعوت کر رہا ہوں' تم اپنا ٹائم نکال لینا''۔ وہ کچھ نرم سے لہجے میں بولے۔
''اونہہ......'' وہ ہنکار کے رہ گئیں۔
''مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے گھر والوں کی دعوت کرنے کا' شادی بھی تم نے کی ہے تمہی دعوت کرو''۔ وہ صاف انکار کرنے لگیں۔
''کبھی بھی عقل سے نہیں سوچنا''۔ وہ بھی جھنجھلا گئے۔
''میں نے تم سے جو کہا ہے اس پر عمل کرنا ہے''۔
''میں نہیں کروں گی''۔ وہ واش روم میں چلی گئیں۔ جواد احمد تاسف سے سر ہلانے لگے' جانے کیوں سمیرا میں اتنی خودسری اور ضد آ گئی تھی کہ وہ کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھیں' ہر اس بات کی نفی وہ کرتی آ رہی تھیں جس کو جواد احمد کہتے تھے۔ اپنی اولاد کی خاطر وہ شروع سے برداشت ہی کرتے آ رہے تھے' کمرے سے باہر آئے تو عنائیہ کو فون پر بات کرتے دیکھا' وہ کچھ گھبرا کے سیدھی ہو گئی' بات وہ وشہ سے کر رہی تھی۔ جواد احمد لاؤنج میں چلے آئے' ٹی وی آن کر لیا' دماغ میں انتشار اتنا ہو گیا تھا کہ دو سر دبانے لگے۔
''ابو! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' وہ فکرمندی سے ان کے قریب ہی آ کے بیٹھ گئی۔
''آں...... ہاں بس ایسی ہی ہے''۔ وہ چونک گئے۔ انہوں نے اسپورٹس کا چینل لگایا ہوا تھا' نگاہ ان کی پھر عنائیہ پر ٹھہر گئی جو ان کے لیے بہت زیادہ فکرمند لگ رہی تھی' ذرا بھی خاموش بیٹھتے وہ ان کے آگے پیچھے چکر لگاتی رہتی۔
''آپ کے لیے چائے بناؤں''۔
''نہیں بیٹا! چائے کا بھی موڈ نہیں ہو رہا ہے' آپ کس سے بات کر رہی تھیں' فون بند کر کے کیوں آ گئیں''۔
''وشہ بھی سب کی خیریت پوچھ رہی تھی''۔ سر جھکا کے اس نے بتایا۔
''ہوں...... وہ بچی بھی وہاں کب سکھ سے ہو گی' کیونکہ تمہاری ماں کی ٹینشن دینے کی عادت کبھی ختم نہیں ہو گی''۔ وہ تاسف ان کے لہجے کو افسردہ کر رہا تھا۔

''کہہ رہی تھی بہت خوش ہے''۔ جھٹ بتایا کیونکہ وہ اپنے باپ کو کسی بھی ایسی فکر میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''بیٹا! مجھے پتہ ہے وہ وہاں خوش بھی ہوگی سب اس کا خیال رکھتے ہیں مجھے سب خبر ہے' مگر یہاں آ کر تو اسے کوئی خوشی نہیں ہوگی کیونکہ سمیرا کی عادت کو جانتی ہو تم دونوں بہنیں''۔

''آپ ایسا کچھ بھی نہیں سوچیں' وشہ سب جانتی ہے اور یہ سب نیا تو نہیں ہے''۔ عنایہ نے انہیں اطمینان دلایا۔ وہ تو سب کی ہی فکر میں مبتلا رہتی تھی اور کوشش میں بھی تھی کہ اس کی ماں کسی طرح تو منفی سوچوں کو چھوڑنے کے صلح کے لیے تیار ہو جائے۔

''مجھے اس بات کی بہت ٹینشن ہو رہی ہے کہ مائز ابھی تک یہاں نہیں آیا ہے اور جس دن بھی وہ یہاں آیا تمہاری ماں کے انداز و یکھنے والے ہوں گے' مائز اور محریب اب اس گھر کے داماد ہیں اور میں داماد وں کے سامنے کوئی بھی ایسی بات نہیں چاہتا جس سے ہماری ہی عزت میں کمی آئے گی''۔

''ابو! مائز سب سمجھتا ہے اور پھر آپ کے دامادوں کو سب پتہ بھی ہے''۔ وہ نگاہ جھکا کے جھینپی ہوئی بولی۔

''بیٹا! زندگی میں ایسے پل جب آتے ہیں کہ ہم کسی کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ نہیں سمجھتا ہے تو بہت بے بسی اور دکھ ہوتا ہے''۔ ان کی آواز بھی بہت نرم تھی' چہرے پر اضمحلال اور بے زاری سی تھی۔

''جب کوئی ہماری بات نہیں سمجھتا ہے تو وقت سب کچھ سمجھا دیتا ہے' امی کو آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جائے گا' وہ مائز کو بھی برا سمجھتی ہیں''۔

''بیٹا! آہستہ بولو اگر سن لیا تو فضول میں دوبارہ ہنگامہ کر دے گی''۔ وہ ویسے ہی اندر اتنی بحث کر کے آئے تھے کہ انہیں کوفت ہونے لگی تھی۔

''بعض اوقات دل کرتا ہے کہ سمیرا کو یہاں سے روانہ کر دوں''۔

''ابو......!'' عنایہ نے چونک کر حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

''مگر میں ایسا کروں گا نہیں کیونکہ عقل مجھ میں ہے' کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے' اگر میں ایسا کروں گا بھی تو......''

''پلیز آپ ایسی کوئی بات نہیں سوچیں' کیونکہ ہم بہن بھائی ایسا بالکل نہیں چاہیں گے''۔ وہ افسردہ اور غمگین سی ہوئی۔

''سمیرا نے شروع سے ہی اپنی اور میری زندگی میں مسئلے ہی پیدا کیے ہیں' تمہاری بڑی امی اور تائی امی کو شروع سے غلط سمجھا' جبکہ وہ بے چاریاں ہمیشہ اس کا ساتھ ہی دیتی تھیں' میری ماں کو بھی اس نے کبھی اہمیت نہیں دی' میری ماں کو اپنا دشمن ہی سمجھا''۔ وہ قدرے توقف کے لیے رکے۔

''آپ نے کبھی امی کو سمجھا کہ وہ کیوں ایسا کرتی ہیں؟'' وہ بولی۔

''میں نے اسے شروع سے یہی سمجھا ہے اور ٹھیک سمجھا ہے' اپنے آگے اسے کسی کو اہمیت دیا جانا برداشت نہیں ہوتا ہے''۔ وہ ٹی وی آف کر کے کھڑے ہو گئے' اتنے تھکے ہوئے اور رنجور سے ہو رہے تھے کہ عنایہ کا دل بھی بے چین ہو گیا' بچپن سے اس نے یہی دیکھا اور آج بھی وہی سب تھا' اس کی ماں اور باپ میں کبھی بنی ہی نہیں تھی۔

''ابو! آپ فکر نہیں کریں' امی کا رویہ ایک دن ہم سب سے ٹھیک ہو جائے گا''۔ اس نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور خود سے ہی ہمکلام ہوئی' وہ اپنی ماں کو محبت سے اور پیار سے منانے کی کوشش کرے گی' اس کی وہ ماں تھیں مگر بات کبھی نہیں ٹالیں گی' یہ اس کی خود ساختہ سوچ تھی جبکہ اس کی ماں نے تو صرف اپنا ہی سوچا' کب اولاد کا سوچا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 18 -

سلسلے وار ناول

چاہت دل کی چاہت
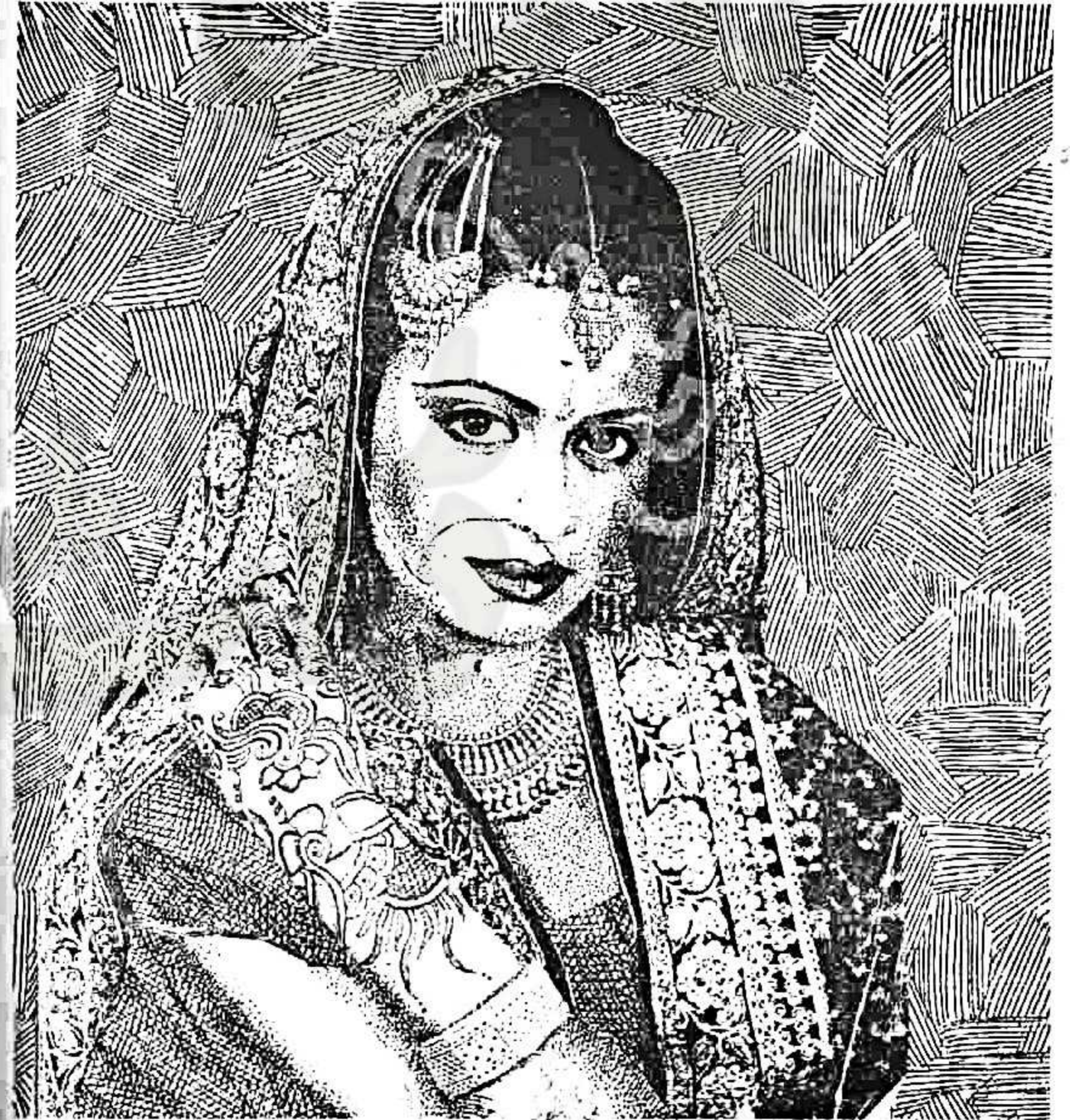
زندگی میں کبھی کسی نے اتنی تضحیک نہیں کی تھی اور نہ کبھی کسی نے اتنا گرا ہوا سلوک کیا تھا' نہ ہی وہ کسی کو اپنی جانب سے کوئی تکلیف دینے کا سوچ سکتی تھی' وہ لوگوں کی خدمت کر رہی تھی' زخمی دلوں پر ہمدردی کا مرہم رکھتی تھی' وہ تو کبھی ایسا کسی کے ساتھ کر ہی نہیں سکتی تھی پھر فائق احمد کا ایسا اہانت سے بھرپور انداز' آنکھوں میں ہر وقت تمسخر کیوں نظر آتا ہے۔ انجانے میں وہ دل کے ایوانوں میں اسے جگہ دے گئی تھی' وہ تو چاہ کے بھی نہیں نکال پا رہی تھی نہ ہی اس سے نگاہ چرا سکتی ہے مگر کبھی جان بوجھ کے وہ نظرانداز کر کے نکلتی بھی ہے تو وہ راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔

'فائق احمد! آخر تم چاہتے کیا ہو' کیوں تم ساری دنیا کو چھوڑ کے میرے پیچھے پڑ گئے ہو'۔ وہ اپنی چیئر سے کھڑی ہوئی' آفس پانچ بجے بند ہو جاتا تھا مگر آج سب ورکرز کی میٹنگ تھی تو کچھ دیر تک آفس میں بھی رُکنا پڑا تھا۔ میڈم فرحت کے نکلتے ہی وہ بھی باہر نکل گئی تھی' آج گاڑی بھی نہیں تھی جو اسے ڈراپ کرتی' ساری ورکرز خود ہی اپنی کنوینس سے گئی تھیں۔

اسٹاپ پر وہ کھڑی تھی سات بج گئے تھے' اذان ہونے والی تھی' اس نے دوپٹہ اچھی طرح اپنے سر پر جما کر اوڑھا ہوا تھا' کافی دنوں بعد وہ آج بس سے جا رہی تھی' فاطمہ کے کیس کے بعد سے تو وہ کچھ محتاط بھی ہو گئی تھی۔ اسٹاپ پر لوگ جمع تھے مگر اس کی مطلوبہ بس آنے میں بھی ٹائم لگ رہا تھا' اسے کوفت بھی ہو رہی تھی' ذہن پھر فائق کی طرف اُلجھ گیا' اکثر ہی وہ راستے میں بھی مل جاتا تھا' اس کے آفس کے سامنے روڈ سے ہی بس ملتی تھی وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے' اب جانے دل کو راہ تھی یا یہ محض اتفاق تھا ابھی سوچا اور وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہارن بجا رہا تھا' بُری طرح اچھل ہی گئی۔

''فوراً بیٹھو' گھر میں سب کو پھر تم نے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے''۔ طنزیہ تیز لہجہ میں گویا ہوا اور فرنٹ سیٹ کا ڈور کھول دیا۔ تہذیب حیرانگی سے گنگ اسے دیکھے گئی کہ ابھی اس نے صرف سوچا ہی تھا کہ وہ حاضر۔

''آپ......'' غصہ میں آواز گھٹی گھٹی نکلی۔

''ہاں میں' فوراً بیٹھ جاؤ سوال جواب گاڑی میں بیٹھ کر کرنا''۔ وہ اس کی ناگواری اپنے آئی گلاسز سے دیکھ چکا تھا' وہ زیادہ بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی جلدی سے مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور دھڑ سے ڈور بند کیا۔

''آہستہ بند کرو یہ تمہارے میاں کی گاڑی نہیں ہے جو غصہ دکھا رہی ہو''۔ وہ طنز میں کہتے ہوئے اسے سلگانے لگا' تہذیب نے خونخوار نظریں دانت پیستے ہوئے اس کی جانب کیں' وہ اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''آپ انتہا سے زیادہ فضول انسان ہیں اور فضول کی بات کرتے ہیں''۔ گرم گرم گھونٹ اندر اتارے۔ جانے کس نے اسے کہہ دیا جو اس پر اور اس کی پشتوں پر احسان کرتے ہوئے اسے لینے پہنچ گیا تھا۔

''اطلاع پرانی ہے''۔ نگاہ اس نے سامنے اٹھائی ہوئی تھی' فائق تو اسے تنگ کرتے ہوئے خاصا محظوظ بھی ہوتا تھا' جب اس نے اپنے دل میں بسا لیا تو اتنا تو حق رکھتا ہے کہ اسے تنگ بھی کرے وہ سمجھتا تھا' تہذیب اس سے خائف بھی ہے مگر اکثر اس کی چوری بھی پکڑ لیتا تھا' جب وہ اسے کبھی کن اکھیوں سے دیکھتی تھی مگر تاثر ایسے دیتی تھی کہ وہ ذرا اسے پسند نہیں کرتی ہے۔

''ہوں وہ فاطمہ کے کیس کا کیا ہوا؟'' بات بدلنے کو پوچھا۔

''میں آپ کو ضروری نہیں سمجھتی کہ بتاؤں کیا ہوا اور یہ ایک فاطمہ کا ہی مسئلہ نہیں ہے بہت لڑکیوں کے ہم کیس ہینڈل کرتے ہیں''۔ اس نے تیکھا سا ہی جواب دیا۔

''خاصی بدمزاج ہو گئی ہو''۔ اس پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا تو پھر گویا ہوا۔

''آپ کا مزاج کیا بہت اچھا ہے؟'' ترکی بہ ترکی بولی۔

''ہوں......خاصا خوش مزاج ہوں' تم ابھی تک واقف نہیں ہوئی ہو''۔

''مجھے واقف ہونے کی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں ہے''۔ فیروزی دوپٹے کے ہالے میں اس کی شہابی رنگت غصے کی وجہ سے تمتما رہی تھی' فائق کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تھی۔

''فرض کرو کبھی واقف ہونا پڑ گیا تو......؟'' وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے موڑ کاٹنے لگا۔

''اللہ نہ کرے کہ مجھ پر ایسا بُرا وقت آئے کہ آپ کے مزاج سے مجھے واقف ہونا پڑے اور میں آپ کے مزاج سے کافی حد تک واقف بھی ہوں''۔ طنزیہ انداز تھا۔

''اچھا کیسے؟'' وہ مسکرانے لگا۔ ٹریفک رواں دواں تھا' گاڑی کے شیشے بند تھے فل اے سی چل رہا تھا باہر کا شور اندر ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

'آپ انتہا سے زیادہ مغرور اور خود پسند انسان ہیں''۔

''اوہ......یہ نئی اطلاع ہے میرے لیے''۔ زوردار قہقہہ لگایا۔

''مجھے آپ یہ بتا دیں کہ آپ کیوں لینے آئے' کیوں احسان کرنے چلے آتے ہیں مجھ پر''۔ وہ کھسیا کر رہ گئی۔

''آپ کی والدہ صاحبہ پریشان سی ہماری طرف آئی تھیں' محریب بھائی گھر پر تھے نہیں مجھ سے رہا نہیں گیا تو پوچھ لیا' بس پھر میں نے کہا کہ میں لے آتا ہوں''۔ وہ نرم سے لہجے میں بتانے لگا۔

''مجھے راستہ بھی پتہ ہے اور روز آتی جاتی ہوں' آج نئی نہیں آ رہی تھی جو آپ لینے چلے آئے''۔ برہم سی ہوتی ہوئی بولی۔

''وہ کیا ہے احسان کرنے کی عادت ہے' چلو تم وقت پڑنے پر اتار دینا احسان مگر اچھے انداز میں''۔ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ تہذیب نے گھبرا کے نگاہ چرالی' جانے کیوں فائق کے لہجے میں باتوں میں کبھی کبھی اتنی معنی خیزی ہوتی کہ وہ خوش فہمی میں پڑنے لگتی مگر وہ ایسا چاہتی بھی نہیں تھی۔

''ہم غریب لوگ آپ لوگوں کا احسان اتار بھی نہیں سکتے ہیں''۔ تہذیب دکھ اور افسردگی سے گویا ہوئی۔ فائق نے چونک کر اسے دیکھا جو ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی' نگاہ وہ ملاتی نہیں تھی' فائق کو اس کی یہ ادا بھی اچھی لگتی تھی۔

''احسان اتارنے کے لیے امیر ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے' البتہ یہ انسان پر خود ڈیپنڈ کرتا ہے کہ وہ کیسے اتارے''۔ اسے تہذیب کا ایسا انداز کچھ پریشان کر گیا۔

''جب ہم آپ کے برابر نہیں ہوں گے تو احسان کیسے اتار سکتے ہیں؟''

''احسان مختلف طریقوں سے اتارے جا سکتے ہیں مثلاً تم روز ہمارے گھر آ کر امی اور تائی امی کا کچن میں ہاتھ بٹاؤ اور میرے ہفتے بھر کے کپڑے پریس کر کے جاؤ''۔

''جی......'' وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔ کیونکہ کچن میں امی اور تائی امی کے ہاتھ بٹانے پر اسے حیرانگی نہیں بلکہ فائق نے جو آخری بات کی اس پر حیرانگی ہوئی۔

''میں آپ کی نوکر نہیں ہوں''۔ جھٹ صاف انکار کیا۔
''کتنی بُری بات ہے' تائی' امی تمہارا کتنا خیال کرتی ہیں تم ان کی بھی مدد کرنے نہیں آؤ گی''۔ فائق نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔
''میں آنٹی کا ہاتھ بٹانے کے لیے ہمیشہ تیار ہوں مگر آپ کے کپڑے تو کیا میں آپ کا ایک کام بھی نہیں کروں گی''۔ صاف انکار کیا۔
''کیوں تمہیں پریس کرنے نہیں آتے ہیں''۔
''جی بالکل ٹھیک سمجھے' مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے مردوں کے کام کا کیونکہ میرا بھائی خود چھوٹا ہے وہ اپنے سارے کام خود کرتا ہے اور جب ابو زندہ تھے ان کے سارے کام امی کرتی تھیں''۔
''کتنی نکمی ہو تم نے نہ اپنے ابو کا اور نہ ہی بھائی کا خیال رکھا''۔ فائق اسے شرم دلانے لگا۔ گاڑی جھٹکے سے گیٹ کے آگے رُک گئی تھی' تہذیب نے دیکھا کہ گھر آ گیا ہے تو فرنٹ ڈور کھول کے اترنے لگی' گیٹ تک کھلنے کا انتظار نہیں کیا اور چھوٹے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ فائق کے ہونٹوں پر بڑی مسرور سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی' چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا اور وہ گاڑی اندر لے کر آ گیا' دیکھا تہذیب لان میں ہی رُک کے کھڑی ہو گئی جہاں حمزہ اس سے کچھ بات کر رہا تھا۔
''تہذیب! مجھے تمہارا یہ تیکھا انداز بہت اچھا لگتا ہے' دل کرتا ہے تمہیں چھیڑتا ہی رہوں''۔ وہ مسکراتے لبوں سے آنکھوں میں محبت لیے اسے وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔

............☆☆☆............

محریب کا میٹنگ کے دوران سخت موڈ خراب تھا کیونکہ چند ایمپلائز نے چھٹی کر لی تھی اور ساری شپ منٹ کی تفصیل ان کے پاس تھی' میٹنگ روم سے باہر آیا تو اس کا سیل بیپ دینے لگا' کافی دیر تک وہ بج بج کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا تھا مگر محریب کے مزاج میں اور زیادہ سنجیدگی آ گئی تھی اور غصہ بھی فوراً آنے لگا تھا۔ سیل دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا' جواد احمد کی کال تھی اس نے فوراً پھر ریسیو کی اور مودب بن کر سلام دعا کرنے لگا' ان سے جب بھی بات کرتا تھا مودب انداز میں کرتا۔
''بیٹا! کل تو آپ فارغ ہو گے کیونکہ سنڈے ہے؟''
''جی چاچو! خیریت''۔ وہ چونکا بھی کہ وہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔
''بیٹا! میں ابھی دوپہر میں اماں جی کی طرف گیا تھا سب کی کل رات کے کھانے پر دعوت ہے' سوچا کہ تم بڑے داماد ہو تمہیں خاص طور پر کال کر کے کہوں''۔
''ارے چاچو! آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں''۔ فوراً ہی بولا حالانکہ کچھ لمحوں پہلے اس کا موڈ کتنا خراب تھا۔
''پھر بھی بیٹا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تم سے کیسے مخاطب ہوں''۔
''چاچو! میں آپ کا بھتیجا ہوں اور بھتیجا بیٹے کی طرح ہوتا ہے اس لیے آپ کو مجھ سے مخاطب ہونے کے لیے اتنا سوچنا نہیں چاہیے''۔ وہ مودب انداز میں بڑے فریش موڈ میں ان سے بول رہا تھا' وہ ان پر ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اسے کچھ برا لگا ہے یا وہ عنائیہ سے نکاح ہونے پر خوش نہیں ہے' عجیب پریشانی میں بھی مبتلا تھا اسے صرف شکایت اور غصہ عنائیہ سے تھا۔
''ہوں......'' بس اتنا ہی بولے۔

''پھر بیٹا کل آ رہے ہو ناں تم؟''
''جی چاچو! ضرور آؤں گا''۔ آواز کو خوشگوار بنایا۔ وہ موبائل آف کر چکا تھا اور جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا' گاڑی کبھی بھی اتنا ریش ڈرائیو نہیں کرتا تھا مگر آج ہوا میں اڑانے کو دل کر رہا تھا' ذہن بھی منتشر تھا' دوڑتی بھاگتی گاڑیوں پر آج تو وہ توجہ بھی نہیں دے رہا تھا کیونکہ جب دل و دماغ میں بہت زیادہ غبار ہو تو اطراف کی کسی بھی چیز کی آواز نہیں آتی۔ گھر پہنچا تو دادی جان کی طبیعت خراب ہو رہی تھی' سب ان کے پاس ہی جمع تھے وہ بھی گھبرا کے ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
''ڈاکٹر سے چیک اپ بھی کروانا تھا آپ کا دو دن بعد' آج ہی چلیں''۔ وہ ان کے نحیف سے ہاتھ تھام کے پوچھ رہا تھا۔
''ٹھیک ہوں میں کیوں تم سب ایک دم اتنا پریشان ہوتے ہو' کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی''۔ وہ کمزور اور نقاہت زدہ سی آواز میں بولیں۔
''بڑی دلہن نے گلوکوز دیا ہے اب بہتر ہے' جاؤ بھئی تم لوگ اپنا کام کرو' کیوں اتنا پریشان ہوتے ہو''۔ انہیں سب کے فکر مند چہروں پر ترس بھی آنے لگا جو ان کی دلجوئی کے لیے فوراً ہی ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔
محریب کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا ان کا دل بہلاتا رہا جبکہ خود بھی وہ کافی ٹینشن میں آیا تھا' آفس میٹنگز پھر جواد چاچو کی کال' پورا راستہ سوچتے ہوئے گزرا تھا۔ وہ کوریڈور سے گزر کے کچن میں جا رہا تھا کہ مائز اور وشہ کی تیز تیز آوازیں آ رہی تھیں' دونوں کچن میں ہی موجود تھے وہ آواز سن کے باہر ہی رُک گیا۔
''تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے جو فضول کی بات نکال کے لڑائی کر رہی ہو''۔
''پرابلم آپ جانتے ہیں پھر پوچھ رہے ہیں''۔ وہ بھنا ہی گئی۔
''بہت ہی بے وقوف ہو تم''۔ مائز چیخا۔
''مجھے جب نہیں پسند تو آپ یہ جوائن نہیں کریں گے''۔ وہ بھی رعب ودھونس سے بول رہی تھی۔
''میری سلیکشن ہو چکی ہے' تمہاری میں ایک نہیں سنوں گا''۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک ضدی ہی تھا۔
''میں بڑے ابو سے کہوں گی''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔
''جاؤ جا کر کہہ دو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے' یہ میرا شوق ہے کوئی پروفیشن نہیں ہو گا''۔ وہ چیخا۔
محریب کے خاک بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا کہ دونوں آخر بحث کر کے لڑ کس بات پر رہے ہیں۔
''مجھے پتہ ہے سب لڑکیوں کے چکر میں کر رہے ہیں''۔
''پھر فضول بکواس''۔ وہ گلاس پٹخ کے بولا۔ محریب وہاں سے ہٹ گیا مگر اسے تجسس تو ہو رہا تھا کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو مائز اور وشہ میں جھگڑا ہو رہا ہے' ابھی شادی کو صرف پندرہ دن ہوئے ہیں' چینج کر کے وہ وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس نیچے ہی آ گیا۔ وشہ فون پر بات کر رہی تھی' مائز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا پھر اس نے مائز سے بات چیت بھی بند کی ہوئی تھی۔
''آخر پوچھوں تو کس سے' امی سے پوچھوں' نہیں ان سے بھی نہیں''۔ کیونکہ اگر ان سے پوچھتا تو وہ سمجھتیں کہ مائز کی فکر ہے' بات نہ کر کے صرف ڈرایا ہوا ہے۔
''محریب بھائی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وشہ نے اسے پکارا' اس کے باہر جاتے قدم رُک گئے' آج پہلی بار اس نے مخاطب کیا تھا۔

''وہ مائز FM ریڈیو جوائن کررہے ہیں''۔ سر جھکائے وہ گلابی کپڑوں میں پہلے سے سوبری لگ رہی تھی۔

''پھر......'' اتنا ہی بولا۔

''آپ انہیں منع کریں''۔ اسے محریب سے بات کرتے ہوئے جھجک سی ہو رہی تھی۔

''اس کا شوق ہے تو کرنے دو''۔ سرد مہری اور رکھائی سے جواب دیا' وشہ نے لب بھینچ کے جزبز ہوکر اسے دیکھا' کتنا لاتعلق سا رہنے لگا تھا ان لوگوں کے ساتھ بھی نہیں بیٹھتا تھا۔

''مگر مجھے نہیں پسند''۔

''جو تمہارے شوہر کو پسند ہے کرنے دو' میں کیا بول سکتا ہوں''۔ وہ جانے لگا۔

''محریب بھائی! آپ کی ناراضی مجھ سے بھی ہے میرا تو کوئی قصور نہیں ہے مجھ سے کیوں آپ نگاہ چرا کے چلے جاتے ہیں''۔ وہ افسردگی سے شکوہ کرنے لگی۔

''میری ناراضی تم سے نہیں ہے''۔ اس نے جھٹ کہا اور باہر نکل گیا' وشہ کو اس کا یہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

............☆☆☆............

وشہ رات میں ہی گھر چلی گئی تھی' شادی کے بعد پہلی بار وہ رُکنے گئی تھی پھر اس کے ماموں اور مامی بھی واپس جا رہے تھے ان سے بھی نہیں ملی تھی' مائز کو کچھ عجیب سا لگ رہا تھا' کمرے سے باہر آیا تو فائق کے کمرے میں نظر ڈالی' دونوں کے ایگزام بھی چند دنوں میں ہونے والے تھے' اس کے بعد تو دونوں ہی فارغ ہوں گے۔

''کیا سوچا ہے تم نے پھر؟'' مائز نے اسے مخاطب کیا۔ فائق کے ہاتھ میں بک تھی وہ کچھ پڑھ رہا تھا پیپرز اور پین بھی ساتھ ہی پڑے تھے۔

''کس بارے میں؟'' فائق نے اپنے گلاسز کو شہادت کی انگلی سے سیدھا کیا۔

''ارے ریڈیو جوائن کرنے کے بارے میں' میرا تو سلیکشن ہو گیا ہے پر وشہ گڑبڑ کر رہی ہے''۔ مائز اس کے ساتھ بیڈ پر کہنی ٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔

''تو پھر مت کرو''۔

''کیوں نہیں کروں' میرا شوق ہے میں اس کی خاطر اپنا شوق چھوڑ دوں''۔ مائز چمک کے بولا۔

''پھر وشہ سے جھگڑے ہوتے رہیں گے''۔ فائق نے بک بند کی اور سائیڈ پر رکھ لی۔

''بیوی ہے ہینڈل کرلوں گا''۔ وہ مسکرایا۔ فائق نے چتون اٹھا کے اس کا بغور جائزہ لیا جو شادی کے بعد سدھرتا ہوا نہیں لگا تھا' جو ٹھان لی کر کے چھوڑتا تھا۔

''تم نے کیا سوچا ہے تم جوائن نہیں کرو گے؟''

''ہوں کروں گا ابو سے تو کہہ دیا ہے وہ بھی اعتراض نہیں کر رہے''۔ فائق کو بھی ریڈیو پر VJ بننے کا شوق ہو گیا تھا۔

''تمہاری والی کو تو اعتراض نہیں ہے''۔ مائز نے قدرے رُک رُک کے معنی خیز اور شرارتی لہجے میں پوچھا۔ فائق نے چتون فوراً ہی تیکھے کیے اور اسے گھورنے لگا مگر تاثر ایسے دیا جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہیں ہو۔

''کیا فضول ہانکتے ہو''۔

''کیوں تہذیب کا میں نے نام لیا''۔ مائز پر جیسے اس کے گھورنے کا بھی کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''مائز! میں ایسی فضول قسم کی کوئی بھی بات اپنے سے متعلق پسند نہیں کرتا ہوں' تم مسلسل ہانکتے رہتے ہو''۔ وہ

ناگواری لیے برہم ہو رہا تھا۔

''تم سے متعلق تو میں نے کچھ بھی نہیں کہا ہے' تہذیب کے بارے میں کہا ہے اسے تو اعتراض نہیں ہے''۔ وہ لب بھینچ کر مسکراہٹ روکتے ہوئے مسلسل اسے زچ کر رہا تھا۔

''میرے ریڈیو جوائن کرنے سے تہذیب کو کیا اعتراض ہوگا؟'' وہ کڑے تیوروں کے ساتھ اس سے مخاطب ہوا۔

''یار! میری زوجہ کو تو اس لیے اعتراض ہے کہ میں کسی لڑکی کے چکر میں نہ پڑ جاؤں''۔ وہ سادگی سے بتانے لگا' یہ مائز میں اچھی بات تھی ہمیشہ صاف گوئی سے ہر بات کہہ دیتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا اور نہ ہی کسی کا جھوٹ برداشت کرتا تھا بقول وشہ کے۔

''آپ تو جھوٹ پکڑنے کی مشین ہیں''۔ مائز کو غصہ بھی ہمیشہ اسی بات پر آتا اگر کوئی جھوٹ بولتا تھا۔

''اگر پڑ گئے؟'' فائق نے سوالیہ نگاہ ڈالی۔

''اتنے سال کالج اور یونیورسٹی کی لائف گزاری' جب نہیں پڑا تو اب کیسے پڑ سکتا ہوں جبکہ جس لڑکی پر نگاہ تھی اب وہ میری بیوی ہے''۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

''تو بول تہذیب کا کیا ہوگا؟''

''مائز! جتنا میں تمہاری ایسی باتوں سے بچتا ہوں تم اتنا ہی بکواس کرتے ہو''۔ وہ بھنا گیا۔

''مجھے تو بے وقوف سمجھتا ہے دوڑ دوڑ کے اسے لینے جاتا ہے' کبھی شاپنگ سینٹر سے ڈھونڈ کے لاتا ہے تو کبھی اس کے آفس لینے پہنچ جاتا ہے' میں نے خود تجھے اس سے بات کرتے بھی دیکھا ہے' مجھ سے جھوٹ کیوں بولتا ہے''۔ مائز بھی تیز لہجے میں بولتے ہوئے اسے گھیرنے لگا' فائق گڑبڑا ہی گیا کیونکہ اس نے لاجواب جو کر دیا تھا۔

''وہ تو مبینہ آنٹی پریشان تھیں' امی اور تائی امی نے مجھ سے کہا' اس وقت اتفاق سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا''۔ وہ صفائی دینے لگا۔

''فائق! تو جتنا بھی خود کو بچا لے مگر یاد رکھنا میں تیرا یہ جھوٹ پکڑ کے رہوں گا اور تو یہ میری بات لکھ کے رکھ لے تو شادی بھی اسی سے کرے گا''۔ مائز کا لہجہ پُریقین اور وثوق لیے ہوئے تھا۔ فائق کچھ گھبرا گیا کیونکہ اتنی صاف اور کھلی گفتگو وہ بھی اس کے سامنے ڈٹ کے صرف مائز ہی کر سکتا تھا ورنہ تو اس نے اپنے بہن بھائی پر رعب رکھا ہوا تھا جب کہ امی تک کبھی کبھی اس سے ڈرتی تھیں مگر مائز ایک ایسی شخصیت تھا نہ کبھی اس کی کسی بات کا بُرا مانتا اور نہ کبھی ناراض ہوتا' ہمیشہ اسے آڑے ہاتھوں ہی لیتا تھا۔

''میرا شادی کا کچھ عرصے تک ارادہ نہیں ہے کیونکہ میں انٹرن شپ کروں گا''۔ وہ بک کھول کے اس کے صفحے آگے پیچھے کرنے لگا۔

''ہماری یونیورسٹی ختم ہونے میں ایک ماہ ہے اس کے بعد رزلٹ پھر تمہاری یہ فضول سی بات' اس کے بعد تو چچا جان اور چچی جان بھی چاہیں گے کہ تمہاری شادی ہو جائے''۔

''تمہیں میری شادی سے اتنی دلچسپی کیوں؟'' فائق تنک گیا۔

''اس لیے کہ تو اکیلا پھرتا ہے تو مجھے جلن ہوتی ہے''۔

''پھر کیوں کی شادی' نہیں کرتے''۔ وہ جھٹ بولا۔

''ٹائم تھا ہو گئی' ویسے راز کی بات بتاؤں اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرو تو لائف زیادہ اچھی لگتی ہے''۔ معنی خیزی

سے بول کے مسکرانے لگا۔

''اب تمہاری فضول کی راگنی شروع ہوگئی ہے' نکلو یہاں سے اور پڑھائی کرلو' نیکسٹ ویک سے پیپرز ہیں''۔ وہ اس کی گفتگو سے بچنے لگا۔

''میری تیاری کمپلیٹ ہے''۔

''یار! مجھے تو پڑھنے دو''۔ وہ کھسایا۔

''نیچے تہذیب آئی ہوئی ہے''۔ مائز نے نئی اطلاع دی۔ فائق ہنوز نارمل انداز میں بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھا رہا' ایسے بن گیا جیسے سنا ہی نہیں ہو۔

''امی نے اسے بلایا ہے کل جانے کے لیے کہہ رہی ہیں جواد چاچو کی دعوت میں جانے کے لیے' میں کافی دیر تک تو سنتا رہا وہ انکار کیے جا رہی تھی پھر میں اوپر اپنے کمرے میں آ گیا' وشہ کے بغیر دل نہیں لگا تو تمہیں جھانک کے دیکھا''۔

''مائز! آخر تم اتنی تفصیل سے کیوں بولتے ہو''۔ وہ عاجز آ گیا۔

''اس لیے کہ میری عادت ہے''۔ مسکرایا۔

''لگتا ہے مجھے ہی اٹھنا پڑے گا''۔

''ہاں ہاں جاؤ تہذیب ہے ابھی نیچے' دیدار کرلینا''۔ مائز مسلسل اسے تنگ کیے جا رہا تھا' فائق واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

''بہت خبیث آدمی ہو تم؟''۔

''یار! تو کبھی مجھ سے نارمل انداز میں بھی بات کرلیا کرو' ہر وقت ناراض غصہ میں رہ کر بولتا ہے''۔ مائز کو اس کے مزاج پر غصہ بھی آتا تھا۔

''اس لیے کہ تم کبھی نارمل انداز میں بات ہی نہیں کرتے ہو''۔ فائق نے سنجیدگی سے کہا۔ مائز کا موبائل بیپ دینے لگا' وہ چونک گیا' پینٹ کی پاکٹ سے نکالا وشہ کی کال تھی۔

''وشہ ہے''۔ فوراً موبائل کان سے لگایا' فائق پہلو بدل کے اپنی بکس میں مصروف ہوگیا۔

''ہائے میری جانو کیسی ہو؟'' فائق نے اسے گھورا جو جگہ تک بھول گیا تھا کہاں بیٹھا ہے اور کس سے بات کر رہا ہے۔

''مائز یار! اِدھر سے نکل کے بات کرو تم''۔ فائق کو عجیب سا لگ رہا تھا جبکہ مائز جان بوجھ کر اسے سنانے کو وشہ سے ایسے انداز میں مخاطب ہو رہا تھا۔

''یار وشہ! یہ فائق روکھا پھیکا آدمی ہے اس کے روم میں ہوں' اچھا اپنے روم میں جا کر کال کروں گا''۔ کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

''اپنی بیوی سے بات کر رہا تھا کسی گرل فرینڈ سے نہیں''۔ مائز بیڈ سے اٹھا۔

''انداز تمہارے تو ایسے ہی تھے''۔ فائق نے طنز کیا۔

''تیری ہوگی شادی تو دیکھوں گا کیسے مخاطب ہوگا اور مجھے پتہ ہے تہذیب سے رومینٹک موڈ میں ہی بولے گا''۔

''مائز......!'' فائق دانت پیس کے چیخا۔

''جا رہا ہوں مگر یہ بات ذہن میں رکھنا تو شادی تہذیب سے ہی کرے گا یہ مجھے پتہ ہے''۔ مائز تو اس کے

پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا' فائق اس کی درگت بنانے کے لیے اٹھنے لگا تھا وہ تیزی سے بھاگ لیا' فائق کو مائز کی ایسی بے باک باتوں سے پسینے سے آنے لگے تھے۔

............☆☆☆............

جب وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی اس کی قسمت میں وہ ہے ہی نہیں تو کیوں قسمت پھر بار بار اسے سامنے کرتی رہتی ہے' ہر بار خود کو روکتی کہ اس شخص کو نہیں سوچنا ہے مگر ہر بار نئے انداز اور نئی باتوں کے ساتھ سامنا کرنا جتنا وہ بچتی وہ اتنا اس پر مسلط ہوتا جا رہا تھا۔

''اللہ کرے فائق احمد تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے' دیکھنا کیسے میں تمہیں تنگ کروں گی''۔ بے ساختہ ہی دل سے دعا کی مگر دل ایک دم دھڑک اٹھا' آنکھیں جھٹ سے کھول لیں' ابھی صرف محبت ہو جائے کہا تھا دل کی دھڑکنوں میں بے ہنگم ارتعاش پیدا ہو گیا تھا' عجیب بے کلی بے چینی سوار ہوگئی' سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

''آج میں یہ کیا سوچنے لگی' لعنت ہے تہذیب تجھ پر' خود کو تو دیکھ وہ کہاں اور تو اس کی ملازماؤں کی طرح''۔ خود ہی خود کو لعنت ملامت کی تھی۔

''کیا ہم غریب لڑکیوں کا اچھے اور اونچے خواب دیکھنے کا حق نہیں' یہ خواب ہی تو ہوتے ہیں جو ہم لمحوں میں بُننے لگتی ہیں' چاہے وہ خواب پورا ہو یا نہ ہو بس دیکھے جاتی ہیں''۔ دل افسردہ اور اداس ہوا ایک دم ہی اٹھ کر بیٹھ گئی' آج وہ لیٹ بھی جلدی گئی تھی' منتہیٰ عشاء کی نماز لاؤنج میں پڑھ رہی تھی' وہ بھی ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی' حکمت تو بے خبر زمین پر بچھے گدے پر سو رہی تھی' امی اور حمزہ ایک ہی روم میں سوتے تھے جبکہ وہ تینوں مشترکہ ہی کمرے میں سوتی تھیں' وہ بے زاری روم سے باہر نکلی' منتہیٰ کی شاید آنکھ لگ گئی تھی وہ صوفے پر ہی لیٹی ہوئی تھی۔

''منتہیٰ باجی!'' تہذیب نے آہستگی سے اسے جگایا تاکہ وہ گھبرا کے کھڑی نہیں ہو جائے۔

''ہوں......'' اس نے آنکھ کھول کے صرف یہی کہا۔

''میں سمجھی کہ آپ ابھی تک نماز پڑھ رہی ہیں''۔

''ہاں وہ تسبیح پڑھتے پڑھتے آنکھ لگی ہے''۔ وہ نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی۔

''آج ابھی تک حمود بھائی کی کال نہیں آئی' ایک بج رہا ہے''۔ تہذیب کو تشویش ہوئی تھی۔

''آئی تھی میں نے بات ہی نہیں کی''۔ وہ بالوں کو سمیٹنے لگی۔ تہذیب نے لاؤنج کی لائٹ آف کی' دونوں ہی روم میں آ گئیں' وہ اور منتہیٰ بیڈ پر سوتی تھیں جبکہ حکمت زمین پر گدا بچھا کر سوتی تھی۔

''ارے کیوں نہیں کی بات آپ نے؟'' تہذیب نے چونک کر حیرانگی سے استفہامیہ اور تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

''انہوں نے آج عشاء کی نماز نہیں پڑھی میں نے غصہ میں کال کاٹنے کے بعد موبائل آف کر دیا''۔ وہ لیٹ گئی کیونکہ نیند ہی بہت آ رہی تھی۔

''منتہیٰ باجی! آپ حمود بھائی کے ساتھ بہت زیادتی کرتی ہیں' وہ بے چارے آپ کا ہر طرح سے خیال کرتے ہیں' کتنی محبت کرتے ہیں کہ روز کال کرتے ہیں رات میں' دن کا مجھے پتہ نہیں کتنی بار کرتے ہوں گے''۔ تہذیب بھی لیٹ گئی لائٹ آف کر کے زیرو کا بلب آن کیا تھا' ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔

''انہوں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی آپ نے کال کاٹ دی''۔

''ٹھیک کیا میں نے' آج سبق تو مل گیا ہوگا آئندہ چھوڑیں گے تو نہیں''۔ وہ روز ہی حمود سے نماز اور قرآن پاک کا ضرور پوچھتی تھی' صبح فجر میں پڑھا تھا یا سو گئے تھے۔

''کتنی ظالم ہیں ان کی بات تو سن لیتیں' کیا پتہ کوئی وجہ ہوگئی ہو''۔ تہذیب کو حمود پر ترس آنے لگا۔

''مجھے پتہ ہے اِدھر اُدھر کی باتوں میں گھما دیتے ہیں اصل بات کو میں نے موقع ہی نہیں دیا''۔ وہ کروٹ لیے ہوئے تھی جبکہ اس وقت سے پریشان اور فکر مند تھی حمود کے ساتھ اس نے اچھا نہیں کیا' وہ بے چارہ اس کی ہر بات مان رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کرتی ہے۔

''آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اتنی محبت کرنے والا شخص ملا ہے' مجھے آپ پر رشک آتا ہے''۔

''رشک آتا ہے دماغ تو درست ہے تمہارا''۔ منتہیٰ کو جیسے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی ہو۔

''بہت مشکل ہے آج کے دور میں سچی محبت ملنا اور حمود سالار تو اتنی سچی محبت کرتا ہے آپ سے کہ ہر ایک سے ٹکرانے کو تیار ہے''۔ تہذیب منتہیٰ کو شرمندہ کرنے کو بولی۔

''مجھے تو نہیں لگتا یہ سچی محبت کرنے والا شخص ساری زندگی مجھ سے رشتہ نبھائے' تہذیب! وہ اپنے بابا کے حکم کے آگے تو کچھ نہیں کر سکتے ہیں''۔

''میں پہلے حمود بھائی کو لا اُبالی اور لا پرواہ سمجھتی تھی مگر میں نے ان میں ذمہ داری دیکھی ہے' آپ سے وہ غافل نہیں ہیں' آپ کی ضرورت کا خیال رکھا ہوا ہے اور تو اور گھر میں بھی آپ چلی گئی ہیں چاہے رحمہ کو پڑھانے مگر وہ لے تو گئے ہیں نا' اس لیے کہ وہ آپ کو وہاں ہی رکھنا چاہتے ہیں''۔

''تہذیب! سو جاؤ پھر مجھ سے فجر میں اٹھا نہیں جائے گا''۔ وہ حمود کے موضوع سے ہٹنا چاہ رہی تھی کیونکہ تہذیب جتنا اس کا دل کر رہی تھی اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔

''جانے کیا کر رہے ہوں گے' غصہ تو نہیں آگیا ہوگا''۔ وہ سوچنے لگی۔

''آپ ہمیشہ بات کاٹ دیتی ہیں''۔ وہ خفگی اور ناراضی سے گویا ہوئی۔ منتہیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا' تہذیب بھی کروٹ بدل کے لیٹ گئی' وہ خود کب سے فائق کی طلسماتی شخصیت میں الجھی ہوئی تھی اور خود کو خوابوں و خیالوں میں فائق کے ساتھ دیکھ بھی چکی تھی۔

''اگر تمہاری زندگی میں فائق احمد کوئی دوسری لڑکی آگئی تو میں کیسے برداشت کروں گی کیونکہ مجھے پتہ ہے تم میرے نصیب میں نہیں ہو مگر مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہوگا کہ تم کسی دوسری لڑکی کی سنگت میں زندگی گزارو''۔ محبت پر کب کسی کا اختیار رہا ہے وہ اندر ہی اندر اسے چاہے جا رہی تھی' اس کی شخصیت کے سحر سے ایسا لگتا تھا بچنا اب ممکن ہی نہیں ہے۔

''فائق احمد! کاش تم میں مروت ہوتی' احساس ہوتا' تم کچھ تو میرا خیال کرتے''۔ دل سے یہ خواہش ہو رہی تھی کہ فائق احمد صرف اسے چاہے اسے اہمیت دے۔ زندگی ضروری تو نہیں جو چاہا جائے وہ مل بھی جائے' اگر مل گیا تو وہ چاہے گا جسے ہم چاہ رہے ہیں اس لیے ایسی چاہت کو آرزو نہ بناؤ ورنہ سوائے ٹوٹ پھوٹ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

''کاش اللہ میاں مجھے تو نے غریب نہیں بنایا ہوتا تو آج میں شاید فائق کے لیے کچھ تو اہمیت رکھتی''۔ اس کا ذہن آج پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہا تھا جس سے حاصل اسے کچھ ہونے والا نہیں تھا۔

............☆☆☆............

قضا نماز ادا کی اور بیڈ پر آگیا' نمبر دوبارہ پریس کیا موبائل پھر آف تھا' حمود نے مایوسی سے موبائل بیڈ پر ڈالا اور دراز ہوگیا۔

''یعنی محترمہ مجھ سے بات تک کرنا نہیں چاہتیں' اوکے''۔ آنکھیں بند کرنے لگا' فوراً خیال آیا فجر کے وقت کا الارم لگایا تا کہ پھر فجر کی نماز نہیں نکل جائے۔

''اللہ میاں ٹھیک اذانوں کے وقت آنکھ کھل جائے اور منتہیٰ موبائل آن کر لے''۔ وہ باقاعدہ دعا کرنے لگا۔

آفس میں اسے دیر ہوگئی' ٹریفک اتنا تھا کہ نماز بھی نکل گئی' سوچا تھا گھر جا کر قضا نماز پڑھے گا مگر اس سے یہ غلطی ہوگئی کہ منتہیٰ کو کال پہلے کر لی' اس نے سنا تو موبائل آف کر دیا۔

نئی فیکٹری تھی اور پھر آفس بھی اسے دیکھنا پڑ رہا تھا' رات کو اکثر دس گیارہ بج جاتے تھے' آج کل تو حمنیٰ تک کو نو لفٹ کیا ہوا تھا' اگر مصروفیت میں بھی یاد رکھتا تو منتہیٰ کو' دن میں بھی کئی بار کال کر لیتا تھا' پوری رات نیند خاک آتی' جاگتا رہا' دل نے کہا کہ تہجد بھی پڑھ لو' جب یہ موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب کیا ہے تو مانگ لے اس ذات سے اور اسے جس نے اسے اتنا سنوار بھی دیا تھا' تہجد پڑھ کے وہ فجر کی اذانوں کا انتظار کرتا رہا' کبھی گلاس ونڈو سے پردے ہٹا کے باہر لان میں نظارہ کرتا تو کبھی اپنا سیل فون اٹھا کے منتہیٰ کو ٹرائی کرتا' اتنے میں دور سے اذانوں کی آواز آئی فوراً وضو کرنے واش روم میں چلا گیا' وضو سے فارغ ہو کے دراز سے ٹوپی نکالی' سلیپر پاؤں میں پھنسائے اور اپنے روم سے نکل گیا' آج اس کا ارادہ فجر کی نماز مسجد میں پڑھنے کا تھا ورنہ تو عموماً وہ گھر میں ہی پڑھتا تھا' نیچے آیا فانوس کی پیلی پیلی روشنی ہال کمرے میں پھیلی ہوئی تھی' امی کے کمرے کی جانب دیکھا وہ بھی نماز کے لیے اٹھتی تھیں مگر اس ٹائم پہلی بار حمود فجر میں نیچے آیا تھا کوریڈور سے نکل کے باہر آیا' پورچ اور لان میں بھی سناٹا پھیلا تھا' واچ مین کی تلاش میں اس کے کوارٹر کی طرف آیا وہ باہر ہی چارپائی پر چادر تان کے بے خبر سو رہا تھا۔

''یار! گیٹ کھولو''۔ اس نے آہستگی سے شہزاد کو اٹھایا۔

''کون ہے کون ہے؟'' وہ ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔

''یار! آہستہ تو بولو میں ہوں''۔ حمود تیز لہجے میں بولا۔

''اوہ......حمود صاحب! آپ اس وقت''۔ وہ اچنبھے اور حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا کہ وہ اس ٹائم یہاں کیا کر رہا ہے۔

''میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں گیٹ بند کر لو وہاں سے پھر جاگنگ پر بھی جاؤں گا' امی پوچھیں تو بتا دینا''۔ وہ ہدایت دے کر فوراً ہی گیٹ سے باہر نکل گیا' ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔

مسجد میں قدم رکھتے ہی حمود سنجیدہ ہوگیا' جب بھی وہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتا اسے بہت سکون ملتا' پھر جب سے اس نے نماز کی پابندی کی تھی کتنا ہلکا پھلکا سا رہنے لگا تھا' بڑی خشوع و خضوع سے اس نے دعائیں بھی مانگی تھیں' نماز سے فارغ ہو کر وہ جاگنگ پر نکل گیا تقریباً سات بجے وہ گھر آیا تھا' امی رحمہ کو اسکول بھیج رہی تھیں اس کی وین سوا سات پر آتی تھی۔

''امی! ناشتہ ملے گا بہت بھوک لگ رہی ہے''۔ وہ اخبار لے کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا۔ کلثوم بانو صبح ناشتہ ملازمہ سے اپنی نگرانی میں ہی بنواتی تھیں۔

''بھائی! آپ فجر سے باہر تھے''۔ رحمہ کو حیرانگی ہو رہی تھی۔

"میرا بیٹا بہت اچھا ہو گیا ہے' نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگا ہے"۔ کلثوم بانو حمود کی اس عادت سے بہت خوش ہوئی تھیں کہ وہ نماز پڑھنے لگا ہے۔

"وہ پتہ نہیں امی رات کو نیند ہی نہیں آ رہی تھی"۔ اخبار دوسری چیئر پر رکھا اور سلائس اٹھا کر دانتوں سے کاٹنے لگا۔ رحمہ کی وین آ گئی تو وہ اپنا بیگ اٹھا کر تیزی سے بھاگ گئی تھی۔

"آج رات کو سر میں تیل کی مالش کروا لینا تھکن ہو جاتی ہے تو نیند نہیں آتی ہے"۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"بیٹا! مجھے تم سے کچھ بات بھی کرنی تھی"۔ کلثوم بانو قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ حمود نے نگاہ اٹھا کر پُرسوچ چہرہ ان کا دیکھا' وہ جانتا تھا وہ کچھ بات کیا ہو سکتی ہے اس کا حلق تک کڑوا ہونے لگا۔

"آپ یقیناً پھر میری شادی کا ٹاپک نکالیں گی"۔ وہ بدمزہ سا ہوا۔

"ظاہر ہے مجھے یہی بات کرنی ہے بیٹا! مجھے بھی اپنی بہو کی ضرورت ہے' کم از کم میرے ساتھ گھر میں تو ہو گی' سارا دن میں اکیلی ہوتی ہوں"۔ انہوں نے نئے طریقے سے اسے الجھانا چاہا تا کہ وہ کسی طرح تو مان جائے کیونکہ نیاز علی کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا اور ہشام سالار نے الگ انہیں حکم دیا ہوا تھا کہ حمود کو کسی طرح بھی قابو کر کے شادی کے لیے کہیں۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں جس لڑکی کو آپ بہو بنانا چاہتی ہیں وہ گھر میں آپ کے ساتھ رہ لے گی"۔ اس نے چائے کے سپ لیے۔

"میں اسے پیار ہی اتنا دوں گی"۔

"امی! وہ لڑکی پیار سے ماننے والی نہیں ہے اور پھر مجھے نہیں لگتا وہ میرے ساتھ یا اس گھر میں ایڈجسٹ ہو"۔ حمود کو تو حمنیٰ کی بے باکیاں بہت ہی بُری لگتی تھیں۔

"پھر مجھے بتا دے تو کہ اپنی پسند سے جو کرے گا وہ یہاں تو نہیں رہ سکے گی' اپنے بابا کی باتیں بھول گیا ہے"۔ کلثوم بانو کو اس کی ضد سے کبھی کبھی بہت ڈر لگتا تھا۔

"مجھے سب یاد ہے آپ اطمینان رکھیں' بہو آپ کی پسند کی آئے گی اس گھر میں مگر حمنیٰ نیاز علی نہیں"۔

"آہستہ بول اگر تیرے بابا نے سن لیا نا تیرے ساتھ مجھے بھی نکال باہر کریں گے"۔ وہ ہشام سالار کے غصے سے ڈرتی تھیں۔

"نو پرابلم' دونوں ماں بیٹا الگ رہیں گے اس کا بندوبست ہے میرے پاس"۔ بات تو شوخی سے وہ لمحوں میں اُڑاتا تھا۔

"فضول مت ہانکو"۔ انہوں نے سرزنش کی۔

"پھر کب تک ایسے چلے گا' نیاز بھائی کو جلدی ہے کہ ان کی بیٹی کی منگنی وغیرہ تو ہو جائے"۔

"نیاز انکل کو بھی میں اپنے طریقے سے سمجھا لوں گا مگر میری بھولی ماں آپ اتنی فکر نہیں کریں' میں شادی کر چکا ہوں"۔

"کیا کر چکا ہوں"۔ وہ تو حیرانگی سے چیخ پڑی تھیں۔

"میرا مطلب ہے کہ شادی کر چکتا اگر مجھے میری پسند مل جاتی"۔ روانی میں سچ بول گیا تھا' وہ بوکھلایا بھی مگر فوراً خود کو قابو کیا۔

"جلدی معاملہ سنبھال لو کیونکہ حمنیٰ روز میرا دماغ کھانے آ جاتی ہے"۔ وہ حمنیٰ سے بھی پریشان تھیں جو روز ہی کسی بھی ٹائم آ جاتی تھی۔

حمود جلدی سے ناشتے سے فارغ ہوا اور اٹھ گیا' مبادا امی دوبارہ یہی ٹاپک لے کے نہیں بیٹھی رہیں اور پھر بابا آ گئے تو نئی بحث شروع ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

سب ہی کچھ عنایہ نے اور شامین نے مل کر تیار کر لیا تھا' اب شامین نے ہی عنایہ کو بھی تیار ہونے کا کہا تھا' وشہ تو دوپہر بھر سوئی پھر شام میں اٹھ کر نہائی' اب کافی دیر سے نظر بھی نہیں آ رہی تھی۔

"عنایہ! یہ وشہ کدھر ہے؟" شامین نے اس کی بابت پوچھا' وہ بھی ریان کا پیمپر وغیرہ چینج کر کے تیار کرنے لگی۔ عنایہ پنک جارجٹ کے پرنٹڈ دوپٹہ شلوار پر پلین قمیض پر ہلکی سی ایمبرائیڈری میں لائٹ سا میک اپ کرنے میں لگی ہوئی تھی' آج اس کا بھی دل چاہنے لگا کہ وہ بھی اہتمام سے تیار ہو۔

"پتہ نہیں جس وقت میں نہانے جا رہی تھی وہ چوڑیاں پہن رہی تھی ادھر ہی' ہو سکتا ہے مائز کی کال آ گئی ہو' ڈرائنگ روم میں بیٹھی بات کر رہی ہو گی"۔ اس نے اپنے بالوں میں برش چلانا شروع کیا۔

"ارے اب یہ کون سا ٹائم ہے بات کرنے کا' آنے ہی والا ہو گا مائز بھی"۔ شامین نے ہنستے مسکراتے ریان کو تیار کر کے بیڈ پر لٹایا۔

"ہوں....." وہ اتنا بولی۔

"مائز اور وشہ کی لگتا ہے کافی بن گئی ہے"۔

"ارے کیوں نہیں بنے گی' شادی ہوئی سب جھجک ختم"۔ شامین معنی خیزی سے کہہ کر مسکرائی۔

"بھابی! آپ تو تشریح کرنے لگتی ہیں"۔ عنایہ جھینپ گئی۔

"سچ ہے یہ بات' دیکھنا تمہاری بھی سب ختم ہو جائے گی"۔

"آپ سے تو بات کرنا دوبھر ہے"۔ وہ تو گھبرا گئی۔ آنچل شانوں پر برابر کیا' وارڈ روب بند کی۔

"آج تو آپ رکیں گی ناں؟"

"رکنا تو پڑے گا کیونکہ اتنا کچھ سمیٹنا بھی تو ہو گا' تم کہاں اکیلی کر سکو گی پھر ثمینہ آنٹی بھی نہیں آ سکی ہیں"۔

"آنی کو کسی شادی پر جانا تھا اس لیے منع کر دیا تھا"۔ اس نے بتایا۔

"آپ تیار ہو جائیں میں وشہ کو دیکھتی ہوں"۔ وہ کمرے سے نکل کر اس کی تلاش میں باہر آئی' لاؤنج سے لے کر ڈرائنگ روم تک میں دیکھ لیا کہیں نہیں تھی۔

"یہ وشہ گئی کدھر"۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

آٹھ بجنے والے تھے وہ سب کسی وقت بھی آنے والے تھے' میرا حسب معمول اپنے پارلر میں ہی تھیں' اسی وقت ڈور کھول کے وشہ ڈارک بلیو سوٹ میں جھلملاتے آنچل کے ساتھ نک سک سے کیے میک اپ میں چلی آئی' آج تو وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی میک اپ میں' شادی کے بعد اس نے پہلی بار دیکھا تھا عنایہ کی ستائشی نگاہیں اس پر تھیں۔

"کیسی لگ رہی ہوں آپی؟" اس نے تعریفی کلمات سننے کے لیے اسے مخاطب کیا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ اس نے دل سے اپنی بہن کی تعریف کی تھی۔

"آج میں امی کے پارلر میں گھس گئی' میک اپ میں نے وہیں کروایا ہے ورکرز سے"۔ وہ بولی۔

''امی نے منع نہیں کیا''۔ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

''کہہ تو رہی تھیں کیا ضرورت ہے اتنا کچھ کرنے کی' میں نے کہا اب تو شادی ہو گئی ہے امی کچھ برائی بھی نہیں ہے''۔ وہ اپنا آنچل سمیٹ کے شانوں پر درست کرنے لگی۔

''میں نے مائز سے کہا ہے واپسی پر گجرے ضرور لے آئے گا''۔

''کیا مائز سے کہا؟'' عنائبہ اس کی بے تکلفی اور شوخی پر متحیر ہو رہی تھی۔

''آپی! کیا ہو گیا وہ میرے ہسبینڈ ہیں' میں ان سے کہہ سکتی ہوں''۔ اس نے مسکرا کے کہا۔

جواد احمد' معارج بھی آ گئے' شامین تیار ہو کر آ گئی تھی' ریان کو معارج نے گود میں اٹھا لیا تھا' نو بجے سب لوگ آئے تھے' عمران احمد اور صفیہ بھی' سب ہی اسی وقت آئے تھے گھر میں ایک رونق سی لگ گئی تھی' اگر ابھی تک نہیں آیا تھا تو محریب ہی تھا' عنائبہ کا دل اداس ہو گیا تھا کیونکہ وہ ابھی تک اپنی مصروفیت میں لگا ہوا تھا۔

''آپ فکر نہیں کریں بھائی جان بھی آ رہے ہیں''۔ مائز نے شوخی سے اس کے کان میں سرگوشی کی' وہ جواب میں اسے گھورنے لگی۔ وشہ موتیوں کے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنتے ہوئے وہیں چلی آئی۔

''کیسے لگ رہے ہیں؟'' اس نے مائز سے پوچھا۔

''چڑیل کو بھوتنی بنے پہلی بار دیکھا ہے' اچھی لگ رہی ہو چڑیل''۔ اس نے حسب معمول وشہ کو چڑایا۔

''کیا میں چڑیل ہوں؟'' وہ چیخی۔

''وشہ! آہستہ تو بولو''۔ عنائبہ نے اسے سرزنش کی' وہ ڈائننگ ٹیبل پر برتنوں کی سیٹنگ کرنے آئی تھی مائز بھی پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

''یہ روز مجھے چڑیل کہتے ہیں''۔ وہ بُرا مان کے مائز کی شکایت کرنے لگی۔

''جھوٹ تو مت بولو تعریف بھی کرتا ہوں''۔ عنائبہ کے جاتے ہی وہ اس سے معنی خیز لہجے میں بولا' وشہ نے جھینپ کے دیکھا اور وہاں سے چلی آئی' سب ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے' دادی جان نے تو عنائبہ کو اپنے پاس ہی بٹھایا ہوا تھا' آج تو حیرانگی کی بات تھی سمیرا بھی وہاں موجود تھیں صرف اپنے بھائی بھاوج کی وجہ سے ورنہ بھابی تو پوچھ پوچھ کے انہیں زچ کرتی رہتی۔

''محریب بھائی کو کال کر کے پوچھا کب تک پہنچیں گے''۔ شامین نے احد سے پوچھا۔ وہ اور عنائبہ پھر کچن میں چلی آئیں تو احد بھی وہیں چلا آیا تھا' عنائبہ کو سب کے سامنے آج بہت شرم بھی آ رہی تھی۔

''کہہ تو رہا تھا پہنچنے والا ہوں''۔ عنائبہ کا دل دھڑک رہا تھا مگر محریب کی لاتعلقی پر بھی دل ایک دم اداس ہو جاتا تھا۔

''ایسا کرو عنائبہ! تم کال کر کے پوچھو شاید زیادہ اثر ہو انہیں' جلدی آ جائیں وہ''۔ شامین نے شرارت سے کہا۔

''جی مم...... میں' کیا ہو گیا ہے''۔ وہ گھبرا گئی۔

''میں پوچھتا ہوں پھر''۔ احد موبائل پر اس کا نمبر پریس کرتا ہوا کچن سے نکل گیا تھا۔

سب ہی محریب کا انتظار کر رہے تھے' گھر سے سب ہی آئے تھے سوائے فائق کے' ندرت کو بھی بلایا تھا مگر اس کے بچوں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ نہیں آئی تھی' بہت انتظار کرنے کے بعد نزہت بیگم کے کہنے پر ہی کھانا لگوا لیا گیا کیونکہ گیارہ بجنے والے تھے' دیر بھی کافی ہو گئی تھی' انہیں محریب کی لاپرواہی پر غصہ بھی آ رہا تھا اور شرمندگی بھی ہو رہی تھی' جواد احمد الگ فکر مند سے تھے ان کا وہ اب داماد بن گیا تھا وہ جتنا اس کا خیال کر رہے

تھے وہ اتنا ہی لاتعلق تھا۔ سب ہی اپنی خوش گپیوں میں لگے تھے' عنائبہ کو ایسا لگ رہا تھا کچھ بھی اچھا نہیں ہوا' ابو کا پریشان اور فکر مند چہرہ اسے اور بے چین کر رہا تھا۔

وہ کبھی امی کی وجہ سے پریشان تو اب اس کی وجہ سے' جب تک رخصتی نہیں ہو جاتی انہیں چین تو نہیں آئے گا' سب لوگ ہی چلے گئے تھے' عنائبہ بھی فارغ ہو کر کمرے میں آ گئی' شامین کو اس نے روک لیا تھا' وشہ بھی چلی گئی تھی' اس کے جانے کے بعد سے تو وہ اور بھی تنہائی محسوس کرتی تھی' ابو آفس میں اور معارج کالج میں ہوتا' دوپہر کے بعد ہی گھر آتا تھا' تھوڑی دیر آرام کرتا پھر سات بجے کوچنگ چلا جاتا تھا' امی اپنی دنیا میں مگن تھیں وہ اکیلی بولائی بولائی پھرتی تھی۔

''عنائبہ! کیا سوچ رہی ہو؟'' شامین واش روم سے نکلی' اسے سوچوں میں گم دیکھا جو بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔

''جی کچھ نہیں''۔ وہ سنبھل گئی۔

''مجھے پتہ ہے تمہیں محریب بھائی کی آج کی حرکت بُری لگی ہے''۔

''بھابی! ابو اتنے پریشان تھے میں ان کا چہرہ تو نہیں بھول سکتی''۔ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''احد ان کی کلاس لیں گے' آخر آئے کیوں نہیں وہ جبکہ مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں''۔

وہ ریان کو ٹھیک سے لٹانے لگی جو کروٹیں بدل رہا تھا۔

''اب تو سارے اختیار رکھتے ہیں کچھ بھی کریں انہیں کوئی ٹوکے گا تھوڑی مگر مجھے یہ انسلٹ ہی لگی ہے' ابو سارا وقت ان کا انتظار ہی کرتے رہے ہیں اور انہیں ذرا احساس نہیں''۔ آنکھوں میں نمی آ گئی' محریب پر آج سے پہلے کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا مگر اس نے سوچ لیا تھا اس انسلٹ پر اسے سنائے گی ضرور' آخر وہ اتنا اکڑ کیوں رہا ہے۔

............☆☆☆............

''پیپرز کے بعد جوائن کرو گے؟'' ریحان احمد نے پوچھا۔

''جی ابو! سلیکشن تو ہو گیا ہے ایگزام سے فارغ ہو لوں''۔ مائز نے انہیں بتایا۔ وشہ پہلو بدل کر رہ گئی' اس نے مائز کو گھورا ابھی جو نارمل انداز میں بیٹھا ہوا تھا' وہ جیسے وشہ کی ناراضی کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہا ہو۔

''پریزنٹنگ کو پروفیشن مت بنانا' تمہیں آفس جوائن کرنا ہے''۔

''جی ابو! میں صرف شوق کی وجہ سے کروں گا''۔

''بڑے ابو! یہ شعبہ اچھا تو نہیں ہے''۔ وشہ سے رہا نہیں گیا تو وہ مداخلت کر ہی بیٹھی۔ فائق کے چتون اٹھے وہ بھی وہیں بیٹھا ٹی وی کے چینلز سرچ کر رہا تھا' رافع موبائل پر گیم کھیل رہا تھا' گھر کی خواتین کوئی نہیں تھیں۔

''بیٹا کرنے دو شوق ہے اس کا' یہ پروفیشن نہیں بنائے گا''۔ انہوں نے وشہ کو تسلی دی۔

''تم خوامخواہ اتنی فکر نہیں کرو''۔ مائز نے بھی اطمینان سے کہا' وشہ نے اندر گرم گرم گھونٹ اتارا' وہ بڑے ابو کے سامنے مائز سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''مائز! پڑھائی پر بھی توجہ دو''۔

''تایا ابو! وشہ باجی کو ان کے میکے روانہ کر دیں''۔ رافع نے بے تکی ہانکی۔

''کیا......؟'' مائز نے حیرانگی سے کہا' وشہ نے بھی چونک کر رافع پر نگاہ ڈالی' فائق نے اپنا موبائل اس سے

لے لیا تھا۔

''وہ اس لیے کہ خوامخواہ دونوں لڑتے رہیں گے پڑھائی خاک ہوگی''۔

''رافع! تم فضول کی بکواس نہیں کیا کرو ہر وقت''۔ فائق نے خشمگیں انداز میں اسے سرزنش کی' وہ لب بھینچ کے رہ گیا' یہ تو بھول ہی گیا تھا وہ بھی یہاں موجود ہے۔

''تمہارا مطلب ہے میں لڑاکا ہوں''۔ وشہ الٹا ہی بُرا مان گئی۔

''وہ وہ وشہ باجی میں تو مذاق کر رہا تھا''۔ ریحان احمد مسکرانے لگے کیونکہ شرارتی حاضر جواب رافع بھی گڑبڑا گیا' وشہ تو باقاعدہ اسے آڑے ہاتھوں لے چکی تھی' فائق کو ایسی باتوں سے بے زاری ہوتی تھی وہ اٹھ کر چلا گیا۔

''دیکھ رہے ہیں بڑے ابو اسے''۔ وہ روہانسی ہو کر شکایت کرنے لگی۔

''توبہ ہے مائز بھائی! آپ کی بیوی تو لڑاکا طیارہ ہے جہاں کچھ کہا میزائل گرانا شروع''۔ وشہ اس کی خبر لینے اٹھی ہی تھی کہ وہ بھاگ لیا' وہ دونوں ہنسنے لگے' وشہ کا منہ پھول گیا تھا مگر مائز اسے منٹوں میں منا بھی لیتا تھا۔

''کہو میری جان کیسے مانو گی' پیار کروں یا گانا گاؤں''۔ وہ شرارتی اور معنی خیز انداز میں بولتا ہوا اس کے قریب ہونے لگا' ریحان احمد کے جاتے ہی اس کی شوخی وظرافت عود کر آئی تھی' وشہ نے کشن اٹھا کر اسے مارا۔

''یہ انداز مجھے آپ کا بہت بُرا لگتا ہے''۔ وہ کچھ حیا سے سمٹ گئی۔

''چلو پھر دوسرا انداز دیکھنا ہے تو بیڈ روم میں چلو''۔

''کیا......'' وہ چیخی۔

''دن ہے''۔ وہ برجستہ بولا۔

''اگر میں نے کسی دن بھی آپ کو موبائل پر کسی لڑکی سے بات کرتے دیکھا تو......''

''لڑکی سے رشتہ پکا کر دو گی''۔ اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ درمیان میں بول پڑا۔

''آپ کو گنجا کر دوں گی''۔ اس کے بازو پر زوردار چٹکی لی۔

''یعنی تم ایک نائی کی بیٹی ہو' ارے کیا بات کر دی تمہاری امی حجام نائی ہیں' بال بھی تو کاٹتی ہیں''۔ مائز کا دماغ اتنا زرخیز تھا وشہ کو اس کی بے ساختگی پر حیرانگی ہوتی۔

''خبردار میری امی کے بارے میں کچھ بولا تو''۔ فوراً ہی اس کے تیور بدل گئے۔

''میں تو بولوں گا''۔ وہ بھی اکڑ گیا۔

''پھر ٹھیک ہے''۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے وارننگ دینے لگی۔

''کیا پھر ٹھیک ہے بولو' دیکھو جان! صاف بات کیا کرو کیا ٹھیک ہے میں یا وہ''۔

''شٹ اپ''۔ وہ تو لاجواب سی ہو کر پسینے میں سرخ ہوتی ہوئی اٹھ گئی کیونکہ مائز کی گفتگو بے لگام ہوتی جا رہی تھی۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 19
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

تین دن ہو گئے تھے حمود کی کوئی کال نہیں آئی تھی' وہ رحمہ کو پڑھانے بھی مسلسل جا رہی تھی اس وقت بھی وہ گھر میں نظر نہیں آتا تھا' منتہیٰ کو فکر بھی ہوئی کہ اس دن کی حرکت پر وہ ناراض تو نہیں ہو گیا ہے' رحمہ کو پڑھا تو رہی تھی مگر اس کا ذہن اور دل نہیں لگ رہا تھا' بار بار بھٹک کے حمود کی طرف ہی جا رہا تھا۔ آج سے پہلے اتنی فکرمند ہوئی بھی نہیں تھی' ایک دن بھی وہ بات کیے بغیر رہتا نہیں تھا مگر اب تو تین دن ہو گئے تھے۔

''کہیں ایسا نہ ہو منتہیٰ تم اس سے لاتعلقی دکھاتی رہو اور وہ بدل گیا تو تم تو کہیں کی نہیں رہو گی اور پھر تم بھی تو اسے چاہنے لگی ہو' مان کیوں نہیں لیتی ہو'۔ اندر سے یہ آوازیں اسے تنگ کرتی رہتی تھیں۔

کیا قسمت پائی تھی کچھ بھی تو اپنا نہیں تھا' یہ زندگی بھی اور جو اپنا ہوتے ہوئے بھی اپنا نہیں تھا اس پر کسی اور کا حق تھا' جو حق نہیں رکھتی وہ حقدار تھی اور جو حق رکھتی ہے وہ اپنے حق سے ابھی تک محروم تھی۔

''منتہیٰ! مجھ سے تو اچھی تم ہو جو اس گھر میں روز آ سکتی ہو اور حمود کے پاس بیٹھ بھی سکتی ہو' میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں''۔

''مس! آج آپ میتھس سمجھائیں گی''۔ رحمہ کی آواز نے اسے سوچوں سے باہر نکالا جو اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ ایسا لگ رہا تھا وہ یہاں موجود ہی نہیں ہو' ہمت نہیں پڑی تھی کہ رحمہ سے ہی حمود کے بارے میں پوچھ لے۔

''ہاں آج نہیں کل کا رکھ لو' کل سمجھاؤں گی''۔ آہستگی سے گویا ہوئی' لائٹ پرپل پرنٹڈ لان کے کپڑوں میں ملبوس سر پر اچھی طرح دوپٹہ اوڑھے ہوئے بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ بدستور اپنے کام میں لگی رہی۔

''رحمہ! مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے' میں جب تک گھر پہنچوں گی مغرب کی ہونے لگے گی پھر عصر کی نکل جائے گی''۔ وہ بولی۔

عموماً وہ عصر کی پڑھ کے نکلتی تھی مگر جب سے ٹائم بدلنا شروع ہوا تھا اذان دیر سے ہوتی تھی' کبھی جلدی بھی آ جاتی تھی مگر آج رحمہ کا کام زیادہ تھا وہ یاد کر رہی تھی جو منتہیٰ کو سن کے چیک کرنا تھا۔ کلثوم بانو نے اسے رحمہ کے ساتھ اس کے کمرے میں ہی بھیج دیا تھا' بڑا سا کشادہ کمرہ' درمیانے سائز کا بیڈ' کھڑکی دروازوں پر لائٹ کلرز کے پردے' بیک شیلف' وارڈروب' کمپیوٹر سب ہی بہت قیمتی تھا' منتہیٰ کو رحمہ پر رشک آیا۔

''جائے نماز میں آپ کو بھائی کے کمرے سے لا کر دیتی ہوں''۔

''کیوں تم نہیں پڑھتی ہو نماز؟'' منتہیٰ وضو کر کے دوپٹہ باندھ رہی تھی۔

''جی وہ نہیں مگر اب میں بھی پڑھا کروں گی''۔ وہ جائے نماز لینے چلی گئی۔ دل سے خواہش ہوئی کہ حمود کا بیڈروم بھی دیکھے کیسا ہے کیونکہ اوپر آتے ہوئے سب سے پہلا بیڈروم اسی کا تھا۔ جائے نماز رحمہ نے بچھا دی تھی وہ پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی' رحمہ پھر وہیں بیٹھ کے پڑھنے لگی۔

''رحمہ' رحمہ''۔ حمود کی بھاری گھمبیر آواز نے چونکایا' اس کی نیت بندھی ہوئی تھی حمود نے اندر قدم رکھا' وہ اس حسن کے شاہکار کو نماز پڑھتے دیکھ کر رک گیا' حوروں جیسی پاکیزگی تھی' کتنی پیاری لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' رحمہ کھڑی ہو گئی۔

''آں...... ہاں وہ امی نیچے نہیں ہیں''۔ وہ پوچھنے لگا۔

''ہاں وہ شہزاد کی بیوی کو دیکھنے گئی ہیں' بھائی بڑا پیارا بیٹا ہے اتنا موٹا ہے''۔ وہ اشتیاق سے بتانے لگی۔

''میں نے صرف امی کا پوچھا ہے' تم بلا کر لاؤ مجھے ان سے کام ہے''۔ وہ حکم دینے لگا' رحمہ فوراً ہی اٹھ گئی۔ حمود

ابھی بھی چوکھٹ پر ہی کھڑا تھا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا' بلیک ڈریس پینٹ پر لائٹ آف وائٹ شرٹ میں ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ منتہیٰ نے سلام پھیرا' اسے دیکھ کر وہ خفیف سی ہو گئی' دعا بھی مانگی نہیں جا رہی تھی کیونکہ حمود اتنے اعتماد سے کھڑا تھا۔ جلدی جلدی دعا مانگ کے جائے نماز تہہ کی' بیڈ کے سرے پر رکھی' دوپٹہ کھول کے نارمل انداز میں اوڑھا۔ وہ جلد از جلد اس کے سامنے سے جانا چاہ رہی تھی مگر وہ راہ میں کھڑا تھا۔

''پلیز راستہ تو چھوڑیئے''۔ پہلی بار غصے سے کہا۔

''اس دل میں تو سارے راستے تم تک جاتے ہیں''۔ وہ مسکرا کے بولا۔

''مگر کچھ راستوں کا تعین سوچ سمجھ کے کرنا پڑتا ہے کہ یہ ہمارے لیے مناسب ہیں یا نہیں یا جس راستے پر ہم اگر چل پڑے تو وہاں سے گرنے کا ڈر نہ ہو''۔ وہ پھر اپنا فلسفہ جھاڑنے لگی۔

''تم چاہے مجھ سے تین دن بات نہ کرو میں نے دیکھ لیا ہے سڑیل ہی انداز میں بولنا سڑیل لڑکی' کبھی تو پیار پر فلسفہ بول دیا کرو''۔ وہ سینے پر بازو لپیٹ کے اس کے قریب ہوا' منتہیٰ کی نگاہ جھکی ہوئی تھی اسے دیکھ کر کوئی بے چینی ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ تین دن سے کتنی اس کے لیے پریشان ہے' رات دن صرف اسے ہی سوچ رہی ہے۔

''اگر سڑیل ہوں تو جان کیوں نہیں چھڑا لیتے' کیونکہ میں پیار پر کچھ نہیں بول سکتی کیونکہ پیار جہاں ہوتا ہے وہاں دشواریاں بھی بہت ہوتی ہیں''۔

''اپنی ایک بات میں دوسری بات کا جواب فوراً حاضر رکھتی ہو''۔

''ان دشواریوں کو ختم کرنے والا تمہارے سامنے موجود ہے' اس پر اعتبار نہیں ہے''۔ اس نے منتہیٰ کا جھکا سر اپنی شہادت کی انگلی سے اٹھایا۔

''مجھے اپنی قسمت پر اعتبار نہیں ہے''۔

''دراصل تمہیں ہر بات نیگیٹو کرنے کی عادت ہے' عجوبہ لڑکی ہو نماز کی ترغیب دیتی ہو اور خود بھی پڑھتی ہو مگر باتیں مایوسی والی کرتی ہو' کفر کرتی ہو تم' پتہ ہے یہ سب ناشکری ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر شکر کیوں ادا نہیں کرتی ہو''۔ حمود کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔

''میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ تو نہیں کر رہی ہوں ہاں مگر کسی کا حق بھی نہیں مار سکتی''۔ وہ پھر نکلنے لگی' حمود پھر راہ میں آ گیا۔

''کیا کر رہے ہیں' رحمہ آ جائے گی' آپ کی امی بھی آ سکتی ہیں''۔ وہ کھسیا گئی۔

''رحمہ اتنی جلدی واپس آئے گی نہیں کیونکہ اسے چھوٹے بچے دیکھنے کا بہت شوق ہے''۔ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

''پھر مجھے گھر جانے دیں''۔

''آج اتنی خفا کیوں لگ رہی ہو''۔ وہ سمجھ گیا تھا تین دن سے کال نہیں کی ہے اسی لیے ناراض ہو رہی ہے۔

''میں آپ سے راضی ہی کب ہوں جو خفا لگ رہی ہوں''۔ لہجہ میں بے رخی اور بیگانگی ہنوز رکھی۔

''نہیں بات تو یہی ہے جو میں بول رہا ہوں کیونکہ آج وہ انداز نہیں ہے''۔ وہ جانچتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا' منتہیٰ کو اس کے دیکھنے سے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی' وہ جتنا اس کے آگے سے نکلنا چاہ رہی تھی وہ اسی طرف جا کر اس کے جانے کا راستہ روک رہا تھا' ہونٹوں پر تبسم بھی تھا۔

''پلیز جانے دیں' آپ کی امی آ گئی ہوں گی''۔

''مجھے پتہ ہے رحمہ نے ابھی تک امی سے کہا ہی نہیں ہوگا' جس دن سے ہمارے چوکیدار کا بیٹا ہوا ہے امی کو میری شادی کا بہت شوق ہو رہا ہے اور صبح ناشتہ پر یہی ٹاپک ہوتا ہے''۔ وہ اسے تنگ کرنے لگا' منتہیٰ کے رخسار گرمئ شوق سے سرخ ہونے لگے۔

''تو کرلیں منع کون کر رہا ہے''۔

''کر تو لی ہے تم سے''۔ وہ پھر مسکرایا۔

''میں آپ کی باتوں کا کبھی کبھی مطلب نہیں سمجھ پاتی ہوں'۔

''ارے یہ تو مجھے کہنا چاہیے' خیر میں سب سمجھ لیتا ہوں اور اس وقت بھی تمہیں سمجھ رہا ہوں' تمہاری آنکھیں تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں''۔ وہ پوری چوکھٹ گھیر کے کھڑا تھا۔ وہ اب تیزی سے اس کے رائٹ سائیڈ سے نکلنے لگی' حمود اس سے ٹکرا گیا اور پھر کمر میں بازو بھی حمائل کرلیا' وہ تو سر سے پیر تک لرزنے لگی' حمود نے آج دوسری بار اسے چھوا تھا۔

''اب تم آ ہی گئی ہو تو اپنا بیڈروم دیکھ کر نہیں جاؤ گی''۔ اس نے منتہیٰ کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

''لگتا ہے آپ کو یہ آسائشیں بری لگ رہی ہیں یا دل بھر گیا ہے جو مجھے بیڈروم دکھانے لے جا رہے ہیں' اگر بابا آ گئے تو سوچ لیں دربدر ہو سکتے ہیں''۔

''ارے میری بھولی بیوی اتنی فکر کاہے کی ہے''۔

''کیا فضول گفتگو کر رہے ہیں''۔ اس کی طبیعت پر گراں گزر رہی تھی' حمود نے اس کی ایک نہیں سنی' بازو پکڑا اور اپنے بیڈروم میں لے آیا' منتہیٰ حواس باختہ حیران پریشان نئی افتاد پر بوکھلا گئی۔ ساری لائٹس حمود نے آن کر دی تھیں روم جگمگانے لگا تھا' وسیع و عریض بیڈ' بڑی سی گلاس ونڈو جس پر اسٹائلش فان کلر کے پردے' بڑی اسکرین کے ساتھ ہی ٹی وی بھی رکھا تھا' ایک سائیڈ پر صوفہ کم بیک' کرسٹل کی گول ٹیبل' ونڈو کے ساتھ ہی وارڈروب' درمیان میں لٹکا گولڈن فانوس غرض ہر چیز سے ہی امارت ٹپک رہی تھی' وہ خواب کی سی دنیا میں موجود سب دیکھ رہی تھی۔

''باقی کی سیٹنگ تم آ کر کرنا' کچھ چینج کروانا ہو فرنیچر وغیرہ''۔ حمود نے اس کی محویت توڑی۔

''سوری جب یہ سب میرا ہے ہی نہیں تو کیوں مجھے یہاں لے کر آئے ہیں' خود کو بھی دھوکا دے رہے ہیں اور مجھے بھی''۔ وہ فوراً ہی سنبھل گئی تھی' وہ کوئی بھی سپنا نہیں سجانا چاہ رہی تھی۔

''میں نہ خود دھوکے میں ہوں نہ تمہیں رکھ رہا ہوں' یہ میرا تم سے وعدہ ہے تم ایک دن اس گھر میں میرے بیڈروم میں میرے ساتھ ہوگی''۔ اس کے لہجے میں وثوق اور یقین ہمہ وقت رہتا تھا۔

''زندگی کو چیلنج نہیں بنائیے''۔

''میں صرف تمہیں جیتنا چاہتا ہوں' محبت سے' پیار سے اور کچھ نہیں چاہیے''۔ اس نے منتہیٰ کو پیار بھری نگاہوں کے حصار میں لیا وہ سمٹ کر رہ گئی مگر اپنے کسی بھی انداز سے حمود کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ارے بیٹھو تو اِدھر''۔ یکدم اسے یاد آیا۔

''جی نہیں اب مجھے چلنا ہے کیونکہ رحمہ کا لگتا ہے موڈ نہیں ہے وہ ابھی تک آئی بھی نہیں ہے''۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہو رہا تھا مغرب بھی ہونے والی تھی۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے چلو میں چھوڑ آتا ہوں''۔ وہ بھی ساتھ نکلا۔

''آپ رہنے دیں آپ کو شاید جانا ہے''۔ اسے یاد آیا۔

''ہاں جانا تو ہے نئی فیکٹری اسٹارٹ کی ہے اسٹاف کے لوگوں کے لیے میں نے آج ہوٹل میں ڈنر رکھا ہے''۔ وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔ منتہیٰ اپنی سابقہ جگہ پر آ کر بیٹھ گئی' حمود نے فریدہ (ملازمہ) کو کہا کہ وہ امی کو بلا کے لائے۔

''مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دیتا رہے''۔

''ہوں یہ دی ناد عا تم نے' گڈ میرا دل خوش کر دیا''۔ اس نے پرجوش طریقے سے منتہیٰ کو سراہا وہ جھینپ گئی۔

''آج تو بزی ہوں گا فون نہیں کرسکوں گا مگر کل رات بک ہے میری تمہارے ساتھ''۔

''جی''۔ وہ اس کے کہنے پر اچھل گئی۔

''وہ میرا مطلب ہے کل رات کال کروں گا' ابھی میری قسمت کہاں کہ رات بک کرلوں تمہیں''۔ اس نے سرگوشی میں کہا' منتہیٰ نے گھورا تو شانے اچکا کر مسکرانے لگا۔

کلثوم بانو اور رحمہ آ گئی تھیں' حمود تیار ہونے چلا گیا تھا اس نے جان بوجھ کر خود کو وہاں سے ہٹا لیا تھا۔

............☆☆☆............

عمران ماما' مامی اور نانی بھی ایک ہفتے بعد روانہ ہو گئے تھے' عنائبہ نے اتنے دن صبر سے کاٹے تھے کیونکہ اس نے سوچ تو لیا تھا کہ محریب سے بات تو کرنی ضروری ہے' آخر وہ آیا کیوں نہیں اور اوپر سے معذرت کا بھی کوئی فون نہیں آیا' اس نے کئی بار باتوں باتوں میں ابو سے پوچھا بھی تھا' وہ بھی مغموم اور اداس سے ہو گئے تھے' وشہ بھی اسے فون پر بتاتی رہتی تھی' محریب نکاح کے بعد مائز سے تو بات ہی نہیں کرتا تھا اور اس سے کرتا تو تھا مگر مائز کو دیکھ کر نظرانداز کر کے چل دیتا تھا۔

''ناراضگی اگر آپ کی مجھ سے ہے' غصہ ہے مجھ پر تو مجھ پر ہی کیجیے' سب کو کیوں سزا دیتے ہیں''۔ وہ بہت پریشان تھی۔ دل کی دنیا تو بے کل تھی ہی مگر اس کی دنیا میں رہنے والے لوگ بھی سب ہی فکرمند اور مضطرب تھے۔

وہ محریب سے ملنا چاہتی تھی مگر کیسے وہاں جائے' خود سے بولے گی تو اچھا نہیں لگے گا اور کہیں وہ مل ہی نہیں سکتا۔ اس نے پھر مکمل فیصلہ کرلیا دادی جان کی طرف چکر لگانے کا' اسی بہانے ہی وہ محریب سے بات بھی کر سکے گی۔

''آپی! آپ کا فون ہے''۔ معارج اس کے کمرے میں جھانک کے بولا۔

''آتی ہوں''۔ وہ اٹھی' فون پر شامین تھی جو اس کی خیر خیریت پوچھ رہی تھی۔

''عنائبہ! یہاں محریب بھائی آئے تھے' احد نے تو انہیں خوب ہی سنایا''۔ اس نے فون شاید یہی بتانے کے لیے کیا تھا۔

''بھابی! سنانے سے کیا فائدہ' انہیں اپنی غلطی کا احساس کب ہوا ہوگا''۔ وہ محریب کی جانب سے کافی بددل سی ہو گئی تھی۔

''وہ کہہ رہے تھے کہیں ضروری کام میں پھنس گئے تھے''۔

''بھابی! کال کر کے بتایا بھی جا سکتا تھا کہ وہ کام میں بزی ہیں' معذرت بھی بہت کچھ ہوتی ہے''۔ اس کے لہجے میں تلخی اور ناگواری تھی۔

''کہہ رہے تھے وہ خود کسی دن بھی جا کر جواد چاچو سے سوری کریں گے''۔

''بھابی! ایک بات کہوں''۔ اسے شامین کا محریب کی طرفداری میں بولنا کافی گراں گزر رہا تھا۔

''ہوں......''

''آپ مسلسل ان کی طرفداری میں بول کے صفائیاں دے رہی ہیں''۔ اسے غصہ آ گیا۔
''عنائبہ! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' میں تو تمہیں بتا رہی تھی''۔
''لیکن بھابی! آپ کیوں بتا رہی ہیں انہیں خود بتانا چاہیے' ان کی غلطی ہے وہ مانیں''۔ وہ گویا ہوئی۔
''ہوں لیکن تم بے فکر رہو میں نے بھی خوب خبر لی ہے آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے''۔ وہ اسے خوش کرنے کو بولی۔
''اچھا چھوڑیے یہ باتیں گھر میں سب خیریت تو ہے' حسنہ پھپھو اور بھیا جی؟'' اس نے خود ہی بات کو بدل دیا۔
''اللہ کا شکر ہے بس آج کل میری کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔
''کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔
''ریان رات میں اتنا تنگ کرتا ہے نیند پوری نہیں ہوتی ہے اوپر سے احد کی ناراضی بھی سہنی پڑ رہی ہے''۔ وہ بتانے لگی۔
''احد بھائی مجھے ایسے لگتے تو نہیں ہیں کہ آپ سے ناراض ہوں''۔ عنائبہ کو حیرانگی بھی ہوئی۔
''میرے ساتھ کیسے ہیں یہ میں ہی جانتی ہوں''۔ عنائبہ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی پھر ریان کی رونے کی آواز پر شامین نے خود ہی فون رکھ دیا تھا۔
عنائبہ کا پھر بھی غصہ کم نہیں ہو رہا تھا' جب تک وہ خود محریب سے بات نہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔
اسے ابو کا اداس چہرہ زیادہ پریشان کر رہا تھا' محریب پہلے بھی کون سا اتنا یہاں آتا تھا مگر ابو سے تو اس کی کافی بات چیت تھی مگر جب سے رشتہ بنا تھا اسے زیادہ محسوس ہو رہا تھا کہ محریب کی ایک ایک حرکت وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

............☆☆☆............

اسے ابو نے اچھا خاصا ڈانٹا تھا' وہ سر جھکائے ان کے سامنے کھڑا تھا' امی الگ اس سے ناراض تھیں جس نے ان کی بات کو بھی اہمیت نہیں دی تھی اور وہ جواد احمد کے اتنے اصرار اور محبت سے بلانے پر بھی نہیں گیا تھا۔ وہ خاموش تھا ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا کیونکہ وہ اگر دعوت پر نہیں گیا تھا تو اس کی وجہ بھی وہ لڑکی تھی جسے سب اب بھی ہمدردی کے قابل سمجھ رہے تھے' اسے تو بلیک میل کیا تھا اور کیا بھی کس نے اس کے بھائی نے' کسی نے بھی اسے نہیں ڈانٹا تھا نہ ہی مائز کو یہ کہا تھا یہ کیا کر رہے ہو' سب ہی شامل ہو گئے تھے اسے ہی سب بار بار یہ کہہ رہے تھے۔
''محریب! مان جاؤ کچھ تو خیال کرو محفل کا''۔ اور وہ سب کی صورتیں ہونقوں کی طرح دیکھ رہا تھا' اس کے دل سے کوئی واقف نہیں تھا۔ وہ عنائبہ کو جتنی بار بھی دیکھتا اس کے اندر کی محرومی اور بے بسی اسے منہ چڑانے کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس نے تو احد سے پہلے ہی کہا تھا وہ قسطوں میں نہیں چاہیے مکمل چاہیے اور اب اس کا بڑا بول ہی اس کے آگے آیا تھا۔ پتہ نہیں کب تک اس کی اور عنائبہ کی زندگی دو کناروں پر ایک دوسرے کو دیکھتے گزرے گی' اس نے ایسی لامتناہی سوچوں سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ احد کو بھی نہیں کیا تھا' آج بھی وہ حسنہ پھپھو کی طرف چلا گیا تھا' احد اور شامین نے بھی خوب خبر لی تھی' پورا وقت شامین تو عنائبہ کی حمایت میں ہی بولتی رہی تھی۔ محریب غصہ میں بھرا ہوا تھا مگر احد نے بھی الگ اتنا سنایا تھا کہ وہاں سے بھی بدمزا ہو کر گھر آیا تو ابو اور امی کی عدالت میں اس کی پیشی ہو گئی' وہ ابھی بھی کچھ نہیں بولا۔
''تمہاری سوچ کیا ہے محریب! آخر کیوں تم ایسے ہو گئے ہو؟'' ابو نے دلگرفتہ ہو کر اس کی حالت کو دیکھا۔
''میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا' میں سچ کہہ رہا ہوں بزی تھا''۔ کب سے سب کو ہی صفائیاں دے رہا تھا۔

''تم بزی تھے یہ ہم سب مانتے ہیں مگر بیٹا اس دن تم کچھ دیر کے لیے ٹائم نکال تو سکتے تھے مگر تم نے اہمیت دی ہو تو سوچتے''۔
''ایسا کون سا اب میں اتنا اہم ہو گیا ہوں کہ آپ سب کو ہی میرے نہ آنے پر اتنا اعتراض ہو رہا ہے' سب خفا بھی ہو رہے ہیں''۔ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ امی کا تو دل دُکھتا تھا وہ سب سے ہی اتنا دور ہوتا جا رہا تھا' نہ شکایت میں کچھ بولتا اور نہ ناراضی دکھاتا مگر مائز سے وہ بالکل بات نہیں کر رہا تھا۔
''تم اب جواد کے داماد ہو' ظاہری بات ہے سب کو ہی تمہارا انتظار تھا''۔
''سوری آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا''۔ وہ شرمندگی سے سر جھکائے بولا اور پھر کمرے سے نکل گیا' دل بہت ملول تھا' سب کو آج بھی اسی لڑکی کی فکر تھی کسی کو بھی اس کی فکر نہیں تھی۔
''بھائی جان!'' مائز نے اسے پکار لیا۔ محریب کے اوپر اٹھتے قدم رُکے مگر اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا' وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔
''بھائی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔
''میں تھکا ہوا ہوں''۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔ مائز نے بھی اس کی تقلید کی' وہ ہنوز ناراضی رکھے ہوئے تھا' ہینڈل گھما کے کمرے کے اندر قدم رکھا مائز بھی اندر آ گیا۔
''آپ چینج کریں میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں''۔ اس کے بیڈ پر آرام سے لیٹ گیا' مائز نے نگاہ اٹھا کر اسے تنقیدی انداز میں گھورا جو اطمینان سے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے نیم دراز تھا۔
''مائز پلیز! میں تھکا ہوا ہوں مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے''۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔ مائز نے استفہامیہ انداز میں اپنے ناراض سے بھائی کو بغور دیکھا جو روز بروز سنجیدہ سے سنجیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔
''مگر میں تو کر کے ہی جاؤں گا''۔ وہ بدستور اپنے پُرشوق سے لہجے میں بول رہا تھا۔
''ہر وقت بچے مت بنا کرو' جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں تھکا ہوا ہوں تو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے''۔ وہ ڈانٹ کے گویا ہوا۔
''آپ کو پتہ ہے میں آپ سے چھوٹا ہوں' میں بڑا کیسے ہو سکتا ہوں''۔
''فضول مت ہانکا کرو''۔ اس نے وارڈ روب کھولی' اپنا نائٹ سوٹ نکالنے لگا' مائز جز بز سا ہو کر بیڈ سے اٹھا۔ محریب اور اتنے غصہ میں' اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کیونکہ محریب تو کبھی غصہ کرتا ہی نہیں تھا۔
''جاؤ یہاں سے مجھے سونا ہے''۔ بے رُخی اور سرد مہری وہ جتنی دکھا رہا تھا مائز کو اور افسوس میں مبتلا کر رہا تھا۔
''بھائی! آپ کی یہ ناراضی کب تک چلے گی؟''
''ایک تو کام غلط کرتے ہو اور الٹا مجھ سے پوچھ رہے ہو' دل کر رہا ہے رکھ کے جھانپڑ لگاؤں''۔ وارڈ روب بند کر کے وہ اس کی سمت مڑا تھا' وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کیے کھڑا تھا۔
''جتنے جھانپڑ لگانے ہیں لگا لیں مگر پلیز آپ مجھ سے ناراضگی تو ختم کریں''۔ وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا تھا۔
''تم نے پتہ ہے کیا کیا ہے' بہت بڑا میرا نقصان کیا ہے''۔
''سوری بھائی! اپنے اس چھوٹے بھائی کو معاف نہیں کریں گے''۔ وہ معصوم سی صورت بنا کے شرمندگی سے بول رہا تھا۔
''مائز! اس وقت میرا دماغ کھول رہا ہے مہربانی کر کے یہاں سے چلے جاؤ''۔ وہ جتنی اجنبیت اور رُکھائی دکھا

رہا تھا مائز کو پتہ تھا اس کا بھائی اس سے تو کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔

"مجھے پتہ ہے آپ کی یہ ساری ناراضی اور غصہ سب بناوٹی ہے"۔ محریب کپڑے لے کے واش روم میں جا رہا تھا' مائز کی بات پر ایک لمحے کو رُکا مگر ایسا بن گیا جیسے سنا نہیں۔ مائز کا ارادہ پھر بھی جانے کا نہیں تھا وہ اس کا انتظار کرنے لگا' محریب چینج کر کے نکلا اسے موجود دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"مائز! کیوں مجھے اتنا مجبور کر رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ سخت رویہ رکھوں"۔

"میں بُرا پھر بھی نہیں مانوں گا مگر پلیز بھائی! بھابو سے کیوں ناراض ہیں' اب تو وہ آپ کی......"

"شٹ اپ' ہر وقت بکواس کرتے رہا کرو' چلے جاؤ یہاں سے"۔ اس نے باہر کی سمت اشارہ کیا۔ مائز کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی کیونکہ محریب کا انداز اتنا غضبناک کبھی نہیں دیکھا تھا' اس کے چہرے کے رنگ پھیکے پڑ گئے' ساری شوخی ختم ہو گئی۔

"بھائی! میں نے اتنی بڑی غلطی بھی نہیں کی ہے کہ آپ مجھے معاف بھی نہیں کر سکتے"۔ لہجہ اس کا دھواں دھواں تھا۔

"میں تو آپ کو خوشی دینے چلا تھا مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ آپ اتنا سخت ناراض ہوں گے"۔

"تم نے بھری محفل میں مجھے تماشا بنایا ہے"۔ یہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا' اُس وقت کتنا وہ مجبور ہو گیا تھا۔

"یہاں سے چلے جاؤ میرا سر درد کرنے لگا ہے"۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کے اپنے اندر کے غصہ کو کنٹرول کیا۔

"آپ یہ نہیں سمجھئے گا کہ میں آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دوں گا' جب یہ نکاح ہوا ہے تو رخصتی بھی ضرور ہو گی' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے"۔ وہ اسے دوٹوک انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ محریب نے دانت پیسے کیونکہ رخصتی تو بالکل نہیں ہونے دے گا چاہے عنائبہ ساری زندگی وہاں بیٹھی رہے۔

"بہت محبت ہے تمہیں اپنی ماں سے' کرتی رہو محبت مگر اس بار میں تمہاری خوشی اور مرضی پر بالکل نہیں چلوں گا"۔ اسے بھی ضد ہو گئی تھی۔

دھڑ سے بیڈ پر لیٹا وہ عنائبہ کو سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر اب تو وہ ہر لمحہ اس کی سوچوں میں ہی رہنے لگی تھی' جذباتی رو بہکنے کو تیار تھی مگر وہ اتنا کمزور نہ پہلے تھا اور نہ اب پڑے گا۔

وہ زندگی میں ہمیشہ دوسروں کی خوشی میں خوش رہا' سب کا خیال کیا' مگر جس سے زندگی وابستہ تھی وہ کیوں اسے اہمیت نہیں دیتی تھی' وہ کل بھی انجان تھی اور آج بھی اتنی ہی انجان تھی۔

"عنائبہ! مجھے تمہارا ساتھ بغیر جذبوں کے نہیں چاہیے بلکہ مجھے تمہاری محبت بھی چاہیے' اس دل کو تمہاری تمنا ضرور ہے مگر تمہارے دل میں بھی میرے لیے محبت ہو"۔ وہ اتنا خود غرض ہو کے سوچ رہا تھا' عنائبہ کے رویہ نے اسے خود غرض بنا دیا تھا۔

"محریب احمد نے عنائبہ سے محبت کی ہے شدتوں سے اس لیے جواب میں مجھے بھی وہ شدتیں چاہئیں"۔ وہ آنکھیں موندے اسے ہی سوچے جا رہا تھا' دل کی حالت یہ تھی کہ بے رُخی رکھ کے بھی وہ بے کل تھا اور اسے سوچوں میں شامل کر کے بھی بے کل تھا' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیوں ایسا ہو رہا ہے۔

............☆☆☆............

اس دن وہ شام میں پھر گھر آ گیا' دیکھا تو بابا بھی تھے وہ حیران ہوا جبکہ وہ اپنی فیکٹری سے شام میں گھر کا چکر ضرور لگاتا تھا چاہے اسے منتہیٰ کی جھلک ہی دیکھنے کو ملے۔ منتہیٰ' راحمہ کو ڈائننگ روم میں بیٹھی پڑھا رہی تھی آج جگہ

کا انتخاب راحمہ نے کیا تھا ورنہ عموماً وہ ہال کمرے میں پڑھتی تھی' ہشام سالار لاؤنج میں بیٹھے تھے آج تو منتہیٰ کا بھی سامنا ہو گیا تھا وہ بہت گھبرائی بھی تھی مگر وہ اس کے سلام کا جواب دے کے لاؤنج میں چلے گئے تھے' منتہیٰ کو ایسا لگا جیسے سانس رک رہی ہو' وہ خاصے بارعب اور لمبے چوڑے تھے۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" ہشام سالار کی تیز آواز پر وہ کوریڈور پھلانگتا ہوا تیزی سے جا رہا تھا کہ رُک گیا۔ منتہیٰ کو بھی آواز سنائی دی تھی' وہ چونک گئی' ڈائننگ روم سامنے تھا اور لاؤنج بھی سامنے تھا' درمیان میں ہال کمرہ تھا' ڈائننگ روم سے لاؤنج کا نظارہ بھی ہو رہا تھا مگر تھا کافی فاصلے پر اس لیے سامنا نہیں ہو رہا تھا۔

"بتایا تو تھا میٹنگ ہے"۔ حمود نے خود کو مضبوط بنا کے جواب دیا۔

"تمہارے آفس کی روز ہی میٹنگ کیوں ہوتی ہے"۔ انہوں نے نکتہ اعتراض اٹھایا' حمود بلیک ڈریس پینٹ پر لائٹ پرپل شرٹ میں ملبوس نکھرا نکھرا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"بابا! کیا ہو گیا ہے اب تو پورے بیس دن بعد رکھی ہے میں نے"۔

"جو بھی ہے مجھے تم سے بات کرنی ہے بیٹھو اِدھر"۔ انہوں نے حکم دیا۔

"مجھے پتہ ہے آپ کا ٹاپک وہی ہو گا منگنی شادی"۔ وہ چڑ گیا۔ منتہیٰ کے کان کھڑے ہو گئے کہ دونوں میں بحث ہونے والی تھی' دل بھی تیز دھڑکنے لگا تھا حمود کی منگنی شادی کا سن کر۔

"میں نے نیاز کو نیکسٹ ویک کا کہہ دیا ہے منگنی کا' حمنیٰ انگلینڈ سے واپس بھی آ جائے گی جب تک"۔

"اس سے بولیں وہیں منگنی کر لے کسی سے"۔ حمود کا حلق تک کڑوا ہو گیا' اس نے نگاہ ترچھی کر کے ڈائننگ ہال کی سمت دیکھا منتہیٰ متوجہ تو نہیں ہے۔

"گدھے ہی رہنا کبھی ڈھنگ کی بات نہیں کرنا"۔

"ڈھنگ کی بات پہلے ہی کر چکا ہوں' ایک شادی میں اپنی پسند کی کروں گا"۔ وہ آج بھی اپنی ضد پر قائم تھا۔

"پھر کب کر رہے ہو شادی"۔ انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔

"جب وہ مان جائے گی"۔ منتہیٰ تو پہلو بدل کے رہ گئی' اتنا دلیر تھا حمود کہ اپنے بابا سے بحث کر رہا تھا۔

"پھر اُسے اِدھر کا رُخ بھول کے بھی نہیں کرانا"۔

"کیوں نہیں کراؤں' یہ میرے باپ کا گھر ہے آئے گی دس بار وہ"۔ اس نے قطعیت بھرے لہجے میں رعب و دھونس سے کہا۔

"مت بھولو باپ میں ہوں"۔ وہ گویا ہوئے۔

"یار بابا! فضول کی بحث شروع ہو جائے گی"۔

"اس لیے کہہ رہا ہوں انسانوں کی طرح تیار ہو کے آ جانا' نیکسٹ سنڈے کو نیاز علی نے اور میں نے تم دونوں کی منگنی رکھی ہے"۔ انہوں نے اسے جتایا' منتہیٰ کو تو پسینے آنے لگے' راحمہ نے کام کرتے کرتے سر اٹھایا۔

"سنیں آپ نے بابا اور بھائی کی باتیں"۔

"تم کام کر رہی ہو یا باتیں سن رہی ہو"۔ اس نے راحمہ کو سرزنش کی۔

"مشکل ہے کام ابھی میں نہیں کر رہی"۔ انگڑائی لی۔ منتہیٰ نے بغور اس کی یہ حرکت فہمائشی انداز میں دیکھی' وہ چیئر کھسکا کے اٹھ چکی تھی۔

"اپنے باپ سے بحث کرو گے"۔ ہشام سالار کی گرجدار اور دھاڑتی آواز پر دونوں ہی سہم کر ادھر دیکھنے لگیں۔

''بابا! آپ بات کو اور مسئلے کو الجھا رہے ہیں' آپ میری بات سمجھیں تو''۔ حمود نے نرم سے لہجے میں نہایت آہستگی سے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''کیا سمجھوں' کتنے مہینے ہوگئے ہیں تم ٹال رہے ہو''۔

''جب تک میری پسند کی وہ لڑکی مان نہیں جائے گی میں حمنیٰ سے منگنی بھی نہیں کروں گا یہ آپ سن لیں''۔

''کیا' اپنے باپ کو کہہ رہا ہے سن لیں''۔ ہشام سالار تو آگ بگولہ ہی ہوگئے۔

''میری بھی بات دماغ میں گھسالو' نیکسٹ سنڈے کو تمہاری منگنی ہے''۔

''سوچ لیں بابا! گھر سے بھاگ بھی سکتا ہوں اگر زبردستی کی تو''۔ اس نے دھمکی دی۔

''دیکھتا ہوں کیسے بھاگتے ہو' میں بھی باپ ہوں تمہارا''۔

منتہیٰ حیرانگی سے دونوں کا جھگڑا دیکھ بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی' اسے حمود پر افسوس ہو رہا تھا جو اپنے بابا سے اتنی بحث کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ منگنی رکھیں اس دن میں گھر سے بھاگ لوں گا''۔ وہ ہال کمرے سے نکلا۔

''حمود! سوچ لو میں عاق کر سکتا ہوں اس گھر سے اور تمام جائیداد سے''۔ انہوں نے وارننگ دی۔ حمود کے قدم رک گئے اسی وقت وہ مڑا اور ان کے غضبناک چہرے کو دیکھا جو واقعی سنجیدہ لگ رہے تھے' منتہیٰ ہکا بکا سی سنتی رہ گئی وہ کیا کہہ رہے تھے۔

''ارے مس! یہ روز کی لڑائی ہے آپ دیکھتی جایئے اور سنتی جایئے' بھائی بابا کو کیسے شیشے میں اتارتے ہیں' جیت بھائی کی ہی ہوتی ہے''۔

''مگر راحمہ! یہ اچھی بات تو نہیں ہے آپ کے بھائی آپ کے بابا سے اتنا جھگڑا کر رہے ہیں''۔ اس نے دکھ اور تاسف سے کہا۔

''بھائی اور بابا میں ہمیشہ جنگ ایسی ہی ہوتی ہے' آپ اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہیں دونوں دوست بھی ہیں''۔ وہ مسکرا کے اس کے حیران پریشان نازک سے مکھڑے کو دیکھنے لگی۔

''واٹ...... آپ مجھے عاق کریں گے' یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کم از کم مجھے اس حمنیٰ سے منگنی تو نہیں کرنا پڑے گی' کم آن بابا! جلدی عاق کریں سچ میں تھک گیا ہوں یہ روز روز کے ٹاپک سے''۔ وہ چہرے پر ناگواری طاری کر کے گویا ہوا۔

''گدھے' گھامڑ آدمی میں عاق کرنے کی بات کر رہا ہوں اور تو منگنی کو لے کر بیٹھا ہے''۔

''پلیز عاق کر دیں مجھے''۔ وہ التجا کرنے لگا۔ منتہیٰ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں' حمود کو ذرا فکر نہیں تھی بابا نے کیا کہا ہے اور وہ ان سے الٹا ضد کر رہا تھا۔

''کبھی مر کے بھی نہیں کروں گا تجھے عاق' منگنی شادی سب تمہاری حمنیٰ سے ہوگی''۔ وہ واپس اپنی بات پر آگئے۔

''اُف...... بابا! کتنی میں نے آپ کو سلگانے میں محنت کی کہ آپ عاق کر دیں اور میں یہاں سے نکلوں' کم از کم حمنیٰ سے جان تو چھوٹے گی''۔ وہ تھک کے دھڑ سے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا' کلثوم بانو ان دونوں کی آوازوں پر دوڑی آئی تھیں۔

''آ جایئے دیکھئے اپنے لاڈلے کو''۔

''آپ بھی وقت دیکھتے ہیں نہ موقع شروع ہو جاتے ہیں''۔ ان کا اشارہ منتہیٰ کی سمت تھا جو ڈائننگ روم سے آ

گئی تھی۔ اسے یہاں رہ کے گھبراہٹ ہونے لگی تھی' چہرے کے رنگ بھی اُڑے ہوئے تھے' حمود نے اچٹتی نگاہ ڈالی' ہشام سالار جزبز سے ہوگئے۔

''آنٹی! مجھے گھر جانا ہے''۔ وہ جھٹ بولی کیونکہ مزید رک کر وہ حمود کو بابا سے جھگڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ہشام سالار کی گہری اور پُرسوچ نگاہوں نے گھبرائی ہوئی منتہیٰ کا جائزہ لیا' دھانی کلر کے پرنٹڈ کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس دوپٹہ سر سے اوڑھ کے اچھی طرح خود کو ڈھانپا ہوا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے' حمود! دیکھ تو جا کر شہزاد ہے یا نہیں''۔ انہوں نے جان بوجھ کے حمود کو وہاں سے ہٹانا چاہا تاکہ معاملہ کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

''شہزاد ہے''۔ وہ خود ہی بولا۔

''کہہ کر آؤ منتہیٰ کو چھوڑ آئے گا''۔ وہ بھی چاہ رہی تھیں منتہیٰ چلی جائے کیونکہ کافی دیر سے دونوں باپ بیٹے جھگڑنے میں مصروف تھے' وہ منتہیٰ کی موجودگی بھی یکسر بھلا چکے تھے۔

''شہزاد بلا رہا ہے انہیں''۔ حمود نے نگاہ دوسری جانب کر کے کہا۔

''اور ہاں امی! میں بھی میٹنگ میں جا رہا ہوں''۔

''میری بات پوری نہیں ہوئی ہے''۔ ہشام سالار تیز لہجے میں بولے' منتہیٰ اپنا پرس اٹھا کے تیزی سے وہاں سے نکل گئی' وہ تو بہت ہی ڈر رہی تھی ہشام سالار کے غصے سے مگر حمود اتنا ہی اطمینان سے تھا۔

''اوکے باقی بات کل کر لیجیے گا''۔ وہ انہیں اطمینان سے کہہ کر نکل گیا' منتہیٰ مین گیٹ تک آ گئی تھی' گاڑی تھی ہی نہیں بس ایک گاڑی بلیک کلر کی باہر کھڑی تھی جو حمود کی تھی۔

''جلدی آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا''۔ عقب سے آ کر اس کے کان میں کہا' وہ اچھل گئی حمود نے بازو پکڑا اس کا اور فرنٹ ڈور کھول کے اسے بٹھا دیا' کیونکہ گھر کے کسی ملازم نے اسے دیکھ لیا تو ٹھیک نہیں تھا' وہ تو شکر تھا راحمہ بھی آج پورچ تک نہیں آئی تھی' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

............☆☆☆............

اس کی مشکل خود ہی آسان ہوگئی تھی' دادی جان نے اسے بلایا تھا اور فائق اسے لینے آیا تھا' اس نے شکر ادا کیا کیونکہ محریب سے وہ کسی طرح تو باز پرس کر سکے گی' جب سے آئی تھی دادی جان کے ہی روم میں تھی مگر اسے اس وقت باہر آنا پڑا جب ندرت کی ساس بمعہ مٹھائی کے چلی آئی تھیں' سب ہی گھر والے حیران تھے کیونکہ ابھی تک بھی ان لوگوں نے جواب نہیں دیا تھا' فائق جانے کیا سوچے بیٹھا تھا۔ یمنیٰ کو ندرت کی ساس نے مٹھائی کھلا کے منہ میٹھا کرا دیا' سب کچھ بول ہی نہیں پائے تھے۔

''میں ندرت سے کب سے کہہ رہی ہوں ہم خود ہی جا کر منہ میٹھا کرا آئیں گے''۔ وہ بڑی خوش تھیں کیونکہ کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ فائق تو خود ہی کچھ دن میں امی کو کہنے والا تھا کہ وہ فراج کا رشتہ قبول کر لیں مگر وہ خود ہی چلی آئی تھیں۔

''میں فائق کی وجہ سے نہیں آ رہی تھی کیونکہ اعتراض اسے تھا''۔ ندرت نے سامنے بیٹھے فائق پر طنز کیا۔

''آپی! ویسے بھی میں امی سے کہنے والا تھا ہاں جواب دے دیں' وہ تو آپ خود آ گئیں ورنہ ایک دو دن میں فون میں خود ہی کرتا''۔ وہ بھی شرمندہ بالکل نہیں ہوا تھا۔

''تم نے روکا کیوں تھا؟'' ندرت کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"اس لئے فراج سے ذاتی طور پر میں کئی بار بار مل چکا ہوں' میں نے اسے ہر لحاظ سے پرکھا ہے' اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے"۔ فائق نے بھی آج پہلی بار ستائش بھرے انداز میں کہا۔

"فراج نے تو ہمیں کبھی نہیں بتایا"۔ ندرت حیران بھی ہوئی۔

"وہ بھی سمجھدار شخص ہے' جیسی میری سوچ تھی وہ بھی ویسا ہی نکلا اس لیے خاصی اچھی طرح اس کی اور ہماری مختلف اوقات میں بات چیت ہوئی ہے' یہ اس کی عقلمندی ہے کہ اس نے سب کو نہیں بتایا"۔ فائق نے عروب کو اپنی گود میں اٹھایا جسے گود میں لینے تک تو کیا بات کرنے تک پر بھی پابندی لگائی ہوئی تھی۔ ندرت نے اسے گھورا جو عروب سے کھیل میں لگ گیا تھا' فائق کے انداز میں اتنا ٹھہراؤ تھا کہ وہ حیران ہوتی تھی غصہ کرتا تھا مگر جس کام کے پیچھے پڑ جائے وہ کر کے چھوڑتا تھا مگر اسے اپنے ایکسپریشن چھپانے میں بھی کمال حاصل تھا اسی لیے اس کی اکثر محریب سے بھی سنجیدہ گفتگو رہتی تھی' مائز اور وہ ہم عمر ہی تھے' مائز بہت زیادہ شوخ تھا مگر فائق کی اور اس کی دوستی پھر بھی بہت تھی۔

"عنائیہ! تم نے تو دیکھا ہے فراج کو' کیسا لگا؟"

"ارے ندرت آپی! آپ بھابو سے کیوں پوچھ رہی ہیں' ان کو جو اچھا لگتا تھا اس سے ان کا نکاح ہو گیا ہے"۔ مائز نے بھی ان کی محفل جوائن کی' وہ سب لاؤنج میں جمع تھے اور بزرگ حضرات کی محفل دادی جان کے کمرے میں تھی۔ عنائیہ نے مائز کے بازو پر چٹکی لی' اسے سب کے سامنے بولنے پر شرم بھی آئی۔

"آج بھائی بھی گھر میں ہیں' اگر ڈیٹ مارنے کا ارادہ ہو تو سیٹ کر دوں کہیں ملنے کی جگہ"۔ مائز نے شوخی سے اس کے کان میں کہا۔

"مائز سدھر جاؤ"۔ اس نے آنکھیں نکال کے وارننگ دی۔

"مشکل ہے"۔ اس نے منہ بنا کے کہا۔

"مجھے تو یہ حیرت ہوتی ہے محریب پر' کبھی ہم لوگوں کے درمیان آ کے کیوں نہیں بیٹھتا ہے' جہاں سب بڑے ہوتے ہیں وہاں یہ بیٹھا ہوتا ہے"۔ ندرت کو بھی اکثر اعتراض ہوتا تھا۔ عنائیہ نے لب بھینچ کر تائیدی انداز میں ندرت کو دیکھا کیونکہ یہ جھوٹ بھی نہیں تھا' محریب کم ہی ان سب کے درمیان بیٹھتا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے محریب بھائی میں کسی بزرگ کی روح گھس گئی ہے"۔ رافع نے بھی اپنی مداخلت ضروری سمجھی۔

"تم سب ہی فضول سوچتے ہو' ظاہری بات ہے محریب بھائی اس گھر کے بڑے بیٹے ہیں' وہ سنجیدہ مزاج کے ہیں اسی لیے وہاں زیادہ ضروری سمجھتے ہیں خود کو"۔ فائق گویا ہوا۔

"پھر ایسا کرو تم بھی وہاں بیٹھا کرو کیونکہ تم میں خود سو سالہ بوڑھے کی روح ہے"۔ مائز تو موقع چاہتا تھا اسے ہر بات میں لپیٹنے کا۔

"ہر بات مجھ پر لے آیا کرو"۔ فائق نے ترش روی سے کہا اور اٹھ کر جانے لگا مگر مائز نے بازو پکڑ کر واپس کاؤچ پر بٹھا دیا۔

"ہر وقت غصہ سے مت جواب دیا کرو' جسٹ مذاق کیا ہے میں نے"۔ مائز کو اس کی یہی عادت بری لگتی تھی۔

"تم ہر وقت فضول کی ہانکتے رہو میں تمہاری سنتا رہوں اور مسکراتا رہوں"۔

"ارے بھئی کیا ہو گیا ہے فائق! حد ہوتی ہے کسی بات کی' کبھی تو اپنا موڈ سیدھا کر لیا کرو"۔ ندرت نے بھی اسے ٹوکا۔

"آپ سب بے ہنگم گفتگو کریں میں آپ سب کی طرح مسکراتا رہوں"۔ وہ بھی تنک کے گویا ہوا۔

"تم اپنے آپ کو کیا کسی ملک کا شہزادہ سمجھتے ہو جو نمایاں بننے کے چکر میں پڑے رہتے ہو' سیدھے رہا کرو کیا اپنا رعب سب پر ڈالا ہوا ہے"۔ ندرت کو بہانہ چاہیے تھا اسے گھیرنے کا کیونکہ اس پر بھی تو اپنا رعب رکھا ہوا تھا وہ ڈرتی بھی تھی مگر آج پُراعتماد بن کر اسے آڑے ہاتھوں ہی لیا۔

"ندرت باجی! ارے آپ تو سیریس ہونے لگیں"۔ وشہ کب سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی' جب ماحول کو سنجیدہ ہوتے دیکھا تو بول ہی پڑی۔ فائق کا چہرہ غصہ کی وجہ سے تمتمانے لگا' وہ کچھ بولا نہیں تیزی سے تلملاتا ہوا وہاں سے نکلا تھا' سب ہی خفیف سے اور جز بز سے ہو گئے تھے کیونکہ سب کو پتہ تھا ندرت کو جب کسی کی کوئی بات بُری لگتی وہ اپنا بیگ سنبھالتی اور گھر جانے کو تیار ہو جاتی۔

"آپی! آپ کو کیا ضرورت تھی ان سے الجھنے کی' موڈ خراب ہو گیا"۔ رافع کو بھی ناگوار گزرا تو بولے بنا نہ رہ سکا۔

"چپ کرو تم بھی بہت اس کی سائیڈ لیتے ہو"۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی' عنائیہ نے ہی اسے پھر سنبھالا' کیونکہ وہ جانے کے لیے تیار ہونے لگی تھی' اچھا خاصا گھر کا ماحول اتنا شوخ ہو رہا تھا ذرا سی بحث و تکرار کی وجہ سے وہاں پر افسردگی چھا گئی تھی۔ مائز ایک گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا' وہ جانتا تھا اگر اس وقت جا کر اس نے فائق کو کچھ بھی سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بھی اسے اتنی سنائے گا کہ چپ کرانا مشکل ہو جائے گا کیونکہ وجہ وہی تھی اس چھیڑ چھاڑ اور مضحکہ خیز انداز کی وجہ سے بات اتنی آگے بڑھ گئی تھی' پھر سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ عنائیہ الگ الجھن کا شکار ہو گئی کیونکہ محریب سے اس کا ابھی تک بھی سامنا نہیں ہوا تھا' اب تو شام کے سات بجنے والے تھے اور اسے رات میں چلے جانا تھا' کسی طرح تو محریب سے بات کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

"تہذیب! [illegible] اپنے بابا سے بحث ہی کیے جا رہی تھے"۔

"منتہٰی باجی! [illegible] بحث کے پیچھے لگی ہوئی ہیں' آپ [illegible] سن کر ذرا بھی فکر نہیں ہو رہی ہے اور نہ ہی غصہ آ رہا ہے وہ حمنی نیاز سے شادی [illegible] رہے ہیں"۔ تہذیب کو اس پر حیرانی تھی جو یہ بات جیسے سوچ ہی نہیں رہی تھی اسے منتہٰی پر ترس بھی آ رہا تھا۔

"تہذیب! مجھے اس کی کوئی فکر نہیں ہے' وہ اس سے [illegible] کر لیں"۔ وہ یہ کس دل سے کہہ رہی تھی وہی جانتی تھی۔ تہذیب نے چونک کر جانچتی اور تفتیشی نگاہیں اس کے چہرے پر جمائیں جو سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

"منتہٰی باجی! اتنی مضبوط نہیں بنیں آپ' مجھے یہ بالکل گوارا نہیں ہے کہ آپ اپنا حق کسی دوسری لڑکی کی جھولی میں ڈالنے کو کہتی رہیں' آپ ان کی بیوی ہیں آپ کو ذرا دکھ نہیں ہو گا کہ حمود سالار اس سے منگنی کر لے"۔ تہذیب کو اس پر غصہ ہی آنے لگا۔

"میرے لیے کیا ہے اور کیا نہیں میں نے اپنی حد کا تعین پہلے ہی کر لیا ہے' میں نے کبھی اپنی آنکھوں میں سپنے سجائے ہی نہیں ہیں کیونکہ جب میری کوئی منزل ہی نہیں ہے تو سپنے کیوں سجاؤں"۔ وہ افسردگی اور مایوسی میں گھری ہوئی بول رہی تھی۔

"پتہ ہے تہذیب! اگر پہلے سے ہی اپنے دل و دماغ کو تیار کر لو تو پھر بعد میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی ہے"۔ تہذیب بھی سوچ میں پڑ گئی کیونکہ جو بات بھی اس نے کہی تھی اسے بھی آگہی دے رہی تھی' وہ بھی تو اسی جگہ پر کھڑی تھی جہاں منتہٰی تھی' فرق صرف اتنا تھا منتہٰی کا نکاح اس شخص سے ہو چکا تھا جس کو اس نے چاہا نہیں تھا نہ سوچا تھا نہ ہی اس کے سپنے سجائے تھے مگر جس شخص سے نکاح ہوا تھا اس کی چاہت اب منتہٰی بن گئی تھی اور وہ جس کے سپنے بھی دیکھتے

ہوئے ڈرتی تھی کیونکہ اس شخص کی وہ چاہت ہی نہیں تھی مگر اس کے دل کی چاہت فائق احمد بن گیا تھا۔

''اگر آپ حمود سالار کا ساتھ دیں تو یقیناً منی نیاز کی جگہ آپ وہاں ان کے گھر میں ہوں گی''۔

''جب مجھے سب حالات واضح اور صاف نظر آ رہے ہیں میں بھول کے بھی نہیں سوچنا چاہتی کیونکہ مجھے پتہ ہے ان کے بابا مجھے کبھی بھی قبول نہیں کریں گے''۔

''فرض کریں اگر آپ کے چھوٹا سا پیارا سا بے بی ہو جائے پھر تو ضرور قبول کر لیں گے''۔ وہ بے ساختہ ہی بولی' منتہیٰ نے جھینپ کے لب بھینچ لیے' پھر اسے حمود کی اس دن کی باتیں ذہن میں آ گئیں جب وہ شہزاد کے بچے کا ذکر کر رہا تھا۔

''فضول نہیں بولا کرو''۔ وہ اٹھنے لگی کیونکہ اسے رات کے لیے روٹیاں بنانی تھیں۔

''گھر جاتی ہیں تو حمود بھائی گھر میں تو ضرور ہوتے ہوں گے''۔ دونوں ہی کچن میں آ گئیں۔

''ہوتے ہیں بھی اور کبھی خاص طور پر اس ٹائم آ جاتے ہیں''۔ اس نے چولہے پر توا رکھا تھا۔

دروازے پر ایک دم ہی متواتر دستک ہوئی دونوں ہی چونک گئیں' مبینہ تو اندر سلائی کر رہی تھیں حکمت اور حمزہ' محریب کی طرف گئے ہوئے تھے کیونکہ وہاں عنائبہ آئی ہوئی تھی اور یمنیٰ کا رشتہ بھی سمجھو آج ہی پکا ہو گا ایک رونق ہی لگی تھی' مائز نے ان دونوں کو بلوا لیا تھا' تہذیب نے دروازہ کھولا حمزہ کھڑا تھا۔

''کیا ہو گیا تمہیں؟'' اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''وہاں حمود بھائی آئے ہیں' آنٹی نے منتہیٰ باجی کو بلایا ہے''۔ اس نے اطلاع بھی دی اور پیغام بھی پہنچایا۔ منتہیٰ چونک گئی' حمود کے نام پر دل دھڑک گیا' روٹی وہ بیل رہی تھی۔

''چلئے آپ کا بلاوا آ گیا ہے''۔ تہذیب نے مسکرا کے معنی خیزی سے کہا۔

''یہ کوئی ٹائم ہے بلانے کا''۔ منتہیٰ کو ناگواری ہونے لگی۔

''آپ ان کی بیوی ہیں جب دل چاہے بلا سکتے ہیں''۔

''لو جی آپ کا سیل بھی بیپ دے رہا ہے''۔ تہذیب اندر کی جانب بڑھی' سیل لے کے آئی' حمود کی کال تھی۔

''لیجئے کال بھی آ گئی''۔ وہ مسکرائی۔ منتہیٰ نے سیل لیا اور کچن سے باہر آ گئی' تہذیب بقیہ روٹیاں بنانے لگی تھی۔

''جس حلیے میں بھی ہو فوراً تیار ہو کر آ جاؤ' میں محریب کے گھر بیٹھا ہوں''۔ حمود نے خاصی عجلت میں کہہ کر اس کا آگے سے جواب سنے بغیر ہی سیل آف کر دیا۔

............☆☆☆............

''ہوں تو آ رہی ہیں بھابی؟'' محریب نے اس سے پوچھا تھا۔

''یار! کہہ تو دیا ہے اب آنے میں دیکھو کتنا ٹائم لیتی ہے''۔ حمود خاصا بے چین اور فکرمند سا بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں تھے' گھر میں بھی آج یمنیٰ کا رشتہ طے ہونے پر ایک رونق سی لگی ہوئی تھی۔

''عنائبہ بھابی بھی آئی ہوں گی' ان کی آوازیں آ رہی ہیں''۔ حمود نے مسکرا کے معنی خیز انداز میں اسے چھیڑا' محریب لب بھینچ کر اسے دیکھنا لگا' تائید میں سر ہلایا کیونکہ ابھی تک اس نے عنائبہ کا سامنا نہیں کیا تھا' دادی جان کے روم میں بیٹھا تھا کہ رافع نے اطلاع دی حمود آیا ہے۔

''آئی ہوئی تو ہے مگر ابھی تک سامنا نہیں ہوا ہے''۔ وہ صوفے پر ٹیک لگائے اطمینان سے بیٹھا تھا۔

''نکاح کے بعد سے اب تک تم دونوں میں بات چیت بھی نہیں ہوئی''۔ حمود کو حیرانی کا جھٹکا لگا۔

''ضرورت ہی پیش نہیں آئی''۔ سپاٹ سے لہجے میں بولتا ہوا حمود کو بہت بُرا لگ رہا تھا۔

''یہاں میں اپنی والی سے ملنے کے لیے ہر وقت بے قرار رہتا ہوں اور رات میں دو گھنٹے بات ہوتی ہے پھر بھی دل نہیں بھرتا ہے''۔ وہ اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔

''تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے اور پھر تمہاری والی اور میری والی میں بھی بہت فرق ہے' وہ کم از کم تمہارا خیال تو کرتی ہے اور میری والی سب کا کرتی ہے میرا نہیں''۔ محریب نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ تیرا نہیں کرتی ہو''۔ حمود نے اس کی بات کی نفی کی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں سچ ہے''۔ اس نے زور دے کر کہا۔

''پھر تو رخصتی کا بول جلدی کروا''۔

''رخصتی اس وقت ہی ممکن ہو سکتی ہے جب محترمہ اپنی والدہ کا دامن چھوڑیں''۔

''ہوں تیرا تو یہ بھی مسئلہ ہے''۔ حمود نے سر ہلایا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارا آج کہاں کا پروگرام ہے''۔ محریب نے موضوع بدلا۔

''آج کچھ آؤٹنگ پھر ڈنر کا پروگرام ہے مگر یار! محترمہ کا موڈ بھی دیکھنا ہے' کل اس نے میری اور بابا کی بحث بھی سن اور دیکھ لی ہے' کل سے مجھ سے بات بھی نہیں کی ہے اسی لیے میں تمہاری طرف آیا کہ ساتھ لے جاؤں گا تو دماغ کو ٹھنڈا کر سکوں گا''۔ وہ پریشان بھی ہو رہا تھا۔

''وہی حسنیٰ نیاز علی سے شادی پر بحث ہوئی ہو گی''۔

''ہاں یار! نیکسٹ سنڈے بابا نے منگنی سیٹ کر دی ہے وہی جھگڑا منتہیٰ نے سنا ہے''۔

''تمہارا بھی مسئلہ خاصا گھمبیر ہے''۔ محریب نے کہا۔ منتہیٰ آ گئی تھی' وہ اندر آتے ہوئے جھجک رہی تھی ساتھ عنائبہ بھی تھی' نزہت بیگم بھی تھیں۔ عنائبہ کو دیکھ کر حمود نے جھٹ سلام کیا' وہ بھی محریب کو دیکھ کر نروس سی ہونے لگی' دونوں کی نگاہوں کا تصادم بھی ہوا۔

''اچھا ہے تم دونوں نے ہی جانے کا پروگرام بنا لیا' وہ تو مجھ سے مائز نے کہا کہ بھائی بھی بھابو کو لے کر جائیں گے''۔ نزہت بیگم بہت خوش ہو رہی تھیں' محریب نے کچھ تو اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ جبکہ محریب' مائز کی اس حرکت پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگا' اسے غصہ بھی آنے لگا مگر امی اور منتہیٰ کی وجہ سے وہ اپنے تاثرات سے کچھ بھی واضح کرنا نہیں چاہتا تھا۔

عنائبہ نگاہ جھکائے نروس سی ہو رہی تھی' اسے بھی عنائبہ کے انداز سے لگ رہا تھا وہ جب سے نکاح ہوا ہے کچھ اس کے لیے سوچنے لگی ہے ورنہ تو بالکل ہی جذبات سے عاری لڑکی لگنے لگی تھی۔

''یار محریب! تم نے خود ہی پروگرام سیٹ کر لیا مجھے بھی نہیں بتایا''۔ حمود نے بھی سن کے اسے شوخ سے لہجے میں کہہ کر چھیڑا۔

''آں...... ہاں''۔ محریب سے جواب نہیں بن پڑا تھا۔ نزہت بیگم نے جانچتی اور پُرتشویش استفہامیہ نگاہوں سے اس کے تاثرات پر غور کر رہی تھیں۔

''عنائبہ بیٹا! ذرا تم میرے ساتھ تو چلو اتنے میں محریب اچھی طرح سوچ لے جانا کہاں ہے''۔ وہ گہرا طنز کرتی ہوئیں عنائبہ کا ہاتھ پکڑ کے ڈرائنگ روم سے لے جانے لگیں۔

''امی! میں نے سوچا ہوا ہے آپ عنائبہ کو یہیں چھوڑ دیں''۔ وہ سمجھ گیا امی ناراض ہونے لگی ہیں تو وہ فوراً

ہی سنبھل بھی گیا۔

''حمود! تم تو جاؤ کیونکہ تمہیں بھی میری وجہ سے دیر ہوگی' ابھی مجھے کچھ کام بھی کرنا ہے''۔ اس نے حمود کا حیرت سے کھلا منہ دیکھ کر اسے اشارے سے جانے کا کہا۔ منتہیٰ فان کلر کی ریشم کی کڑھائی کی چادر میں خود کو چھپائے کھڑی تھی۔

''اچھا ہاں''۔ وہ خجل سا ہوا' پھر وہ اجازت لے کر سلام کرتا ہوا منتہیٰ کو لے کر نکل گیا۔

''تمہارا پروگرام ہے جانے کا یا نہیں؟'' نزہت بیگم نے تیز لہجے میں اس سے پوچھا جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا' عنائیہ جز بز سی ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

''جی''۔ بس اتنا کہا تھا۔

''پھر جاؤ دیر کس بات کی' میں نے جواد کو فون کروا دیا ہے عنائیہ آج ادھر ہی رُک جائے گی''۔ وہ بولیں۔ محریب کو اس لمحے اپنے مزاج کے خلاف ان کی اس بات کو ماننا ہی پڑا کیونکہ آج کل جتنی وہ اس کے لیے پریشان رہتی تھیں یہ وہی جانتا تھا' مائزہ سے بھی اس نے بات چیت بند کی ہوئی تھی۔

''میں کمرے سے والٹ وغیرہ لے کر آتا ہوں''۔ وہ عنائیہ پر نگاہ ڈالے بغیر نکل گیا۔

''تم محریب کے رویہ کی وجہ سے اپنا دل چھوٹا نہیں کرنا' کچھ مزاج کا الگ ہے تمہیں اسے کسی طرح تو منانا ہی ہے''۔ وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''بڑی امی! میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہوں' آپ کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں''۔ اس نے شرمندہ ہو کر انہیں تسلی دی۔ اس نے بھی اب عقلمندی سے ہر کام اور بات سوچ سمجھ کر کرنی تھی کیونکہ جتنی ان دونوں کی وجہ سے خاندان میں ٹینشن ہوئی تھی اب مزید وہ خاص طور پر اپنی وجہ سے ایسی بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یہ سب اسی وقت ممکن تھا جب محریب سے وہ روبرو ہو کر بات کرے گی۔

............☆☆☆............

گرے قمیض شلوار میں ملبوس پشاوری سینڈل اس پر ہلکی ہلکی بڑھی شیو چہرے پر سنجیدگی اسے اور بھی ڈیسنٹ اور سوبر بناتی تھی' خاموشی سے وہ ڈرائیو کر رہا تھا' عنائیہ کاسنی جارجٹ کے کپڑوں میں ملبوس شرمائی گھبرائی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی' گاڑی میں مکمل خاموشی تھی اس نے بھول کے بھی عنائیہ پر اچٹتی نگاہ تک نہیں ڈالی تھی۔ پتہ نہیں وہ جا کہاں رہا تھا جو کب سے گاڑی چلا رہا تھا' عنائیہ تذبذب کا شکار تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

''آپ اس رات کھانے پر کیوں نہیں آئے؟'' عنائیہ نے ہمت کر ہی لی' بغیر تمہید باندھے اسے مخاطب کر ہی لیا۔ محریب کے چتون سکڑے تھے' گاڑی کو ٹرن لیا دیکھا تو سامنے ایک ریسٹورنٹ تھا۔

''میں نے جواد چاچو کو فون پر بتا دیا تھا' میں آفس میں بزی تھا''۔ نارمل لہجے میں کہا۔

''لیکن ابو تو رات تک آپ کی راہ دیکھتے رہے تھے''۔

''کاش عنائیہ! تم کہتیں کہ میں راہ دیکھتی رہی تو شاید میں خوش بھی ہو جاتا مگر نہیں تمہیں صرف اپنے گھر والوں کی فکر ہے''۔ نگاہ ونڈ اسکرین سے باہر تھی' عنائیہ پر وہ نگاہ تک ڈالنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''کچھ مصروفیت آ گئی تھی''۔ لہجہ سخت بنا لیا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں''۔

''کتنی بار کہنا چاہو گی' شروع سے تمہاری ہی سن رہا ہوں''۔ انداز روٹھا اور سرد مہر سا تھا۔

''ہم دونوں سب کے سامنے کیا نارمل انداز میں نہیں رہ سکتے''۔ وہ جھٹ بولی۔ محریب کی فہمائشی نگاہ اس پر اٹھ ہی گئی جو اس کی جانب ہی مخاطب تھی' دونوں کی نگاہیں مل رہی تھیں۔

''نارمل انداز میں مطلب میں سمجھا نہیں' آپ سمجھانا پسند کریں گی''۔ وہ طنزیہ اور ترش روی سے بولا۔

''ہمارے گھر والوں میں ہماری وجہ سے ایک ٹینشن سی آ گئی ہے' کیا ہم دونوں سب کے سامنے ایک دوسرے سے نارمل ہو کر بات نہیں کر سکتے''۔ عنایہ کا دل دھک دھک بھی کر رہا تھا جانے جواب میں وہ اسے کیا کہے گا کیونکہ مزاج کا تیکھا بھی وہ بہت ہو گیا تھا۔

''تم آخر خود کو سمجھتی کیا ہو' پورے خاندان کو تو اپنے کہنے پر چلا رہی ہو مجھ سے بھی ایسا ہی چاہتی ہو''۔ وہ منہ گھما کر ناگواری سے گویا ہوا' عنایہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا' جب بھی کوئی جملہ ادا کرتا اتنا کٹیلا ہوتا دل کے آر پار ہو جاتا۔

''آپ مجھے غلط کیوں سمجھتے ہیں''۔ وہ روہانسی ہو گئی' بے بسی سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''میں تمہیں غلط کب کہہ رہا ہوں بلکہ خود کو غلط کہہ رہا ہوں''۔ وہ استہزائیہ انداز میں طنز کر گیا۔

''سوری''۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے بولی۔

''کس لیے؟'' محریب نے اپنے آپ کو مکمل سپاٹ کر لیا تھا۔

''میں شاید آپ کا دل دُکھا جاتی ہوں مگر پلیز آپ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ سب کے سامنے مجھ سے اتنے ناگوار انداز میں تو پیش نہیں آیا کریں''۔

''یعنی سوری کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ میں تمہارا کچھ خیال کروں''۔ وہ طنزیہ ہو گیا۔

''میں اگر کہوں تم بھی میری بات مانو تو مانو گی؟'' محریب بھی ایک دم ہی بولا۔

''جی بولیے''۔ وہ اتنی رنجور اور افسردہ ہو گئی تھی اس کے جواب پر۔

''اپنی امی کو چھوڑ کے میرے پاس آ جاؤ''۔ اب عنایہ کو تنگ کرنے کی باری اس کی تھی' شروع سے اس نے کیا تھا اب وہ اسے زچ کرنا اور اس کی برداشت دیکھنا چاہتا تھا۔

''جی''۔ متوحش زدہ سی بے یقینی سے بول اٹھی۔

''رخصتی وغیرہ کی فارمیلیٹیز چھوڑو آج ہی سمجھ لو کہ تم رخصت ہو کر آ گئی ہو''۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔ عنایہ گھبرا سی گئی' کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا جواب دے' اس نے تو توقع بھی نہیں کی تھی کہ محریب اسے ایسے گھیرے گا۔

''بولو راضی ہو؟'' وہ پھر بولا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' اتنے سمجھدار ہیں آپ اور ایسی بات کہہ رہے ہیں''۔ عنایہ کی تو سماعت یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

''جب ہی تو کہہ رہا ہوں' اب تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے نکاح ہمارا ہو چکا ہے''۔

''مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی کہ آپ مجھے یہ بھی بول سکتے ہیں''۔ وہ اے سی کی کولنگ میں بھی پسینے پسینے ہو گئی کیونکہ اس سے جواب نہیں بن رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر تم راضی نہیں ہو تو جو تم چاہتی ہو وہ بھی ممکن نہیں ہے''۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ڈنر کا ارادہ بھی ترک کر دیا' آج اس نے سوچ لیا تھا عنایہ کو زچ کرتا ہی رہے گا۔

''پلیز آپ ایسے تو نہیں کریں''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 20
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

"تم ایسے ویسے سب کرتی رہو میری بے رخی پر اتنی تکلیف ہو رہی ہے تمہیں"۔ محریب نے اس کی گھنیری پلکوں کا لرزہ دیکھا جو کبھی لب بھینچ لیتی تو کبھی کچلتی۔

"عنائیہ! آج تک میں تمہیں جتنا سمجھا ہوں ٹھیک سمجھا ہوں' مگر تم شاید مجھے نہیں سمجھ پائی ہو ابھی تک بھی"۔ اس نے ونڈ اسکرین سے باہر نگاہیں رکھی ہوئی تھیں' گاڑی وہ بڑی آہستگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"تم اپنی بات پر بھی رہو گی اور....چاہتی ہو میں تمہارے کہنے پر چلتا رہوں"۔

"محترمہ! تم مجھے سمجھتی کیا ہو جو ایسی بات کہہ رہی ہو"۔ قدرے توقف کے بعد پھر گویا ہوا۔

"میں نے ایسی غلط بات تو نہیں کہہ دی ہے جو آپ مسلسل مجھ پر طنز ہی کیے جا رہے ہیں"۔ اسے دکھ اور افسوس ہونے لگا' محریب اتنا روکھا اور سرد سا جو ہو رہا تھا۔

"اچھا طنز بھی سمجھتی ہو میں سمجھا میں ہی سمجھتا ہوں"۔ اس نے پھر تمسخر اڑایا مگر طنز کی آمیزش شامل کر کے۔

"میں پوچھوں کہ آپ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے؟" وہ کھسیا ہی گئی۔

"مقصد میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں' اگر راضی ہو تو میں سب سے اچھے طریقے سے بات کروں گا"۔

محریب اتنا ضدی تو کبھی نہیں تھا جو آج وہ اتنا اکڑا ہوا تھا' عنائیہ کو یقین نہیں آ رہا تھا وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔

"اگر آپ کو مجھ سے شکایت ہے تو مجھ سے بولیں' باقی لوگوں کو ناراضی کیوں دکھا رہے ہیں"۔ لہجہ محرومی میں بھیگا ہوا تھا' وہ محریب کو کب اگنور کرنا چاہتی تھی' ہر وقت اور ہر لمحہ اس کی یاد میں رہتی تھی' نکاح کے بعد سے تو اس میں کافی تبدیلی بھی آئی تھی' پہلے صرف اپنی امی کو سوچتی تھی گھر والوں کا خیال رہتا تھا اب محریب اکثر اس کے دل و دماغ میں رہتا تھا۔

"تم سے کس نے کہا تمہاری وجہ سے ناراضی دکھا رہا ہوں سب سے"۔ وہ جھٹ بولا۔

"ہم کیا لڑائی ختم کر کے صلح نہیں کر سکتے؟" اس نے خود کو جھکا لیا۔ محریب کو وہ یہاں بھی خود غرض صرف اپنے گھر والوں کا خیال کرتی ہوئی لگی' اس کا تو پھر بھی کوئی احساس ہی نہیں تھا' وہ جو راتوں کو بے چین ہوتا تھا اس کی بے رخی بے حسی کتنا اسے غصہ دلاتی تھی وہی جانتا تھا' ہر وقت جھنجلایا ہوا کھسیایا ہوا بے زار سا رہتا تھا۔

"اگر تمہیں میری بات منظور ہے تو میں بھی تمہاری مان لوں گا"۔ وہ سپاٹ سے انداز میں کہہ کر جتنی بے رخی دکھا سکتا تھا دکھا رہا تھا' آج ہی تو اسے موقع ملا تھا عنائیہ کو اپنا غصہ اور سرد مہری کا رویہ دکھانے کا۔

"آپ زندگی کو کیوں اتنا بے رنگ بنا رہے ہیں"۔ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"اچھا میں زندگی کو بے رنگ بنا رہا ہوں"۔ طنز سے گویا ہوا۔

"زندگی کو تم نے بے رنگ بنایا ہے' شروع سے تنگ کیا ہوا ہے تم نے' تم سے میری زندگی جس دن سے منسوب ہوئی ہے میں سکون سے نہیں ہوں اور سارے الزام مجھے دیتی ہو"۔ وہ پھٹ پڑا' گاڑی گھر کے آہنی گیٹ کے سامنے روک دی تھی' عنائیہ ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہ گئی یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"تم سے جس دن سے میری زندگی منسوب ہوئی ہے سکون سے نہیں ہوں"۔

"کان کھول کے سن لو جو تم چاہتی ہو وہ میں نہیں کروں گا' تم ہر ایک کو بے وقوف بنا سکتی ہو مجھے نہیں' تمہارے کہنے پر میں کسی سے بھی اپنا رویہ ٹھیک نہیں کروں گا' اب فوراً گاڑی سے اتر جاؤ مجھے کہیں اور جانا ہے"۔ جتنا کٹیلا اور کڑوا اس کا لہجہ تھا عنائیہ کے دل کے آر پار ہو گیا' وہ اتنا بے مروت کیوں ہو گیا تھا۔

..........☆☆☆☆☆..........

"تم پچھلے ایک ہفتے سے پتہ ہے کیا سلوک کر رہی ہو"۔ وہ اسے ڈنر کرانے ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا جہاں وہ پہلے بھی لے کر آیا تھا' منتہیٰ خفگی سجائے ابھی تک ایسے ہی بیٹھی تھی۔

"منتہیٰ! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں"۔ اس نے ٹیبل کے نیچے سے اس کے پاؤں پر اپنا وزنی جوتا مارا۔ اس نے ناگوار فہمائشی نگاہوں سے اسے گھورا کیونکہ اس وقت اس کے آنے کا بالکل موڈ نہیں تھا اور اس نے حاکمیہ انداز میں پہلے کال کی اور پھر حمزہ سے بلوانے بھیج دیا تھا۔

"تم آج راحمہ کو پڑھانے کیوں نہیں آئیں؟"

"آپ کی جو کل کی میں نے حرکت دیکھی ہے تو مجھے پڑھانے آنا چاہیے تھا؟" وہ تیز لہجے میں برہم ہونے لگی۔

"جو کچھ تم نے دیکھا ہے تم سب جانتی ہو پھر انجان کیوں بن رہی ہو"۔

"میں انجان نہیں بن رہی ہوں آپ بن رہے ہیں' کیوں بابا سے اتنی بحث کی' ان سے آپ نے بدتمیزی بھی کی ہے"۔

"میں نے کوئی بحث نہیں کی ہے اور نہ ہی بدتمیزی کی ہے' میں اور بابا ہمیشہ ایسے ہی گفتگو کرتے ہیں"۔ وہ اس ٹائم اپنی کوئی بھی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"آپ کے بابا جو کہتے ہیں اس پر عمل کریں' تمنیٰ اچھی لڑکی ہے جو لڑکی آپ کو اتنا چاہ سکتی ہے وہ خوش بھی رکھے گی"۔ اس نے افسردہ سے لہجے میں نگاہ پھیر کے کہا۔

"مجھے جو لڑکی خوش رکھے گی میں اس کے سامنے بیٹھا ہوں"۔ وہ بھی ایک اڑیل گھوڑا تھا' اس نے بھی ٹھان لی تھی منتہیٰ کا دل جیت کے رہے گا' اسے تمام تر جذبوں اور محبتوں سے حاصل کرے گا۔

"پھر فضول کی بات کر رہے ہیں"۔

"میں کوئی فضول نہیں بول رہا ہوں' جلدی جلدی کھانا شروع کرو' عشاء کی نماز نکلے گی تم پھر مجھ پر خفا ہو گی اور میں اس بار تمہاری خفگی نہیں سہہ سکتا ہوں"۔ اس نے لقمہ منہ میں رکھا۔

"نماز کیا آپ صرف میرے کہنے پر پڑھتے ہیں اور میری خفگی کی آپ کو فکر رہتی ہے اللہ کی نہیں کہ وہ ناراض ہوتا ہے نماز ادا نہ کرنے پر"۔ وہ اسے لاجواب کرنے لگی۔

"اللہ تعالیٰ مجھ سے دیکھو راضی ہی تو ہے جب ہی تو اس نے مجھے تم جیسی کومل نرم و نازک سی لڑکی بیوی

کے طور پر دی ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں مخمور انداز سے دیکھتے ہوئے بولنے لگا۔ منتی نے جھینپ کے نگاہ اپنی پلیٹ پر جمادی جہاں وہ چاولوں کو چمچ سے آگے پیچھے کررہی تھی۔

"اس مالک کا احسان ہے کہ مجھے سب کچھ دیا ہے بس کچھ پرابلمز ہیں چند دن کی' دیکھنا تم اور میں کتنے خوش رہیں گے"۔ اس نے پُرسوچ انداز میں مسکرا کے کہا۔

"سنو..... ہنی مون کہاں کا رکھنا ہے فرانس امریکا' لندن جو تم کہو"۔

"پلیز آپ بھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں' میں بات آپ سے کیا کرتی ہوں اور آپ شروع کہیں اور کی کر دیتے ہیں"۔ وہ کھسیا کے چڑ کے منہ بنانے لگی۔

"کیا کروں جانم جب تک میں تمہیں اپنی تمام فیلنگ کے ساتھ چھو نہیں لوں گا میں ایسی ہی اِدھر اُدھر کی کرتا رہوں گا"۔

"مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی ہے گھر چلیں"۔ وہ زچ ہوگئی۔

"مجھے تو تم سے بار بار بات کرنی ہے مائی لو"۔ حمود خاصا رومینٹک ہو رہا تھا۔ منتی کو اس کے ایسے انداز سے شرم و گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

"کیوں آپ خوابوں کی دنیا سجائے بیٹھے ہیں' دیکھئے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے سوائے سراب کے کیوں خود کو خوار کررہے ہیں جو منزل ہے اسے حاصل کریں' میں صرف سپنا ہوں جو ٹوٹ کر بکھرے گا"۔

"اُف مائی گاڈ...... تم کیسی بیوی ہو' اپنے شوہر کو کسی غیر لڑکی کے حوالے کررہی ہو"۔ حمود کو اس پر حیرانگی ہوتی تھی۔

"اس لئے کہ میں اپنی حیثیت کا تعین کرچکی ہوں"۔ وہ لب بھینچ کر بولی۔

"جب تم میری گاڑی میں گھس کے بیٹھی تھیں جب تعین کرکے نہیں بیٹھی تھیں"۔ اس نے لاجواب کیا۔

"جب مجھے صرف اپنی عزت کا تحفظ چاہیے تھا"۔

"زندگی بھر کا تحفظ دینے کا وعدہ کیا ہے' محبت و پیار بھی اتنا ہی دوں گا کہ تم گھبرا جاؤ گی"۔

"کل کی باتیں بھول گئے بابا کی' آپ کی نیکسٹ سنڈے کو منگنی ہے"۔

"ہاں پتہ ہے آ جانا تم بھی"۔ وہ جیسے سیریس لینا ہی نہیں چاہ رہا تھا یا پھر اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں پڑی ہے آپ کی منگنی میں آنے کی"۔

"صاف کہو جلن ہورہی ہے شوہر کی دوسری لڑکی سے منگنی کرنے پر"۔ حمود اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا کہ وہ کہہ دے۔

"حمود سالار میرا دل اتنا بڑا نہیں ہے"۔

"کتنی عجیب منی کی بچی ہو تمہیں کوئی فکر ہی نہیں ہے کہ میری منگنی میرے بابا کروا رہے ہیں"۔ اس نے منتی پلیٹ... کہا دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ لئے۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں جو بابا کی مرضی ہے اس پر سر جھکا کر راضی ہو جائیں''۔ منتہیٰ کو اندازہ تھا کہ اس ٹائم وہ اندر ہی اندر تلملا رہا ہوگا' اس نے اپنی نگاہ چرالی تھی۔

''ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم بھی یہی چاہتی ہو کہ میں حمنیٰ سے منگنی کرلوں''۔

''یہ فضول کی باتیں مت لے کر بیٹھا کریں جو حقیقت ہے کیوں آپ ان سب سے انجان بن کے بیٹھے ہوئے ہیں' پتہ ہے اگر آپ نے منگنی نہیں کی تو آپ کے بابا ایک قیامت مچا دیں گے' میں نے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے''۔ اس نے حمود کو تیز لہجے میں کہتے ہوئے گھورا۔

''میری مرضی میں منگنی کروں یا نہ کروں' تم کیوں مجھے اتنا فورس کررہی ہو''۔ وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

''آپ بات کو سمجھئے تو' ماں باپ کی خوشی میں ہی بھلائی ہے' کیوں آپ سمجھ نہیں رہے ہیں''۔ وہ روہانسی ہونے لگی کیونکہ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

''چپ کر جاؤ میرا دماغ درد کرنے لگا ہے تمہاری ان فضول کی باتوں سے' اٹھو چلو تمہیں ڈراپ کر دوں''۔ اسے شاید زیادہ ہی غصہ آگیا تھا جو ایک دم ہی کھڑا بھی ہوگیا تھا۔

''ہمیشہ کیلئے ڈراپ کردیں مجھے''۔

''شٹ اپ...... میرا دماغ مت گھماؤ سمجھیں''۔ چیئر کھسکائی' ویٹر کو اشارے سے بلایا اور بل پے کیا' کچھ بھی تو دونوں نے ابھی تک کھایا نہیں تھا۔

''ابھی ہم نے کھانا کب کھایا ہے سب اسی طرح رکھا ہوا ہے''۔ اسے پیسے فضول دینے پر اعتراض ہوا' کیونکہ جتنا بھی کھانا منگوایا تھا وہ جوں کا توں پڑا تھا البتہ حمود نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالے تھے مگر بحث میں ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں رکھا تھا۔

''تمہارا شوہر بہت پیسے والا ہے تم اسی طرح میری کمائی تباہ کرواتی رہنا' بعد میں بچوں کے پیمپرز میں تباہ کرنا''۔ غصہ میں بھی وہ شوخی سے باز نہیں آتا تھا' منتہیٰ نے جھینپ کر لب بھینچ لئے۔

''بیٹھیے کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گے ہم''۔

''تمہاری ایسی باتوں سے میرا کھانا ہضم ہوگیا کیونکہ تم میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو' ٹھیک ہے حمنیٰ سے منگنی تو کیا شادی بھی کرلوں گا' اب مجھ سے کسی اچھے کی امید نہیں رکھنا''۔ اتنا درشت اور روٹھا ہوا انداز آج سے پہلے حمود کا کبھی نہیں دیکھا تھا' ناراض تو وہ ہوتا ہی نہیں تھا مگر اس وقت وہ بہت سنجیدہ تھا۔

''پلیز ...... بیٹھیے ناں''۔ اسے حمود کی سنجیدگی سے ڈر بھی لگا' اگر یہ بالکل ہی لاتعلق ہوگیا تو وہ کیا کرے گی' اس نے جینے کی راہ دکھائی تھی' یہ شخص پھولوں اور رنگوں کی کتنی باتیں کرتا تھا اور وہ سپنوں میں بہت دور تک اس کا ہاتھ تھام کر چلتی چلی جاتی تھی مگر جب پیچھے مڑ کر اپنی زندگی میں موجود لوگوں کا خیال آتا تو دل اضطراب کا شکار ہو جاتا تھا' اماں کا خیال راتوں کو بے چین کرتا تھا' چاچا نے پتہ نہیں امی کو کیسے رکھا ہوا ہوگا۔

''نہیں کھانا مجھے اور چلو میرا دماغ مت پکاؤ''۔ وہ سننے اور ماننے کے موڈ میں تھا ہی نہیں' منتہیٰ نے بھی کچھ نہیں کہا افسردہ سی اس کے پیچھے چلنے لگی' حمود اس سے کوئی بات نہیں کررہا تھا' گاڑی چپ چاپ سپاٹ انداز میں ڈرائیو کررہا تھا' منتہیٰ کا دل اور بے چین ہوگیا تھا' یہ اگر روٹھ گیا تو زندگی بھی روٹھ جائے گی۔

''آپ...... ناراض بالکل اچھے نہیں لگتے ہیں''۔ اس نے آج پہلی بار خود ساختہ حرکت کی تھی حمود کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ حمود کو حیرانگی کا جھٹکا لگا تھا مگر وہ پھر بھی ہنوز سامنے دیکھ کر گاڑی چلاتا رہا۔

''یعنی ایسی ڈوز دے کر محترمہ قدموں میں آسکتی ہیں''۔ دل خوش ہونے لگا۔ وہ باتیں کرتی رہی مگر حمود نے ایک بات کا جواب نہیں دیا۔ اسے اتار کر ایک دم ہی گاڑی ڈرائیو کر کے لے گیا' منتہیٰ افسردہ اور مغموم سی ہوگئی۔

............☆☆☆☆☆............

''میں کیوں خالی اس سرد مہری اور بے رخی کی آگ میں جلوں' تم بھی برابر کی جلو گی کیونکہ میں نے تمہارا بہت خیال کیا ہے اب تک''۔ وہ اس کا راستہ روک کے پھر اس سے دوبدو تھا' عنائبہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اتنے نرم اور پیارے انسان کا ایسا کھردرا لب ولہجہ دیکھ رہی تھی جو ایسا سفاک بن گیا تھا۔

''شروع سے تم اپنی چلاتی آئی ہو اب میری چلے گی' میں جو چاہوں گا وہ ہوگا کیونکہ جتنی میں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی تم سب کو اپنے کہنے پر چلاتی جارہی تھیں''۔ اس کے چہرے پر غصہ اور ناگواریت چھلک رہی تھی۔ عنائبہ سر اٹھائے گنگ سی دیکھتی رہ گئی' وہ کہیں سے بھی پہلے والا پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے والا قطعی نہیں لگ رہا تھا۔

''تم کیوں ہر بار مجھ سے ایسا چاہتی ہو کہ میں تمہارا' تمہارے گھر والوں کا خیال رکھتا رہوں' تم اگر ایک اشارہ کرو تو میں سر جھکا دوں' تم اگر انکار کرو تو رشتہ توڑ دوں' تم اگر چاہو تو دونوں خاندانوں کو اپنے کہنے پر چلاتی رہو' نہیں اب ایسا میں بالکل نہیں ہونے دوں گا کیونکہ تم نے میری ماں کو' میری دادی کو صرف اپنی مظلومیت اور معصوم اداؤں کے جال میں الجھا کے رکھا ہوا ہے تاکہ وہ تمہارے سحر سے نکل ہی نہیں پائیں لیکن اب ایسا بالکل نہیں ہوگا کیونکہ اب کچھ بھی تمہارے کہنے پر نہیں میرے کہنے پر ہوگا سمجھی تم''۔ وہ ایک ہی سانس میں ایسے جملے اور الفاظ بولتا گیا تھا جو عنائبہ کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ گئے تھے' دل کی دنیا میں ایک ہلچل ایک طوفان آگیا تھا' محریب کے ایسے کٹیلے انداز آج سے پہلے کبھی بھی اس نے نہیں دیکھے تھے۔

''اب اگر تم نے کوئی بھی فضول کی شرط رکھی یا یہ نکاح کو توڑنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا عنائبہ محریب احمد! میں یہ بھول جاؤں گا کہ تم میرے لئے پہلے کیا تھیں اور کیا ہو''۔ وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے اسے ایک ایک لفظ جتا رہا تھا۔

''میری زندگی کو تم نے تماشہ بنایا ہے' میری خاموشی کا تم نے فائدہ اٹھایا' یہ ہاں ناں کا چکر چلا کر تم نے

میرا دماغ سا کھا دیا ہے کیونکہ کبھی تم شادی کیلئے ہاں کرتی ہو زبردستی لوگوں کے دباؤ میں آ کر تو کبھی تم انکار کرتی ہو' سمجھا کیا ہے تم نے مجھے' میں کچھ نہیں بولوں گا برداشت کرتا رہوں گا"۔ جتنا وہ لاوا آج اگلنا چاہتا تھا وہ اگل رہا تھا کیونکہ گاڑی میں بیٹھ کر راستے میں تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال ہی نہیں پایا تھا۔

رات کو جب وہ جانے کو کہنے لگی تو ابو نے ہی کہا کہ وہ اسے ڈراپ کر آئے' وہ تو ویسے بھی اس ٹائم سے آگ بنا ہوا تھا اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں اسے اتنا غصہ آ گیا' کیسے اپنا ٹمپر لوز کر دیا' وہ تو اسے دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر آج سارے بند کیوں توڑ دیئے یا پھر جسے ہم زیادہ چاہتے ہیں جب وہ حد سے زیادہ اگنور کرنے لگے تو وہ برداشت نہیں ہوتا ہے اور پھر نتیجہ اس صورت میں ہی نکلتا ہے۔

"ہمارا نکاح ہوا ہے شادی ہوئی ہے سمجھیں' یہ دماغ میں بٹھا کر رکھنا اور جس انداز میں بھی ہوئی ہے مجھے پتہ ہے تم تو زبردستی ہی راضی ہوئی ہو گی کیونکہ تمہیں تو دونوں خاندانوں کو ملانا ہے اپنی امی کو راضی کرنا ہے پھر ہی تم اپنی زندگی کی شروعات بھی کرو گی' ہے ناں"۔ وہ طنزیہ اور کڑوا ہو گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اس نے لاک لگا کے رکھا ہوا تھا کیونکہ کوئی بھی آ سکتا تھا' اس نے یہ موقع گنوانا نہیں تھا۔

"مگر اب چاہے میرا اچھی راضی ہو بھی جائیں تو میں نہیں راضی ہوں گا"۔ محریب نے آج سنگدلی کی اور سنائی کی حد کر دی تھی۔

"یاد رکھنا ہر بار تمہاری نہیں چلے گی"۔ عنائیہ کی حالت ایسی ہو گئی کہ اب گری تو تب گری مگر خود کو سنبھالے ہوئے کھڑی تھی۔

"ایک بات بھی تم نے شاہین بھابی کو بتائی یا ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے اچھے کی امید نہیں رکھنا"۔ شہادت کی انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ ڈرائنگ روم کی چیزیں عنائیہ کو گھومتی ہوئی لگ رہی تھیں کوئی چیز بھی آس پاس سہارے کیلئے نہیں تھی کہ وہ تھام ہی لیتی۔

"اب مجھے تمہاری پرواہ نہیں تم مجھ سے کیسا بی ہیو کرتی ہو' لڑتی ہو یا غصہ دکھاتی ہو"۔

"آپ مجھے ایسا کیوں بول رہے ہیں"۔ حسرت بھری آواز بھیگی بھیگی نکلی۔

"میں نے صرف آپ سے یہی کہا تھا کہ سب کے سامنے میرے ساتھ اپنا بی ہیو ٹھیک رکھیں' آپ اتنا مجھے سنانے لگے ہیں"۔

"میں سناؤں گا بار بار سناؤں گا' تم بیوی ہو میری اور سنی ہو گی ہر بات"۔ وہ پشت پھیر کے کھڑا ہو گیا کیونکہ اس ٹائم عنائیہ کی صورت دیکھ کر اس کا دل بے ایمان ہو رہا تھا' دوپٹہ شانوں سے ڈھلکا ہوا تھا' دراز سلکی بالوں کی چوٹی آگے پڑی تھی' چہرہ رونے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"شروع سے تم نے مجھے اگنور کیا ہے"۔

"یہ غلط ہے"۔ وہ تڑپ کر بولی۔

"میں پاگل ہوں یا میری آنکھیں نہیں ہیں"۔ اس نے بازو پکڑ کے کھینچا وہ ڈال کی طرح اس کی بانہوں کے حصار میں آ گئی' محریب کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی' اسے محریب کا یہ رویہ ذرا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ محریب بوکھلا گیا وہ ہچکیوں سے اس کا گریبان پکڑے ہوئے رو رہی تھی' وہ کب ایسی سچویشن پر تیار تھا۔

"عنائیہ! کیا پاگل پن ہے کیوں اتنا رو رہی ہو"۔ اسے شرمندگی بھی ہونے لگی کہ اس نے اتنا کچھ سنایا ہے' جوابی اس کا ردعمل تو یہ ہونا ہی تھا۔

"جب اتنی مضبوط نہیں ہو تو کیوں مضبوط بننے کے ڈرامے کرتی ہو"۔ محریب کو اس کے آنسو کوفت اور غصہ میں مبتلا کرنے لگے۔ وہ روئے جا رہی تھی ابھی تک اس کے شانے سے لگی ہوئی تھی' آج تو وہ جیسے سب کچھ بھلا کے اس کے پہلو میں تھی اور محریب کو اس لمحے عنائیہ کا نرم و نازک سا وجود مضبوط حصار میں متاع جاں کی طرح لگ رہا تھا۔

"عنائیہ! اسٹاپ اٹ"۔ اسے چپ کرانے کا ایسا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔ عنائیہ کو احساس ہو گیا کہ کیسی سچویشن میں اس کے اتنے قریب تھی' فوراً ہی اس کے شانے سے الگ ہوئی' شاید رشتہ بندھنے کے بعد وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

"اب کیا مسئلہ ہو گیا ہے"۔ وہ کھسیا گیا۔

"سب سے بڑا مسئلہ آپ خود ہیں جب آپ کا دل ہی راضی نہیں ہے تو ایسے رشتے کا کوئی فائدہ نہیں ہے"۔ دکھ و غم سے وہ بول رہی تھی۔

"محترمہ! بڑی جلدی آپ کو خیال آ گیا"۔ ٹشوز اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے طنز سے کہا۔ بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا' ٹشوز دیکھ کر ایک دم حیران ہوئی پھر ایک دم سے غصہ سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ محریب نے قطعاً برا مانے بغیر دوبارہ ہاتھ آگے کر دیا اس نے برہمی سے دوبارہ جھٹک دیا۔

"مجھے نہیں چاہیے آپ کی یہ مہربانی' رکھیں اپنے پاس"۔ آنچل سے آنسو پونچھ لئے اور جانے لگی' دونوں اس ٹائم ڈرائنگ روم میں تھے کیونکہ وہ اسے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا' کوریڈور سے نکلتے ہوئے مین گیٹ کے ساتھ ڈرائنگ روم تھا' محریب کو پہلے ہی غصہ تھا وہ اسے زبردستی یہاں لے آیا تھا۔

"اس کا یہ کیسا پیار تھا
کیسی وہ محبت کرتا تھا
جو خیال کر رہا تھا
مگر جرح کے بھی نکھار رہا تھا
وہ پل پل اس کیلئے تڑپ رہی تھی"

''عنائبہ! تم کبھی بھی میری بات نہیں سمجھتی ہو میں کیا چاہتا ہوں کیا میری سوچیں ہیں''۔ وہ اتنا جھنجلایا ہوا تھا اسے عنائبہ کا یہ انداز بالکل بچگانہ لگ رہا تھا۔

''تم میری بات کبھی بھی نہیں سمجھو گی' تمہیں میں پہلے تمہارے میکے چھوڑ دوں کیونکہ جس طرح تم رو رہی ہو مجھے غصہ آ تا رہے گا''۔ وہ دروازہ کھولنے لگا۔

''ساری سمجھ آپ میں ہے نا' میں پھر کیسے سمجھ سکتی ہوں''۔ آنسو آنچل سے پونچھ لئے۔

محریب نے باہر دیکھا شکر ہے کوئی نہیں تھا' فوراً ہی وہ پورچ میں نکل گیا' وہ بھی اس کی تقلید میں نکل گئی تھی' سارے راستے پھر دونوں میں بات نہیں ہوئی۔ عنائبہ کو حیرانگی کا جھٹکا لگا وہ اندر تک چھوڑنے آیا تھا' عنائبہ نے تشکرانہ نگاہ اس پر ضرور ڈالی تھی' جواد احمد سے بھی وہ مودب انداز میں بات کر رہا تھا' معارج سے بھی کچھ ہلکی پھلکی گفتگو کی تھی۔

............☆☆☆☆☆............

وہ دونوں اپنی پڑھائی میں کافی مصروف تھے' مائز اور وشہ کا اکثر جھگڑا بھی ہو جاتا تھا' جھگڑا اکثر اس بات پر ہوتا کہ وہ لائٹ آف کروائی اور وہ آن کر کے پڑھتا تھا' کتنا ہی کہتی اسٹڈی روم جا کے پڑھے مگر وہ بھی نہیں سنتا۔ مگر اس دن وشہ سے اچھی خاصی جھڑپ ہو گئی تو وہ بدمزہ سا ہو کر اسٹڈی روم میں آ گیا جہاں محریب بھی آفس کی فائلز پھیلائے بیٹھا تھا۔ مائز کی استفہامیہ نگاہیں اٹھیں جبکہ محریب کی بھی پُرسوچ اور تشویش بھری نگاہ اس پر اٹھی' کلاک پر نگاہ ڈالی دو بج رہے تھے۔

''آپ! آفس کا کام کر رہے ہیں''۔ مائز نے مخاطب کیا۔

''ہوں کچھ ایسا ہی ہے''۔ وہ بدستور خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے بس اتنا ہی بولا۔

''وہ بھائی! وشہ نے آج پھر......''

''تم چپ کر کے اپنی پڑھائی کرو مجھے بھی کام کرنے دو''۔ اس کا جملہ پورا ہی نہیں ہونے دیا درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''کچھ تو بولنے دیا کریں''۔ وہ بُرا مان کے بولا۔

''ٹھیک ہے تم بولتے رہو میں جا رہا ہوں''۔ اپنی فائلیں سمیٹ کر اپنے کپڑے جھاڑے چہرے پر تختی لئے جانے لگا۔

''پلیز بھائی! اب بس کر دیں' ناراضگی لمبی ہو گئی ہے''۔ محریب اس کی بات سنے بغیر ہی نکل گیا' مائز نے لب بھینچ لئے' پڑھائی میں اس کا دل خاک لگتا وہ اٹھا اور محریب کے پیچھے ہی آ گیا' وہ اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔

''بھائی پلیز! کبھی تو بات کر لیا کریں''۔ اس نے دہائی دی۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے اس ٹائم کیا بات کرنی ہے پڑھائی کرو چپ کر کے' پتہ ہے لاسٹ ایئر ہے

یہ تمہارا''۔ اس نے ساتھ ہی سرزنش کی کیونکہ چاہے وہ اس سے ناراض تھا مگر اس کی فکر بھی تھی۔

''مجھے پتہ ہے اگر میں اور آپ چند باتیں کر لیں تو بُری بات تو نہیں ہے''۔

''فضول کی شوخیاں مت دکھایا کرو' پڑھائی کرو جا کر''۔ وہ کمرے میں چلا گیا۔ مائز اپنے بھائی کی ناراضگی سے اُکتا گیا تھا۔

''آپ مجھے پوری رات ایک ٹانگ پر کھڑا ہونے کو کہہ دیں مگر پلیز ناراضگی کو ختم کر دیں''۔ وہ مسمسی سی صورت بنا کر اس کے سامنے آ گیا۔

''مائز! ہر بات کی حد ہوتی ہے کیوں تم ہر وقت غیر سنجیدہ رہتے ہو''۔ وہ جھنجلا کے بے زاری سے بولا۔

''آپ مجھ سے کب تک ایسے ہی رُوٹھے رہیں گے؟''

''تم اپنی حرکت جانتے ہو؟'' محریب نے چتون تیکھے کئے' مائز نے اسے بغور دیکھا جو سنجیدہ بھی تھا۔

''اب تو ہو گئی ہے ختم کریں سب ناراضگی' آپ دیکھئے بھابو کتنی خوش ہیں وہ تو ذرا بھی مجھ سے ناراض نہیں ہیں''۔

''تمہاری بھابو صرف مجھ سے ناراض رہتی ہے''۔ محریب نے تیزی سے کہا کیونکہ عنائبہ کا ذکر اسے کچھ گراں گزرا۔

''خیر آپ سے ناراض ہو کر وہ کہاں جائیں گی' بے چاری آپ کا نام سن کر کانپنے لگتی ہیں''۔ مائز نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تاکہ محریب کا موڈ کسی طرح تو ٹھیک ہو جائے۔

''تمہاری بھابو کو ڈرامے بہت آتے ہیں''۔ وہ اپنا نائٹ ڈریس اٹھا کر واش روم میں جانے لگا۔

''خیر آپ کے سامنے تو ان کے ڈرامے سارے نکل جائیں گے اگر رخصتی کیلئے کچھ پلان کروں''۔ مائز نے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے قدرے توقف کے بعد رک کر اسے دیکھا۔

''اگر کوئی بھی فضول حرکت کے بارے میں تم نے سوچا تو یاد رکھنا مائز! میں واپس امریکا روانہ ہو جاؤں گا پھر ڈھونڈتے رہنا تم سب' مجھے مڑ کے نہیں دیکھوں گا''۔ وہ اتنا غصہ میں آ گیا تھا' مائز ہکا بکا سا رہ گیا۔

''بھائی! آپ اتنا غصہ کبھی کرتے تو نہیں تھے اب آپ کو اتنا کیوں آنے لگا ہے''۔ مائز کی آواز میں حسرت اور افسردگی تھی۔

''اتنا کبھی مجھے کسی نے غصہ دلایا نہیں ہے' میری مرضی کے خلاف مجھے بلیک میل کیا تم نے' بھری محفل میں میرا تماشا بنایا تم نے اور مزید تم بنانا چاہتے ہو''۔ اس نے کپڑے بیڈ پر ڈالے اور چہرے پر درشتی لئے اس پر برہم ہو رہا تھا۔

''آپ دادی جان کی خوشی کا احترام نہیں کرتے یا پھر آپ کو بھابو سے محبت نہیں ہے''۔ اس نے جھٹ پوچھا۔

''دادی جان کیلئے میری جان بھی حاضر ہے مگر تمہاری بھابو نے جو سلوک میرے ساتھ شروع سے رکھا ہوا

ہے تم بھول گئے ہو"۔

"میں نے صرف اسے ہی دیکھتے ہوئے اتنا بڑا اسٹیپ لیا تھا کیونکہ آپ بھی جانتے ہیں سمیرا چچی سے کچھ بھی بعید نہیں ہے' وشہ بتا رہی تھی وہ تو مجھ سے خار کھاتی ہیں' جانے کیا سمجھتی ہیں وہ مجھے"۔ اس نے محریب کو نرم پڑتے دیکھ کر بات کو آگے جاری رکھا تاکہ آج دونوں بھائیوں میں صلح کی فضا تو قائم ہو جائے۔

"وہ جو سمجھتی ہیں میں سب جانتا ہوں مگر مجھے تو افسوس تمہاری بھابو پر ہے اس نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے' اپنے فیصلوں پر چاہتی ہے میں سر جھکاتا جاؤں اور کچھ نہیں بولوں"۔ اسے عنائیہ پر جتنا غصہ آ رہا تھا مائز بھی جانتا تھا۔ اس نے صرف یہی سب سوچ کے دونوں کو نکاح جیسے مضبوط بندھن میں باندھا تاکہ کوئی بھی انہیں الگ نہیں کر سکے حتیٰ کہ یہ دونوں خود بھی۔

"ارے اب تو بولنے کے دن آئے ہیں آپ کے' بولیے ڈنکے کی چوٹ پر بولیے بلکہ ایسا کریں کسی دن بغیر رخصتی کے ہی بھابو کو گھر لے آئیے"۔ مائز کی شوخی عود کر آئی۔

"فضول مت بکا کرو"۔ اس نے گھورا' وہ جھینپ بھی گیا۔ مائز خفیف سا ہو گیا مگر پھر خود کو سنبھال بھی لیا کیونکہ محریب کا موڈ شکر ہے کچھ تو ٹھیک ہوا تھا۔

"اب نکلو یہاں سے اور پڑھائی کرو جا کر' مجھے نیند آ رہی ہے"۔ بیڈ سے پھر اپنا نائٹ ڈریس اٹھایا واش روم میں چلا گیا۔ مائز کے لب مسکرانے لگے اس کے بھائی نے کچھ تو اس سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی۔

"گئے نہیں تم......" ڈریسنگ پر اپنا موبائل رکھنے لگا۔

"او کے چلتا ہوں اب تو ناراضگی غصہ ختم ناں"۔ اس نے محریب پر لاڈ سے پیچھے سے بازو ڈالا اور تائید بھی چاہی۔

"بس بس نکلو یہاں سے"۔ اس نے ہاتھ پکڑا اور باہر نکال دیا۔

............☆☆☆☆☆............

اس دن کے بعد سے وہ اور بھی بے چین اور بے سکون ہو گئی تھی' کسی بھی کام میں دل نہیں لگتا تھا' ہر وقت محریب حواسوں پر سوار رہتا تھا' وہ اس سے کتنا بدظن ہو گیا تھا' محریب کی ایک ایک بات اور درشت انداز سب کتنا ئر الگ رہا تھا۔ کب سے کروٹیں بدل رہی تھی' پہلے صرف ایک فکر تھی امی ناراض ہیں اور اب اس کا مجازی خدا اس کی ناراضگی اور غصہ زیادہ دکھ دے رہا تھا۔

"میں کیسے آپ کو سمجھوں' میری خود سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور سوچتے ہیں مگر آپ میرے متعلق بہت غلط سوچ رکھتے ہیں"۔ وہ خود سے دل ہی دل میں ہمکلام تھی۔

محریب کے ایک ایک جملے میں اتنی آگ اور ناگواری تھی' عنائیہ کو لگ رہا تھا کسی دن بھی وہ کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا لے۔

"کیا کروں اگر کچھ ایسا ویسا کر دیا"۔ گھبرا کے اٹھ کر ہی بیٹھ گئی' دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ کل تک صرف وہ سوچوں میں شامل تھا آج وہ آس پاس بھی' وجود محسوس ہوتا تھا جیسے کان میں پھر دھاڑ کے چیخ کے بول رہا ہے اور وہ گھبرا کے اٹھ جاتی تھی۔

"میں کیا کروں؟" سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

کروٹیں بدلے جا رہی تھی ویسے بھی جب سے وشہ کی شادی ہوئی تھی اپنے کمرے میں دل ہی نہیں لگتا تھا' وشہ اکثر رات دیر تک اس سے باتیں بھی کرتی رہتی تھی اور تھبراتے ہی ڈانٹ کے چپ کرا دیتی تھی۔ اطراف میں کبھی کبھی اتنے سناٹے بولتے کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ہوتی۔ سمیرا بیگم اپنے پارلر میں ہی [illegible] گزارتی تھیں' جواد احمد آفس میں اور معارج کو اپنی پڑھائی کی وجہ سے کم ہی بات کرنے کی فرصت [illegible] یونیورسٹی پھر کوچنگ' رات کو بھی جلدی سو جاتا تھا' واحد چھٹی کے دن وہ پھر تھوڑی بہت [illegible] پھر دادی جان کی طرف چلا جاتا تھا۔

زندگی ایسے لگتا ہے کہ جیسے بے مصرف گزر رہی ہے' وہی گردش و ایام [illegible] زندگی لگتی تو دادی جان کے گھر کی لگتی تھی وہاں جب بھی جاتی وہ سب بھول جاتی تھی [illegible] دل کی ویرانی ہوتی تھی' سمیرا بیگم کے مزاج میں ابھی تک بھی تبدیلی نہیں آئی تھی' [illegible] بھی تو ڈانٹ دیتی تھی۔ جواد احمد الگ متاسفانہ سانس بھر کے رہ جاتے تھے اپنی شادی کے [illegible] انہوں نے پرسکون گزاری ہی کب تھی' روز آئے دن کے جھگڑے ہی چلتے تھے اور وہ ڈری [illegible] لرزتا دیکھتی رہتی تھی وہ جب ہی سے تو اور کم گو سی ہو گئی تھی' اس کی بچپن کی تمام یادیں وہیں دادی جان سے میں تھیں' یہاں بس تھا تو دکھ اور ویرانی اور نفرت ہی تھی' کبھی وہ سب مل کر بیٹھے بولے ہی نہیں تھے۔ جبکہ اب وشہ کی بھی شادی ہو گئی تھی تو بالکل ہی سمیرا بیگم نے گھر میں توجہ دینا چھوڑ دی تھی' عنائیہ پر ہی پورے گھر کی ذمہ داری تھی' کبھی کبھی وہ سوچتی تو اور زیادہ فکر ہوتی اگر اس کی بھی اچانک کسی دن بھی رخصتی ہو گئی تو اس گھر کو کون سنبھالے گا' اسے اپنی ماں کی عادت کا پتہ تھا وہ تو اپنے پروفیشن کو کبھی چھوڑیں گی ہی نہیں' جواد احمد کہہ کہہ کر تھک گئے تھے کہ اپنا پارلر بند کر دو۔

"مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے جواد احمد' اگر کبھی مجھے تم نے محتاج کر دیا تو میں کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی"۔

"سمیرا! تم کبھی تو اچھی بات سوچ لیا کرو' بیٹیاں جوان ہو گئی ہیں کچھ گھر پر توجہ دو' اپنا یہ شوق بس ختم کرو' میرا بزنس ہے کوئی قلاش آدمی نہیں ہوں کہ تمہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے دوں"۔ وہ تو غصہ میں آ گئے تھے۔

عنائیہ بھی یہی چاہتی تھی سمیرا بیگم یہ کام بند کر دیں وہ بھی گھر کی ذمہ داریوں کو سمجھیں مگر انہیں تو ضد سی سوار ہو گئی تھی کہ جواد احمد سے ایک پیسہ نہیں لینا ہے' جو کچھ بھی کماتی تھیں خود پر ہی خرچ کرتی تھیں۔ گھر میں سب موجود تھا مگر سمیرا بیگم ان چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتی تھیں' عنائیہ افسردہ اور مایوس سی انہیں دیکھتی

رہتی تھی' جو غصہ کی آگ اور نفرت میں کچھ اچھا سوچتی ہی نہیں تھیں۔

............☆☆☆☆☆............

"وہ کافی دیر سے کروٹیں بدل رہا تھا جب پریشان ہو گیا تو اٹھ کر باہر آ گیا' آفس سے آج وہ سات بجے آ گیا تھا طبیعت میں بے زاری اور بوجھل پن محسوس ہو رہا تھا۔

"دادی جان سو رہی ہیں"۔ اس نے پکارا۔

"نہیں میرے بچے آ جا"۔ وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ محریب سعادت مندی سے مسکراتا ہوا ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا' آج اسے کافی دنوں بعد دادی جان کے پاس فرصت سے بیٹھنے کا موقع ملا تھا ورنہ تو اس نے ان کے پاس بھی بیٹھنا کم کر دیا تھا کیونکہ نکاح کے بعد سے اس کے مزاج میں چڑچڑاہٹ جو آ گئی تھی۔

"میں تو تیری صورت کو ترس گئی ہوں' میرا ابھی خیال کرنا چھوڑ دیا ہے"۔ انہوں نے اپنے لمبے چوڑے پوتے پر پیار بھری نگاہ ڈالی جو ان کے ہاتھ تھام کے بیٹھا تھا۔

"مجھے سب سے زیادہ آپ ہی کا تو خیال ہے دادی جان آپ اب ایسے تو نہیں بولیے"۔ وہ کچھ شرمندہ بھی ہو گیا۔

"پھر شکل تک سے تو کیوں ترسا رہا ہے"۔

"چلیے آج میں آپ کے پاس ہی ہوں' بولیے آپ"۔ وہ دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھا۔

"یہ بتایئے اب تو آپ خوش ہیں ناں' آپ کی لاڈلی پوتی اس گھر میں رخصت ہو کے آ جائے گی"۔ محریب نے اپنا لہجہ کچھ شوخ بنا کے کہا۔

"ہاں اب تو مجھے کچھ فکر بھی کم ہوئی ہے' کم از کم میرا اب تو اپنی نہیں چاہئے گی"۔

"کہیے تو ابھی رخصت کرا کے لے آؤں"۔

"اب میں ایسا بھی نہیں چاہتی ہوں' باقی کام راضی خوشی ہوں تو زیادہ اچھا ہے"۔ دادی جان نے جھٹ کہا۔

"بات بھی کرتا ہے تو عنایہ سے یا نہیں؟"

"دادی جان! پوری رات کرتے ہیں"۔ مائز نے لقمہ دیا جو اس نے بھی اندر آتے ہوئے سن لیا تھا۔ محریب نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا کیونکہ مائز کی زبان کو لگام دینا اب مشکل ہی تھا۔

"ارے بچے تو رات کیوں خراب کرتا ہے اپنی بھی اور اس کی بھی"۔ وہ تو سچ ہی سمجھ گئی تھیں۔ مائز کو ہنسی آ گئی جبکہ محریب جھینپ گیا' مائز کو کڑے تیوروں سے دیکھا۔

"ابھی کہاں رات خراب ہو رہی ہے دادی جان بعد میں کریں گے"۔ وہ بے باکی سے معنی خیز بات بولا' محریب دانت پیستے ہوئے غرایا۔

"مائز! فضول کی بکواس بند کرو"۔ وہ تو شکر تھا شاید دادی جان نے سنا نہیں تھا کیونکہ اسی وقت رافع

کارڈلیس لیے اندر آیا تھا۔

"دادی جان! آپ کی لاڈلی پوتی کا فون ہے ہم تو بے کار ہیں سارے"۔ اس نے کارڈلیس انہیں دیا۔ محریب سمجھ گیا عنایہ کا فون ہو گا' دادی جان نے کان سے لگا لیا تھا' وہ باتوں میں لگ گئیں۔

"مائز! حد ہوتی ہے بے ہودگی کی"۔

"آپ شرماتے کیوں ہیں اتنا؟" وہ جیسے شرمندہ ہونا جانتا ہی نہیں تھا۔ رافع آنکھوں کے ڈیلے گھما گھما کے دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ مائز کو ڈانٹ پڑے اور وہ خوش نہ ہو ایسا کب ہوا ہے۔

"تمہاری طرح فضول کی حرکتیں کرتا رہوں"۔

"کیوں میری حرکتوں میں کیا خرابی ہے' جلدی بتایئے"۔ مائز بُرا مان کے بولا۔ دونوں دبی دبی آواز میں بات کر رہے تھے' مائز نے ایک زوردار مکا رافع کی پشت پر جڑ دیا۔

"اُف......امی......مر گیا"۔ وہ تڑپ گیا۔

"تم کیا یہاں کھڑے تماشا دیکھ رہے ہو"۔ مائز کو اس وقت رافع پر بس چلا تو اس پر چلا دیا۔

"سچ مائز بھائی! بہت بھاری ہاتھ ہے آپ کا"۔ وہ پشت پر بمشکل اپنا ہاتھ کیے سہلانے لگا۔

"مائز! انسانوں کی طرح بات کیا کرو"۔ محریب نے بھی سرزنش کی۔

دادی جان نے بات کر کے کارڈلیس رافع کو دیا وہ بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"عنایہ میری طبیعت پوچھ رہی تھی"۔ وہ خوش ہو کے بتانے لگیں۔

"دادی جان! انہوں نے بھائی جان کو پوچھا؟" مائز اپنی عادت سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"سب کی خیریت پوچھ رہی تھی اب کیا وہ نام لے کے پوچھتی"۔ وہ ہنسی تھیں۔ محریب کے گھورنے کا ذرا بھی مائز پر اثر نہیں ہو رہا تھا' وہ کمرے سے نکل گیا۔ عنایہ کا ذکر دل کے اندر اور بے چینی بڑھا دیتا تھا اس نے اپنے آپ کو روک کے رکھا ہوا تھا۔ جانے اس کی سرشت میں اتنا غصہ کیوں ہو گیا تھا مزاج میں چڑچڑاہٹ بھی بہت آ گئی تھی۔

"عنایہ! ایک دن آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے' دیکھنا کیسے میں تم سے بدلے لوں گا' تم نے مجھے بہت ستایا ہے"۔ کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جب وہ آسانی سے مل رہی تھی وہ راضی نہیں تھا اور اب مکمل طور پر اس کی بن گئی تھی تو خود راضی نہیں ہے' وہ اسے تمام تر جذبوں سمیت حاصل کرنا چاہتا تھا اسے ہٹی ہوئی عنایہ نہیں چاہیے تھی۔

وہ جب اس کے پاس ہو تو صرف اس کی فکر کرے' اسے چاہے' وہ محبت کے معاملے میں کچھ خود غرض ہو گیا تھا۔ سارے جہان کا وہ درد لے کر گھومتی ہے مگر اسے اگنور کیا ہوا ہے اور اب وہ اسے اگنور کر رہا تھا' سارے حساب چکانا چاہتا تھا' جتنا اسے تڑپایا ہے وہ بھی وہی کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے احساس ہو محبت جب درد دیتی ہے تو دل کتنا دکھتا ہے۔

پردہ چھوڑ کے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا' ذہن و دل منتشر تھے زیادہ تر اس نے خود کو آفس میں مصروف کرلیا تھا' احد تک کے پاس بھی کافی دنوں سے نہیں گیا تھا وہ بھی کئی بار گھر آیا تھا مگر محریب سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی' احد نے کتنا اسے سخت سست سنائی تھی۔

............☆☆☆☆☆............

وہی ہوا بابا نے اپنی من مانی کی تھی' منگنی کا فنکشن سب ارینج کیا جاچکا تھا' دعوت نامے بھی لوگوں میں بھیجے دیئے گئے تھے' حمود اندر ہی اندر تلملا رہا تھا جبکہ حمنیٰ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا' منگنی پر وہ اتنی شاپنگ کررہی تھی اوپر سے ہشام سالار کا آرڈر تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے اور حمود کو منتہیٰ کی بے رخی تڑپا رہی تھی' فون تک ریسیو نہیں کررہی تھی وہ بے بس' ہراساں' پریشان سا پھر رہا تھا ایسے میں اسے محریب کا ہی سہارا لینا پڑا وہ اس کے آفس پہنچ گیا۔

''اگر ہمت ہے تو انکل سے صاف بات کرلو'' محریب راکنگ چیئر پر ٹیک لگائے بلیک پینٹ پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس حمود کو ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں...... جیسے بہت آسان ہی ہے ناں'' حمود چڑ کے گویا ہوا۔

''یار اگر میں نے بابا کو بتا بھی دیا تو زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے گھر میں قید کردیں گے یا پھر گھر سے نکال دیں گے'' وہ اپنے بابا کو جانتا تھا کہ وہ اولاد کو ان کے حال پر چھوڑنے والے باپ نہیں تھے۔

''میں گھر سے نکال بھی دیا جاؤں گا تو مجھے یہ پکی امید ہے کہ بابا کا غصہ جب ختم ہوگا اور مجھے بلا لیں گے''۔

''پھر تم یہی کرو'' محریب جھٹ بولا۔

''مگر...... وہ...... منتہیٰ مان جائے گی کبھی نہیں یار! وہ اتنی زود ہو جاتی ہے' کبھی کبھی ایسا تو وہ مانے گی بھی نہیں''۔

''پھر تو چاہتا کیا ہے؟'' محریب بےزاری سے گویا ہوا۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ کل میری منگنی ہے تو عنایہ بھابی کو ساتھ لائے اور عنایہ بھابی سے بولے کہ منتہیٰ کو بھی ساتھ لائیں''۔ وہ ایسے بولا جیسے بہت آسان کام ہو۔

''تم تو ایسے بول رہے ہو جیسے بہت آسان کام ہو''۔ وہ عنایہ کے نام پر سنبھل گیا۔

''میں کچھ نہیں جانتا اور ہاں...... امی بھی کہہ رہی تھیں محریب سے کہنا کہ اپنی بیوی کو ساتھ لائے''۔ وہ انکار سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''منتہیٰ بھابی کو تو میں امی سے کہہ کر راضی کرلوں گا مگر یار! عنایہ کو نہیں لاؤں گا''۔ وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ عنایہ سے بات کرے۔

''فضول کی باتیں نہیں کرو انہیں ساتھ لے کر آنا ہے' میں کچھ نہیں جانتا۔ یار! جتنا تم دونوں ایک دوسرے......

کے ساتھ وقت گزارو گے اتنی محبت میں شدت آتی ہے''۔ وہ ذہن میں منتہیٰ کو لا کر جذب سے بولا۔

''ساتھ گزارنے سے نفرت بھی بڑھتی ہے''۔ وہ اپنی لاجک لایا۔

''تم تو کیا مزا آدمی ہو' پتہ نہیں خود کو افلاطون سمجھتے ہو' ارے پاگل لڑکیوں کو نرمی سے پیار سے ڈانٹ ڈپٹ کر یہ قابو نہیں آتی ہیں''۔

''کیوں تم منتہیٰ بھابی کو ایسے ہی قابو کرتے ہو تو پھر اپنی منگنی پر بھی بلالو''۔ اس نے خوشدلی سے کہا۔

''میں یہاں مشکل میں پھنسا ہوں تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں۔ یار! اگر اتنا آسان ہوتا......'' راحمہ گئی تھی کل اسے دعوت نامہ دینے' میں باہر ہی گاڑی میں بیٹھا رہا تھا''۔

''پھر کیا انکار کردیا راحمہ سے کہ نہیں آئے گی؟'' محریب نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ حالت اس نا تم ایسی تھی کہ وہ کاٹ کھانے کو بھی دوڑ سکتا تھا کیونکہ بات بات پر جھنجلا رہا تھا۔

''راحمہ بتا رہی تھی وہ آ نہیں سکتی کیونکہ ان کے گھر کوئی مہمان آنے والے ہیں اور مجھے آتا پتہ ہے...... نہ آنے کے بہانے''۔

''حمود یار! تم یہ بھی تو سوچو وہ کیسے اپنے شوہر کو دوسری لڑکی کے ساتھ دیکھے گی کہ وہ خوش...... آئے''۔ اسے حمود کی بھی عقل پر حیرانگی تھی کہ منتہیٰ کسی طرح بھی وہاں آجائے۔

''مگر میں ایسا چاہتا ہوں کیونکہ میرے دل و دماغ میں صرف منتہیٰ ہے کوئی لڑکی اس کے برابر نہیں ہو سکتی''۔ لہجے میں مضبوطی اور یقین تھا' وہ منتہیٰ کو ہی خود سے جدا نہیں چاہتا تھا۔

''منگنی پر بلا کر بے چاری کو جلانے کے کام کرو گے تم رہنے دو اسے''۔ محریب بولا۔ جب سے بابا اور اس کی بحث ہوتے اس نے دیکھی تو وہ حمود سے کٹ گئی تھی۔

''یار! وہ مجھ سے سیل پر بھی بات نہیں کررہی ہے''۔ حمود پریشان ہو کر بولا۔

''پھر اس کا ایک ہی حل ہے اغوا کرو اپنی بیوی کو اور کچھ دنوں کیلئے روپوش ہو جاؤ' ہم دونوں ایک...... جب رزلٹ سامنے آجائے تو واپس آجانا''۔ محریب تیزی سے بولتا ہوا مسکرانے لگا۔ حمود اسے خیز ی سمجھ کرا سے گھورنے لگا۔

''سارے مشورے ایسے دینا جو ممکن ہو تو کرا پنی والی کے ساتھ' تیری والی زیادہ مرچ......'' وہ چپ کیا۔

''وہ اصل میں میری والی کی آج تک یہ سمجھ نہیں آتی ہے کہ وہ چاہتی کیا ہے' اس لئے اس پر ایسا کرنا بے کار ہیں' تیری والی بے چاری اچھی ہے''۔ وہ مسکرایا۔

''بہت خبیث آدمی ہو مجھے الجھاتے رہو مگر میرا کام نہیں کرتا''۔ وہ چیئر چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ تو کہاں جا رہا ہے' دماغ زیادہ ہی گرم ہو رہا ہے''۔ اس نے ڈپٹ کے حمود کو بٹھنے کا اشارہ کیا اس کیلئے ٹھنڈا اور کچھ کھانے پینے کیلئے بھی منگوایا' پچھلے ایک گھنٹے سے وہ مسلسل بول رہا تھا۔

''میں جتنا حالات سدھارنے کی کوشش کر رہا ہوں منتہیٰ اتنا بگاڑ رہی ہے' میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہی ہے''۔

''اس نے زندگی میں دھوکے کھائے ہیں' ظاہر ہے ڈر رہی ہے پھر اسے یہ بھی ڈر ہوگا کہ تم کہیں اچانک سے اسے چھوڑ نہ دو''۔

''میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزاروں گا' یار میں کتنی بار بلکہ بار بار اپنی محبت کا یقین دلاتا ہوں اور وہ جواب میں اتنا لمبا لیکچر وہ بھی فلسفہ بولتی ہے کہ میرا دماغ گرم ہونے لگتا ہے''۔حمود کولڈ ڈرنک کے سپ لینے لگا۔

''اچھا اچھا اب خود کو ریلیکس کرو میں تمہاری فیلنگ سمجھ رہا ہوں' کوشش کرتا ہوں کہ وہ تمہاری منگنی میں آجائے''۔

''مگر عنائبہ بھابی بھی ساتھ ہوں ورنہ سوچ لے ان کے بغیر تجھے اندر نہیں گھسنے دوں گا''۔

''واٹ......یعنی اس کی اہمیت ہوئی میری نہیں''۔محریب تو غصہ میں آ گیا۔

''امی کا آرڈر ہے کہ محریب کی بیوی کو بھی خاص طور پر بولوں''۔

''یار حمود! مشکل ہے میں ابھی تک اس سے اتنے فری انداز میں بات نہیں کرتا ہوں کہ اس سے منگنی پر چلنے کو کہوں''۔

''یار! بیوی ہے تیری' تو ہر بات بول سکتا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بچوں کے بارے میں بھی پوچھ لو' کتنے ہونے چاہئیں کیونکہ آج کل ان لڑکیوں کو بچوں سے بہت الرجک ہے''۔

''فضول مت ہانکا کرو''۔محریب جھینپ گیا۔

''میں نے تو سوچ لیا ہے تین بچے ہوں گے میرے''۔حمود نے مسکرا کے کہا۔

''تمہاری طرح کی ایسی گفتگو مجھے نہ پسند ہے نہ کرتا ہوں''۔

''میں بھی کب کرتا ہوں اگر کرنے لگا تو وہ تو مجھے اپنی صورت تک سے ترسا دے گی' کبھی اگر کچھ رومانٹک سا جملہ بول بھی دیتا ہوں تو پسینے آنے لگتے ہیں اُسے''۔حمود کو منتہیٰ کا شرمایا لجایا چہرہ یاد آ گیا۔

''تمہاری زبان کو لگام دینا بھی تو بے چاری کو مشکل ہوتا ہے''۔

''وہ تو یار! میں نے خود کو بھی لگام دے کے روکا ہوا ہے اگر نہیں......''

''میرے خیال میں تم یہ ٹاپک ختم کرو' تم نے جو کہا ہے میں کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں کرتا کیونکہ عنائبہ سے میں ڈائریکٹ نہیں کہہ سکتا' امی سے پہلے بولوں گا''۔اس نے حمود کی بات کاٹ دی۔

''اور ہاں یار! ذرا منتہیٰ کیلئے عنائبہ بھابی سے کہنا اپنی امی کے پارلر لے جا کر کچھ اس کی ڈینٹنگ پینٹنگ کروا دیں''۔اسے یکدم یاد آیا۔

''کیا مطلب......؟''محریب سمجھا نہیں۔

''ارے وہ لڑکیاں اپنے چہرے کو سنوارتی ہیں' ان سے پوچھنا''۔وہ اسے سمجھا نہیں پا رہا تھا۔

''تم بھی حمود پتہ نہیں کیا کیا سوچتے ہو''۔

''اور ہاں یار! وہ احد کا کارڈ تم دے دینا میرے پاس ٹائم نہیں ہے''۔اپنے بیگ سے کارڈ نکالنے جھکا۔

''تم خود دے دینا ورنہ ناراض ہوگا وہ کہ تم کیوں نہیں آئے''۔اس نے کارڈ ہاتھ میں لیا۔

''میں کال کر لوں گا اور ہاں آنا ضرور ہے تم سب نے میری قربانی دیکھنے''۔

''حمود یار! فضول مت بولا کرو''۔محریب نے سرزنش کی۔

''میں صرف امی کی وجہ سے قربانی کا بکرا بن رہا ہوں ورنہ رسی تڑوا کر بھاگ سکتا تھا اس لئے نہیں بھاگ رہا کہ میری بیوی بڑی اصول پرست ہے' ایسے تو وہ مجھے بھی قبول نہیں کرے گی''۔اس نے مسکی سی صورت بنا کے کہا۔

''اب میں چلتا ہوں کیونکہ بابا کی کال مسلسل میرے سیل پر آ رہی ہے' کچھ بعید نہیں کہ فوجیں دوڑا دیں مجھے ڈھونڈنے کیلئے کہ میں بھاگ تو نہیں گیا''۔ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے کھڑا ہوا۔

''اور ہاں......آنٹی سے پلیز آج یہ بھی کہہ دینا جا کے کہ وہ منتہیٰ کو سمجھائیں کہ مجھ سے بات تو کر لے''۔

''سن......پہلے تو امی تیری منگنی کا سن کر ہی کتنا غصہ کریں گی''۔

''ہاں......مجھے بھی یہ فکر ہے یار محریب! آنٹی وہاں کہیں تو نہیں آ جائیں گی''۔اسے ڈر ہوا۔

''میں امی کو سہولت سے سمجھاؤں گا کیونکہ وہ منتہیٰ بھابی کی حق تلفی کسی صورت گوارا نہیں کریں گی''۔

''یار محریب! تو مجھے آنٹی سے بھی بچا لے' بیچ میں چاروں طرف سے پھنسا ہوا ہوں''۔حمود کی شکل بہت پریشان سی ہو رہی تھی۔

''اوکے اوکے......مگر صرف منگنی ہی رکھنا' شادی تک مت پہنچ جانا''۔اس نے بھی یاد دلایا۔

''شادی تک مجھے پہنچنا بھی نہیں ہے' کسی دن بھی بابا کو باتوں میں لے کر ہی بتاؤں گا کیونکہ یہ ٹائم بتانے کا نہیں ہے''۔اپنا بیگ اٹھا کر سیل پر دوبارہ کال چیک کی۔

محریب اس کے ساتھ ہی روم سے نکلا' شام کے چھ بج رہے تھے وہ بھی آفس سے جلدی ہی نکلا کیونکہ امی سے کہنا تھا عنائبہ کو لے جانے کیلئے اور خود سے وہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔مگر وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اب اسے ہی اپنے سارے مسئلے خود ہی سلجھانے ہیں مزید گھر والوں کو اپنی وجہ سے تنگ نہیں کرے گا' عنائبہ سے جب نکر لی ہے تو وہ بھی اس کی برداشت دیکھنا چاہتا تھا کتنی ہے۔اب تو سوچ لیا تھا عنائبہ کو اتنا تنگ کر کے اپنا پابند بنائے گا کہ اسے کچھ سوچنے کا ٹائم ہی نہ مل سکے' وہ اسی میں الجھ کے رہ جائے۔

''عنائبہ! تمہیں میں اپنا عادی بنا لوں گا''۔نئی سوچ کو پروان چڑھایا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 21
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
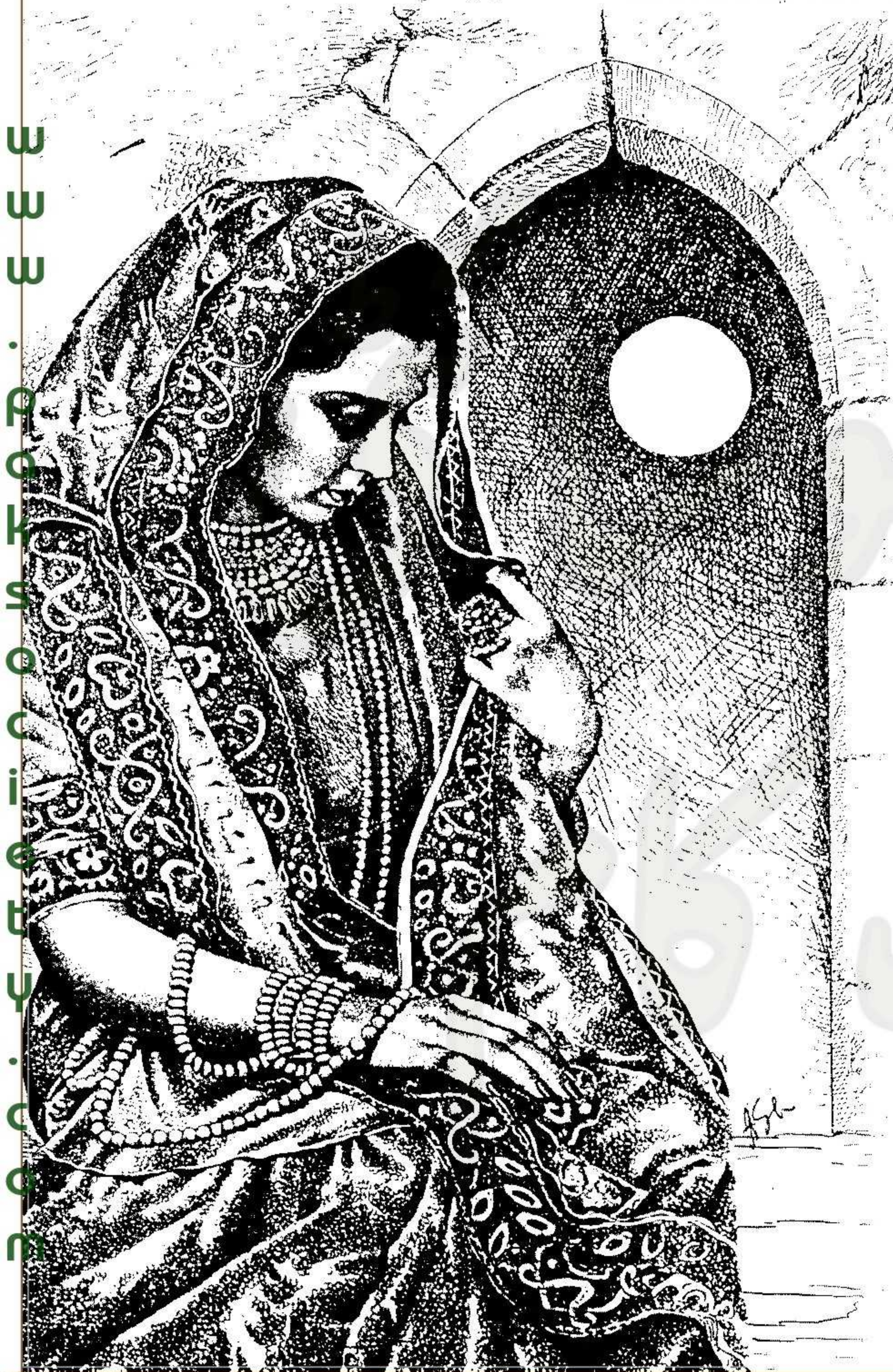
ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا' دو منٹ گزرے تھے گیٹ پر معارج تھا' اسے دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا۔

''آیئے محریب بھائی......!'' وہ بہت خوش بھی ہو رہا تھا۔

کوریڈور عبور کر کے وہ اندر آیا' سامنے کوئی نہیں تھا' سمیرا بیگم تو اپنے پارلر میں ہی ہوتی تھیں۔

''بیٹھیے......میں آپی کو بلاتا ہوں''۔

محریب لاؤنج میں ہی بڑے صوفے پر بیٹھ گیا' نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ بڑے بڑے صوفہ سیٹ' درمیان میں قالین' ٹی وی ٹرالی اور رائٹ سائیڈ پر کونے میں کارنر جس پر ڈیکوریشن پیسز رکھے ہوئے تھے۔اس کی نگاہیں جائزہ لیتی رہیں۔

جب سے معارج نے اسے بتایا تھا محریب آیا ہے وہ تو گھبراہٹ کا شکار ہو گئی کیونکہ یوں اچانک نکاح کے بعد آج وہ پہلی بار آیا تھا۔

''پتہ نہیں کیا بات ہے' ابو بھی گھر پر نہیں ہیں''۔ وہ کاسنی پرنٹڈ دوپٹہ شانوں پر برابر کرتی گھبرائی ہوئی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ محریب کی نگاہ اس پر جا کر ٹک گئی جو سراپا سوال بنی اس کے سامنے تھی' پلکوں کی لرزش واضح تھی' نگاہ صرف ایک بار ہی ڈالی۔ وہ بھرپور استحقاقانہ انداز میں اس کا ایک ایک نقش نگاہوں میں سمو رہا تھا۔گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں سلام کرنا تک بھول گئی' جب محریب نے سلام کر کے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

''کیسی ہو؟'' آج تو سارے ہی انداز جدا تھے' نگاہوں میں بھی لگاوٹ اور لہجے میں بھی واضح تھی۔ عنایہ نے چونک کر نگاہ اٹھائی' دونوں کی نگاہیں آپس میں ملی تھیں' اس نے پھر پزل ہو کر سر جھکا لیا۔

''ٹھیک ہوں''۔

''بیٹھو''۔ وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔ عنایہ پچھلی کوئی بات بھولی تو نہیں تھی' کتنے کاٹ دار جملے طنز کے ساتھ ادا کیے تھے۔

''چاچو نہیں ہیں گھر پر؟''

''جی......وہ ابھی آفس سے نہیں آئے ہیں''۔ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''ہوں......'' اس نے لمبا سانس لیا۔

''کل تم کہیں بزی تو نہیں ہو ناں؟''

''جی......'' پھر چونک کر سر اُٹھایا' محریب کی آدھی باتوں سے اکثر وہ ڈر جاتی تھی۔

''کل حمود کی منگنی ہے اس نے تمہیں بھی بلایا ہے''۔

''منگنی......'' وہ حیرانگی سے زیر لب بولی۔

''مگر ان کی تو شادی ہو گئی ہے منتہیٰ سے''۔

''وہ مجبوری میں کر رہا ہے' حالات تم جانتی ہو اس کے گھر کے کیسے ہیں' صرف اپنے بابا کی وجہ سے وہ

رہے گا''۔ وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ محریب آج اس سے نارمل انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

''وہ منتہیٰ......اس کا کیا ہو گا؟'' اسے یہ بات ذرا پسند نہیں آئی۔

''منتہیٰ اس کی بیوی ہے' ظاہر ہے اسے اپنی بیوی سے محبت ہے اسے چھوڑے گا تھوڑی''۔

''مجھے آپ مردوں کی لاجک سمجھ نہیں آتی ہے' دو دو بیویاں رکھ کر کیوں ان بیویوں پر ظلم کرتے ہیں''۔ نایہ کا لہجہ ناگواری اور ترشی لیے ہوئے ہو گیا۔

''وہ افورڈ کر سکتا ہے' دو بیویاں کیا چار بھی افورڈ کر سکتا ہے''۔ اسے عنایہ کو تپانے میں اب مزہ نے لگا۔

''پھر منتہیٰ کی کیوں زندگی برباد کی؟'' وہ مشتعل سی ہو گئی۔

''میرے خیال میں دو بیویاں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے' جب ایک سکھ نہیں دے تو دوسری ے گی''۔

''اونہہ......سکھ......'' دانت پیسنے لگی۔ محریب کو اس کی کیفیت کا اندازہ تھا وہ جواب میں اسے اور بھی کٹیلا لہ بول سکتی ہے۔

''جب دل میں بسی ہو تو
اس کی ہر سانس اپنی
سانس سے ملی ہوئی لگتی ہے''

وہ خاموشی کا اگر سمندر تھی تو وہ اسی خاموشی کو توڑنا چاہتا ہے' آخر اس کے دل میں کیا ہے اس کیلئے' وہ جاننا اہتا تھا کہ وہ کتنی شدتوں سے اسے چاہتی ہے۔

''پھر آپ کو کس نے روکا' آپ بھی اسی پر عمل کریں جس پر آپ کے دوست عمل کر رہے ہیں''۔ نایہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی سے گویا ہوئی۔ محریب اس کی صورت بغور دیکھنے لگا' مبہم سا استہزائیہ تبسم ی بکھرا۔

''اگر ضرورت پڑی تو ضرور ایسا کروں گا''۔ عنایہ نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی جو مسکرا رہا تھا' وہ ران رہ گئی محریب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

''تم جیسی ہو ایسا پوز کیوں نہیں کرتی ہو' کیوں خود پر پردے ڈال کے بات کرتی ہو''۔

''میں صاف اور کھری بات کرتی ہوں آپ کو ہی سمجھ نہیں آتی ہے''۔

''یا پھر میں بے وقوف ہوں یا تم زیادہ عقلمند ہو''۔ طنز ہی کیا۔ عنایہ لب بھینچ کے رہ گئی' وہ گھر آیا تھا وہ بھی لی بار جب سے دونوں نکاح کے بندھن میں بندھے تھے۔

''میں نے کبھی خود کو عقلمند سمجھا ہی نہیں ہے''۔

''جب ہی تو تم ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہو کہ کیا کرنا ہے' اِدھر رہنا ہے یا اُدھر''۔ وہ

لاجواب کرنے لگا۔ عنایہ دل مسوس کے رہ گئی' محریب کتنی کھلی گفتگو کرنے لگا تھا کوئی بھی یقین نہیں کرے گا وہ کتنا کٹیلا ہو گیا ہے۔

''اینی ویز...... میں صرف اس لئے آیا تھا کہ تم کل آٹھ بجے تیار رہنا اور منتہیٰ بھابی کو میں دن میں ہی یہاں چھوڑ جاؤں گا' تم انہیں اپنی امی کے پارلر میں لے جا کر کچھ سنوار دینا' ایسا حمود نے کہا ہے جبکہ سنوارنے کیلئے پارلر کی ضرورت کیا ہے' زندگی سنوری ہو تو سب سنورا ہوا لگتا ہے''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

''لے آئیے گا...... مگر منتہیٰ کیوں جائے گی اور کس دل سے جائے گی' یہ آپ نے سوچا اس کے دل پر کیا گزرے گی''۔ اسے محریب پر غصہ آنے لگا۔

''یار! میں کیا کر سکتا ہوں جب اس کا شوہر کہہ رہا ہے تو''۔ عنایہ جھینپ گئی کیونکہ اس نے یار جو کہہ دیا تھا اور ایسی بے تکلفی' وہ توقع تو نہیں رکھ سکتی تھی۔

''کس دل سے وہ جائے گی''۔ عنایہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں' جب کہا اس نے ہے تو کیا کر سکتے ہیں ہم''۔

''مجھے جلدی ہے میں چلتا ہوں' کل آٹھ بجے تیار رہنا''۔

''میں پہلے ابو سے پوچھوں گی''۔ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''واٹ...... تم چاچو سے پوچھو گی' کیوں میں تمہیں خود اپنی مرضی سے کہیں نہیں لے جا سکتا''۔ وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

''میں نے جانے سے منع تو نہیں کیا''۔ نگاہ ڈرتے ڈرتے اٹھائی۔

''تم کبھی بھی نہیں سمجھنا مجھے' سمجھیں''۔

''آپ خوامخواہ اتنا مشتعل ہو رہے ہیں' میں اب ایسے تو نہیں کر سکتی کہ ابو کو بتاؤں بھی نہیں اور آپ کے ساتھ چل پڑوں''۔ عنایہ کو کبھی کبھی محریب نا سمجھ میں آنے والی چیز لگتا تھا۔

''میں نے جب اپنے گھر میں ذکر نہیں کیا کہ میں تمہیں لے کر جاؤں گا حمود کی منگنی میں تو تم کیوں مجبوری ظاہر کرتی ہو''۔

''آپ بات کو سمجھ تو لیا کریں' آپ کا صرف مجھ پر حق نہیں ہے میرے گھر والوں کا بھی ہے''۔ وہ تیز لہجے میں بولی۔ محریب نے بغور اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا جو اس لمحے خاصی غصہ میں لگ رہی تھی' یہاں وہ موجود تھی تو کتنی اعتماد سے اس سے مخاطب تھی۔

''اونہہ......'' وہ گھورتا ہوا تیزی سے جانے لگا' عنایہ گھبرا گئی اور پیچھے دوڑی تھی۔

''سنیے...... بات تو سنیے......''

''کل آٹھ بجے تیار ہو جانا''۔ وہ گیٹ کھول کر نکل گیا تھا۔

محریب جتنا سمجھدار تھا اب وہ اتنا ہی غصے والا ہوتا جا رہا تھا۔ عنایہ کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا تھا۔ زندگی اسے ہی جانا تھا' وہ اس کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی تھی مگر لگتا تھا وہ لاعلم ہی تھی' محبت وہ شدتوں ے کر رہا تھا' خود محبت ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر اس کی بے اعتنائی اسے بہت غصہ دلاتی تھی۔

گاڑی وہ اسٹارٹ کر چکا تھا' عنایہ نے اسے جاتے ہوئے کہا تھا' ایک لمحے کو مڑا تک نہیں تھا۔

☆

ایگزام تو دونوں کے ہی ہو رہے تھے' فائق نے ریڈیو جوائن کر لیا تھا' مائز نے ابھی نہیں کیا تھا کیونکہ وشہ ے کرنے ہی نہیں دے رہی تھی۔

وہ گلاسز کہیں رکھ کر بھول گیا تھا' یمنیٰ کو اس نے ڈھونڈنے میں لگایا ہوا تھا اور وہ خود جھنجھلایا ہوا بیٹھا تھا' بردے کر آیا تھا تو شاید نیچے ہی بھول گیا تھا کیونکہ تھکن کی وجہ سے نیند بہت آ رہی تھی۔

''تم سے ایک کام کہا اور تم نے ابھی تک نہیں کیا''۔ وہ جھنجھلایا ہوا یمنیٰ پر برہم ہونے لگا جو مسلسل اس ے گلاسز ہی ڈھونڈ رہی تھی اور اس کی ڈانٹ بھی سن رہی تھی۔

''رکھتے آپ ہیں اور غصہ بھی ہم پر کرتے ہیں''۔ وہ روہانسی ہونے لگی تھی۔

''جلدی ڈھونڈو میرا شو بھی ہے چھ سے سات کا''۔ وہ دھڑ سے صوفے پر بیٹھا تھا۔ یمنیٰ نے اس کا کمرہ :نج سب ہی دیکھ لیا تھا' ناظمہ بھی ڈھونڈنے میں لگی تھیں' فائق بے زار سا بیٹھا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے یہ گھر میں اتنا بھونچال کیوں آیا ہوا ہے؟'' مائز نے حیرانگی سے ان کی حرکات و ںات دیکھی۔

''فائق بھائی کا گلاسز نہیں مل رہا ہے''۔

''اوہو...... آنکھیں رکھ کر بھول گیا میرا بھائی''۔ وہ شوخی سے بولا۔

''یار! دل رکھ کے تو نہیں بھولے''۔

''مائز! فضول کی بکواس ہر وقت نہیں کیا کرو''۔ اس کی سرگوشی پر وہ تپ گیا۔

''لیجیے مل گیا''۔ یمنیٰ کو بالآخر مل ہی گیا۔

''کہاں سے ملا؟'' فائق نے لپک کر لیا۔

''ڈائننگ ٹیبل پر رکھا تھا' آپ نے کھانا کھایا ہو گا وہیں رکھ کر بھولے ہوں گے''۔ وہ بولی۔

''آئندہ خیال سے رکھنا' یہ کیا بہن پر چیخنا شروع کر دیا''۔

''چچی جان یہ تو بہن ہے بیوی آئے گی تو اس پر تھوڑی چیخے گا''۔ مائز کو پھر شوخی سوجھی' وہ فائق کو یڑنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں مائز بھائی آپ' ہو گا بھی یہی''۔ یمنیٰ تو پہلے سے ہی بہت تپی ہوئی تھی اس کی تائید ـنے لگی۔

''ممی! تم بھی شروع ہوگئیں''۔ فائق کے چتون تن گئے۔

''امی! آپ ان کی جلدی شادی کیجیے گا' ہر بات میں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں' استری ٹھیک نہیں کی' برتن ٹھیک سے نہیں دھلے' دیکھو ہر جگہ کتنی دھول ہے''۔ اسے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع ملا تھا۔ فائق کھسیا کر اٹھا کیونکہ اسے شو کرنے جانا تھا' تیار بھی ہونا تھا۔ جلدی سے فریش ہو کر وہ نیچے آیا تھا۔

''السلام علیکم......'' اس نے مبینہ کو دیکھ کر مودب بن کے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا' بڑی امی بھی وہاں بیٹھی تھیں' لگتا تھا کسی ضروری مسئلے کے ساتھ آئی تھیں۔

''میں محریب سے ذکر کر دوں گی''۔ بڑی امی نے تسلی دی۔ فائق کے کان کھڑے ہو گئے کہ آخر ایسا کیا گھمبیر مسئلہ ہے جس کا ذکر محریب سے کرنے کو کہا تھا۔

اس وقت تو وہ چلا گیا مگر ذہن اس کا الجھ گیا تھا کہ کہیں تہذیب کے رشتے وغیرہ کی تو بات نہیں کرنی ہے' شو بھی اس نے بہت بے دلی سے کیا تھا' بیک ٹو بیک اس نے زیادہ چلایا تھا۔ نو بجے رات کو گھر آیا تھا' سب اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے' اس کو کسی طرح بھی پوچھنا تھا کہ مبینہ آنٹی کیوں آئی تھیں۔

''یار فائق! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی''۔ محریب نے اسے دیکھا تو مخاطب کر لیا۔ فائق کچن کی سمت بڑھ رہا تھا' بھوک بہت لگ رہی تھی تو سوچا کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں چلا جائے گا' دو پیپر زرہ گئے تھے۔

''جی خیریت تو ہے؟'' اس نے اپنے گلاسز کو ناک پر شہادت کی انگلی سے سیٹ کیا۔

''تم کل منتہیٰ کو لیکر جواد چاچو کے ہاں چلے جانا''۔

''خیریت تو ہے؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

''ہاں یار! وہ پارلر وغیرہ بھیجنا ہے' کل حمود کی منگنی ہے' ٹائم نہیں ہوگا' تم چھ بجے تک لے جانا''۔

''حمود بھائی کی منگنی''۔ فائق کو پتہ تو تھا کہ ہو رہی ہے اور کس سے یہ بھی وہ جانتا تھا۔

''یار! یاد سے چلے جانا کیونکہ مجھے کہیں بہت ضروری وزٹ پر جانا ہے''۔ اس نے فائق کے شانے ہاتھ رکھا۔ وہ جانے لگا فائق نے پھر اسے پکار لیا۔

''محریب بھائی! آپ سے مجھے ایک بات کرنی تھی مگر آج میں سوچ رہا ہوں کہ کر ہی لوں''۔ وہ قدرے توقف کے بعد جھجک کے گویا ہوا۔

''ہاں کرو''۔ وہ بغور فائق کا جائزہ لینے لگا جو کنفیوژ بھی ہو رہا تھا۔

''آپ تہذیب کو اس جاب سے منع کر دیں''۔

''کیوں...... کیا ہوا؟'' وہ چونک گیا اس غیر موقع بات پر کہ فائق اور تہذیب کیلئے اتنا پریشا

یوں ہے۔ فائق نے پھر ساری بات بتا دی' فاطمہ کا سارا کیس بھی بتا دیا' محریب حیران رہ گیا کہ وہ یوں اتنا بے خبر رہا۔

''یار! یہ سب مجھے تہذیب نے کیوں نہیں بتایا''۔

''وہ مجھے ہر بار منع کرتی تھی میں آپ کو نہیں بتاؤں مگر محریب بھائی یہ بہت خطرے کی بات ہے''۔

''یار! تم تو مجھے بتاتے اُسی وقت' اتنا وقت گزر گیا اور تم مجھے اب بتا رہے ہو''۔ وہ سر پکڑ کے رمند سا ہو گیا۔

''پھر مجھے اس لڑکی کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا کیونکہ آج مبینہ آنٹی آئی تھیں' کہیں سے اس کا شتہ آیا ہے' لڑکے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے جبکہ تہذیب شادی سے منع کر رہی ہے''۔ فائق تو ہکا بکا سا رہ گیا یعنی اس کا شک ٹھیک تھا' وہ سن کے پریشان ہو گیا کہ اس کا رشتہ؟ وہ ہلو بدل کر رہ گیا۔

''کرتا ہوں کچھ''۔ وہ تو چلا گیا جبکہ فائق ٹینشن میں آ گیا' اتنی جلدی وہ کسی اور کی بنا دی جائے گی اور ی تو وہ ایگزام سے بھی فارغ نہیں ہوا تھا۔

☆

ساری تیاریاں اعلیٰ پیمانے پر کی گئیں تھیں' لان میں اتنی پھولوں کی لائٹس کی سجاوٹ تھی کہ ہر کونہ جگمگا رہا ا۔ درمیان میں راؤنڈ میں اسٹیج بھی بنایا گیا تھا وہ بھی بڑا خوبصورت طرز پر سجایا گیا تھا۔ حمود بھی نیوی بلیو ڈنر وٹ میں ڈیشنگ لگ رہا تھا' رحمہ بھی پنک کپڑوں میں جدید تراش خراش کے لباس میں خوش تھی مگر حمود کی ظریں گیٹ پر لگی تھیں کہ محریب اور عنایہ کے ساتھ منتہیٰ کو آنا تھا۔

مہمان بھی آنے شروع ہو گئے تھے' ڈریسنگ روم میں حمنیٰ بھی آ کر پہلے ہی بیٹھ گئی تھی' وہ پریشان سا پھر ہا تھا۔ ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا حمنیٰ کو پھر اسٹیج پر بٹھا دیا تھا۔ حمنیٰ بھی فیروزی لہنگے میں میک اپ اور جیولری ں بڑی خوش دکھائی دے رہی تھی' حمود نے بھولے سے بھی نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

اس نے محریب کے موبائل پر بھی کال کی تھی مگر وہ بھی پک نہیں کر رہا تھا' اب وہ پریشان ہوا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگیں۔

''امی! مجھے ضروری جانا ہے آتا ہوں میں''۔ وہ کلثوم بانو کو ساتھ لے کر پارکنگ ایریا میں آیا تھا اور گاڑی نی تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا کہ لگ رہا تھا وہ جہاز اڑا رہا ہو۔ وہ جانتا تھا منتہیٰ ہی نہیں آ رہی ہو گی۔

''آیئے امی......'' کلثوم بانو اپنا آنچل سنبھالتی حیران پریشان سی اس کے ساتھ چل رہی تھیں کہ یہ ادھر یوں آیا ہے۔

''حمود! مجھے بات تو بتاؤ؟'' انہوں نے حمود کا سنجیدہ چہرہ دیکھا جو منتہیٰ کے گھر کی بیل بجا چکا تھا۔ اتنے یں گیٹ کھلا سامنے مبینہ تھیں' وہ گنگ سی رہ گئیں' حمود اور اپنی ماں کے ساتھ سامنے تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تھا' مبینہ نے اسے اندر آنے کیلئے کہا تھا۔

''آنٹی! منتہیٰ ہے یا نہیں؟'' کلثوم بانو نے چونک کر حمود کا چہرہ دیکھا جو بہت فکر مند اور تنا ہوا تھا۔

''ہاں بیٹا اندر ہے''۔

''آئی کیوں نہیں منتہیٰ' ہم نے تو اسے حمود کی منگنی پر بلایا تھا''۔ کلثوم بانو بولیں۔ حمود پر اعتماد انداز میں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا تھا' منتہیٰ اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بیٹھی تھی' اسے دیکھ کر متوحش زدہ سی رہ گئی۔

''کیوں تم اتنی ضدی ہو' مجھ پر یقین نہیں تھا یا میں آوارہ ہوں''۔ وہ منتہیٰ کو دیکھ کر پھٹ پڑا۔ کلثوم بانو کو ذرا سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ حمود کیوں اس سے ایسے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''یہی سوچ کے میں امی کو ساتھ لایا ہوں تاکہ تمہاری بے یقینی ختم ہو''۔ وہ کلثوم بانو کو آگے کر کے بولا۔ منتہیٰ گھبرا گئی' نگاہیں تک شرمندگی سے نہیں ملا رہی تھی' لگتا تھا چھت اس پر آن گری ہو۔

''حمود! ہوش میں تو ہو' کس لہجے میں تم اس سے بات کر رہے ہو''۔

''امی! میں بالکل ٹھیک لہجے میں بات کر رہا ہوں' آپ کی بہو کو اپنی چلانی آتی ہے''۔

''بہو......'' کلثوم بانو تو ہق دق سی رہ گئیں۔ حمود کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگیں جبکہ منتہیٰ کے تو پسینے چھوٹ گئے' اس کا سانس رُکنے لگا' وہ جانے لگی تو حمود نے اس کا بازو پکڑ کے روکا۔

''کہاں جا رہی ہو......؟'' حمود کے لہجے میں ایک اطمینان تھا۔

''امی! یہ آپ کی بہو ہے''۔

''حمود! تو کیا کہہ رہا ہے میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے''۔ وہ تو دل پکڑ کر بیٹھ گئیں تھیں کیونکہ وہ آج اس کی منگنی کی رسم کرنے جا رہیں تھیں اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔

حمود نے شروع سے لے کر اب تک کے سارے ہی قصے انہیں سنا ڈالے' کیسے نکاح ہوا اور پھر منتہیٰ کی ایک ایک بات کہ وہ کس سوچ کی اور عادت کی ہے۔

''آنٹی! میں ان سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے چھوڑ دیں' اپنے امی اور بابا کی خوشی سے ان کی مرضی سے شادی کر لیں''۔

''چپ کرو تم''۔ اس نے منتہیٰ کو ڈانٹ دیا۔ وہ لب بھینچ کے رہ گئی' کلثوم بانو کو تو ایسا لگ رہا تھا ان کا دماغ کام نہیں کر رہا ہو۔

''کیوں امی! آپ کو اپنی بہو پسند نہیں آئی......؟'' وہ الٹا سوال کرنے لگا۔

''گدھے! تو نے مجھے یوں اچانک اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا' میں کیا بولوں''۔ وہ منتہیٰ کو دیکھنے لگیں جو بھل بھل آنسو بہا رہی تھی' اس کے چہرے میں تو انہیں کسی اور کا چہرہ بھی نظر آتا تھا مگر کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ یوں ان کے سامنے ان کے بیٹے کی بیوی بن کے کھڑی ہو گی۔

''یعنی آپ کو اعتراض نہیں ہے' دیکھیئے امی میں نے آپ کو بالکل سچ بتایا ہے''۔ وہ منتہیٰ کا ہاتھ پکڑ کے امی کے سامنے لے آیا۔

''بیٹا! مجھے کچھ اعتراض نہیں ہے لیکن تیرے بابا......تو ان کو تو جانتا ہے ناں''۔ انہوں نے منتہیٰ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ منتہیٰ تو حیران تھی کہ انہوں نے نفرت بھرے جملے تک نہیں ادا کیے بلکہ اسے گلے لگا لیا تھا۔

''اتنے مہینے سے مجھ سے چھپایا تو نے''۔ انہوں نے منتہیٰ کے آنسو پونچھے' انہیں تو وہ پہلے بھی بُری کب لگی تھی' ڈری سہمی سی رہتی تھی' ان کا سامنا جب بھی کرتی تھی جھجکتی رہتی تھی' وہ سمجھ گئی تھیں۔

''دیکھا میری ماں کو' کتنی جلدی مان جاتیں ہیں' اب تو مجھ پر یقین ہے ناکہ میں تمہیں اپنے گھر لے کے جاؤں گا''۔ اس نے منتہیٰ کو مسکرا کے دیکھا' اُس نے جھینپ کے سر ہلایا۔

''بابا کو بھی منا لوں گا تم فکر نہیں کرو' اگر راضی ہو تو ان کا پوتا یا پوتی آ جائے' پوچھ لیں امی اپنی بہو سے''۔

''بے شرم لحاظ نہیں ہے ماں کے سامنے ایسے بول رہا ہے''۔ انہوں نے حمود کے شانے پر چپٹر لگایا۔

''اچھا جلدی کرو تمہارے بابا نے شور ڈال دیا ہو گا دونوں ماں بیٹے کہاں گئے؟'' انہیں وقت گزرنے کا خیال آیا تو وہ چونک گئیں۔

''اب چلو گی ساتھ یا نہیں''۔ اس نے منتہیٰ سے پوچھا۔

''گدھے! یہ کیوں جائے گی تیری منگنی میں' اپنے شوہر کو ایسے نہیں دیکھ سکتی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ' منتہیٰ تم یہیں رہو''۔ کلثوم بانو نے خود ہی منع کر دیا' اس کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''جلدی چلو''۔ وہ بولیں۔

''سنو بیٹا! یہ میرا بھی تم سے وعدہ ہے کہ تم میری بہو ہو اور تمہیں اُسی گھر میں آنا ہے یہ ذہن میں رکھنا ہے''۔

''جی''۔ منتہیٰ حیران رہ گئی۔

''امی! آپ چلیئے میں آتا ہوں''۔ وہ خوشبوؤں میں بسا سائیڈ پر ہوا' کلثوم بانو کمرے سے نکل گئی تھیں۔ حمود اس کے قریب آیا' منتہیٰ کے اطراف میں مسحور کن خوشبو پھیل گئی' دل پر جو ایک بوجھ تھا وہ بھی کم ہو گیا تھا۔ حمود اپنی بات کا پکا ہی تھا جب ہی تو اس نے اتنے خاص موقع کو بھی نہیں چھوڑا اور اپنی امی کو یہاں لے کے آ گیا۔

''اب تو یقین ہے نا مجھ پر''۔ آنکھوں میں اور لہجے میں شوخی سمو کے وہ پوچھنے لگا' منتہیٰ نے شرمائے ہوئے انداز میں سر ہلایا۔

''بابا کو بھی منا لوں گا پھر دیکھنا تمہیں کتنی شان سے اپنے گھر لے کے جاؤں گا''۔

''آپ بہت اچھے ہیں''۔ آج اس نے کہہ ہی دیا۔

"کیا کہا......" وہ تو خوشی سے جھوم اٹھا۔

"حمود! آج تو آجاؤ، بیوی سے کل آ کے مل لینا، کتنی بھی دیر لگانا مگر ابھی چلو"۔ کلثوم بانو کی آواز پر دونوں ہی جھینپ گئے۔ دونوں مسکرانے لگے تھے، اس کے رخسار پر اپنی محبت کا احساس چھوڑ کے وہ چلا گیا تھا، منتہیٰ نے تو شکرانے ادا کیے تھے کیونکہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا یوں اتنی جلدی حمود اس کیلئے یہ سب بھی کرے گا، سب نے ہی مبارکباد دی تھی، محریب اسے کہنے آیا تھا چلنے کو مگر اسے بخار تھا تو اس نے منع کر دیا تھا۔

☆

وشہ میکے رہنے چلی گئی تھی کیونکہ مائز کے ایگزام ختم ہو گئے تھے ورنہ اس کی سخت ڈیوٹی تھی اس کے ساتھ اسے بھی جاگنا پڑتا تھا، یہاں پر آ کر اس نے اپنی تھکن اتاری تھی۔

"پتہ نہیں کیوں دو دن سے میری طبیعت سست ہو رہی ہے"۔ وشہ ناشتہ کرتے ہوئے سمیرا بیگم سے بولی تھی۔

"ابھی سے بچے کے چکر میں مت پڑ جانا تم"۔ وہ جھٹ بولیں تھیں۔ وشہ تو جھینپ گئی، عنایہ نے بھی استفہامیہ نگاہ سے اپنی امی کو دیکھا جو خاصی روکھی ہو رہی تھیں۔

"امی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔

"اگر ایسی کوئی بات نہیں بھی ہے تو تم چلو میرے ساتھ، آج ڈاکٹر سے تمہارا چیک اپ کروالوں، تم تو اتنی بے وقوف ہو ابھی سے اس جھنجٹ میں پڑ گئیں تو سارا اپنا ستیاناس کر لو گی"۔ انہیں فوراً فکر ہوئی۔

"وہ تو مجھے تھکن ہو رہی ہے اس وجہ سے طبیعت خراب لگ رہی ہے"۔

"پہلے ایسا ہی ہوتا ہے، گھر جانے سے پہلے چیک اپ کروالو اگر ایسی بات ہے تو، کم از کم کچھ ہو تو سکتا ہے"۔

"امی! آپ بھی کیسی بات کر رہی ہیں"۔ عنایہ کو امی کی بات بالکل پسند نہیں آئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، یہ تو بے وقوفی میں پڑ گئی اس جھمیلے میں تو ہو گیا گزارا"۔

"امی! میں گھر سے چلی جاؤں گی"۔ وشہ ان کی ساری بات سمجھ رہی تھی اور اول تو یہ بات تھی ہی نہیں اور ان کے ساتھ تو کبھی نہیں جائے گی۔

"وہ سب تمہیں پاگل بنائیں گے، تم جان چھڑا کے جانا یہاں سے"۔ سمیرا بیگم تو جیسے ٹھان کے بیٹھی تھیں کہ ایسا کچھ وہ ہونے نہیں دیں گی۔

"جی، اول تو ایسی بات نہیں ہے آپ خوامخواہ فکر مند نہیں ہوں"۔ وشہ ناشتے سے فارغ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ سمیرا بیگم نے اسے گھور کے دیکھا جو پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔ وشہ کو اب گھبراہٹ ہونے لگی کہ اس کی امی اتنی سطحی سوچ کی مالک کیوں ہیں، اپنی اولاد کی خوشی کا بھی خیال نہیں کرتی ہیں۔

عنایہ کی کوشش تھی کہ وشہ گھر چلی جائے ورنہ امی تو زبردستی کر سکتی ہیں۔ وہ تو شکر ہوا مائز اس دن شام ے آ گیا۔ سمیرا بیگم کے چتون تن گئے جبکہ مائز نے انہیں بڑے مودب انداز میں سلام کیا تھا۔

"وشہ کو کچھ دن کیلئے اور رہنے دو یہاں"۔ انہوں نے مائز کو مخاطب کیا جو کھانے سے فارغ ہونے کے ںلاؤنج میں جواد احمد کے ساتھ بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"وہ امی! مجھے جانا ہے کیونکہ کافی دن ہو گئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے"۔ وہ اپنا بیگ تیار کر کے وہاں ے آئی تھی۔ مائز تو حیران تھا کہ سمیرا بیگم اور اس سے مخاطب تھیں اور لہجہ بھی نارمل تھا، جواد احمد کی فہمائشی اہوں نے ان کے تاثرات جاننے کیلئے بغور دیکھا۔

"رُک جاؤ..... اگر سمیرا اچھی کہہ رہی ہیں تو"۔ سامنے کھڑی بلیو کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس وشہ کچھ یشان بھی تھی۔

"میں صرف ایک ہفتے کا کہہ کر آئی تھی"۔ وہ سمیرا بیگم کے ارادوں سے واقف تھی۔ عنایہ ان سب کے لیے چائے بنا کے لائی تھی اس نے بھی ان کی بحث سنی تھی۔

"کیوں وہ سب تمہارے زیادہ رکنے پر دوبارہ نہیں آنے دیں گے جبکہ تمہارے شوہر نے بھی اجازت ے دی ہے"۔ وہ طنز کرنے لگیں۔

"کیوں ضد کرتی ہو جب وہ نہیں رُک رہی ہے تو"۔ جواد احمد کو بولنا ہی پڑا، وہ مائز کے سامنے کوئی فضول ث نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"ساری زندگی تم باپ بیٹیوں نے مجھ سے ضد ہی کرنی ہے"۔ انہیں مائز کے سامنے اپنی توہین لگی۔

"ارے وشہ! تم کیوں اتنی ضد کر رہی ہو، رُک جاؤ تم اور کچھ دن"۔ مائز تو ان کے ارادوں سے بے خبر تھا، وہ بھی وشہ کو ڈانٹ کے بولنے لگا۔ وشہ بے بس سی لب کچلنے لگی مگر وہ اگر آج رُک گئی تو ضرور قصان اٹھا سکتی تھی۔

"جب مجھے نہیں رہنا تو آپ کیوں بولتے ہیں"۔ وہ مائز سے لڑ پڑی۔ سمیرا بیگم تو غصے میں بھری وہاں سے چلی گئی تھیں، مائز لب بھینچ کے رہ گیا تھا۔ وشہ کا بھی موڈ خراب ہو گیا تھا، وہ پھر زیادہ بیٹھا نہیں کیونکہ وشہ نے جلدی مچا دی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی، تم کیوں پیچھے لگی ہوئی تھیں کہ وشہ رُک جائے"۔ جواد احمد چونک گئے تھے کیونکہ جانے کیوں کچھ گڑبڑ لگ رہی تھی۔

"بیٹی ہے میری، کیوں نہیں کہہ سکتی کہ وہ رُک جائے"۔ انہوں نے بھی تیز لہجے میں انہیں جواب دیا۔

"سمیرا! اب بس کر دو داماد والی ہو گئی ہو، کیوں تم اپنی بیٹیوں کو خود سے بدظن کر رہی ہو"۔ جواد احمد کو سمیرا بیگم پر ترس آتا تھا۔

"وہ مجھ سے کب ٹھیک سے بات کرتی ہیں، تم نے ہی انہیں میرے خلاف بھڑکا کر ایسا کر دیا ہے"۔

لہجے میں شکستگی اور محرومی، حسرت سب تھا۔

''ایسا تم سوچتی ہو جبکہ ایسی کوئی بات نہیں، بیٹیاں تم سے بہت پیار کرتی ہیں''۔ انہوں نے آج پھر انہیں نرم لہجے میں سمجھا کے ان کے دل کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

''ایسا تم سمجھتے ہو، تم نے دیکھا نہیں وشہ کیسے مائز کے سامنے مجھے نظر انداز کر کے اس کے ساتھ چلی گئی''۔

''تم غلط بات کر رہی تھیں کیونکہ وہ ایک ہفتے سے یہاں تھی، تم بھی تو کچھ عقل سے کام لو، مائز نے اتنے دن چھوڑ دیا یہ بھی بہت ہے، تمہاری مروت میں وہ بول رہا تھا وشہ سے رک جائے''۔ وہ انہیں سمجھانے لگے۔

''تم پھر روکنے کی وجہ بھی تو بتاتیں''۔

''سوچا تھا اس کا چیک اپ کروا دوں گی، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی''۔ وہ بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''اگر ایسا کچھ بھی مسئلہ ہوگا وہاں سب ہیں، بھابی ہیں وہ کروا دیں گی، تم کیوں فکر کرتی ہو''۔ وہ ان کی عقل پر حیران تھے کہ اپنے جھمیلوں میں اس کی بھی سب خبر تھی۔

☆

تہذیب کا رشتہ تقریباً سیٹ ہی تھا، وہ لوگ رسم کرنا چاہ رہے تھے مگر تہذیب مان کے نہیں دے رہی تھی۔ محریب نے لڑکے کی بھی چھان بین کر لی تھی، ایک پرائیویٹ فرم میں معقول تنخواہ پر جاب کر رہا تھا۔

وہ عجیب جھنجھلائی ہوئی تھی، صبح سے موسم خراب تھا دو دن سے ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، موسم کچھ سرد سا ہو گیا تھا۔ آفس میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ سوچ سوچ کے سر درد کرنے لگا تھا۔ دل و دماغ سے فائق کو نکال ہی نہیں پا رہی تھی کہ یہ رشتہ قبول کر لیتی مگر جسے وہ پسند کرتی تھی وہ تو بے خبر ہی تھا، کب تک وہ ایسے خود کو خوار کرتی رہے گی۔

چلتے چلتے وہ مین روڈ پر آئی تو دیکھا بارش کچھ تیز ہونے لگی تھی، آفس کی گاڑی خراب تھی سب ورکرز خود ہی گئی تھیں۔ کاسنی کاٹن کا پرنٹڈ دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹ لیا تھا۔ سڑک پر بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا، بادل بھی خاصے گہرے تھے، اس نے نگاہ اٹھا کر آسمان دیکھا، اسے ایسے موسم سے شروع سے گھبراہٹ ہوتی تھی کیونکہ سب ہی ایکٹیوٹیز ختم ہو جاتی تھیں اور سڑکوں پر کیچڑ پانی سے اسے چڑ بھی ہوتی تھی۔ مگر اللہ کی یہ رحمت تھی لوگ ترستے ہیں ایسے موسم کیلئے مگر وہ کہتی کہ بارش باعث رحمت بنے مگر زحمت نہ بنے، ہر سال لاکھوں کا نقصان بھی ہوتا تھا۔

وہ اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہوگئی، شام بھی خاصی ہوگئی تھی، بارش رک نہیں رہی تھی، اس کا حشر بھی خراب تھا، رکشہ بھی کہیں نہیں تھا، بسیں ساری بھری ہوئی آ رہی تھیں۔ بے زاری سے ٹریفک کو دیکھا، وہ کوفت میں جیسے ہو کر پیچھے ہوئی، بلیک گاڑی اس کے قریب رک گئی تھی۔

''آ جاؤ جلدی''۔ فائق نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ تہذیب نے چونک کر نا سمجھی میں اسے دیکھا، آ

پھر یہاں وہ لینے موجود تھا اور وہ جب ہی آتا تھا جب وہ بہت پریشان بے زاری سی کھڑی ہوتی تھی۔

''میں چلی جاؤں گی رکشہ مل جائے گا''۔ چہرے پر ناگواری لئے سرد مہری سے جواب دیا۔

''فضول کے نخرے نہیں کرو، موسم دیکھو کتنا خراب ہے''۔ اسے تہذیب کی اکڑ پر غصہ آیا کیونکہ مبینہ آنٹی پریشان سی ان کے گھر آئی تھیں، اسے ہی بڑی امی نے لینے بھیج دیا تھا جبکہ وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''تہذیب! کھڑی ہو کر اپنا تماشا نہیں بناؤ، اپنا حلیہ دیکھو''۔ اس نے غصہ سے کہہ کر اس کے جسم پر چپکے کپڑوں کو طنزیہ دیکھا، وہ شرمندہ سی ہوگئی، دوپٹہ کھینچ کے ٹھیک کیا مگر شلوار بھی پنڈلیوں سے چپک کر نظارہ دے رہی تھیں، وہ یہ تو بھول ہی گئی تھی۔ پھر وہ فوراً ہی بیٹھ گئی مگر یہ کیا، دو نامعلوم افراد نے دونوں کو ریوالور دکھا کے گھیر لیا۔ تہذیب کی آنکھیں وحشت سے پھٹ گئیں، فائق الگ حواس باختہ ہو گیا، تہذیب بے ہوش ہونے کے قریب ہی تھی۔ پیچھے کا دروازہ کھول کے وہ دونوں آدمی بھی بیٹھ گئے۔

''گاڑی اسٹارٹ کرو اور چلاؤ''۔

''کون ہیں آپ لوگ؟'' فائق پھر گھبرا گیا۔ تہذیب تو ڈر کے مارے فائق سے لپٹ ہی گئی، بری طرح کانپ بھی رہی تھی، ان میں سے ایک آدمی کو پہچان گئی تھی وہ فاطمہ کے شوہر کے ساتھ بھی تھا۔

''چپ چاپ گاڑی چلاتے رہو، اگر ہوشیاری دکھائی تو یاد رکھنا اس کا بھیجا اڑا دوں گا''۔ اس خرانٹ اور خوفناک شخص نے فائق کو دھمکی دی۔ اس نے تہذیب کے لرزتے کانپتے وجود کو اپنے قریب دیکھا تو اسے تہذیب پر ترس آیا۔

''اے لڑکی! دور ہو کے بیٹھو اس سے''۔

''نن...... نہیں......'' اس نے بازو پکڑ لیا۔ فائق کو گاڑی چلانے میں مشکل ہو رہی تھی، وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ دور ہو کے بیٹھے کیونکہ تہذیب ڈر ہی اتنی رہی تھی۔

''تہذیب! ڈرو نہیں، میں ہوں ساتھ''۔ اس نے تسلی دی۔ اس کے نرم سے سرد ہاتھوں کو تھاما جو تہذیب نے بھی پکڑ لیے۔ فائق ان دیکھے راستوں پر گاڑی دوڑا تا رہا تھا۔

☆

''حمود! مجھے تو اس لڑکی میں پہلے ہی اپنائیت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی''۔ کلثوم بانو جب سے منتہیٰ سے ملی تھیں ان کے احساسات ہی بدل گئے تھے، نرم و نازک، کم گو سی، شرمیلی مسکان والی منتہیٰ نے انہیں پہلے سے ہی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

''آپ کی بہو فلسفہ بہت بولتی ہے''۔ حمو سر کھجاتے ہوئے مسکرایا۔

''میرے سامنے تو ہمیشہ خاموش ہی رہی ہے''۔

''آپ کو نہیں پتہ، کتنی مشکل اردو بولتی ہے''۔

"ٹھیک ہے کسی دن پورے دن کیلئے میں اسے بلالوں گی"۔ وہ ان کے کمرے میں تھا اور کتنی نڈر گفتگو بھی کررہا تھا اس لئے کہ بابا تو آفس میں تھے اور وہ آفس کا چکر لگا کے اپنے آفس جا رہا تھا۔

"پورے دن کیلئے کیوں، پوری رات کیلئے بلالیں"۔ شرارتی اور معنی خیز اس کا لہجہ تھا۔ کلثوم بانو نے مسکرا کے اسے دیکھا جو انہیں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

"صاحبزادے! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں مگر پوری رات کیلئے اگر بلالیا تو اس کیلئے مشکل کھڑی ہو جائے گی"۔

"ہاں بابا کو پتہ چل گیا تو......" وہ زیر لب بولا۔

"تمہارے بابا نیکسٹ ویک کوئٹہ جا رہے ہیں"۔ کلثوم بانو نے بتایا۔

"کوئٹہ اب کیوں جا رہے ہیں؟" حمود چونکا۔

"وہی زمین کا مسئلہ ہے، پتہ نہیں کب تک مقدمہ چلنا ہے"۔ وہ بے زاری ہو گئی تھیں۔

"بابا سے بولیں چھوڑیئے زمین کو، اتنا کچھ اللہ کا دیا ہے ہمارے پاس"۔

"زمین بہت زیادہ رقبے پر ہے، تمہیں پتہ ہے اور پھر وہ ان کے باپ دادا کی ہے، ایسے کیسے چھوڑ دیں جبکہ ناجائز اُن لوگوں نے قبضہ کیا ہوا ہے"۔ وہ بولیں۔

"آپ بھی ساتھ جائیں گی"۔ اس نے پوچھا۔

"ہاں......سوچ رہی ہوں اس بار چلی جاؤں میں بھی، سالوں گزر گئے ہیں بہن کو دیکھے ہوئے، بہنوئی بھی اب تو اس دنیا میں نہیں ہے، پتہ نہیں کیسا رکھا ہوا ہوگا اس آدمی نے"۔ کلثوم بانو کے چہرے پر درد کی لہر دوڑ گئی، ان کی ایک رشتے کی بہن تھی جو سگوں کی طرح ہی تھی۔ ان کی بہن پر دیور نے ظلم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے یہ خبر انہیں ملتی تھی پھر ان کی خود کی زمین پر بھی قبضہ کر کے بیٹھا ہوا تھا تب سے کلثوم بانو نے کوئٹہ کا رُخ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"زرینہ کی ایک بیٹی بھی تھی پتہ نہیں کیسی ہوگی، اب تو جوان ہوگی"۔ ان کا ذہن ماضی میں چلا گیا۔

"حمود! میں جب بھی منتہیٰ کو دیکھتی ہوں تو جانے کیوں وہ اتنی اپنی سی لگتی تھی"۔

"اس لئے کہ وہ آپ کی بہو تھی، اسی لئے اپنی لگتی تھی"۔ اس نے ان کے بکھرتے خیالات کو روکا اور ماضی سے باہر نکالا۔

"امی! مس کو گھر جانا ہے"۔ راحمہ دھم دھم کرتی اندر آئی تو دونوں ہی چونک گئے۔

"اچھا میں آتی ہوں"۔ وہ سنبھل گئی تھیں۔

"میں ڈراپ کردوں گا اسے" آپ شہزاد سے نہیں بولیے"۔ حمود نے راحمہ کے جانے کے بعد انہیں روکا۔

"حمود! تمہارے بابا کو ذرا بھی سن گن مل گئی تو مجھے ڈر ہے کہ نیا ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے کیونکہ حمنیٰ بھی تقریباً روز ہی آنے لگی ہے"۔ وہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھیں۔

"امی! آپ اتنا کیوں ڈرتی ہیں، اول تو ایسی کوئی بات نہیں ہوگی میں سنبھال لوں گا"۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے ہال میں آ گئے۔ وہ گرین کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس سر سے پیر تک چادر لپیٹ کے جانے کیلئے تیار تھیں۔

"تمہیں جانے کی بڑی جلدی رہتی ہے"۔ حمود نے تیز لہجے میں کہا، شکر تھا راحمہ وہاں نہیں تھی۔ کلثوم بانو مسکرانے لگیں جبکہ وہ شرم سے جھینپ رہی تھی۔

"سات بج گئے ہیں"۔ اس نے ٹائم کا احساس دلایا۔

"امی! آپ کی بہو ٹائم کا بہت حساب کتاب رکھتی ہے"۔ اس نے شکایت کی۔

"اچھا ہے ناں تمہیں تو ٹائم کی قدر ہی نہیں ہے، کوئی تو اس گھر میں ہوگا جو ٹائم سے چلے گا"۔ انہیں اس کی یہ عادت بہت اچھی لگی تھی، منتہیٰ لب بھینچے ہوئے تھی، اسے اب یہاں آتے ہوئے اور شرم آتی تھی۔

"آج رات دو بجے میں کال کروں گا، سمجھیں تم"۔ فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولا، وہ اندر بیٹھی، خود بھی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"مجھے جلدی نیند آتی ہے"۔ اس نے بے مروتی سے کہا۔

"مگر مجھے نہیں آتی ہے، تمہیں جاگنا ہوگا"۔

"مجھے پہلے آپ یہ بتایئے نمازیں پڑھ رہے ہیں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"الحمدللہ، ساری نمازیں پڑھ رہا ہوں"۔ اس نے اچٹتی نگاہ ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ہوں"۔ اس نے سر ہلایا۔

"نیکسٹ ویک امی اور بابا کوئٹہ جا رہے ہیں"۔

"کوئٹہ"۔ منتہیٰ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا، اسے اپنی ماں یاد آ گئی، چھ ماہ کا عرصہ بہت ہوتا ہے وہ ان سے اب تک ملی نہیں تھی۔

"سنیئے! مجھے اپنی امو جان سے ملنا ہے"۔ اس نے حمود کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا، وہ اتنی بے چین اور بے قرار سی ہو گئی تھی۔

"ہوں چلیں گے"۔ وہ مسکرایا۔

"مگر نہیں......وہ میرے چاچا آپ کو بھی نہیں چھوڑیں گے، نہیں...... نہیں جانا مجھے"۔ وہ ڈر کر سہم گئی۔

"کم آن منتہیٰ! کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں ناں، میں بھی دیکھتا ہوں تمہارے چاچا کو کیا کر لیتے ہیں"۔

"آپ کو نہیں پتہ، امو جان کو کمرے میں بند کر کے رکھا ہوا تھا اور مجھے بھی ملنے نہیں دیتے تھے بابا کی ڈیتھ کے بعد امو جان نے مجھے بہت سنبھال سنبھال کے رکھا ہے"۔ وہ افسردہ سی ہونے لگی۔

"تم پریشان نہیں ہو، کسی دن بھی ہم دونوں چلیں گے، پہلے بابا کوئٹہ سے ہو کر آ جائیں، ہماری زمین کا

مسئلہ چل رہا ہے کسی میران خان نے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے''۔

''میران خان......'' منتہیٰ چونک گئی۔ یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی' زندگی تنگ کی ہوئی تھی' ڈرا ڈرا کے رکھا ہوا تھا اس نام نے' راتوں کو ڈرنے لگی تھی۔

''یہ بہت بگڑا ہوا آدمی ہے''۔ حمود بول رہا تھا اور اس کا ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔

جل تھل موسم بھی اس کی توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کروا رہا تھا' صبح سے بارش کا سلسلہ بوندا باندی کی صورت میں ہو رہا تھا' اس وقت بارش ہلکی تھی شام کی سیاہی بھی ابر آلود موسم میں زیادہ تھی' پڑھانے کا موڈ نہیں تھا وہ تو حمود ہی اسے لینے آ گیا تو مجبوراً آنا پڑا۔

''دیکھ کے آہستہ چلایئے' پانی بہت جمع ہے روڈ پر''۔ بریک لگنے سے اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

''پورا ٹریفک بلاک ہے''۔ وہ اسٹیئرنگ پر جھنجھلا کر دونوں ہاتھ مارنے لگا' اسے اپنے آفس بھی تو جانا تھا' لگتا تھا وہ بھی کینسل کرنا پڑے گا' موبائل نکالا اور بات کرنے لگا۔ منتہیٰ تو میران خان کے نام پر ابھی تک الجھی ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی تو کوئٹہ میں تھے۔

''ضروری ہے وہی اس کے چاچا ہوں''۔ اپنی سوچ کی نفی بھی کی۔

''مغرب تو لگتا ہے یہیں ہو جائے گی' تمہاری اور میری نماز قضا ہی ہو گی''۔ آگے پیچھے دور تک گاڑیوں کا ہی رش تھا۔

''یہ میران خان کوئٹہ میں کہاں رہتے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نوشکی میں''۔

''نوشکی میں......'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر رہ گئی۔

''ضروری ہے وہ تمہارے چاچا ہوں' ارے نہیں وہ نہیں ہو سکتے''۔ حمود نے اس کا چہرہ دیکھا جو پھیکا پڑ رہا تھا۔

''منتہیٰ! کم آن تم اتنی سہم کیوں رہی ہو' یار میں ہوں ناں تمہارے ساتھ''۔ وہ اس کی جانب گھوم کے تسلی دینے لگا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے اگر......؟''

''نہیں ڈرو' کیوں ڈرتی ہو' اللہ تعالیٰ ہے ناں ہمارے ساتھ' ایسا کچھ بھی غلط نہیں ہو گا''۔ حمود نے اسے تسلی دے تو دی تھی مگر ذہن اس کا بھی بھٹکا کیونکہ میران خان منتہیٰ کے چاچا بھی تھے' اب اسے پتہ لگانا تھا کہ وہی تو نہیں ہیں جنہوں نے منتہیٰ کی ماں کو بھی قید کر کے رکھا ہوا ہے اور اس کا تو کوئی رشتہ بھی نکلتا ہے' وہ منتہیٰ کو بغور دیکھے گیا کیونکہ کلثوم بانو پہلے ہی کہہ چکی تھیں اس لڑکی سے ضرور کوئی رشتہ ہے۔

''کاش ایسا ہو جائے''۔ حمود نے دل سے دعا کی تھی۔

☆

''ساری جگہ تلاش کر لیا ہے دونوں کا کہیں پتہ نہیں چلا''۔ محریب آخری کوشش کر کے بے بس سا بیٹھ گیا۔

سارے ہی فکر مند مغموم سے ہال کمرے میں جمع تھے' مبینہ کا رو رو کے برا حال تھا' تہذیب صبح کی آفس سے نکلی تھی وہ تو یہ کہنے آئی تھیں کہ محریب بارش کا موسم ہے وہ اسے لے آئے مگر محریب کو کہیں ضروری جانا تھا فائق کو لینے بھیج دیا تھا' اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں تھا' فائق کا موبائل آف جا رہا تھا۔

''ابو! فائق بھائی کے میں نے سارے دوستوں کو ٹرائی کر لیا ہے''۔ رافع بھی اس وقت سے اسی بھاگ دوڑ میں لگا تھا۔ گھر میں ایک دم سے ہی اداسی کا بسیرا ہو گیا تھا' فاطمہ کا خود فکر سے برا حال تھا۔

محریب کو کچھ دن پہلے ہی تو فائق نے فاطمہ کے کیس کا بتایا تھا اور اب اچانک ہی ایسا حادثہ اسے بھی برے برے وسوسے آ رہے تھے' وہ مبینہ آنٹی سے بول کے انہیں فکر مند نہیں کرنا چاہتا تھا' اس نے ایف آئی آر درج کروا دی تھی۔

''اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں اسے آج جانے ہی نہیں دیتی''۔ وہ بولیں۔

''مبینہ! دعا کرو انشاء اللہ بچے مل جائیں گے' مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ فائق اسے لینے پہنچ بھی گیا تھا یا نہیں''۔ نزہت بیگم انہیں تسلی دینے کے ساتھ خود بھی پریشان تھیں۔

''آنٹی! آپ آرام کریں جا کر' کب سے بیٹھیں ہوئی ہیں''۔

''بیٹا! کیسے آرام کروں' پتہ نہیں میری بچی کہاں رہ گئی ہے' کیا ہو گا اب؟'' وہ تو روئے جا رہی تھیں۔

''سب ٹھیک ہو گا' اگر اس طرح روتی رہیں تو کچھ نہیں ہو گا' آپ سب دعا کریں میں بھی کوشش کر رہا ہوں''۔ محریب نے انہیں اطمینان دلایا۔

مبینہ کو نزہت بیگم زبردستی ان کے گھر تک چھوڑ کے آئی تھیں' منتہیٰ' حکمت بھی افسردہ اور غمگین سی تھیں' حمزہ بھی چپ ہو گیا تھا' کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ منتہیٰ تو باقاعدہ دعائیں پڑھ رہی تھی تہذیب اور فائق کی سلامتی سے گھر واپس آنے کی۔ اس رات سب ہی جاگ رہے تھے محریب الگ بے کل اور پریشان سا تھا' رات کے دو بجے پھر وہ باہر نکل گیا تھا' مائز نے بھی اپنی ساری کوششیں کر ڈالی تھیں مگر وہ بھی مایوس گھر واپس آیا تھا۔ محریب نے بھی جہاں تک ہو سکتا تھا تلاش میں لگا ہوا تھا وہ تو میڈم فرحت تک کے گھر چلا گیا تھا وہ اس کی ٹیچر بھی رہ چکی تھیں' ان سے ہی فاطمہ کے کیس کی بھی تفصیل لی تھی' ساری کہانی انہوں نے محریب کو بتا دی تھی' وہ اور ہی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بارش تھم گئی تھی مگر سڑکوں پر پانی جمع تھا' اس نے بارش کی بھی پرواہ نہیں کی تھی' ان دونوں کو ڈھونڈنے میں پوری رات تمام کر دی تھی' موسم میں ٹھنڈک سی ہو گئی تھی مگر کسی کو بھی چین نہیں تھا۔

(جاری ہے)
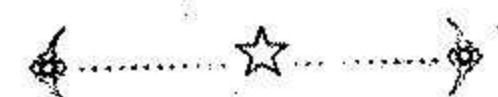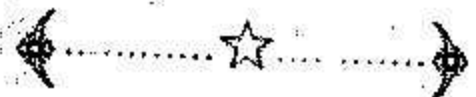
☆

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 2
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
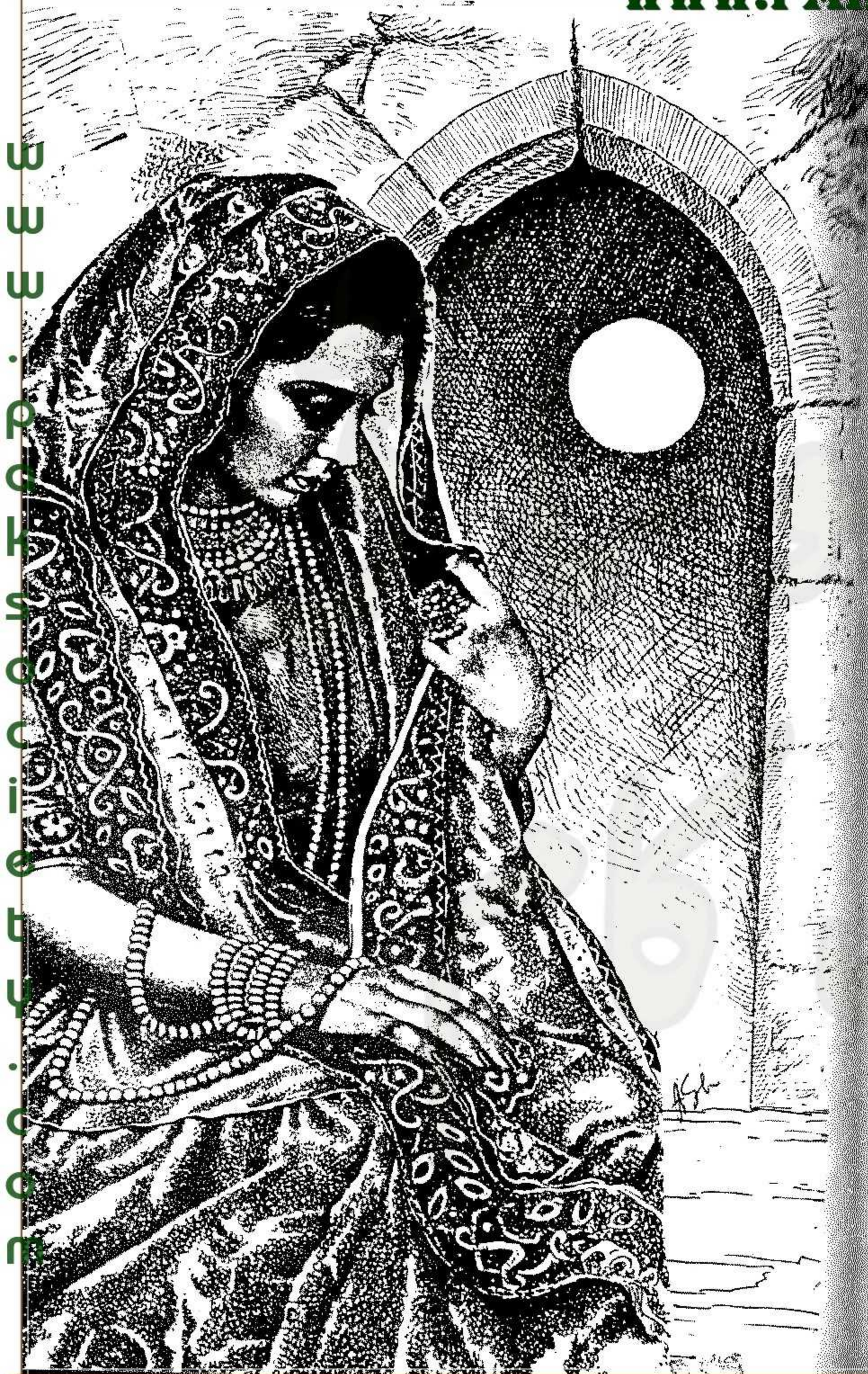
کب سے وہ بے سدھ سی پڑی تھی' نہ ہی اس نے آنکھ کھول کے دیکھا تھا' ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا کمرہ تھا' ایک چار پڑی تھی جس پر وہ تھی' ایک چھوٹی سی ٹیبل جس پر پانی کا جگ اور گلاس بھی رکھا تھا' کچا فرش جو بارش کے پانی کی سے گیلا تھا' چھت بھی ٹپک رہی تھی۔ دروازہ بڑا سا لکڑی کا تھا جو فائق نے کئی بار کھولنے کی کوشش کی تھی مگر نا کافی تھی۔ دونوں ہاتھ پشت پر جمائے وہ تہذیب کو دیکھ رہا تھا' اس کے گیلے کپڑے کچھ خشک ہو گئے تھے' جس وقت گاڑی سے یہاں اندر آئے تھے وہ تقریباً بھیگ ہی گئی تھی۔

فائق اس کا ماتھا چھونے لگا جو بخار سے تپ رہا تھا' اس کے گلے سے دوپٹہ نکالا اور گلاس میں پانی لایا' دوپٹہ بھگو کے اس کے ماتھے پر رکھنے لگا تھا کہ کسی طرح تو اس کا بخار کم ہو۔ لانے والے تو انہیں یہاں بند کر کے بھول چکے جانے کتنے گھنٹے گزر گئے تھے' موبائل بھی یہاں کام نہیں کر رہا تھا۔ کتنی بار وہ کال ملا چکا تھا' موبائل اپنا سائلنٹ پر رکھ تھا تا کہ ان نامعلوم افراد کو پتہ نہیں چل جائے اور وہ یہ آس بھی اس سے چھین لیں۔

کب سے وہ اس کی تیمارداری میں لگا ہوا تھا' کسی طرح بھی اس کا بخار کم ہو۔ ڈر و خوف سے وہ بے ہوش حالت میں چلی گئی تھی۔ فائق اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا' جو چند گھنٹوں میں کملا گیا تھا' بال بکھر کے اس کے چہرے پر پڑے تھے۔ کاٹن کا سوٹ ملگجا سا ہو گیا تھا' وہ اس کی زندگی میں ٹھیک طرح داخل بھی نہیں ہوئی تھی اسے پرایا کیا جا رہا تھا' ابھی تک بھی وہ کچھ نہیں بولا تھا کیونکہ جب وہ کسی قابل ہی نہیں تھا تو کیسے اپنی خواہش اظہار کرتا۔

تہذیب نے کسمسا کر سر ہلایا تھا' بان کی چارپائی پر وہ نقاہت زدہ پڑی تھی خود فائق کا حلیہ بھی خراب تھا بلیک پینٹ اور گرے شرٹ کیچڑ اور پانی سے تقریباً خراب ہی تھے' بالوں کو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سنوارا۔

''امی......امی......'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔ فائق اس کے قریب آیا۔ گلاس ٹیبل پر رکھا' دوپٹہ کھول کے اس پر ڈالا تہذیب نے بمشکل آنکھیں کھول کے اسے دیکھا' خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی مگر جب ایک ایک کر کے تمام منظر یاد آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''تہذیب! پلیز اس طرح نہیں روؤ''۔ فائق گھبرا گیا۔ کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا یہ حالات بھی ان دونوں آ سکتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو تاک تاک کے طنزیہ جملے بولتے تھے۔

''کیوں لے آئے ہیں یہ لوگ ہمیں؟''

''ہمیں نہیں تمہیں...... میں تو فضول میں تمہاری وجہ سے مارا گیا ہوں''۔ فائق نے اس کا ذرا خیال نہیں کیا' طنز تیر پھینکا۔ تہذیب نے اس اکھڑ اور بد دماغ شخص کو ناگواری سے دیکھا۔ ایک تو بخار کی وجہ سے دل و دماغ کام نہیں رہے تھے اس پر فائق کی ایسی بات۔

''چھوڑ کر چلے جائیں' کیوں ہیں یہاں اب تک''۔ وہ اپنا آنچل شانوں پر برابر کرتی ہوئی اٹھی۔ فائق کو اس زرد چہرہ اور نقاہت زدہ وجود قابل رحم لگ رہا تھا' اس نے اپنی زندگی میں اسے جگہ دی ہوئی تھی مگر جب سے یہ خبر ہو کہ وہ کسی اور کی ہو رہی ہے وہ اور چڑچڑا سا ہو گیا تھا۔

''سب تمہاری ضد کی وجہ سے ہوا ہے' نہ تم یہ جاب کرتیں اور نہ ہی وہ فاطمہ کا شوہر ہمیں یوں کڈنیپ کرواتا''۔

''ساری مصیبت آپ کی وجہ سے آئی ہے' جب جب آپ میرے راستے میں آئے ہیں میرے ساتھ برا ہوا ہے''۔ وہ بھی حساب برابر کرنے سے باز نہ آئی۔

''واٹ...... میری وجہ سے مصیبت آئی ہے...... ارے کتنی ناشکری لڑکی ہو' ہر بار میں تمہیں بچانے پہنچا ہوں'

...ق کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''احسان جتایا ہے ہر بار آپ نے' نہیں چاہیے مجھے آپ کی کوئی مدد''۔ منہ ہی گھما لیا جبکہ کل سے ڈر ڈر کے اسے ...ر آ گیا تھا۔

''بکواس بند کرواپنی''۔ وہ دھاڑا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے تھے۔ دروازہ کھلا ...تہذیب اس لمبی لمبی مونچھوں والے شخص کو دیکھ کر فائق کی پشت کے پیچھے کھڑی ہوگئی کیونکہ اس کی نگاہوں میں جو ...لت اس نے دیکھی تھی اسے جھرجھری کے ساتھ پسینہ آ گیا' فائق کی پشت پر اپنے گرم گرم ہاتھ رکھ دیئے تھے' فائق ...یہ حدت حرارت سے چونک گیا' وہ خاصی گرم ہو رہی تھی۔

''ہمیں کیوں رکھا ہوا ہے یہاں' کیا مقصد ہے؟'' فائق نے بے زاری اور غصہ سے پوچھا۔

''جو مقصد ہے وہ تو پورا کرنا ہے' مجھ سے ٹکر لی ہے' فاطمہ کو اس نے طلاق دلوائی ہے' تم دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں اس ...''۔ فاطمہ کا شوہر غراتا دھاڑتا ہوا اندر آیا تھا کیونکہ وہ کب سے موقع کی تلاش میں تھا' آج تہذیب اس کے چنگل ...ں پھنس گئی تھی۔

''دیکھو یہ لڑکی اکیلی نہیں تھی' یہ وہاں جاب کرتی ہے اس نے طلاق نہیں دلوائی ہے''۔ فائق نے جواب دیا۔ ...ہذیب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

''مشکور! نکال اسے باہر''۔ جاوید نے دھاڑ کے کہا۔ مشکور نے حکم کی تعمیل کی' ایک جھٹکے میں تہذیب اس کے ...دموں میں تھی' فائق بھی گھبرا گیا۔

''دیکھو تم آرام سے بات کرو' اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے''۔ اس نے تہذیب کو اٹھایا' وہ فائق کو مضبوطی سے ...تھامے ہوئے تھی۔

''تم دیکھنا اس کا کتنا بھیانک انجام ہوگا' اس نے چوہدری جاوید سے ٹکر لی ہے''۔ وہ چیخا۔

''مشکور! اس لڑکے کو میری بات سمجھا دے''۔ جاوید نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا' لمبا چوڑا حلیہ پورا بدمعاشوں ...والا تھا۔

''سن لڑکے! تجھے بس اتنا کرنا ہے اس لڑکی کی عزت تار تار کرنی ہے''۔

''نہیں''۔ تہذیب تو وحشت سے چیخنے لگی۔ فائق کی آنکھیں پھٹ گئیں' لب بھینچ کے اندر سانس لیا۔

''فضول بک رہے ہو''۔ وہ بولا۔

''مجھے پتہ ہے یہ تیرے گھر میں رہتی ہے' جب یہ لٹ کے یہاں سے جائے گی کوئی قبول نہیں کرے گا''۔

''نہیں...... نہیں'' تہذیب تو پاگل ہونے لگی۔

''تمہاری اس بے ہودہ سوچ پر میں لعنت بھیجتا ہوں' ایسا کچھ نہیں کروں گا''۔ فائق نے تہذیب کے ہاتھوں کو ...تھام کے اسے سنبھالا۔

''ٹھیک ہے پھر' چل مشکور لے کر چل' آج تیری رات رنگین کرواتا ہوں' صبح پھر تصویریں بھی چھپیں گی اس لیڈر کی' بہت حقوق دلواتی ہے ناں' دیکھتا ہوں بعد میں کیسے لڑتی ہے''۔ جاوید نے مکروہ ہنسی کے ساتھ تہذیب کا ہاتھ کھینچا۔

''بس کرو...... پلیز...... نہیں کرو...... میں ہاتھ جوڑتی ہوں''۔ وہ تو گرنے ہی لگی۔

فائق کو مشکور کے پیلے دانت اور جنگلیوں کے سے حلیے پر گھن آنے لگی' وہ کیسے گوارا کر لے اس کی محبت کو کوئی بے دردی سے زخمی کر دے۔

''یہ لڑکا تو مان نہیں رہا' کچھ تو کرنا ہے ناں''۔ وہ ہنسا۔

''تمہیں ایسے کروا کر کیا ملے گا؟'' فائق ڈرتے کانپتے لہجے میں بولا۔

''سکون...... کیونکہ اس لڑکی نے میری عزت دو کوڑی کی کروادی ہے' جب یہ دو کوڑی کی ہو کر یہاں ـ گی تو اسے پتہ چلے گا''۔ مشکور' تہذیب کو گھسیٹنے لگا تھا۔

''پلیز...... چھوڑ دو اسے' تم میری بات تو سمجھو''۔ فائق کا وہ ہاتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔

''تم جب میری بات نہیں مان رہے تو ٹھیک ہے ہم ہی کچھ کرتے ہیں''۔

''اچھا ٹھیک ہے میں تیار ہوں''۔ فائق نے اندر گرم گھونٹ اتارا۔ تہذیب نے چونک کر اسے دیکھا ج روکے ہوئے تھا' مشکور نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''خاصے عقلمند ہو' جلدی مان گئے''۔ جاوید نے تمسخر کے ساتھ طنز ہی کیا۔

کیسے وہ اس غلیظ آدمی کو تہذیب کو چھونے دے جو پاکیزہ سی نرم و نازک سی تھی' کیسے سرد ہاتھوں کو ؟ برداشت کرے۔

''نہیں...... تم ایسا نہیں کرو گے''۔ وہ فائق کا ہاتھ چھوڑ کے دور ہوئی۔

''تمہیں سبق ملنا چاہیے' میری بھی نہیں مانی تم نے' دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں تمہارا''۔ اس نے بازو سے دور پھینکا۔ فائق کی آنکھوں میں وہ سب کچھ گلاسز سے نظر آ رہا تھا جو تہذیب نے آج تک نہیں دیکھا تھا مگر آ وہ مضبوطی نہیں تھی۔

''چل مشکور! ہم تھوڑی دیر میں آئیں گے''۔ جاوید نے مشکور کو چلنے کو کہا۔

''فائق! دھوکے باز' نظر باز''۔ وہ جتنی گالیاں دے سکتی تھی دے رہی تھی' وہ دونوں چلے گئے تھے۔ فائ بازو گھسیٹ کے خود سے قریب کر لیا تھا' اپنے لب اس کی سلگتی ہوئی گردن پر رکھ دیئے تھے۔ تہذیب کو ایسا سانپ رینگ رہا ہو اور وہ لمحوں میں لہرا کے گرنے والی تھی' بروقت فائق نے تھاما تھا اور چارپائی پر لٹایا' تہذ آنکھیں بند ہو رہی تھیں' وہ اس کے ایسے قریب ہو کر لیٹا کی دروازے سے جھانکتی دو آنکھوں کو یہی تاثر دیا تہذیب کے قریب ہے' اس کے بعد فائق نے جلتے پیلے بلب پر اسٹیل کا گلاس دے مارا' جلتا بلب ٹوٹ کے بکھ اب کمرے میں گھپ اندھیرا تھا' دو نفوس کی سانسیں تھیں اور کچھ نہیں تھا' وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا' ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دے رہا تھا' تہذیب چیخ رہی تھی۔

''میں کچھ نہیں کر رہا' تم ڈرو نہیں''۔ سرگوشی کی تھی۔

☆

منگنی کو اس کی چار دن گزر گئے تھے' حمود نے حمنیٰ سے اس دن سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا' جہاں وہ کال کرتی ا کو مصروف ظاہر کر کے بات جلدی ختم کر دیتا تھا۔

''پتہ ہے نیاز تمہاری شکایت کر رہا تھا''۔

''میں نے منگنی کروا تو لی' اب کیا پرابلم ہے انہیں''۔ وہ چڑ کے گویا ہوا۔

''حمنیٰ سے بات کیوں نہیں کرتے ہو''۔

''میں مصروف ہوتا ہوں آپ جانتے ہیں' کبھی آپ کے آفس میں تو کبھی مجھے اپنی فیکٹری میں بھی جانا پڑ فارغ تو رہتا نہیں ہوں''۔ وہ تیز لہجہ میں ناگواری سے بولا' آج اتفاق سے دونوں باپ بیٹا ڈنر پر موجود تھے اور

رکو ہمیشہ کھانے کا ٹائم ہی ایسا ملتا تھا کہ اسے گھیر کے بات کرتے تھے۔

''میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جتنا تم دونوں ایک ساتھ وقت گزارو گے تم دونوں کی آگے کی لائف اچھی گزرے وہ نرم سے لہجے میں سمجھانے لگے۔

''مجھے پتہ ہے میری آگے کی لائف کیسی گزرنی ہے' بابا! آپ کیوں اتنی ٹینشن لیتے ہیں''۔ وہ انہیں اطمینان نے لگا۔

''حمود! مجھے تم پر آج کل کچھ اور ہی رنگ نظر آنے لگا ہے''۔ وہ پھر طنز سے اس کا جائزہ لینے لگے' وہ کچھ گڑبڑایا گر فوراً ہی خود کو نارمل بھی کر لیا۔

''بابا! آپ کا بھی جواب نہیں ہے' مجھے ایسے بول رہے ہیں جیسے میں گرگٹ ہوں یا کوئی ایسی لڑکی جو نومولود کو جنم نے والی ہو جس کے رنگ بدلتے رہتے ہیں''۔ اس نے شوخی سے کہہ کر بات گھما دی۔

''دیکھا تم نے' کیسی فضول بکواس کرتا ہے وہ بھی اپنے باپ سے''۔ ہشام سالار کو غصہ آ گیا۔ کلثوم بانو کی دبی ہنسی نکلی تھی جبکہ وہ ٹی وی کا ریموٹ اٹھا چکا تھا' راحمہ نے چیخنا شروع کر دیا۔

''کب سے ٹی وی دیکھ رہی ہو' اب مجھے دیکھنے دو''۔ چینلز سرچ کرنا شروع کر دیئے۔

''میں دیکھ رہی ہوں''۔ وہ منہ بسورنے لگی۔

''تم سے کتنا کہا ہے کم دیکھا کرو''۔ وہ کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

''آپ اپنے روم میں جا کر دیکھیں''۔ اس نے ریموٹ جھپٹا۔ دونوں کی لڑائی طول پکڑتی' کلثوم بانو وہاں آ گئیں' حمود کو اشاروں میں کچھ کہنے لگیں تھیں' راحمہ نے ریموٹ لیا اور اپنا پسندیدہ چینل دوبارہ لگا لیا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ''۔ وہ اسے تھپکی دے کر بولیں۔ حمود نے بغور ان کا پُرسوچ چہرہ دیکھا' فوراً حکم کی تعمیل کیلئے اٹھا تھا۔ کافی دن سے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ اتنی بڑی بات چھپانے کا جو بوجھ اٹھائے پھر رہا تھا۔

اس نے کپڑے وغیرہ چینج کرنے کے بعد حسب معمول موبائل پر کالز ضرور چیک کی تھیں' منتہیٰ کی مس کال تک نہیں تھی۔

''اتنی انا ہے اس لڑکی میں' مجال ہے کہ میری خود سے کبھی خیر خبر لے لے''۔ وہ منہ ہی منہ میں غصہ سے بڑبڑا کے رہ گیا۔

''ہوں...... تو بات ہو رہی ہے منتہیٰ سے''۔ کلثوم بانو نے مسکرا کے معنی خیزی سے اسے چھیڑا' وہ جھینپ کے موبائل کو سائیڈ پر رکھنے لگا۔

''یہ ٹائم محترمہ کی عبادت کا ٹائم ہے' بات نہیں ہو سکتی''۔ اس نے دیکھا گیارہ بج رہے تھے اور اس ٹائم وہ عشاء کی نماز پڑھتی تھی۔

''مجھے فخر ہے مجھے بہو صوم و صلوٰۃ کی پابند ملی' جس نے میرے بیٹے کو نمازی بنا دیا''۔ انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا وہ مسکرانے لگا۔

''میں اکثر یہ سوچتی تھی حمود اتنا پابند کب سے ہو گیا نماز کا کیونکہ میرا شیر بیٹا اب تو فجر میں بھی چلا جاتا ہے''۔

''جی ہاں وہ آپ کی بہو کی مس کال وہ بھی لمبی سی آتی ہے تو میں اٹھتا ہوں''۔

''یعنی خاصا سیدھا کر دیا ہے تمہیں''۔ وہ چھیڑنے لگیں۔

''اتنا سیدھا کہ خود اب سیدھی نہیں ہو رہی ہے''۔ وہ گویا ہوا۔

''آپ کو مجھ سے غالباً کچھ ضروری بات کرنی تھی''۔

''اوہ ہاں...... یاد آیا......'' وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئیں۔

''بیٹا! ثمنیٰ کو تم اتنا اگنور نہیں کرو ورنہ بیٹا اگر تمہارے بابا اور نیاز بھائی میں جھگڑا ہو گیا ثمنیٰ کی وجہ سے جائے گی''۔ وہ اسے آگاہ کرنے لگیں۔

''میں تو انتظار میں ہوں کسی طرح ہو تو سہی''۔ وہ اطمینان سے بولا۔

''حمود! بیٹا کیا بول رہے ہو''۔ وہ تو ڈر ہی گئیں۔

''امی! کیوں اتنا ڈر ڈر کے رہتی ہیں' میں نہیں ڈرتا نیاز انکل سے' کل کی ہوتی آج ہی پارٹنر شپ تو بھی چاہتا ہوں''۔

''بیٹا! کیوں میرا دل ہولا رہا ہے''۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرزنش کرنے لگیں۔

''امی! آپ جانتی ہیں نہ ثمنیٰ سے میں کسی بھی طرح شادی نہیں کروں گا''۔

''ارے وہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر بیٹا ابھی تمہاری منگنی ہوئی ہے اور تم ذرا سنبھل کے رہو''۔ وہ اسے سمجھاتی رہی تھیں کیونکہ وہ ابھی ایسا کچھ نہیں چاہتی تھیں کہ حمود کے نکاح کے متعلق کچھ پتہ چلے۔

کلثوم بانو اسے کافی لیکچر دینے کے بعد اٹھنے لگی تھیں کہ موبائل اٹھا کے حمود نے کال ملائی تھی۔

''آج آپ بات کیجیے''۔ جب اس نے دیکھا کہ کافی دیر گزر چکی ہے تو کال ملائی تھی کیونکہ منتہیٰ سے سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''کیوں کیا آپ نے' پہلے بتایئے عشاء کی نماز پڑھی''۔ چھوٹتے ہی دوسری جانب سے منتہیٰ کی مہین تھی' کلثوم بانو کے ہونٹ مسکرانے لگے۔

''بیٹا! میں ہوں حمود کی امی''۔

''جی وہ آپ......'' وہ تو گڑبڑا ہی گئی۔ حمود نے اسپیکر آن کر لیا تھا کیونکہ وہ بھی سننا چاہ رہا تھا' دبی د اس کے ہونٹوں پر بھی تھی۔

''ہاں حمود نے عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا ہے اور اب اپنے روم میں ہے' تم سناؤ کیسی ہو؟'' وہ چال پوچھنے لگیں۔ منتہیٰ کی آواز ہی نکلنا جیسے بند ہو گئی تھی' کال کٹ چکی تھی' وہ دونوں ہی مسکرانے لگے۔

''یعنی نماز کے معاملے میں اتنی سخت ہے' اسے پتہ تھا تم ہو فوراً پوچھنے لگی''۔

''دیکھ لیں آپ''۔ وہ بھی جھینپ سا گیا۔

کلثوم بانو حسب معمول اس کی پیشانی چوم کے چلی گئی تھیں' حمود کو اس کی گڑبڑاہٹ سے بھرپور آوا محظوظ کیا تھا۔

☆

وہ اتنی کمزور اور لاغر ہو گئی تھی کہ فائق کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ چارپائی سے اٹھا دروازے پر آیا' د لگاتے ہی کھل گیا۔ یعنی کل رات وہ دونوں بند کرنا بھول گئے تھے۔ اس نے کھول کے دیکھا ٹوٹا پھوٹا مکا صحن اور اس میں پیڑ پودے سب تھے' صبح کی ہلکی ہلکی سپیدی نمودار ہو رہی تھی' پرندوں کی چہکار بھی تھی' گھی کی کہیں سے سوندھی سوندھی خوشبو تھی۔ فائق واپس آیا تہذیب کو اٹھایا۔

''تہذیب! اٹھو پلیز...... آنکھیں کھولو دیکھو آج ہمیں رہائی مل گئی''۔ وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

تہذیب کو دور سے آتی آواز لگ رہی تھی' اس نے بمشکل آنکھیں کھول کے دیکھا وہ اس پر جھکا ہوا تھا' اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ کہاں ہے کیونکہ کتنا بھیانک خواب اس نے دیکھا تھا۔

''اٹھو تہذیب ہمت کرو''۔ فائق نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا' وہ اس کا بازو تھام کے دقتوں سے کھڑی ہوئی' وہ آہستہ تھکے تھکے قدموں سے چلنے لگی۔

فائق نے اطراف میں نگاہ دوڑائی' سناٹا تھا' وہ مین گیٹ تک آیا وہ بھی پتہ نہیں کیسے کھلا تھا اور وہ اس کے ساتھ خود کو گھسیٹتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ بخار کی وجہ سے تہذیب پر نقاہت طاری تھی۔ فائق کوئی بھی خطرہ مول نہیں چاہتا تھا' وہ اسے لئے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تہذیب کے حلق میں ایسا لگ رہا تھا کانٹے چبھ رہے ہوں۔ کافی ن علاقہ تھا جگہ کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ ہیں کہاں؟

فائق نے تشکر بھرا سانس لیا تھا اور ایک جگہ پر جا کر رک گیا۔ تہذیب اس سے پہلے کہ چکرا کے گرتی فائق نے تھام لیا تھا۔ بمشکل اسے سنبھال کے وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا' کافی چوڑی اور ویران سڑک تھی' سائٹ کا علاقہ تھا' جا رہے تھے' صبح کی سپیدی نمودار ہو چکی تھی۔

فائق کی بھی حالت بھاگنے سے خاصی ابتر تھی۔ اس پر تہذیب کو سنبھالنا اسے اور مشکل لگ رہا تھا' وہ اسے اپنے ھ لگائے ہوئے بیٹھا تھا' کوئی تو سواری ملے' مگر علاقہ ایسا تھا یہاں سواری کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

''مجھ سے نہیں چلا جا رہا ہے' پانی......'' وہ آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی' حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔

''تہذیب! پلیز خود کو سنبھالو یہاں پانی بھی ملنا مشکل ہے''۔ اس نے تہذیب کے بال چہرے سے ہٹائے' اس ت وہ بالکل ہی موم کی گڑیا کی طرح اس کی گود میں تھی' اسے کچھ خبر نہیں تھی وہ کس حالت میں ہے' بے ہوشی کی وجہ ے وہ اپنا غصہ تک بھول گئی تھی۔

کوئی تو خدا کا بندہ ان کی مدد کرے وہ شاہراہ پر آتے جاتے ٹرکوں کو دیکھ رہا تھا۔ زندگی میں کبھی اس نے نہیں سوچا ا کہ یہ سب بھی ہوگا' وہ جو ہمیشہ اس لڑکی کو جان بوجھ کر تنگ کرتا تھا' جھڑکتا' آج اسے اس حال میں دیکھ کر اسے کتنی کلیف ہو رہی تھی یہ وہی جانتا تھا اور پھر کل رات کے اس پہر جو کچھ بھی اس سے سرزد ہوا وہ محض کسی مجبوری میں ہوا' وہ ب ایسا چاہتا تھا' کب اس نے ایسا سوچا تھا کہ جسے وہ گلاب کی کلی کی طرح سنبھال کر سرد اور گرم سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا کل رات کیسی گرم اور تند ہوا چلی تھی' اس کا سارا غرور' خودداری سب اڑا کر لے گئی تھی۔ جب وہ ہوش میں ئے گی تو اسے سب یاد آئے گا۔

''تب کیا کروں گا میں''۔ اس نے تہذیب کا چہرہ دیکھا۔

''اس کے نازک وجود کو کیوں اس نے ایسے چھوا' کیوں ہوا اس کی محبت کے ساتھ ایسا' وہ اسے کیا معاف کرے گی یا اس کی شکل دیکھنا چاہے گی؟'' اسے تو سارے خدشے اور فکریں پریشان کر رہی تھیں۔

''اور وہ دو دن گھر سے غائب رہی' کون اس کی پاکیزگی پر یقین کرے گا' اگر وہ بولے گا بھی تو کون سنے گا''۔ اس کے دماغ کی رگیں پھڑپھڑانے لگی تھیں۔

صبح ہو چکی تھی' ایک گاڑی قریب آنے لگی فائق نے گلاسز پر سے دھول صاف کی اسی وقت بریک لگے تھے' دو لڑکیاں اور معمر شخص اس میں تھا' فرنٹ ڈور کھلا تھا اور وہ خراماں خراماں آتا ہوا شخص' فائق کو خوف آنے لگا' تہذیب نے اسی وقت چیخنا شروع کر دیا تھا' اس کے تو حواس اور خراب ہونے لگے۔

☆

فجر میں چچی جان' تائی امی جب اٹھتیں تو سوتی نہیں تھیں اور آج بھی ابھی تک وہ فائق اور تہذیب کیلئے پڑھ رہی تھیں کہ خیریت سے لوٹ آئیں۔

پتہ نہیں کہاں ہیں دونوں' ساتھ بھی ہیں یا نہیں؟'' ناظمہ کو تو ہول ہی اٹھ رہے تھے۔

کراچی میں بارشوں کا سلسلہ جاری ہی تھا صبح سے پھر شروع ہوگئی تھی' انہیں اور زیادہ فکر ہونے لگی' پتہ بھی خراب ہے کدھر ہیں تین دن بہت ہوتے ہیں۔

پورچ میں ایکدم ہی شور ہوگیا' بارش کا شور کم اور لوگوں کا شور زیادہ تھا۔

''کون ہے باہر؟'' نزہت بیگم نے گلاس وال سے باہر دیکھا تھا' ہلکی ہلکی صبح کی روشنی تھی ہائی رُوف ا: پھر ایک شخص اس کے بعد فائق ہی لگا۔

''ناظمہ! مجھے فائق لگ رہا ہے''۔ انہوں نے فوراً ہی پورچ کا دروازہ کھولا۔ کچھ لمحوں میں کمزور لاغری فائق اٹھا کر لا رہا تھا' صبح کے وقت گھر میں ہلچل سی مچ گئی۔

وہ بھلے لوگ ہی تھے جو فائق کو اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑ گئے تھے۔ تہذیب پر بخار کی وجہ سے نقاہت اسے ناظمہ نے اپنے کمرے میں ہی رکھا تھا۔ مبینہ تو روئے جا رہی تھیں' حکمت کا بھی بُرا حال تھا' حمزہ اپنی ذمہ دار بہن کو اس حالت میں دیکھ کر الگ لب کچل رہا تھا' محریب اسے تسلی بھی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر کو صبح ہوتے ہی محریب لے کے آیا تھا' اس نے چیک اپ کیا تو نمونیہ کا اٹیک اور ڈر و خوف: انجکشن کے زیر اثر سوتی رہی تھی' بارش کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا تھا۔

فائق نہا دھو کر اپنے تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ دھڑ سے بیڈ پر لیٹا تھا کیونکہ تین دن جس اذیت میں تھے وہی جانتا تھا اور اُس پر اس سے ایسی غلطی' وہ خود سے نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔ سب کو تو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کہ کوئی ڈاکو تھے' تاوان مانگنے کے چکر میں تھے' اصل بات اس نے چھپالی تھی ورنہ ایک قیامت الگ ہو محریب کی جانچتی اور تشویش بھری نگاہوں سے وہ بہت الجھ گیا تھا' اگر اسے بھی نہیں بتایا تو کسے بتائے گا اور ضروری تھا۔

کمرے میں ٹھنڈک کا احساس ہوا تو اس نے چادر اوڑھی' ذہن بھٹک بھٹک کے تہذیب کی طرف ہی ج جب وہ مکمل ہوش میں آئے گی تو کیسا ہوگا اس کا ردعمل' کیا وہ برداشت کر پائے گی' اگر نہیں کر پائی تو کیا معاشرہ کب قبول کرے گا' وہ خود کو بھی کون سا قبول کرے گی' کچھ تو کرنا ہے کیونکہ وہ زندگی سے دور چلی گ بالکل ہی کہیں کا نہیں رہے گا۔

محبت ہوئی بھی تو اس لڑکی کا یہ حال ہوگیا' محبت سے وہ منہ نہیں موڑ سکتا تھا' اسے کچھ تو فیصلہ لینا ہوگا۔ ا کے اندر رچ سی گئی تھی' وہ دور نہیں کرے گا چاہے اسے اپنی اَنا کو کچلنا پڑے' اسے تہذیب کو قبول کرنا ہے۔ آنکھ رہی تھیں' وہ سونا چاہتا تھا' سکون چاہتا تھا مگر اس کے دل و دماغ میں جتنا شور تھا وہ گھبرا گیا تھا۔ تہذیب کا خیال چین ہی نہیں لینے دے رہا تھا' کروٹیں بدلے جا رہا تھا۔

اس کا لمس اپنے آس پاس ابھی بھی محسوس ہو رہا تھا' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا' دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑ لئے

''تہذیب! مجھے معاف کر دینا' میں نے جس مجبوری میں کیا میں ہی جانتا ہوں''۔ وہ خود سے ہمکلام ہوا۔

''خدا گواہ ہے میں نے حد کراس نہیں کی ہے''۔

وہ دائیں بائیں کمرے میں موجود سناٹے کو محسوس کرنے لگا مگر اندر کے شور کی وجہ سے وہ کمرے کے سناٹے میں ...ں سو پا رہا تھا' اٹھ کر چہل قدمی کرنے لگا پھر جب تھک گیا تو بیڈ پر آ گیا۔

☆

''بھائی! کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے' واؤ''۔ راحمہ ٹیرس پر کھڑی ہلکی ہلکی ہوتی پھوار کو دیکھ کر خاصی ایکسائٹمنٹ کا تھی' اسکول سے آج اس کی چھٹی بھی جلدی ہوگئی تھی۔

امی اور بابا کوئٹہ جانے کی تیاری کر چکے تھے' حمود چاہ رہا تھا کہ راحمہ بھی ساتھ جائے تا کہ اسے گھر میں آزادی مل سکے۔

''بھائی! بابا سے ایک بار پھر سفارش کریں مجھے بھی لے جائیں کوئٹہ''۔ وہ اس کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی۔

''بابا سے جتنی مجھے کوشش کرنی تھی کر لی' ان کی ناں ہاں میں نہیں بدل سکتی''۔ وہ موبائل کے بٹن دبائے جا رہا ...کیونکہ منتہیٰ سے بات کرنے کو بے قرار تھا اور راحمہ اس کے سر پر سوار تھی۔

''راحمہ! تم کچھ دیر کیلئے پلیز نیچے چلی جاؤ''۔ وہ جیسے تنگ ہی آ گیا۔

''ہاں میں نیچے چلی جاؤں تا کہ آپ موبائل پر بات کر لیں بھابی سے''۔ وہ بے ساختہ بولی۔

''بھابی سے......کون بھابی؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

''حمنیٰ بھابی'' ۔ یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس دی۔ حمود نے چتون تیکھے کیے اور بغور اسے دیکھا' جانے اسے ایسا کیوں لگا کہ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا ہے آپ اتنا گھور کیوں رہے ہیں؟'' وہ اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''تم سے میں نے کتنی بار کہا ہے حمنیٰ کا ذکر کر کے میرا موڈ خراب نہیں کیا کرو''۔

''کیوں ان کا ذکر تو ہوگا جب وہ آپ کی منگیتر ہیں''۔ وہ اطمینان سے بولی۔

''اونہہ...... منگیتر' جب میں اسے پسند ہی نہیں کرتا تو میں منگیتر بھی نہیں سمجھتا''۔ واقعی وہ بدمزا سا ہوگیا' موبائل اٹھا کر سائیڈ پر ڈال دیا۔

''سوری بھائی! آپ ناراض ہو گئے''۔ راحمہ کو اس پر ترس آیا۔

''راحمہ! تم جاؤ پلیز' کچھ دیر میں پھر امی اور بابا کو نکل جانا ہوگا''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''آپ کا موڈ خراب ہو گیا ہے ناں' آپ کیا سمجھتے ہیں حمنیٰ مجھے بہت پسند ہے کیا؟'' وہ بھی منہ بسور کے بولی۔

''تم اس کے ساتھ بہت چپکتی ہو''۔

''وہ تو میں اس لئے ایسا کرتی ہوں کہ آپ بھی ان سے ہر وقت رُوڈ سے ہوتے ہیں' امی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں حمنیٰ کے ساتھ اپنا رویہ ٹھیک رکھا کروں''۔ وہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔

''اس وقت تم یہ حمنیٰ کا ٹاپک بند کر دو مجھے اکتاہٹ ہوتی ہے''۔ وہ بے زاری سے بولا۔

''بھائی! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے' کیا زبردست ہے' آپ کی حمنیٰ نیاز سے جان بھی چھوٹ جائے گی''۔ وہ پرجوش انداز میں بولتی ہوئی دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگی۔

''کیسا آئیڈیا؟'' حمود نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''آپ ایسا کریں امی اور بابا تو کوئٹہ جا رہے ہیں' ان کے پیچھے میری مس ہیں ناں منتہیٰ' ان سے شادی کر لیں''۔

''کک......کیا......؟'' حمود تو اچھل ہی گیا اس کی بات پر۔

''کیوں کیا ہوا؟ منتہیٰ مس اچھی ہیں' مجھے تو پسند ہیں' کیوں آپ کو نہیں پسند......؟''
''راحمہ! تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو''۔ اسے تو پسینے آگئے۔
''اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے' کم از کم حمنیٰ باجی سے جان تو چھوٹ جائے گی'
معصومیت سے بول رہی تھی کہ حمود اسے جانچتی اور تفتیشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایسی بات کیسے کر دی۔
''تم کیا سمجھتی ہو تمہاری مس مان جائیں گی''۔
''کیوں نہیں' کیا کمی ہے میرے بھائی میں' ڈیشنگ ہے پڑھا لکھا ہے''۔ تفاخرزدہ لہجے میں ہاتھ نچا کر
''اس کے بعد بابا کیا حشر کریں گے' یہ سوچا ہے''۔
''زیادہ سے زیادہ آپ سے بات کرنا بند کر دیں گے مگر مجھے یہ پتہ ہے گھر سے نہیں نکالیں گے''۔
جانتی تھی بابا کو جو اپنی اولاد کو ایسی سزا دیتے تھے کہ وہ یاد رکھتی تھی مگر گھر سے کبھی نہیں نکالیں گے' یہ پتہ تھا۔
''تم کیا سمجھتی ہو بہت سیدھی ہے تمہاری مس''۔
''اتنا تو خیر مجھے پتہ ہے سیدھی تو بالکل نہیں ہیں' جب ہی تو بڑے بڑوں کو وہ سیدھا کر چکی ہیں' میں
ہوں''۔ کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے ذو معنی لہجے میں بولی۔
''کیا مطلب ہے؟'' وہ چونکا۔
''میرا مطلب ہے جیسے مجھے سیدھا کر دیا پڑھائی میں دل لگانے لگی ہوں اور نماز بھی شروع کروا دی۔
نے میری''۔ اس نے بھی بتایا۔
''کیا تمہاری بھی......'' حمود روانی میں حیرانگی سے بے ساختہ بولا۔
''کیا تمہاری بھی' کیوں آپ کی نمازیں انہوں نے شروع کروائی ہیں''۔ اُس نے ڈائریکٹ اٹیک کیا۔
''جی نہیں...... میں نے خود شروع کی ہے' میری کوئی تمہاری مس سے بات چیت نہیں ہے''۔ وہ نگاہ چرا۔
''اچھا نہیں ہے''۔ وہ مسکرائی۔
''وہ مجھے بتا رہی تھیں کہ آج کل ان کے سیل پر کوئی رانگ کال بہت آ رہی ہے' تنگ ہیں بہت''۔
''کب سے آ رہی ہیں؟'' حمود تو بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔
''کال کر کے خود پوچھ لیں''۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے بھاگ لی۔
حمود اس کی باتوں کے مفہوم کو سمجھتا رہا' راحمہ آج خاصی معنی خیز باتیں کر کے گئی تھی' کہیں اسے بھی خبر تو نہیں
ہے' وہ پورا ٹائم پریشان ہی رہا تھا۔
امی اور بابا دوپہر بارہ بجے نکل گئے تھے۔ گھر میں ایک دم خاموشی ہوگئی تھی۔ راحمہ کو اور آزادی مل گئی تھی
سنبھال لیا تھا' حمود کا پورا دن پھر آفس میں گزرا تھا۔ رات کو گھر آیا تو وہ سو چکی تھی۔
منتہیٰ کو اس نے کال کر لی تھی۔
''کل تیار رہنا' میں لینے آ رہا ہوں''۔ فوراً ہی کہہ دیا۔
''امی بابا چلے گئے؟''
''ہاں چلے گئے ہیں' امی مجھ سے کہہ کر گئی ہیں کہ تمہیں چند دن کیلئے گھر لے آؤں''۔ وہ بول رہا تھا' تھکر
۔ تھیں بھی بوجھل تھیں۔

راحمہ......''
راحمہ کا مسئلہ نہیں ہے تم فکر نہیں کرو''۔ اس نے خاصی دیر اسے سمجھایا کیونکہ وہ آنے کیلئے حامی نہیں بھر رہی تھی
لگ رہا تھا اس بار خود کو روکنا مشکل تھا' کب سے وہ خود پر پہرے بٹھائے ہوئے تھا۔

☆

وہ پورے تین دن بعد مکمل ہوش میں آئی تھی اور جو پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی' مبینہ رونے لگی تھیں کیونکہ وہ
کچھ نہیں بتا رہی تھی۔ محریب کے گھر سے سب ہی اس کی خیر خیریت پوچھنے آتے رہے تھے مگر تہذیب کو جینے
نہیں تھی۔
جس سے محبت کی دل ہی دل میں وہ اس طرح کرے گا دل اس کا چیخ رہا تھا' فائق سے اسے نفرت ہونے
ی۔
اس کا یہ قدم مجبوری میں تھا مگر وہ فائق کو سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کا ایک ایک انداز اسے اشتعال دلا رہا تھا'
لمس ابھی بھی محسوس ہو رہے تھے' وہ گرم سانسیں' وہ تنفس وہ کچھ نہیں بھول پا رہی تھی۔
اس کی محبت کی ایسی دھجیاں اڑیں گی اُسے خبر نہ تھی اس کے ساتھ ایسا بھیانک انجام ہوگا سوچا نہ تھا' وہ تو زندگی
تھی مگر کیا خبر تھی انجانے میں اس سے زندگی چھین لی جائے گی' جو دوسروں کو روشنی کی کرن دکھاتی تھی آج اس کی
ی سے وہ کرن معدوم تھی۔
اتنا بڑا نقصان وہ ابھی تک بھی کسی کو نہیں بتا پائی تھی' بس چپ تھی مگر دل ایسا لگ رہا تھا پھٹ جائے گا' اگر
کو بتائے گی تو وہ صدمے سے ہی بے ہوش ہو جائیں گی' حکمت' حمزہ یہ اس کے چھوٹے معصوم بہن بھائی' کس
کہے۔
''تہذیب! کچھ تو بولو' کیوں چپ ہو' مر جاؤ گی ایسے''۔ منتہیٰ اس کے پاس بیٹھی تھی۔ تہذیب نے اپنی
بھائی ہوئی صورت سے منتہیٰ کو دیکھا جو اس کیلئے کتنی فکرمند تھی' تین راتوں سے اسی کے پاس تھی حتیٰ کہ حمود تک کو
ور کیا ہوا تھا۔
''کیا اس کو بتا دے شاید دل کا بوجھ کم ہو جائے''۔
''تہذیب! میری بہن بولو تو......'' وہ بھی روہانسی ہوگئی۔
منتہیٰ باجی......!'' بس اتنا بولی۔
''ہاں ہاں بولو......'' وہ اس کے ہاتھ تھام کے بولی۔ تہذیب کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے' لب بھینچ لئے
کے وہ سب اس سے شیئر کرے مگر اندر کے غبار کو کسی طرح تو کم کرنا تھا۔
''تہذیب! گڑیا بولو......'' وہ جیسے سمجھ گئی تھی کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے' کسی طرح تو اس کے دل کے اندر کا غبار نکالنا
تا کہ وہ نارمل ہو سکے کیونکہ تین دن سے صرف رو رہی تھی' کسی سے بھی نہیں بول رہی تھی۔
''منتہیٰ باجی! اب مجھے جینا نہیں چاہیے''۔ دکھ و کرب سے گویا ہوئی۔
''ایسی بات کیوں بولتی ہو تم' ہزاروں سال جیو خوشیوں میں''۔ اس نے تڑپ کے اس کے ہاتھوں کو دبا کر
دبا دی۔
''آپ کو نہیں پتہ مجھ پر ایک قیامت گزر گئی ہے' کیسے میں سب کا سامنا کروں گی۔ منتہیٰ باجی! یہ دنیا نہیں جینے
دے گی مجھے''۔ وہ پھر رونے لگی۔

''تم کچھ بھی ایسا غلط نہیں سوچو' ہمیں فائق نے بتا دیا ہے کوئی ڈاکو وغیرہ تھے وہ تاوان لینا چاہتے
دونوں کو انہوں نے کڈنیپ کیا تھا''۔ وہ فائق کی بتائی ہوئی بات بتانے لگی۔ تہذیب نے وحشت سے آ
پھیلا کر حیرانگی سے سنا۔

''نہیں یہ جھوٹ ہے' انہوں نے اور کچھ نہیں بتایا''۔ وہ غصہ میں آ گئی۔

''تہذیب! پھر کیا بات ہے؟'' وہ شاکی ہو گئی کہ آخر ایسی بات پہ وہ اتنا غصہ میں کیوں آ گئی۔

تہذیب نے آہستہ آہستہ سب اسے بتا دیا' منتہیٰ متوحش زدہ سی رہ گئی' مبینہ اندر آ رہی تھیں انہوں نے اپنا دل تھام لیا' یہ سب انہوں نے کیا سن لیا' وہ گرتی پڑتی وہاں سے آ گئیں۔

تہذیب نے پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیا' منتہیٰ تو سکتے میں تھی' وہ اسے کہے تو کیا کہے' مگر تہذیب کو دلاسے کی تسلی کی بہت ضرورت تھی۔

''تہذیب! پاگل ہو جو تم اتنا رو رہی ہو''۔

''منتہیٰ باجی! میرا تو نقصان ہو گیا ناں' مجھے نفرت ہو گئی ہے فائق سے' میں اس کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی''۔

''اس نے حد تو پار نہیں کی ہے' تم یہ بھی تو سوچو اس کا یہ اقدام ہی بہتر تھا جو تم بتا رہی ہو''۔ وہ اسے مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں...... اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے''۔ وہ تو ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ منتہیٰ چپ ہو گئی کیونکہ مزید بولتی تو تہذیب ضرور چیخنے لگتی۔

☆
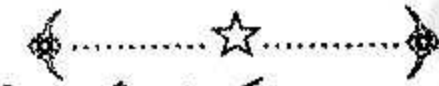
گھر میں جتنی ٹینشن ہو گئی تھی محریب ہی جانتا تھا' سر پکڑ کے الگ بیٹھ گیا تھا کیونکہ تہذیب کا رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ فائق کی ساری باتیں' فاطمہ کے شوہر نے انہیں کڈنیپ کیا تھا مگر فائق نے وہ سب کچھ کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ اس کے ساتھ گزر چکا تھا۔ فائق کو بھی چپ سی لگ گئی تھی' محریب اسے نوٹ بھی کر رہا تھا مگر اب تک وہ جس نتیجے پہ پہنچا تھا اس پر عمل لازمی تھا مگر ایسے میں دادی جان نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا کیونکہ ان کی طبیعت پھر خراب لگ رہی تھی۔

''بیٹا! مجھے عنایہ کے پاس لے چل''۔

''دادی جان! آپ کو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے عنایہ کو یہاں بلوا لیں''۔

''کون لے کے آئے گا...... تو؟'' وہ آج خاصی ضدی ہو رہی تھیں اور محریب کا ذہن بوجھل ہو رہا تھا تہذیب کی اسے الگ ٹینشن سوار تھی۔

''ہاں میں لے کے آؤں گا' آپ اطمینان رکھیے''۔ وہ ان کے پاس بیٹھا انہیں تسلی دینے لگا۔

''ابھی لے کے آ''۔

''اچھا''۔ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ ان کا حکم کبھی نہیں ٹالتا تھا۔ وہ فان کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس سوچوں میں ڈوبا نکل گیا' جواد چاچو کے گیٹ پر پہنچ کے وہ کچھ سنبھلا تھا۔ نو بجے رہے تھے اور ایسے ٹائم پر وہ آیا تھا' سمیرا چچی سے سامنا ضرور ہونا تھا۔

اس نے جواد چاچو کو مودب انداز میں سلام کیا تھا' سمیرا چچی کچن میں تھیں' اس نے فوراً ہی جواد احمد سے مدعا بیان کیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! لے جاؤ''۔ وہ رضامندی سے بولے۔

عنایہ کو جواد احمد کی ماننی پڑی مگر وہ محریب کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن دادی جان کی طبیعت کا سن کے اسے ماننا پڑی۔ پنک کاٹن کے ایمبرائیڈری کے سوٹ میں ملبوس فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی' محریب نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی' عنایہ کو تشویش بھی ہو رہی تھی کہ آخر محریب ایسی کون سی پریشانی میں مبتلا ہے کہ اس نے اچٹتی نگاہ تک نہیں ڈالی۔

''آپ کچھ پریشان ہیں......؟'' ڈرتے جھجکتے ہوئے لب کھولے۔

''آں...... ہاں...... نہیں تو......'' آہستگی سے چونک کے بس اتنا بولا۔

''مجھے لگ رہا ہے آپ کچھ سوچ رہے ہیں''۔ وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔

محریب نے حیرانگی سے نگاہ اٹھائی کہ اس نے اتنا تفصیلی طور پر جانچا کہ وہ اسے کچھ سوچتا ہوا لگ رہا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ مستعدی سے سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''دیکھیے اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو کچھ شیئر کر سکتے ہیں''۔ محریب پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ عنایہ اور اس کے لئے اتنی فکر مند ہو رہی ہے' آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

''شیئر ان سے کیا جاتا ہے جو دلوں کے قریب ہوتے ہیں''۔ لہجہ میں تلخی کے ساتھ طنز در آیا۔ عنایہ نے جز بز ہو کر لب بھینچ لئے کیونکہ وہ اتنی گہری بات کر رہا تھا کچھ تو دفاع میں بولنا تھا ورنہ یہ شخص بدگمان ہی رہے گا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں میں اور آپ دلوں سے دور ہیں''۔ نگاہ میں حجاب مانع تھا۔

''دلوں میں بھی تو شاید نہیں ہیں''۔ تیزی سے موڑ کاٹا۔

''دلوں میں تو کوئی بہت پہلے سے ہی آ چکا ہوتا ہے جو مقابل کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے کہ وہ کتنا دل کے اندر ہے''۔

محریب نے نگاہ ترچھی کی' اس کے صبیح چہرے پر حیرانگی سے نگاہ ڈالی جو سر جھکائے ہوئے کنفیوژ سی بھی لگ رہی تھی۔

''جو اندر آ چکا ہوتا ہے وہ احساس بھی مانگتا ہے''۔ وہ یکدم بولا۔

''یہ احساس کافی نہیں ہے کہ وہ آپ سے پوچھ رہا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں''۔ وہ لاجواب ہو گئی۔

''میں آج سے پہلے بھی کئی بار پریشان ہوا ہوں' جب تو کبھی اتنی فکر نہیں ہوئی''۔ طنز کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

''کبھی میں نے آپ کو جتایا نہیں ہے مگر یہ سچ ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کی فکر کی ہے''۔ عنایہ آج سارے اقرار و اعتراف کر رہی تھی اس لئے کہ محریب کا خیال اسے ہر وقت رہتا تھا' اس کا ناراض ہونا' غصہ سب کچھ اسے یاد تھا۔

''ہوں''۔ اس نے لمبا سانس بھرا اور گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے باہر روک دی۔ گیارہ بج رہے تھے ناشتہ وہ دیر سے کر کے نکلا تھا مگر کچھ دیر وہ عنایہ سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا' فرنٹ ڈور کھولا' اسے اترنے کو کہا۔ گاڑی لاک کر کے دونوں ریسٹورنٹ میں آ گئے' صبح کا ٹائم تھا اس لئے زیادہ رش نہیں تھا' ریسٹورنٹ کا ماحول کافی خاموش تھا' ٹیبل کا انتخاب کر کے دونوں بیٹھ گئے' عنایہ حیرانگی سے دیکھتی رہی تھی۔

محریب نے جوس کا آرڈر دے دیا تھا اب نگاہ عنایہ کے چہرے پر تھی جو جھینپی ہوئی بیٹھی تھی نگاہ تک نہیں ملا رہی تھی۔

”کتنی فکر کرتی ہو میری“۔ وہ پھر سوال کر بیٹھا۔ عنائبہ نے چونک کر سر اٹھایا وہ سنجیدہ تھا مگر چہرے پر ایک جیسے وہ یقین نہیں کر رہا ہو۔

”عنائبہ! میں بھی انسان ہوں احساس چاہتا ہوں‘ بتاؤ کتنی فکر ہے میری“۔ لہجہ تیز تھا۔

”آپ جب بھی مجھ سے غصہ میں بات کرتے ہیں میں پوری رات سوتی نہیں ہوں‘ صرف یہی سوچتی ہو آپ کا غصہ کسی طرح کم کر دوں“۔ شرمائے ہوئے لہجے میں بولی۔ محریب کے لب مبہم سے مسکرائے‘ وہ کچھ مطمئن گیا تھا کہ وہ اس کی فکر کرتی ہے اسے سوچتی تو ہے۔

”آپ پریشانی بتانا پسند کریں گے“۔ وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔

”یعنی تم جانتی ہو میں پریشان ہوں“۔ اس نے سر ہلایا۔ محریب نے پھر فائق اور تہذیب کا مسئلہ رکھ دیا‘ و سوچنے لگی۔

”میں ایک بات کہوں“۔ سننے کے بعد بولی۔

”ہوں کہو“۔ عنائبہ کو گہری نگاہوں میں وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔

”فائق کا رشتہ آپ لوگ تہذیب کے لئے لے کے جائیں کیونکہ تہذیب تین دن گھر سے غائب رہی ہے اس کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے‘ اس کا یہی حل بھی ہے“۔ وہ رک رک کے گویا ہوئی۔

”کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو یہ تو میں نے بھی سوچا تھا مگر سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ٹھیک رہے گا یا نہیں“۔ وہ کے سپ لینے لگا۔

”اس سلسلے میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں“۔ جھٹ بولی۔

”تھینکس“۔ اس نے کہا۔

”آپ چھوٹی تائی سے بات کریں“۔

”کرتا ہوں آج ہی“۔ اسے عنائبہ کی بات معقول لگی تھی۔ آج پہلی بار دونوں اتنے دوستانہ ماحول میں چیٹ کر رہے تھے‘ دونوں ہی حیران تھے۔

☆

بڑوں کی جب محفل جمی تو اس میں عنائبہ بھی شامل تھی۔ رافع کو اعتراض تھا کہ آخر ایسی کون سی باتیں ہیں جو ہی ہیں۔ اتنے میں فائق کو بھی بلا لیا گیا۔

”مائز بھائی! آپ کو بے چینی نہیں ہو رہی ہے‘ اندر آخر کیا ہو رہا ہے؟“ سب ہی تایا ابو کے کمرے میں تھے دروازہ بھی بند تھا‘ رافع کئی بار کوشش کر چکا تھا کان لگا کر سننے کی۔

”جو بھی بات ہو گی پتہ چل جائے گی‘ تم اتنے پریشان نہیں ہو“۔ وہ اطمینان سے بولا‘ کان میں اس کے ہینڈ فری لگی تھی FM سن رہا تھا‘ وشہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی اسے گھور رہی تھی کیونکہ FM کے شو کرتا تھا تو سنتا بھی تھا PJ کیسا شو کر رہا ہے۔

”انہیں کیوں فکر ہو گی‘ ریڈیو سننے سے فرصت ملے تو“۔ وشہ نے منہ بنا کے کہا مگر اسی وقت ایسی متلی ہوئی کہ تیزی سے اٹھ کر بھاگی‘ مائز نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا‘ ہینڈ فری کان سے نکالی اور کھڑا ہو گیا۔

”وشہ باجی کو کیا ہوا؟“ رافع بھی کچھ سمجھا نہیں تھا۔

مائز اسے ڈھونڈتا ہوا ڈائننگ ہال کی جانب آ گیا جہاں وہ واش روم سے باہر آ رہی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے تمہیں‘ جب سے تم اپنے میکے رہ کے آئی ہو بار بار واش روم کیوں بھاگتی ہو“۔ وہ خاصا فکر مندی سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا‘ وہ تھک کر ڈائننگ ٹیبل کی چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئی۔

”پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے“۔ وہ سمجھ تو رہی تھی پھر اپنی امی کی باتیں بھی دماغ میں گونج رہی تھیں۔

”تم اٹھو چلو میرے ساتھ‘ تمہارا چیک اپ ضروری ہو گیا ہے کیونکہ مجھے بھی کچھ شک ہو رہا ہے“۔ سیل کو پینٹ کی پاکٹ میں گھسایا اور اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو‘ FM سنئے‘ بڑی فکر کی آپ نے“۔ نا چاہتے ہوئے بھی جل کے طنز کیا۔

”وشہ! بات کو ٹالنے کی کوشش نہیں کرو‘ اٹھو“۔ زبردستی اسے لے گیا۔ وہ منع ہی کرتی رہ گئی‘ وہ تو قریب ایک کلینک تھا جس میں میاں بیوی دونوں ہی ڈاکٹر تھے‘ اس کا چیک اپ کروایا۔

مائز تو حیرانگی سے وشہ کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا‘ وہ شرمائی ہوئی تھی۔

”اتنی خوشی کی خبر ہے‘ مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں“۔ وہ پورچ میں کھڑا اس کے شرمائے لجائے چہرے کو تکنے کے بعد گویا ہوا۔

”کچھ نہیں کریں اندر چلئے‘ جانے اندر کیا ہو رہا ہو گا“۔ وہ اپنا پنک آنچل سنبھالتی دروازہ کھول کے اندر چلی گئی۔ وہاں سب کو ہال کمرے میں جمع دیکھ کر ٹھٹک سی گئی کہ پہلے اندر محفل جمی ہوئی تھی‘ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

”مجھے لگتا ہے معاملہ کچھ گھمبیر ہے“۔ مائز اس سے سرگوشی میں بولا۔ وشہ کی آنکھیں اس وقت پھٹ گئیں جب عنائبہ اور محریب کو بات کرتے ہوئے دیکھا‘ وہ دونوں کوریڈور میں تھے۔

”دیکھئے ان دونوں کو“۔ وشہ کو خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ مائز کی نگاہ بھی پہنچ گئی‘ دونوں بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”جو تم دیکھ رہی ہو میں بھی وہی دیکھ رہا ہوں“۔ مائز نے وشہ سے پوچھا۔

”آج یہ دونوں باتیں کر رہے ہیں“۔ مائز آگے بڑھا۔

”ارے رکیے تو‘ جانے کی ضرورت نہیں ہے“۔ اس نے پکار لیا‘ مائز رک گیا۔

”یار! سنئے تو دو آخراتنی سنجیدگی سے دونوں باتیں کیا کر رہے ہیں“۔ مائز کو زیادہ تجسس ہوتا تھا ہر بات کا۔

”آپ کو تو ہر بات کا تجسس رہتا ہے“۔ وشہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ان دونوں نے ابھی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ وہاں کے سنجیدہ ماحول کو تنقیدی اور جانچتی پُرتشویش نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

”مائز بھائی! فائق بھائی کا پرپوزل تہذیب باجی کیلئے جانے والا ہے“۔ رافع نے کان میں سرگوشی کے انداز میں خبر دی۔

”کک......کیا......“ وہ حیرت سے اچھل گیا۔ رافع تو کھسک گیا جبکہ مائز تو بے چین ہو گیا‘ ابو اور چچا جان الگ گفتگو میں مصروف تھے۔ چچی جان موجود نہیں تھیں‘ امی‘ دادی جان کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ اٹھا‘ اسے فائق کی غیر موجودگی کچھ سوچ میں مبتلا کر گئی تھی۔

”یار فائق! میں یہ کیا سن کے آ رہا ہوں؟“ وہ دھڑ سے دروازہ کھول کے اندر آ گیا‘ وہ سونے کی تقریباً تیاری کر رہا تھا‘ چہرے پر بے زاری اور اکتاہٹ کے آثار نمایاں تھے۔

”کیا سن کے آ رہے ہو؟“ وہ [illegible] سے بیڈ پر لیٹا۔

''تیرا پرپوزل تہذیب کیلئے جا رہا ہے جبکہ تو' تو کسی لڑکی کے چکر میں ہی نہیں پڑتا تھا''۔

''مائز! اس وقت مجھے بہت نیند آ رہی ہے پلیز تم چلے جاؤ مجھے سونا ہے''۔ بے مروتی کی وہ اکثر حد ہی کر د

''ضرورت سے زیادہ بدلحاظ اور بے مروت انسان ہو''۔

''جب پتہ ہے تو کیوں رات میں میرے روم میں آتے ہو''۔ وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ مائز نے دونو پشت پر ٹکا کر اسے گھورا جو سیدھا لیٹا ہوا تھا۔

''تیرے روم میں اس وقت تک بے دھڑک آتا رہوں گا جب تک تیری شادی نہیں ہو جاتی''۔

''فضول ہانکنے کیلئے تمہیں میں ہی نظر آتا ہوں''۔ اس حادثے کے بعد سے وہ بہت چڑچڑا ہو گیا تھا' طبیع بے زاری بھی آ گئی تھی' پورا دن روم میں پڑا رہتا تھا' پڑھائی بھی ختم ہو چکی تھی' جاب کیلئے اپلائی کیا ہوا تھا انٹرشۃ چاہتا تھا۔

''بعد میں بات کرتا ہوں تجھ سے''۔ مائز جانے لگا۔

''یار! سوری سچ بہت نیند آ رہی ہے''۔ اُس نے اس کی ناراضگی محسوس کی۔

''ابھی تجھے بخش رہا ہوں صبح سیدھا کرتا ہوں تجھے''۔ وہ تیزی سے کمرے سے ہی نکل گیا۔

فائق نے اپنے گلاسز اتار کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور آنکھیں بند کر لیں۔ جب سے ابو اور تایا ابو کا فیصلہ توسکتے میں آ گیا تھا کہ اس کی شادی تہذیب سے جبکہ یہ ضروری تھا' بے چاری کا رشتہ ختم ہو گیا لوگوں کی طرح کی باتیں کس کس طرح فیس کرے گی۔

فائق نے اصل بات ابھی تک بھی سب سے مخفی رکھی ہوئی تھی' وہ اتنی جلدی شادی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا' کچھ اپنا مقام بنانا چاہتا تھا مگر یہ سب حالات اسے خبر نہیں تھی کہ یوں اچانک سے ایسی ہوا چلے گی کہ سب کچھ بکھ رہ جائے گا۔

تہذیب کی معصومیت' اس کی خودداری اسے سب عزیز تھی مگر سب کچھ چھین لے گیا وہ لمحہ جس لمحے اس کڑا فیصلہ کیا تھا۔

''تہذیب! مجھے معاف کر دینا' میری نیت میں کھوٹ نہیں ہے' میں نے تمہیں سچے جذبوں سے چھوا میرے لئے وہ پھول ہو جو اپنی تازگی ہمیشہ برقرار رکھتا ہے اپنی خوشبو سے۔ تمہاری ایسی خوشبو ہے کہ میں اس جکڑتا چلا گیا ہوں''۔ وہ خیالوں میں اس سے مخاطب تھا۔

''زندگی بھر کا تم سے ناطہ جوڑنے کا تو سوچا ہوا تھا مگر ایسے حالات میں تو نہیں''۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔

''میں اگر تمہیں اپنی محبت کا' پیار کا یقین دلاؤں گا تو تم کبھی یقین نہیں کرو گی' ہماری کب اچھے انداز بات چیت ہوئی ہے''۔ وہ اتنا ذہنی طور پر پریشان تھا کہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ محریب اور رعنا بھی اسے کتنا سمجھایا تھا کہ وہ اپنے دل پر کوئی بوجھ نہیں رکھے۔ مگر جب دل ہی بے کل اور پریشان ہو تو کسی پل نہیں ملتا ہے۔ پندرہ دن ہو گئے تھے اس نے تہذیب کو اس دن کے بعد سے ابھی تک نہیں دیکھ سب سے یہی خبر مل رہی تھی کہ ''تہذیب کو چپ لگ گئی ہے'' وہ جانتا تھا وہ شاک میں تھی اور اسے شاک نکالنا تھا۔

(جاری)

شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 23
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت

ابھی اس نے لیٹنے کا قصد کیا ہی تھا کہ سیل کی بیپ نے اسے چونکا دیا۔ آہستگی سے تہذیب کے قریب سے اٹھی' حکمت زمین پر بستر بچھا کے سوتی تھی جبکہ مبینہ اور حمزہ ساتھ والے کمرے میں سوتے تھے۔

''وعلیکم السلام''۔ ڈرائنگ روم میں چلی آئی تاکہ یہاں ٹھیک سے بات ہو سکے۔

''پورا دن تم نے سیل نہیں اٹھایا' کتنی کالز کر چکا ہوں''۔

''سوری...... وہ تہذیب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ سب جانتے ہیں پھر بھی بول رہے ہیں''۔ منتہیٰ کو غصہ آ گیا۔

''میں سب جانتا ہوں مجھے پتہ ہے مگر یار! تمہارا ایک پیارا سا شوہر بھی ہے اس کے حال پر تمہیں رحم نہیں آتا''۔ وہ خفگی سے طنز کرنے لگا۔

''جی بولئے جلدی' مجھے بہت نیند آ رہی ہے''۔ اس نے جمائی روکی۔

''منتہیٰ! میں کچھ کہہ رہا ہوں تم سے''۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

''سن لیا ہے میں نے مگر اس وقت سچ کہہ رہی ہوں میں بہت تھکی ہوئی ہوں' نیند بہت آ رہی ہے''۔ اس پر جیسے حمود کی خفگی کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے تم آرام سے سو جاؤ' میں پھر فجر میں نماز کے بعد کروں گا''۔

''یہ کیا بات ہوئی''۔ وہ بولی۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے سو جاؤ' میں روک نہیں رہا مگر مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں' پتہ ہے امی اور بابا کوئٹہ گئے ہوئے ہیں اور تم کتنے دنوں سے راحمہ کو پڑھانے بھی نہیں آ رہی ہو''۔ اس نے بتانے کے ساتھ ہی شکوہ بھی کیا۔

''تہذیب کی طبیعت بہتر ہو گی تو میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور آؤں گی''۔ وہ شرمندہ ہوئی۔

''میرے لئے کب ٹائم نکالو گی تم''۔

''دیکھ لیں آپ' میرے پاس آپ تک کیلئے ٹائم نہیں ہے' سوچ لیں راستہ بدلنا ہے''۔ وہ پھر اپنی بات پر آ گئی۔

''اپنی ساس کو دیکھا ہے تم نے' بہت ناراض ہوں گی ساتھ ہی میری بھی خیر نہیں ہو گی''۔

''پتہ نہیں کیوں دل میں خوف پنجے گاڑ کے بیٹھے ہوئے ہیں''۔

''تم ناخن کیوں نہیں کاٹ دیتی ہو خوف کے''۔ وہ مضحکہ خیز انداز میں شوخی سے بولا۔

''آپ میری کسی بات کو کبھی سنجیدہ لیتے ہی نہیں ہیں''۔ وہ ناراض ہونے لگی۔

''تمہیں ساری زندگی کے لئے سنجیدگی سے اپنی زندگی میں شامل کر تو لیا ہے' اور کیا چاہتی ہو کتنا سنجیدہ ہوں''۔ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی ہے''۔

''ٹھیک ہے نہیں کرو مگر کل پانچ بجے تیار رہنا میں لینے آؤں گا ورنہ میں بالکل نہیں سنوں گا''۔ وہ اپنی بات پوری کر کے گویا ہوا۔

''کل' کچھ دن اور رک جائیں''۔ وہ منمنائی۔

''بالکل نہیں' یہاں میں تمہارے لئے اتنا بے چین ہوں اور تم ابھی بھی مجھے ترسانا چاہ رہی ہو''۔ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے غصہ کرنے لگا۔

''وہ راحمہ کیا سوچے گی؟''

''کچھ نہیں سوچے گی ویسے بھی جلدی سو جاتی ہے''۔ وہ بولا۔

''ایسے کیا اچھا لگے گا''۔ اسے ڈھیروں شرم آنے لگی اور پسینے الگ آنا شروع ہو گئے۔

''مجھے تو اچھا لگے گا حمود کی جان''۔ وہ مخمور زدہ لہجہ بنانے لگا۔ منتہیٰ کو حیا سی آ جاتی جب بھی وہ رومینٹک موڈ میں کوئی بھی ایسا جملہ بولتا۔

''سنو! کل تم آؤ گی تو تمہارے لئے میں نے ایک گفٹ لے کے رکھا ہے جو میرے خیال میں کسی ہسبینڈ نے اپنی وائف کو کبھی نہیں دیا ہو گا''۔ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''ایسا کون سا گفٹ ہے......؟'' وہ لجا کے گویا ہوئی۔

''یہ تو کل ہی پتہ چلے گا اور ہاں پلیز کوئی اچھا سا لباس زیب تن کر لینا' جو میں نے تمہیں اتنا کچھ دلایا ہے یار! اُسے استعمال تو کرو' خاص میرے لئے تمہیں سنور کے آنا ہو گا''۔ اس نے گویا حکمیہ انداز میں جتایا۔

''راحمہ کو بھول گئے ہیں لگتا ہے''۔

''وہ بھی یاد ہے''۔ وہ مسکرایا۔

''اگر حسنیٰ آ گئی تو......؟''

''آ جائے وہ بھی' میں نہیں ڈرتا''۔ وہ بڑا استاد بن گیا۔

''بابا کی بندوق یاد ہے کہاں رکھی ہے''۔ منتہیٰ اسے تنگ کرنے لگی۔

''وہ بھی یاد ہے''۔ بدمزا سا ہو گیا۔

''اچھا اب اجازت ہے مجھے سونے کی''۔ وہ پوچھنے لگی۔

''ایک شرط پر''۔

''کیسی شرط؟'' وہ چونکی۔

''بولو حمود کی جان کو سونے کی اجازت ہے''۔

''جی''۔ وہ تو گھبرا گئی۔

''بولو جلدی......'' وہ بضد تھا۔

''کیا ہو جاتا ہے آپ کو سیدھی طرح بات کر رہے ہوتے ہیں ایک دم پٹڑی سے اُتر جاتے ہیں''۔ وہ کھسیا گئی۔

''کیونکہ تم پٹڑی کو سیدھا ہی نہیں رہنے دیتی ہو' اترنا تو پڑتا ہے''۔ وہ بھی جیسے آج تہیہ کیا ہوا تھا کہ بلوا کے دم لے گا۔

''شاباش جلدی بولو''۔

''پلیز! کیا ہے' اتنی رات ہو گئی ہے''۔

''سوچ لو میں سیل میں سے بھی اپنا کام کر سکتا ہوں''۔ لہجہ معنی خیز تھا۔

''کیا مطلب ہے......؟'' وہ حیران تھی حمود کے جملے سن کے۔

''او کے اللہ حافظ''۔

''اوں ہوں...... بالکل نہیں''۔ وہ بولا۔

''اچھا کل''۔ وہ ٹالنے کو بولی۔

''یاد رکھنا' کل کہا ہے''۔ وہ بھی خوش ہو گیا۔

''اوکے''۔ منتہیٰ نے جلدی سے کال بند کی اور لمبا سانس لیا۔

''ہائے یہ میں نے کیا کہہ دیا' کل تو ان کے سامنے میں تو بول ہی نہیں پاؤں گی''۔ سوچ کے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''حمود سالار اتنے رومینٹک ہو تم' میں کہاں عام سی سادہ سی لڑکی تمہارے ساتھ کیسے رہوں گی''۔

وہ وہیں صوفے پر دراز ہوگئی تھی۔ آج اس کا ذہن مکمل حمود کی طرف چلا گیا تھا' جو اس سے ٹوٹ کے محبت کرنے لگا تھا' اس کی ہر بات میں محبت کا رنگ' ہر جملے میں محبت کا رچاؤ' آنکھوں میں پیار بھرے جذبے' ہونٹوں پر ہمیشہ اس کیلئے مسکراہٹ' کتنا ڈیشنگ بندہ تھا اور وہ کتنی عام اور سادہ' کیسی لگتی ہوگی اس کے ساتھ چلتے ہوئے۔ دل جانے کیوں اور بھی بے کل اور پریشان ہوگیا تھا کیونکہ کل اس کے پاس جانا بھی تو تھا' کیسے رو کے گی اسے' انجانے خوف ڈراتے رہتے تھے۔

☆

فائق کا پرپوزل جا چکا تھا اور فائق کو وہ خوشی نہیں تھی کہ یوں تہذیب اچانک سے اسے مل رہی تھی' دل میں سکون نہیں تھا' چور بنا ہوا وہ پھرتا تھا' کوئی مصروفیت بھی نہیں مل رہی تھی اسے کہ وہ اپنا ذہن ہی لگاتا۔ FM پر بھی شو کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا' وہاں بھی نہیں جا رہا تھا جبکہ اسے غزلوں کا شو کرنے کا کتنا شوق تھا جبکہ شو ملا بھی تو اس نے منع کر دیا۔

لان میں وہ کب سے چہل قدمی کر رہا تھا شام کی سرمئی بھی پھیل گئی تھی' وہ کین کی چیئر پر دھڑ سے بیٹھا تھا اُسی وقت چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ حمود بلیک پینٹ پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس اپنی ڈیشنگ پرسنیلٹی کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا' اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

''او و یار! تم کیسے ہو؟'' حمود نے ہاتھ ملایا۔

''ٹھیک ہوں آپ سنائیے''۔ وہ مسکرایا۔

''محریب بہت پریشان تھا تمہارے لئے' کن لوگوں نے تمہیں کڈنیپ کیا تھا؟'' حمود کی اس سے آج بات ہوئی تو وہ بھی سارا واقعہ پوچھنے لگا۔

''حمود بھائی! اب تو چڑ ہوگئی ہے بتا بتا کے سب کو''۔ وہ بے زاری سے بولا۔

''سوری یار! میں بھی کتنا پاگل ہوں جبکہ محریب سے ملتا رہتا ہوں اس نے مجھے بتایا بھی تھا''۔ وہ خجل ہوگیا۔

''اور سناؤ ابھی تک آفس جوائن نہیں کیا''۔

''میں انٹرن شپ کرنا چاہتا ہوں پھر آفس جوائن کروں گا''۔ وہ بولا۔

''تو یار! پہلے بتاتے' میرا آفس جوائن کرو مجھے ویسے بھی ضرورت ہے ایک بندے کی''۔ حمود نے جھٹ اسے آفر دی۔

''ٹھیک ہے میں سوچ کے بتاتا ہوں''۔

''یار! سوچنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے تم کل سے ہی آؤ میرے آفس''۔ اس نے اپنا کارڈ اسے تھمایا' کچھ سمجھایا بھی پھر اندر کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اسے منتہیٰ کو لے جانے کی جلدی تھی۔

فائق کارڈ لے کے دیکھنے لگا' اسے بھی ضرورت تھی اپنے ماحول سے ہٹ کے نئی مصروفیت کی' وہ خوش ہوگیا مگر محریب سے ڈسکس کرنا پھر بھی ضروری تھا۔

محریب ابھی تک گھر نہیں آیا تھا' عنایہ بھی جا چکی تھی' گھر میں ایک عجیب سی خاموشی رہنے لگی تھی۔ اس کے انداز میں اور سنجیدگی آگئی تھی' پہلے بھی سنجیدہ تھا اور اب تو اس حادثے نے اس کی ساری خود اعتمادی تک چھین لی تھی۔ پہلے سب کے درمیان بیٹھ کے باتیں کر بھی لیتا تھا مگر اب تو ان سب سے ہی بچنے لگا تھا۔ امی کتنا اسے کہتی رہتی تھیں کہ سب کے درمیان آ کے بیٹھا کرے مگر وہ سنتا ہی نہیں تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' مائز FM جانے کی تیاری کر کے نکلا تو اس پر نگاہ پڑ گئی جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کے بیٹھا تھا' بلیو جینز پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس ہلکی بڑھی ہوئی شیو اسے اور بھی ڈیسنٹ بنا رہی تھی۔

''تم ہر وقت مجھ پر ہی کیوں ریسرچ کرتے رہتے ہو''۔ فائق چڑ کے گویا ہوا۔

''کیونکہ تمہارا ابھی تک کوئی سراغ نہیں آیا ہے کہ تم اتنے سنجیدہ کیوں ہوگئے جبکہ تھے تو تم پہلے بھی مگر اب زیادہ ہوگئے ہو''۔ مائز اپنی شرٹ کی آستینوں کو فولڈ کر کے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا' فائق نے گلاسز سے پیچھے اور ناگواری والے چتون سے اسے دیکھا۔

''میرا دل نہیں چاہتا فضول باتیں کرنے کو''۔

''فائق! تم نے اس حادثے کو اپنے ذہن و دل پر سوار کر لیا تھا یار! ایسے تو تم ہم سب سے دور ہو جاؤ گے' FM تک چھوڑ دیا جبکہ تم جانتے ہو سارے لسنرز تمہیں کتنا پسند کرتے ہیں''۔ مائز اس کیلئے بہت زیادہ فکر مند تھا۔

''جب میرا دل ہی نہیں لگتا تو کیا کروں؟''

''تہذیب کے ساتھ دل لگ جائے گا بتاؤ''۔ یکدم ہی غیر متوقع سوال کر دیا۔

''پتہ نہیں''۔ وہ کھڑا ہوگیا' جب بھی تہذیب کو سوچتا تھا اسے اور بے چینی اور گھبراہٹ ہو جاتی تھی' جب سے شادی کا ذکر نکلا تھا وہ اور بھی نروس ہونے لگا تھا۔

''کیا پتہ نہیں' مجھے بتاؤ فائق یار! تم میرے بھائی بھی ہو' مجھے پتہ ہے تم اپنی Feelings کسی سے شیئر نہیں کرتے ہو' مجھ سے تو کر سکتے ہو' کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں''۔ مائز افسردگی اور مایوسی سے بولا۔ فائق اسے دیکھنے لگا جو اس وقت سنجیدہ تھا۔

''تم جب بھی سیریس بات پوچھتے ہو بے موقع پوچھتے ہو' نہ وقت دیکھتے ہو''۔ وہ نرم لہجے میں بولا۔

''پھر کب پوچھوں؟ رات میں تمہارے روم میں آتا ہوں تو تمہیں نیند آ جاتی ہے جبکہ میں جانتا ہوں تم مجھے ٹالتے ہو''۔ وہ بولا۔

''سوری یار! پتہ نہیں کیوں میں ایسا کرتا ہوں''۔

''سدھر جاؤ' انسان بن جاؤ' یہ میں ہوں جو تیری کسی بات کا برا نہیں مانتا ہوں''۔ مائز ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھا' آدھا گھنٹہ پہلے اسے پہنچنا تھا' دس منٹ اوپر ہی ہوگئے تھے۔

''بعد میں پوچھوں گا' ابھی مجھے جلدی ہے''۔ وہ یہ کہہ کر نکل گیا۔ فائق بھی کھڑا ہوگیا' کارڈ اس کے ہاتھ میں موجود تھا' سرسری پھر نگاہ ڈالی۔

☆

''جتنا میں تمہیں ڈھیل دے رہا ہوں تم اتنا پھیل رہی ہو''۔ حمود کو غصہ آ گیا' منتہیٰ جانے سے انکاری تھی۔ دونوں میں کافی دیر سے بحث بھی ہو رہی تھی۔

''آپ بات کو خود نہیں سمجھ رہے ہیں' راحمہ گھر پر ہوگی کس طرح یہ سب چھپ سکتا ہے' یہ سوچا آپ نے؟'' وہ آہستگی سے اسے سمجھانے لگی تاکہ وہ مزید نہ بگڑے۔

''میں کہہ تو رہا ہوں سب سنبھال لوں گا' پتہ ہے امی کے کل سے اب تک پانچ فون آ گئے ہیں' پوچھتی ہیں روز

منتہٰی کو گھر کب لاؤ گے"۔

"امی کو آپ نے کہا نہیں راحمہ ہے گھر میں"۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی' نگاہ اس پر جمائی ہوئی تھی۔

"اتنی ظالم بیوی میں نے نہیں دیکھی جیسی تم ہو"۔ وہ ناراض ہونے لگا' ونڈ اسکرین سے باہر نگاہ کرلی۔

"میں نے کہا تھا آپ کو اور کہتی رہتی ہوں مجھے اپنی زندگی میں شامل کریں گے تو ایسے ہی پریشان رہیں گے' چھوڑ دیں میرے حال پر' میں کچھ نہیں دے سکتی آپ کو بہت بدنصیب لڑکی ہوں جہاں جاتی ہوں مسئلے کھڑے ہو جاتے ہیں"۔

"ہو گیا لیکچر ختم یا باقی ہے"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

"جو حقیقت ہے وہ بیان کررہی ہوں"۔ خفگی سے بولی۔

"ہر بار یہی بولتی ہو' اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے تمہیں' جب میں تمہاری کوئی بات مانتا نہیں ہوں تو کیوں میرا اور اپنا موڈ خراب کرتی ہو"۔

"میں آپ کو ہر بار اس لئے بولتی ہوں کہ فیصلہ بدل لیں' آپ اپنے بابا سے نہیں مقابلہ کرسکتے' اس طرح چھپ چھپ کے کب تک رہیں گے آپ اور میں"۔

"کیا مطلب ہے چھپ چھپ کے"۔ حمود کے تو دماغ پر لگ گئی۔

"آپ کتنے لوگوں کو فیس کریں گے' حسنی کا سوچا ہے ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا آپ کے گھر میں' آپ میں اور بابا میں دوریاں آجائیں گی' پلیز...... آپ مجھے بھول جائیں اور حسنی کا ہاتھ تھام لیں کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کے گھر میں ایڈجسٹ ہوسکوں"۔ آنکھوں میں نمی آگئی' لیمن کلر کے آنچل سے آنسو جذب کیے۔

حمود نے گہری اور تنقیدی نگاہیں اس کے ملیح چہرے پر ڈالیں' اس کا چہرہ اتنا سادہ اور پُرتمکنت تھا دل کرتا کہ نگاہ نہیں ہٹائے۔

"تم کیا سمجھتی ہو میں اتنا بزدل ہوں' ان سب کو فیس نہیں کرسکتا' تم نے چیلنج کیا ہے' پہلے بھی کیا تھا اور اب تو یہ کھلا چیلنج ہے"۔ اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"نہیں...... نہیں...... میں نے آپ کو چیلنج نہیں کیا ہے' صرف آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے' کیوں آگ کا دریا عبور کررہے ہیں ہاتھ جل جائیں گے اور ہاتھ آپ کے کچھ نہیں آئے گا' جو والدین کی خوشی ہے وہ کریں"۔ وہ ڈر سی گئی۔

"مجھے اتنا سیدھا کردیا میری فلاسفر بیوی نے' ایسے تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں سکتا' کچھ تو انعام ملنا چاہیے"۔ وہ اتنے اطمینان سے مسکرا کے بولا' منتہٰی حیران تھی کہ اتنا کچھ سننے کے بعد بھی اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا"۔ اس نے منتہٰی کی ناک پکڑی۔

"سارے انتظام کرکے رکھے ہیں حمود کی جان"۔ وہ پھر ترنگ میں آگیا۔

"کیسے انتظام......؟" اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"یہ تو گھر چل کے دیکھنا"۔ ڈرائیونگ سیٹ سے باہر آیا' فرنٹ ڈور کھول کے اسے ہاتھ پکڑ کے باہر نکالا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا خوبصورت وسیع و عریض لان میں برقی قمقمے آن تھے' بڑا سا جھولا جو ہوا سے ہلتا تو آواز پیدا کرتا۔

"میری بات تو سنئے......" وہ گڑبڑائی' شپٹا گئی۔ مگر حمود نے اسے ہال کمرے میں لاکر بٹھا دیا' گھر میں

خاموشی تھی۔

"تم ویٹ کرو میں تمہارا پہلے گفٹ لے کر آجاؤں پھر کل میں تمہیں صبح نو بجے لینے آؤں گا' راحمہ اسکول میں ہو گی تین بجے تک گھر آتی ہے اس ٹائم تک تم اور میں ہوں گے"۔ وہ جاتے جاتے کان میں سرگوشی کر کے گیا۔ منتہٰی پر گھبراہٹ سوار تھی کیونکہ سات بجے تو وہ اکثر پڑھا کے چلی جاتی ہے اور آج اس ٹائم وہ گھر آئی تھی۔

"لو یہ تمہارا گفٹ ہے' میرا جہاں تک خیال ہے کسی ہسبنڈ نے اپنی وائف کو ایسا گفٹ کبھی نہیں دیا ہوگا"۔ ایک خوبصورت سے ریپر میں لپٹا پیکٹ دیا' وہ حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

"اور پھر تم اس گفٹ کے بعد کل مجھے یقیناً مایوس نہیں کرو گی"۔ حمود نے معنی خیز سی سرگوشی بڑے مخمور زدہ لہجے میں کی۔

"اس میں کیا ہے......؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم گھر جا کر دیکھنا کہ کیا ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"راحمہ! کم آن راحمہ"۔ وہ آوازیں دیتا ہوا جانے لگا۔ منتہٰی کو گھبراہٹ بھی ہونے لگی' پیکٹ کو چھپا کے سائیڈ پر صوفے پر رکھ لیا۔

"بھائی! آپ کا کمرہ کیوں لاک ہے؟" راحمہ اس سے پوچھنے لگی۔

"کیوں تمہیں کیا کام ہے؟" حمود چونک گیا کیونکہ اس نے دو دن سے کمرے کو اپنے جانے کے بعد لاک کر کے جانا شروع کیا تھا۔

"جب بھی آپ کے کمرے کے باہر سے گزرو بہت خوشبو آرہی ہوتی ہے"۔ وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"پرفیوم اسپرے کرتا ہوں خود پر' ایسی ہی ہوگی اور تم کیوں اتنا تجسس کررہی ہو' پڑھو کتنے دن سے چھٹی ہو رہی ہے"۔ وہ منتہٰی کو میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگا' وہ جھینپ سی گئی۔

"مس کیسی ہیں؟ دیکھئے چھٹیاں آپ نے کی ہیں مجھ پر الزام بالکل نہیں آئے"۔ وہ منمنائی۔

"سوری میری وجہ سے چھٹی ہوئی ہے"۔ منتہٰی بھی شرمندہ ہوئی۔

حمود وہاں سے ہٹ گیا کیونکہ منتہٰی کافی نروس ہو رہی تھی' پھر اسے تو کل کا انتظار تھا کہ وہ اس کے سامنے کیسے پیش آتی ہے' جتنی محنت اس نے اپنے کمرے کو سجانے میں کی تھی اس کی خبر کسی کو نہیں تھی' پورا کمرہ مہک رہا تھا' بیڈ پر اطراف میں سب جگہ پھول ہی پھول تھے' کل کے دن کو یادگار بنانا چاہتا تھا تاکہ منتہٰی کے سارے واہم اور وسوسے ختم ہو جائیں۔

⟡⋯⋯⋯☆⋯⋯⋯⟡

آج انہیں پھر سائرہ مل گئی' کافی دیر تک دونوں باتیں کرتی رہی تھیں مگر ہر بار وہ انہیں نئی سوچ دے جاتی تھیں اب نئی پریشانی یہ تھی کہ وہ نانی بننے والی تھیں' جس دن سے یہ خبر ملی تھی وہ چین سے کب تھیں اور آج سائرہ نے بھی کہہ دیا۔

"سمیرا! ابھی تمہاری عمر نانی بننے کی تو نہیں ہے' مجھے دیکھو اپنی بیٹیوں کی بہن لگتی ہوں' اتنی جلدی تو میں کبھی ان کی شادیاں نہیں کروں گی ورنہ سب مجھے تو بوڑھا ہی کردیں گے"۔

یعنی وہ بوڑھی ہو گئی تھیں جب سے وشہ کے بارے میں خبر ہوئی تھی انہیں غصہ بھی تھا کہ اس دن وہ انہیں ٹال کے چلی گئی' اگر اسی وقت اس کا یہ معاملہ بھی یہیں ختم کروا دیتیں تو سب کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ انہیں عجیب بے چینی سوار ہو گئی

تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ انہیں کیا ہو رہا ہے۔

"یہ کیسی ماں ہیں جو صرف اپنا سوچ رہی ہیں انہیں اپنی اولاد کی ذرا پروا نہ فکر ہے دوسروں کے کہنے میں آ کر اللہ سیدھا کیوں سوچتی ہیں"۔ دل ایک دم اداس ہو گیا۔

زندگی میں اپنے اتنے جھمیلے پال لئے تھے کہ وہ اس میں سے نکل کر آس پاس رہنے والوں کے بارے میں ذرا بھی مثبت نہیں سوچتی تھیں ان کی بیٹیاں ان کی ہر طرح سے خوشی کا بھی خیال کرتی تھیں اور وہ جواب میں انہیں کیا دے رہی تھیں ان کے تینوں بچے ان سے دور ہو گئے تھے۔

ہر وقت جواد احمد سے لڑائی جھگڑا' کتنی چڑچڑاہٹ آ گئی تھی ان کے اپنے مزاج میں' چتون ہر وقت تنے ہی رہتے تھے۔

"آج کیا بات ہے اپنی سنگھار میز کو ٹائم نہیں دیا"۔ جواد احمد نے طنزیہ اور استفہامیہ نگاہوں سے سمیرا بیگم کو اتنا خاموش دیکھا۔

"جواد! کبھی تو آپ طنز کرنے سے باز رہا کریں"۔ وہ کھسیا کر چڑ گئیں۔

"میں تو تمہیں یاد دلا رہا تھا کیونکہ تمہیں ساری دنیا میں سب سے پسندیدہ اپنا سنگھار دان ہی لگتا ہے"۔

"میں اس ٹائم بالکل بحث اور لڑائی کے موڈ میں نہیں ہوں"۔ وہ بہت افسردہ اور مغموم سی ہو رہی تھیں۔ ضمیر نے آج انہیں اپنے شکنجے میں لے لیا تھا' بار بار وہ انہیں جھنجوڑ رہا تھا' وہ لب بھینچ کے بیٹھی تھیں۔

جواد احمد کی استفہامیہ اور تشویش بھری نگاہیں انہیں' سمیرا بیگم اور اتنی خاموش جبکہ وہ ہار تو کبھی مانتی ہی نہیں تھیں' انہیں اچانک سے ایکدم کیا ہو گیا تھا' وہ اپنی ریسٹ واچ کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑے اور چپ ہو گئے۔

"سمیرا! کیا ہوا خیریت تو ہے؟" وہ اتنے بھی سنگدل نہیں تھے کہ انہیں پریشان چھوڑ دیں جبکہ آج انہوں نے بحث تک کرنے سے انکار کر دیا۔

"آں ہاں...... کچھ نہیں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں' مگر نگاہ ان سے نہیں ملا رہی تھیں کیونکہ کچھ شرمندہ بھی لگ رہی تھیں۔

"مجھے نیند آ رہی ہے"۔ وہ صوفے سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئیں۔ جواد احمد گہری سوچ میں مستغرق ہو گئے کیونکہ سمیرا بیگم کے لب و لہجے تک میں اتنی افسردگی اور خاموشی تھی' وہ جیسے یقین نہیں کر پا رہے تھے۔

"کوئی بڑا نقصان ہو گیا ہے پارلر میں؟" انہوں نے پھر پوچھا جو تولیہ سے ہاتھ پونچھ رہی تھیں۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ بیڈ پر لیٹ گئیں۔

یعنی آج وہ اتنی ناپ تول کے گفتگو کر رہی تھیں کہ وہ خود بھی حیران تھیں' احساس اندر سے مارے ڈال رہا تھا۔ ضمیر کچوکے لگا رہا تھا' کتنا عرصہ وہ خود سے بیگانہ تو تھیں ہی اپنے گھر' بچوں اور شوہر تک کو بھول گئی تھیں۔

اور وہ سائرہ کتنی مکمل زندگی گزار رہی تھی' گھر میں کوئی کل کل نہیں تھی' ابھی تو ان کی بیٹیاں چھوٹی تھیں شادی کی کون سی عمر تھی جو آج وہ انہیں یہ کہہ کر چلی گئیں کہ......

"میں ابھی اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کروں گی' اتنی کم عمر ہیں"۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیر نکلی وہ کروٹ لے کر لیٹ گئیں کہ جواد احمد کو آنسو نظر نہ آئیں۔

سائرہ اپنی بیٹیوں سے کتنی فرینک تھی اور وہ اپنی دونوں بیٹیوں اور بیٹے سے کتنی دور تھیں۔ ہمیشہ دوسروں کے چڑھاوے میں آئی تھیں' وہ سب تو خوشگوار زندگی گزار رہی تھیں اور ان کی خود کی زندگی مشکل بن گئی تھی۔ عنایہ کتنا خیال

کرتی ہے' وشہ ہمیشہ حسرت سے دیکھتی تھی' معارج بات کرنے کو ترس جاتا ہے اور جواد احمد' انہیں وہ ہمیشہ جھڑک کے بات کرتی تھیں' ساری محرومیاں انہیں رُلا رہی تھیں۔

☆

پیکٹ اس نے جیسے ہی کھولا تھا وہ حیران تھی اس میں تحفۂ خواتین اور بہشتی زیور نکلا تھا' منتہیٰ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ حمود اور ایسا گفٹ' ساتھ ہی ایک پرچا بھی تھا فوراً کھولا۔

"حمود کی جان!

ہو گئی نا حیران

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ تمہیں گفٹ دوں تو کیسا دوں' اس لئے جب سے نماز کا پابند ہوا تو کچھ اسلامی کتب سے بھی لگاؤ ہو گیا ہے۔ ایک دن میں بک شاپ پر گیا وہاں مجھے یہ دونوں نظر آئیں تو جھٹ تمہارا خیال آیا اور لے لیا۔ مجھے پتہ ہے تم ابھی بہک سکتے میں ہو گی' تمہارا میں جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے' کیونکہ لاابالی بندے کو تم نے سدھار دیا ہے اور مجھے اتنا تو انعام ملے کہ میری بیوی مجھے مل جائے جبکہ جائز حقوق اور اختیارات رکھتا ہوں' اس کی تم بھی گواہ ہو لیکن تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں ابھی تک چھوا تک نہیں ہے۔

اس لئے ان دونوں کتب کا اچھی طرح مطالعہ کر لو تاکہ تمہیں بھی سمجھ آ جائے کہ میاں بیوی کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ کل صبح نو بجے تیار رہنا میں لینے آؤں گا اپنی بیوی کو۔

فقط صرف تمہارا حمود سالار"

منتہیٰ نے مسکرا کے پرچہ اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ اسے حمود کا یہ انداز سب سے جدا اور اچھا اور سب سے منفرد لگا تھا اتنے سارے لوگوں میں' اب تو زندگی اچھی لگنے لگی تھی۔

اس شخص پر اعتبار کرنے کو دل کرنے لگا تھا۔ جو سارے زمانے سے اس کیلئے ٹکر لینے کو تیار تھا۔ کچھ تو حق ادا اسے بھی کرنا تھا۔ اس نے نگاہ پھیر کے سوئی ہوئی تہذیب کو دیکھا اور دونوں کتابیں لے کر باہر لاؤنج میں آ گئی۔ اس نے جیسے ہی بہشتی زیور کھولا اس میں پھر پرچہ تھا۔

"پڑھ ضرور لینا"۔

وہ رات اس نے واقعی دونوں کتابوں کو پڑھا' پوری تو نہیں جو بھی پڑھنا تھا وہ پڑھا تھا۔

"ارے منتہیٰ! بیٹا تم ادھر کیوں سو گئی تھیں رات"۔ مبینہ نے اسے سات بجے کے قریب اٹھایا تھا' وہ ہڑبڑا کے اٹھ گئی۔

"خالہ جان! فجر کی نماز نکل گئی میری"۔

"میں نے تمہیں دو تین بار اٹھایا تھا مگر لگتا تھا تم پڑھتی رہی ہو اس لئے تم گہری نیند میں تھیں' نہیں اٹھا جا رہا تھا تم سے"۔

"جی وہ......" ٹیبل پر دونوں کتابوں کو دیکھا تو جھینپ سی گئی۔ کتابیں اٹھائیں اور کمرے میں آ گئی' حکمت اور فروا اسکول جانے کیلئے تیار ہی تھے' تہذیب بھی اٹھ گئی تھی۔

جلدی جلدی گھر کے تمام کام نمٹائے کیونکہ حمود نو بجے آ جائے گا' وقت کا وہ بہت پابند تھا۔

منتہیٰ کو آج دلی خوشی ہو رہی تھی کہ حمود اس حد تک اسے چاہتا ہے اب اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ اسے ہر وہ خوشی دے گی جس کا وہ متمنی ہے۔ غسل کیا' مسٹرڈ دھاگوں کی ملٹی کڑھائی کا لباس زیب تن کیا' دراز بالوں میں جلدی جلدی

برش چلانے لگی' تہذیب حیرانگی سے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی جو کھل کے گلاب لگ رہا تھا۔

''میری دعا ہے آپ ہمیشہ اسی طرح ہنستی مسکراتی رہیں''۔ تہذیب نے دل کی گہرائیوں سے اسے دعا دی۔ منتہیٰ نے جھینپ کر اسے دیکھا' برش ٹیبل پر رکھا' بالوں میں اس نے بل ڈالے اور چوٹی پشت پر کی۔

''میری دعا ہے اللہ تعالیٰ سے تم بھی فائق کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو''۔ تہذیب نے لب بھینچ لئے' فائق کے نام پر اسے غصہ آتا تھا مگر منتہیٰ نے اسے اتنا سمجھایا تھا جب ہی وہ خاموش ہوگئی تھی۔

''آپ کی تیاری پوری ہوگئی؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''ہوں تقریباً''۔ منتہیٰ کا دل بھی آج نئے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پیروں میں پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ بیگ تیار کر کے صحن میں تخت پر رکھ دیا۔

''خالہ جان! کیا یہ سب ٹھیک ہو رہا ہے؟'' اس نے شرم وحیا سے جھجک کے پوچھا۔

''جو اللہ نے لکھا ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہی ہوتا جائے گا' اللہ کی رسی کو تم مضبوطی سے تھامے رہو''۔ مبینہ نے اس کے ماتھے پر پیار کر کے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔ وہ جھینپ کے ان کے گلے سے لگ گئی' بالکل ماں کی طرح اس کا خیال رکھا تھا' وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی۔

☆

''وشہ کو فون کیا' آ کیوں نہیں رہی ہے وہ یہاں''۔ سمیرا بیگم کو وشہ کا خیال بہت دنوں سے آ رہا تھا پھر انہوں نے جب سے سنا تھا وہ دوسرے حال سے ہے تو اور زیادہ فکر مند ہوگئی تھیں۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کہہ رہی تھی کہ ماٸز آنے نہیں دے رہا ہے''۔ عنایہ نے عام سے لہجے میں بتایا کیونکہ وشہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس معاملے میں بہت وشہ کی کیئر کر رہا تھا' چاہتا تھا اپنی نظروں کے سامنے رکھے۔

''دکھا دی ناں اس نے اپنی ہٹ دھرمی''۔ سمیرا بیگم کی سوچ فوراً ہی منفی رُخ پر چلی گئی۔ عنایہ نے دکھ و تاسف سے انہیں دیکھا جو جانے کیوں اچھا سوچنا ہی نہیں چاہتی تھیں' وہ اٹھ کر ان کے ساتھ والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

ناشتہ سے دونوں فارغ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں' عنایہ' ماسی سے لاؤنج کی جھاڑو لگوا رہی تھی جبکہ سمیرا بیگم لاؤنج میں بیٹھی کسی سے فون پر بات کر کے ہٹی ہی تھیں کہ انہیں وشہ کا خیال آ گیا۔

''امی! ایسی بات نہیں ہے' وہ وشہ بتا رہی تھی کہ ماٸز اس کا بہت خیال رکھ رہا ہے' کہتا ہے کہ جب تک اس کنڈیشن میں ہو یہاں رہو''۔ اسے بولتے ہوئے شرم تو آ رہی تھی مگر اپنی ماں کو سمجھانے اور تسلی دینے کے لئے یہ سب بولنا ضروری تھا۔

''اور سب گھر والے خیال نہیں رکھ رہے ہیں اس کا؟'' انہوں نے نگاہ چرا کے پوچھا۔

''اور سب تو کہہ رہی ہے بہت زیادہ رکھ رہے ہیں''۔ وہ خوش ہو کر بتانے لگی۔

''محریب کیوں یہاں نہیں آتا ہے؟'' دوسرا سوال داغا۔

''جی وہ شاید بزی رہتے ہیں اس لئے نہیں آتے ہیں''۔

''تمہارے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟'' وہ اپنے دل کی تسلی کرنا چاہ رہی تھیں' ان کی بیٹیوں کو کتنا سب نے خوش رکھا ہوا ہے۔

''میرے ساتھ بھی سب کا بہت اچھا رویہ ہے''۔ وہ متحیر رہ گئی کہ آج اس کی ماں نے پہلی بار بالکل ماؤں کی طرح پوچھا تھا۔

''محریب ٹھیک سے تو بات کرتا ہے تم سے؟'' وہ اچھی طرح اپنے دل کی تسلی کرنا چاہ رہی تھیں۔

''جی..... وہ بھی بہت اچھے طریقے سے بات کرتے ہیں''۔ اسے محریب کے ذکر پر کچھ حیا سی آئی۔

''خیر تم آج وشہ کو فون کر کے کچھ دنوں کیلئے یہاں بلا لو''۔ وہ نگاہ چرا کے کہتی ہوئی اپنا بیگ اٹھا کر جانے لگیں۔ عنایہ کو اپنی سماعتوں اور بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا' اس کی امی یوں بھی ان سب کیلئے فکر مند ہو سکتی ہیں' وہ تو جتنے شکرانے ادا کرتی کم تھے۔ اسے اوپر والے پر پورا یقین تھا ایک دن اس کی ماں کو ضرور سب کا خیال آئے گا' عنایہ نے خوشی سے آنکھوں میں نمی لیے لب بھینچ لیے۔ وشہ کو فون کر کے وہ چیئر پر بیٹھی ہی تھی کہ معارج ناشتے کیلئے آ گیا' وہ آج کل کچھ دیر سے یونیورسٹی جا رہا تھا۔

''آپی! ناشتہ دے دیں مجھے جلدی نکلنا ہے''۔

''معارج! میں نے تمہارا ناشتہ ٹیبل پر رکھ دیا ہے''۔ سمیرا بیگم کی آواز عقب سے آئی۔

عنایہ' معارج دونوں ہی چونک گئے کیونکہ سمیرا بیگم کا انداز نارمل تھا' بیگ ان کا ابھی بھی ہاتھ میں تھا' اس کا مطلب تھا وہ پہلے ہی کچن میں گئی تھیں' آج تو انہونیاں ہی ہو رہی تھیں۔

''امی! آپ نے میرے لئے ناشتہ بنایا ہے؟'' معارج نے اتنی حیرانگی اور معصومیت سے پوچھا کہ سمیرا بیگم خجل سی ہو کر جز بز ہو گئیں۔

''کیوں مجھے تم لوگوں نے کیا سمجھا ہوا تھا' مجھے تم سب کی ذرا فکر نہیں ہے' ارے ماں ہوں میں تمہاری''۔ وہ جتاتے ہوئے کچھ کانپتی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں۔ معارج نے فوراً بے ساختہ ان کے ہاتھ چوم لئے' عنایہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''آپ ماں ہیں جب ہی تو ہمیں آپ کی توجہ کی ضرورت ہے''۔ سمیرا بیگم اتنی خفیف سی ہو رہی تھیں کہ وہ اپنے بچوں سے آنکھ ملاتے ہوئے بھی شرمندہ تھیں۔

کتنے عرصے سے وہ اپنے بچوں سے بھی دور تھیں۔ سب کو اپنے سرد اور اکھڑ رویہ کی وجہ سے دور کر دیا تھا۔ سسرال والے بُرے تو نہیں تھے' ساس نے انہیں آنکھوں پر بٹھا کر رکھا تھا انہوں نے پھر کیوں اتنے خلوص و پیار کی قدر نہ کی کیونکہ اپنے غرور اور طنطنے سے سب کو دور کر دیا تھا' آج کیا تھا سب ایک جگہ اور وہ کتنی دور اور اکیلی تھیں' معارج کے سر پر انہوں نے ہاتھ رکھا تھا۔

☆

وہ اپنی بے ترتیب دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی اس کی ہمراہی میں چلتی جا رہی تھی' حمود نے اس کا ہاتھ بڑے پیار اور محبت سے اپنے مضبوط ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے وجود سے مخصوص کلون کی مہک ناک کے نتھنوں میں گھس رہی تھی' جو منتہیٰ پر بھی سرور سا طاری کر رہی تھی۔ چوڑی پشت' بھوری آنکھوں میں ذہانت' محبت اور پیار و جذبات ہاتھوں میں اپنائیت کی اتنی گرمی تھی کہ اس نے کسمسا کے ہاتھ چھڑانا چاہا' حمود نے اپنے بائیں طرف نگاہ کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے معنی خیزی سے سرنفی میں ہلایا۔

''ڈر لگ رہا ہے یا شرم آ رہی ہے مجھ سے؟'' کان میں سرگوشی کی' منتہیٰ نے جھینپ کے سر جھکا لیا۔

سیڑھیاں عبور کر کے اپنے بیڈ روم کا ہینڈل گھما کے دروازہ کھولا' وہاں کا خوابناک اور استار و مینٹک ماحول دیکھ کر تو وہ اور بھی لرزنے لگی' دل کی دھڑکنوں نے اتنا شور سا مچایا کہ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگے' بیڈ کو اصلی پھولوں سے سجایا تھا' گلاس وال پر دبیز پردے پڑے تھے' بیڈ روم میں فانوس کی روشنی تھی' سائیڈ پر اسٹائلش سا صوفہ سیٹ اس پر

کشنز والا نو وال کارپٹ پر اس کے پاؤں ایسے رکھے تھے کہ جیسے وہ پھولوں پر کھڑی ہو۔

''محمود کی جان' کیا ہوا یار! آنکھیں کھولو تو دیکھو تمہارا بیڈ روم کتنا خوبصورتی سے میں نے اپنے ہاتھوں سے سجایا ہے''۔ اس نے منتہٰی کو بیڈ پر بٹھایا۔

''وہ آپ نے اتنا کچھ..... اگر کوئی آ گیا تو؟'' اس کے اندر تو ڈر اپنے پھن پھیلائے بیٹھے تھے' خوش ہوتے ہوئے بھی اسے ڈر لگ رہا تھا۔

''آج پورے گھر میں کوئی بھی نہیں ہے' سارے ملازموں کو میں نے چھٹی دے دی ہے' شہزاد ہے صرف اور اس کی بیوی' وہ بھی اپنے کوارٹر میں ہیں''۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کے اسے ریلیکس کرنے لگا' دونوں ہاتھوں کو محبت سے دبایا۔

''راحمہ بھی تو آنے کی اسکول سے''۔ اسے اے سی کی کولنگ میں بھی شرم و گھبراہٹ سے پسینے آنے لگے۔

''جب تو شاید ہم تم ہوش میں آ چکے ہوں گے''۔ لہجہ میں معنی خیزی ترنگ اور خمار سب ہی تھا' اس نے شرمگیں نگاہ اٹھائی' محمود کے لب مسکرانے لگے۔

''سب کی فکر ہیں' اس ماحول کی اس کے تقاضوں کی فکر نہیں ہے''۔ اس کی نگاہ پھر جھک گئی' آج اس کی ساری فلاسفی بھی اس کے سامنے فیل ہی تھی اور نہ ہی وہ کچھ بول رہی تھی۔

محمود نے اسے خود سے قریب کر لیا' آج کے دن کا اس نے کتنا انتظار کیا تھا' وہ منتہٰی سے محبت کرنے لگا تھا' اس کے بغیر رہنے کا وہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا' پہلے وہ محبت کو نہیں مانتا تھا' کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں حالانکہ ممتنی کی کھلی محبت سے تو آشنا ہی چڑ ہوتی تھی مگر جب اسے کسی سے محبت ہوئی تو سب کچھ اتنا اچھا لگنے لگا تھا کہ ہر چیز ہی اسے پیاری لگتی۔

''ذرا الٹھو فوراً وارڈ روب کا رائٹ ڈور کھولو جا کر''۔ اس نے دراز ہو کر اسے خود سے الگ کر کے لیفٹ سائیڈ پہ وارڈ روب کی سمت اشارہ کیا' منتہٰی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی جیسے وہ سمجھ نہیں پا رہی ہو۔

''ارے جاؤ ناں' کیوں دیر کر رہی ہو''۔ وہ مسکرا کے پھر بولا۔

منتہٰی کب اتنی بے تکلف تھی کہ اس کے بیڈ روم میں یوں ہر چیز کو ہاتھ لگاتی۔ چلتی ہوئی جھجکتی ہوئی وارڈ روب کی چابی کو گھما کے کھولا تو دیکھا آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''ارے دیکھ کیا رہی ہو' نکالو فوراً' آزاد ہو اس لباس سے''۔ محمود نے پیچھے سے آ کر حصار باندھ لیا' وہ تو اچھل ہی گئی۔ پنک نرم ملائم سی نائٹی کو نکال کے اس کی نگاہوں کے سامنے کیا' مارے حیا کے وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔

''جلدی کرو کتنا سوچو گی''۔ اس کے رخسار پر لب رکھ دیئے' وہ کسمسا کے پیچھے ہونے لگی۔

''میں نہیں ہوں اس قابل' نہیں کریں مجھ سے اتنا پیار''۔ وہ محمود کی بے باک محبت پہ ڈر رہی تھی' کہیں یہ خواب تو نہیں ہے۔

''تم پھر شروع ہو گئیں' کل کا تو دیکھا تھا''۔ غصہ میں طنز کرنے لگا۔

''آپ یہ بھی تو سوچئے کہ اگر بابا' پھر وہ ممی.....''

''تم کہنا ایسے نہیں مانو گی''۔ محمود نے ہینگر سے نائٹی نکال کے اسے تھمائی اور باتھ روم میں دھکیلا۔

''اگر اب بھی نہیں مانی تو تم سوچ لو جب باتھ روم میں دھکا دے سکتا ہوں اس کے بعد.....؟'' آنکھوں میں شرارت معنی خیزی لئے آگے بڑھا' منتہٰی نے گھبرا کے دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔

✧ ☆ ✧

وہ تیار ہو کر نیچے آیا۔ محریب سے تو اس نے محمود کے آفس میں کام کرنے کا پوچھ ہی لیا تھا پھر اسے بھی کون سا مستقل وہاں کام کرنا تھا' صرف تجربہ چاہتا تھا۔ مسٹرڈ پینٹ پر بلیک شرٹ میں ملبوس وہ نک سک سے تیار ہو کر نکلا تھا۔ کل رات ہی تو اسے بتایا گیا تھا کہ تین چار ماہ میں اس کی شادی سیٹ کر دی گئی ہے۔

وہ لمبی روش پر آیا۔ تہذیب کاسنی کپڑوں میں لان میں کین کی چیئر پر بیٹھی سوچ میں مستغرق تھی۔ فائق نے اس دن کے بعد سے مخاطب تو کیا دیکھنا تک چھوڑا ہوا تھا مگر جب سے یہ دشمن جاں سے بندھن بندھنے والا تھا وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے قریب چلا آیا۔ تہذیب نے سائے کو دیکھا اور نگاہ جو اٹھائی تو ناگواریت طاری ہو گئی' فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھو کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے بازو پکڑ کے واپس چیئر پر بٹھا دیا۔

''اور کیا کسر رہ گئی ہے''۔ اس نے فائق کے ہاتھوں سے کراہت محسوس کر کے نخوت سے منہ پھیر لیا۔ فائق کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا' آواز بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی' لب کچلتی ہوئی اتنی معصوم لگ رہی تھی' وہ وارفتگی سے دیکھنے لگا۔

''کیسی ہو؟''

''یہ جان سے مار کے پوچھنے کی ادا آپ کی نرالی ہے فائق احمد!'' وہ چیخی۔ ابھی تک بھی اس پر اپنا غصہ نہیں نکال پائی تھی۔ وہ خجل سا ہو گیا' نگاہ کو اس پر جمائے رکھا۔

''میرا وہ فعل کوئی غلط نہیں ہے نہ میرے ارادے غلط تھے''۔ صفائی میں بولنے کیلئے الفاظ تک نہیں مل رہے تھے۔

''آپ کو میں نے شروع سے ایسے ہی دیکھا ہے' میں آپ کی ناپسندیدہ تھی' آپ کو مجھ سے خوامخواہ کا بیر تھا' بدلا بہت اچھا لیا ہے''۔

''تہذیب پلیز! ایسا الزام مت لگاؤ' تم میرے لئے کبھی ناپسندیدہ رہی ہی نہیں ہو''۔ اس نے تڑپ کے یقین دلایا۔

''تھی میں ناپسندیدہ' یہ جو آپ نے مجھ سے رشتہ جوڑ کے احسان کیا ہے فائق صاحب! یاد رکھئے گا مجھے آپ سے ساری زندگی نفرت رہے گی''۔ اس کے لہجے میں آگ کی تلخی تھی۔

وہ ندامت میں گھرا تھا' اسے کیا پتہ تھا اچھا کرنے کے چکر میں اس کے خود کے ساتھ ہی برا ہو گا۔ اس ہستی سے محبت تھی' اس کی سادگی سے' اس کی خود اعتمادی سے' اس کی نسوانیت سے' اس کی انا سے' کبھی بھی وہ اس کی راہ میں اور لڑکیوں کی طرح رجھانے نہیں آئی تھی۔

''تہذیب! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں''۔

''کک..... کیا؟'' تہذیب بیٹھے سے کھڑی ہو گئی کیونکہ ایسی غیر متوقع بات' فائق جیسے ریزرو بندے سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

''یقین کرو تہذیب! تم میرے دل میں آہستہ آہستہ آ گئی ہو' تم سے ہی میں نے محبت کرنا سیکھا ہے''۔

''جھوٹ بول کے اپنی غلطیوں پر پردہ مت ڈالیں' جو شخص شروع سے مجھے بُرا بھلا کہتا ہو اس کی مجھے کسی بات پر یقین نہیں ہے''۔ وہ اسے دھکا دیتی ہوئی جانے لگی مگر فائق نے اپنی مضبوط گرفت میں اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹ کے خود سے قریب کر لیا۔

"اکڑ کیوں رہی ہو؟ کیا بچا ہے تمہارے پاس' بولو...... کچھ بھی تو نہیں بچا ہے پھر بھی مجھے آنکھیں دکھا رہی ہو۔ ارے شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کا اور احسان مانو جو تمہیں عزت کے ساتھ لے جانے والا مل گیا"۔ فائق اپنی ٹون میں واپس آ گیا کیونکہ جب اس نے تہذیب کی باتوں اور رویوں کو اچھی طرح جانچ لیا تو جان گیا کہ گھی ٹیڑھی انگلی کر کے نکالنا پڑے گا۔ تہذیب وحشت زدہ سی اس کی گلاسز سے جھانکتی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی' وجود ساکت ہو گیا فائق کی ایسی باتیں۔

"تم ہو ہی نہیں اس لائق کہ تم سے محبت کی جائے"۔

"مجھے پتہ تھا آپ کی نیت ہی ٹھیک نہیں تھی"۔ وہ تو شدت غم سے حلق کے بل چیخی تھی۔ وہ تو شکر تھا لان میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

"اب تو پتہ چل گیا میری نیت کا' باقی نیت کا شادی کے بعد پتہ چل جائے گا"۔ آنکھوں میں شعلوں کی لپک لئے اسے جھٹکے سے چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔

تہذیب لب بھینچ کے اندر کے غبار کو روکنے لگی مگر آنسو نکلے جا رہے تھے۔ فائق اُسے ساری زندگی یہی طعنہ دے گا' وہ کیسے برداشت کر سکے گی' اس ظالم انسان سے اس نے چپکے چپکے محبت کی تھی اور وہ کیا کچھ کہہ گیا تھا۔

☆

وہ آج بہت خوش تھی۔ سمیرا بیگم کے مزاج میں تبدیلی جو آ گئی تھی۔ وشہ کو سب سے پہلے یہ خبر دی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کے وہ لیٹی ہی تھی' پورے گھر میں ٹیلی فون کی گھنٹی کا شور ہونے لگا' عنایہ نے ٹائم دیکھا پونے بارہ بج رہے تھے' چونک گئی۔ سب ہی کمروں میں تھے' وہ روم سے نکلی اور فوراً ہی لاؤنج میں رکھا فون اٹھا لیا۔

"ہیلو......"

"عنایہ! میں محریب بات کر رہا ہوں"۔ وہ شاید کچھ گھبرایا ہوا تھا۔

"آپ......" اس کی گھمبیر آواز سن کے حیران رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" اتنا نرم لہجہ اور دوستانہ انداز' اس پر تو شادی مرگ طاری ہو گئی۔

"ٹھیک ہوں اور آپ سب کیسے ہیں؟" مہین سی آواز میں آہستگی سے گویا ہوئی۔

"سب کا پوچھا ہے تو ٹھیک ہیں۔ دادی جان کی طبیعت تو تمہیں پتہ ہے چلتی ہی رہتی ہے"۔ وہ بتانے لگا۔ عنایہ کی اس لیے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے کیا بات کرے کیونکہ وہ خاموش ہو گیا تھا' گویا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"آگے بھی کچھ بولو"۔ وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ گویا ہوا۔

"فون تو آپ نے کیا ہے بولنے کا حق آپ رکھتے ہیں"۔

"ہوں...... حق"۔ اس نے "ہوں" کو لمبا کھینچا تھا۔

"میری خیریت تو پوچھی ہی نہیں"۔ وہ اسے تنگ کرنے کو بولا۔

"میں نے آپ کی بھی پوچھی تھی"۔ وہ سمجھ گئی محریب نے اس سے یونہی بات کرنے کے لئے کال کی ہے۔

"میں بھی الحمدللہ ٹھیک ہوں"۔

وہ پھر خاموش ہو گئی' کبھی لبوں کو بھینچ لیتی تو کبھی بولنے کیلئے لب وا کرتی مگر پھر سکیڑ لیتی۔

"کیا کر رہی تھیں؟" اس نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"ابھی عشاء کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی"۔

"میرے لئے دعا کرتی ہو؟" وہ آج لگتا تھا فارغ تھا اور موڈ میں بھی تھا۔

"جی"۔ اتنا بولی۔

"مثلاً کیا کرتی ہو؟" بات کو وہ طول دینے لگا۔

"دعائیں بتانے والی نہیں ہوتی ہیں مگر اچھی دعا ہی کرتی ہوں"۔

"اچھی دعا تو اچھے لوگوں کیلئے کی جاتی ہے' میں تو اپنے آپ کو وہ بھی تمہارے معاملے میں اچھا نہیں سمجھتا"۔

"آپ کو کیا پتہ آپ اچھے ہیں یا نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہوتا ہے اور پھر مجھے آپ کبھی برے نہیں لگے"۔ شرم و حیا کے حصار میں یہ کہنا اسے اچھا لگا تھا۔

"سوچ لو کبھی برا بن گیا جیسے پچھلے دنوں میرا رویہ رہا ہے اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں بولو گی"۔ وہ پھر حظ اٹھانے لگا کہ شاید اب وہ کچھ بولے' اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دے۔

"کہتے ہیں جو اپنی چیز ہوتی ہے اسی پر ہی اپنا حق اور اختیار رکھ کر اپنی بات منوا سکتے ہیں"۔ اس نے اتنی گہری بات کی اور خاموش ہو گئی۔

"تم مانتی ہو میری چیز ہو"۔ وہ معنی خیزی اور شرارت سے بولنے لگا۔

"کیوں اس میں شک کی گنجائش ہے"۔

"مجھے تو کوئی شک نہیں ہے مگر لگتا ہے تم مجھ پر شک کرتی ہو"۔

"جی...... ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ جھٹ اس کی نفی کی۔

"میرے کہنے کا مقصد ہے کہ تمہیں شاید مجھ پر یہ شک رہتا ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا"۔

"میرے خیال میں سونا چاہیے' کافی دیر ہو گئی ہے"۔ اس نے محریب کی بات کاٹی۔ محریب کی ہنسی نے اسے پزل کر دیا' وہ خفیف سی ہو گئی' اتنی صاف گفتگو کر رہا تھا اس کی سماعتیں یقین نہیں کر رہی تھیں۔

"نیند آ رہی ہے یا میری باتوں سے اکتانے لگیں؟" طنز کیا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' میں تو اس لئے کہہ رہی تھی آپ جلدی سوتے ہیں ناں پھر ٹائم کافی ہو گیا ہے"۔ اس نے خود ہی بات بنائی۔

"ہاں...... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو"۔ وہ پھر ہنسا۔

"کل حسنہ پھپھو کے گھر آ سکتی ہو؟" اس نے ایک دم ہی کہہ دیا۔

"کل......" وہ گڑبڑائی۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں' ایک پرابلم پھر آ گئی ہے"۔ لہجہ مدھم تھا۔

"خیریت تو ہے' کیا پرابلم ہے؟" وہ سن کے پریشان ہو گئی۔

"بات لمبی ہے۔ کل تم شام 6 بجے تک آ جانا احمد بھی ہو گا مل کے وہ پرابلم حل کریں گے"۔

"پھر بھی بتائیے تو ہوا کیا ہے؟ فائق اور تہذیب کا مسئلہ ہے؟"

"ارے نہیں ان کا تو معاملہ سیٹ ہے وہ حمود کے گھر فساد ہو گیا ہے"۔ محریب نے اس کے پریشان ہونے پر اتنا ہی بتایا۔

"ہوا کیا ہے' حمود بھائی کے گھر والوں کو خبر ہو گئی شادی کی"۔ وہ بولی۔

"ہاں سب خبر ہو گئی ہے"۔ وہ بتانے لگا۔

''آپ مجھے ابھی بتائیے''۔ عنایہ کو تو بے چینی ہوگئی کیونکہ منتہیٰ کی بھی فکر ہونے لگی، وہ پہلے ہی حالات کا سوچ کر پریشان تھی۔

''کل تم وہاں آؤ گی تو سب بتا دوں گا''۔ محریب کو بھی کچھ جھجک آنے لگی بتانے میں کیونکہ اسے ساری پوزیشن بتانا پڑے گی، حمود منتہیٰ کو گھر لے گیا تھا۔

''بس اتنا بتا سکتا ہوں حمود جذبات میں آ گیا تھا اور وہ سب ہو گیا جو ہونا تو تھا مگر ہونا نہیں چاہیے تھا''۔

''کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے''۔ وہ نا سمجھی سے گویا ہوئی۔

''تم کل آؤ گی تو تمہیں شاہین بھابی بتا دیں گی، میری بہ نسبت وہ سمجھا کے بتا دیں گی خواہ مخواہ تم پھر گھبرا رہی ہو گی''۔ محریب معنی خیز ہلکی سی ہنسی سے گویا ہوا۔

''جیسے میں سمجھ گئی ہوں''۔ عنایہ اس کی کہی ہوئی بات کا مفہوم سمجھ گئی اتنی نا سمجھ بھی نہیں تھی۔

''گڈ...... یعنی آدھی مبہم سی بات سے سمجھ گئیں''۔ وہ ہنسا۔

''میں اب رکھ رہی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے''۔ اسے شرم سی آنے لگی۔ کیونکہ جو بات بتانے میں محریب کو جھجک رہی تھی وہ سمجھ گئی تھی۔

''مبہم سی بات سن کے تم تو گھبرا گئیں''۔ اسے مزا آنے لگا اس کی کیفیت پر۔

''سوچ رہا ہوں کہ وہ مبہم سی بات تمہارے ساتھ...... ''ابھی محریب کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا اس نے سٹپٹا کے ریسیور رکھ دیا۔ لبوں پر زبان پھیری، سوچ کے ہی دل دھک دھک کرنے لگا، پسینے آنے لگے۔ دوبارہ فون بجا، وہ چونکی کیونکہ سی ایل آئی پر محریب کے ہی سیل کا نمبر تھا۔

''آپ سو جائیں مجھے بھی نیند آ رہی ہے، میں کل آ جاؤں گی آپ فکر نہیں کریں''۔ یہ کہہ کر اس نے اطمینان دلایا، محریب بھی سمجھ گیا کہ وہ اس تاثم شرم وحیا کے حصار میں ہے، بولنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

☆

ہشام سالار نے اسے گھر سے قدم ہی نکالنے نہیں دیا تھا، وہ دم سادھے اتنی شرمندہ اور خود کو مجرم سمجھ رہی تھی مگر کلثوم بانو اسے تسلیاں دے رہی تھیں، اس کا ماتھا چومے جا رہی تھیں، وہ بخار میں پھنک رہی تھی، گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی، حمود اتنا مضمحل فکر مند اس کیلئے تھا کہ بابا نے اسے ملنے تو کیا دیکھنے تک کی پابندی لگا دی تھی۔

''بابا! آپ کی لڑائی مجھ سے ہے، اس میں منتہیٰ کا کیا قصور ہے''۔ وہ اتنا دکھی افسردہ مغموم سا اپنی اتری صورت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم نے اتنی بڑی بات ہم سے چھپائی، کیا سمجھا تھا تم نے اپنے باپ کو کہ اسے بہلا کے منا لو گے''۔

''میں آپ کو مناسب موقع ملتے ہی بتانے والا تھا''۔ وہ پریشان کن لہجے میں ان کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا مگر بولنے میں اس کے ابھی بھی کمی نہیں آئی تھی، ہشام سالار نے اپنی خشمگیں فہمائشی نگاہوں سے اسے گھورا۔

''تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہیں اسے دیکھنے تک نہیں دیا جائے گا، سال ہونے والا ہے شادی کو ارے تو جب باپ بن جاتا مجھے تب بتاتا کہ شادی کر لی ہے''۔ ان کا تو شدت غم اور دکھ سے برا حال تھا حمود پر اس لئے اتنا غصہ تھا کہ اتنی بڑی بات اس نے اتنی آسانی سے چھپائی۔ حمود جھینپ کے لب بھینچنے لگا، جب وہ غصے میں آتے تھے سب رشتے بھول جاتے تھے۔

''آپ نے منتہیٰ کو کیوں قید رکھا ہوا ہے اسے گھر جانے دیں''۔ اسے تو منتہیٰ کی فکر تھی جو بیمار ٹوٹ جانے پر اس کی

اور خوف سے بخار میں مبتلا ہوئی کہ اسے کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔

''اس گھر کی وہ بہو ہے اور ہم پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، یہ مت بھولو اپنی عزت کو یوں دوسروں کے گھروں میں نہیں چھوڑا کرتے''۔ انہوں نے ایک ایک لفظ جوڑ کے طنز میں گویا اسے جتایا۔

حمود اور بھی شرمندگی سے نگاہیں جھکا کے رہ گیا، اس نے بھی تو صرف بابا کے ڈر کی وجہ سے منتہیٰ کو اپنے سے دور کیا ہوا تھا۔

''میری آنکھوں کے سامنے یہ سب تماشا ہوتا رہا، وہ یہاں رامین کو پڑھانے آتی تھی میں پھر بھی نہیں سمجھا کہ وہ...''

''بس بابا! آپ منتہیٰ کو ایک لفظ نہیں بولیں گے، وہ بہت پاک صاف لڑکی ہے اور ہمارے ہی قبیلے سے تعلق ہے بہت بولنے''۔ ان کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

''چپ کرو تم''۔ انہوں نے ڈانٹ دیا۔

''میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ، تم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے بعد جو طوفان آئے گا تمہیں اس کی پرواہ ہوتی تو کرنے سے پہلے سوچتے بھی''۔

''شادی کی، کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اپنی پسند سے کی ہے اس پر بھی گناہ نہیں ہے، اسلام میں یہ سب جائز ہے اور کسی لڑکی کو عزت دینا گناہ ہے کیا؟'' وہ بھی بھنا ہی گیا۔

''مجھے بتاؤ گے اسلام کے تقاضوں کو، ارے تم کتنا جانتے ہو اسلام کے بارے میں؟'' وہ اس پر نکتہ اعتراض اٹھانے لگے جبکہ وہ جانتے تھے کئی مہینوں سے وہ ساری نمازیں ادا کرنے لگا تھا، صبح فجر میں کلام پاک کی تلاوت بھی کرتا تھا، یہ سب وہ خود تو نہیں بتاتا تھا کلثوم بانو بتاتی رہتی تھیں، انہیں سن کے خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوتی تھی۔

''بابا! میں کچھ نہیں جانتا مگر اتنا تو جانتا ہوں ہم مسلمان ہیں''۔ وہ کھسیا گیا۔

''تمہیں پتہ ہے نیاز علی سے میں کیسے سامنا کروں گا اور وہ تمنی...... سو چو وہ جنونی لڑکی ہے جان سے مار دے گی تمہیں''۔

''مجھے کسی کی نہیں پرواہ''۔ وہ نڈر انداز میں بولا اور اسے نتائج کی ذرا پرواہ نہیں تھی کچھ بھی ہو۔

''ویسے بھی یہ ایک...... ہونا تھا، ختم کریں آپ ان سے ساری پارٹنرشپ''۔ اسے تو ویسے بھی موقع ملنا چاہیے تھا نیاز علی سے سارے رابطے توڑنے کا۔

''بہت آسان سمجھ لیا ہے ناں''۔ وہ چیخے۔

''پھر آپ ہی بتائیے مسئلے کا حل کیا ہے؟'' وہ بیزاری اور اکتاہٹ سے بولا۔

''تمنی سے شادی کرنی ہوگی، میں نے حل بتایا ہے''۔

''بابا! آپ ناممکن بات کر رہے ہیں، مر جائے گی منتہیٰ اگر میں نے ایسا کچھ کیا تو''۔ وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا، دونوں آمنے سامنے بیٹھے بحث اور لڑنے میں لگے ہوئے تھے۔

''میں نے منتہیٰ کو چھوڑنے کو تو نہیں کہا، تمہاری بیوی رہے گی وہ، تمہیں اس کے پاس آنے جانے کی کوئی پابندی نہیں ہوگی''۔ انہوں نے پہلو بدلا۔

''یہ میں بالکل نہیں کروں گا''۔ وہ پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔ کلثوم بانو تاسف بھری نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

(جاری ہے)

☆

حمود نے اسے سارا کام سمجھا دیا تھا۔ دوسرے دن سے ہی اس نے آفس جانا شروع کر دیا تھا' اس دن سے حمود آفس ہی نہیں آ رہا تھا' اس پر ساری ذمہ داری تھی جس دن وہ بات کرنے گھر آیا تھا ایک ہنگامہ تھا کیونکہ ہشام سالار اچانک ہی اس دن کوئٹہ سے آ گئے تھے' وہ پھر زیادہ بیٹھا بھی نہیں تھا۔ دوسرا دن تھا اس کا آفس میں' کمپیوٹر کے آگے مسلسل بیٹھنے سے اس کی آنکھیں دکھنے لگی تھیں گردن میں بھی درد محسوس ہونے لگا تھا اس پر تہذیب کا رویہ اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔

''ارے ناظمہ! کب سے فائق آیا ہوا ہے تم نے دیکھا تک نہیں''۔ تائی امی کی نگاہ ہال کرے میں اسی جہاں وہ سوچوں میں گم صم کاؤچ پر دراز تھا' اس نے اب تو FM بھی چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس طرف سے دل ہی بالکل ہٹ گیا تھا۔

''ارے بھابی! میں اماں جی کے پاس بیٹھ گئی تھی''۔ وہ بھی حیران تھیں کہ فائق کا انہیں بھی پتہ نہیں چلا۔

''فائق! چائے وغیرہ لاؤں؟''۔ اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کے پوچھا۔

''آں ہاں..... وہ نہیں آفس میں دوبار پی لی ہے اب دل نہیں کر رہا''۔ وہ کچھ سستی فیل کر رہا تھا کیونکہ مسلسل صبح نو بجے سے وہ کام ہی کرتا رہا تھا' تھکن اور سستی تو لازمی ہونی تھی۔

پھر جب اعصاب تھکے ہوئے ہوں ذہن و دل الجھا ہوا ہو تو کہاں کسی سے بات کرنے کو دل کرتا ہے' اس احساس کو کچھ لگاتار رہتا ہے۔

''آج میں جلدی آ گیا آفس سے' حمود بھائی کو کہیں ضروری جانا تھا ورنہ تو چھ بجے سے پہلے آنا ناممکن تھا''۔ وہ بتانے لگا۔ ناظمہ کی تشکر زدہ نگاہیں فائق کے سراپے پر تھی جو اکثر کھویا کھویا سا رہنے لگا تھا یا پھر کمرے میں رہتا یا گھنٹوں خاموش ایک طرف بیٹھا رہتا۔

''بہت دن ہو گئے آپی رب نہیں آئی ہیں' عروب کو دیکھنے کو دل کر رہا ہے''۔ اسے ندرت کا خیال آیا تو پوچھا' پھر بھانجی سے محبت بھی بہت کرتا تھا۔ اس گھر میں صرف وہی بچی تھی جسے سارے ہی ہاتھوں ہاتھ رکھتے تھے' فائق کی تو گویا اس میں جان تھی۔

''وہاج اسلام آباد گیا ہوا تھا گھر میں پھر اس کی ساس کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' کہہ رہی تھی آئے گی کسی دن''۔ انہوں نے شکر ادا کیا فائق نے کچھ تو بات کی۔

''ان کی ساس فراج کی شادی کا کب تک کہہ رہی ہیں''۔ اسے یمنیٰ کی بھی فکر تھی کیونکہ چاہتا تھا اس کی بھی جتنی جلد ہو سکے شادی ہو جائے۔

''فراج کا تین ماہ بعد پھر چکر لگنے والا ہے پاکستان' کہہ رہی تھی ندرت تمہاری اور یمنیٰ کی شادی بھی ساتھ ہی نمٹا دی جائے تو ٹھیک ہے''۔

''آپ ابھی یمنیٰ کی فکر کریں میری چھوڑ دیجئے''۔ وہ اٹھ کر بیٹھا' تہذیب کا رویہ اسے اتنا دکھ دے رہا تھا کہ سوچ سوچ کے دماغ تھک گیا تھا' پتہ نہیں بعد میں وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے' ساری زندگی طنز و طعنے دیتی رہی تو کتنا مشکل ہو جائے گا۔ جبکہ وہ اس کے دل کے ایوانوں میں اپنی معصومیت و سادگی سمیت موجود تھی' وہ دل کی گہرائیوں سے محبت کرنے لگا تھا' وہ اسے پیار کرنا چاہتا تھا' اپنی محبتوں کے ہار پہنانا چاہتا تھا مگر اس کا ایسا اکھڑا انداز کب یقین کرے گی۔

''کیسے فکر چھوڑوں' مبینہ بھی پریشان ہے کیونکہ تہذیب بالکل ہی گم صم ہو کر رہ گئی ہے' ادھر تم ہو گئے ہو گم صم تم

دونوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں کسی کا قصور نہیں تھا''۔ وہ اسے گویا سمجھا رہی تھیں۔

مگر فائق کو وہ لمحے جب یاد آتے تو وجود جھٹکوں کی زد میں چلا جاتا' پسینہ پورے وجود پر آ جاتا' وہ سب لمحے کیسے آگ کی طرح گزرے تھے' وجود میں اس کے آنچل کی بچ جاتی تھی' وہ اسے ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا کہ کوئی اور اس کے سامنے اس کی محبت کا یوں حشر کرے۔

''تہذیب کو کچھ سنبھلنے تو دیں''۔ اس نے چونک کے کہا۔

''سب سنبھل جائے گی یہاں آ کر' بہت فکر مند ہے مبینہ' جہاں تہذیب کا رشتہ لگا تھا اتنی بری بری باتیں انہوں نے منسوب کی ہیں میں کیا بتاؤں''۔ وہ دکھ و تاسف سے بولیں۔ فائق کو اور شرمندگی ہوئی جبکہ جو کچھ بھی ہوا جان کے تو نہیں ہوا تھا۔

''تمہارے ابو اور تمہارے تایا ابو نے رضامندی دے دی ہے فراج کے آتے ہی تمہاری بھی شادی کرنی ہے''۔ انہوں نے حتمی فیصلہ سنایا' فائق آگے سے کیا بولتا جب اس نے سنا مبینہ آنٹی تنی پریشان ہیں پھر جتنا وقت گزرے گا وہ اور مسئلے بھی کھڑے کر سکتا ہے' یہی سوچ کے وہ کھڑا ہو گیا۔

☆

شاہین نے اسے جو کچھ بتایا وہ تو سن کے گنگ رہ گئی پھر محریب نے بھی تو مبہم انداز میں بتایا تھا وہ جب ہی تو اور فکر مند ہو گئی تھی۔

''بھابی! یہ تو بہت پریشان کن بات ہے''۔ وہ گہری سوچ میں غرق تھی۔

''حمود بھائی کو اس بات کی ٹینشن زیادہ ہو گی ان کے بابا منتہیٰ کو ان سے ملنے نہیں دے رہے ہیں''۔

''یہ تو زیادتی ہے''۔ عنائبہ نے تاسف سے کہا۔

''شادی بھی کہہ رہے ہیں خمسی سے کرو جبکہ منتہیٰ تو مر جائے گی حمود بھائی کی شادی کا سن کے''۔ شاہین ساتھ ریان کو تھپک تھپک کے سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ارے آ کر چائے وغیرہ تو بنا لو''۔ احمد اندر آیا۔ دونوں ہی چونک گئیں' عنائبہ نے پنک آنچل شانوں پہ سمیٹا۔

''یہ سو ہی نہیں رہا ہے''۔ شاہین نے ریان کو اٹھایا۔

''اسے امی کو دے دو تم دونوں کچھ تو بنا لو جا کر' محریب کے سر میں درد ہو رہا ہے''۔ وہ ریان کو گود میں لے کر باہر نکلا۔

''آج کل تمہارے اور محریب بھائی کے تعلقات ٹھیک جا رہے ہیں''۔ شاہین نے کچن میں آتے ہی چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔ عنائبہ نے جھینپ کے مسکراہٹ لئے اسے دیکھا' کاؤنٹر سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی تھی۔

''جی خود ہی صاحب کا موڈ کچھ ٹھیک ہو گیا ہے جب ہی مجھے یہاں آنے کو بھی کہا''۔ وہ شاہین کی کام میں مدد کرنے لگی۔

دونوں باتیں بھی کرتی رہی تھیں' چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سجا کے وہ ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں' محریب بڑے صوفے پر دراز تھا جبکہ حمود سنگل صوفے پر بیٹھا کافی بے زار لگ رہا تھا۔ عنائبہ نے نگاہ اٹھا کر دونوں کا جائزہ لیا تھا' محریب چائے دیکھ کر اٹھ کے بیٹھا' عنائبہ اور شاہین چائے ٹیبل پر لگانے لگی تھیں۔

''مبارک ہو تم دونوں کے بھی تعلقات بہت اچھے ہو گئے ہیں''۔ احمد ہمیشہ کی طرح اپنی شوخی سے باز نہیں آیا۔

تحریب اور عنایہ دونوں ہی جھینپ کے رہ گئے جبکہ حمود تو اتنا پریشان تھا وہ یہاں ہو کر یہاں موجود نہیں تھا' اسے تو منتہیٰ کی فکر تھی پیار بھی بابا اس کے پاس جانے تک نہیں دے رہے تھے۔

''تم بھی بولنے سے رک بھی جایا کرو۔'' تحریب نے جاتے جاتے کاسپ لیا۔

''کتنے اچھے لگ رہے ہو آج تم مسکراتے ہوئے''۔

تحریب نے اسے گھورا' عنایہ وہاں سے کھسک ہی گئی۔ شاہین زیان کو علینہ کو دے آئی تھی کیونکہ وہ سونے کے لئے بے چین تھا۔

''ان لوگوں نے حمود بھائی کے مسئلے کے بارے میں کیا سوچا''۔ عنایہ کو حمود سے زیادہ منتہیٰ کی فکر ہو رہی تھی' اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی پھر تحریب اسے بلا کے بھی اسی لئے لایا تھا۔

''حمود بھائی شادی وہ بھی حمنیٰ سے قطعی نہیں کریں گے''۔ دونوں لاؤنج میں آ گئیں کیونکہ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں تھے۔

''اس کا یہی حل ہے کہ حمود بھائی پہلے منتہیٰ کو وہاں سے لے کر آئیں' اپنے بابا سے معافی مانگ لیں''۔

''یہ آسان ہی تو نہیں ہے''۔ تحریب ڈرائنگ روم سے اس کی تلاش میں نکل آیا تھا۔ دونوں کی ابھی تک بات بھی تو نہیں ہوئی تھی آپس میں' عنایہ نے چونک کے سر اٹھایا' وہ بلیک ڈریس پینٹ پر بلیک لائننگ کی شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے بہت سوبر لگ رہا تھا۔

''کچھ تو نکالنا ہی ہے ناحل''۔ شاہین گویا ہوئی۔

''تم کیا کہتی ہو؟'' تحریب نے ڈائریکٹ عنایہ سے پوچھا' وہ بڑے صوفے پر پنک شلوار دوپٹہ میں بیٹھی نروس سی ہونے لگی۔ شاہین کے لب مسکرائے' وہ جان بوجھ کے خود ہی دونوں کو موقع دے کر اٹھ گئی۔

''اس کا یہی حل ہے کہ حمود بھائی شادی کسی طرح بھی نہیں کریں' جو بھی بات ہو وہ حمنیٰ اور اس کے والدین کے سامنے رکھیں کیونکہ اگر زبردستی شادی ہو بھی گئی تو تین زندگیاں برباد ہوں گی' حمود بھائی' حمنیٰ کے ساتھ قطعی خوش نہیں رہیں گے اور پھر حمنیٰ کے ساتھ بھی یہ ظلم ہوگا' منتہیٰ رو رو کے مجھے یقین ہے خود کو ختم کر لے گی''۔ وہ اتنے سنجیدہ انداز میں اپنی نرم سی مہین آواز میں بول رہی تھی' تحریب وارفتگی سے دیکھے گیا' کپڑوں کا رنگ بھی اس پر گلابی پن پڑ رہا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو اس طرح کرنے سے حمود کے گھر میں بھونچال نہیں آ جائے گا جبکہ ابھی بھی آیا ہوا ہے''۔

''اس وقت تو آ سکے گا مگر جو سچ ہے بتا کر منع کیا جائے تو بہتر ہے خوامخواہ بزنس کی وجہ سے پھر کچھ بھی نہیں بچے گا''۔

''حمود کو بزنس کی قطعی پروا نہیں ہے فکر اس کی ہے کہ منتہیٰ سے کیسے ملے' وہ اسے وہاں رکھنا نہیں چاہتا ہے''۔ وہ پھر گویا ہوا۔

''منتہیٰ کو وہاں ہی رہنے دیں اس طرح زیادہ ٹھیک رہے گا کیونکہ اچھا ہے حمنیٰ خود دیکھ کر ہی منع کر دے گی''۔ عنایہ نے جھٹ کہا۔

''ہاں...... بات تو ٹھیک ہے مگر حمود کہتا ہے کہ وہ بھی وہاں نہیں رہنا چاہتا' کسی طرح منتہیٰ کو وہاں سے نکال لے''۔

''آپ حمود بھائی کو سمجھایئے اور انہیں یہ بھی سمجھایئے کہ اپنے بابا سے زیادہ جھگڑا کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے' وہاں رہ

کر خود ہی معاملہ سلجھائیں' حمنیٰ کے والد کو بتا دیں کیونکہ ہو سکتا ہے ان کے بابا حمنیٰ کے والد کی وجہ سے حمود بھائی پر شادی کا دباؤ ڈال رہے ہیں''۔ اس نے سارے ہی پہلو اس کے سامنے رکھے تھے' تحریب کو معقول لگے تھے' اس نے مسکراتی نگاہوں سے عنایہ کو دیکھا وہ جھینپ کے سر جھکا کے رہ گئی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا اتنی عقل مند ہو سکتی ہو''۔ وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ سر جھکا ہوا تھا۔

''جب ہی دادی جان کی من پسند پوتی ہو''۔ تحریب لگتا تھا آس پاس کے ماحول کو ہی بھول گیا تھا۔ احد دو ہاتھ پشت پر جمائے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''آپ بھی ان کے من پسند پوتے ہیں''۔ اس نے بھی جھٹ کہا۔

''پھر کیا خیال ہے تم دونوں کب لا رہے ہو تائی جان کے من پسند پڑپوتی پڑپوتے''۔ احد کی زبان تو بے باکی سے چلنے کو موقع تلاش کر لی تھی۔ تحریب تو بوکھلا گیا جبکہ عنایہ بھی گڑبڑا گئی' لب بھینچ کے نگاہ چرائی' تحریب نے اسے گھورا' کچھ خجل سا بھی ہو رہا تھا۔

''کیا رومانس چل رہا تھا ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کے''۔ پھر شوخی سے لقمہ دینے لگا۔

''فضول ہانکنے کو تیار رہتے ہو''۔

''ویسے رومینٹک زیادہ اچھے لگتے ہو''۔

عنایہ تو شرم و حیا کے حصار میں ڈوبی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی' دل اتنا دھک دھک کر کے شور مچا رہا تھا کہ کچن سے جا کر پانی پیا' پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی یقین نہیں آ رہا تھا تحریب بھی اتنا شرارتی ہو سکتا ہے' اس کے لب مسکرائے' زندگی کچھ دنوں سے کتنی پیاری ہو گئی تھی کیونکہ گھر کا ماحول بھی تو پرامن ہو گیا تھا۔ سمیرا بیگم کا نرم رویہ اور انداز اسے اور بھی خوش کر گیا تھا' بس اب کوشش تھی کہ سمیرا بیگم' دادی جان سے مل کے بھی معافی مانگ لیں۔

☆

مبینہ اتنی فکر مند تھیں کہ وہ نزہت بیگم سے بھی کہہ چکی تھیں انہیں تہذیب کی پہلے ہی بہت فکر ہے اس پر مستزاد منتہیٰ کی سوار ہو گئی تھی' اسے گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا' کسی قسم کا کوئی بھی رابطہ نہیں ہو سکا تھا' تحریب سے اتنا ہی پتہ چلتا رہتا تھا مگر منتہیٰ سے ان کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ حمود تو لگتا تھا یہاں کا راستہ ہی بھول گیا تھا۔

''امی! ہم لوگ حمود بھائی کے گھر چلیں''۔ حکمت کو بھی منتہیٰ بہت یاد آ رہی تھی۔

''ایسے کیسے جا سکتے ہیں حمود بھی پسند نہیں کرے گا''۔ مبینہ نے صاف منع کر دیا۔

''مگر امی! منتہیٰ باجی کو ایسے تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتے ہم''۔ تہذیب کو پہلے ہی ڈر تھا کہ حمود کہیں دوسری شادی کے چکر میں نہ پڑ جائے۔

''ایسے جانا بھی تو ٹھیک نہیں ہے''۔

''کچھ بھی ہے ہم منتہیٰ باجی کو ایسے نہیں چھوڑ سکتے ہیں''۔ اسے بھی ضد ہو گئی تھی اور پھر اسی وقت جانے کے لئے تیار ہو گئی' پورا ہفتہ ہو گیا تھا کوئی خیر خبر بھی نہیں تھی' حمود بھی کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ گرین کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں دراز بالوں کی چوٹی میں بل ڈال کے دوپٹہ شانوں پر ڈالا اور حمزہ کو کہا کہ تحریب کو بلائے۔

''ارے ایسی بھی کیا جلدی ہے' میں ہوں تو اس کی خبر لینے والا''۔

"دیکھیے محریب بھائی! میں خود اکیلی نہیں جا سکتی کیونکہ میں نے گھر بھی نہیں دیکھا ہے امی بھی بہت ڈر گئی ہیں"۔ وہ نگاہ جھکائے اس سے مخاطب تھی۔ اب تو اس نے اپنے لئے جینا ہی نہیں تھا کم از کم کسی کے لئے کچھ تو اچھا کر جائے کہ لوگ اسے یاد رکھیں۔ زندگی سے خوشیاں ہی روٹھ گئی تھیں کوئی امنگ ہی نہیں رہی تھی۔ فائق کا اس دن کا رویہ اور باتیں سوچ کے لمحوں میں اس نے اس کی عزت کو دو کوڑی کا کر دیا تھا۔

"تہذیب! ایسے جانا مناسب نہیں ہے"۔ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ حمود کے گھر میں جو ہنگامے چل رہے تھے حمود لمحہ لمحہ کی خبر سے آگاہ کر رہا تھا کیونکہ حمود نے نیاز علی کو ساری حقیقت بتا دی تھی وہاں کے حالات اور خراب ہو گئے تھے جمنی نے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ بھی حمود بھائی کی سائیڈ لیتے ہیں آپ مرد سب ایسے ہی ہوتے ہیں ہم لڑکیوں کو بھیڑ بکریاں سمجھتے ہیں"۔ اس نے اپنے اندر کا غصہ وہ بھی فائق کا اس پر نکال دیا۔

محریب بھونچکا سا اسے دیکھتا رہ گیا کیونکہ تہذیب کے چہرے کا رنگ تک بدل گیا تھا۔ اتنی ترش روی اور تلخی سے تہذیب نے کبھی بات ہی نہیں کی تھی آج تو وہ جانے ایسے کیوں بولنے لگی تھی۔

"تہذیب! گڑیا کیا ہو گیا تم ایسے کیوں سوچ رہی ہو؟" محریب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چیئر پر بٹھا دیا۔ وہ لب بھینچ کے جیسے آنسوؤں کو روک رہی تھی جبکہ محریب نے تو سگے بھائیوں سے بڑھ کے اس کا خیال کیا تھا اور ابھی بھی کتنا خیال کیا تھا اس کا رشتہ فائق سے طے کروایا ورنہ آج کے دور میں کون کسی کے اتنے کام آ سکتا ہے وہ تو ان سب کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔

"محریب بھائی! آپ کو نہیں پتہ منتہیٰ باجی بہت حساس ہیں وہ تو وہاں اکیلی ہیں ناں"۔

"ارے حمود ہے ناں وہ اس کی بیوی ہے اکیلی کیوں ہوگی دیکھو بیٹا! تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ابھی جانا بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے وہاں کچھ بھونچال آیا ہوا ہے ابھی ذرا معاملے کو ٹھنڈا ہونے دو"۔ اس نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"محریب بیٹا! میں بھی اسے یہی سمجھا رہی تھی مگر یہ مانتی نہیں"۔ مبینہ چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی لے کے آئی تھیں۔

"آنٹی! ابھی وہاں بہت بڑا فساد برپا ہے"۔

"اگر حمود بھائی نے منتہیٰ باجی کو چھوڑ دیا تو......" تہذیب کو یہی فکر ستائے جا رہی تھی بے چاری تو بالکل ہی اکیلی ہو جائیں گی۔

"ایسا کچھ نہیں کرے گا حمود تم یقین رکھو"۔ بڑی مشکلوں سے اس نے تہذیب کو سمجھا بجھا کے قابو کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا تہذیب کیوں اتنی چڑچڑی ہو رہی ہے اس کے ساتھ بھی تو ایک حادثہ گزر چکا تھا وہ اس کا غم کب بھولی تھی۔ وہ پرسوچ انداز میں وہاں سے اٹھ کر آ گیا تھا۔

ادھر گھر میں نزہت بیگم نے محریب کو کہا ہوا تھا کہ حمود نے باپ کے کہنے میں آ کر اگر دوسری شادی کی تو وہ بھی حمود کو نہیں چھوڑیں گی وہ اتنا پریشان تھا کہ آفس تک میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا ایسے میں اسے پھر عنایہ کا ہی خیال آتا اس سے بات کر کے دل کو ڈھارس تو ملتی تھی ورنہ اب تک تمام پریشانیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تنہا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ فائق سے بھی بات کرے گا کہ تہذیب کو کچھ ریلیکس کرے ورنہ وہ اس سے اور بدظن ہو جائے گی کیونکہ وہ تو ساری باتیں سوچ رہا تھا پھر شادی ان دونوں کی جتنی جلد ہو سکے تو اچھا ہے کہیں تو سکون ہو۔ فراج کے آنے میں دو مہینے تھے اس کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکتا تھا گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جانے وہ کتنی دور نکل گیا تھا۔

✿

کلثوم بانو نے ہشام سالار کو جانے کیا کچھ کہا تھا جب کہیں جا کے منتہیٰ کو اس کے بیڈروم میں بھیجا تھا مگر ہشام سالار نے اسے اس گھر سے جانے کو سختی سے منع کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے میری جان ابھی بھی ناراض ہے"۔ وہ اس پر جھکا ہوا بول رہا تھا۔ دراز سلکی بال تکیے پر کھلے بکھرے ہوئے تھے بخار کی وجہ سے وہ زردی سے کمل رہی تھی۔

"منع کیا تھا آپ کو مجھے زندگی میں شامل کریں گے تو ایسے ہی مسئلے ہوں گے"۔ اس نے لب بھینچ کے منہ تھما لیا۔

"جب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے ابھی بھی مایوسی کی باتیں کرو گی"۔ اس نے منتہیٰ کا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کے اپنی جانب کیا۔

"کیا سب ٹھیک ہو رہا ہے جمنی نے خودکشی کرنے کی کوشش کی اور اس کے پاپا پارٹنر شپ توڑ دیں گے آپ کو ذرا فکر نہیں"۔ حیرانگی سے وہ روہانسی ہونے لگی۔

"اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی اور پھر محبت زبردستی کسی سے نہیں مانگی جاتی کہ وہ بھی کرنے میں شروع سے اسے منع کرتا تھا میرا انٹرسٹ کبھی اس میں رہا ہی نہیں"۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"پارٹنر شپ ٹوٹتی ہے تو ٹوٹتی رہے مجھے سب خبر تھی ایسا ہوگا اس لئے میں نے اپنی فیکٹری خود لگائی ہے پھر سب حقیقت نیاز انکل کو میں بتا چکا ہوں"۔ وہ انہیں سب کچھ بتا کر کافی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"تم پلیز! اپنا موڈ اور حلیہ چینج کرو کب تک بستر پر رہو گی"۔ وہ بھی بے زار ہو گیا تھا۔

"مجھے بابا کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے"۔ وہ سہی ہوئی تو پہلے سے تھی۔

"بابا کا غصہ مجھے پتہ ہے کیوں ہے انہیں نیاز انکل کی ٹینشن ہے اس پر جمنی کی وہ حرکت مجھے ہی سب ٹھیک کرنا ہے"۔ وہ ارادہ باندھ چکا تھا کہ بابا کو منا کے رہے گا۔

"میں ابھی جمنی کے پاس ہاسپٹل جا رہا ہوں تم فریش ہو کر تیار ہو کم از کم ماحول تو بدلے"۔

"آپ کی امی بہت اچھی ہیں میرا بہت خیال رکھ رہی ہیں"۔

"تمہارا بھی فرض ہے سب کا خیال رکھو خاص طور پر بابا کا رکھنا تمہیں انہیں اپنے اچھے رویے سے مٹھی میں کرنا ہے"۔ اس نے اس کے چہرے سے بالوں کو سمیٹا۔

"مجھے خالہ جان سے ملنا ہے تہذیب حکمت سب پریشان ہو رہے ہوں گے"۔ اسے ان سب کی فکر تھی دس دن ہو گئے تھے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا تین چار دن بخار نے سدھ بدھ کھو دی تھی اس پر مستزاد جمنی کا کیس بڑے کرائسس میں زندگی آ گئی تھی۔

"سب میرے رابطے میں ہیں محریب بتاتا رہتا ہے"۔ اس نے اطمینان دلایا۔

"کتنی بری ہوں جہاں جاتی ہوں پریشانیاں کھڑی کر دیتی ہوں کیا ہوں میں کیوں میں اب تک زندہ ہوں دنیا میں......" اس کی مزید بات پوری ہونے سے پہلے ہی حمود کے لبوں نے حرکت کی تھی وہ حواس باختہ سی رہ گئی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''بولو تم اب دیکھنا کیسے میں تمہاری بولتی بند کرتا ہوں''۔ آنکھوں میں شرارت 'معنی خیزی تھی' منتہیٰ کی شرم وحیا سے جیسے بولتی ہی بند ہوگئی تھی' حمود کو اب تو سارے استحقاق اور اختیارات مل گئے تھے بچنا تو ناممکن ہی تھا۔

''ہاں...... اب بولو کیا کہہ رہی تھیں''۔

''نہیں بولنا مجھے کچھ''۔ محجوب ہو کر پلکوں کی جھالر کو نیچے کر لیا تھا۔ حمود نے معنی خیز مسکراہٹ لئے اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھا تھا جہاں روشنیاں سی رقص کر رہی تھیں' غازوں پر شرم وحیا کی لالی کتنی پیاری لگتی تھی' نگاہوں میں حجاب' انداز میں گھبراہٹ۔

''ایک خوشخبری سناؤں''۔ وہ ہاتھ ٹیک کے اس کے قریب ہی بیٹھا تھا اور وہ لیٹی ہوئی تھی' اٹھنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

''جی''۔ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''امی تمہاری ماں سے ملی ہیں''۔

''کک کیا؟'' وہ تو حیرانگی اور خوشی سے چیخ پڑی۔

''آہستہ یار!'' اس نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

منتہیٰ کی تو خوشی سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی' کتنا عرصہ ہو گیا تھا اماں کو دیکھے' اس کی آنکھوں سے اُن کے ذکر پر آنسو نکلنے لگے' وجود ہچکیوں میں بندھ گیا' حمود تو سٹپٹا ہی گیا کیونکہ وہ تاتار زار رونے لگی تھی۔

''منتہیٰ! کیا ہو گیا ہے؟'' حمود نے اسے اپنے حصار میں لے کر پوچھا۔

''مجھے اماں کے پاس جانا ہے میں کچھ نہیں جانتی' نہیں رہنا مجھے یہاں''۔ وہ روتے ہوئے بولے جا رہی تھی' حمود سمجھ گیا کہ ماں کے ذکر پر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی' اس وقت تو اسے تسلیاں دے کر چپ کرا دیا تھا مگر سر پر ایک بوجھ محسنی اور نیاز علی کا بھی تھا۔

☆

سات بجے تک سمیرا پارلر میں ہوتی تھیں مگر آج جلدی آ رہی تھیں کہ نامعلوم افراد اندر آ گئے تھے اور انہیں اور ان کی کلائنٹ اور ورکرز کو یرغمال بنا کر سارا کچھ وہاں سے لوٹ کے لے گئے تھے' سمیرا تو خوف وغم سے بے ہوش ہو گئی تھیں' سارے ہی ہوسپٹل میں جمع تھے کیونکہ ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا' عنایہ کا رو رو کے بُرا حال تھا' معارج الگ رنجور اور غمزدہ سا تایا ابو کے پاس بیٹھا تھا۔

''محریب! تم عنایہ کو تو یہاں سے لے ہی جاؤ کیونکہ یہ اگر روتی رہی تو اس کی بھی طبیعت خراب ہو سکتی ہے''۔ ریحان احمد نے عنایہ کی سمت اشارہ کیا جو صوفے پر بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔ جواد احمد اور مائزہ آئی سی یو کے باہر تھے' ڈاکٹرز نے چھ گھنٹے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آ سکتی ہیں۔

محریب اسے زبردستی بازو سے پکڑ کے اٹھانے لگا تھا اس کا پنک کاٹن کا پلین سوٹ جس پر دھاگوں کی کڑھائی ہوئی تھی عجیب ملگجا سا ہو گیا تھا' تین چار گھنٹوں میں وہ بھی صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ حسنہ پھپھو یہاں موجود تھیں۔

''پلیز مجھے یہاں ہی رہنے دیں''۔ وہ رونے لگی۔ محریب اسے شانوں سے تھامے ہوئے گاڑی میں بٹھا رہا تھا' وہ بپھری جا رہی تھی اس کا دل الگ دکھ رہا تھا۔

''عنایہ! ایسے بچوں کی طرح تم کر رہی ہو مجھے نہیں خبر تھی تم اتنے کمزور دل کی ہوگی''۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس کا چہرہ دیکھنے لگا جو رونے میں مشغول تھی۔

''میری امی ہیں میں کیسے نہیں روؤں''۔

''میرا چچی کو کچھ ہی دیر میں ہوش آ جائے گا' ڈاکٹرز نے تسلی دی تو ہے''۔ اس نے عنایہ کے دونوں ہاتھ نیچے کیے' ٹشو پیپر اسے تھمائے۔

''فوراً آنسو پونچھو''۔ حاکمیہ انداز تھا۔ مگر اس پر لگتا تھا ذرا اثر ہونے والا نہیں تھا' اسی طرح وہ رونے میں لگی تھی۔

''یار! کیا ہے عنایہ' اس طرح رو رو کے تو تم میری جان لے لوگی''۔ وہ جھنجلا کے گویا ہوا۔ عنایہ کے رونے کو کچھ بریک لگا' لب کپکپا رہے تھے' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ناک سرخ تھی' فسوں خیز آنکھیں رونے سے بوجھل ہو گئی تھیں' چہرہ تک اُتر گیا تھا۔

''ایک آنسو نہیں گرے تمہاری ان آنکھوں سے' ابھی میں نے تو ان میں ٹھیک سے جھانکا بھی نہیں اور تم ان کی خوبصورتی تباہ کر رہی ہو''۔ وہ اس لمحے بھی تو اپنی محبت کا احساس دلانے سے نہیں رُکا تھا۔ عنایہ نے جھینپ کے ٹشوز سے آنسو صاف کیے' محریب کا کتنا اپنائیت بھرا انداز تھا اور وہ یہی تو چاہتی تھی وہ اس کے لئے بھی کبھی پریشان ہو۔

''گڈ''۔ وہ مسکرایا۔ گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی' پورا راستہ وہ خود پر کنٹرول کیے بیٹھی رہی تھی' دادی جان کے پاس بٹھایا اسے جو ان کی آغوش میں جا کر پھر رو دی۔

''دادی جان! آپ کی یہ پوتی بہت تنگ کرتی ہے سب کو''۔

''جی نہیں...... میں نے نہیں کیا سب کو''۔ وہ جھٹ بولی۔ دادی جان کے لب مسکرانے لگے کیونکہ اتنے دنوں بعد آج پہلی بار ان دونوں کو یوں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے دیکھا تھا۔

''میں وشہ سے کہتا ہوں تمہیں زبردستی کچھ کھلا دے ورنہ تم اگر بے ہوش ہو گئیں تو مجھے ہوش میں لانا مشکل ہو جائے گا''۔ معنی خیزی سے سرگوشی میں بولتا ہوا نکل گیا۔

وشہ نے' تائی امی نے اسے زبردستی کھلایا' مغرب کے بعد اسے نیند آ گئی تو وہ دادی جان کے پاس جا کر سو گئی تھی۔ سب ہی سمیرا بیگم کے لئے دعائیں وغیرہ پڑھ رہے تھے اور یہ سب کی دعائیں ہی تھیں کہ سمیرا بیگم ہوش میں آ گئی تھیں۔ عنایہ تو سن کے جانے کے لئے بیقرار ہو گئی' محریب ہی نزہت بیگم اور اسے ہوسپٹل لے کر گیا تھا۔

عنایہ نے سمیرا بیگم کے کمزور نحیف سے چہرے کو افسردگی سے دیکھا' سب ہی آئی سی یو کے باہر جمع تھے مگر ایک فرد کو اندر جانے دیا جا رہا تھا۔

''کیسی ہیں امی آپ؟'' اس نے ان کے ہاتھ کو تھاما۔

''ٹھیک ہوں اب''۔ آنکھوں سے آنسو نکلے۔

آج قدرت نے ان کے ساتھ ایسا کیا تھا کہ وہ اوندھے منہ گری تھیں جنہیں اپنا دشمن سمجھتی تھیں آج وہی سب لوگ جمع تھے' وہ شرمندگی اور ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں خود کو گرتا ہوا محسوس کر رہی تھیں' آج سب کو اپنے لئے اس طرح پریشان دیکھ کر رو دی تھیں۔ عنایہ پورا وقت ان کے پاس رہی تھی' دوسرے دن انہیں روم میں شفٹ کر دیا تھا۔ نزہت بیگم ان کے لئے بھی دلیہ' سوپ' جوس گھر سے بھیج رہی تھیں' سب ہی ان کی دلجوئی میں لگے تھے۔

''عنایہ! بیٹا بیمار پڑ جاؤ گی' کچھ دیر گھر جا کر آرام کر لو''۔ آہستگی سے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا جو انہیں دلیہ

کھلا رہی تھی۔

''میں آپ کو ایسے کیسے چھوڑ کے آرام کراؤں''۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔

''دیکھو یہ تمہاری بیٹی ہے اور تم......'' جواد احمد نے طنز کیا۔

''ابو بس کوئی بھی ایسی تلخ بات نہیں کریں''۔ وہ بولی۔

سمیرا بیگم اور شرمندہ ہو گئیں کیونکہ اپنے بچوں کو کبھی پیار سے دیکھا ہی کب' ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے خود سے دور رکھا' مزاج کو اتنا چڑچڑا بنا لیا تھا کہ اچھی بات بھی بری لگتی تھی اور ان کی یہ اولاد پھر بھی ان کا کتنا خیال کرتی تھی' وہ ایسی محبت کی حقدار ہی کب تھیں' نہ اچھی بیوی بنیں' نہ بہو اور نہ ہی ماں بن سکی تھیں' ہمیشہ اپنے سسرال والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ جب سے انہیں ہوش آیا تھا صرف حسنہ پھپھو اور شاہنواز پھوپھا سے ہی سامنا ہوا تھا۔

''پتہ نہیں کیوں زندگی میری بچ گئی ہے''۔

''پلیز امی! ایسی دکھی باتیں نہیں کریں' ہم سب کو آپ کی زندگی کی بہت ضرورت ہے''۔ عنایہ نے تڑپ کے ان کے ہاتھوں کو تھاما تھا۔ کمرے میں ایک بیڈ صوفہ سیٹ پڑا تھا پرائیویٹ روم تھا تو بیٹھنے اٹھنے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

''کبھی میں نے تم لوگوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں''۔

''سمیرا! زیادہ باتیں نہیں کرو' تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔ جواد احمد کو بھی ان پر ترس آنے لگا کیونکہ انہوں نے ان کے چہرے پر جو اضمحلال' افسردگی' ندامت دیکھی تھی پھر ان کا دل گوارا نہیں کر رہا تھا کہ ان سے کسی بھی قسم کی طنز بازی کی جائے۔

عنایہ نے بھی انہیں زیادہ بولنے نہیں دیا۔ رات میں سب انہیں گاہے بگاہے دیکھنے آتے رہے تھے۔ وشہ کو نزہت بیگم نے اس لئے منع کر دیا تھا کہ اس کنڈیشن میں وہ روئے دھوئے گی تو اس کی طبیعت خراب ہونے کا بھی خدشہ تھا' پہلے ہی اسے کافی کمزوری بتائی تھی۔ سمیرا بیگم کسی سے بھی زیادہ بات نہیں کر رہی تھیں' نزہت بیگم جبکہ ان کا دل بہلا رہی تھیں کہ وہ کچھ بھی الٹا سیدھا نہیں سوچیں۔ مگر جب شرمندگی ہو تو لوگوں سے آنکھیں ملانے سے بھی انہیں شرم آ رہی تھی جنہیں برا کہا آج وہی سب ان کے پاس موجود تھے ان کا خیال رکھ رہے تھے۔

☆

وہ دو دن سے اس کے پاس آ رہا تھا' ہوسپٹل سے گھر ڈسچارج ہو کے آ گئی تو وہ پھر ملنے چلا آیا تھا۔ نیاز علی اور بیگم نیاز علی نے جواب میں اس سے منفی رویہ نہیں رکھا تھا' وہ حیران بھی تھا کہ انہوں نے اس سے اتنی نرمی کیوں برتی تھی۔

''کیسی ہو؟'' وہ چیئر گھسیٹ کے اس کے پاس بیٹھا۔

''جی رہی ہوں''۔ حمنیٰ کے لب و لہجے میں دکھ افسردگی اور طنز بھی تھا۔ حمود نے بیڈ روم پر طائرانہ نگاہ دوڑائی' وسیع و عریض بیڈ' وال ٹو وال کارپٹ' صوفہ کم بیک پڑا تھا' وارڈ روب اور ٹی وی کمپیوٹر سب اس کے سامنے ہی رکھا تھا۔

''جینا بھی چاہیے' گڈ''۔ وہ مسکرایا۔

''کیوں آئے ہو یہاں؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''تم سے ملنے''۔ وہ اس کے اندر کے انتشار اور غصے کو کسی طرح نکالنا چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چلا کر سب بول دے۔

''حمود! تم نے میری محبت کا مذاق اڑایا ہے' میرے سپنوں کو کرچی کرچی کر دیا ہے''۔ وہ شدت غم سے رو پڑی' حمود سے وہ دیوانگی کی حد تک محبت کرتی تھی۔

''حمنیٰ! میں نے کبھی تمہاری محبت کا مذاق نہیں اڑایا ہے' جب میں تم سے کرتا ہی نہیں تھا تو مجھے مذاق اڑانے کا بھی کوئی حق نہیں تھا''۔ وہ اسے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اتنی بڑی بات تم نے چھپائی' تم نے منتہیٰ سے شادی کی ہوئی تھی' مجھے آخر پتہ کیوں نہیں چلا''۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جکڑ لیا۔

''میں نے انکل کو ساری حقیقت بتا دی ہے صرف اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ مزید ظلم نہیں کر سکتا تھا''۔ وہ افسردگی سے بول رہا تھا' اسے حمنیٰ پر بہت ترس آ رہا تھا' وہ شرمندہ بھی تھا مگر اس نے کبھی اس سے محبت بھی تو نہیں کی تھی' کبھی اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی تھی۔

''پھر وہ منگنی کا ڈرامہ کیوں کیا' کیوں سب کے سامنے تماشہ بنایا''۔

''منگنی کے لئے میں راضی نہیں تھا' صرف بابا کے کہنے پر یہ سب ہوا تھا' میں ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا''۔ اس نے جھٹ کہا۔

''حمنیٰ! میری بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ محبت کبھی بھی کسی سے ہم زبردستی نہیں کروا سکتے ہیں اور یہ وہ جذبہ ہے جو خود بخود پھوٹتا ہے' تمہیں دیکھ کر میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا''۔ وہ بولتے ہوئے آج بھی پرواہ نہیں کر رہا تھا کہ حمنیٰ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی' وہ تو پاگل یہی سمجھتی رہی کہ حمود کی کچھ فنی مذاق کی عادت ہے تو وہ سیریس ہی نہیں ہوتا تھا۔

''ہاں یہ مجھے بھی پتہ ہے''۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

''حمنیٰ! ہم اچھے دوست بھی تو بن کے رہ سکتے ہیں''۔

''حمود! تم اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی چاہتے ہو کہ میں اتنی جلدی سب بھلا دوں' کیسے بھلا دوں میں' کیسے تمہیں تمہاری بیوی کے ساتھ دیکھ سکتی ہوں حمود! میرا دل اتنا بڑا نہیں ہے''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

حمود نے لب بھینچ لئے کیونکہ وہ جانتا تھا حمنیٰ جتنی جذباتی ہے اتنی جلدی تو کچھ بھی نہیں بھولے گی اور اس کی وہ ساری باتیں۔

''حمود! ہم ہنی مون پیرس میں منائیں گے''۔ حمنیٰ کا جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔

''مجھ سے محبت کرتی ہو تو تمہیں میری خوشی کے لئے سب کچھ بھولنا ہوگا''۔

''حمود! حمود...... تم ابھی بھی مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہو' تم اتنے سنگدل کیوں ہو' سارے عرصے میں مجھے تم نے ہرجائی سے دور رکھا اور ابھی بھی تم چاہتے ہو میں تمہارا خیال کروں''۔ وہ چیخی۔

''پھر تم کیا چاہتی ہو بولو' مجھے سولی چڑھانا چاہتی ہو' میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا ہے نہ ہی کبھی تمہیں میں نے بری نظر سے دیکھا ہے' جس لڑکی کو میں نے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے ہمیشہ اپنی سوچوں اور خیالوں میں اسے ہی ساتھ دیکھا ہے''۔ وہ بھی تیز لہجے میں بولا۔

''اتنے دن تم نے ہم سب کو اندھیرے میں رکھا''۔

''میں نے کسی کو اندھیرے میں نہیں رکھا' ایک دن مجھے یہ سب بتانا ہی تھا اور پھر اس دن بابا گھر آ گئے تو ساری

بات مکمل کی تھی جو میرے لئے بھی آسانی رہتی"۔ وہ بول رہا تھا۔ حمنیٰ نے اس پر حسرت بھری نگاہ ڈالی جس کے چہرے سے ذرا بھی یہ نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے۔

"اس کے بعد بھی تمہارے دل کو سکون نہیں پڑتا ہے تو جو تمہاری سزا ہے وہ دے لو"۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"حمود! میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی' نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر"۔ وہ بکھری جا رہی تھی' دل کو بارہا سمجھا چکی تھی وہ اس کا نہیں ہے' وہ اختیار نہیں رکھتی وہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔

"میں چلتا ہوں تمہارے حق میں دعا ہی کر سکتا ہوں"۔ وہ کھڑا ہوا' ٹائم دیکھا نو بج رہے تھے اسے منتہیٰ کی بھی فکر تھی جانے اس کے پیچھے کیا ہو رہا ہوگا' بابا کا تو غصہ ہی نہیں اتر رہا تھا۔

"حمود! رک جاؤ' پلیز نہیں جاؤ"۔ وہ بیڈ سے اٹھی اور اس کے سینے سے لگ گئی' اس کے نرم نرم ہاتھوں نے حمود کی پشت پر حصار تنگ کر دیا تھا' وہ تو بوکھلا ہی گیا کیونکہ ہمیشہ اسے حمنیٰ کی یہی بے باکی گراں گزرتی تھی' وہ دیوانوں کی طرح اسے اپنے اندر سموئے جا رہی تھی اور وہ اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا' حمنیٰ کے لبوں نے اس کے رخسار کو چھوا تھا۔

"حمنیٰ! کیا پاگل پن ہے ہوش میں تو ہو' کیا کر رہی ہو تم؟" اس نے شانوں سے پکڑ کے اسے جھنجوڑ دیا۔

"تم اتنی بے باک ہو جاؤ گی مجھے اندازہ نہیں تھا' پہلے میں تمہاری ان گستاخیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیتا تھا مگر اب مجھے بہت بری لگیں تمہاری یہ حرکتیں۔ میں ایک شادی شدہ مرد ہوں اور تم کسی نامحرم کے پاس ایسے کیسے آ سکتی ہو"۔ وہ تو دھاڑ اٹھا تھا۔

"یہ تمہاری محبت ہے' ارے محبت تمہیں اگر دیکھنی ہے تو میری بیوی کو دیکھو جو مجھ سے کرتی ہے' بیوی ہو کر بھی اس نے نہ میں نے کبھی حد کراس کی اور تم محبت کی اس طرح توہین کرو گی مجھے افسوس ہے"۔ وہ غصہ سے مشتعل ہی ہو گیا۔

"اگر تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے تو ٹھیک ہے میں شادی کرنے کے لئے تیار ہوں مگر محبت تمہیں میری پھر بھی حاصل نہیں ہوگی' تمہیں میرے وجود سے خوشی ہوگی ٹھیک ہے تمہیں میں اپنے وجود کا لمس ضرور دوں گا مگر محبت میری صرف منتہیٰ کو ملے گی"۔

حمنیٰ ہق دق سی اس کی صورت دیکھے گئی' اس کے چہرے کا رنگ یکلخت ہی بدل گیا تھا' آنکھوں میں غصہ سے شرارے نکل رہے تھے' آواز میں اتنی ناگواری تھی کہ وہ لرز کے کانپ کے اس سے دور ہو گئی' کھلی توہین تھی یہ اس کی۔

"ارے محبت کو پہلے تم سمجھو یہ کیا ہوتی ہے پھر تم مجھ سے محبت جتانا"۔ وہ ہاتھ اٹھا کر تمسخرانہ اور طنزیہ انداز میں بولا۔

"میں نے صرف تمہیں دوست سمجھا ہے میری نیت کل بھی صاف تھی اور آج بھی صاف ہے مگر مجھے یہ ساری زندگی افسوس رہے گا تم تو دوست بننے کے قابل بھی نہیں تھیں"۔

"حمود! پلیز ایسے تو نہیں بولو"۔ اسے جھٹکا لگا تھا۔

"آج تم نے دوست بھی کھو دیا لیکن میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا' میں تم سے شادی ضرور کروں گا"۔ حمود نے اب دوسری طرح سے اسے ہینڈل کرنا چاہا تھا۔

"نہیں حمود! مجھے شادی نہیں کرنی ہے"۔ وہ چیخی۔

☆

یہاں آتے ہوئے اسے جھجک سی ہو رہی تھی مگر مبینہ نے سختی سے کہا تھا کہ روشہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے سب کا ہوسپٹل آنا جانا لگا ہوا ہے دادی جان کی بھی دیکھ بھال ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو اسے وہاں جانا ہے پھر نزہت بیگم نے سختی سے کہہ کر بلوایا تھا جب سے اس رشتے میں بندھی تھی اور وہ حادثہ گزرا تھا وہ آج پہلی بار آئی تھی۔

سمیرا بیگم تین دن بعد ڈسچارج ہو کر گھر چلی گئی تھیں' سارے ہی وہاں گئے ہوئے تھے وہ دادی جان کے پاس تھی۔ ابھی وہ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ اسے کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں' اس وقت کچن میں کون ہے؟ تجسس کے مارے آگے بڑھی۔ فائق برنر جلا کر جانے کیا گرم کرنے لگا تھا کریم پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں ملبوس وہ اپنے کام میں مصروف تھا اسے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی تو مڑ کے دیکھا اور چونک گیا' وہ جز بز سی ہو گئی۔ اورنج کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی سرخ و سپید رنگت کھل رہی تھی۔

"کدھر چلیں' رکو...... سالن گرم کرو اور مجھے روٹی بنا کے دو"۔ انداز اتنا مصلح جو اور بارعب تھا کہ تہذیب دانت پیسنے لگی۔

"میں آپ کی نوکر نہیں ہوں"۔ وہ ان سنی کرتی ہوئی جانے لگی۔

فائق نے اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹ کے کچن کے دروازے سے لگا دیا' وہ حواس باختہ سٹپٹائی' گھبرائی سی متوحش زدہ رہ گئی۔

"بیوی بننے جا رہی ہو اس لئے ابھی سے کاموں کی عادت ڈال لو"۔ اس نے تہذیب کی آنکھوں میں وارفتگی سے دیکھا' وہ کسمسا کے نکلنا چاہ رہی تھی۔

"مجھے جب آپ سے ہی کوئی دلچسپی نہیں ہے تو عادت بھی کیوں ڈالوں"۔

"مگر مجھے تم سے بہت دلچسپی ہے کیا کروں ہم مردوں کو تو صرف ایک ہی کام چاہیے ہوتا ہے تم لڑکیوں سے"۔ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کے سراپے پر بھرپور نگاہ ڈالی۔ تہذیب اس کی اتنی گہری بات سے سر تا پا جل گئی' بار بار وہ اسے وہ تلخ اذیت یاد دلاتا تھا' اس کی بے عزتی کرتا تھا' جب اس کی نظر میں کوئی وقعت ہی نہیں تو کیوں کر رہا ہے شادی بھی۔

"چھوڑیئے مجھے"۔ اس نے فائق کے ہاتھ ہٹائے۔

"تمہاری اکڑ فضول ہے' تم پتہ نہیں اتنی ناشکری کیوں ہو"۔ وہ طنز کرنے لگا۔

"کس بات پر شکر ادا کروں' اس بات پر کہ جو عزت پر ڈاکہ ڈالتا ہے وہی عزت دے رہا ہے"۔ اس کے الفاظ میں اتنی تلخی اور کاٹ تھی کہ لہجہ زہر خند ہو گیا۔

"پلیز تہذیب! تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟" وہ پھر گلٹی فیل کرنے لگا۔ روز رات کو اسے بے چینی سے نیند نہیں آتی تھی وہ تو جب سے حمود کا آفس جوائن کیا تھا تھوڑا مزاج میں تبدیلی آئی تھی ورنہ تو ذہن الٹا سیدھا ہی سوچ رہا تھا۔

"پھر کیا سوچوں ساری زندگی مجھے یہی طعنہ تو دیں گے آپ!"

"دیکھو! اس ٹائم میں کسی بھی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں' مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے' آج آفس میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا"۔ اس نے بے زاری اور اکتاہٹ سے بتایا۔ برنر تیز کر دیا تا کہ سالن جلدی گرم ہو مگر روٹی نہیں تھی وہ تو تہذیب نظر آئی تو اس نے شکر ادا کیا کہ روٹی بھی مل جائے گی۔

''مجھے آپ کو دیکھ کر وہ سب یاد آتا ہے''۔ دکھ و کرب سے اس نے لب کچلے۔ فائق کی نگاہ اس کے سراپے میں اُلجھی' پہلے کتنی پُراعتماد رہتی تھی مگر جب سے وہ حادثہ ہوا تھا اس کی ساری پُراعتمادی بھی جیسے کہیں غائب ہوگئی تھی۔ چہرے پر ہروقت بے زاری ہی نظر آتی تھی' وہ کب چاہتا تھا کہ وہ اذیت میں رہے' وہ تو محبت کرنا چاہتا تھا' اسے دینا چاہتا تھا مگر وہ تو اتنی تلخ ہوگئی تھی کہ اچھی کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں''۔

''آپ نہیں سمجھ سکتے میں کیا سوچتی ہوں''۔ وہ چیخی۔

''تہذیب! تم مجھے مجبور کررہی ہو کہ میں تم سے سخت لہجے میں بات کروں' میں جتنا تم سے نرمی برتنا چاہتا ہوں تم مجھے غصہ دلا رہی ہو''۔ اسے تہذیب کے لب و لہجے پر افسوس ہوتا تھا۔

''آپ یہ شادی روک دیں مجھے آپ سے کیا کسی سے بھی نہیں کرنی''۔ وہ پشت پھیر کے یکدم ہی بولی تھی۔ فائق تو سکتے میں آگیا وہ اس سے اتنی نفرت کرنے لگی تھی کہ اس سے رشتہ تک نہیں رکھنا چاہتی تھی' چہرہ اس کا دھواں دھواں ہوگیا تھا۔

''تم شروع سے ضدی ہو کتنا میں نے کہا تھا تم سوشل ورکری چھوڑ دو' تم نے نقصان اٹھایا' اب دوبارہ نقصان اٹھاؤ گی''۔ اس نے بازو کھینچ کے اسے سیدھا کیا۔

''سب سے بڑا نقصان ہو تو گیا ہے' دوسرے نقصان میرے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتے''۔ لہجے میں حسرت افسردگی اور وحشت سی تھی۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے تہذیب! کیوں کررہی ہو' شکر ادا کرو کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں قبول کررہا ہوں''۔ اس نے اپنی جانب اشارہ کرکے یقین دلایا۔

''میں کیا دیکھتی نہیں تھی آپ کا سلوک' شروع سے میرے ساتھ کیسا تھا' یہ پیار اور محبت اچانک سے کیسے ہوسکتا ہے''۔ وہ طنزیہ بولی۔

''تمہیں کیا خبر میں تو شروع سے تم سے کرنے لگا تھا''۔ وہ اتنا روہانسا ہو رہا تھا اسے سمجھا کے جو اس کی بات ماننے پر تیار ہی نہیں تھی۔

''جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں آپ''۔ اس نے اس کی بات پر ناگواری سے کہا۔

''صرف آپ ازالہ کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ اس معاشرے میں بے آبرو لڑکی کو کوئی عزت نہیں دے سکتا تو آپ مجھے قبول کرنے چلے ہیں''۔

''پلیز تہذیب! ایک لفظ نہیں بولو گی تم''۔ اس نے تہذیب کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''دل دُکھتا ہے میرا تم ایسے بولتی ہو تو۔ تمہیں میں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں اتنا کہ اس وقت مجھے بس یہ نظر آیا کہ جو میں کروں گا وہ جائز ہوگا' میں کیسے تمہیں کسی اور کو چھونے دیتا' میری محبت کو کیوں کوئی ہاتھ لگاتا''۔ اس نے تہذیب کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لئے' وہ وحشت زدہ سی اس کی صورت تکے گئی' وہ کیا کہہ رہا تھا ذہن ماؤف ہوگیا تھا' فائق اتنا مضمحل اور رنجور غم زدہ سا ہو رہا تھا کہ گلاسز سے جھانکتی آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

یہ ایسی محبت کرتا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی' دل کہہ رہا تھا کہ اس کی باتوں پر یقین کرلے جو جملے جذبے سماعتیں سننا چاہتی تھیں آج وہ اظہار کررہا تھا' اس کے ہاتھوں کی گرمی میں محبت کا رچاؤ اور نرماہٹ تھی۔

''بولو تہذیب! میں کیسے گوارا کرتا تمہیں کوئی چھوئے''۔ اس نے ہلایا' وہ چونک گئی۔

''میں نے محبت کی تھی کوئی جرم تو نہیں کیا تھا' میرے ساتھ بھی تو یہ ظلم ہوا ہے ناں''۔ وہ بول رہا تھا' تہذیب کے لب ساکت تھے۔

''میں نہیں رہ سکتی آپ سب کے سامنے اس طرح زندہ میں مرجاؤں گی''۔ وہ رونے لگی' وہ کیسے سب کی نظروں کا سامنا کرے گی' وہ اغوا شدہ لڑکی اور اس گھر کی بہو' لوگ طرح طرح کی باتیں نہیں بنائیں گے' کس کس کو یہ سب جواب دیں گے' اس کی اتنی اوقات ہی کیا ہے کہ کوئی اسے ایسے اہمیت دے' وہ بچن سے نکل گئی تھی' فائق نے تھک کے اپنے سر کو تھام لیا تھا' اسے تہذیب کی بدگمانی دور کرلی تھی۔

☆

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح بھی سب کی محبتوں کے آگے شرمندہ ہوں گی' محبت و خیال کرنے والی ان کی سسرال تھی مگر انہوں نے شروع سے سب کو منفی رویے سے ہی دیکھا' وہ سب ان کی خوبصورتی سے جلتے ہیں ان کے بناؤ سنگھار سے جلتے ہیں۔

اور جواد احمد کی ماں کتنے نازوں سے انہیں بیاہنے آئی تھیں' کسی تقریب میں وہ انہیں پسند آگئی تھیں جھٹ پٹ جواد احمد کا رشتہ دے دیا تھا جبکہ وہ خوش بھی تھیں کیونکہ جواد احمد خوش شکل اور وجیہہ تھے' وہ خوبصورتی پر مرتی تھیں اور انہیں جیون ساتھی بھی خوبصورت ہی ملا تھا' پڑھے لکھے اور محبت کرنے والے وہ شوہر تھے مگر انہوں نے خود جواد احمد کے ساتھ کیا کیا..... لڑنا جھگڑنا' ان کی ماں کو برا بھلا کہنا' ان کی بھابیوں کو برا بھلا کہنا' ان کی بھابیاں ان کی خوبصورتی سے جلتی تھیں جبکہ ایسی تو وہ بالکل نہیں تھیں' تینوں بچوں کی پیدائش پر دونوں جیٹھانیوں نے کتنا خیال رکھا تھا۔ عنایہ تو زیادہ تر اپنی دادی کے پاس رہتی تھی کیونکہ وشا اور معارج اتنے چھوٹے تھے کہ ٹھیک سے وہ عنایہ پر بھی توجہ نہیں دیتی تھیں اور پھر انہیں اپنے پارلر کھولنے کا شوق چڑھا۔

''سمیرا! تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو' بچوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اب تمہیں' یہ میک اپ پارلر پر دھیان کم دیا کرو''۔ انہوں نے روتے ہوئے معارج کو گود میں اٹھایا جو رو رو کے ہلکان ہوگیا تھا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے بچوں کی وجہ سے میں خود پر توجہ دینا چھوڑ دوں''۔ انہوں نے بھی چیخ کے کہا۔ پانچ سالہ وشا سہم کے جواد احمد کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور عنایہ کونے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی' اپنے ماں باپ کی روز کی لڑائیاں اسی طرح دیکھتی تھی۔

''تم گھر کے کاموں میں دھیان کیوں نہیں لگاتی ہو' گھر دو دیکھو کتنی دھول چڑھی ہوئی ہے اور تم سوائے اپنی صفائی کر[illegible] یہ [illegible] بچے روتے بلکتے رہتے ہیں' کب تک بھابیاں انہیں دیکھیں گی''۔

''ہاں..... تمہاری بھابیوں کو تو میں شروع سے کھٹکتی ہوں' کیوں کرتی ہیں بچوں کا خیال بھی''۔ وہ دھڑ سے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''آہستہ بولو کیا تم چیخ رہی ہو' آواز باہر جارہی ہے''۔ انہوں نے سرزنش کی۔

''جواد احمد! میں کچھ نہیں جانتی' یہاں سے کہیں اور شفٹ ہو' مجھے اپنا پارلر کھولنا ہے' کب سے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں''۔ انہوں نے روز کا جملہ آج پھر دہرایا۔

''تم اپنی ماں اور بھائیوں کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے ہو''۔

''بند کرو بکواس اپنی' جو دل میں آتا ہے بکتی رہتی ہو''۔ انہوں نے قہر برساتے لہجے میں انہیں کہا۔

"آپ کچھ نہیں کر سکتے؟" وہ چیختی پیر پٹختی ہوئی جانے لگی وہ بھی اس کے پیچھے دوڑا مگر اسے تو حیرانگی کا جھٹکا لگا وہ بابا اور امی کے روم میں دستک دے کر گھس چکی تھی۔

"یہ ادھر کیوں گئی ہے؟" وہ چوکھٹ پر ہی رک گیا۔ مگر اسے خبر تھی ضرور وہ کوئی بات ہی کرنے گئی ہے اور کیا بات کرے گی یہ بھی اندازہ تھا۔

منتہیٰ کو انہوں نے تنقیدی اور فہمائشی نگاہوں سے دیکھا' بلیو کپڑوں میں سر پر قرینے سے آنچل جمائے ان کے سامنے مودب انداز میں کھڑی تھی' کلثوم بانو اسی وقت واش روم سے نکلی تھیں۔

"بابا! میں جانتی ہوں آپ حمود سے میری وجہ سے ناراض ہیں' ہونا بھی چاہیے' مگر ان کا کوئی قصور نہیں ہے مجبور نکاح کے لئے انہیں میں نے کیا تھا' میں کونذ سے اپنی جان بچا کر یہاں آئی تھی' پتہ نہیں کیسے ان پر اعتبار کرلیا صرف تحفظ کے لئے میں نے نکاح چاہا تھا"۔ وہ قدرے توقف کے بعد ان سے بولی۔ ہشام سالار کوٹ پہننے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے تھے کہ رک گئے۔

"میں یہاں سے چلی جاؤں گی میں اپنی اوقات جانتی ہوں میری جگہ ویسے بھی یہاں نہیں ہے' یہاں صرف حمنیٰ ہی آسکتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آپ ان کی شادی حمنیٰ سے کردیں"۔

حمود تو بھنا کے رہ گیا' سارا معاملہ خراب کرنے وہ اندر پہنچ گئی تھی جبکہ اس دن وہ حمنیٰ کی عقل ٹھکانے لگا کے آچکا تھا' نیاز انکل کو سب کچھ واضح کردیا تھا' اس نے منتہیٰ کو بھی بتادیا تھا مگر وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"میرا کیا ہے زندگی گزار لوں گی مگر پلیز! مجھے ان کے نام سے جدا کرنے کا سوچئے گا بھی نہیں کیونکہ مجھے تحفظ چاہیے تھا یہ سب نہیں' بخدا میرا ارادہ یہاں آنے کا بھی نہیں تھا"۔ وہ بول رہی تھی کلثوم بانو نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا' ہشام سالار کو اس کی معصومیت سے کی گئی ساری باتوں پر یقین تھا' انہیں اندازہ بھی تھا وہ کس نیچر کی ہے پھر وہ کلثوم بانو کی رشتے کی بہن کی بیٹی بھی تو تھی صرف اسی وجہ سے وہ اسے یہاں سے جانے بھی نہیں دینا چاہتے تھے مگر یہ سب منتہیٰ کو پتہ نہیں تھا۔

"ہو سکے تو مجھے معاف کردیجیے گا میں نے آپ سب کو ہی تکلیف دی"۔ اس کی آنکھوں سے اشکوں کا جھرنا جاری ہوگیا' آواز اندر گھٹنے لگی۔ حمود سے زیادہ دیر برداشت نہیں ہوا تو اندر چلا آیا۔

"منتہیٰ! کیا بول رہی ہو تم؟" اسے تو لگا جیسے اس کی دنیا ڈول گئی ہو' ابھی تو اپنی خوبصورت زندگی کے پلوں کو اس نے انجوائے بھی نہیں کیا تھا وہ دور جانے کی بات کررہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ تم ہمارے بیچ میں بولو"۔ ہشام سالار کی کڑی نظروں نے اسے چونکا دیا۔

"بابا! یاد رکھیے گا یہ اگر یہاں سے گئی تو میں بھی یہاں نہیں رکوں گا اور ساری زندگی آپ کو اپنی صورت تک نہیں دکھاؤں گا"۔ اس نے بھی مشتعل ہوکر انہیں دھمکی دی۔

"حمود! بیٹے کیا بول رہا ہے تو"۔ کلثوم بانو تو لرز ہی گئیں۔ منتہیٰ ہق دق سی اس کا برہم اور آگ بگولہ چہرہ دیکھنے لگی وہ آج پھر ہشام سالار سے دو بدو ہوگیا تھا۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے باپ پر آنکھیں نکال رہا ہے"۔ وہ دھاڑے۔

"سمجھا کے نہیں رکھتی ہو اسے' اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ رہا ہے ذرا تمیز بھی سکھا دیتیں' نماز تو پابندی سے پڑھتا ہے مگر بات کرنے کا ڈھنگ نہیں ہے"۔ انہوں نے منتہیٰ کو گویا شرم دلائی' وہ حیا سے نگاہ جھکا کے رہ گئی۔

"آؤٹ' نکلو یہاں سے"۔ انہوں نے حمود کو شہادت کی انگلی سے جانے کا اشارہ کیا' منتہیٰ نے سب سے پہلے تقلید کی۔

"تم کہاں چلیں...... میں نے اسے جانے کو کہا ہے"۔ انہوں نے منتہیٰ کو روکا۔ وہ حیران تھی ان کے ایسے لب و لہجے پر' نہ اس میں اپنائیت تھی نہ ہی بے گانگی اور خشکی تھی۔ حمود کو وہ جانے کا کہہ رہے تھے' وہ تیزی سے نکل گیا۔ منتہیٰ کا دل دھک دھک کرنے لگا پتہ نہیں اب کیا فیصلہ سنانے والے ہیں۔

"تم جانتی ہو میں نے تمہیں اس گھر سے کیوں نہیں نکالا؟" وہ مخاطب ہوئے۔ کلثوم بانو آگے آکر بیٹھ گئی تھیں' منتہیٰ ناسمجھی کی کیفیت میں انہیں بغور دیکھنے لگی' ہشام سالار نارمل انداز میں ہوگئے تھے۔

"کیونکہ تم کلثوم بانو کی بہن زرینہ کی بیٹی ہو"۔

"جج...... جی......" اس کی تو آنکھیں حیرت و دہشت سے پھٹ گئیں' سماعتوں پر لگتا تھا کوئی بم تھا' وہ ماتھے پر ڈھیروں سلوٹوں کے ساتھ گنگ سی رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اتفاق ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

"ہاں تم زرینہ کی بیٹی ہو"۔

"اماں کی...... اماں کیسی ہیں' وہ مجھے یاد کرتی ہیں؟" وہ تو تڑپ کے بے قراری سے کلثوم بانو کے قدموں میں بیٹھ گئی' ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ماں کو دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا' پتہ نہیں چاچا نے ان کے ساتھ کیا' کیا ہوگا۔

"ہاں ٹھیک ہے میں تمہیں پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی کیونکہ تمہارے نقش زرینہ سے ملتے تھے' زرینہ سے ملنا تو ہوتا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ نوشکی میں ہوتی تھیں اور میں زیارت تک ہی جاتی تھی' اپنی شادی کے بعد سے ملنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ تمہاری ماں کے سسرال والے خاصے ظالم تھے' انہوں نے زرینہ کو ہم سے ملنے ہی نہیں دیا پھر خبر آئی کہ زرینہ کی جس دن بیٹی ہوئی اسی دن شوہر کا بھی انتقال ہوگیا"۔ کلثوم بانو اسے بتارہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے اشک موتیوں کی طرح لڑھک کے کارپٹ میں جذب ہورہے تھے۔

ہشام سالار کو منتہیٰ بری نہیں لگی تھی مگر انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ حمود نے اتنی بڑی بات ان سے چھپائی۔ کیسے منتہیٰ' کلثوم بانو کے زانوں سے لگی بیٹھی وہ سب سن رہی تھی۔

☆

جب سے اچھا اچھا سوچنا شروع کیا تھا سارے منفی خیالات سوچیں ایک طرف کی تھیں دل و دماغ معطر سے ہو گئے تھے' زندگی تو اب زندگی لگنے لگی تھی' اپنے بچوں کے پاس وہ بیٹھنے لگی تھیں اور سب سے حیران کن تبدیلی جو سب نے نوٹ کی تھی وہ نماز وغیرہ پڑھنے لگی تھیں' کتنے دن سے جواد احمد اور ان میں ہلکی سی بھی جھڑپ نہیں ہوئی تھی' صبح کے وقت کچن میں عنایہ کے ساتھ لگی ہوتی تھیں' معارج کا خاص خیال رکھتی تھیں کیونکہ سب سے زیادہ اسے ہی شکایت ہوتی تھی' مائزہ سے بھی ان کا رویہ مثبت ہوگیا تھا۔

"میں نے تمہارے پارلر کی دوبارہ سے رپیئرنگ کا کہہ دیا ہے"۔ وہ آفس جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

"پارلر......" سمیرا بیگم نے زیر لب کہا۔

"ہاں...... بہت دن ہوگئے ہیں تم نے تو اُدھر کا رخ ہی کرنا چھوڑ دیا ہے"۔ وہ روم سے نکلنے لگے وہ بھی ان کی تقلید میں باہر نکلی تھیں۔

"آپ طنز کررہے ہیں؟" اب تو لب و لہجے میں بھی ایک لگاؤ اور وقار آگیا تھا۔

"غلط بات مت سوچا کرو' میں عام سے لہجے میں بول رہا ہوں"۔

عنایہ کی روز کی روٹین شروع ہو گئی تھی ماسی سے صفائی وغیرہ کروانے کی' کئی دنوں سے پارلر کی تو صفائی ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"سمیرا! بیس دن سے زیادہ ہو گئے ہیں تم نے پارلر بند کیا ہوا ہے' تمہارے روز ہی کلائنٹ آتے ہیں اور فون الگ بجتا ہے"۔ وہ انہیں یاد دلانے لگے۔

"اب میں پارلر نہیں چلاؤں گی' میں نے سب کچھ وہاں کا ختم کر دیا ہے"۔ انہوں نے دھماکہ ہی کیا۔

عنایہ نے حیرت و انبساط سے انہیں دیکھا' جواد احمد کے اٹھتے قدم رُک گئے' وہ سمیرا بیگم کی سمت گھومے جیسے انہوں نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"ہاں..... مجھے پارلر نہیں چلانا ہے اور مجھ سے یہ کوئی نہیں پوچھے کہ کیوں" وہ لب بھینچ کر رہ گئیں۔

"سمیرا! پھر بھی میں اتنا ضرور کہوں گا تمہارے شوق پر مجھے کبھی اعتراض نہیں تھا مگر طریقہ تمہارا غلط تھا' تم اپنی وہاں کی دنیا میں کھوئی تھیں کہ اپنے آپ کو' گھر کو سب کو بھلا دیا تھا"۔ جواد احمد کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسی غیر متوقع بات کر سکتی ہیں جنہیں سجنے سنورنے کے آگے کچھ یاد ہی نہیں رہتا تھا۔

"میری آنکھیں کھل گئی ہیں میرا طریقہ غلط تھا"۔ وہ رونے ہی لگیں۔

عنایہ نے ماسی کو پورچ کی صفائی کرنے کا کہہ دیا کیونکہ اس کے سامنے کوئی بھی بات نہیں کرتے تھے۔

"میں نے کبھی اپنے بچوں پر توجہ ہی نہیں دی' ہمیشہ ناراض رہی' مجھے کبھی عزت ملی ہی نہیں' اب جتنی زندگی رہ گئی اس میں عزت سے زندگی گزاروں"۔

"امی! آپ روئیے تو نہیں"۔ عنایہ نے انہیں ساتھ والے صوفے پر بٹھا لیا۔

"جواد! میں نے کبھی اپنی اس بچی کا سوچا ہی نہیں' ہمیشہ اسے اگنور کیا اور یہ میری وجہ سے دیکھو اب تک بیٹھی ہے"۔ انہیں عنایہ کو دیکھ کر خیال آتا تھا ان کی رضامندی کے بغیر وہ اپنی نئی زندگی کی ابتدا تک نہیں کر رہی تھی اور انہوں نے تو ابھی تک بھی اپنے بچوں کو کچھ نہیں دیا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا میری بچی! جانے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں ماں ہو کر اتنی خود غرض بن گئی تھی"۔

"آپ ایسی باتیں نہیں کریں مجھے دکھ ہوتا ہے' مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے"۔ اس نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو چوم لیا۔

جواد احمد نے اوپر والے کا شکر ادا کیا کہ آج ان کی زندگی میں دوبارہ سے خوشیوں کو بھیج دیا تھا۔ سمیرا سے وہ بہت محبت کرتے تھے مگر ان کے منفی رویے کی وجہ سے وہ ان سے جھگڑا کرتے تھے۔

"جو ہو گیا بھول جاؤ' میں ابھی بھی کہتا ہوں تم اپنا شوق جاری رکھو مجھے یا کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو گا"۔ انہوں نے پھر کہا۔

"نہیں جواد! جب مجھے اس شوق نے عزت ہی نہیں دی' میک اپ کر کے خود کو لوگوں کو تو سنوارتی تھی مگر میں اخلاقی طور پر تو سج دھج سے نابلد تھی' جب ہی دیکھو تم سب سے کتنی دور ہو گئی تھی"۔ وہ اعتراف کرتی ہوئیں دونوں کو حیران کر گئی تھیں' سر ندامت اور دکھ سے جھکا ہوا تھا۔

"آپ بہت پیاری ہیں امی! اتنی کہ کوئی مجھ سے پوچھے"۔ اس نے ان کا ماتھا چوم لیا' وہ اپنی ماں کا ٹوٹا ہوا لہجہ اس پر رونا کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"میں نے دوسروں کے کہنے میں آ کر غلط ہی سوچا اور کیا"۔ انہیں اپنی سہیلی سائرہ یاد آ گئی جو ہمیشہ انہیں چڑھاتی تھیں اور خود اپنے بچوں سے محبت کرتی تھیں' انہیں بچوں سے دور کیا ہوا تھا اور وہ بھی آنکھوں پر جیسے پٹی باندھے ہوئے اس کے کہنے پر عمل کرتی جا رہی تھیں۔

انہوں نے زندگی سے اچھی طرح سبق لے لیا تھا کیونکہ زندگی اپنے حصے کا سبق ضرور دیتی ہے اور انہیں ان کے حصے کا سبق مل گیا تھا جو بھی گیا زندگی میں ہی انہیں واپس مل گیا تھا۔

"جواد! تم بھی مجھے معاف کر دینا میں تمہارا اور بچوں کا خیال نہیں رکھ سکی"۔ انہوں نے جواد احمد سے بھی معافی مانگی۔

"مجھے تمہاری معافی کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا یہی بہت ہے"۔ انہوں نے بھی جھٹ کہا۔

"مگر یاد رکھنا کبھی بھی دوسروں کے کہنے میں آ کر اپنی زندگی کو جہنم مت بنانا کیونکہ کچھ لوگ کسی کو خوش بھی نہیں رہنے دیتے ہیں"۔ جواد احمد ان کی سہیلی سائرہ کی عادتوں سے واقف تھے' انہیں سسرال سے الگ کروانے میں بھی سائرہ کا ہی ہاتھ تھا۔

"ہوں..... تم نے ٹھیک کہا' کبھی اپنی پرسنل زندگی میں باہر والے کو انوالو نہیں کرنا چاہیے' یہ مجھے اچھی طرح سبق مل گیا ہے"۔ انہوں نے بھی سر ہلا کر تائید کی۔

"اچھا بھئی میں آفس کے لیے نکلتا ہوں"۔ جواد احمد کو وقت گزرنے کا احساس ہوا تو ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے"۔ سمیرا نے انہیں پھر مخاطب کیا۔

"کچھ واپسی کے لیے بھی بچا کے رکھو"۔ وہ شوخی سے کہہ کر مسکرائے۔

عنایہ کو بھی ہنسی آ گئی' سمیرا بیگم نے جھینپ کے انہیں دیکھا' آج وہ بھی ہنستے مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے ورنہ کبھی ان دونوں میں مسکراہٹ کا تبادلہ ہی نہیں ہوا تھا' صبح ہی جھگڑے سے ہوتی تھی اور آج صبح مسکراہٹوں سے ہوئی تھی کتنی اچھی لگ رہی تھی آج کی صبح۔

کتنی بڑی غلطی کرتی رہی تھیں' اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی برباد کر رہی تھیں اور آج صرف ذرا سی غلطی مان لینے سے سب کچھ نکھر گیا تھا۔

"مجھے اماں جی سے ملنا ہے"۔ قدرے توقف کے بعد شرمندگی کے احساس میں مبتلا جھجک کے گویا ہوئیں۔

"اماں جی کا بھی خوب یاد دلایا' روز کہہ رہی ہیں سمیرا کو کب لا رہا ہے"۔

"سچ انہوں نے میرا پوچھا؟" وہ تو سن کے حیران رہ گئیں' انداز بالکل بے ساختہ بچوں والا ہی تھا' وہ مسکرانے لگے۔

"ظاہری بات ہے کیوں نہیں پوچھیں گی' اب عنایہ کی رخصتی کے سارے معاملے تم نے دیکھنے ہیں کیونکہ وشہ کا میں نے اکیلے نے کیا ہے"۔ وہ جھٹ بولے۔

عنایہ رخصتی کا سن کے شرما کے وہاں سے ہٹ گئی' سمیرا بیگم کو اپنی کم گو اور صابر بیٹی پر پیار آیا' وشہ پھر بھی لڑ جھگڑ کے سب منوا لیتی تھی۔

"ہوں..... آپ دیکھئے گا ہماری عنایہ کی رخصتی کیسی شاندار ہو گی"۔ وہ اب ساری غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں ان کی بیٹی نے اتنا کیا کہ اپنی رخصتی نہیں کرائی' ان کا بھی فرض تھا اپنی بیٹی کو خوشیوں کے حوالے کریں۔

سارے لوگ مبینہ کے گھر میں جمع تھے۔ منتہٰی کو بھی خوشی خوشی حمود چھوڑ کے چلا گیا تھا‘ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ حکمت تو بار بار بول رہی تھی۔

”آپ وہاں جا کر زیادہ خوبصورت ہو گئی ہیں“۔ دونوں کچن میں لوازمات ترتیب دے رہی تھیں۔

نزہت بیگم‘ ناظمہ‘ وشہ‘ یمنٰی‘ تہذیب اور فائق کی شادی کی ڈیٹ رکھنے آئے تھے‘ فراج اگلے مہینے کی بیس کو آ رہا تھا ساتھ ہی ساتھ دونوں کے معاملات بھی نمٹانے تھے۔

”چپ کرو بدتمیز بولے جا رہی ہو“۔ وہ جھینپ گئی۔

جلدی جلدی وہ ٹرے اٹھا کے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں‘ منتہٰی پرپل کپڑوں میں لائٹ سے میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”تہذیب کو تو بلا لو“۔ وشہ نے کہا۔

”نہیں آ رہیں آپی“۔ حکمت اسے دوبارہ بلانے گئی تھی مگر مایوس ہوئی تھی۔

”بھابی! میرے پاس کچھ نہیں ہے تہذیب کے ابو نے جو کچھ بھی اس کیلئے رکھا تھا وہ میں نقدی کی صورت میں دے دوں گی“۔ مبینہ کی پوری کوشش تھی کہ جلد ہی تہذیب کی شادی ہو جائے۔

”مبینہ! یہ تم غیروں والی بات کر رہی ہو ہمارے پاس سب کچھ ہے‘ ہمیں تہذیب چاہئے“۔ نزہت بیگم بولیں۔

”میں اس قابل تو نہیں کہ آپ کا مقابلہ کر سکوں مگر بھابی صرف ایک عزت ہی ہمارے پاس تھی“۔ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

”ایسی باتیں کیوں کرتی ہو فکر نہیں کرو تہذیب کو ہم خوش رکھنے کی کوشش کریں گے“۔ ناظمہ یقین دلانے لگیں۔

”کبھی میری بیٹی کو اغوا ہونے کا طعنہ تو نہیں ملے گا“۔ اندر کا ڈر ان کے لبوں پر آ ہی گیا پھر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اندر کی بات ان لوگوں کو نہیں معلوم تھی کہ تہذیب اور فائق کے درمیان کیا ہو چکا ہے۔

”مبینہ! تم ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتی ہو“۔ ناظمہ کو افسوس ہوا۔

وہ تینوں لڑکیاں تہذیب کے پاس اندر چلی گئی تھیں اس لئے تینوں خواتین کو کھل کے بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

”بس بیٹی کی ماں ہوں ناں اس لئے ایسے بول دیا“۔ وہ شرمندہ ہوئیں مگر اصل بات بولنے کے لئے ان کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی‘ اگر انہوں نے ساری حقیقت بتا دی اور ان سب کا رویہ تہذیب کے ساتھ بدل گیا یا وہ رشتہ کرنے سے ہی انکار کر دیں‘ اس سے آگے سوچنے کی ان میں تاب نہیں تھی‘ لب انہوں نے سی لئے تھے کیونکہ بول کے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو ہم بیٹیوں کی ماں نہیں ہیں؟ پھر تہذیب میرے لئے میری بیٹی ہے‘ محریب نے اسے بہن کہا ہے اور اس رشتے سے وہ میری بیٹی بھی ہوئی“۔ نزہت نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

وہ ان سب کی محبت کے آگے مسکرا دی تھیں۔ سارے ہی ان کا خیال کر رہے تھے‘ کبھی بھی امیر اور غریب کی ان کے گھرانے میں تفریق نہیں دیکھی تھی ورنہ ان کے اپنے رشتے داروں نے تو انہیں پلٹ کے پوچھا تک نہیں تھا اور یہ غیر اپنوں سے بڑھ کے اپنے بن گئے تھے۔

کہتے ہیں ناں اگر رشتوں کو مان دو‘ محبت دو تو وہ غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ انہوں نے یہاں یہی دیکھا تھا رشتوں میں مان تھا‘ عزت تھی‘ اہمیت تھی اور سارے ہی لوگ محبت و اپنائیت سے پیش آتے تھے‘ بھی ان کے بچوں

میں فرق ہی نہیں کیا تھا۔

”آج سے دو ماہ بعد کی ڈیٹ ہے تیاریاں کیا کرنی ہیں گھر کے بچے ہیں کوئی جھمیلا بھی نہیں ہے“۔ نزہت نے مبینہ کو تسلی دی‘ وہ گہری سوچ میں تھیں۔

”مبینہ! اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کرنا اور ہمیں جہیز کے نام پر ذرا سی بھی کوئی چیز نہیں چاہیے“۔ ناظمہ نے بھی تائید کی۔

”ہماری یمنٰی کی ساس نے بھی سب چیزوں کا منع کر دیا ہے‘ یمنٰی شادی کے چھ مہینے بعد تو انگلینڈ فراج کے ساتھ چلی جائے گی“۔ وہ بتانے لگیں۔

”اللہ تعالیٰ دونوں کو خوش رکھے‘ خوشیاں دے“۔ مبینہ نے یمنٰی اور فراج کو بھی دعائیں دیں۔

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ اٹھ گئیں‘ ناظمہ اور نزہت نے افسردہ سی تہذیب کو ساتھ لگا کر پیار بھی کیا مگر تہذیب کا تو دل ڈر رہا تھا۔

”کیا بات ہے آپی! آپ منہ کیوں بنا کے بیٹھی ہیں“۔ حکمت نے ان کے جاتے ہی پوچھا۔

”حکمت! اسے تو میں پوچھتی ہوں‘ تم فکر نہیں کرو“۔ منتہٰی کا لب و لہجہ تک معنی خیز اور مسکراتا ہوا تھا۔ جب سے ہشام سالار کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک ہوا تھا وہ بہت خوش ہو گئی تھی مگر حمود سے ان کی ہنوز ناراضی چل رہی تھی۔

”کیا بات ہے کیوں ایسے بیٹھی ہو؟“ منتہٰی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

”یہ سب ٹھیک ہو رہا ہے کیا؟“ الٹا سوال ہی کر بیٹھی۔

”ہاں سب ٹھیک ہو رہا ہے اور ہاں فضول سوچیں باہر پھینکو‘ دونوں آنٹی بہت خوش ہیں“۔ اس نے تسلی دی۔

”ان کا بیٹا تو خوش نہیں ہے ناں‘ مجھ پر وہ احسان کر رہا ہے منتہٰی باجی! آپ کو نہیں پتہ وہ کیوں کر رہا ہے ایسا“۔ اسے سارا دکھ و غم فائق کے انداز پر ہی تو تھا جو اتنا سخت گیر اور نخوت زدہ سا ہو گیا تھا‘ رونا آتا تھا۔

”تم اپنی محبت سے جیتنا“۔ اس نے سمجھایا۔

”میں ہوں‘ منتہٰی نہیں جس کا شوہر اسے دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے“۔ اسے منتہٰی کی زندگی پر رشک آ رہا تھا‘ کتنی خوش خوش لگ رہی تھی۔ منتہٰی جز بز سی لاجواب سی اس کی افسردہ صورت دیکھنے لگی جو اتنی بدظن اور بدگمان فائق سے ہو رہی تھی کہ اسے فکر بھی ہونے لگی۔ شادی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اسے اس گھرانے کے ہر فرد کی فکر تھی۔ پھر سب اسے اپنوں سے زیادہ عزیز تھے جنہوں نے ایسے وقت میں اس کا ساتھ دیا جب دنیا کے رہنے والے لوگوں نے اس پر زندگی تنگ کر دی تھی۔ اسے یہاں رہ کر ماں کا‘ بہن بھائی کا‘ سب کا پیار ملا جبکہ اس کا تو کوئی بہن بھائی بھی نہیں تھا‘ مگر یہ سارے رشتے اسے ملے اور ان کی توجہ محبت سب ایسے ملی جیسے وہ برسوں سے یہاں ان سب کے درمیان رہتی ہو‘ اگر یہ سب نہیں ہوتے حمود نہیں ہوتا وہ کہاں جاتی۔ کچھ تو کرنا ہی تھا اسے اپنی اس بہن کے لئے جو اس کیلئے ہر وقت پریشان رہتی تھی‘ حمود حسن سے شادی نہیں کرنے باقاعدہ کئی بار وہ حمود سے جھگڑا بھی کر چکی تھی۔

”تہذیب! کسی بھی رشتے کو اپنا بنانے کیلئے پہلے اس کا بننا پڑتا ہے پھر ہی اس رشتے کا ہمیں پیار محبت اپنائیت ملتی ہے‘ اگر پہلے سے ان چیزوں کو چاہو کہ مل جائیں تو یہ ناممکن ہے“۔ وہ اسے سنجیدہ لہجے میں سمجھانے لگی۔

”میں یہاں آئی تم سب سے ملی تم سب نے مجھے اتنا پیار دیا‘ محبت دی‘ میرا بھی فرض تھا کہ یہ جو مجھے رشتے بن

مانتے ملے ہیں انہیں جواب میں پیار دوں"۔

"مگر منتہیٰ باجی! فائق تو مجھے نہیں لگتا پیار دے مجھے"۔ وہ فائق کی جیسے کسی بھی بات پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم دینا پیار پھر وہ دے گا تم دیکھنا"۔

"میرا دل ڈرتا ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولی۔

"ڈر کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہو گی تو تمہیں کچھ نہیں کرنے دے گا اسے دور کرو اور جیسا میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنا"۔ اس نے تہذیب کا چہرہ ہاتھوں میں لیا' اس لمحے تہذیب چھوٹی سی بچی ہی لگ رہی تھی جو ڈر و خوف کی وجہ سے سمٹ کے بیٹھی ہو۔

"فائق نے مجھے پھر طعنہ دیا تو......" بولتے بولتے رک گئی۔

"تم چپ رہنا کیونکہ چپ رہنے سے بہت کچھ فتح کرلیا جاتا ہے جبکہ یہ تو ایک مرد کا دل ہے' تم اپنی چپ سے پیار سے اسے جیتنا' وہ کچھ بھی کہے تم ناچاہتے ہوئے بھی اس کی سخت سے سخت بات کو برداشت کرنا کیونکہ تہذیب وہ تمہیں عزت بھی دے رہا ہے"۔ وہ اسے سمجھاتی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی تہذیب کو لگا جیسے اس کی آگے کی راہوں کو وہ وا کرتی جا رہی ہے' راستوں پر روشنی کرتی جا رہی ہے ورنہ وہ تو سارے امید کے چراغ گل کرچکی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے نا عورت مرد کی طنزیہ مار نہیں سہہ سکتی"۔

"مگر تمہاری یہ اعلیٰ ظرفی ہوگی تمہیں برداشت کے دور سے گزرنا ہوگا تہذیب! کچھ پانے کے لئے پہلے کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب کہیں جا کر راحت ملتی ہے' مگر یقین کامل ہونا ضروری ہے' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو یقین رکھو وہ تمہارے ساتھ کل بھی تھا اور ہمیشہ رہے گا"۔

"ہوں......" اس نے سر ہلایا۔

"تم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ جس شخص کے ساتھ تم نے وہ لمحے گزارے وہی تمہارا نانا ذبھی بن رہا ہے"۔

یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا' غلط ہی سوچ رکھتی آ رہی تھی' فائق نے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھایا جبکہ اس نے فائق کی آنکھوں میں اپنے لئے کبھی ہوس نہیں دیکھی تھی' جب بھی ملا جھگڑا یا پھر تپا ہی ہوتا تھا' آنکھیں اس کی مسکراتی ہوئی لگتی تھیں مگر آج کل اس کی آنکھیں تک اداس تھیں' لہجے کی سچائی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی مگر وہ نفی کر رہی تھی کہ وہ صرف مجبوری میں یہ رشتہ نبھائے گا۔

"کوشش کیا کرو منفی نہیں سوچا کرو مثبت سوچ کو جگہ دو گی تو راستے خود بخود کھلتے جائیں گے مگر یہ اس صورت میں کہ یقین ہو ارادہ پکا اور سچا ہو اور پروا پھر ساتھ ضرور دیتا ہے"۔ اس نے آج تہذیب کو ہر بات اچھی طرح سمجھا دی تھی وہ وفورِ مسرت سے اس کے گلے سے لگ گئی منتہیٰ نے بڑی بہن ہونے کا حق ادا کیا تھا۔

منتہیٰ نے پھر بھی سوچ لیا تھا کہ فائق سے مل کر تہذیب کی بدگمانی شیئر کرے گی' وہ جو اس کے آفس میں تو کام کرتا تھا کسی دن گھر بھی بلا کے خود سے ذکر کرے۔

(جاری ہے)
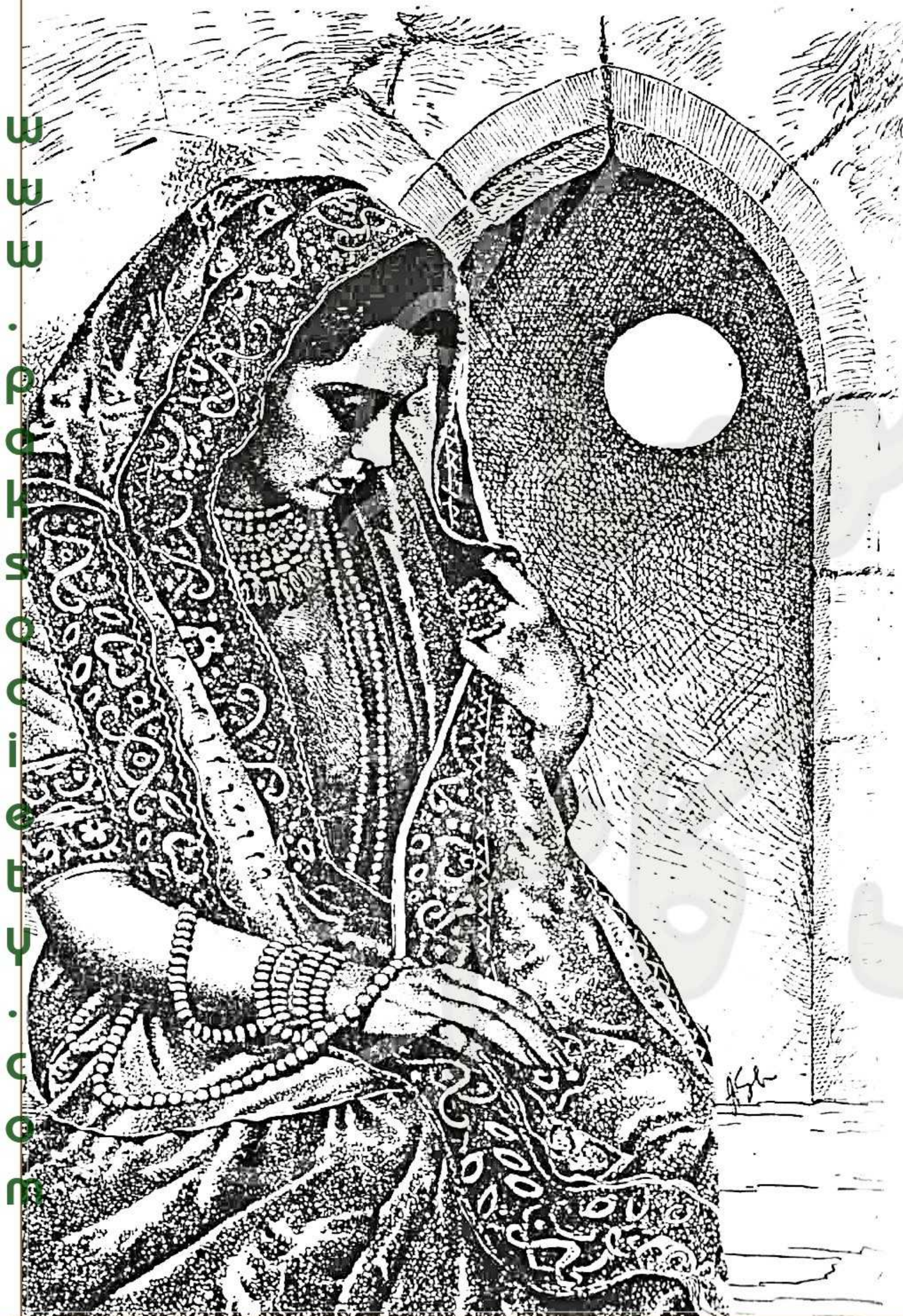
WWW.PAKSOCIETY.COM
شازیہ مصطفیٰ
آخری قسط
سلسلے وار ناول
چاہت دل کی چاہت
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نیاز علی نے سن کے فوراً ہی انکار کر دیا۔ ہشام سالار حیرانگی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے' وہ سن کے مشتعل ہوئے تھے نہ ہی کوئی غصہ دکھایا تھا۔

''نیاز! ہمیں حمنیٰ کی فکر ہے خدانخواستہ وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرے''۔ وہ جھٹ بولے۔ مسز نیاز علی نے پہلو بدلا تھا۔ آج ہشام سالار ان کے گھر بات کرنے چلے آئے تھے یہ بھی منتہیٰ کے کہنے پر' حمنیٰ کی اسے بہت فکر تھی وہ جانتی تھی کہ جذباتیت میں کوئی غلط قدم دوبارہ نہ اٹھالے۔

جدید طرز پر ڈیکوریٹ کیا ڈرائنگ روم فانوس کی روشنی میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا' حمنیٰ کے قدم باہر ہی رک گئے تھے۔

''ارے حمود راضی ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے حمنیٰ اور حمود کی شادی میں''۔ وہ انہیں کسی طرح بھی منانا چاہتے تھے۔

''دیکھو ہشام! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی حمود سے کیونکہ وہ مجھے سب کچھ بتا چکا ہے اور میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی پر ظلم کروں''۔ ان کا انداز قطعیت زدہ تھا' انہیں ہشام سالار کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی پھر وہ اپنی بیٹی کو بٹا ہوا شوہر نہیں دینا چاہتے تھے۔

''میری بہو کو بھی اعتراض نہیں ہے وہ تو خود بات کرنے آ رہی تھی' میں نے روک دیا''۔ وہ بتانے لگے۔

''کیا منتہیٰ......'' حمنیٰ تو سن کے چکرا گئی۔

اتنا بڑا دل کیسے ہو سکتا ہے وہ اپنے ہسبینڈ کو کسی دوسری لڑکی کے حوالے کر دے جبکہ عورت تو شیئر برداشت ہی نہیں کرتی' وہ خود بھی حسد میں ہی تو مبتلا تھی۔

''ہشام! کیا فضول بات کر رہے ہو' تمہیں شرم نہیں آئی اپنی بہو سے ایسی بات کرتے ہوئے''۔ نیاز علی نے انہیں الٹا سخت درشت لہجے میں سنائی' انہیں دکھ و غم سے اور غصہ آنے لگا۔

''کیا کرتا نیاز! ہم پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جب زبان دے دی تو دیدی' اپنی عزت اور بات کے آگے ہم مر تو سکتے ہیں مگر اپنی بات سے نہیں پھر سکتے''۔ انہوں نے بھی اپنی بات پر زور دے کر جتایا۔

''کیا بے وقوفوں کی طرح بات کرتے ہو' یہاں کوئی دفعہ نہیں لگ رہی ہے کہ تم اپنی بات سے پھر گئے تو بہت بڑا نقصان ہوگا''۔ وہ پھر برہم ہونے لگے۔

''یار! تم میرے دوست ہو' کیسے میں تمہیں اپنی وجہ سے دکھ دوں''۔

''اس طرح کی باتیں کر کے تم مجھے دکھ ہی دے رہے ہو' مجھے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے' میں اتنا خود غرض باپ نہیں ہوں کہ اپنی بیٹی کی خوشی کے لئے کسی لڑکی کی خوشیاں چھین لوں''۔ وہ نرم سے لہجے میں بولے مگر انداز ان کا تھکا تھکا ہو گیا تھا' مسز نیاز گم صم سی بیٹھی ہوئی تھیں' انہیں حمنیٰ کی جو فکر تھی' وہ ان کی کل کائنات تھی اپنی اکلوتی بیٹی کا دل ٹوٹتا پھر اس نے جو خودکشی کی کوشش کی تھی اس کے بعد سے وہ اور بھی مغموم سی ہو گئی تھیں۔

''مجھے معاف کر دینا نیاز! میں وعدہ پورا نہیں کر سکا' مجھے حمود نے تمہارے سامنے سر اٹھانے کا نہیں رکھا''۔ وہ سر جھکا کے مجرموں کی طرح بول رہے تھے۔ نیاز علی سے ان کی پچیس سال پرانی دوستی تھی' دونوں کالج اور یونیورسٹی میں ساتھ ساتھ ہی تھے اور پھر بعد میں شادی کے بعد بھی ان کی دوستی نہیں کم ہوئی بلکہ دونوں کی لائن ایک ہونے کی وجہ سے پارٹنر شپ بھی بزنس میں رکھ لی' آج تک دونوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا تھا۔

ہشام! ایسے بول کے مجھے شرمندہ نہیں کرو' مجھے پتہ ہے تم کیا سوچتے ہو' کیا ہوا اگر حمنیٰ اور حمود کی شادی نہیں ہو سکی' ارے ان کی جوڑی اللہ نے نہیں بنائی تھی مجھے کوئی دکھ نہیں ہے''۔

حمنیٰ کو اپنے پاپا کی آواز میں حسرت' غم' دکھ اور کمزوری واضح نظر آ رہی تھی۔

''ٹھیک کہا آپ نے پاپا! میری جوڑی نہیں بنائی تھی''۔ وہ الٹے قدموں واپس مڑ گئی تھی۔

''مجھے ساری زندگی تم سے شرمندگی رہے گی''۔

''مگر مجھے ایسا کچھ نہیں فیل ہوگا' ہماری دوستی انشاء اللہ قائم رہے گی' ہماری دوستی ایسی نہیں ہے کہ اتنی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کے ہم دوستی توڑ لیں' ایسا کچھ نہیں ہے''۔ انہوں نے ہشام سالار کو شانوں سے تھام کے اپنے گلے سے لگا لیا۔

''چل اب ختم کر یہ رونا دھونا' یہ بتا کب ولیمہ کر رہا ہے حمود کا''۔ انہوں نے فوراً ہی ماحول کو اپنی خوشگوار بات سے بدلا۔ وہ حیرت سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے' انہیں نیاز علی کے چہرے پر ملال اور حسرت نظر آ رہی تھی مگر انہیں اپنے دوست کی بڑائی پر رشک آیا۔

''میں تو سمجھا تھا تم بہت ہی غصہ ہو گے بات نہیں کرو گے''۔

''سمجھ گیا' عموماً لوگ رشتہ طے نہ ہونے پر دوستیاں پارٹنر شپ توڑ دیتے ہیں' تم ایسا سمجھ رہے تھے''۔ وہ ماحول کی تلخی اور کبیدگی دور کرنے کے لیے مسکرا کے گویا ہوئے۔

''سچ بولوں میں اسی وجہ سے پریشان تھا کہ تم سب رشتے ختم کر دو گے''۔

''یار! ایسا تو ہم نے فلموں میں دیکھا ہے بیٹی کا رشتہ ٹوٹا' پارٹنر شپ اور دوستی ٹوٹی اور دشمنی بڑھ گئی''۔ وہ خود ہی کہہ کر ہنسنے لگے۔

''مجھے آج تمہاری دوستی پر فخر ہے یار! ہم پٹھان ہی اپنی بات کے پکے نہیں ہوتے''۔ وہ ایک دم ہی ہلکے پھلکے سے ہو گئے۔

''ارے بھئی آپ کیا گم صم بیٹھی ہیں' کھانا لگوائیے''۔ نیاز علی نے مسز نیاز کو روتے ہوئے دیکھا' ان کا بھی وہ دھیان بٹانا چاہ رہے تھے' وہ آنچل سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

''بھابی! آپ تو ماں ہیں مجھے پتہ ہے آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے''۔ ہشام سالار کو ان کا بھی خیال تھا' کتنا خوش تھیں وہ حمود سے رشتہ ہونے پر۔

''اب کسی کے دل پر کچھ نہیں گزر رہی ہے خوامخواہ ماحول پر افسردگی طاری نہیں کرو' ارے ہشام سب بھول جاؤ بلکہ اب جو ہوگا اور ہو رہا ہے بہت اچھا ہی ہے ہم سب خوش ہیں''۔ نیاز علی نے ان کی بات کاٹی اور مسز نیاز علی سے تائید لی' وہ نحیف سے مسکراہٹ لئے سر ہلا گئیں۔

نیاز علی نے انہیں ڈنر کے بعد ہی اٹھنے دیا تھا۔ پورا وقت حمنیٰ اپنے روم میں ہی رہی' کھانے کو یہ کہہ کر منع کروا دیا کہ وہ فون پر اپنی فرینڈ سے بات کر رہی ہے۔

نیاز علی اور مسز نیاز اس کے روم میں چلے آئے تھے جو رو رو کے اپنے آنسو صاف کر چکی تھی' ان دونوں کو اس پہر دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔

''دیکھا آپ نے میری بچی رو رہی ہے''۔

''رافعہ! کیا ہو گیا ہے کیوں تم اتنی افسردگی کی بات کرتی ہو' میری بیٹی بہت بہادر ہے وہ کیوں روئے گی''۔ نیاز علی نے انہیں سرزنش کی اور حمنیٰ کے قریب ہی بیٹھ گئے' اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

''نہیں پاپا! میں اس وجہ سے بالکل نہیں رو رہی بلکہ مجھے رونا اس لئے آیا کہ حمود کی وائف کتنے بڑے دل کی تھی جو اپنے ہسبینڈ کی پھر بھی شادی کروا رہی ہے جبکہ وہ اس کی وائف ہے''۔ اسے اسی بات کا تو صدمہ تھا حمود کو اس نے اپنی

محبت اور چاہت کا احساس تو دلایا مگر کبھی اس کی خوشی کیلئے کچھ نہیں کیا۔

''ہوں مجھے بھی اسی بات کی حیرانگی ہے تم اپنا دل بالکل چھوٹا نہیں کرو اور ہنسی خوشی حمود سے ملو اس کی وائف سے ملو کیونکہ اوپر والے نے تمہارا جوڑ اس کے ساتھ نہیں لکھا تھا''۔ انہوں نے اس کا سر اپنے شانے سے لگالیا' اس کے ایک بار پھر آنسو نکلے مگر اسے اپنا دل بڑا کرنا تھا۔

☆

عنائبہ اتنا خوش تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھی' ٹھیک ہی کہا تھا اگر یقین مضبوط ہو اور اللہ پر بھروسہ ہو تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کی دعائیں مستجاب ہوگئی تھیں' آنی کتنا اسے سمجھاتی تھیں اطمینان دلاتی تھیں' کئی بار وہ آنی سے لپٹ گئی تھی' ایک آنی ہی تو اسے اچھی طرح سمجھتی تھیں' ان کا دیا ہوا سبق کتنا سچ ثابت ہوا تھا۔

''عنائبہ باجی! آپ کی رخصتی پر زیادہ مزہ آئے گا''۔ نشاء خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔

''کیوں نہیں' دیکھنا کیسے دھوم سے ہماری عنائبہ اس گھر سے رخصت ہوگی''۔ ثمینہ نے بھی تائید کی۔

''کسی دن تم ایک دو دن کیلئے آجانا کچھ شاپنگ ہی کرلیں گے''۔ سمیرا ان سب کے لئے چائے وغیرہ بنا کے لائی تھیں' ان کا انداز مکمل گھریلو ہوگیا تھا' میک اپ وغیرہ سب کو لگتا تھا انہوں نے خیر باد ہی کہہ دیا تھا مگر جب سے انہوں نے بچوں اور شوہر پر توجہ دی عبادت کرنے لگی تھیں' ان کا سادہ سا سراپا بغیر میک اپ کے زیادہ پیارا لگنے لگا تھا۔

''خالہ! آپ نے تاریخ رکھ لی''۔ نشاء نے پھر پوچھا۔

''تم کیا بڑے بوڑھوں کی طرح پوچھ رہی ہو' اپنے کام سے کام رکھو''۔ ثمینہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ منہ بنا کے رہ گئی' عنائبہ کو ہنسی آگئی' ہلکی سی چپت لگائی' وہ سنگل صوفے پر دبک کے بیٹھ گئی۔

''تم فکر نہیں کرو تاریخ بھی جلدی کی رکھ لیں گے''۔ سمیرا کو اس پر پیار آیا' کتنے شوق سے وہ پوچھ رہی تھی۔

''اتنی بھی جلدی نہیں رکھئے گا کہ میری تیاری رہ جائے''۔ وہ پھر بولی۔

''ہاں اسے بس اپنی تیاری کی رہتی ہے۔ پچھلے ہفتے میری نند کی بیٹی کی منگنی ہوئی' اپنے پاپا کے پیچھے لگ گئی دو سوٹ بناؤں گی''۔ ثمینہ کو اس کی ضدی طبیعت پر کبھی کبھی بہت غصہ آتا تھا مگر انہوں نے اپنے دونوں بچوں کی تربیت بڑے اچھے انداز میں کی تھی مگر نشاء کی کچھ طبیعت میں تھوڑی ضد بھی تھی۔

''پاپا تو فوراً ہی مجھے شاپنگ پر لے گئے''۔

''آنی! یہ ٹھیک ہے انکل کے پاس آپ کے لئے ٹائم نہیں ہوتا اور وہ اپنی ڈاکٹری چھوڑ کے اسے شاپنگ کرانے بھی لے جاتے ہیں''۔ عنائبہ نے چائے سرو کرنی شروع کی' ثمینہ اور سمیرا دونوں ہی ہنسنے لگی تھیں۔

''اچھا جلدی سے چائے ختم کرو گھر بھی چلنا ہے' فرزان کے آنے سے پہلے گھر پہنچنا ہے''۔ ثمینہ نے اسے ٹوکا۔ فرزان کوچنگ جاتا تھا دس بجے تک ہی وہ گھر پہنچتا تھا۔

''آج رک جائیں میں بھی اماں جی کی طرف جاؤں گی''۔ سمیرا نے انہیں روکا۔

''میں رک تو جاتی مگر چھوٹی نند کی طرف جانا ہے رات میں' ان کی طبیعت کچھ خراب چل رہی ہے جب سے بیٹی کی منگنی کی ہے''۔ انہوں نے عذر پیش کیا۔

''مجھے یہ سن کے بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنی سسرال جا رہی ہو''۔ انہوں نے سمیرا کو اس اقدام پر سراہا تھا۔

''ہوں''۔ وہ چائے کے سپ لینے لگیں۔

''ثمینہ! تم نے بھی میرے بچوں کا بہت خیال رکھا ہے میں تمہیں غصہ میں کیا کیا الٹا سیدھا بول دیتی تھی' چھوٹی

تھی مگر تمہیں کبھی بڑی بہن کی طرح سمجھا ہی نہیں' میری بیٹیاں تم سے اسی لئے مانوس ہیں کہ تم نے انہیں اپنے قریب رکھا''۔ وہ ان سے بھی شرمندہ تھیں' کتنا ہی سناتی تھیں مگر ثمینہ کبھی ان کی کسی بات کا برا ہی نہیں مانتی تھیں۔

''اچھا اچھا بس...... یہ بچیاں میری اپنی ہیں میں نے کوئی خیال نہیں کیا ہے' میں خالہ ہوں ان کی' اگر چند گھڑی آکر ان کی سن لیتی تھی تو صرف تمہاری وجہ سے کیونکہ یہ میری بہن کی بیٹیاں تھیں اور میں چاہتی تھی کہ انہیں تمہاری کمی محسوس نہیں ہو' تم جو اِن سے دور تھیں''۔ انہیں ان کا شرمندہ چہرہ اچھا نہیں لگا' شروع سے سمیرا نے کبھی اپنی غلطی مانی ہی نہیں تھی مگر آج بھی اپنی غلطیوں پر نادم تھیں' عنائبہ نے انہیں لمحے کی خبر دی تھی۔

''ثمینہ! میری غلطیوں کو معاف کردینا''۔

''ارے..... کیا ہے یہاں اتنی اچھی باتیں ہو رہی تھیں سمیرا! تمہیں کبھی عقل نہیں آئے گی بے موقع افسردگی بکھیرنے کی تمہاری عادت ہے''۔ ثمینہ نے انہیں اٹھا کر کھڑا کیا اور اپنی خوشگوار آواز سے افسردگی کو دور کرنا چاہا۔

''خالہ! آپ تڑ تڑ بولتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہیں''۔ نشاء نے بھی شوخی سے لقمہ دیا۔

''بتاؤں ابھی شریر لڑکی''۔ سمیرا نے مصنوعی خفگی سے مسکراتے ہوئے گھورا۔

''وہ کیا ہے خالہ! آپ کا رعب ہی ایسا ہے کہ آپ نے بڑے بڑوں کو سیدھا کردیا ہے''۔

''امی! اب نشاء کی باری ہے اسے آپ نے سیدھا کرنا ہے''۔ عنائبہ نے بھی اسے چھیڑنا شروع کردیا۔ سمیرا نے ہنس کے نشاء کو اپنے ساتھ لگالیا' اُس نے بھی سمیرا کے گرد حصار باندھ لیا' سب جگہ ہی خوشیاں تھیں عنائبہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔

☆

سمیرا بیگم نے دادی جان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے' سر ان کے آگے جھکا لیا تھا۔ دادی جان تو پہلے ہی دل کی کمزور تھیں انہوں نے سمیرا کو اپنے گلے سے لگالیا تھا' سمیرا خود ہی تو ان سب سے الگ ہوئی تھیں' کسی نے بھی انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ وہ چلی جائیں۔

''میرے خیال میں کافی دنوں سے ٹریجڈی رونے دھونے کے سین چل رہے ہیں اب کچھ ہپی سین بھی سوچا ہے کسی نے یا نہیں''۔ مائز معنی خیزی سے محریب اور عنائبہ کو دیکھ کر مسکرایا۔ سب ہی اس کی بات پر ہنسنے لگے' محریب نے اس کی پشت پر چٹکی لی تھی۔ عنائبہ دادی جان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی' سارے ہی ہال کمرے میں محفل جمائے ہوئے تھے' سب کے چہرے آسودگی سے تمتما رہے تھے' نزہت بیگم اور ناظمہ سے بھی سمیرا بیگم نے اپنے بدصورت رویہ کی معافی مانگی تھی۔

''میرے خیال میں محریب اور عنائبہ کے بارے میں بھی بات کرلی جائے تو بہتر ہے''۔ رافع نے بزرگانہ لہجے میں آواز کو بنا کے پھلجھڑی پھینکی تھی۔ سب نے ہی قہقہہ لگایا تھا۔ عنائبہ کو اپنے ذکر پر ڈھیروں شرم نے آگھیرا' محریب کی میٹھی میٹھی آنچ دیتی نگاہیں اسے نروس کر رہی تھیں' وہ دادی جان کی پشت پر تھی' محریب بالکل سامنے بڑے صوفے پر چھوٹے تایا ابو کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے سمیرا! تم کب تک کرنا چاہو گی عنائبہ کی رخصتی؟'' نزہت بیگم نے ان سے پوچھا جو بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔ ایک مدت بعد وہ ان سب کے درمیان بیٹھی تھیں ورنہ شادی کے اولین دنوں میں ہی وہ بیٹھی ہوں گی' سال کے اندر ہی ان کی جواد احمد سے لڑائیاں شروع ہوگئی تھیں۔

''م..... میں کیا بولوں' عنائبہ آپ کی ہے جب دل چاہے لے جائیں''۔ ان کی خود سمجھ نہیں آیا کہ کیا جواب

دیں جبکہ ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ عنایہ کو اس کی خوشیاں جلدی دے دیں۔

''ارے...... یہ کیا بات کی' تم جب بولو ہم تب لینے آ جائیں گے''۔

محریب لب بھینچ کے رہ گیا' عنایہ کو رکنا محال ہوا ان سب کے سامنے حیا آنے لگی تیزی سے اس نے دوڑ لگا دی' محریب کے لب مسکرانے لگے۔

''دیکھا آپ نے سمیرا چچی! بھابو بھی چاہتی ہیں جلدی ہو''۔ مائز نے لقمہ دیا۔

''بدتمیز میں کب چاہتی ہوں''۔ عنایہ نے سنا تو جاتے جاتے بولی۔

''پھر بھائی جان چاہتے ہیں''۔ محریب کچھ نہیں بولا' مسکرا کے دیکھنے لگا کیونکہ مائز نے بات تو ٹھیک ہی کی تھی۔ عنایہ کا سوچ کے دل تو اور ہی شرارتی ہو رہا تھا ابھی تک دونوں میں اس بارے میں بات بھی کب ہوتی تھی' وہ تو کچھ دنوں سے ہی دونوں میں دوستی ہو گئی تھی تو وہ پھر اچھا اچھا سوچنے لگا تھا۔

''یمنیٰ کی فائق اور بھائی جان کی شادی پر تین شادیاں ہوں گی' میرے خیال میں یمنیٰ اور فائق کو تو ابھی نمٹایئے' بھائی جان تو ویسے بھی صابر وشاکر ہیں اگلے دو سال رک سکتے ہیں' کیوں بھائی جان؟'' مائز شرارتی اور معنی خیز لہجے میں اسے دیکھنے لگا۔ محریب نے مکا ہتھیلی پر تانا' واضح اشارہ تھا درگت بھی بن سکتی ہے اگر زیادہ فضول ہانکی تو۔

''میرا مطلب ہے سمیرا چچی! ان دونوں کو پہلے فارغ کریں کیونکہ لوگ ان کے بچوں سے میرے بچوں کا موازنہ کریں گے کہ یہ چھوٹے ہیں اور میں بڑا''۔ مائز کے تو دماغ میں کیا کیا الٹی سیدھی بکواس آتی تھی۔ محفل زعفران زار ہو گئی۔ محریب' مائز کی بے تکی راگنی سے گھبرا کے اٹھ گیا' وہ کوریڈور سے گزر کے پورچ میں آیا تو عنایہ پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی ملی' وہ اسے دیکھ کر بوکھلا گئی' پنک کپڑوں میں اس کا چہرہ گرمئی شوق سے قندھاری انار ہو گیا تھا' اتنے دن سے دونوں کتنے فرینک انداز میں باتیں کرنے لگے تھے مگر رخصتی کے نام سے ہی عنایہ کی دل کی دھڑکنوں میں شور پیدا ہو گیا' محریب سے ڈھیروں شرم آنے لگی۔

''ایک منٹ رُکو''۔ محریب نے اپنا انداز اور لب ولہجہ روکھا بنا لیا۔ عنایہ ٹھٹک کے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی رک گئی۔

''میں نے تم سے کہا تھا یاد کرو اگر تمہارے گھر والے رخصتی کا کہیں گے میں نہیں کروں گا''۔ عنایہ کی سماعتوں نے یہ کیا سنا تھا' وہ وحشت زدہ سی رہ گئی۔ کچھ دیر پہلے کتنے خوبصورت خیالوں میں مگن تھی' محریب نے کیا کہہ دیا تھا۔

''اب مجھے ایسی کوئی خوشی ہی نہیں ہے تم نے کبھی مجھے یقین ہی نہیں دیا نہ میرا خیال کیا' مجھ سے محبت ہوتی تو تم میرے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہیں کرتیں''۔ اس نے چہرے پر سختی اور سرد مہری اجنبیت سمو لی تھی۔

''آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ تو روہانسی ہو گئی' سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ محریب کو اچانک سے کیا ہو گیا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک تو ہو گیا ہے مگر میرے دل میں اب کوئی خواہش اور کوئی امنگ نہیں ہے''۔ وہ پشت پھیرے بول رہا تھا۔ عنایہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ سانس رکنے لگی ہو' اتنے دن وہ کیا اس سے صرف دکھاوے کا تبسم لئے ملتا تھا' وہ کچھ دنوں سے کتنی ہلکی پھلکی اور خوش رہنے لگی تھی مگر محریب کے اچانک سے ترش ہونے پر وہ متوحش زدہ سی رہ گئی۔

''تمہیں سب سے محبت ہے' سب کی فکر ہے' مجھے ہمیشہ اگنور کیا''۔

''پلیز! ایسی باتیں تو نہیں کریں کیوں آپ میرے متعلق غلط سوچتے ہیں''۔ وہ روہانسی بے بس سی اڑی اڑی رنگت لئے اس کے سامنے آ گئی۔ محریب کے چتون تیکھے ہوئے' اسے عنایہ پر ترس بھی آنے لگا مگر وہ جب تک اپنے لئے عنایہ سے وہ جذبات اور کلمات نہیں سن لیتا اس وقت تک وہ اسے ایسے ہی ٹارچر کرے گا۔

''اندر رخصتی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے رکواؤ جا کر''۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو' وہ سب کیا تھا؟ اتنے دن میرے ساتھ کیا ڈرامہ کیا ہے''۔ وہ تو تلملا ہی گئی۔

''تم بھی ڈرامے کرتی رہی ہو' میں نے بھی کر دیا تو کیا ہوا''۔ اس نے تمسخر سا اڑایا۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتے''۔ اسے جیسے محریب کے بدل جانے پر یقین نہیں آ رہا تھا' گذشتہ دنوں کا رویہ کتنا محبت لٹاتا ہوا تھا' اسے حسنہ پھپھو کے گھر میں ہونے والی باتیں یاد آ گئیں جب حمود کے سلسلے میں اس نے بلایا تھا۔

''ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے' یہ الزام کیوں''۔ وہ ذومعنی ہو گیا۔ عنایہ جھینپ کر سکتے میں ہو گئی' سمجھ نہیں آ رہا تھا اچانک سے محریب کو ہو کیا گیا ہے خوامخواہ وہ خوش فہمیوں میں دل لگی کر کے اسے مبتلا کرتا رہا تھا۔

''مجھے پتہ ہے ابھی بھی تم دل سے تھوڑی راضی ہوئی ہو گی کیونکہ تمہاری امی کو تمہاری رخصتی کا شوق چڑھا ہے تو سوچا اُن کا یہ شوق بھی پورا کر دوں''۔ جتنی بھی طنزیہ باتیں کر سکتا تھا وہ کر رہا تھا' عنایہ کا شدت غم سے چیخ چیخ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے آپ ہر بار غلط ہی کیوں سوچتے ہیں''۔ اسے بے بسی پر کھسیاہٹ بھی ہوئی۔ بلیک پینٹ پر بلیک ہی لائننگ کی شرٹ میں ملبوس لمبا چوڑا محریب اس وقت اسے بہت دور دکھائی دیا' وہ ایسا تو تھا ہی نہیں' آنکھوں میں اس نے اپنے لئے جو محبت کا سمندر موجزن دیکھا تھا وہ اس کا وہم تو نہیں ہو سکتا تھا' وہ اس کے ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلے گا' سارے مسئلے اس سے ڈسکس کرنے لگا تھا' اب تو اکثر فون بھی کر لیتا تھا' معنی خیز جملوں سے اسے پزل بھی کر دیتا تھا۔ وہ اتنی سخت اور دکھی گفتگو' دل کیوں نہیں مان رہا ہے' نرم گفتار کا شخص ایسی کٹیلی زہریلی باتیں اچانک سے کیوں کرنے لگا تھا' کہاں اس سے پھر غلطی ہو گئی' کس جگہ پر وہ اسے پھر اگنور کر گئی' اتنا تو جان گئی تھی محریب کو اگنور کیا جانا بالکل برداشت نہیں ہوتا ہے۔

''مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا باقی کام تمہارا' میرا دل نہیں مان رہا کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کروں یا گھر کا کوئی شخص زبردستی کر کے رخصتی کروا دے اور تم ٹھیک طرح سے نبھاہ بھی نہیں کر سکو''۔ اتنی رُکھائی سے بول رہا تھا' نگاہ اس نے مین گیٹ پر جمائی ہوئی تھی' شام کی سیاہی اور ٹھنڈی ہوا سے لان کے پیڑ اور پودے لہلہا رہے تھے۔ عنایہ کا پنک دوپٹہ ہوا سے لہرا کے محریب کی ناک کو چھو گیا' وہ تو لگتا تھا پتھر کی ہو گئی تھی' جیسے وجود میں جان ہی نہ ہو۔

''کیوں یہ شخص اپنے اندازے لگاتا ہے کیوں ہر بات اپنی طرف سے سوچ لیتا ہے' آخر کیوں یہ میرے معاملے میں ایسا کرتا ہے؟'' دل چیخ رہا تھا آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''مجھے منتشر ذہن کی عنایہ نہیں چاہیئے' جسے بعد میں بھی فکریں گھیرے رکھیں اور میں تم پر زبردستی مسلط رہوں' جب تم خود اچھی طرح اس قابل ہو جاؤ تمہارا ذہن ریلیکس ہو جائے پھر ہی رخصتی کا سوچنا' دل میں تمہارے' میرے لئے کچھ نہ ہو اور تم خالی وجود لے کے میرے پاس آ جاؤ''۔ اب اس نے واضح اور کھلے لفظوں میں اسے باور کرا دیا کہ وہ کیا چاہ رہا ہے۔ عنایہ سے مزید رکنا محال ہو گیا' آنکھوں میں نمی لئے تیزی سے پورچ کی سیڑھیاں کراس کرتی اندر غائب ہو گئی۔

''جب تک تم خود سے مجھے نہیں پکارو گی میں بھی ایسے ہی جملے بولوں گا''۔ اسے عنایہ کو تنگ کرنے کی سوجھی تھی' اس کی حالت سے وہ مزہ لینا چاہتا تھا' کیسے وہ اپنے جذبے اور چاہت اس کے آگے لے کے آتی ہے۔

''فکر نہیں کرو محبت اور چاہت تمہیں میں سود سمیت دوں گا''۔ مسکراتا ہوا وہ بھی اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆

''یہ تمہارا چہرہ دن بدن کیوں سوکھتا جا رہا ہے' شادی کے دن قریب آنے والے ہیں''۔ مائز نے اپنی عادت کے مطابق اسے نشانے پر رکھا۔

''مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے تہذیب باجی کے یہاں آنے پر پراٹھے واہ...... کیا خستہ بناتی ہیں جب دل چاہے بنوایا کروں گا''۔ رافع کی تو ہر وقت پراٹھوں کا سوچ کے بھوک چمکتی رہتی تھی' اتنا بڑا ہو گیا تھا جہاں مرضی کا سالن نہیں لگا پراٹھے کی فرمائش کر دی اور چائے کے ساتھ خاموشی سے کھالیا۔

''ہاں وہ تمہارے لئے ہی تو آ رہی ہے''۔ مائز نے اس کی گدی پر زوردار چپت لگائی۔

''کیا ہے مائز بھائی! آپ اتنی زور سے مارتے ہیں''۔ وہ گدی پکڑ کے رہ گیا۔ ایک تو وہ بیٹھا بھی کارپٹ پر تھا سی ڈی پلیئر لگائے ہوئے میوزک سن رہا تھا۔

''تمہاری باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں''۔ مائز کی نگاہ فائق پر جمی ہوئی تھی جو گہری سوچ میں غرق کاؤچ پر نیم دراز تھا' آفس سے آ کر وہ یہیں کچھ دیر ستانے لیٹ گیا تھا' مائز FM سے آیا تو اسے دیکھ کر یہیں بیٹھ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

'تہذیب باجی کو سوچ رہے ہوں گے' بے چاری وہ بھی لائن میں کھڑی نظر آئیں گی ان کے سامنے ڈانٹ سننے کے لئے''۔ رافع نے پھر لقمہ دیا۔

''رافع! تمہیں اگر فضول کی ہانکنی ہے تو کہیں اور جا کر بیٹھو''۔ فائق نے درشت لہجے میں کڑے تیوروں کے ساتھ اسے سرزنش کی۔ وہ خجل سا ہو گیا' فائق کی گھوری اتنی تیز ہوتی تھی کہ وہ ڈر جاتا تھا آگے پھر اس کی بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

''پتہ نہیں مسکراتے کیوں نہیں ہیں' کوئی تو شادی کے بعد مسکرانا بھول جاتا ہے یہ پہلے ہی سے بھول گئے ہیں''۔ رافع بدمزہ سا ہو گیا' مائز کے کان میں سرگوشی میں بڑبڑاتا ہوا چلا گیا' مائز کو ہنسی آ گئی جو فائق سے مخفی نہیں رہی تھی۔

''کب ختم ہو گی تمہاری انٹرن شپ؟''

''میں تمہاری مسکراہٹ کو خوب سمجھتا ہوں''۔ وہ تو تنک ہی گیا مائز کی بات کا جواب نہیں دیا۔

''اب میرے مسکرانے پر بھی تمہیں اعتراض ہے''۔ مائز نے طنز کیا۔

''اچھا پلیز! مجھے تنہا چھوڑ دو''۔ وہ جھنجھلایا اور بے زار تو پہلے ہی رہتا تھا سب سے ہی' گھر میں اس نے پہلے ہی بات کرنا بھی کم کر دیا تھا۔

''فائق! یار میں نے ایک دن تجھ سے کہا تھا اگر مجھے کسی بھی دن پتہ چل گیا تو محبت کرنے لگا ہے اس دن میں تجھ سے پوچھوں گا''۔ مائز نے اسے اپنی کہی ہوئی بات دہرائی' فائق نے چونک کر اسے ناسمجھی کی کیفیت میں دیکھا مگر خود کو نارمل ہی رکھا' حیرت کا اظہار ذرا نہیں کیا۔

''تمہاری عادت بھی شادی کے بعد فضول بولنے کی گئی نہیں''۔ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اس نے گویا طنز کیا۔

''تمہاری ہو تو رہی ہے ہوسکتا ہے تم بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگو''۔ اس نے تپ کے دانت کچکچائے۔

''مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کیا کر' میں جو تجھ سے پوچھ رہا ہوں وہ بتا''۔

''ابھی تک تم نے پوچھا ہی نہیں ہے''۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا' اسے فریش بھی ہونا تھا پھر کچھ کمپیوٹر پر کام تھا وہ بھی کرنا تھا' کل اس کی اور حمود کی میٹنگ بھی تھی۔

''ٹک کر یہاں بیٹھو اور میری بات سنو' کیا پرابلم ہے جو الجھے ہوئے ہو' شادی کے دن قریب آ رہے ہیں من پسند لڑکی بیوی بننے والی ہے''۔

''ایسا تم سے کس نے کہا من پسند ہے وہ''۔ فائق متحیر رہ گیا' کتنی آسانی سے ہر بات کر دیتا تھا۔

''تیری آنکھوں کے رنگوں نے اور میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے بہت پہلے نوٹ کر لیا تھا اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تمہارے اور تہذیب کے بیچ میں کچھ غلط فہمی چل رہی ہے''۔ وہ آنکھوں کو گھما کے بولا۔

''تم میری جاسوسی ہی کرتے رہتے ہو''۔ وہ سن کے گڑبڑایا نہیں بلکہ اسے آنکھیں نکال کے دیکھنے لگا۔

''جو شخص ناپ ناپ کے گفتگو کرتا ہو' اپنی حدود میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا ہو جب وہ پکڑا جاتا ہے تو اس کی جاسوسی اسی لئے کی جاتی ہے''۔ اس نے فائق کو ہاتھ پکڑ کے واپس کاؤچ پر بٹھا دیا۔

''بلاوجہ کی مجھ پر مت منسوب کیا کر و ایسا کچھ نہیں ہے صرف گھر والوں کی وجہ سے میں شادی کر رہا ہوں''۔ اس نے جھٹ نفی کی۔

''ہاں اب آئے ہو نا تم اسی بات پر تہذیب کو یہی غلط فہمی ہے شاید جب ہی تم دونوں کی ابھی تک بنی نہیں ہے' دیکھو فائق! اگر تہذیب بدگمان ہے تم سے بدظن ہے یار! اس کی یہ بدگمانی دور کرو نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہے ہو محبت اور چاہت سے ہو تو زندگی بہت حسین لگنے لگتی ہے''۔ مائز اسے مدبرانہ انداز میں سنجیدہ سا بولتا ہوا بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا' وہ کتنی جلدی ہر بات جان لیتا تھا۔

''جب ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں تو مجھے ضرورت کیا ہے اس کی بدگمانی دور کرنے کی''۔ وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔

''فائق! میں تیرے چہرے کو پڑھ کے بتا سکتا ہوں تو ٹینشن میں ہے اور اس کی وجہ تہذیب ہے' اگر تو یہ سوچ رہا ہے کہ وہ اغوا ہو چکی ہے اور اس کی پاکیزگی پر شک ہو رہا ہے' مجبوری کی وجہ سے تو شادی کر رہا ہے صرف گھر والوں کی وجہ سے......''

''مائز! کیا تم ہر وقت شروع ہو جاتے ہو''۔ فائق نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک دیا اور خاصا برہم بھی ہونے لگا' تہذیب کیلئے ایسی بات کیسے سن سکتا تھا جبکہ اس کے ساتھ وہی تھا اور یہ احساس ہی مارے ڈال رہا تھا کہ بہت کچھ جان بوجھ کے اس کے ساتھ غلط ہی کیا ہے۔

''پھر اتنے غمزدہ اور اداس کیوں ہو' کیا مسئلہ ہے؟ اس حادثے کو کیوں دماغ پر سوار کر لیا ہے یار! بول تو کچھ تو کہہ مجھ سے''۔ مائز تھک ہار کے کچھ بے زار سا ہو گیا تھا' دونوں میں اکثر بات چیت کم ہونے لگی تھی' فائق پورا دن آفس میں ہوتا وہ FM پر یا پھر محریب کے ساتھ آفس کے کاموں میں لگ جاتا تھا۔

''مجھے پتہ ہے تو کچھ نہیں بتائے گا' دیکھ اگر کچھ بھی تیرے دماغ میں ہے تو یار! تو کسی سے تو کہہ''۔ مائز کو اس کی فکر میں یوں پریشان دیکھ کر فائق کو خود افسوس ہونے لگا۔

''تہذیب مجھ سے بدگمان ہے وہ شادی کرنا نہیں چاہتی ہے''۔ اس نے بس اتنا ہی بتایا' سر اس کا جھک گیا تھا' مائز اس کے قریب چلا آیا۔

''وہ سمجھتی ہے کہ میں اس سے شادی کر کے احسان کروں گا کیونکہ وہ......؟'' آگے بولا اس سے نہیں جا رہا تھا' تہذیب سے وہ شدت سے محبت کرتا تھا اس کیلئے ایسے ویسے کسی جملے کو استعمال تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں سمجھ گیا''۔ مائز نے بھی اس سے پوچھنے کی ضد نہیں کی۔

''تم اس سے ایک بار ٹھیک سے بات کر و یار! لڑکیاں محبت کرو تو جلدی مان جاتی ہیں بس اعتبار مانگتی ہیں' اظہار مانگتی ہیں ہر وقت''۔ وہ ایک جذب سے بول رہا تھا۔ وشہ سے وہ خود بہت محبت کرتا تھا' دونوں میں کتنی لڑائی ہو وہ چند پیار بھرے جملے بولتا وہ فوراً مان جاتی تھی۔

فائق اس کے گمبھیر لہجے پر گہری سوچ میں ڈوب گیا' جو کچھ مائز نے کہا بالکل ٹھیک ہی کہہ رہا تھا' تہذیب کو اظہار

کی اعتبار کی ضرورت ہے اسے اعتبار دینا ہی ہوگا' وہ محبتوں سے اُسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

☆

بھائی! اس بار آپ مجھے نہیں ٹال سکتے ہیں محریب بھائی کی شادی میں لے جانے سے''۔ راحمہ چہک کے بولی تھی مگر حمود اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ ٹی وی کھولے بیٹھا تھا عادت کے مطابق اونچی آواز تھی' کوئی اسپورٹس کا چینل لگا تھا' منتہیٰ کئی بار آ کے اسے ٹوک چکی تھی مگر وہ اس کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

''پلیز! آواز تو دھیمی کر لیں''۔ اس کے کان میں چیخی۔ حمود اچھل گیا' راحمہ کی کھی کھی شروع ہوگئی' منتہیٰ جز بز سی ہو کر پیچھے ہوگئی' حمود نے اس کا بازو پکڑا۔

''اِدھر دو ریموٹ''۔ وہ منتہیٰ سے جھپٹ چکا تھا۔

''اگر ٹی وی دیکھنا ہے تو اپنے روم میں جا کے دیکھئے' بابا سیل پر کسی سے بات کر رہے ہیں آپ کو ڈانٹ پڑ جائے گی''۔

''مجھے روم میں ٹی وی نہیں بیوی بھی چاہیے' اگر منظور ہے تو میں روم میں جا رہا ہوں''۔ کان میں شرارتی سرگوشی کی۔ راحمہ وہاں موجود تھی' منتہیٰ نے حمود کو گھورا جو مسکرا کے ایسا تاثر دینے لگا جیسے کچھ کہا ہی نہیں ہو۔ رسٹ کلر کے کپڑوں میں اس کی سرخ رنگت چمک رہی تھی اب تو وہ پندرہ بیس دنوں میں خاصی نکھر گئی تھی' خوبصورتی میں بھی اس کے اضافہ ہوگیا تھا۔

''جی نہیں' مغرب کی اذان ہونے والی ہے نماز پڑھئے جا کر پہلے''۔ اس نے آنکھیں نکال کے صاف انکار کیا' آواز پھر دھیمی کر دی۔

''پھر اس کے بعد تو آؤ گی ناں؟'' وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

''کیا ہوگیا ہے آپ کو رات میں ڈنر پر بلایا ہے نیاز انکل کی فیملی کو' اتنے کام پڑے ہیں''۔ اس نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

''تم جب سے اِدھر آئی ہو مجھ سے ڈرتی بھی نہیں ہو' بالکل بابا والا انداز ہوگیا ہے تمہارا' ہر بات میں روک ٹوک کرتی ہو''۔ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

''کیسا الو کا پٹھا ہے آواز کو اونچا کئے بیٹھا ہے''۔ ہشام سالار کی دھاڑتی آواز نے دونوں کو بوکھلا دیا۔ منتہیٰ نے سر پر آنچل ٹھیک کیا' حمود نے ریموٹ لے کے راحمہ پر اچھال دیا۔

''بابا! گالی تو مت دیں بیوی سامنے کھڑی ہے''۔ اس نے مسمسی سی صورت بنا کے کچھ شرمندگی سے کہا۔ منتہیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی' اسے بھی اندازہ تھا دونوں میں بحث شروع ہو جانی ہے۔

''تیری اولادیں بھی آ جائیں گی میں ایسے ہی بولوں گا''۔ منتہیٰ کے کان کی لوئیں سرخ ہوگئیں' حمود تو اچھل گیا۔

''رحم کریں بابا! اولادیں...... مجھے کیا ٹیم بنانی ہے''۔

منتہیٰ حیا سے نگاہ نہیں ملا پائی وہاں سے ہٹ ہی گئی کیونکہ اتنی کھلی گفتگو جو ہونے لگی تھی۔

''گدھے! مجھے بھی یاد نہیں رہا بہو سامنے تھی''۔ وہ بھی شرمندہ سے ہوگئے۔

''بہو بھی آپ کی طرح ہی ہے' بہت کہا آواز نیچی کر لیں میں بھی ڈٹا رہا''۔

''ہاں باپ تو تیرے برابر کا ہے''۔ انہوں نے اسے گھورا۔

''ویسے آپ کے برابر کا تو نہیں مگر آپ جیسا باپ میں بالکل نہیں بنوں گا' سچ بابا آپ نے مجھے بہت دبا کے رکھا ہے میری ہی بیوی سے ملنے پر آپ نے پابندیاں رکھی ہیں''۔ اس نے منہ بسور کے دہائی دی۔

''امی! یہ لوگ ایسے ہی لڑتے ہیں''۔ منتہیٰ کچن میں لگی ہوئی تھی ساتھ میں ملازمہ بھی تھی۔

''ایسے ہی کرتے ہیں یہ دونوں' ابھی لڑائی ابھی دوستی''۔

''ویسے میں نے بہت کم دیکھا ہے کہ کوئی باپ بیٹے میں دوستوں کی طرح بات چیت''۔ منتہیٰ کو ان کے گھر کا ماحول بہت پسند آیا تھا' بابا اس سے بھی فرینک ہو کے بولتے تھے' اس کی اجنبیت اُن کی ناراضی ختم ہوتے ہی دور ہوگئی تھی' سب کچھ پھر اور زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔

''مغرب کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں اگر مجھے روم میں نظر نہیں آئیں تو سوچ لینا' کل کا پورا دن میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا چاہے بابا مجھے کچھ بھی کہیں' میں الزام تم پر ڈالوں گا کہ آپ کی بہو کا بہت موڈ رومینٹک تھا''۔ اس نے کچن میں آ کر دبی دبی آواز میں اس کے کان میں کہا تھا تاکہ کلثوم بانو اور ملازمہ کے کانوں تک کچھ نہ پہنچ جائے۔

منتہیٰ کی تو آنکھیں پھیل گئیں وہ حکم کے ساتھ دھمکی بھی دے رہا تھا جبکہ اتنے کام باقی تھے' اس نے فون کر کے خاص طور پر حمنیٰ کو بھی بلایا تھا اس سے بھی اس کی دوستی ہوگئی تھی کتنا شرمندہ بھی تھی معافی بھی مانگی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں اتنے کام ہیں''۔

''روم میں آ کے میرا کام کرنا اور چلی جانا' میں پھر کچھ نہیں کہوں گا''۔ آنکھوں میں شوخیاں مستیاں معنی خیزیاں لئے ترنگ میں مخمور لہجے میں بولا تھا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی تو وہ بھی کام چھوڑ کے ہٹ گئی۔

''کیا کر رہے ہو اِدھر' نماز پڑھنے نہیں گئے''۔ کلثوم بانو نے اسے وہاں استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا' وہ پانی پی کر نکل گیا۔

''تم نماز پڑھ کے آرام سے آ جانا سب کچھ تو تقریباً تیار ہے' راحمہ سے کہتی ہوں ٹیبل پر برتن سیٹ کر لے گی''۔ کلثوم بانو جیسے ان دونوں کی سرگوشیاں سمجھ گئی تھیں۔

''امی! میں نماز پڑھ کے سب سیٹ کر لوں گی' آپ اسے پڑھنے دیں پتہ ہے نا کتنا بھاگتی ہے وہ''۔ اس نے مسکرا کے انہیں روکا۔

''وہ غالباً تمہارے کان میں کچھ کہہ کر گیا تھا' کب سے آیا بیٹھا ہے دو گھڑی اس کی بھی سن لینا''۔ وہ مسکرا کے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کے نکل گئی تھیں' منتہیٰ نے جھینپ کے لب بھینچ لئے تھے۔

مغرب کی نماز پڑھ کے اپنے روم کو بھی سمیٹا' پورا دن وہ آئی ہی نہیں تھی۔ تیار ہونے کے لئے گرین جارجٹ کا ایمبرائیڈری کا سوٹ نکال کے پہن لیا' حمود ابھی تک نہیں آیا تھا جبکہ مغرب کی نماز میں اتنا ٹائم تو نہیں لگتا ہے' وہ تشویش میں پڑ گئی' وارڈروب کھول کے حمود کے بھی کپڑے نکالنے لگی' اسی وقت پیچھے سے حمود نے حصار میں لے لیا وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

''یعنی عقلمند ہو''۔ اس نے اپنے سامنے کیا' اسے یوں سنورا ہوا دیکھ کر دل اور بھی خوش ہوگیا' منتہیٰ نے گھبرا کے اس کا ہینگر کیا سوٹ آگے کیا۔

''دو گھنٹے سے پہلے تو بالکل نہیں جانے دوں گا''۔ اس کی شوخیاں بڑھنے لگیں۔

''نیچے مہمان آنے والے ہیں یہ کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ میں آپ کی بے وقت کی راگنی سنوں''۔ وہ بھی اکڑ کے ڈپٹ کے بولی۔

''یعنی ہماری ہی بلی ہمیں ہی میاؤں''۔ وہ پھر بڑھا۔

''مجھے نیچے جانے دیں آپ بھی تیار ہو جائیں' حمنیٰ بھی آئے گی''۔

''تو میں کیا کروں؟'' وہ بچوں کی طرح روٹھ کے صوفے پر جا کر لیٹ گیا۔ منتہیٰ کو اس کا روٹھنا اِس وقت بہت

کھل رہا تھا' کچھ تو کرنا تھا منانے کے لئے۔
''یعنی سرکار ناراض ہیں میں نے سوچا تھا کہ......'' بولتے بولتے رُکی۔
''کیا سوچا تھا؟'' وہ غصہ سے بولا۔
''یہی کہ آپ بہت پیارے ہیں بہت پیار کرتے ہیں''۔
''پیار کرنے کب دے رہی ہو''۔ نگاہ اوپر لٹکے فانوس پر جمائی۔ منتہیٰ اس کے سامنے چلی آئی' مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو اس وقت سنجیدہ صورت بنائے ہوئے تھا۔
''کہتے ہیں کہ کوئی جب سنجیدہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ انتشار کا شکار ہے اس کا ذہن بہت منتشر ہے اس کی سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ وہ کیا کرے اور پھر جب ایسی کیفیت ہو جاتی ہے تو......''
حمود نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہاتھ گھسیٹ کے خود پر گرالیا اور اسے بولنے سے باز رکھا۔
''اور بولو اپنا فلسفہ' کہا تھا ناں میں نے ایسے ہی کروں گا''۔ اس کا آنچل لیا اور چہرہ صاف کرنے لگا' وہ حواس باختہ ساکت سی رہ گئی' چہرہ اوپر اٹھ ہی نہیں رہا تھا۔
''تمہارے فلسفے تو میں نکالوں گا' جب شوہر غصہ میں ہو تو سمجھ لینا وہ کیا چاہ رہا ہے اور کیوں چاہ رہا ہے اس لئے اس کے زیادہ ناراض ہونے سے پہلے ہی خود کو اس کے حوالے کر دو تو بیوی کے حق میں زیادہ بہتر ہے' دو میں نے کتابیں دی تھیں بہشتی زیور اور تحفہ خواتین' اسے دوبارہ کھول کے پڑھ لینا بیوی کے حقوق کیا ہوتے ہیں''۔ اس نے منتہیٰ کے کان میں پھر سرگوشی کی' وہ لاجواب سی ہو گئی' سنبھل کے اٹھی۔
''آئینے میں چہرہ دیکھ لینا کیونکہ چہرے پر تمہارے کچھ بچا نہیں ہے سب لگتا ہے غائب ہو گیا''۔ اس نے لیٹے لیٹے ہانک لگائی۔ وہ جیسے اس کی سن ہی نہیں رہی تھی جلدی سے لائٹ میک اپ کیا نیچے چلی آئی' اتنے میں نیاز علی اپنی فیملی کے ساتھ آ گئے' حمنیٰ اس سے بڑے پرجوش انداز میں گلے ملی تھی۔
''پیاری لگ رہی ہو لگتا ہے حمود رات دن پیار کرنے لگا ہے''۔ وہ بے ساختہ بولی۔ منتہیٰ نے جھینپ کے سر جھکا لیا' نیاز علی' مسز نیاز نے بھی منتہیٰ سے اچھے طریقے سے بات چیت کی تھی۔ حمود بھی نارمل سا ان سب کے درمیان بیٹھا تھا بڑے خوشگوار ماحول میں ڈنر ہوا تھا۔
''حمود! منتہیٰ بہت پیاری ہے تمہاری صحبت میں اور نکھر گئی ہے''۔ حمنیٰ نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔
حمود نے اسے بغور دیکھا تھا اس کے چہرے پر ملال کا شائبہ تک نہیں تھا' شاید اس لئے کہ اس نے قسمت کا لکھا قبول کر لیا تھا یا اس کا دل بہت بڑا ہو گیا تھا یا پھر حمود کی اتنی کھری اور صاف باتوں نے اس کے دل و دماغ کے دروازے کھول دیئے تھے۔
''کیونکہ جس کے نصیب میں جس کی محبت ہوتی ہے اسے ہی ملتی ہے اسی لئے وہ نکھر گئی ہے''۔ حمود نے بھی اس کی بات کی تائید کی تھی' منتہیٰ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔
''ہوں......ٹھیک کہا محبت تو نصیب سے ملتی ہے''۔ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔
''حمنیٰ! مجھے معاف کر دینا میں نے جانے انجانے میں تمہیں ہرٹ کیا ہے''۔
''نہیں حمود! تم نے مجھے ہرٹ نہیں کیا''۔ وہ فوراً بولی۔
''مگر تمہاری اس دن کی باتیں اور منتہیٰ کی بڑائی مجھے جیت لے گئی''۔ اس نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا۔
''اعلیٰ ظرف اور بڑائی تو تم میں ہے' انکل آنٹی جنہوں نے مجھ سے کسی قسم کا شکوہ شکایت نہیں کیا''۔ حمود کو یہی

سوچ کے اور فیل ہوتا تھا۔
''چائے چلے گی''۔ منتہیٰ نے دونوں کے درمیان آ کے پوچھا۔
''چلے گی بلکہ دوڑے گی''۔ حمنیٰ نے مسکرا کے ٹرے سے چائے کا مگ اٹھایا' وہ دونوں زینے کی سائیڈ پر بنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں تھے جبکہ بڑے لوگ ڈرائنگ روم میں تھے۔
منتہیٰ نے حمنیٰ کو حسب معمول بلیک ٹراؤزر پر شرٹ اور اسکارف میں دیکھا' شولڈر کٹ اسٹائل سے کٹے ہوئے بال منتہیٰ کو ہمیشہ اچھے لگے تھے۔
''حمنیٰ! تمہارے بال بہت خوبصورت لگتے ہیں دل کرتا ہے میں بھی ایسے ہی کٹوا لوں''۔ اس نے حسرت سے سوچ کے کہا۔
''خبردار اگر بالوں کو کٹوانے کا سوچا بھی' ضروری ہے جو حمنیٰ پر اچھا لگ رہا ہے وہ تم پر بھی لگے''۔ حمود گرم گرم چائے کا گھونٹ اندر تیزی سے اتار کے گویا ہوا۔
''ارے حمود! اس کے بھی پیارے لگیں گے''۔
''یار حمنیٰ! تمہیں نہیں پتہ اسے قابو کرنے کا یہ ہتھیار میرے بہت کام آتا ہے' اس کے لمبے بال''۔ وہ روانی میں ہی بے ساختہ بول گیا۔
''واؤ......تم اتنے رومینٹک ہو''۔ حمنیٰ تو سن کے ہی ایکسائیٹڈ ہو گئی' وہ بھی تو یہی چاہتی تھی حمود اس سے رومینٹک لہجے میں بات کرے' وہ کچھ چپ سی ہو گئی پھر اتنی جلدی تو وہ نہیں بھلا سکتی تھی وہ سب۔
''کیا ہوا حمنیٰ......؟'' حمود نے چٹکی بجا کے اسے سوچ سے نکالا۔
''آں ہاں......کچھ نہیں''۔ پھیکی سی ہنسی ہنس کے رہ گئی۔
حمود اور منتہیٰ اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے' وہ ابھی تک اسی سحر میں تھی' لاکھ اس کے سامنے خوشدلی کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر اندر اس کے ملال دکھ اور کھونے کا غم موجود تھا۔ دونوں نے پھر ہلکی پھلکی سی ہی گفتگو کی تھی' منتہیٰ کا فون آ گیا تھا تہذیب اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی وہ اٹھ کر چلی گئی تھی' گیارہ بجے تک پھر وہ لوگ چلے گئے تھے۔

☆

''شامین بھابی! کیا مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہو گا؟''۔ فکرمند لہجے میں اس نے معصومیت سے اس سے پوچھا' شادی کی شاپنگ وہ شامین اور علینہ کے ساتھ کر رہی تھی' امی اور آنی ساتھ جاتی تھیں شاپنگ کے لئے کبھی کبھی ان کے بھی چلی جاتی تھی۔
''اچھا ہے کر لو تو بہتر ہے تمہیں پتہ ہے ان مردوں کو ہم بیویوں سے ورنہ ہر بات پر شکایت ہی رہتی ہے کبھی بھی اگنور کر دو تو''۔ شامین نے اپنا تجربہ بتایا' احد بھی ایسا ہی تھا اگر غصہ آ گیا یا ناراض ہو گیا شامین کو رُلا دیتا تھا جبکہ وہ کافی ہنس مکھ جولی تھا مگر بیوی کے معاملے میں وہ کچھ الگ مزاج کا تھا۔
''ان سے تو بات کرنا مشکل ہی ہو گی جبکہ ان بیس دنوں میں تو تیاریاں بھی کرنی ہیں''۔ اسے خاصی فکر تھی اس نے شامین کو یہ سب نہیں بتایا تھا کہ محریب نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ رخصتی چاہتا نہیں ہے اسے روکنے کو بھی کہا ہے' ایک تو پورا خاندان اتنے عرصے بعد جمع ہوا تھا وہ ایسی تلخ بات سے سب کچھ بکھیر نہیں سکتی تھی' اسے بالا ہی بالا خود ہی سب کچھ سنبھالنا ہو گا۔
''تائی جان سے ملنے تو جاؤ گی کسی دن' جب بات کر لینا''۔ شامین نے اسے سمجھایا۔ وہ سر ہلا کے رہ گئی' گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی' محریب کے مزاج کو وہ اب تک سمجھ ہی نہیں پائی تھی' وہ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ کیوں ہو

جاتا ہے' گزشتہ دنوں کتنا اچھا سب کچھ لگ رہا تھا اچانک سے تلخ اور کڑوی باتیں شروع کردی تھیں۔

''احد بتا رہے تھے محریب بھائی بہت خوش ہیں''۔

''اونہہ میرا خون جلا کے خوش کیسے ہوسکتے ہیں''۔ وہ لب کچل کے پھر خیالوں میں ہی رہی۔

''ارے عنائبہ! میں تم سے بات کررہی ہوں' لگتا ہے محریب بھائی کے خیالوں میں ہو''۔ شامین نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

''آں ہاں...... وہ نہیں تو''۔ خجل ہوکر جھینپ گئی۔

بیڈ پر وہ لیٹی تھی پورا دن شاپنگ میں گزرا تھا صرف ضرورت کی ہی چیزیں لینی تھیں جب اتنی دیر لگی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے اب گھر جانا ہے آٹھ بج گئے ہیں''۔ اسے وقت گزرنے کا خیال آیا' جلدی جلدی سارے شاپرز جمع کیے' کاسنی آنچل کو شانوں پر سمیٹا' سارے شاپرز وہ شامین کے بیڈروم میں ہی لے آئی تھی۔

''ارے...... آج رک جاؤ گی تو کیا ہوجائے گا''۔ شامین کو اس کی اتنی جلدی پسند نہیں آئی جس نے فوراً ہی جانے کا قصد بھی کرلیا تھا۔

''بھابی! گھر میں بھی کافی کام ہیں''۔ اس نے عذر پیش کیا۔

''عنائبہ! بیٹا رک جاؤ آج''۔ حسنہ پھپھو بھی چلی آئی تھیں' وہ سارے شاپر باہر ہال کمرے میں لے آئی تھی۔

''پھپھو! امی کو شاید رات کو آنی کی طرف جانا ہے اس لئے مجھے جانا ہوگا''۔ وہ ان کی محبت پر مسکرا کے انہیں منع کرنے لگی۔

''احد بھائی تو ہیں ناں ان سے بولئے مجھے پلیز جلدی سے ڈراپ کردیں''۔

''احد' ریان کو باہر لے کے نکلا تھا' ریان کی بھی فضول کی ضدیں ہونے لگی ہیں''۔ حسنہ پھپھو نے بتایا۔

''طبیعت خراب ہوتی ہے تو زیادہ تنگ کرتا ہے''۔ شامین بولی۔

''علینہ! تم ساتھ چلو گھر' وشہ ہوتی تو مجھے اس کی کمی فیل نہیں ہوگی''۔

''میں اپنی تیاریاں پوری کرلوں اس بار ہمارے خاندان میں تین شادیاں ہیں' اتنے کپڑے بنانے ہیں شاپنگ پوری کرلوں آپ کے گھر میں رہنے آؤں گی' سارے فنکشن آپ کی طرف سے اٹینڈ کروں گی''۔ علینہ بھی بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھی۔

''تمہاری باری بھی آنے ہی والی ہے جلد''۔ عنائبہ نے شرارت سے اس کے رخسار پر تھپکی دی' علینہ جھینپ گئی۔

اس کے بھی رشتے کی بات حسنہ پھپھو کی سسرال میں ہی چل رہی تھی' ابھی باقاعدہ جواب نہیں دیا تھا۔ اتنے میں احد آ گیا تو وہ ان سب سے اجازت لے کر چلی گئی تھی' ذہن اس کا محریب کو ہی سوچ رہا تھا۔ گھر آ کر بھی بے چین رہی' سارے کاموں سے فارغ ہوکر معارج سے اس کا سیل مانگا' اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اس وقت مجبوری تھی۔

کمرے میں آ کر وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی' دھڑکتے دل سے محریب کا نمبر ملایا' سوا گیارہ بج رہے تھے اسے اندازہ تو تھا وہ اپنے روم میں ہی ہوگا۔

''مم...... میں عنائبہ''۔ ڈرتے کانپتے لہجے میں وہ گویا ہوئی۔

''تم...... خیریت؟'' محریب کی گمبھیر آواز میں کچھ ناگواری چھلکی۔

''مم...... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ آج تو آواز بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''ہوں...... بولو''۔ وہ ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''سیل پر نہیں آپ سے مل کے بات کرنی ہے''۔ ڈھیروں خون چہرے پر شرم وحیا سے جمع ہوگیا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے جو مل کے کرنی ہے' تم کال کٹ کرو میں کرتا ہوں''۔ اس نے عادت کے مطابق کہا' وہ معارج کے سیل سے کررہی تھی جانتا تھا خود کال کرنا مناسب سمجھتا تھا اسی لئے کال کاٹ کے دوبارہ خود کرتا تھا۔

''میں نے جو بات بولی تھی اس پر عمل کب ہوگا''۔ کال ریسیو ہوتے ہی چھوٹتے ہی بولا۔

''مجھے اسی سلسلے میں بات کرنی ہے''۔ وہ اس کے تیز لہجے سے ڈر رہی تھی۔

''اب کچھ بچا ہی نہیں ہے کہ تم بات کرو' پھر تم جانتی ہو زبردستی کے رشتے کبھی پائیدار نہیں رہتے ہیں''۔

''پلیز' آپ مجھے اپنی صفائی میں بولنے کا موقع تو دیں' پھر جو آپ کو کہنا ہو کہہ دیجیے گا' مجھ پر رحم کریں''۔ وہ روہانسی ہونے لگی' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا محریب کو کیسے کہے' شرم وحجاب' جھجک اسے بولنے سے روک دیتا تھا مگر اس نے ابھی بھی کچھ نہیں کہا تو وہ ساری زندگی پچھتاوؤں میں رہے گی جو اس کے اپنے اتنے خوش نظر آرہے تھے ان کی خوشیاں کہیں ایک بار پھر معدوم نہ پڑ جائیں۔

''ٹھیک ہے بولنے کا موقع دیتا ہوں جو بھی صفائی میں کہنا چاہتی ہو سن لیتا ہوں مگر میرا فیصلہ اٹل ہے''۔ وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔ وہ جتنی بے گانگی سردمہری اور بے نیازی برت سکتا تھا برت رہا تھا۔ باری اب عنائبہ کی تھی وہ کیسے اپنی محبت کا چاہت کا احساس دلاتی ہے وہ تو اپنے ہر عمل سے ثابت کرتا رہا تھا۔

''کل میں تمہیں لینے آؤں گا''۔

''کتنے بجے؟'' دور سے اس کی آواز ابھری۔

''پانچ بجے آفس سے میں نکلتا ہوں واپسی میں تمہیں پک کرلوں گا مگر جلدی کرنا' مجھے حمود سے ملنے بھی جانا ہے' وہ منتہیٰ بھابی کو لے کے کوئٹہ جارہا ہے''۔ اس نے ساتھ ہی اپنا پروگرام بھی بتایا۔

''جج...... جی اچھا میں تیار ملوں گی''۔ وہ جلدی سے بولی۔ یہ کہتے ہی لائن وہ کٹ کرچکا تھا' عنائبہ نے افسردہ اور رنجور ہوکر آنکھیں بند کی تھیں' وہ بہت تھک گئی تھی اس طرح کے حالات سے' وہ اب کچھ دیر ستانا چاہتی تھی اسے ماں کی محبت ملی تو مجازی خدا اس سے روٹھ گیا تھا۔

☆

کچھ تو ہمت کرنی تھی ایک کوشش کرلینے میں حرج تو نہیں ہے پھر اگر جذبے صادق ہوں تو منزل آسانی سے مل جایا کرتی ہے مگر اس لمحے اتنی گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی کبھی سوچا ہی نہیں کہ کسی لڑکی سے یوں بھی اظہار کرنا پڑے گا اور لڑکی بھی وہ تھی جسے اعتبار دلانا یقین دلانا بہت مشکل تھا۔

آج وہ بھی آفس سے جلدی آ گیا تھا' حمود کوئٹہ جانے کی تیاریوں میں لگا تھا' منتہیٰ کو شاپنگ پر لے جانا تھا۔ بلیک کے ڈارک گرے پینٹ پر پنک چیک کی شرٹ میں ملبوس آئی گلاسز میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا' تیزی سے زینہ اتر اطراف میں نگاہ دوڑائی سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے' مبینہ آنٹی کو تائی امی نے بلایا ہوا تھا حکمت بھی ان کے ساتھ تھی۔

''چل فائق! یہ معرکہ بھی آج انجام دے ہی لے' کسی لڑکی کو اپنی چاہت کا یقین دے ہی دے''۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا وہ کوریڈور عبور کرگیا' پورچ میں کچھ لمحوں کے لئے رک گیا۔

''اس سرپھری کی وجہ سے جھوٹ بھی بولنا ہوگا' ایک بار تم مان جاؤ بعد میں تمہیں ٹھیک کروں گا''۔ دروازے پر پہنچ

کرنا ک کیا' پسینہ بھی آنے لگا' شام کا وقت تھا لان میں ہوا بہت اچھی چل رہی تھی۔

''کون ہے؟'' تہذیب کی تیز آواز آئی۔

''کھولئے''۔ آواز کو نرم بنا کے بولا تھا۔

ٹھک سے دروازہ کھلا وہ دشمن جاں پیچ کلر کے کاٹن کے پلین کپڑوں پر پرنٹڈ دوپٹہ شانوں پر ڈالے اس کے سامنے تھی' وہ حیران رہ گئی۔

''وہ تمہیں مبینہ آنٹی بلا رہی ہیں''۔ فائق کو اس وقت جھوٹ بولنا سخت گراں گزر رہا تھا جبکہ جھوٹ بولنے والا شخص تو اسے ویسے ہی برا لگتا تھا۔

''امی مجھے مگر وہ تو نزہت آنٹی کے پاس کام سے گئی ہیں''۔ وہ خود ہی ہمکلام ہوئی۔

''پتہ نہیں مجھ سے کہا تھا تائی امی نے تمہیں بلا دوں''۔ وہ مڑ گیا' تاثر ایسا دیا وہ واقعی اسے بلانے آیا تھا مگر آگے جا کر وہ سائیڈ پر ہو گیا' اسے پتہ تھا وہ ضرور گھر سے نکلے گی۔

تہذیب عجلت میں تیزی سے نکلی' حمزہ اندر تھا اس نے لاک لگا لیا' دوپٹہ قرینے سے سر پر جمایا' ابھی اس کے قدم پورچ تک گئے تھے فائق کے مضبوط ہاتھ نے اس کا بازو پکڑ لیا' وہ اچھل گئی' اُسے دیکھ کر اس کے تو آگ ہی لگ گئی۔

'کیا حرکت ہے؟ بازو چھوڑیئے''۔ وہ چیخی مگر فائق پر اس کے برہم ہونے کا ذرا اثر نہیں ہو رہا تھا' وہ تیز تیز چلتا پیچھے کی طرف آ گیا جہاں چوکیدار کی چارپائی پڑی ہوئی تھی' ایک دن اسی طرح ایسے ہی تو انیکسی کے پیچھے لے گیا تھا۔

''میں کہتی ہوں چھوڑیئے''۔ وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے لگی۔ فائق نے دیوار کے ساتھ لگا کے اس کا بازو چھوڑا اور اپنے دونوں ہاتھ ٹکا کے اس کے جانے کے راستے مسدود کر دیئے' نگاہوں میں پیار وارفتگی والہانہ پن لئے تہذیب کے سراپے کو دیکھنے لگا' غصہ میں بھی وہ ہمیشہ اسے پیاری ہی لگتی تھی' وہ مسکرایا۔

''کیا بدتمیزی ہے''۔ اسے فائق کی نگاہوں سے الجھن ہونے لگی' اس دن کے وہ لمحات ایک ایک کر کے ذہن کی اسکرین پر آنے لگے۔

''پھر میری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کا موقع تلاش کر رہے ہیں''۔ زہر میں بجھا طنزیہ تیر اچھالا۔

'شٹ اپ''۔ اس نے غراتی آواز میں ڈانٹ کے کہا۔ تہذیب اس کے حصار سے نکلنے کے لئے دانت پیس رہی تھی مگر فائق کے ارادے ایسے نہیں تھے کہ وہ آج اسے یوں ہی جانے دے۔

''تہذیب! کیا ہم اچھے موڈ میں بات نہیں کر سکتے''۔ ایکدم ہی وہ دھیما پڑ گیا' تہذیب نے چونک کر اس کے لہجے پر غور کیا' اس کی آنکھوں میں جھانکا' وہ بہت تھکا ہوا پریشان سا لگ رہا تھا' کل تک وہ اسے چڑا کے محظوظ ہوتا تھا مگر آج انداز میں وہ خوشی طمانیت نظر نہیں آ رہی تھی۔

''اچھے موڈ میں بات کرنے کے لئے اب بچا ہی کیا ہے''۔ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا افسردہ' غمگین تھا' اس کے ساتھ کی اس نے کتنی دعائیں کی تھیں مگر یوں اچانک سے اسے وہ ملنے والا تھا وہ خوشی وہ احساس کیوں نہیں تھا جانے کیوں دل کو ملال یہ ضرور تھا' کاش وہ فائق کی بات مان لیتی اور وہ اپنی جاب چھوڑ دیتی مگر وہ ضد میں کرتی جا رہی تھی۔

''پلیز تہذیب! مجھے اپنی ہی نظروں میں نہیں گراؤ' روز رات کو ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوتا ہوں''۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار سے ہٹا لئے' چہرہ اس کا اور افسردہ ہو گیا۔

''تہذیب! خدا گواہ ہے میں تمہارے پاس غلط نیت سے نہیں بڑھا تھا' یہ میری محبت تھی کسی دوسرے شخص کو میں کیسے برداشت کرتا تمہارے ساتھ وہ سب کرتا''۔ وہ دور آسمان پر دیکھتے ہوئے بولا۔

تہذیب اس کے بولنے پر متحیر زدہ سی رہ گئی' آج وہ کس انداز میں بول رہا تھا اتنی ندامت بھی چھلک رہی تھی لہجے میں سچائیاں گندھی تھیں۔

''میں اگر تمہیں کچھ کہتا تھا' چڑاتا تھا صرف تمہارا غصہ دیکھنے کی وجہ سے کیونکہ تم نے میرا دل آہستہ آہستہ اپنے قبضے میں لے لیا تھا' میں جتنا تمہارے حصار سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا تم میرے سامنے نئے نئے روپ میں آ جاتی تھیں''۔ وہ اپنے دل کی ساری باتیں کتنے سادہ لہجے اور الفاظ میں عیاں کر رہا تھا' وہ حیرت زدہ سی بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔

''میں بہت عام سا بندہ ہوں تہذیب! مجھے وہ الفاظ ہی بولنے نہیں آتے کہ تمہیں اپنی محبت کے جذبات واضح کروں مگر اتنا کہوں گا تمہیں دل کی گہرائیوں سے شروع سے چاہتا ہوں' اس بھیانک حادثے کے بعد سے جس نے تمہیں مجھ سے اور بدظن کر دیا''۔

''آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟'' وہ پھر انجان بن کے پوچھنے لگی۔

''تہذیب! یہ کہنا چاہتا ہوں تم اگر مجھے نہیں ملیں تو میں ساری زندگی بے چین رہوں گا''۔ رنجور اور غمزدہ آواز میں بولا۔

چڑیوں کا غول اچانک سے آسمان پر شور کرتا ہوا گیا جیسے انہیں کوئی خوشی مل گئی ہو یا ان کا کوئی بچھڑا ہوا ساتھی مل گیا ہو۔ تہذیب نے آسمان پر نگاہ کی۔

''مجھے ایسا لگتا ہے آپ کا دل راضی نہیں ہے آپ پھر بھی ایک ایسی لڑکی سے شادی کریں گے جسے معاشرہ قبول نہیں کرتا''۔

''تہذیب پلیز! ایسی بات نہیں کرو' مجھے اور احساس ہوتا ہے اپنی غلطی کا''۔ وہ تڑپ کے اس کے قریب آ گیا۔

''کاش آپ نے مجھے مرجانے دیا ہوتا''۔

''اگر تمہیں مرجانے دیتا تو میں جی کر کیا کرتا''۔ تہذیب کے نرم پڑنے پر وہ خوش سا ہو گیا۔

''مجھے معاف کب کرو گی' بہت تڑپ رہا ہوں صرف تمہاری وجہ سے''۔ ملتجی انداز میں حسرت اور شدت بھی پنہاں تھی۔

''میں آپ کے قابل نہیں ہوں' آپ کے سب گھر والے مجھے تو اسی نگاہ سے دیکھیں گے' میں داغ دار لڑکی ہوں''۔ اس کی آواز بھیگ گئی۔

''خبردار تہذیب! اگر تم نے خود کو الٹے سیدھے الفاظ سے منسوب کیا' سب گھر والے میرے ایسے نہیں ہیں' سب کی تم پسندیدہ ہو''۔ اس نے نرم نرم ہاتھوں کو محبت کی گرمی سے تھاما۔

''تمہارا دل صاف ہوا یا نہیں''۔ قدرے توقف کے بعد پھر پوچھا۔ تہذیب نے سر ہلایا' وہ تو خود اس کے دل کا مکین تھا' انجانے میں اسے دعاؤں میں مانگا کرتی تھی مگر فائق کی سپاٹ طبیعت کی وجہ سے اس کا دل اداس ہو جاتا تھا۔

''شکر ہے مالک کا تم قابو تو آئیں ورنہ تم نے ناک سے لکیریں نکلوانے کا سوچ لیا تھا''۔ وہ شوخی سے مسکرا کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا۔

''آپ اتنے روکھے پھیکے کیوں تھے' میری اتنی بے عزتی کیوں کرتے تھے' یاد ہے آپ نے میرے ساتھ مائز بھائی کی شادی والے دن کیا کیا تھا''۔ اس نے یاد دلایا۔ فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ' وہ شکوے شکایت کرتی کتنی مختلف اور اپنی اپنی لگی تھی۔

''روکھا پھیکا اس لئے تھا کہ میں کسی لڑکی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر تم نے ایسے ڈورے ڈالے مجھے محبت کی ڈور میں بندھنا ہی پڑا''۔

''کیا...... میں نے......؟'' وہ پھر اپنے سابقہ رویئے میں آ گئی جب فائق اسے چڑاتا تھا تنگ کرتا تھا وہ ایسے ہی برہم ہوتی تھی۔

''تم فکر نہیں کرو اپنی شادی والے دن تمہارے ساتھ بہت خوبصورت اور پیارا سلوک کروں گا''۔ معنی خیزی اور شوخی سے بولتے ہوئے تہذیب کے سرخ پڑتے رخساروں کو بغور دیکھنے لگا۔

''کس کی شادی؟'' وہ انجان بننے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

''میری' تمہیں بلا رہا ہوں آ جانا یاد سے''۔ وہ پھر شوخ ہوا۔

''سوچوں گی''۔ اس نے بھی چڑانے کے لئے کہا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی کرنے میں دیر نہیں کروں گا' ایک جھٹکا پہلے ہی دے چکا ہوں''۔ وہ آنکھوں میں شرارت لئے اس کے قریب آیا۔

''ایسے ہی' اب کے آپ کی چلنے تھوڑی دوں گی''۔ وہ انگوٹھا دکھاتی ہوئی بھاگنے لگی تھی' فائق اس کے پیچھے دوڑا تھا مگر وہ اتنی خوشی خوشی یہاں سے گئی تھی فائق سرشار ہو گیا تھا' اس کے دماغ سے بھی یہ بوجھ سرک گیا تھا۔

''ٹھیک کہا تھا ناں میں نے' لڑکیوں کو بس پیار کی زبان سے رام کرو تو فوراً جھولی میں گر جاتی ہیں''۔ مائز انیکسی کے پیچھے کہیں چھپا ہوا تھا۔ فائق تو گڑبڑا گیا' حیرت زدہ سا اس کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھنے لگا' پتہ نہیں کب وہ وہاں آ کے چھپ گیا تھا۔

''سرکار! میں بھی پکا جاسوس ہوں موقع واردات پر پکڑ لیا۔ ویسے یار! ڈائیلاگ زیادہ ہی رومینٹک تھے''۔ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ فائق خجل سا جزبز سا اسے گھورنے لگا' مکا فضا میں تان لیا تھا۔

''خاصے خبیث آدمی ہو''۔ وہ کھسیا سا گیا تھا۔ مائز کے فلک شگاف قہقہہ نے اسے اور بزل کر دیا وہ وہاں سے نکل گیا۔

☆
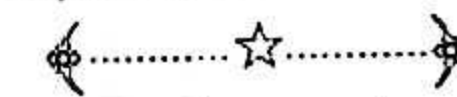
اس نے گھر میں صرف یہی کہا دادی جان نے بلایا ہے تاکہ عنائبہ عذر پیش کرنے سے بچ جائے۔ سمیرا بیگم نے محریب کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کی تھی' اسے دیکھ کر وہ بھرپور خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''اماں جی کی طبیعت ٹھیک تو ہے''۔ لہجہ میں بھی فکرمندی چھلکی' جب سے اماں جی سے انہوں نے معافی تلافی کی تھی وہ اور بھی سرتاپا بدل گئی تھیں۔

''مجھے کہا کہ عنائبہ کو لے آ' میرا دیکھنے کا دل کر رہا ہے''۔ عنائبہ اورنج اور شاکنگ پنک کنٹراسٹ سوٹ میں شرمائی گھبرائی سی آ گئی۔ محریب اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا' نگاہوں کا تصادم بھی ہوا مگر سرسری سا۔

''سمیرا چچی! اجازت ہے رات تک آ جائے گی عنائبہ''۔ وہ جاتے جاتے پلٹ کے بولا۔

''ارے محریب بیٹا! شرمندہ تو نہیں کرو تمہاری بیوی ہے اور تمہارے ساتھ جا رہی ہے کوئی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ اسے ٹوکنے لگیں۔

وہ دونوں نکل گئے تھے عنائبہ کے قدم ایسا لگ رہا تھا من بھر کے ہو رہے ہیں۔ فرنٹ ڈور کھول کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا' بلیک ڈریس پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں وجیہہ وشکیل لگ رہا تھا۔ لمبا چوڑا گریس فل سوبر سا محریب ہمیشہ اس کی دل کی دھڑکنوں کو چھیڑ دیتا تھا۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی وہ بڑی مستعدی سے ونڈ اسکرین سے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ لب دونوں کے سلے ہوئے تھے خاموشی کو ابھی تک بھی عنائبہ نے نہیں توڑا تھا۔ الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے ترتیب کیا دے بات کہاں سے شروع کرے کہ محریب کو اس پر اعتبار آ جائے۔

''کیا سوچ رہی ہو تم......؟'' محریب نے اسے اس قدر خاموش دیکھ کر دریافت کیا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ چونک کے سر نفی میں ہلا دیا۔

''یقین کر لوں تم کچھ نہیں سوچ رہی ہو''۔ محریب کا سرسری انداز مسکراتا ہوا تھا۔

''ہوں''۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''میرے خیال میں آپ سوچ رہے ہیں''۔ عنائبہ نے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا اور الٹا سوال کر ڈالا۔

''تمہیں کیسے لگا میں سوچ رہا ہوں''۔ انداز میں کسی قدر شگفتگی بھی تھی' وہ اس کے بدلتے موڈ پر حیران رہ گئی۔

''اچھا کتنا جانتی ہو مجھے یا جان گئی ہو''۔ اس نے پوچھا۔

عنائبہ کے دل کو جیسے اس کی اس بات نے چھوا' نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا' اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔

''کیا ہوا اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے' کوئی خاص بات کرنی تھی شاید تمہیں''۔ محریب نے اس کے دیکھنے پر پھر دریافت کیا تھا وہ بھی اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں' کیوں میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں؟'' آنکھوں کا زاویہ اس نے ونڈ اسکرین پر جما دیا۔

''کیسا سلوک جبکہ میں بالکل خوشگوار موڈ کے ساتھ تمہیں تمہارے کہنے پر لایا ہوں' تمہیں تو مجھ سے بات کرنی تھی الٹا یہ تو مجھ پر الزام ہوا محترمہ''۔ گاڑی جھٹکے سے سی ویو کے سامنے روکی' جھاگ اڑاتا سمندر دور سے نظر آ رہا تھا' شام کی ہلکی ہلکی سیاہی پھیل گئی تھی' لوگوں کا ایک جم غفیر وہاں موجود تھا' سیٹر ڈے ہونے کی وجہ سے لوگ لگتا تھا زیادہ تر یہیں آتے ہیں۔

''آپ مجھ سے ایسے بدلے لیں گے' جو کچھ گزشتہ عرصے میں ہو چکا ہے صرف مجبوری اور حالات کی وجہ سے ہوا ہے' آپ کیا سمجھتے تھے میں کیا جذبات نہیں رکھتی تھی یا میرا دل نہیں تھا' ایک لڑکی کو اس طرح اگر مجبوری میں زندگی کے پل گزارنے پڑیں جبکہ نہ ماں خوش نہ مجازی خدا خوش' سوچئے وہ چین سے رہ سکتی ہے' میں روز روتی تھی مرتی تھی جیتی تھی مگر کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی''۔ آہستہ لہجے میں وہ بول رہی تھی۔ محریب کو اس کی صورت پر ترس آنے لگا' پیار آنے لگا' وہ بولتی ہوئی اتنی معتبر لگ رہی تھی کہ وہ خواب کی سی کیفیت میں آ گیا۔

''میرا قصور صرف اتنا ہی تھا میں اپنی امی کو چاہتی تھی کہ وہ اپنا رویہ سب سے درست کر لیں' وہ یہاں کسی سے خوش نہیں اور میں رخصت ہو کر چل دیتی' سوچئے اگر میں یہ سب کرتی تو خاندان میں دوریاں اور بڑھ جاتیں' کوئی کسی کی صورت تک نہیں دیکھتا''۔ دل اس کا بہت بھر آیا تھا۔

''روز امی اور ابو کی لڑائی ہوتی' میرا مسئلہ بنایا جاتا' میرے دل پر اس وقت جو گزرتی تھی میں ہی جانتی تھی' میں نے تو کسی کو غصہ نہیں دکھایا' کسی سے شکوہ نہیں کیا میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے''۔ آواز بھیگنے لگی' محریب سے آگے سننے کی تاب نہیں تھی اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تھا۔

''خوشی کے دن آئے سب مل گئے تو آپ کہہ رہے ہیں کہ رخصتی رکوا دوں' آخر آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں' میں انسان ہوں میری سوچیں نہیں ہیں''۔ ہاتھ کھینچ لئے اور آنسو صاف کئے۔

''سوچا تھا جب بھی آپ سے ملوں گی آپ کی تشنگی بھی مٹا دوں گی''۔

''عنائبہ! سوری میں شاید زیادہ ہی تمہارے ساتھ برا کرنے لگا تھا''۔ وہ شرمندگی سے بولا۔ عنائبہ لب کچل رہی

تھی۔ اے سی کی کولنگ میں اس کے احساس بھی لگ رہا تھا جم رہے تھے۔

''میں صرف تم سے اظہار چاہ رہا تھا' تنگ کر رہا تھا''۔

''میں آپ کا غصہ سب سمجھ رہی تھی آپ اس غلط فہمی کا شکار تھے' میں آپ کو اگنور کرتی ہوں سارے زمانے کی پرواہ کرتی ہوں صرف آپ کی نہیں کرتی''۔ اس کی ایک ایک سوچ کا پہلو اس پر واضح کیا۔ وہ جز بز سا ہو گیا' خفت اور خجالت سے لب دانتوں تلے دبا لیا۔

''اور کتنا شرمندہ کرو گی یار! بندہ یہاں مرنے کے قریب ہو گیا ہے''۔ اس نے لب کھولے۔

''مجھے آپ مردوں کی کبھی سمجھ نہیں آتی ہے' عورت سے چاہتے ہیں وہ اظہار کرتی رہے اپنی محبت کے پھول نچھاور کرتی رہے' ہر وقت ہاتھوں میں چاہت سمو کے آپ کو دیکھتی رہے' جہاں کسی وجہ سے اگنور کر دیا طعنے مار مار کے زندگی دوبھر کر دیتے ہیں''۔ اسے محریب پر بھی اب غصہ آنے لگا' اس نے بھی تو بہت سی جگہوں پر اگنور کیا تھا' کتنے سخت مرحلوں میں اسے ڈال دیا تھا' نکاح کے بعد اس کا موڈ ہی کب ٹھیک تھا۔

''کیا کریں ہم مرد ایسے ہی ہوتے ہیں''۔ وہ شرارت میں اس کی بات اڑانے لگا۔ عنائبہ کی خفگی بھری نگاہیں اس پر اٹھی تھیں' کیوں جب اس کے گلے شکوے کرنے کی باری آئی تو وہ بات کو کہیں سے کہیں اڑانے لگا۔

''بولو......گزارہ کر لو گی اس چھ فٹ سے اونچے لمبے مرد کے ساتھ''۔ وہ شرارتی لہجے میں بولتا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''آپ نے بھی میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے' آپ کا منہ کب سیدھا رہتا تھا نکاح کے بعد تو آپ لال بھبھوکا رہنے لگے تھے''۔

''اچھا اچھا بس ساری شکایتیں ایک طرف' اب کچھ دوسری قسم کی باتیں ہو جائیں''۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگا کے مخمور لہجے میں گویا ہوا' عنائبہ نے حیا سے نگاہ پھر جھکا لی۔

محریب نے بڑے پریم سے محبت و پیار سے اس کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' نرم نرم ہاتھ کی انگلیوں کو وہ دبانے لگا۔

''گھر چلئے کافی دیر ہو گئی ہے''۔ وہ گرمئ شوق سے گھبرا کے بولی۔

محریب کی نگاہوں میں جو جذبے تھے روشنی تھی وہ اس کے حواس خراب کرنے کے لئے کافی تھے' اتنا ریزرو رہنے والا شخص اتنے شوخ لب و لہجہ میں' اسے خوشی بھی ہو رہی تھی اور یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

آج اس کی دل کی چاہت جو تھی سب مل گئی تھی۔ بچپن سے صرف یہی چاہت تھی کہ چاہت رہے رشتوں میں دلوں میں جذبوں میں۔

''اتنی دیر بھی نہیں ہوئی ہے''۔ وہ جانے کے موڈ میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔

''پلیز......'' لہجہ میں التجا تھی۔

''چپ کر کے بیٹھی رہو''۔ پیار بھری ڈانٹ پلائی۔

''ہم سے اچھا ہمارا مائز نکلا' اس نے ہمارا نکاح کروا دیا ورنہ مجھے تو ڈر تھا تم اپنی امی کی محبت اور کہنے میں کہیں اور شادی کر کے چلتی بنتی''۔ اس نے اسکی ناک پر شہادت کی انگلی ماری۔

''شاید''۔ سر جھکا کے اسی قدر کہا۔

''اگر ایسا کرتی تو عین شادی کے وقت اٹھا لیتا''۔

''اچھا اتنی ہمت تھی''۔ عنائبہ نے مسکرا کے تمسخر اڑایا۔

''ہاں''۔ وہ ہنسا۔

دونوں ایک ساتھ ہنسنے لگے' زندگی کتنی حسین ہو گئی تھی' ہر طرف ایسا لگ رہا تھا خوشیاں پھوٹی پڑ رہی ہوں' قمقمے روشن ہوں۔

''اس دن مائز کہہ رہا تھا اس کے بچوں سے' لوگ ہمارے بچوں کا موازنہ کریں گے' بڑے کے چھوٹے بچے اور چھوٹے کا بڑا بچہ''۔

عنائبہ کی ہنسی کو بریک لگ گیا' محریب کی بے باک باتیں اسے نروس کر رہی تھیں۔ دونوں میں کب اتنی بے تکلفی رہی تھی جو وہ آج اتنا شوخ ہو رہا تھا۔

''آپ کو ذرا شرم نہیں آتی؟''

''نہیں بالکل بھی نہیں' گوروں کے دیس میں پانچ سال گزارے ہیں کچھ تو بے شرم ہوں گا ہی''۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا آپ ایسے ہوں گے''۔ لہجہ سنجیدہ بنا لیا۔

''آج سے پندرہ دن بعد مکمل دیکھنا کیسا ہوں''۔ پھر شوخ معنی خیز فقرہ اچھالا' اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''اب تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے ناں؟'' اس نے پھر معصومیت سے دل کی تسلی کیلئے پوچھا۔

''نہیں بالکل نہیں' مجھے آج تم پر اتنا پیار آ رہا ہے کہ بس خود کو کنٹرول کیا ہوا ہے''۔ وہ اس کے رخسار پر انگلی رکھ کے گویا ہوا۔ عنائبہ کے دل کو طمانیت مل گئی' اس کا مجازی خدا اس سے راضی ہو گیا تھا۔

''ایک بات کہوں؟'' گاڑی پھر رکی۔ وہ چونک گئی وہ سنجیدہ جو ہو گیا تھا' کچھ لمحوں پہلے کی شوخی معدوم تھی' وہ پھر گھبرا گئی۔

''مجھے کبھی بھی اگنور نہیں کرنا' جو بھی تمہیں پرابلم ہے جو کچھ بھی شکایت ہے مجھ سے ڈائریکٹ کہنا' مجھے وہ بیویاں بہت بری لگتی ہیں جو اپنے شوہروں کی برائیاں محفل میں کرتی نظر آتی ہیں اور کبھی بھی اپنی پرسنل لائف کی' میاں و بیوی کی کسی قسم کی کوئی بات بھی تم کسی سے بھی شیئر نہیں کرو گی''۔ وہ اس پر اپنی سوچ واضح کرنے لگا۔

''اگر تم دوست بن کے میرے ساتھ رہو گی میں بھی تمہارے ساتھ بہت محبت سے پیش آؤں گا''۔

''بے فکر رہئے آئندہ لائف میں آپ کو مجھ سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہو گی' میں بھی آپ کی تمام باتوں پر عمل کروں گی''۔ اس نے ایک جذب سے کہہ کر یقین دلایا۔

''دیکھنا ہم دونوں مثالی کپل ہوں گے لوگ ہمیں دیکھ کر رشک کریں گے''۔

''انشاءاللہ تعالیٰ''۔ دل سے کہا۔

''کبھی بدگمانی اور غلط فہمی کو قریب نہیں آنے دیں گے ہم دونوں''۔ عنائبہ نے مسکرا کے اس کی بات پر سر ہلایا۔

''جن رشتوں میں محبت اور چاہت ہو تو وہ تب پروان چڑھتے ہیں''۔ وہ بولی۔

چاہت ہمیشہ دل کی چاہت تھی جو اسے مل گئی تھی۔ محریب نے گاڑی سرشار ہو کر اسٹارٹ کر دی تھی' عنائبہ کو اس شخص کی باتوں نے جیت لیا تھا جو سوچ بھی کتنی معتبر رکھتا تھا۔

اب تو دعا یہی تھی کہ ہمیشہ پاس خوشیاں ہی رہیں' غموں کی دھوپ اس خاندان کے کسی بھی شخص پر نہ پڑے' زندگی کے سفر پر وہ دونوں جا رہے تھے۔ خوشیاں' محبت' چاہت' اپنائیت سب ہی کچھ کشید نا تھا' غموں کے بادل چھٹ گئے تھے ایک نئی چمکیلی صبح کا آغاز ہو چکا تھا ہمیشہ کے لئے' اس نے وفورِ مسرت سے محریب کے شانے پر سر ٹیک دیا۔

☆